# اشعۃ اللمعات

## شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

فرید بک سٹال ۳۸ - اردو بازار لاہور ۲

مَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد پنجم

# اشعۃ اللمعات

ایک

# شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولینا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸- اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

کتاب : اشعۃ اللمعات اردو، ترجمہ و شرح مشکوٰۃ شریف

شارح : شیخ محقق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ،

ترجمہ و حواشی و تعارف شارح : محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

ناشر : فرید بک سٹال ۳۸ اُردو بازار لاہور

کتابت : محمد نعیم خوشنویس، حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

پروف ریڈنگ : مولانا حافظ محمد شاہد اقبال

مطبع : روبی پرنٹرز ۲۷/۱۰ ریٹی گن روڈ، ہجویری پارک لاہور

سال اشاعت : یکم جنوری ۱۹۹۳ء

تعداد : ایک ہزار

ہدیہ : ۲۲۵/- روپے

ملنے کا پتہ

فرید بک سٹال ۳۸ اُردو بازار لاہور

# فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# حرفِ آغاز

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان اور کرم ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے امام اہلِ سنت، شیخ الاسلام شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ کی مشکوٰۃ شریف کی شہرۂ آفاق فارسی شرح اشعۃ اللمعات کے اردو ترجمے کی پانچویں جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ رب کریم جل شانہ کے اس احسانِ عظیم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، دعا ہے کہ محض اپنے لطف جمیل سے ترجمہ کی باقی دو جلدیں بھی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ چوتھی جلد ماہ ربیع الاول، اکتوبر ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھی، بحمدہٖ تعالیٰ اب پانچویں جلد پیش کی جا رہی ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس کارِ عظیم اور گراں کی تکمیل کیلئے دُعا فرمائیں۔

اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کا آغاز اہلِ سنت و جماعت کے بایہ ناز عالم فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ نے کیا تھا، ۴ ربیع الثانی ۱۷ دسمبر، ۷ ۱۴ھ/۱۹۸۶ء کو ان کا وصال ہوگیا تو اہلِ سنت و جماعت کے نامور ناشر، جناب سید اعجاز احمد مالک فرید بک سٹال اردو بازار لاہور نے برادر دینی و ایمانی مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و خطیب جامع مسجد ظفریہ، مرید کے، کے مشورے سے یہ اہم ذمہ داری راقم کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی، یقیناً یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے حبیب، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی خدمت کا موقع دیا گیا، ورنہ یہ سعادت بزورِ بازو تو حاصل نہیں کی جاسکتی۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قالِ محمد

یہ ایک لافانی حقیقت ہے کہ انسانیت کی کامیابی و کامرانی کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں مضمر ہے ؎

بحق دل بند و راہ مصطفےٰ رو

احادیث مبارکہ کی شرح اور ترجمہ لکھنے اور شائع کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائی جائیں تاکہ مسلمان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی حاصل کریں۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اولاد امجاد میں سے جناب ضیاء الحق سوز حقی مقیم دہلی کی فرمائش پر راقم نے حال ہی میں ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس میں شیخ محقق کے سوانح کی حیاتِ مبارکہ، عقائد اور احوال و آثار کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے، یہ مقالہ پیش نظر جلد کی ابتدا میں شامل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اسے پسند کریں گے۔

متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم مولانا علامہ مفتی محمد خاں قادری فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور خطیب جامع مسجد رحمانیہ، شادمان لاہور اس کارِ خیر میں راقم کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہو گئے ہیں اور یہ ایک نیک فال ہے امید ہے کہ ان کے تعاون سے یہ کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور دینِ متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ پیش نظر جلد کی تصحیح فاضل نوجوان مولانا حافظ محمد شاہد اقبال خطیب جامع مسجد حضرت ابوبکر صدیق، بازار حکیماں، اندرون بھاٹی دروازہ لاہور نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

فرید بک سٹال لاہور کے مالکان، اشعۃ اللمعات اور دیگر کتب حدیث کے تراجم اور دیگر اسلامی و اعتقادی لٹریچر شائع کرنے پر تمام اہل اسلام کے شکریے کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال فرمائے۔ امین

۸ ر ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

۱۰ ر جون ۱۹۹۲ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز

## شیخ الاسلام، امام اہل سنت، شیخ محقق

اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک وکفر اور گمراہی سے نکالنے کے لیے انبیاء کرام بھیجے گئے مگر انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچا دیا، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، امور آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں؛ لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولت یقین فراہم نہ کر سکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ تیقن عطا کیا جس کی بنا پر وہ جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور دنیا وآخرت کی سعادتیں حاصل کر گئے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا البتہ پیغمبرانہ جدوجہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لیے امت مسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے اور انہوں نے نہ صرف دعوت وارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا بلکہ دین متین کے مقدس چہرے سے گرد وغبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کر دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلیٰ رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد)

بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

علماء اسلام نے مجدد کے لیے جو شرطیں بیان کی ہیں یہ ہیں۔

- وہ علوم ظاہرہ اور باطنیہ کا جامع ہو۔

- اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر سے نفع عام ہو۔
- سنت کی اشاعت و ترویج اور بدعت کے خاتمے کے لیے کوشاں ہو۔
- ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت ہو اور لوگ دینی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہو، گزشتہ صدیوں میں سے ہر صدی میں ایک سے زیادہ مجدد ہوئے ہیں۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین احمد علی گڑھ) فرماتے ہیں:۔

مجدد مائۃ حادی عشر (گیارہویں صدی کے مجدد) یعنی الف ثانی، امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ھ، متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب "سبع سنابل" (متولد ۹۱۵ھ، متوفی ۱۰۱۷ھ) تھے[1]

آئندہ صفحات میں گیارہویں صدی کے مجدد، پاسبان دین مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)، علوم دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر، دینی حمیت و غیرت کے پیکر، امام المحدثین، شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیات مبارکہ کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

## حیات مبارکہ

| | |
|---|---|
| ۹۵۸ھ | ۱۰۵۲ھ |
| ۱۵۵۱ء | ۱۶۴۲ء |

امام اہل سنت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شہر دہلی ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت ان کے ہمراہ تھی[2]

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے،

---

[1] محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء، چودہویں صدی کے مجدد اعظم (جامعہ اشرفیہ، مبارکپور) ص ۲۲-۲۳۔
[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار (مطبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۸۹۔

سلسلہ عالیہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے[1]

حضرت شیخ نے تکملۂ اخبار الاخیار میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کیے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لیے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کریں، کام کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

۲۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ وعزت اور کثرت اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوق خدا کے ساتھ الجھتے ہیں اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور ان کاموں میں سے نہیں ہوا۔

۳۔ شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والد گرامی نے کئی دفعہ فرمایا کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے تو قبول کر لینا۔ ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا؟

۴۔ اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو وہ کیا کام کرے گا؟ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت اور پیروی میں ہے تم جو جنگ کر رہے ہو وہ اپنے نفس کے لیے ہے نہ کہ بزرگوں کے لیے۔

۵۔ طریقت کے بہت معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحاب ہمت ادا کرتے ہیں، حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے، دست در کار و دل با یار[2]

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا بلکہ ان پر عمل پیرا رہے۔

شیخ سیف الدین دہلوی، ۲۷ رشعبان ۹۹۰ھ ۱۵۸۲ء کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمت حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

## تحصیل علم

حضرت شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے علم سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا، حافظہ حیرت انگیز

---

[1] خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ..... ندوۃ المصنفین دہلی ص ۶۷، ۶۹

[2] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار فارسی (مجتبائی، دہلی) ص ۳۰۲۔

حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں کہ

دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو[1]

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھرپور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا پھر شیخ عبدالحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔

جب عربی نصاب اور منطق و کلام کی کتابوں تک پہنچے تو ماوراء النہر[2] کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علوم دینیہ حاصل کیے۔ شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے، ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں صرف کرتے، اپنی محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر اتنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا[3]

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دوران سبق عجیب عجیب بحثیں اور مفید باتیں ذہن میں آتیں، اساتذہ کے سامنے پیش کرتے تو وہ کہتے۔

ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے[4]

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے مروج علوم سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ/۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز مقدس پہنچے، ۹۹۹ھ/۹۰-۱۵۹۰ء تک وہاں قیام کیا، اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا، مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں، اسی اثنا میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے، شیخ محقق فرماتے ہیں۔

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، ص ۳۰۰۔

[2] نہر سے نہر جیحون مراد ہے، ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں مثلاً بخارا، سمرقند، نسف، اسبیجاب، خجند، خوارزم اور کاشغر وغیرہ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

[3] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، اخبار الاخیار فارسی ص ۳۰۲

[4] ایضاً ص ۳۰۲

اس فقیر حقیر نے حضرت بشیر نذیر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو انعام و اکرام کی بشارتیں پائی ہیں ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا [1]

## بیعت وخلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بے حد شوق تھا، جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا یہ شوق بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداءً والد ماجد کے دست مبارک پر بیعت ہوئے پھر ان کے ایماء پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے، مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، ارشاد وسلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔
شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو باوجود یکہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور خلافت رکھتے تھے، سلسلہ نقشبندیہ میں عارف کامل حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، محمد صادق ہمدانی نے کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی اشارے پر بیعت کی تھی [2]

## تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیات مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف دنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، فنی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ تفسیر | ۲۔ تجوید | ۳۔ حدیث | ۴۔ عقائد |
| ۵۔ فقہ | ۶۔ تصوف | ۷۔ اخلاق | ۸۔ اعمال |
| ۹۔ منطق | ۱۰۔ تاریخ | ۱۱۔ سیر | ۱۲۔ نحو |
| ۱۳۔ ذاتی حالات | ۱۴۔ خطبات | ۱۵۔ مکاتیب | ۱۶۔ اشعار [3] |

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے، چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں۔

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اخبار الاخیار فارسی ص ۳۰۴۔

[2] خلیق احمد نظامی : حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۲۷۔

[3] ایضاً : ایضاً ص ۱۶۰۔ نوٹ : جناب نظامی صاحب نے ۹ پر فلسفہ و منطق کا شمار کیا ہے، حالانکہ فلسفہ میں ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ قادری

۱۔ اشعۃ اللمعات، مشکوٰۃ شریف کا فارسی میں ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے، اردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا، ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمہ لگا۔ راقم نے چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی ہے، ترجمہ کی دو جلدیں مزید ہوں گی۔ یہ سب کام فرید بک سٹال لاہور کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح جس کی چار جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔

۳۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی)

۴۔ مدارج النبوۃ (فارسی) سیرت طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب۔

۵۔ اخبار الاخیار (فارسی) ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

۶۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب (فارسی) تاریخ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷۔ زبدۃ الاسرار (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸۔ زبدۃ الآثار (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

۹۔ تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلک اہل سنت وجماعت۔

۱۰۔ شرح فتوح الغیب (فارسی) سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف فتوح الغیب کی شرح۔

۱۱۔ ما ثبت بالسنۃ (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات، کتاب وسنت اور طریق اسلاف کی روشنی میں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبید احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الاکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال، امام ولی الدین، صاحب مشکوٰۃ کی تصنیف ہے اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

## رسالہ ضرب الاقدام:

پیر عبد الغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا ان میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے، اس کی ابتدا میں لکھا ہے۔

رسالہ ضرب الاقدام من تصنیف
زبدۃ المحققین شیخ عبد الحق دہلوی
رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

# شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء کو آسمان علم و معرفت کا نیر درخشاں احادیث نبویہ کا عظیم شارح، دین اسلام اور مقام مصطفےٰ کا محافظ اور مسلک اہلِ سنت کا پاسبان دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محو استراحت ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و قدس سرہٗ

# شیخ محقق کی دینی اور علمی خدمات

حضرت شیخ محقق نے اپنی طویل زندگی دینِ اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقام مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کرنے میں صرف کردی، دین متین کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی مؤثر سرکوبی کی، مسلک اہل سنت وجماعت کی شاندار ترجمانی کی۔

اس دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی جس کا آغاز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق تھا، بعدازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک جا پہنچا کر دین اسلام کے قطعی عقیدے ختم نبوت سے ٹکرا گیا، اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالتًا تھے اور یہاں تبعًا ہیں، اتباعِ رسول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ امتی، نبی کی مثل ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی، حضرت علی متقی، اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقام مصطفےٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کہتے ہیں۔

اگر سولہویں اور سترہویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانہ کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا۔

تصور امام، عقیدۂ مہدویت، نظریہ الفی (دین اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ ق ن) دین الٰہی یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔

شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کردی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی

پر شدت سے تنقید کی۔[1]

یہ وہ دور تھا کہ علماء بدعتوں کی سرپرستی کرتے تھے اور فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، صوفیائے خام نے طریقت کو شریعت سے الگ کرکے تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، ایسے علماء اور مشائخ کی بیہودگیوں نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا، ورنہ بقول شیخ محقق ایک وقت وہ تھا کہ

بادشاہ اتباع شریعت اور عبادت کا پابند تھا، مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا۔[2]

پھر ایسا برگشتہ ہوا کہ دن بدن دین سے دور ہوتا چلا گیا، بقول ملا عبدالقادر بدایونی ارکانِ دین اور اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، دیدارِ الٰہی وغیرہ کا تمسخر اڑایا جانے لگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کیے جانے لگے، کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوانخانے میں اعلانیہ نماز ادا کرے، چار وقت سورج کی عبادت کی جاتی، ماتھے پر قشقہ لگایا جاتا، اسلامی تعلیمات کے خلاف کتے اور خنزیر کی نجاست کا حکم کالعدم قرار دے دیا گیا اور ان کی زیارت کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔

ظاہر ہے ان حالات میں عقائد اور اعمال کے ہر گوشے میں بگاڑ کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا، شیخ محقق نے دینی دینی تعلیمات کو فروغ دے کر اس زہر کا تریاق فراہم کیا، شیخ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کے ذریعے جہانگیر کو تاریخی خط لکھا جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملتِ اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس خط میں شیخ محقق نے دنیا کی بے ثباتی، عدل و انصاف کی اہمیت، مقام نبوت اور اتباع شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیش رو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو، اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دور کے دیگر امراء سلطنت کو بھی خطوط لکھے اور امراء کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی اور شیخ محقق دونوں ہم عصر بھی ہیں اور پیر بھائی بھی، تجدید اسلام، احیاء سنت اور اماتتِ بدعت کے سلسلے میں دونوں کا ہدف ایک ہے، البتہ طریق کار دونوں کا اپنا اپنا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۷۲

[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، رسالہ ضرب الاقدام (مطبع نامی گرامی اسلامی) ص ۲۷۔

نفرت اور احیاء سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحب کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحب نے کہا ہے[1]

دربار اکبری کے مشہور شاعر اور بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے، فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی عقیدت و محبت تھی، شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور ان کے فقر غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمت اسلام پر حرف آئے۔ فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراط مستقیم سے بھٹک گیا تو اس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا، غیرت ایمان کا لاوا ان کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔

> فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتاز روزگار تھا، لیکن افسوس کہ اس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے اگر وہ مومن ہیں[2]

## علم حدیث کی تشریح اور ترویج

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علوم دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی، انہوں نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ قال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے، ان کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ نورالحق بن شیخ محقق (متوفی ۱۹ شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح تیسیر القاری

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۰۲۔

[2] ایضاً ایضاً ص ۲۴۳۔

کے نام سے فارسی میں لکھی، انداز وہی ہے جو شیخ محقق کا اشعۃ اللمعات میں ہے۔ شرح شمائل ترمذی لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شیخ نورالحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نوراللہ نے شمائل ترمذی کی شرح اشرف الوسائل کے نام سے لکھی، شیخ نورالحق کے دوسرے پوتے شیخ محب اللہ نے صحیح مسلم کی شرح منبع العلم کے نام سے لکھی، شیخ محب اللہ کے فرزند اکبر حافظ محمد فخرالدین نے حصن حصین کی شرح، فارسی میں لکھی، حافظ محمد فخرالدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد، دہلی میں صدرالصدور کے عہدہ پر فائز رہے، انہوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی جو تیسیر القاری کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے موطا امام مالک کی شرح، شرح محلی بحل اسرار المؤطا دو جلدوں میں لکھی، اس کے علاوہ شرح ترمذی لکھی، شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ نورالایمان اور رسالہ اصول الایمان لکھا[1]۔

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علوم دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

> حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسند تدریس بچھائی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھینچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل، گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا، گیارہویں صدی ہجری کے شروع سے تیرہویں صدی کے آخر تک علم حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ یہ سب شیخ عبدالحق کا اثر تھا[2]۔

شیخ محقق کی دینی خدمات کے بارے میں چند تاثرات ملاحظہ ہوں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر : حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲۲۴۔ ۲۵۸

[2] ایضاً : ص ۳۴

باون سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے مُکْنَتْ (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے اور نشر علوم خصوصاً علم حدیث شریف میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل نہ ہوا تھا، ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنونِ علمیہ خصوصاً فن حدیث میں کتب معتبرہ تصنیف کیں جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہل دانش خاص و عوام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں[1]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:۔

ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں علم حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء شلاً شیخ عبدالحق ترک دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اس علم کا فیضان کیا، شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا، پھر یہ منصب ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے سنبھالا (ترجمہ)[2]

شیخ محقق کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شیخ کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں، علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور واقعی وہ اس لائق ہیں، ان کی عبارات میں قوت، فصاحت اور سلاست ہے، کان انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لطف اندوز ہوتے ہیں (ترجمہ)[3]

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:۔

آپ کی فضیلت اور تنقید حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا، مگر وہ جس کو اللہ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے۔ اعاذنا اللہ منہا[4]

## عقائد

اہل سنت و جماعت کے عقائد، کتب کلام شلاً شرح عقائد، تمہید ابو شکور سالمی، المعتقد المنتقد اور

---

[1] فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، مکتبہ حسن سہیل، لاہور ص ۴۰۳

[2] صدیق حسن خاں بھوپالی: الحطہ (طبع لاہور) ص ۱۲۰۔ ۱۲۱

[3] ایضاً ص ۲۱۴

[4] فقیر محمد جہلمی، مرنوی: حدائق الحنفیہ ص ۴۰۳

تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں، دور آخر میں کچھ مسائل کو نزاعی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے، مدینہ منورہ کے احترام کے پیش نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے[1]۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کا قلم حدود شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے۔

شیخ محقق نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ثنایش گو، و لے چوں نیست ایفایش ز تو ممکن — بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکتفا کن
محال او را جدا از بہر شرع و حفظ دیں — دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن
خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ — جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن
جہان تاریک شد از ظلم سیہ کاراں — بیا ؤ عالمے را روشن از نور تجلی کن

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لیے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کر دو۔

یا رسول اللہ! میں آپ کے جمال اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محب صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہو گئی ہے، آپ تشریف لائیں اور نور تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی اور زار و قطار رونے لگے۔

خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی[2]

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۱۱۲
[2] ایضاً ص ۱۱۸-۱۱۶

## علم مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث شریف میں ہے " فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ " شیخ محقق اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

پس میں نے جان لیا وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہو گیا[1]

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں :۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسماء کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اول و آخر علوم کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ کا مصداق ہوئے ہیں[2]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دنیا میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہو گئے، آپ نے بعض احوال کی خبر، صحابہ کرام کو بھی دی[3]

ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام احوال اور ذات باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا، اسی وسیع ترین علم کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کہا جاتا ہے۔

## اختیار و تصرف

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کو فرمایا، سَلْ (مانگو) حضرت شیخ محقق نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۱ ص ۳۳۳۔
[2] ایضاً مدارج النبوۃ فارسی ( ایضاً ) ج ۱ ص ۲
[3] ایضاً ج ۱ ص ۱۴۴۔

اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے :

مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دست اقدس میں ہے جو چاہیں جسے چاہیں، اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصہ ہیں، اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض ہے۔

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری

بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے تو ان کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ قدرت و تصرف میں تھے[2]

## حاضر و ناظر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ مقدسہ میں تشریف فرما بعطاء الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرما رہے ہیں جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں، اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں۔

اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہٖ اسی جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثالی کے ذریعے تشریف لے جائیں، خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ، اس کا احتمال ہے، جب کہ ہر حال میں روضۂ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے[3]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۳۹۶

[2] ایضاً ج ۱ ص ۴۲۲

[3] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۵۰

سلوک اقرب السبل میں فرماتے ہیں :۔

علمائے امت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر حقیقت حیات سے دائم و باقی ہیں، اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر طالبان حقیقت اور بارگاہِ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے فیض رساں اور مُربی ہیں لہ

اس کے علاوہ مدارج النبوۃ فارسی ج ۱ ص ۱۲۱ اور اشعۃ اللمعات فارسی جلد ۱ ص ۲۴ پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

## جسمِ بے سایہ

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت اور نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے، تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا، ...... چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا لہ

## دیدارِ الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :۔

مختار یہ ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں ہے، ہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شبِ معراج واقع ہے۔ ۳

---

لہ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق ، سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل (بر اخبار الاخیار) ص ۵۵۔

۲ہ ایضاً ، مدارج النبوۃ فارسی ج ۱ ص ۱۱۸

۳ہ ایضاً ، اشعۃ اللمعات، فارسی ج ۴ ص ۴۲۴

## حیاتِ انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام

مدارج میں فرماتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات، علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے، ان کی زندگی معنوی اور اخروی ہے اور انبیاء کرام کی زندگی حسی اور دنیاوی ہے، اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں[1]

نیز ملاحظہ ہو اشعۃ اللمعات فارسی ج ا ص ۵۷۴۔

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔

بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا کہ وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے یا اس سے زیادہ[2]

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

انبیاء کرام حیاتِ حقیقی دنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیاتِ اخروی معنوی سے[3]

## سماعِ موتیٰ

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:۔

تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لیے جاننے اور سننے والے ادراکات ثابت ہیں[4]

## زیارتِ قبور

تمام مومنوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بنا پر وہ زیارت

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۷۴۲
[2] ایضاً : جذب القلوب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۲۱۳
[3] ایضاً : اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۲
[4] ایضاً : جذب القلوب فارسی (نولکشور، لکھنؤ) ص ۲۰۱۔۲۰۲

کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے[1]

## زیارت روضۂ انور

جذب القلوب میں ہے :۔

حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت افضل سنتوں اور مؤکد مستحبات میں سے ہے، اس پر علماء دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے[2]

## توسل اور استعانت

جذب القلوب میں فرماتے ہیں :۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگتے ہوئے کہا : تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے، اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد، جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا بلکہ اس حدیث کی بنا پر بعد از وصال اولیاء کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے، ہاں اگر حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے تو قیاس درست نہ ہوگا، مگر دلیل کہاں ہے؟[3]

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :۔

امام غزالی نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی[4]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : جذب القلوب فارسی (نولکشور، لکھنؤ) ص ۲۰۶
[2] ایضاً : ص ۲۱۰
[3] ایضاً : ص ۲۲۱
[4] ایضاً : اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۱۵

اشعۃ اللمعات فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:۔

منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہوگیا، کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہوگیا ہے جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے، اور ان کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست قرار دیتا ہے۔ اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے[1]

## شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گناہگاروں نے دنیا میں اہل اطاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور انکی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے[2]

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ انبیاء پھر علماء پھر شہداء۔ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بنا پر ہے، ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں، خواہ گناہوں کی بخشش کے لیے ہو یا درجات کی بلندی کے لیے، اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے، جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے[3]

## محفل میلاد

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:۔

ابولہب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھا لیا،

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات فارسی ج۳ ص ۴۰۲

[2] ایضاً : ج ۴ ص ۴۰۵

[3] ایضاً : ج ۴ ص ۴۰۸

جیسے کہ احادیث میں آیا ہے، اس جگہ میلاد منانے والوں کے لیے دلیل ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں، ابو لہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت پر خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف کرنے پر جزا دی گئی، مسلمان جو محبت اور سرور سے مالا مال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام کی پیدا کردہ بدعتوں شلاً گانے حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقۂ اتباع محرومیت کا سبب نہ ہو۔[1]

## ایصال ثواب

تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں :۔

مُردوں کے لیے زندوں کی دعاؤں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہلِ قبور کے لیے عظیم نفع ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں، نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔[2]

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۹۷ ملاحظہ ہو۔

## عرس

ماثبت من السنۃ میں فرماتے ہیں :۔

مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہِ عزت اور مقامات قدس میں پہنچتے ہیں۔ اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید کی جاتی ہے، اور یہ ان امور میں سے ہے جنہیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : مدارج النبوۃ فارسی ج ۲ ص ۱۹

[2] ایضاً : تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۷۔ ۷۶

[3] ایضاً : ماثبت من السنۃ عربی، اردو (طبع لاہور) ص ۲۲۳۔

## مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق فرماتے ہیں :-

آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لیے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت کو دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو، خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں، ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے، بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیے گئے۔[۱]

## قادریت

حضرت شیخ محقق کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی لیکن ان پر نسبت قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی نسبت ہی کو اپنے لیے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے، فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتدا میں اپنا نام نہیں لکھا، اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اس حقیر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے کہ اس جگہ ذکر کیا جا سکے۔[۲]

اخبار الاخیار میں متحدہ ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے، لیکن شیخ محقق کا حسنِ عقیدت دیکھیے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی کا تذکرہ کیا ہے۔

## مسلک

شیخ محقق مسلک اہل سنت و جماعت کے امام ہیں، ان کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے، حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے ہیں، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مسلک امام ربانی طبع لاہور از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، یہی عقائد و معمولات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

---

۱ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق، شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ص ۲۷۲

۲ ایضاً، شرح فتوح الغیب فارسی (مطبع لکھنؤ) ص ۴۲۴

کے ہاں ملتے ہیں، القول الجلی کی بازیافت از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے، یہ مقالہ رضا اکیڈمی لاہور نے حال ہی میں طبع کیا ہے۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں تاہم وہ اپنے مکتبِ فکر کا تعلق ان سے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری، استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔

> ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے۔ غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں انہیں تو جانے دیجیے ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی، اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں[1] تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہرحال حصہ ہے۔
>
> پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اول تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی، نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا، غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحبِ نظر عالم کی رائے میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا ہوں، سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سنت کا فرق واضح نہیں ہو سکا" بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔[2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لیے شیخ محقق کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں۔

> اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں[3]

---

[1] چاند کے چہرے پر گرد و غبار ڈالنے والی بات ہے۔ ۱۲ اشرف قادری نقشبندی

[2] انظر شاہ کشمیری، مولوی: فٹ نوٹ، ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

[3] خلیل احمد انبیٹھوی: براہین قاطعہ (کتب خانہ امدادیہ، دیوبند) ص ۵۵۔

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ

این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ [۱]

اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں شیخ نے یہ بات بطور حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی، حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی، بدایوں، خیرآباد اور رامپور کے علماء یعنی علماء اہل سنت ہی شیخ محقق کے جانشین اور ان کے مسلک کے امین ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں۔

شیخ شیوخ علماء الہند، محقق فقیہ، عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت و عظمائے امت، قَدَّسَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِھِمْ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھِمْ وَاَنْوَارِھِمْ [۲]

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امام اہل سنت، شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربت انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، ان کی اولاد امجاد اور تمام اہل سنت و جماعت کو ان کے علمی ورثے کی حفاظت اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلاف کا خاتمہ فرمائے۔ آمین بجرمۃ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۱۸ر شوال ۱۴۱۲ھ
۲۲ر اپریل ۱۹۹۲ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
جامعہ نظامیہ لاہور

---

[۱] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ۱ ص ۷
[۲] احمد رضا بریلوی، امام: مجموعہ رسائل حصہ دوم (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص ۱۰۹

# کِتَابُ الْجِهَادِ

## ۲۸۵۔ جہاد کا بیان

الجہد جیم پر زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں، طاقت اور مشقت، جہاد جیم کے نیچے زیر اور مجاہدہ دشمنوں کے ساتھ جنگ کرنا (قاموس) یا بالغ جنگ کا ارادہ کرنا، اس کے لیے نکلنا اور قوت و طاقت کا صرف کرنا مراد ہے، کیونکہ حضرت مؤلف اس کے بعد ایک باب لائے ہیں "جہاد میں جنگ کرنا" اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے بغیر بھی جہاد ہوتا ہے، کافروں کے ساتھ جہاد فرض کفایہ ہے، ہاں اگر جنگ کا اعلان عام ہو تو فرض عین ہو جاتا ہے، سمندر کا جہاد خشکی کے جہاد سے افضل ہے، قاموس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ بہترین شہداء اصحاب وکف ہیں یعنی وہ حضرات جنہیں کشتی پانی میں پھینک دے، امام سیوطی، جمع الجوامع میں حدیث لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمندر کے شہداء کی روحیں خود قبض فرماتا ہے اور ملک الموت کے سپرد نہیں فرماتا۔ مشکوٰۃ شریف میں بھی ڈوبنے والے کی فضیلت میں احادیث آئیں گی۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۶۱۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِيْ اَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَاَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

## پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے[1] تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر لازم اور ثابت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے یا اس زمین میں بیٹھا رہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو خوش خبری نہ دیں؟ فرمایا: بے شک جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں[2]، جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس کی دعا کرو کیونکہ وہ درمیانی[3] اور بلند ترین جنت ہے، اس کے اوپر اللہ تعالیٰ[4] کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں[5]۔

(بخاری)

[1] خاص طور پر نماز قائم کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کے ذکر میں اشارہ ہے ان کی عظمتِ شان کی طرف، نیز اس لیے تخصیص کی کہ یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہیں، بخلاف زکوٰۃ اور حج کے کہ سب پر واجب نہیں ہیں۔ صرف ان لوگوں پر واجب ہیں جو صاحبِ مال ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں۔

۵۲؎ یعنی ہاں! خوشخبری دے دو کہ اہل ایمان نمازی اور روزے دار، ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے، لیکن جنت کے بہت سے دوسرے درجات اور فضائل ہیں جو جہاد اور راہِ خدا میں شہادت سے حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا جہاد کے ذریعے انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

۵۳؎ یعنی افضل اور عمدہ ترین جنت ہے، وسط بہترین چیز کو کہتے ہیں۔

۵۴؎ عرش کی اضافت، رحمٰن کی طرف اس بنا پر ہے کہ عرش اور رحمت میں خصوصی تعلق ہے، جیسے عرش نے تمام اجسام اور عالم محسوس کے تمام اجزاء کا احاطہ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے تمام اجسام اور ارواح، محسوسات اور معقولات کا احاطہ کیا ہوا ہے، خواہ وہ عرش ہو یا اس کے علاوہ۔

۵۵؎ فردوس مشتق ہے فَرْدَسَہٗ سے جس کا معنی وسعت اور عظمت ہے۔

۳۶۱۲ (۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَآئِمِ الْقَانِتِ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَا صَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا حال اس شخص کی طرح ہے جو روزہ دار، شب بیدار اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ قیام کرنے والا ہو، نہ روزے سے تھکے اور نہ نماز سے[۱]، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس آجائے (صحیحین)

۱؎ اگرچہ مجاہد کے عمل میں فتور اور وقفہ پیدا ہو جاتا ہے، بعض اوقات وہ کھانے، سونے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہے، لیکن وہ اس شخص کے حکم میں ہے جس کی عبادت میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا اور مجاہد کی ہر حرکت اور آرام پر ہمیشہ ثواب لکھا جاتا ہے، اس جگہ قنوت کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ قیام میں داخل ہے۔

۳۶۱۳ (۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِيْ سَبِيْلِهٖ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا اِيْمَانٌۢ بِيْ وَتَصْدِيْقٌۢ بِرُسُلِيْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے ضمانت دی ہے جو اس کے راستے میں نکلا[۱] اور اس کے نکلنے کا سبب، صرف یہ ہے کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے[۲] کہ میں اسے حاصل

اَوْ غَنِيْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہوتے والے ثواب یا غنیمت کے ساتھ واپس کردوں گا یا اسے جنت میں داخل کردوں گا۔ (صحیحین)

۵۱ جہاد کے لیے۔

۵۲ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے، نہ کہ دنیا کی طلب کے لیے اور ریاکاری کے طور پر۔

۵۳ اسے صرف ثواب آخرت ملتا ہے یا غنیمت، بعض روایات میں وَغَنِيْمَةٍ واؤ کے ساتھ آیا ہے، کیونکہ غنیمت، ثواب کے منافی نہیں ہے۔

۵۴ یعنی ان لوگوں کے ساتھ جو پہلے پہل، حساب اور عذاب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اگر مجاہد شہید ہو جائے اور واپس نہ آئے، میں اسے موت کے بعد قیامت کے دن سے پہلے جنت میں داخل کردوں گا جیسے فرمایا: اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

۳۶۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر یہ مجبوری نہ ہوتی کہ کچھ مومنوں کے دل اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ ہم سے پیچھے رہیں اور انہیں سوار کرنے کے لیے ہم سواریاں نہیں پاتے، تو ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ہماری جان ہے! ہمیں یہ بات محبوب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں، پھر زندہ کیے جائیں، پھر قتل کیے جائیں پھر زندہ کیے جائیں، پھر قتل کیے جائیں پھر زندہ کیے جائیں پھر قتل کیے جائیں۔ (صحیحین)

۵ سریۃ سین پر زبر، را کے نیچے زیر اور یا مشدد، ہر لشکر کا ایک حصہ۔ ——— یعنی ہم جو ہر لشکر اور فوج کے ہمراہ۔ کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں جاتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ہم ہر لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے جاتے تو لازمی طور پر سواری اور دیگر ضروری سامان نہ ہونے کے سبب مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جاتی اور ہم سے جدا ہو جاتی۔ ہمارے پاس اتنی سواریاں نہیں ہوتیں کہ سب کو ان پر سوار کریں۔ اور اپنے ساتھ لے جائیں۔ اور مسلمان جنگ میں شریک نہ ہونے اور ہم سے جدا ہونے کے سبب خوش نہیں ہوں گے اور اس بنا پر حسرت و یاس کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے دل شکستہ اور مغموم ہو جائیں گے۔ ورنہ ہمارے دل میں جہاد کی اس قدر محبت ہے کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بار بار شہید کیے جائیں اور بار بار زندہ کیے جائیں جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۲ یعنی ہماری آرزو ہے کہ ہمیں ہر دفعہ نئی زندگی دی جائے اور بار بار شہید کیا جائے۔ تاکہ ہر بار نیا ثواب حاصل کریں۔

٣٦١٥ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا عَلَيْهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن اسلامی ملک کی سرحد کا پہرہ دینا۔ دنیا اور جو دنیا پر ہے[۲] اس سے بہتر ہے

(صحیحین)

۱ سہل بن سعد ساعدی انصاری، مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

۲ دنیا کا سازو سامان ——— ربط کا معنی ہے باندھنا۔ رباط دشمن کی سرحد کی حفاظت کرنا، مناسبت یہ ہے کہ پہرے کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے جاتے ہیں

٣٦١٦ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغُدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک صبح[۱] یا ایک شام چلنا دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے بہتر ہے۔

(صحیحین)

سلہ۔ غدوۃ نقطے والی غین پر زبر۔ دن کے ابتدائی حصے میں چلنا۔ سفر کرنا۔ رَوحۃٌ۔ راء پر زبر، دن کے آخری حصے میں سفر کرنا۔

۳۶۱۷ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَّ قِيَامِهٖ وَ اِنْ مَّاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَ اُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَ اَمِنَ الْفَتَّانَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات، اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑا باندھنا، ایک مہینے کے روزوں اور رات کی نمازوں سے بہتر ہے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اسے اس عمل کا ثواب ملتا رہے گا جو وہ کیا کرتا تھا۔ اسے اس کا رزق[۱] دیا جائے گا اور فتنے میں ڈالنے والے[۲] سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سلہ جنت کا کھانا اور پانی۔

سلہ عذاب قبر کے فرشتے، یا دجّال یا شیطان سے۔ اَمِنَ، اَمْنٌ سے صیغہ معلوم ہے ایک روایت میں اُومِنَ مجہول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بے خوف کیا گیا۔ فَتَّان، فاء پر زبر، تاء مشدد، ایک روایت میں ہے۔ فُتَّانٌ فاء پر پیش، فَاتِنٌ کی جمع۔

۳۶۱۸ وَعَنْ اَبِيْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو عبس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی بندے کے دونوں پاؤں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہوں پھر اسے آگ چھوئے۔ (بخاری)

سلہ ابو عبس بے نقطہ عین پر زبر، باء ساکن اور بے نقطہ سین، انصاری صحابی ہیں۔ ان کا نام عبدالرحمٰن بن جبر ہے۔ جیم پر زبر اور باء ساکن۔ جاہلیت میں ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے ۳۴ھ میں ستر سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔

ے۵ یہ کنایہ ہے راہ جہاد میں کوشش کرنے سے، اس جگہ (شانِ جہاد میں) مبالغہ ہے کہ جب راہ جہاد میں قدموں کا غبار آلود ہونا، آگ کے چھونے سے مانع ہے تو خود جہاد کا کیا حال ہوگا؟
عام طور پر فی سبیل اللہ سے جہاد کی کوشش مراد لی جاتی ہے۔ بعض اوقات حج، علم اور رزقِ حلال کی کوشش بھی مراد لی جاتی ہے۔

۳۶۱۹
۹
وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَجْتَمِعُ کَافِرٌ وَّ قَاتِلُهٗ فِی النَّارِ اَبَدًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کافر اور اس کا قاتل۔ کبھی بھی آگ میں جمع نہیں ہوں گے[1]۔ (مسلم)

[1] یہ خوشخبری خاص طور پر اس شخص کے لیے ہے جو کسی کافر کو جہاد میں قتل کرے۔ کہ وہ ہرگز دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ اور اصل میں یہ جہاد کی فضیلت کا بیان ہے۔ کیونکہ جو شخص جہاد کرے گا، غالب یہ ہے کہ وہ کسی کافر کو قتل کرے گا اور جو شخص جہاد کرنے اور اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور کسی کو قتل نہ کرے۔ اس کی جزا بھی بہشت ہے۔

۳۶۲۰
۱۰
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَیْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَطِیْرُ عَلٰی مَتْنِهٖ کُلَّمَا سَمِعَ هَیْعَةً اَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَیْهِ یَبْتَغِی الْقَتْلَ وَ الْمَوْتَ مَظَانَّهٗ اَوْ رَجُلٌ فِیْ غُنَیْمَةٍ فِیْ رَاْسِ شَعَفَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ اَوْ بَطْنِ وَادٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَوْدِیَةِ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں میں سے ان کے لیے بہترین زندگی والا وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑتا ہے۔ اس حال میں کہ اس کی پشت پر اڑا جاتا ہے[1]، جب بھی کوئی خوفناک یا طلب امداد کی آواز[2] سنتا ہے تو گھوڑے کی پشت پر اڑ کر پہنچ جاتا ہے۔ وہ قتل یا موت کو ان جگہوں میں تلاش کرتا ہے جہاں ان کا گمان ہوتا ہے[3] یا اس شخص کی زندگی جو پہاڑوں کی ان چوٹیوں میں سے کسی چوٹی[4] پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں چند بکریوں کے ساتھ رہتا ہو۔ نماز قائم کرتا ہو

| | |
|---|---|
| يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتِي الزَّكٰوةَ | زکوٰۃ دیتا ہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتا ہو |
| وَ يَعْبُدُ رَبَّهٗ حَتّٰى يَاْتِيَهُ | یہاں تک کہ اسے موت[۶] آجائے، وہ لوگوں میں |
| الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ | سے نیکی ہی میں ہے[۷]۔ |
| اِلَّا فِيْ خَيْرٍ۔ | |
| (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) | (مسلم) |

ف۱ یعنی گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے دوڑتا ہے۔

ف۲ ہیعۃ وہ آواز اور دشمن کا شور جو ڈرا دے ——— فزع کا معنی اصل میں ڈرنا ہے۔ اس جگہ اس کا اثر مراد ہے کہ فریاد اور استغاثہ ہے۔

ف۳ یعنی مرنے سے ڈرتا نہیں ہے اور اس سے بھاگتا نہیں ہے، بلکہ اسے طلب کرتا ہے۔

ف۴ شعف نقطوں والا شین اور بے نقطہ عین، دونوں پر زبر، پہاڑ کی چوٹی۔

ف۵ اگر یہ بکریاں نصاب کو پہنچ گئی ہوں۔

ف۶ یقین، موت کا نام ہے کہ اس کا آنا یقینی ہے۔

ف۷ کہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے آپ کو ان سے بچا کر رکھتا ہے۔ نیکی میں ان کے ساتھ شریک ہے نہ کہ شر میں، اس حدیث کا حاصل مطلب، دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد اور نفس و شیطان کے مقابلہ کے لیے مجاہدہ اور خواہشوں اور لذتوں میں ڈوب جانے سے اعراض کی ترغیب ہے، اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر لوگوں سے میل جول رکھے تو دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لیے ہو، ورنہ علیحدگی اختیار کرے اور گوشہ نشین ہو جا[ئے]۔ [اس] حدیث میں میل جول کی نسبت، گوشہ نشینی کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ (کہ دونوں میں کیا افضل ہے؟)

اصل دارو مدار فوائد اور فائدہ رسانی پر ہے۔ احیاء العلوم میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اور راقم الحروف (شیخ محقق) نے بھی اس کتاب (احیاء العلوم) کے عادات والے چوتھائی حصے کے ترجمے میں تفصیل بیان کی ہے۔

| | |
|---|---|
| ۳۶۲۱ / ۱۱ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ | حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے |
| اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ | روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم |
| عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ | نے فرمایا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے |
| غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ | والے غازی کو سازو سامان فراہم کیا تو اس نے |

غَزَا وَ مَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جہاد کیا[۵] اور جو غازی کا اس کے اہل و عیال میں خلیفہ بنا[۶] اس نے جہاد کیا۔ (صحیحین)

[۵۱] زید بن خالد مشہور صحابی ہیں، ۷۸ھ، عبدالملک کے دور میں کوفہ میں اور بعض علماء نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ کے آخری دور میں ان کا وصال ہوا۔

[۵۲] یعنی وہ غازی کے حکم میں ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے۔ تجہیز، دلہن، مسافر اور مردے کا ساز و سامان تیار کرنا۔

[۵۳] اس کے بعد ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا رہا۔

۳۶۲۲/۱۲ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ اُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَّجُلٍ مِّنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِّنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ اِلَّا وُقِفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَاْخُذُ مِنْ عَمَلِهٖ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجاہدین کی عورتوں کی حرمت، بیٹھنے والوں[۱] پر ان کی ماؤں کی حرمت کی طرح ہے[۲]۔ بیٹھے والوں میں سے جو شخص کسی مجاہد کا اس کے اہل میں خلیفہ بنتا ہے۔ پھر ان میں خیانت کرتا ہے۔ تو اسے مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا وہ اس کے عمل میں سے جو چاہے گا لے لے گا۔ تمہارا کیا گمان ہے[۳]؟ (مسلم)

[۵۱] جو جہاد کے لیے نہ جاسکے۔

[۵۲] اس امر کے بیان میں مبالغہ مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو مجاہدین کی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یعنی چاہیے کہ ان کی عورتوں میں خیانت نہ کریں۔ بری نظر سے نہ دیکھیں۔ اور انہیں اپنی ماؤں کی طرح حرام جانیں

[۵۳] کیا وہ مجاہد اس کی کوئی نیکی بھی چھوڑے گا۔؟ یا یہ مطلب ہے کہ اس خیانت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟

کیا تمہیں اس جزا کے دینے میں شک ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے یہ عزت و منزلت عطا فرمائی ہے اور اسے اس فضیلت کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اس کے بعد اسے مزید عزتیں عطا فرمائے گا۔

۳۶۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَّخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)
۱۳

حضرت ابو مسعود انصاری[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ایک اونٹنی لایا جس کی ناک میں نکیل[۲] ڈالی ہوئی تھی اور اس نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے[۳]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے بدلے تمہارے لیے سات سو اونٹنیاں[۴] ہوں گی جن میں سے ہر ایک کی ناک میں نکیل ہوگی[۵]۔ (مسلم)

۱؎ ابو مسعود انصاری مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ خطام پہلے حرف کے نیچے زیر، اونٹ کی ناک میں ڈالی جانے والی مہار جس کے ذریعے اسے قابو کیا جاتا ہے۔

۳؎ یعنی میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بطور صدقہ دیتا ہوں۔

۴؎ تمہیں سات سو اونٹنیوں کا ثواب ملے گا۔

۵؎ جیسی اس اونٹنی کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ثواب میں اس حد تک اضافہ کر دیا جاتا ہے کہ سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے، خصوصاً ایسا عمل جو جہاد کے لیے کیا جائے۔

۳۶۲۴ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰى بَنِیْ لِحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ
۱۴

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل کے بنی لحیان[۱] کی طرف ایک لشکر[۲] بھیجا اور فرمایا۔ ہر دو مردوں میں سے ایک اٹھے اور جائے[۳] اور ثواب ان دونوں

اَحَدُهُمَا وَ الْاَجْرُ بَيْنَهُمَا۔ کو ملے گا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لے بنی لحیان لام کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی آئی ہے۔ قبیلہ ہذیل ہا پر پیش، ذال پر زبر، کی ایک شاخ۔
۲ بعث عین ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ لشکر جو کسی جگہ بھیجا جائے۔
۳ یعنی ہر قبیلے کے آدھے افراد روانہ ہوں۔
۴ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ بیٹھنے والا، مجاہد کا خلیفہ بنے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۳۶۲۵ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُّقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ[2] مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔
١٥

حضرت جابر بن سمرہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس[2] پر جہاد کرتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لے جابر بن سمرہ سین پر زبر اور میم پر پیش، مشہور صحابی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ خالدہ بنت وقاص ہیں۔
۲ دین کے قائم رکھنے کے لیے۔

۳۶۲۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُّكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ جُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَ الرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)
١٦

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی[1] نہیں کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستے میں کون زخمی کیا گیا ہے۔ مگر وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم، خون اگل[2] رہا ہوگا۔ جس کا رنگ، خون ایسا اور خوشبو، کستوری ایسی ہوگی۔ (صحیحین)

۵۱ کلم پہلے حرف پر زبر، زخمی کرنا، کلوم اور کلام زخموں کو کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۵۲ ثعب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، بے نقطہ عین، اور آخر میں ایک نقطے والی باء، پانی کا جاری کرنا، ثعب پہلے حرف پر زبر، پرنالہ۔

۳۶۲۷/۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت میں جانے والا کوئی شخص اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس چلا جائے اور زمین کی تمام چیزیں اس کی ہوں، سوائے شہید کے، وہ دنیا کی طرف واپسی اور دس مرتبہ قتل کیے جانے کی آرزو کرے گا، اس عزت اور ثواب کی بنا پر جسے وہ دیکھے گا۔ (صحیحین)

۳۶۲۸/۱۸ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْنَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (الْاٰيَةَ) قَالَ اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ

حضرت مسروق[۵۳] سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔ (الآیۃ) انہوں نے فرمایا، ہم نے اس کے بارے میں[۵۴] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، ان پرندوں کے لیے قندیلیں[۵۵] ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں۔ وہ جنت کے جس حصے میں چاہیں چرتے ہیں پھر ان قندیلوں میں آکر

بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَآءَتْ ثُمَّ تَأْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ فَاطَّلَعَ اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا قَالُوْا اَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَ نَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوْا مِنْ اَنْ يَّسْاَلُوْا قَالُوْا يَا رَبِّ نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

قیام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر جلوہ گری کرکے[۵۴] فرمایا: تم کوئی چیز چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم کس چیز کی آرزو کریں؟ جب کہ ہم جنت کے جس حصے میں چاہتے ہیں چرتے ہیں، ان سے تین مرتبہ یہی پوچھا گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ مانگنے سے چھوڑے نہیں جائیں گے[۵۵]، تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں[۵۶]، یہاں تک کہ ہمیں دوسری بار تیری راہ میں قتل کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی حاجت نہیں ہے[۵۷]۔ تو انہیں چھوڑ دیا گیا[۵۸]۔

(مسلم)

۵۱ مسروق، عظیم تابعی اور جلیل القدر فقہا میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے اسلام لائے، صدر اول یعنی خلفاء اربعہ، حضرت ابن مسعود، ام المؤمنین حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ سے ملاقات کی۔ حضرت ابن مسعود کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں انہیں اغوا کر لیا گیا تھا۔ بعد میں دستیاب ہو گئے تھے، اسی دن سے ان کا نام مسروق پڑ گیا، نوافل اس کثرت سے ادا کرتے کہ ان کے پاؤں سوج جاتے، اور حج کے لیے جاتے تو مسجد کے علاوہ کہیں نہ سوتے۔ (یعنی نوافل ادا کرتے کرتے مسجد ہی میں سو جاتے ۱۲ قادری)

۵۲ اس آیت کی تفسیر

۵۳ جو گھونسلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۵۴ خاص عنایت کے ساتھ ان پر خصوصی تجلی فرمائی۔

۵۵ یعنی انہیں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ وہ ضرور کوئی چیز مانگیں۔
۵۶ اور ہمیں دنیا میں بھیج دیا جائے۔
۵۷ کیونکہ پہلی بار شہید ہونے پر انہیں عظیم ثواب مل چکا ہے۔ اگر دوسری بار شہید ہوئے تو بھی ایسا ہی ثواب ملے گا، اور اس کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ شہداء کا ثواب ایک ہی ہے، اور وہ انہیں حاصل ہو چکا ہے۔
۵۸ انہیں اس بات کی تکلیف نہیں دی گئی کہ ضرور کچھ مانگیں۔

سوال:۔ اگر دوسری مرتبہ شہید ہونے پر بھی یہی اجر و ثواب ملنا ہے تو ان کے اس مطالبے کا کیا فائدہ ہے؟۔ کہ ان کی روحیں ان کے جسموں میں لوٹا دی جائیں تاکہ وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کیے جائیں، شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس کلام سے شہداء کا مطلب، اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے، درحقیقت روح کے لوٹائے جانے کا سوال نہیں ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان کے خیال میں آیا ہو کہ دوسری مرتبہ شہید ہونے کی جزا، استعداد اور مناسبت کے قوی ہونے کے سبب، پہلی بار کی نسبت بہتر اور زیادہ کامل ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی عادت کریمہ کے مطابق علم تھا کہ دوسری شہادت کی جزا بھی ایسی ہی ہوگی، اس لیے دوسری شہادت کی حاجت نہیں ہے، یہی وجہ تھی کہ اس کے بعد ان سے نہیں پوچھا گیا۔

البتہ یہ سوال باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت، تمام نعمتوں سے زیادہ عظیم اور کامل ہے، تو شہداء نے اس نعمت عظمیٰ کا سوال کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار، موقوف ہو اس کی کامل استعداد پر اور یہ استعداد صرف قیامت کے دن حاصل ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس استعداد کے حاصل ہونے کے وقت تک ان کے دل اس آرزو سے پھیر دیے، یا انہیں یہ علم عطا فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت سے پہلے نہیں ہوگا۔

۱۲ قادری)

اسی طرح بعض شارحین نے کہا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو کہ یہ لوگ جسمانی خواہشات اور لذتوں کا اگر مطالبہ کریں تو وہ بھی انہیں دے دی جائیں۔ لیکن انہوں نے رضا و قناعت اور شکرگزاری کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ان نعمتوں پر اکتفا کیا جو انہیں حاصل ہو چکی تھیں۔

## تنبیہ:

شارحین فرماتے ہیں کہ شہیدوں کی روحوں کو پرندوں کے پوٹوں میں اس طرح نہیں رکھا گیا کہ وہ ان بدنوں سے متعلق ہیں اور ان کے لیے مدبر ہیں۔ جیسے روحیں بدنوں کے لیے مدبر ہوتی ہے جیسے دنیاوی بدنوں میں تھا، بلکہ انہیں بدنوں میں اس طرح رکھا گیا ہے جیسے موتی اور جواہرات صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں۔ یہ انہیں جنت میں لانے کے لیے

تعظیم اور اعزاز کا ایک طریقہ ہے، روحیں پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، پرندے جنت کے مختلف مقامات پر جاتے ہیں تو روحیں، جنت کی خوشبوئیں محسوس کرتی ہیں، اس کے انوار کا مشاہدہ کرتی ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب مقرب فرشتوں کی نزدیکی اور بلند ترین جنت کے حصول سے خوش حال ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی یہی مراد ہے یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ، انہیں رزق دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو کچھ دیا اس پر وہ خوش ہوں گے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے تناسخ (آواگون) پر استدلال کیا ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو شہداء کا مرتبہ گھٹانے اور تنقیص کے مترادف ہے کہ ان کی روحوں کو انسانی جسموں کی بجائے حیوانی جسموں سے متعلق کر دیا گیا ہے، ہماری تقریر سے یہ اعتراض اور تناسخ کا استدلال دونوں ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ روحوں کے لیے وہ پرندے، ہیلی کاپٹر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ روحیں جو انسانی جسم سے متعلق تھیں اب حیوانی جسم سے متعلق ہو گئی ہیں۔

۱۲ (قادری)

بعض شارحین نے کہا کہ ہو سکتا ہے شہیدوں کی روحیں درجہ کمال حاصل کرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کے حکم سے سبز پرندوں کی صورت اختیار کر گئی ہوں، اور انہیں وہ ہیئتیں اور شکلیں حاصل ہو گئی ہوں، جیسے بعض اوقات فرشتے انسانی صورت میں آجاتے ہیں۔ یہ شکلیں ان اجسام کی نہیں ہیں جن سے یہ روحیں متعلق ہیں۔ بلکہ وہی روحیں، انسانی اجسام کی صورت میں سامنے آجاتی ہیں۔ لیکن یہ توجیہ، ظاہر حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ تمام ہوا۔

راقم حروف، بندہ مسکین، عبدالحق بن سیف الدین کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ ابدان، انسانی بدنوں کے اوصاف کے حامل ہوں۔ اگرچہ وہ سبز پرندوں کی صورت میں ہوں، لیکن ان کے اوصاف نہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ صورتوں اور شکلوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے ——— اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ——— کہ وہ اجسام انسانوں کی صورت رکھتے ہوں۔ اور انہیں پرندے اس اعتبار سے کہا گیا ہو۔ کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جاتے ہوں، نہ کہ قدموں پر چل کر جیسے کہ دنیا میں انسان کی عادت ہے، لہٰذا شہیدوں کی تنقیص اور ان کے مرتبے کی کمی لازم نہیں آتی، رہا تناسخ (آواگون) کا وہم تو وہ باطل ہے کیونکہ یہ اجسام وہ نہیں ہیں جن میں روحیں قیام کریں گی، حتیٰ کہ اس سے حشر و نشر کی نفی لازم آئے۔

جیسے کہ تناسخ کے قائلین کہتے ہیں، بلکہ روحوں اور جسموں کا یہ تعلق اس وقت تک ہے جب تک وہ روحیں قیامت اور حشر کے قائم ہونے سے پہلے جنت میں رہیں گی۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ روحیں، پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جسموں کو زندہ فرمائے گا۔ تو ان روحوں کو ان کے

جسموں کی طرف لوٹا دے گا۔

۳۶۲۹
۱۹
وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ فِیْہِمْ فَذَکَرَ لَہُمْ اَنَّ الْجِہَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الْاِیْمَانَ بِاللّٰہِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَیُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِکَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو قتادہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر فرمایا[2]۔ بے شک جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان، افضل ترین اعمال ہیں[3]، ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیے جائیں گے[4]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں[5]! اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس حال میں قتل کر دیے جاؤ تو تم قتل پر صبر کرنے والے ثواب پر نظر رکھنے والے آگے بڑھنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو[6]، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے کس طرح کہا تھا[7]، انہوں نے عرض کیا کہ یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیے جائیں گے[8]؟۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! جب کہ تم صابر، طالب ثواب، آگے بڑھنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو[9]، سوائے قرض کے[10]، کیونکہ جبریل امین علیہ السلام نے مجھے یہی کہا ہے[11]۔

(مسلم)

۱ حضرت ابوقتادہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔

۲ یعنی خطبہ ارشاد فرمایا۔

۳ ایمان تو ظاہر ہے کہ مطلقاً تمام اعمال سے افضل ہے، اور جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ، دشمنان دین کے قلع قمع اور جانوں کی قربانی کے اعتبار سے دین کے اعمال میں سے ارفع و اعلیٰ اور اکمل ہے۔

۴ اور ڈھانپ دیے جائیں گے؟

۵ یہ قتل، کفارہ بن جائے گا۔

۶ یا تو یہ آگے بڑھنے والے کی تاکید ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم کسی وقت بھی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے نہیں ہو۔

۷ اور کیا کہا تھا؟

۸ انہوں نے اپنی بات دہرائی۔

۹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اپنا جواب دہرایا ـــــــ دوبارہ یہ ارشاد فرمانے کا مقصد تاکید ہے اور ساتھ ہی استثناء ذکر کرنا مقصود، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۱۰ ان چیزوں کے علاوہ جو قرض کی بنا پر لازم آتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ اور وعدہ خلافی وغیرہ کہ یہ گناہ معاف نہیں ہوتے۔ اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیے جاؤ، علامہ تورپشتی نے فرمایا، قرض سے مراد اس جگہ مسلمانوں کے وہ حقوق ہیں جو شہید کے ذمہ سے متعلق ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، ہر چیز کا کفارہ بن جاتا ہے۔ سوائے حقوق العباد کے۔

۱۱ یہ تمام بات جو گزری، اس امر سمیت کہ قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

۳۶۳۰ / ۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے علاوہ ہر چیز[۱] کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (مسلم)

۱ ہر چیز یعنی ہر گناہ کا، سوائے قرض کے، امام سیوطی نے بیان کیا کہ سمندر کے شہید اس سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کی شہادت، قرض کا بھی کفارہ بن جاتی ہے۔

۳۶۳۱ / ۲۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْتَشْهَدُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں سے ہنستا ہے[۱] کہ ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور وہ دونوں جنت میں داخل ہوتے ہیں[۲]، یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے[۳] پھر اللہ تعالیٰ قاتل[۴] پر رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا ہے۔ اور وہ شہید کیا جاتا ہے۔

(صحیحین)

۱؎ یعنی راضی ہوتا ہے اور اپنی رحمت کا رخ ان کی طرف کرتا ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یَضْحَکُ سے مراد یہ ہے کہ ان پر رحمت کی بارش برساتا ہے، کہا جاتا ہے کہ بادل ہنسا، جب کہ کثرت سے بارش برسائے۔

۲؎ چونکہ اس کلام کے مفہوم میں غرابت تھی، اس لیے خود اس کی وجہ بیان فرمائی۔ (جیسے کہ اس کے بعد فرمایا)

۳؎ اور وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔

۴؎ جو کہ کافر تھا، چنانچہ وہ ایمان لے آتا ہے۔

<u>۳۶۳۲</u> وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ وَ اِنْ مَّاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سہل بن حنیف[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پوری سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کی، اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا تا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہوا ہو[۲]۔

(مسلم)

۱؎ حضرت سہل بن حنیف انصاری صحابی ہیں۔ جنگ بدر اور اس کے بعد دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے اور احد میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب تھے اور حضرت علی نے انہیں مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر کیا۔ بعد ازاں انہیں فارس کا والی بنا دیا۔ ۳۸ھ کوفہ میں وصال ہوا۔

اور براء ابن مالک حضرت انس کے بھائی اور عظیم القدر صحابی ہیں، کتاب القصاص میں ان کا اور ان کی پھوپھی ربیع بنت نضر کا ذکر گزر گیا ہے۔ نضر حضرت انس اور براء کے دادا ہیں (نسب یوں ہے انس بن مالک بن نضر۔ ۱۲ قادری)۔
حضرت انس، ان کے والد مالک اور براء تینوں مشرف باسلام ہوئے (اور شرفِ صحابیت پایا ۱۲ قادری)

۵۳ کہ اس کا کیا حال ہوا؟ (صحابیہ کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوتے ہوئے عالم برزخ میں پیش آنے والے حالات جانتے ہیں۔ تبھی تو انہوں نے سوال کیا، اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا کہ انہیں فردوس اعلیٰ ملی ہے ۱۲ قادری)

۵۴ تیر غرب نقطے والی غین پر زبر، را ساکن اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، وہ تیر جس کا مارنے والا معلوم نہ ہو۔

۵۵ یعنی اگر وہ بہشت میں نہ ہو (اس جملے میں ماں کی ناتمامی واضح طور پر جھلک رہی ہے، کیونکہ وہ صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکیں کہ اگر وہ بہشت میں نہ ہو یا اگر وہ دوزخ میں ہو ۱۲ قادری)

۵۶ اور اپنی طاقت، رونے میں صرف کروں اور اتنا روؤں جتنا کہ میری طاقت میں ہو۔

۵۷ یعنی جنت میں عظیم درجات ہیں۔

۵۸ فصل کی ابتدا میں گزرا ہے کہ فردوس، اعلیٰ اور اوسط جنت ہے، اور ہو سکتا ہے کہ فردوس میں بھی مختلف درجات و مراتب ہوں۔

| | |
|---|---|
| ۳۶۳۴/۲۴ وَعَنْهُ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِلٰى بَدْرٍ وَّ جَآءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ | ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام روانہ ہوئے[1]۔ یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر میں پہنچ گئے[2]، اور مشرکین بھی آگئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جنت کی طرف اٹھو[3]، جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے[4]۔ حضرت عمیر بن حمام[5] نے کہا واہ وا[6]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں واہ وا کہنے پر کونسی چیز ابھارتی ہے[7]، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! صرف یہ امید کر میں بھی جنت والوں میں سے ہو جاؤں[8]، فرمایا: |

قَالَ لَا وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا رَجَآءَ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّكَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِّنْ قَرَنِهٖ فَجَعَلَ يَاْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَيِيْتُ حَتّٰى اٰكُلَ تَمَرَاتِيْ اِنَّهَا لَحَيٰوةٌ طَوِيْلَةٌ قَالَ فَرَمٰى بِمَا كَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى قُتِلَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تم جنت والوں میں سے ہو، راوی (حضرت انس) فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترکش ۹ میں سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر کہا کہ اگر میں اپنی کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو یہ طویل زندگی ہے ۱۰۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ کھجوریں جو ان کے پاس تھیں پھینک دیں پھر مشرکوں سے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے ۱۱۔

(مسلم)

۱؎ یعنی غزوہ بدر کے موقع پر۔

۲؎ یعنی مشرکوں کے پہنچنے سے پہلے میدان بدر میں پہنچ کر اتر پڑے۔

۳؎ اور جلدی کرو۔

۴؎ مقصد جنت کی وسعت اور فراخی کا بیان ہے، لہٰذا اس چیز سے تشبیہ دی کہ مخلوق کے علم کے مطابق اس سے زیادہ وسیع و عریض کوئی چیز نہیں ہے۔ یعنی جنت میں داخل ہونے کا سبب، مشرکین کے ساتھ جہاد ہے، جنت کی طرف اٹھنے سے مراد عمل کرنا ہے۔

۵؎ عمیر، عین پر پیش، میم پر زبر اور یا ساکن بن الحمام حا پر پیش، اور میم مخفف، انصاری ہیں۔ اور بدر کے شہداء میں سے ہیں۔

۶؎ بخ بخ با پر زبر اور نقطے والی خا ساکن، اس پر تنوین بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ ایسا کلمہ ہے جو تعجب، مدح اور رضا کے مقام پر بولا جاتا ہے، اس کلمے کی تکرار مبالغے کے لیے ہے۔ جیسے فارسی میں کہتے ہیں زہے زہے (اور اردو میں واہ وا) ۱۲ قادری)

۷؎ غالباً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ حضرت عمیر سے یہ قول سوچے سمجھے بغیر صادر ہوا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص ازراہ مزاح اور گپ لگانے کے لیے کوئی بات کہہ دے، یا قتل اور جان دینے کے خوف اور اسے عظیم اور بعید سمجھتے ہوئے ایسی بات کہہ دے، حضرت عمیر نے اس قسم کے احتمالات کی اپنی ذات سے نفی کی (جیسے کہ اس سے

آگے بیان ہوا۔ ۱۲ ق)

۵۸ مجھے شوق ہے کہ میں جنت میں جاؤں اور اس کا ثواب حاصل کروں۔

۵۹ قرن قاف پر زبر، اس کے بعد را اور آخر میں نون، چمڑے کا ترکش جس میں لکڑی نہ ہو، یا لکڑی کا ترکش جس میں چمڑہ نہ ہو۔

۶۰ یہ مشرکوں سے جنگ اور جان کی بازی لگا دینے کے شوق اور بے تابی کا مظاہرہ ہے۔

۶۱ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے دن انصار میں سے شہید ہونے والے پہلے صحابی ہیں۔ اور بے شک یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ صحابۂ کرام کے سینے اس تیقن سے معمور فرما دیے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی اور طلب جنت کے لیے ان کی بے تابی اس حد کو پہنچ گئی کہ وہ چند لمحات کی تاخیر بھی برداشت نہ کر سکے۔ ۱۲ قادری)

۳۶۳۵/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَآءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِی الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے درمیان شہید کسے شمار کرتے ہو؟[۶۲] صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، فرمایا: تب تو ہماری امت کے شہید تھوڑے ہوں گے[۶۳]۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں مر گیا[۶۴] وہ شہید ہے، جو شخص طاعون (پلیگ) میں مر گیا[۶۵] وہ شہید ہے اور جو شخص پیٹ کی بیماری[۶۶] میں مر گیا وہ شہید ہے۔

(مسلم)

۶۲ وہ کونسی حالت ہے؟ جس کی بنا پر رتبۂ شہادت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور شہید کون ہے۔؟

۶۳ یعنی شہید صرف وہ نہیں جو تم نے بیان کیا۔

۳؎ بغیر اس کے کہ اسے قتل کیا گیا ہو۔

۴؎ اس بیماری کے سبب نہ بھاگے، اپنی جگہ صبر کرے اور مر جائے تو وہ شہید ہے ——— طاعون کے معنی کی تحقیق اور اس کے احکام دوسری جگہ بیان کیے گئے ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ طاعون کا معنی وبا اور مرض عام ہے۔

۵؎ خواہ وہ اسہال (دست) ہوں یا کوئی دوسری بیماری، پس وہ شہید ہے ——— یہ سب گروہ، اُن ثوابوں اور درجات میں شریک ہیں جن کے شہدا مستحق ہیں، یہ مطلب نہیں کہ تمام احکام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

۳۶۳۶ (۲۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْا فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ إِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ أُجُوْرِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ أُجُوْرُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ہے کوئی بڑا چھوٹا لشکر[۱] جو دنیا میں جہاد کرے اور غنیمت حاصل کرے مگر انہوں نے دنیا میں دو تہائی ثواب حاصل کر لیا ہے[۲]، اور نہیں ہے کوئی بڑا چھوٹا لشکر جو مال غنیمت حاصل نہ کر سکے[۳] اور مصیبت[۴] کا نشانہ بنے مگر ان کے ثواب مکمل ہو گئے ہیں[۵]۔ (مسلم)

۱؎ سَرِیَّۃ سین پر زبر، را کے نیچے زیر اور یا مشدد، لشکر کا وہ حصہ جو جنگ کے لیے بھیجا جائے، بغزا بڑا لشکر بھیجنا، علماء سیرت کی اصطلاح کے مطابق لفظ غزوہ اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں اور سریہ اس جگہ استعمال کرتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شریک نہ ہوئے ہوں، لغت کے اعتبار سے لفظ غزوہ دونوں کو شامل ہے۔

۲؎ کیونکہ انہیں غنیمت بھی حاصل ہے اور سلامتی بھی، باقی رہا ایک تہائی یعنی غزوہ اور دشمنان دین کے ساتھ جنگ اور اس کے ارادے کا ثواب، وہ قیامت کے دن حاصل کریں گے، اس تقریر کے مطابق جو صحیح سالم رہا اور اس نے مال غنیمت نہ پایا تو اس نے ایک تہائی حاصل کر لیا اور دو تہائی حصے باقی رہ گئے۔

۳؎ تخفق تا پر پیش، خا ساکن، فا کے نیچے زیر، اور آخر میں قاف، اِخْفَاقٌ سے مشتق ہے۔ غازی یا

شکاری کا غنیمت یا شکار کے بغیر رہنا اور تلاش کرنے والے کا ناکام واپس لوٹنا۔

۴ قتل یا زخم کے ساتھ۔

۵ اس کے ثواب کے تینوں تہائی ہر صورت میں باقی رہ گئے۔ بہر صورت دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کا ارادہ کرنا اور اعلاءِ کلمۂ حق کی نیت، اجر و ثواب سے خالی نہیں ہوتی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ، اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

۳۶۳۷/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِّفَاقٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ نہ تو اس نے جہاد کیا اور نہ ہی اس کے بارے میں اپنے دل میں سوچا[1] وہ منافقت کی ایک قسم پر مرے گا[2]۔ (مسلم)

۱ یعنی جہاد کا ارادہ اور اس کی آرزو نہ رکھی اور اپنے دل میں نہ کہا کہ اے کاش میں غازی ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا اور شہید ہوتا۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ رکھے اور ظاہر کے اعتبار سے اس کی نشانی یہ ہے کہ جہاد کے آلات اور سازوسامان تیار رکھے جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً یعنی اگر جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ رکھتے تو تحقیق اس کے لیے سازوسامان تیار کرتے۔

۲ کیونکہ وہ منافقوں کے ساتھ ایک گونہ مشابہت رکھتا ہے، منافقین جہاد سے پیچھے رہ جاتے تھے۔ شعبہ۔ پہلے حرف پر پیش۔ شاخ، شگاف، پیالے کے شگاف کو جوڑنا۔

۳۶۳۸/۲۸ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِلذِّکْرِ وَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ لِیُرٰی مَکَانُهٗ فَمَنْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک شخص، غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے[1] ایک شخص ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے[2]۔ اور ایک شخص اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اس کا مقام دیکھا جائے[3] تو کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے[4]؟ فرمایا

قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند ہو[۵] وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے[۶]۔ (صحیحین)

[۱] جو چاہتا ہے کہ دولت حاصل کر کے مالدار ہو جائے۔

[۲] وہ چاہتا ہے کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص نے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا ہے اور یہ سمعہ یعنی پرپیش نمائش ہے۔

[۳] دین کی راہ میں بہادری اور مردانگی میں اس کا مقام و مرتبہ دیکھا جائے۔ ——— یُرای یا پر پیش، راپر زبر، ایک روایت میں یا کے پیش اور را کی زیر کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی تاکہ لوگوں کو اپنا مقام دکھائے اور یہ ریا ہے۔

[۴] اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون مجاہد ہے؟

[۵] جس کی جنگ اس لیے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین، کفر کے دین سے سربلند ہو۔

[۶] وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔

۳۶۳۹ (۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِي الْاَجْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوہ تبوک[۱] سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب ہوئے تو فرمایا: بے شک مدینہ طیبہ میں کچھ جماعتیں ایسی ہیں کہ تم نے جو سفر بھی کیا اور جس وادی کو بھی طے کیا وہ تمہارے ساتھ تھے[۲] اور ایک روایت میں ہے[۳] کہ وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک[۴] ہوئے، صحابۂ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! باوجودیکہ وہ مدینہ منورہ میں ہیں[۵] فرمایا: اس کے باوجود کہ وہ مدینہ طیبہ میں ہیں[۶]۔ انہیں عذر نے[۷] روک دیا ہے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ) (بخاری) امام مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

لے تبوک ایک زمین کا نام ہے جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے اور یہ غزوہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔

ے۲ دل، ہمت اور دعا کے ساتھ، اگرچہ وہ بظاہر تمہارے ساتھ نہ تھے، تاہم وہ ثواب میں شریک ہیں۔ اگرچہ تمہیں زیادہ فضیلت حاصل ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ وہ معذور نہ ہوں۔

ے۳ اس عبارت کی جگہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔

ے۴ شیر کو ار ار کے نیچے زیر ہے۔

ے۵ یعنی باوجودیکہ وہ مدینہ منورہ میں ہیں، جنگ کے لیے نہیں نکلے اور اس سے پیچھے رہے وہ کس طرح ہمارے ساتھ اور اجر میں ہمارے ساتھ شریک ہوں گے؟

ے۶ پھر بھی اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

ے۷ مثلاً بیماری، پیدل ہونا، سازو سامان کا نہ ہونا وغیرہ، اس حدیث سے کارِ خیر کی نیت اور اس کے فوت ہو جانے پر افسوس کی فضیلت کا بیان ہے۔

۳۶۴۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَيٌّ وَّالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی جی ہاں[۱] فرمایا: پس تم ان دونوں میں جہاد کرو[۲]۔ (صحیحین)

(وَفِيْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا)

اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور اچھی طرح ان کی صحبت اختیار کرو[۳]۔

لے میرے والدین زندہ ہیں۔

ے۲ یعنی ان کی خدمت میں جہاد کرو، مطلب یہ کہ تمہارا ان کی خدمت میں حاضر رہنا بھی جہاد کا حکم رکھتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جہاد نفلی ہو، نماز، روزہ، حج اور باقی نفلی عبادات کا بھی یہی حکم ہے۔ بخلاف فرض کے (کہ والدین کی

خدمت کے لیے اسے ترک نہیں کیا جاسکتا ۱۲ قادری)
۵۳ ان کی خدمت کرو اور ان کا حق ادا کرو۔

۳۶۴۱/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: فتح کے بعد ہجرت فرض نہیں ہے[۱] لیکن جہاد اور جہاد کی نیت ہے، اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکلو[۲]۔ (صحیحین)

۱ فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرض عین تھی، بلکہ جس جگہ بھی کوئی شخص دارالکفر میں اسلام لے آتا اس کے لیے وہاں سے ہجرت فرض عین تھی، کیونکہ مدینہ منورہ میں اہل دین، کمزور اور تعداد میں کم تھے، لہذا ہجرت فرض کی گئی تاکہ ان سے مدد حاصل کی جائے، مشرکوں کا زور ٹوٹے اور مسلمان فتنوں میں واقع ہونے سے بچیں، (نیز اس لیے کہ وہ مسلمان پوری آزادی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکیں ۱۲ ق)
جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو علت زائل ہوگئی، اس کے باوجود، جہاد، دار کفر یا فتنہ سے فرار یا طلب علم یا تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس ۱۲ ق) کی زیارت کے لیے اپنے وطنوں سے جدا ہونا قیامت کے دن تک مستحب ہے، کبھی علم دین حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کی ایک جماعت کا نکلنا فرض کفایہ ہو جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت سے ایک چھوٹا گروہ دین کا فہم حاصل کرنے کے لیے کیوں نہیں نکلا؟
۲ یعنی جب امیر جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دے تو نکلو اور اس کی اطاعت کرو۔ ———— خلاصہ یہ کہ ہجرت کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ لیکن جہاد کی فضیلت باقی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۶۴۲/۳۲ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ۔

حضرت عمران بن حصین[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اس حال میں حق پر[۲] جہاد کرتا رہے گا، کہ ان لوگوں پر غالب رہے گا جو اسے دشمن رکھیں گے

یہاں تک کہ اس گروہ کا آخری فرد[۳] مسیح دجال سے جنگ کرے گا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ) (ابوداؤد)

[۱] عمران بن حصین حا پر پیش، صاد پر زبر، مشہور صحابی ہیں۔

[۲] اور دین کی سربلندی کے لیے۔

[۳] اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ــــــــــ مسیح، دجال کا نام ہے کیونکہ اس کی ایک آنکھ مسلی ہوئی ہے، یا اس لیے کہ وہ تمام زمین کا گشت کرے گا، لیکن جب اسے مسیح کہا جائے گا تو مسیح دجال کہا جائے گا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مطلق مسیح کہا جاتا ہے۔

۳۶۴۳/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ یَغْزُوَ لَمْ یُجَھِّزْ غَازِیًا اَوْ یَخْلُفْ غَازِیًا فِیْ اَھْلِہٖ بِخَیْرٍ اَصَابَہُ اللّٰہُ بِقَارِعَۃٍ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جہاد نہیں کیا، نہ ہی کسی غازی کو سازوسامان فراہم کیا[۲] یا کسی غازی کے اہل وعیال میں نیکی کے ساتھ خلیفہ نہ ہوا[۳]۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سے پہلے سخت حادثہ[۴] پہنچائے گا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ) (ابوداؤد)

[۱] حضرت ابوامامہ باہلی، مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] یعنی اگر کوئی شخص خود جہاد نہ کرے تو سازوسامان سے غازیوں کی امداد کرے جس کے ذریعے وہ جہاد کریں۔

[۳] غازی کے بعد اس کے اہل وعیال کی رعایت اور حفاظت نہ کی۔

[۴] قارعۃ زمانے کی سختی، قیامت کا نام۔

۳۶۴۴/۳۴ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاھِدُوا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ وَ اَلْسِنَتِکُمْ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اپنے مالوں[۱]، جانوں[۲] اور زبانوں[۳] سے مشرکین کے ساتھ جہاد کرو۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ) (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

لہ کہ جہاد میں اپنے مال خرچ کرو۔

۲ہ کہ جہاد میں اپنی جانکی بازی لگاؤ، اور شہید یا زخمی ہو جاؤ۔

۳ہ کہ کافروں کے بتوں کی مذمت کرو، ان کو برا بھلا کہو، ان کے دین باطل کا جھوٹا ہونا ثابت کرو، ان کی شکست اور رسوائی کی دعا کرو، ان کو قتل اور قید سے ڈراؤ، مسلمانوں کے لیے فتح اور غنیمت کی دعا کرو اور مردان میدان اور بہادروں کو جنگ پر ابھارو۔

۳۶۲۵/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سلام پھیلاؤلہ، کھانا کھلاؤ اور سروں پر تلوار مارو، جنتوں کے وارث بنائے جاؤ گے۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ واقف اور ناواقف کو سلام کہو، یا یہ مطلب ہے کہ بلند آواز سے سلام کہو، تاکہ وہ شخص سن لے جسے سلام کہا گیا ہے۔

۲ہ کافروں کے سروں پر اور انہیں قتل کرو۔ ———— ہامۃ میم کی تخفیف کے ساتھ، سر، اس کی جمع ہام ہے۔

۳ہ اور ان میں داخل کیے جاؤ۔

۳۶۲۶/۳۶ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الَّذِیْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُنْمٰى لَهٗ

حضرت فضالہ بن عبیدلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مردہ اس عمل پر ختم کر دیا جاتا ہے جو اس نے کیا ہےلہ سوائے اس شخص کے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرابطلہ مرا، اس کے لیے اس کا عمل قیامت کے دن تک نشوونما دیا جاتا ہے اور وہ

عَمَلُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ يَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ۔ | فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ | (امام ترمذی، ابوداؤد)

وَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ۔ | اور امام دارمی نے یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی۔

۵۱ فضالہ فا پر زبر، نقطے والا ضاد مخفف بن عبید عین پر پیش، انصاری صحابی ہیں، پہلے پہل احد میں حاضر ہوئے، بیعت رضوان میں شامل ہوئے پھر خیبر میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد شام چلے گئے اور دمشق میں مقیم ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ جب صفین گئے تو ان کی طرف سے دمشق کے قاضی بنے اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ۵۳ھ میں وصال ہوا۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

۵۲ یعنی مرنے کے بعد اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔

۵۳ مرابط وہ شخص ہے جو کافروں سے جنگ کرنے کے لیے اسلام کی سرحد پر بیٹھا ہوا ہو، مشتق ہے ربط قلب سے یا ربط خیل سے (یعنی اس نے اپنی تمام تر توجہ اسلامی سرحد کی حفاظت کے لیے صرف کر رکھی ہے، یا جہاد کے لیے اپنا گھوڑا باندھ رکھا ہے "۲ قادری")۔

۳۶۴۷/۳۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَ رِيْحُهَا الْمِسْكُ وَ مَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اونٹنی کے دو دفعہ دودھ دوہنے کے وقفے کی مقدار[۱] اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا۔ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی کیا گیا[۲] یا جسے تکلیف[۳] پہنچائی گئی تو وہ زخم اس طرح[۴] آئے گا جیسے کہ وہ دنیا میں تازہ ترین تھا[۵] اس کا رنگ[۶] زعفران کا اور خوشبو کستوری ایسی ہوگی اور جس کے جسم پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھنسی[۷] پیدا ہوگی۔ تو بے شک اس پر شہیدوں کی مہر ہے[۸]۔

طَابِعَ الشُّهَدَآءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَآئِيُّ) (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

لے شارحین کہتے ہیں کہ اس وقفے سے مراد یا تو صبح و شام دوہنے کا درمیانی وقفہ ہے، کیونکہ اونٹنی کا دودھ ان دو وقتوں میں دوہا جاتا ہے، یا ایک وقت میں دو مرتبہ دوہنے کا درمیانی وقفہ مراد ہے۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اونٹنی کا دودھ دوہ کر اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ تھنوں میں دودھ اتر آئے۔ پھر دوبارہ دوہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی دوسرا مطلب مراد ہے۔ اسی میں مبالغہ ہے۔ نیز صبح سے شام تک جنگ نادر بلکہ مشکل ہے۔
صراح میں ہے فواق فا پر پیش، اونٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کا درمیانی وقفہ، یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیر بچے کو چوسنے کا موقع دیتے ہیں، تاکہ دودھ اتر آئے، پھر دوبارہ دوہتے ہیں۔
قاموس میں ہے فواق دو مرتبہ دوہنے یا ہاتھ کے کھولنے اور پستان پر رکھنے کا درمیانی وقفہ۔

لے جرح جیم پر زبر، زخمی کرنا۔ اور اگر اس پر پیش ہو تو اس کا معنی زخم ہے۔

لے صراح میں ہے نَکْبَةٌ نون پر زبر، تکلیف، تکلیف پہنچانا۔ نَکَبَاتٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، جمع قاموس میں ہے۔ نکبۃ مصیبت، اس کا استعمال اس زخم میں کیا جاتا ہے جو انگلی پر پتھر وغیرہ لگنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔

لے یعنی جیسے کہ وہ دنیا میں تر و تازہ اور شدید ترین تھا۔ صراح میں ہے غزر، نقطے والی غین اور زا کے ساتھ، زیادتی، زیادہ ہونا۔

لے یعنی اس زخم کے خون کا رنگ زعفرانی ہوگا۔

لے خراج نقطے والی خا پر پیش، آخر میں جیم، زخم، خون آلود ہونا۔

لے طابع با پر زبر، بمعنی مہر، ایک لغت کے مطابق با کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس جگہ شہیدوں کا نشان اور ان کی علامت مراد ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کی ہے اور جہاد کیا ہے۔ پس اسے مجاہدوں والی جزا دی جائے گی۔

۳۷۴۸ وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ

حضرت خریم بن فاتک لے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ لے میں کوئی چیز خرچ کی تو اس کے لیے سات سو گنا ثواب

لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ — لکھا جاتا ہے ۳؎۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) — (ترمذی، نسائی)

۱؎ خریم نقطے والی خاء پر پیش، راء پر زبر، بن فاتک پہلے فاء، پھر تاء مکسورہ، صحابی ہیں، غزوۂ بدر میں اپنے بھائی سبرہ سین پر زبر، باء ساکن بن فاتک کے ساتھ حاضر ہوئے، بعض محدثین نے فرمایا۔ فتح مکہ کے دن اپنے بیٹے ایمن بن خریم کے ساتھ اسلام لائے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، فاتک ان کے دادا کا نام ہے، ان کے والد کا نام اخرم بن شداد بن فاتک ہے، ان کا شمار شامی اور بقول بعض کوفی صحابہ میں ہے۔

۲؎ اس سے مراد جہاد ہے۔

۳؎ نیک کاموں کا ثواب دس گنا سے کم نہیں ہوتا، البتہ زیادہ ہوتا ہے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا سے کم نہ ہوتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۶۴۹ / ۳۹ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مِنْحَةُ خَادِمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین صدقہ، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیمے کا سایہ ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خادم کا عطیہ ہے ۲؎ یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی اونٹنی دینا ہے جو نر اونٹ کی سواری کے لائق ہو ۳؎۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) — (ترمذی)

۱؎ جو کسی کو فراہم کیا جائے یا مجاہدین کے لیے لگایا جائے کہ اس کے سائے میں بیٹھیں ——— فسطاط فاء پر پیش، سین ساکن، بڑا خیمہ۔

۲؎ یعنی خادم، مجاہدین کے حوالے کر دے تاکہ ان کی خدمت اور اعانت کرے ——— منحۃ میم کے نیچے زیر، نون ساکن، اصل میں اس کا معنی ہبہ اور عطیہ ہے، اس کا عام طور پر استعمال دو معنوں میں ہوتا ہے :۔

۱۔ بغیر عوض کے منفعت کا مالک بنانا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ چیز مالک ہی کی رہے گی۔

۲۔ کسی کو اونٹنی دی جائے کہ تم کچھ عرصہ اس کا دودھ پی لو کیونکہ عرب کے زیادہ تر عطیات اسی قسم کے ہیں۔

پھر وہ چیز مالک کو لوٹا دی جائے گی، اونٹنی کے ماسوا میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً درخت یا خادم کے عطیے کو بھی منحہ کہہ دیتے ہیں۔

ـــہ یعنی کسی کو اس عمر کی اونٹنی دے کہ نر اونٹ اس کے ساتھ ملاپ کر سکے، خلاصہ یہ کہ سواری کے لیے کسی کو فی سبیل اللہ اونٹنی دی جائے۔

۳۶۵۰ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَلِجُ النَّارَ مَنْ اَبْکٰی مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَ لَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ دُخَانُ جَھَنَّمَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَ زَادَ النَّسَائِیُّ فِیْ اُخْرٰی فِیْ مَنْخِرَیْ مُسْلِمٍ اَبَدًا وَّ فِیْ اُخْرٰی لَہٗ فِیْ جَوْفِ عَبْدٍ اَبَدًا وَّ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَ الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص آگ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا، یہاں تک کہ دودھ پستان میں لوٹ جائے[۱]، اور کسی بندے پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا[۲]۔

(ترمذی)

امام نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ یہ غبار اور دھواں کبھی بھی کسی مسلمان کے دو نتھنوں[۳] میں جمع نہیں ہوں گے۔ ایک اور روایت[۴] میں ہے کہ کسی بندے کے پیٹ میں کبھی جمع نہیں ہوں گے، اور کسی بندے کے دل میں بخل[۵] اور ایمان ہرگز جمع نہیں ہوں گے۔

[۱] یہ ایک ناممکن امر پر معلق کرنا ہے، کہ پستان سے دودھ دوہ لیا جائے، پھر وہ واپس چلا جائے۔

[۲] جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو جائے وہ دھوئیں سے آلودہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔

[۳] منخر میم اور خاء دونوں کے نیچے زیر، ان دونوں پر زبر بھی آئی ہے، قاموس میں ان دونوں پر پیش بھی بتایا ہے، ناک کا سوراخ۔

[۴] یہ بھی امام نسائی کی ایک روایت میں ہے۔

[۵] شح شُحٌ بخل، بعض نے کہا اس کا معنی ہے وہ بخل جس کے ساتھ حرص بھی ہو، یہ بھی کہا گیا ہے کہ بخل بعض

چیزوں میں ہوتا ہے اور شح تمام چیزوں میں، نیز بخل مال میں اور شح مال اور نیکی میں ہوتا ہے۔

۳۶۵۱ / ۴۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آنکھوں کو آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف[1] سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رات بھر پہرہ دیتی رہی[2]۔

(ترمذی)

[1] اور اس کے عذاب کے ڈر سے۔

[2] یعنی مجاہدوں کو کافروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے پاسبانی کرتی رہی اور بے دار رہی۔

۳۶۵۲ / ۴۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَّاءٍ عَذْبَةٍ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ سَبْعِيْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی ایک پہاڑی راستے[1] میں گزرے جس میں میٹھے پانی کا چھوٹا سا چشمہ[2] تھا۔ وہ چشمہ انہیں پسند آیا، انہوں نے کہا کاش میں لوگوں سے الگ ہو کر اس گھاٹی میں قیام کر لیتا، انہوں نے یہ بات، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی[3]، تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو[4] کیونکہ تم میں سے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ٹھہرنا، افضل ہے اس سے کہ وہ اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھے، کیا تمہیں یہ بات محبوب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل کرے[5]، تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو[6] جس نے اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیانی وقفے کی مقدار اللہ تعالیٰ کی

مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

راہ میں جنگ کی اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ (ترمذی)

ے۱ شعب شین کے نیچے زیر، پہاڑ کے درمیان راستہ، پہاڑ کے درمیان شگاف اگرچہ راستہ نہ ہو۔

ے۲ بعض نسخوں میں ہے۔ فِيْهِ غُيَيْضَةٌ نقطے والی غین اور ضاد کے ساتھ، جنگل، شارحین نے فرمایا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ے۳ یہ ترجمہ اس وقت ہے جب ذُکِرَ فعل معروف کا صیغہ ہو، اگر فعل مجہول کا صیغہ ہو تو ترجمہ ہوگا ۱۲ ق) یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی۔

ے۴ کہ اس گھاٹی میں قیام کرو اور لوگوں کے ساتھ رہنے کو ترک کر دو۔

ے۵ اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور کسی گھاٹی میں عبادت کرنے سے مغفرت حاصل نہیں ہوتی (اسی لیے تو فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور جنت میں داخل کرے ۱۲ قادری۔

اس کا جواب علامہ طیبی نے یہ دیا کہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا اور واجب کو چھوڑ کر نفل میں مصروف ہونا گناہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کامل مغفرت اور جنت میں اولین سابقین کے ہمراہ داخل ہونے پر محمول کیا جائے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ گوشہ نشینی کی نسبت لوگوں کے ساتھ رہنا افضل ہے خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان میں، ہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے بعد بعض اوقات فتنے اور ابتلاء کے خوف سے، گوشہ نشینی افضل قرار پائی ہے۔

ے۶ کا نوعیں ہے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔

۳۶۵۳ وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ. رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دن کفر کی سرحد پر رہنا اور اس جگہ گھوڑے باندھنا، اس کے علاوہ دوسری منزلوں میں ہزار دن کی عبادت سے بہتر ہے۔ (ترمذی، نسائی)

ڪ اور یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر سرحد کی حفاظت واجب ہے، کیونکہ اس کا کسی دوسرے کام میں مصروف ہونا گناہ ہے، اگرچہ وہ مسجد ہی میں ہو کر اسے بھی رباط فرمایا گیا ہے[1]

۳۷۵۴ (۴۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ اَوَّلُ ثَلٰثَةٍ يَّدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِيْدٌ وَّ عَفِيْفٌ مُّتَعَفِّفٌ وَّ عَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللهِ وَ نَصَحَ لِمَوَالِيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر وہ تین شخص پیش کیے گئے۔ جو جنت میں پہلے داخل ہوں گے[1]۔ (۱) شہید۔ (۲) وہ پارسا جو اپنے آپ کو پارسائی کا پابند رکھے[2]۔ (۳) وہ غلام جو خوب اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اپنے آقاؤں کی خیر خواہی کرے[3] (ترمذی)

ڪ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب کے بعد، گویا حکم کیا جائے گا کہ تین تین افراد آئیں، ان تین قسموں کے افراد پہلے آئیں گے، اور یہ تین اشخاص نہیں ہیں بلکہ جماعتیں ہیں، ایک روایت میں ہے اَوَّلُ ثُلَّةٍ يَّدْخُلُوْنَ ثُلَّةٌ تین نقطے والی ثاء پر پیش اور لام مشدد، جماعت اصل میں بکریوں کے بڑے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

ڪ۲ عفت، پارسائی، اور حرام سے باز رہنا۔ عفیف پارسا، تعفف کا معنی ہے پارسائی میں تکلف کا مظاہرہ کرنا اور اپنے آپ کو زبردستی اس پر قائم رکھنا اور اس میں مبالغہ کرنا، توربشتی نے فرمایا: عفیف اس شخص کو کہتے ہیں جو حرام چیز سے پرہیز کرے اور متعفف وہ کہ مانگنے سے پرہیز کرے۔

ڪ۳ اور ان کی خدمت کرے۔

۳۷۵۵ (۴۵) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُبْشِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ

حضرت عبداللہ بن حبشی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

---

ڪ یہ اس صورت میں ہے کہ جہاد فرض عین ہو چکا ہو یا اسلامی سرحد پر بہت خطرہ ہو، وہاں سے مسلمانوں کے ہٹ جانے سے اسلامی ملک خطرہ میں پڑ جائے، امن و سکون کے حالات میں دوسری منازل اس سے افضل ہو سکتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ارشاد ہوا کہ نماز کے بعد نماز کا انتظار اور مسجد میں حاضری کی پابندی یہ رباط ہے یہ رباط ہے یہ رباط ہے ۱۲ مرآۃ۔

الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِيَامِ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيْلَ فَاَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قِيْلَ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهٖ وَ نَفْسِهٖ قِيْلَ فَاَيُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ وَ عُقِرَ جَوَادُهٗ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) وَ فِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ لَّا شَكَّ فِيْهِ وَ جِهَادٌ لَّا غُلُوْلَ فِيْهِ وَ حَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَ فِي الْبَاقِيْ۔

قیام[2] کا طویل ہونا، عرض کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا، فقیر کی طاقت[3]، عرض کیا گیا کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا۔ اس شخص کی ہجرت جو اللہ تعالیٰ کی اس پر حرام کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے[4]۔ عرض کیا گیا کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا، اس شخص کا جہاد جس نے اپنی جان اور مال کے ذریعے کافروں سے جہاد کیا[5]، عرض کیا گیا، جہاد میں کس طرح قتل کیا جانا زیادہ فضیلت والا ہے؟ فرمایا: اس شخص کا قتل کیا جانا جس کا خون بہایا گیا اور اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں[6]۔ (ابوداؤد) امام نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا، وہ ایمان جس میں شک نہ ہو[7]۔ وہ جہاد کہ اس سے حاصل ہونے والی غنیمت میں خیانت نہ ہو، اور وہ حج کہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو[8]۔ عرض کیا گیا کہ کونسی نماز افضل ہے؟ فرمایا: وہ نماز جس میں قیام[9] طویل ہو، باقی حدیث میں امام ابوداؤد اور نسائی متفق ہیں[10]۔

۱؎ عبداللہ بن حبشی حا پر پیش، بار ساکن، تین نقطے والا شین اور یار مشدد، صحابی ہیں اور اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہوئے۔

۲؎ یعنی نماز میں۔

۳؎ یعنی وہ صدقہ جو فقر اور احتیاج کے باوجود فقیر مشقت اور کوشش کے ساتھ دے، صراح میں ہے۔ اِقلال کم کرنا، نادار اور درویش ہونا، اٹھانا، اس کا بیان کتاب الزکاۃ میں باب افضل الصدقۃ میں

گزر گیا ہے۔

۵۴؎ یعنی اگرچہ ہجرت کا معنی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف نکلنا ہے، لیکن نفس کی حرام خواہشات کو ترک کرکے، طبیعت کے وطن سے باہر نکلنا اس سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے، بلکہ دراصل پہلی قسم کی ہجرت کی حقیقت بھی یہی ہے، اس کی تفصیل کتاب الایمان کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

۵۵؎ یعنی اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور اس سے غازیوں کو ساز و سامان فراہم کیا، اور جان کے ذریعے جہاد یہ کہ خود کافروں سے جنگ کی اور زخمی یا شہید ہوا۔

۵۶؎ یعنی ایسی جنگ کی کہ خود شہید ہوگیا اور گھوڑا بھی کام آگیا۔ یہ جنگ کی شدت اور اس میں ثابت قدمی کی انتہا ہے ——— جواد تیز رو گھوڑا۔

۵۷؎ یہ اشارہ ہے دین کے کمال اور ایمان کے مقتضیات میں یقین کی قوت کی طرف، ورنہ ایمان شک کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ پھر زیادہ فضیلت والا ہونے کا کیا مطلب؟ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایمان سے غلبۂ ظن مراد ہو اور شک کا معنی لغوی مراد لیا جائے جو ظن کو شامل ہوتا ہے۔ یہ معنی مراد نہ ہو کہ دونوں طرفین برابر ہوں۔

۵۸؎ حج مبرور کا معنی کتاب الحج میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۵۹؎ اس جگہ قنوت کا معنی قیام ہے، خضوع و خشوع کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۶۰؎ کونسا عمل افضل ہے؟ احادیث میں مختلف اعمال کا بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر جگہ وہ عمل بیان فرمایا جو سائل کے حال کے مناسب تھا، تو جس شخص میں تکبر اور سختی کا کسی حد تک نشان پایا اسے فرمایا کہ افضل عمل تواضع اور نرم مزاجی ہے مثلاً سلام کا پھیلانا، نرم انداز میں گفتگو کرنا اور اگر اس میں بخل اور خست کا کوئی حصہ پایا تو فرمایا کہ افضل عمل، جود و سخا ہے مثلاً کھانا کھلانا اور اگر عبادت میں سستی ملاحظہ فرمائی تو جواب دیا کہ افضل عمل، رات کو نماز پڑھنا ہے جب کہ لوگ سو رہے ہوں، یعنی مطلب یہ ہوا کہ سائل کے حق میں فلاں عمل افضل ہے یا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل، ان اعمال میں سے ہے جو افضل ہیں، ایسی ہی گفتگو دیگر مقامات میں بھی گزر چکی ہے۔

۳۷۵۶ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ كَرِبَ ۴۶ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتٌّ

حضرت مقدام بن معدی کرب ۶۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس چھ فضیلتیں ہیں (۱) اسے پہلی دفعہ ۶۲؎

خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دُفْعَةٍ وَّ يُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَ يُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ يَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَ يُوْضَعُ عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا وَ يُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَ يُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

میں ہی بخش دیا جاتا ہے، اسے جنت میں اس کا مقام دکھا دیا جاتا ہے[۲] (۲) اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے (۲) بڑے خوف[۳] سے محفوظ رہتا ہے (۴) اس کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ اس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (۵). بہتر جنتی حوروں[۵] کے ساتھ اس کا نکاح کیا جائے گا۔ اور (۶) اس کے ستر رشتہ داروں میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

ـه۱ معدی کرب راء کے نیچے زیر۔

ـه۲ صراح میں ہے دُفعۃ دال کی پیش کے ساتھ، وہ بارش جو یکدم آجائے، دفع دال کی زبر کے ساتھ بارش کا ایک مرتبہ آنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں بارش کے لیے ہے۔ خون اور اس جیسی چیزوں میں اس کا استعمال بطور تشبیہ اور استعارہ ہے۔ حدیث میں زبر اور پیش دونوں کی روایت آئی ہے، زبر کے ساتھ زیادہ مشہور اور پیش کے ساتھ زیادہ واضح ہے، یعنی خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہیدوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

ـه۳ روح کے نکلنے کے وقت۔

ـه۴ اس سے مراد دوزخ کی آگ کا عذاب ہے یا اس وقت کا خوف جب لوگوں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا، یا جب آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، یا اس وقت کا خوف جب موت کو ذبح کیا جائے گا اس وقت کافر آگ سے نجات پانے سے مایوس ہو جائیں گے۔

ـه۵ حور، بہشتی عورتوں کا نام ہے، یہ حَوْرَاءُ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ عورت جس کی آنکھ کی سفیدی بھی گہری ہو اور سیاہی بھی، صراح میں ہے۔ حَوَر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، آنکھ کی سفیدی کا گہرا سفید ہونا اور سیاہی کا گہرا سیاہ ہونا۔ عِیْنٌ، عین کے نیچے زیر، یہ جمع ہے عَیْنَاءُ کی، کشادہ چشم

۳۶۵۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ
۱۴

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِّنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَ فِيْهِ ثُلْمَةٌ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جہاد کے نشان کے بغیر اللہ تعالیٰ سے ملے گا[۱]، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس میں رخنہ ہو گا[۲]۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] اور اس کی بارگاہ عزت میں جہاد کی نشانی کے بغیر ملے گا، یعنی اس کے جسم میں زخم یا تھکاوٹ نہیں ہو گی اور اس نے مال خرچ نہیں کیا ہو گا اور مجاہدین کے لیے ساز و سامان تیار نہیں کیا ہو گا۔

[۲] علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ جہاد شامل ہے جہادِ کفار اور جہادِ نفس و شیطان کو، اس کی تائید حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آئندہ حدیث سے ہوتی ہے۔

۳۶۵۸ / ۴۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شہید قتل کی اتنی ہی تکلیف پاتا ہے جتنی کہ تم میں سے ایک شخص چیونٹی[۱] کے کاٹنے کی محسوس کرتا ہے۔ (ترمذی، نسائی، دارمی۔) امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] صراح میں ہے قرص انگلیوں سے چٹکی لینا، اور سرخ رنگ کے کاٹنے والے کیڑے کا کاٹنا۔ علامہ طیبی نے فرمایا: یہ اس شہید کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے سے لطف اندوز ہوتا ہے، اور اس کی روح اس سے خوش ہوتی ہے (طیبی) یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موت کے بعد حاصل ہونے والی لذت و راحت کے مقابلے میں، شہید کو قتل کی جو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے چیونٹی کاٹ لے، اس لیے چاہیے کہ وہ بعد میں حاصل ہونے والی لذت پر راضی اور خوش ہو۔

۳۶۵۹ / ۴۹ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَى

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو نشانوں سے

اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَ اَثَرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ قَطْرَةُ دَمٍ يُهْرَاقُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَثَرٌ فِيْ فَرِيْضَةٍ مِّنْ فَرَآئِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہنے والے آنسو کا قطرہ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جانے والا خون کا قطرہ[1]، لیکن دو نشان تو ایک اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگنے والا زخم کا نشان ہے[2]، اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کا نشان ہے[3]

(ترمذی) انہوں نے کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔

[1] قطرہ پانی وغیرہ کا ٹپکنا۔

[2] شارحین نے اسی طرح تفسیر کی ہے اور اگر چلنے کے دوران پاؤں کے نشان سے تفسیر کی تو بھی درست ہے۔

[3] مثلاً وضو میں تری کا باقی رہنا، نماز میں چہرے ماتھے کا نشان، روزے میں منہ کی بو، حج کے راستے میں گرد آلود ہونا، گرمی میں ماتھے کا پھٹ جانا اور وضو سے ایڑی کا پھٹ جانا وغیرہ۔

۳۶۶۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبِ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَّ تَحْتَ النَّارِ بَحْرًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دریا پر سواری نہ کرو، مگر اس حال میں کہ تم حج یا عمرہ یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہو[1]، کیونکہ، سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے[2]۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی عاقل کو چاہیے کہ اپنے آپ کو خوف اور ہلاکت کی جگہوں میں نہ ڈالے، مگر کسی دینی کام کے لیے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج، عمرہ یا جہاد کے لیے دریا کا سفر کرنا جائز ہے۔ دوسری حدیثوں میں

اس کی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً بہترین اور افضل شہداء وہ ہیں جن کی کشتی دریا میں الٹ گئی۔ اسی طرح صاحب قاموس نے مادۂ وکف میں بیان کیا ہے، علامہ سیوطی نے بیان کیا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو فرشتے کے واسطے کے بغیر قبض فرماتا ہے۔

سے۲ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن مجید میں وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ (اور سلگائے ہوئے سمندر کی قسم!) اسی پر محمول ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دریا سے ڈرانا اور اس کی سواری میں بڑے خطرے کی نشان دہی مقصود ہے۔ کیونکہ سمندر کی سواری کرنے والا اپنے آپ کو یکے بعد دیگرے آنے والی آفتوں اور ہلاکتوں کے لیے پیش کرتا ہے۔

۳۶۶۱/۵۱ وَعَنْ اُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِيْ يُصِيْبُهُ الْقَيْءُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ ، وَالْغَرِيْقُ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا دریا میں سر چکرائے[۱] اور اسے قے لاحق ہو جائے اس کے لیے ایک شہید کا اجر ہے اور ڈوبنے والے کے لیے دو شہیدوں کا اجر ہے[۲]۔

(ابوداؤد)

سے۱ کشتی کے کانپنے اور مضطرب ہونے کی وجہ سے جس کا سر چکرائے، اور دل متلائے۔

سے۲ یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا کشتی پر سوار ہونا جہاد، حج، طلب علم اور صلہ رحمی وغیرہ کے لیے ہو اور اگر تجارت، اپنی بقا اور اہل وعیال کے اخراجات کے لیے ہو اور سمندر کی سواری کے بغیر حاصل نہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کی سواری۔ دریا کے سفر کرنے اور اس کے ذریعے منافع حاصل کرنے کو اپنے احسانات میں سے شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام نے تجارت، ہجرت اور جہاد کے لیے دریا کا سفر کیا ہے۔

بہت سے علماء، اولیا اور اتقیاء نے حج کے لیے دریائی سواری کے ذریعے سفر کیا ہے۔ بعض فقہاء دریائی سفر سے منع کرتے ہیں اور اسے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا قرار دیتے ہیں۔ یہ اور ایسی ہی دوسری حدیثیں ان کے خلاف دلیل ہیں۔ اس سفر کو راستے کے پر امن ہونے کے خلاف قرار دینا مردود ہے، کیونکہ اس معاملے میں غالب کا اعتبار ہے اور اس میں شک نہیں کہ غالب سلامتی ہی ہے اور کشتیوں کی حیثیت خشکی کی سواریوں ہی کی ہے، خصوصاً جنگلوں اور پہاڑوں میں، جہاں خطرے کا احتمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خشکی کی طرح سمندر میں بھی سواریاں بنائی ہیں۔

ہلاکت کا خوف وہم ہے، عقل حکم کرتی ہے کہ دونوں قسم کی سواریاں اسباب عادیہ میں سے ہیں۔
سیدی احمد بن زروق جو مغرب کے اکابر علماء و مشائخ میں سے ہیں۔ حزب البحر کی شرح میں فرماتے ہیں:
عوارض سے قطع نظر آج سمندر کی سواری کے جائز ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ سلف کی نظر اس مسئلے میں مختلف ہے۔ اور یہ پانچ حالتوں میں ممنوع ہے۔

۱۔ یہ سفر کسی فرض کے ترک کرنے یا اس کے نقص کا سبب بنے، کشتی میں سوار ہونے سے جس کا سر چکرائے اور وہ نماز چھوڑ دے تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: افسوس اس شخص پر جو نماز بھی ترک کرے گا۔

۲۔ ایسے ناموافق موسم میں سفر کرے کہ اس میں ہلاکت کا خوف غالب ہو۔

۳۔ خطرہ ہو کہ دشمنان دین قید کرلیں گے اور تسلط حاصل کر کے جان و مال پر قبضہ کرلیں گے، برخلاف اس کے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ہو اور مسلمان طاقت و شوکت رکھتے ہوں۔

۴۔ سمندر کا سفر کرنے سے دشمنان دین کے احکام قبول کرنے پڑیں (راستے میں کافروں کی حکومت ہو۔ ۱۲ ق)۔ ان کے سامنے ذلیل ہونا پڑے اور ان کے غیر شرعی افعال دیکھنے پڑیں۔ بعض مشائخ نے دشمن کے علاقے میں تجارت کے لیے جانے پر یہ حکم جاری کیا ہے۔ مذہب کا مشہور مسئلہ یہ ہے کہ یہ سفر جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے، علماء و صالحین کا سمندری سفر اسی پر مبنی ہے، وہ حج اور دیگر واجب امور کے حاصل کرنے کے مقابل اس سفر کی قباحتوں کو معمولی قرار دیتے تھے۔

۵۔ سوار ہونے سے بے پردگی کا خطرہ ہو۔ مثلاً عورتیں چھوٹی کشتی میں سوار ہوں جہاں پردے کا انتظام نہ ہو۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص کو فرمایا: دریا کے سفر کی کیفیت بیان کرو انہوں نے بتایا مخلوق کی بڑی تعداد، کمزور مخلوق (کشتی) پر اس طرح سوار ہو جاتی ہے جیسے کیڑے مکوڑے لکڑی پر چڑھ جاتے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا:

اگر حج اور جہاد نہ ہوتا تو اس پر سوار ہونے والے کی گردن پر درّے مارتا، اس کے بعد حضرت عمر نے اس قول سے رجوع فرمالیا۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش آیا۔ اس کے بعد سمندری سفر، شرائط مذکورہ کے ساتھ جائز قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے (شیخ ابن مرزوق کا کلام ختم ہوا) (بحمدہ تعالیٰ آج جہازرانی کے سلسلے میں بڑی ترقی ہو چکی ہے جتنے خطرات صحابۂ کرام کے دور میں تھے آج اتنے نہیں ہیں، اگرچہ بالکل ختم نہیں ہوئے۔ بالکل ختم تو خشکی کی ٹریفک میں بھی نہیں ہیں۔۔ بحری جہازوں میں بے پردگی کا خطرہ بھی نہیں ہوتا اس لیے کسی مسلمان کے لیے حج پر نہ جانے کے لیے یہ خطرات عذر نہیں بن سکتے ۱۲ ق)

۳۶۶۲/۵۲ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ وَقَصَهٗ فَرَسُهٗ اَوْ بَعِیْرُهٗ اَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ اَوْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ بِاَیِّ حَتْفٍ شَآءَ اللّٰهُ فَاِنَّهٗ شَهِیْدٌ وَّ اِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابومالک اشعری[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلا[۲] اور مرگیا یا قتل کیا گیا، یا اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے پٹخ دیا[۳]، یا اسے کسی زہریلے کیڑے[۴] نے کاٹ لیا۔ یا وہ اپنے بستر پر مرگیا، جس موت سے بھی اللہ تعالیٰ نے چاہا، تو وہ شہید ہے، اس کے لیے جنت ہے۔

(ابوداؤد)

۱ھ ابومالک اشعری، انہیں ابومالک اشجعی بھی کہتے ہیں اور ان کے نام میں اختلاف ہے۔

۲ھ اور اپنے وطن سے جدا ہوا۔ ——— صراح میں ہے فصل جدا کرنا اور جدا ہونا۔

۳ھ اور اس کی گردن توڑ دے۔ ——— وقص کوٹنا، توڑنا۔

۴ھ ہامّۃ میم مشدد، ہر زہریلا جانور، اس کی جمع ہَوامّ ہے۔ اسی طرح سامّۃ ہے میم مشدد کے ساتھ حدیث میں ہَوامّ اور سَوامّ دونوں کا ذکر واقع ہے، بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ ہامّۃ وہ جو ہلاک کردے اور سامہ وہ جو ہلاک نہ کرے جیسے بچھو اور بھڑ۔

۳۶۶۳/۵۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد کا جہاد سے واپس آنا[۱] جہاد کی طرح ہے۔

(ابوداؤد)

۱ھ قفل پہلے قاف پھر فا سفر سے واپس آنا، قافلہ سفر سے واپس آنے والا گروہ، سفر کی ابتدا میں اس گروہ کو نیک فال کے طور پر قافلہ کہتے ہیں۔ یعنی جائے اور خیریت سے واپس آئے۔ شارحین نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مجاہد کی وطن کی طرف واپسی اس کے جہاد کے لیے روانہ ہونے کے حکم میں ہے، یعنی اہل و عیال کی طرف

واپسی کا ثواب، جہاد کے لیے جانے کے ثواب کی طرح ہے، جیسے حج میں بھی اسی طرح کہا گیا ہے، بلکہ جہاں بھی عبادت کے لیے جائیں اور واپس آئیں، کیونکہ واپس آنا جانے کا تتمہ ہے، اس حدیث کے دیگر مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں جو شرح (لمعات) میں مذکور ہیں۔

۳۶۶۴/۵۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِيْ اَجْرُهٗ وَلِلْجَاعِلِ اَجْرُهٗ وَاَجْرُ الْغَازِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غازی کے لیے اس کا ثواب ہے اور غازی کی مالی امداد کرنے والے کے لیے اس کا اور غازی کا ثواب ہے[۱]۔ (ابوداؤد)

[۱] مالی امداد کرنے والے کے لیے دو ثواب ہیں:-

۱۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ثواب۔

۲۔ اس غازی کے جہاد کا سبب ہونے کا ثواب، جعل سے مراد غازی کے لیے ساز و سامان مہیا کرنا اور اس کی امداد ہے۔ یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ باتفاق علماء بڑی فضیلت کا عمل ہے۔ اور اگر جعل سے مراد، اجرت ہو تو اگرچہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے اور اس کی رخصت ہے، لیکن اجر و ثواب کا سبب نہیں ہے۔ لہٰذا پہلا مطلب ہی صحیح ہے، شرح میں اس جگہ تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

۳۶۶۵/۵۵ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الْاَمْصَارُ وَسَتَكُوْنُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ يُقْطَعُ عَلَيْكُمْ فِيْهَا بُعُوْثٌ فَيَكْرَهُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَيَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِهٖ ثُمَّ يَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ يَعْرِضُ نَفْسَهٗ عَلَيْهِمْ مَنْ اَكْفِيْهِ بَعْثَ كَذَا اَلَا وَ ذٰلِكَ الْاَجِيْرُ اِلٰى اٰخِرِ قَطْرَةٍ مِّنْ

حضرت ابوایوب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر کئی شہر فتح کیے جائیں گے، اور بہت سے لشکر مجتمع[۲] ہوں گے۔ تم پر ان لشکروں میں شمولیت کے لیے دستے مقرر کیے جائیں گے پس ایک شخص جہاد کے لیے بھیجے جانے کو ناپسند کرے گا اور اپنی قوم سے بھاگ جائے گا[۳]، پھر وہ دوسرے قبیلوں کو تلاش کرے گا، اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کرے گا۔ کہ میں فلاں بھیجے جانے والے دستے کے لیے کسے کفایت

دمہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

کروں[۴]؟ خبردار رہو کہ وہ اپنے خون کے آخری قطرے تک[۵] مزدور ہی رہے گا۔

(ابوداؤد)

[۱] ابوایوب مشاہیر صحابہ اور اکابر انصار میں سے ہیں۔

[۲] مجنۃ میم پر پیش، جیم پر زبر اور نون مشدد۔

[۳] تاکہ جہاد کے لیے نہ جانا پڑے۔

[۴] اور اس کی طرف سے میں یہ بوجھ اٹھالوں، یعنی مجھے معاوضہ دے اور مزدور بنالے تاکہ میں اس کی جگہ لشکر میں شمولیت کی مشقت برداشت کر لوں، مطلب یہ ہے کہ یہ شخص معاوضے اور مزدوری کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کرنے کے لیے راضی نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے حال کی قباحت بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ تمام عمر مزدور ہی رہے گا۔ اور جہاد پر اسے ثواب نہیں ملے گا۔

[۵] یعنی قتل کیے جانے اور مرنے تک، مقصد بطور مبالغہ یہ بیان کرنا ہے کہ اسے جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ وہ صرف مزدور ہے، اسے فقط طے کردہ مزدوری ملے گی اگرچہ جنگ میں کام آگیا۔

۳۶۶۶ / ۵۶ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اٰذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَاَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَيْسَ لِيْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ اَجِيْرًا يَكْفِيْنِيْ فَوَجَدْتُ رَجُلًا سَمَّيْتُ لَهٗ ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ اَرَدْتُ اَنْ اُجْرِيَ لَهٗ سَهْمَهٗ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ مَا اَجِدُ لَهٗ فِيْ غَزْوَتِهٖ هٰذِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا دَنَانِيْرَهُ

حضرت یعلیٰ بن امیہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا۔ میں اس وقت معمر بوڑھا تھا۔ میرا کوئی خادم نہ تھا، میں نے ایک مزدور تلاش کیا جو میرے لیے کافی ہو، تو مجھے ایک شخص مل گیا۔ میں نے اس سے تین دینار طے کیے، جب مال غنیمت حاضر ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کا حصہ دے دوں، پس میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ میں اس کے لیے اس جنگ میں، دنیا اور آخرت میں سوائے ان طے کردہ دیناروں کے

الَّتِیْ تُسَمّٰی۔ کچھ نہیں پاتا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۵۱ یعلی یاء اور لام پر زبر، بن امیہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نجران کے عامل تھے، اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں، صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمراہی میں شامل ہوئے اور شہید ہوئے۔

۵۲ مطلب یہ ہے کہ وہ غنیمت اور ثواب آخرت سے محروم ہے، محدثین نے فرمایا کہ یہ اس مزدور کے بارے میں ہے جو خدمت کے لیے ہو، جس شخص کو جہاد کے لیے معاوضے پر شامل کیا گیا ہو اس کے لیے غنیمت میں سے حصہ ہے اگرچہ اسے ثواب نہیں ملے گا، علامہ طیبی اور بعض دوسرے علماء نے یہ قول احناف کی طرف منسوب کیا ہے ہمیں ہدایہ اور بعض دوسری کتابوں میں یہ قول نہیں ملا۔

۳۶۶۷/۵۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُرِيْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَهُوَ يَبْتَغِیْ عَرَضًا مِّنْ عَرَضِ الدُّنْيَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَجْرَ لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دنیا کے مال و متاع[۱] کا بھی طلب گار ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہے۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱ عرض راء پر زبر اور سکون دونوں جائز ہیں، مشہور روایت کے مطابق زبر ہے۔

۳۶۶۸/۵۸ وَعَنْ مُّعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰى وَجْهَ اللّٰهِ وَ اَطَاعَ الْاِمَامَ وَ اَنْفَقَ الْكَرِيْمَةَ وَ يَاسَرَ الشَّرِيْكَ وَ اجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَهٗ وَ نَبْهَهٗ

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد دو قسم کے ہیں، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا[۱] طلب کی، امام کی اطاعت کی[۲]، منتخب[۳] چیز خرچ کی، ساتھی سے نرمی کی[۴]۔ اور فساد سے بچا[۵] تو اس کا سونا اور جاگنا[۶]، سب موجب ثواب ہے، لیکن جس نے فخر، دکھلاوے[۷] اور

اَجْرَ كُلُّهٗ وَ اَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَّ رِيَآءً وَّ سُمْعَةً وَّ عَصَى الْاِمَامَ وَ اَفْسَدَ فِي الْاَرْضِ فَاِنَّهٗ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ۔

لوگوں کو سنانے کے لیے جہاد کیا، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ ثواب کے ساتھ نہیں لوٹا[۵۸]۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ) (مالک، ابوداؤد، نسائی)

۵۱ اور ثواب آخرت طلب کیا۔

۵۲ جس طرح اس نے حکم کیا اسی طرح بجالایا۔

۵۳ جان اور مال

۵۴ یاسَرَ، یُسْر سے مشتق، باب مفاعلہ سے فعل ماضی کا صیغہ ہے۔

۵۵ قتل کرنے، لوٹنے، و بیان کرنے میں شریعت کی حد سے تجاوز نہ کیا اور خیانت نہ کی۔

۵۶ یعنی اگرچہ سویا بھی ہو، اس کا سونا بھی باعث ثواب ہے ـــــ نبہ اکثر نسخوں میں نون کی زبر اور یار کے ساتھ تصحیح کی گئی ہے، بعض نسخوں میں بار کو ساکن قرار دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے نُبہ پیش کے ساتھ، دانائی، نیند سے اٹھنا۔

۵۷ یعنی شہرت اور ناموری کے لیے۔

۵۸ یا یہ مطلب ہے کہ وہ جہاد سے برابر سرابر نہیں لوٹا، کہ نہ ثواب ہو اور نہ گناہ، بلکہ اس حال میں لوٹے گا کہ گناہ ثواب پر غالب ہوگا۔

$\frac{3769}{59}$ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُّحْتَسِبًا وَّ اِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِيًا مُّكَاثِرًا

حضرت عبداللہ بن عمرو[۵۹] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتائیے، فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! اگر تم نے صبر اور امید اجر کے ساتھ جنگ کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں صابر اور امیدوار ثواب اٹھائے گا[۶۰] اور اگر تم نے ریاکاری اور زیادتی کی حرص[۶۱] کے ساتھ جہاد کیا

بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰى اَيِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَكَ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

تو اللہ تعالیٰ تمہیں ریاکار اور زیادتی کا حریص بنا کر اٹھائے گا[۴]۔ اے عبداللہ بن عمرو! تم جس حال میں جنگ کروگے یا قتل کیے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال پر اٹھائے گا[۵]۔

(ابوداؤد)

۱ ؎ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۲ ؎ کہ کس طرح جہاد کیا جائے تو باعث ثواب ہوگا۔

۳ ؎ تمہیں اسی صفت پر اٹھائے گا اور اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

۴ ؎ یعنی لوگوں پر فخر کرے اور کہے کہ میں مال، لشکر اور پیروکاروں میں تم سے زیادہ ہوں، یا یہ مطلب ہے کہ لوگ تمہیں کہیں کہ وہ مال و اسباب میں زیادہ ہے، مطلب یہ کہ اگر ناموری، شہرت اور مال و اسباب کے لیے جہاد ہو۔

۵ ؎ اور اس کی سزا دے گا۔

۶ ؎ شعر

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود
تا ابد در راہ و حالت آں بود

دنیا میں تمہیں جس چیز کا خیال ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ اسی سے ملاقات رہے گی۔

$\frac{۳۷۷۰}{۱۰}$ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمْضِ لِاَمْرِيْ اَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَهٗ مَنْ يَمْضِيْ لِاَمْرِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ) وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ فَضَالَةَ وَ الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت عقبہ بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم عاجز ہو کہ جب ہم کسی شخص کو کسی کام بھیجیں اور وہ ہمارے حکم کو جاری نہ کرے تو تم اس کی جگہ اس شخص کو مقرر کرو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرے[۲]۔

(ابوداؤد)

حضرت فضالہ[۳] کی وہ حدیث جس میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے کتاب الایمان[۴] میں ذکر کر دی گئی ہے۔

۵۱ عقبہ عین پر پیش، قاف ساکن بن مالک لیثی صحابی اور اہل بصرہ میں شمار کیے گئے ہیں۔
۵۲ یعنی اگر ہم ایک شخص کو حکم دیں اور کسی کام سے بھیجیں اور اس سے وہ کام نہ ہو سکے، تم اس کی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دو، جو بھی کام ہو، خواہ حکومت ہی ہو، مقصد کام کا کرنا ہے جو بھی کرے، یہ نہ کہو کہ اس کام کا حکم تو فلاں کو دیا، دوسرا وہ کام کیسے کرے۔
۵۳ فضالہ فا پر زبر۔
۵۴ کتاب الایمان اس کتاب کی ابتدا میں مذکور ہے، مصابیح میں یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی بیان کی گئی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۷۶۱/۶۱ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِیْہِ شَیْءٌ مِّنْ مَّآءٍ وَّ بَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَہٗ بِاَنْ یُّقِیْمَ فِیْہِ وَ یَتَخَلّٰی مِنَ الدُّنْیَا فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْیَھُوْدِیَّۃِ وَلَا بِالنَّصْرَانِیَّۃِ وَلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السَّمْحَۃِ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَغَدْوَۃٌ اَوْ رَوْحَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ہم لشکر کے ایک دستے[۱] میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ایک شخص ایک غار[۲] کے پاس سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزی تھی، اس شخص نے دل میں کہا کہ وہیں قیام کرلے اور دنیا سے الگ تھلگ رہے انہوں نے اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی[۳] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، ہمیں نہ تو یہودیت کے ساتھ بھیجا گیا اور نہ عیسائیت کے ساتھ[۴]، لیکن ہمیں آسان ملت[۵] کے ساتھ بھیجا گیا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ہماری جان ہے اللہ تعالٰی کی راہ میں[۶] صبح یا شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[۷]۔ اور تم میں سے ایک شخص کا جنگ کی صف میں

وَلَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِّنْ صَلٰوتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

کھڑے ہونا ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے[58]۔ (امام احمد)

۵۱ سریۃ سین پر زبر، را کے نیچے زیر، یا مشدد، لشکر کا ایک دستہ، پانچ افراد سے تین یا چار سو افراد تک۔

۵۲ غار، پہاڑ میں پست زمین، یا مطلق پست زمین۔

۵۳ اگر اجازت ہو تو وہاں قیام کریں۔

۵۴ جو رہبانیت اور مشقت اختیار کرتے ہیں، لوگوں سے میل جول اور ہر لذت کو ترک کر دیتے ہیں۔

۵۵ حنیف اسلام کی طرف مائل، عربوں کے نزدیک، حنیف وہ شخص ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہو، اصل میں حنیف کا معنی میلان کرنے والا ہے یعنی باطل سے حق کی طرف میلان کرنے والا۔ السمحۃ نرم اور آسان، جس میں سختی اور درشتی نہیں ہے، مسامحۃ معاملہ میں نرمی اختیار کرنا، تسمیح نرم رفتار سے چلنا اور سختی کے بعد چوپلئے سے نرمی برتنا۔

۵۶ یعنی دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں۔

۵۷ یعنی اگر وہ شخص دنیا اور اس کے مال و اسباب کا مالک ہو جائے اور رہتی دنیا تک اس میں تصرف کرے ایک وقت تو دنیا نے ختم ہونا ہی ہے، بلکہ اگر اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کر دے، کیونکہ صدقہ کے ثواب پر جہاد کو فضیلت ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ غَدْوَةٌ اور رَوْحَةٌ سے مراد مطلق زمانہ ہے یعنی ایک لمحہ اور ایک ساعت، غَدْوَةٌ اور رَوْحَةٌ کا ذکر بطور محاورہ ہے۔

۵۸ بعض شارحین نے فرمایا کہ نماز کی صف مراد ہے، مقصود منفرد کی نماز سے نماز با جماعت کی فضیلت بیان کرنا ہے، لیکن حدیث کا پہلا حصہ پہلے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (کہ جنگ کی صف مراد ہے)۔

۳۶۷۲/۶۲ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْوِ اِلَّا عِقَالًا فَلَهٗ مَا نَوٰى (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عبادہ بن صامت[59] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور صرف ایک رسی[60] کا ارادہ کیا تو اس کے لیے وہی چیز ہے جس کا اس نے ارادہ کیا[61]۔ (نسائی)

۵۱ حضرت عبادہ بن صامت، اکابر صحابہ اور نقباء انصار میں سے ہیں۔

۵۲ اونٹ کا پاؤں باندھنے والی رسی۔

۵۳ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ کرنا اگرچہ وہ معمولی اور حقیر ہی ہو اخلاص کے منافی ہے، اس میں مبالغہ ہے کہ غنیمت پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ اور اغراض دنیاویہ کے شائبہ کے بغیر خالص نیت کی ترغیب دی گئی ہے۔

۳۶۷۳/۶۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْ سَعِيْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَ اُخْرٰى يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ قَالَ وَ مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب[۱] اسلام کے دین[۲] اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی، حضرت ابو سعید خدری کو یہ کلمات بہت پسند آئے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کلمات مجھے دوبارہ بیان فرمائیں، آپ نے دہرائے، پھر فرمایا: ایک دوسری خصلت ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ بندے کو جنت میں سو درجے بلند فرمائے گا، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے، عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسی خصلت ہے، فرمایا:
اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد۔
(مسلم)

۱ اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا پروردگار ہے۔

۲ اسے وثوق ہو کہ اسلام میرا دین ہے۔

ے کیونکہ یہ کلمات کامل بشارت اور مسرت کے حامل ہیں۔

۳۶۶۴/۶۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَالَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَیْئَةِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِهٖ فَاَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِهٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهٖ حَتّٰی قُتِلَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق جنت کے دروازے، تلواروں کے سایوں کے نیچے[۱] ہیں، پس ایک فرسودہ[۲] شکل والے آدمی نے اٹھ کر کہا اے ابو موسٰی! کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا؟ انہوں نے کہا ہاں[۳]! تو اس شخص نے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہا میں تمہیں سلام کہتا ہوں[۴]، پھر اس نے اپنی تلوار کا میان[۵] توڑ کر پھینک دیا اور تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھ گیا، اس نے یہاں تک تلوار چلائی کہ شہید ہو گیا۔

(مسلم)

ے۱ گویا ہر تلوار کے نیچے جنت کا ایک دروازہ ہے، یہ معرکہ جہاد میں حاضر ہونے سے کنایہ ہے۔
ے۲ رث تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، پرانا۔
ے۳ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی ہے۔
ے۴ بطور الوداع
ے۵ جفن جیم پر زبر اور فا ساکن۔ نیام

۳۶۶۵/۶۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ اَنَّهٗ لَمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُکُمْ یَوْمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا: جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید ہو گئے۔ تو

| | |
|---|---|
| اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَاْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَ تَاْوِيْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُّعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَاْكَلِهِمْ وَ مَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُّبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اَنَّا اَحْيَآءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجَنَّةِ وَ لَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَاتِ۔ | اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیں[۱]، وہ پرندے جنت کی نہروں پر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں رہائش رکھتے ہیں، جب احد کے شہیدوں نے بہترین کھانے، مشروب اور رہائش گاہیں پائیں تو انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو ہمارے بارے میں کون اطلاع دے گا؟ کہ ہم زندہ ہیں تاکہ وہ جنت میں بے رغبتی اور جنگ میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں[۲]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں تمہارے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔ (آخر آیت تک) |
| (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) | (ابوداؤد) |

۱؎ اس کی تحقیق اور تفصیل پہلی فصل میں، حضرت مسروق کی حدیث میں گزر گئی ہے۔

۲؎ اور جہاد ترک نہ کر دیں۔

| | |
|---|---|
| ۳۶۶۶/۶۶ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَجْزَآءٍ اَلَّذِيْنَ | حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں (۱) وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر شک میں نہ پڑے۔ |

| | |
|---|---|
| اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ یَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِیْ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰی طَمَعٍ تَرَکَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ۔ | اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا[۱] (۲) وہ شخص جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر امن میں ہوں[۲] (۳) وہ کہ جب طمع کے قریب پہنچے[۳]، تو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ ہی دے[۴] |
| (رَوَاهُ اَحْمَدُ) | (احمد) |

۱؎ اس جماعت نے کامل ایمان اور تہذیب نفس کے ساتھ ساتھ مخلوق کو نفع پہنچایا اور انہیں پاک کیا، یہ لوگ مرتبے کے اعتبار سے اکمل واشرف اور اعلیٰ ہیں۔

۲؎ یعنی وہ اگرچہ لوگوں کو نفع نہیں پہنچاتے اور ان کی بھلائی کا کام نہیں کرتے۔ لیکن انہیں نقصان بھی نہیں پہنچاتے، شرانگیزی نہیں کرتے، لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں رکھتے اور ان سے کوئی لالچ نہیں رکھتے۔ جیسے کہ کہتے ہیں مصرع "مرا ز خیر تو امید نیست بد مرساں" مجھے تم سے بھلائی کی امید نہیں ہے۔ تم نقصان نہ پہنچاؤ۔

۳؎ اور اس کے دل میں آئے کہ لالچ کرے۔

۴؎ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دے، یہ گروہ اگرچہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ لالچ کرے اور لالچ کے دائرے میں واقع ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے حرص کے جال میں واقع ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ قسم، پہلی دو قسموں سے کم مرتبہ ہے۔ اس کے بعد دوسری قسمیں ہیں جو لائق اعتبار اور قابل توجہ نہیں ہیں۔ اس حدیث کی اس انداز سے یہ شرح اس فقیر حقیر (شیخ محقق) کے خیالات کا نتیجہ ہے۔

| | |
|---|---|
| ۳۷۷۷/۴۲ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمِیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُّسْلِمَةٍ یَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْکُمْ وَ اَنَّ لَهٗ | حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مسلمان جان جسے اس کا رب قبض کرے[۲]۔ ایسی نہیں ہے، جو تمہاری طرف لوٹنے[۳] کو پسند کرے، اس حال میں کہ اس کے لیے دنیا و مافیہا ہو، سوائے شہید کے[۴] |

الدُّنْيَا وَ مَا فِيهَا غَيْرُ الشَّهِيْدِ قَالَ ابْنُ اَبِيْ عَمِيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ اَهْلُ الْوَبَرِ وَ الْمَدَرِ۔ (رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

ابن ابی عمیرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جانا زیادہ محبوب ہے۔
اس سے کہ اُون اور اینٹوں والے میرے مملوک ہوں۔
(نسائی)

۵۱ عبدالرحمن بن ابی عمیرہ عین پر زبر، میم کے نیچے زیر، یا ساکن، صحابی ہیں، بعض محدثین کے نزدیک ان کے صحابی ہونے میں نظر ہے۔ ـــــ • ـــــ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۲ یعنی اسے موت سے ہم کنار فرما دے۔

۵۳ دنیا میں واپس آئے۔

۵۴ اسے یہ بات محبوب ہے کہ دنیا میں واپس آئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جائے، کیونکہ وہ ثوابِ شہادت کے عظیم درجات کا مشاہدہ کر چکا ہے۔

۵۵ اُون والوں سے مراد بادیہ نشین ہیں جو اُون کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور اینٹوں والوں سے مراد شہری اور دیہاتی ہیں جن کے مکان پتھر، اینٹ اور ڈھیلوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمام دنیا والوں کا مالک ہونے سے شہادت زیادہ محبوب ہے۔

۳۶۷۸/۶۸ وَعَنْ حَسْنَآءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنِيْ عَمِّيْ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِي الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ وَ الشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ وَ الْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ وَ الْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت حسناء بنت معاویہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے میرے چچا نے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت میں کون ہے؟ فرمایا: نبی جنت میں ہے۔ شہید جنت میں ہے، چھوٹا بچہ[۲] جنت میں ہے اور وہ بچہ جنت میں ہے جسے زندہ دفن کر دیا گیا[۳]۔
(ابوداؤد)

۵۱ حسناء حا پر زبر، سین ساکن بنت معاویہ چوتھے طبقے سے تعلق رکھنے والی مقبول تابعیہ ہیں، اپنے چچا اسلم بن سلیم صحابی سے روایت کرتی ہیں۔

۵۲ خواہ مومن کا بچہ ہو یا کافر کا اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔

۵۳ اس سے زندہ درگور کی جانے والی بچی مراد ہے، جیسے کہ کافروں کی عادت تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ لڑکوں کو بھی بھوک اور تنگی کے وقت زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ممکن ہے کہ خاص طور پر ان چار اقسام کا ذکر اس لیے کیا گیا ہو کہ پہلی دو قسمیں فضیلت اور شرافت کی حامل ہیں اور آخری دو قسمیں عمل اور کمائی کے بغیر جنت میں داخل ہوں گی۔

۳۷۷۹/۶۹ وَعَنْ عَلِيٍّ وَّ اَبِي الدَّرْدَاءِ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ اَبِيْ اُمَامَةَ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَقَامَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَّ مَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اَنْفَقَ فِيْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعَ مِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی مرتضی، ابوالدرداء، ابوہریرہ، ابوامامہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب سے[۵۴] روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر میں مقیم رہا[۵۵]۔ تو اس کے لیے ہر درہم کے بدلے سات سو درہم ہیں۔ اور جس نے خود اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کی اور اس کی رضا کے لیے[۵۶] خرچ کیا تو اس کے لیے ہر درہم کے بدلے سات ہزار[۵۷] درہم ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے ثواب زیادہ کرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

۵۱ ان آٹھ مشہور صحابہ سے روایت ہے۔

۵۲ اور جہاد کے لیے نہیں گیا۔

۵۳ یا اس جانب خرچ کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے راضی ہے۔

۵۴ بعض نسخوں میں سات لاکھ درہم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب کا اضافہ، سات سو میں بند نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری فصل میں حضرت خریم بن فاتک کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

۳۶۸۰ وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَاْسَهٗ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهٗ فَمَا اَدْرِيْ اَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُّؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهٗ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِّنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ فِي

حضرت فضالہ بن عبید[55] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہید چار قسم کے ہیں (۱) عمدہ ایمان والا مومن مرد اس نے دشمنوں[56] سے ملاقات کی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی[57] یہاں تک کہ وہ قتل کیا گیا، یہ وہ شخص ہے۔ جس کی طرف لوگ قیامت کے دن اس طرح اپنی آنکھیں اٹھائیں گے[58]، اور اپنا سر اٹھایا[59]، حتے[60] کہ ان کی ٹوپی گر گئی[61]،

راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے استاد نے حضرت عمر کی ٹوپی مراد لی یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی[62]۔

(۲) سرکار دو عالم نے فرمایا: بہترین ایمان والا مومن مرد، اس نے دشمن سے اس طرح ملاقات کی کہ بزدلی[63] کی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا اس کی جلد میں خاردار درخت کا کانٹا چبھ گیا ہو اسے انجانا[64] تیر لگا اور اسے قتل کر دیا۔

الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذَاكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

تو وہ دوسرے درجہ میں ہیں[۱۱] (۳) وہ ایماندار مرد ہے جس نے اچھے اور برے ملے جلے عمل کیے[۱۲]، اس نے دشمن کا سامنا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی[۱۳]۔ حتےٰ کہ قتل کیا گیا تو وہ تیسرے درجے میں ہے (۴) وہ ایماندار مرد جس نے اپنی ذات پر ناروا تصرف کیا[۱۴]۔ دشمن سے ملاقات کی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل کیا گیا، تو وہ چوتھے درجے میں ہے[۱۵]۔ (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے۔

۱؎ فضالہ بن عبید عین پر پیش، انصاری صحابی ہیں۔ ان کے حالات دوسری فصل کے ابتداء میں گزر گئے ہیں۔

۲؎ یعنی کافروں۔

۳؎ اپنے عمل اور بہادری سے، اس نے جہاد کیا، صبر کیا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کی صفت، صبر اور طلب ثواب بیان کی ہے اور اس کی خبر دی ہے جب اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کی امید کرتے ہوئے صبر کیا تو اس نے اس خبر میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی۔

۴؎ اس کے مقام کی بلندی اور عظمت کی وجہ سے۔

۵؎ یہ بیان کرنے کے لیے کہ لوگ اپنی آنکھیں اس طرح اٹھائیں گے۔ اور اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

۶؎ زیادہ سر اٹھانے کی وجہ سے۔

۷؎ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر اٹھانے کی کیفیت بیان کی تو ان کی ٹوپی گر گئی یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ پہلے معنی پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۸؎ اور خوف کی وجہ سے ـــــــــــ طلح طاء پر زبر، بڑے کانٹوں والا ایک درخت، یہ کنایہ ہے خوف کی وجہ سے جسم پر بالوں کے کھڑے ہو جانے اور جسم کے اکڑ جانے سے۔

۹؎ جس کا مارنے والا معلوم نہیں۔

۱۰؎ اور پہلے درجے سے کم مرتبہ ہے۔

۱۱؎ اور اس کا ایمان پہلی اور دوسری قسم ایسا عمدہ نہیں ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی طرف رجوع فرمائے۔

۱۲؎ صبر کیا اور بہادری اختیار کی۔

۱۳؎ حد سے تجاوز کی اور معصیت اختیار کی۔

۱۴؎ اور سب سے کم درجہ رکھتا ہے ——— اس تقسیم کا حاصل یہ ہے کہ شہید یا تو متقی اور بہادر ہے اور یہ پہلی قسم ہے یا متقی تو ہے لیکن بہادر نہیں ہے اور یہ دوسری قسم ہے یا بہادر ہے لیکن متقی نہیں ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس کے اعمال اچھے اور برے، ملے جلے ہیں، وہ معصیت کار ہے لیکن حد سے متجاوز نہیں، اور ایک وہ ہے جو فاسق ہے اور حد سے متجاوز ہے، ان تمام قسموں میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق حاصل ہے۔ سوائے دوسری قسم کے، اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق سے مراد صبر پر قائم رہنا اور طالب ثواب ہونا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو موصوف کیا ہے اور دن کے اس وصف کی خبر دی ہے، اجر و ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد نہیں ہے کہ وہ تو دوسری قسم میں بھی حاصل ہے، حالانکہ اس قسم میں تصدیق کا ذکر نہیں ہے۔

۳۶۸۱/۱۷ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ نِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَتْلٰى ثَلٰثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذٰلِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِيْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ

حضرت عتبہ بن عبد سلمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مقتول تین قسم کے ہیں۔ (۱) وہ مومن جس نے اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، جب اس نے دشمن کا سامنا کیا تو جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں[۲] فرمایا۔ وہ آزمایا[۳] ہوا شہید ہے، اللہ تعالیٰ کے خیمے میں اس کے عرش کے نیچے[۴]، انبیاء کرام کو ان پر صرف درجۂ نبوت میں فضیلت ہوگی[۵]۔ (۲) وہ

وَ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَ خَطَايَاهُ اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِّلْخَطَايَا وَ اُدْخِلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَ مُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَ مَالِهٖ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ فَذَاكَ فِي النَّارِ اِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُو النِّفَاقَ ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

مومن جس نے اچھے اور برے مخلوط عمل کیے[۵۲] اس نے اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، جب دشمن کا سامنا ہوا تو جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا، یہ شہادت محو کرنے والی ہے[۵۳]، اس نے اس کے گناہ اور خطائیں مٹا دیں، بے شک تلوار خطاؤں کو مٹانے والی ہے، اور اسے جنت میں داخل کیا جائے گا جس دروازے سے وہ چاہے گا۔ (۴) منافق نے اپنی جان اور مال سے جہاد کیا، جب دشمنوں سے ملا تو اس نے جنگ کی یہاں تک کہ قتل کیا گیا تو وہ آگ میں ہے[۵۴] بے شک تلوار منافقت کو نہیں مٹاتی[۵۵]

(دارمی)

[۵۱] عتبہ عین پر پیش اور تا ساکن بن عبد عین پر زبر اور با ساکن السلمی صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو الولید ہے، اہل حمص میں شمار کیے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کا نام عتلہ تھا عین پر زبر، تا ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اس کے بعد لام، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام عتبہ رکھ دیا۔

[۵۲] اس مومن مجاہد کی تعریف میں۔

[۵۳] اس مجاہد کا تجربہ کیا گیا ہے کہ یہ جہاد پر صبر کرنے والا اور مشقتوں کو برداشت کرنے کی طاقت رکھنے والا ہے، نہایہ میں ہے مُمَتحَن مہذب اور مصفا، جیسے چاندی کو ممتحن اس وقت کہتے ہیں جب آگ کے ساتھ اسے صاف کیا گیا ہو، آیت مبارکہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا تجربہ کیا ہے۔ انہیں نرم کیا ہے اور ان کو خلوص اور تقویٰ کے لیے پسند کیا ہے، امتحان علم اور معرفت کا سبب ہے۔

[۵۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور مقام قرب میں، جیسے کہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا، چنانچہ مجھے اجازت دی جائے گی، پس میں سجدہ میں چلا جاؤں گا۔ آخر حدیث تک۔

۵۵ یعنی نبوت اور اس سے متعلق کمال کے علاوہ تمام مراتب و کمالات، ان شہیدوں کو حاصل ہوں گے اس جگہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ شہدار، انبیاء سے ایک مرتبہ، یعنی مرتبۂ نبوت میں کم ہیں، کیونکہ نبوت کے کمالات بے حد و حساب ہیں، اور ولایت کے مراتب اس سے نیچے ہیں اور کمالات نبوت کے مقابل محسوس ہی نہیں ہوتے، تعرف میں ہے کہ اولیاء کرام قدس اللہ اسرارہم کے کمالات کی نسبت، کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وہ ہے جو ٹپکنے والے قطرے کی پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے سے ہے، کم نظر لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک قدم اور ایک مرتبہ انبیاء کرام سے نیچے ہیں۔ حالانکہ انہیں کمالاتِ نبوت کا تصور بھی نہیں ہوتا۔ گمراہی اور کجروی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ!

۵۶ اور وہ خالص متقی نہیں ہے۔

۵۷ مُمَصْمِصَةٌ پہلے میم پر پیش، دوسرے پر زبر، پہلا صاد ساکن، تیسرے میم کے نیچے زیر، پاک کرنے والی، بے نقطہ صاد اور نقطے والے ضاد کے ساتھ دونوں طرح روایت ہے، اور دونوں کا ایک ہی معنی ہے بعض شارحین نے کہا مصمصہ بے نقطہ صاد کے ساتھ زبان کے کنارے سے اور نقطے والے ضاد کے ساتھ پورے منہ کے ساتھ (کسی چیز کو حرکت دینا) جیسے وضو میں کلی کرنا (اسے مضمضہ کہتے ہیں) برتن وغیرہ کے دھونے کو کہتے ہیں۔ مضمضہ ذنوب، گناہوں کا مٹا دینا۔

۵۸ اگرچہ اس نے جنگ کی اور مارا گیا۔

۵۹ بخشش کے لیے ایمان ضروری ہے، اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

ایمان چو سلامت بلب گور بریم
احسنت برین چستی و چالاکی ما

جب ہم قبر تک ایمان سلامت لے جائیں تو ہماری چستی اور مستعدی پر آفرین۔

| | |
|---|---|
| ۳۶۸۲/۲ وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ | حضرت ابن عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرد کے جنازے کے ساتھ نکلے۔ جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس پر نماز نہ پڑھیں۔ |

عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَاٰهُ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ حَثّٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَ قَالَ اَصْحٰبُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ قَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

کیوں کہ یہ فاسق مرد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا: تم میں سے کسی نے اسے اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! اس نے ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور اس پر مٹی ڈالی[۵۳]۔ اور فرمایا: تمہارے ساتھی گمان کرتے ہیں کہ تم اہل نار میں سے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اہل جنت میں سے ہو، اور فرمایا: عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، لیکن تم سے فطرت[۵۴] کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

(شعب الایمان، امام بیہقی)

۵۱؎ ابن عایذ یاء اور نقطے والے ذال کے ساتھ، ابن عایذ متعدد صحابی ہیں۔ قیس بن عایذ اور منذر بن عایذ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس جگہ کون سے صحابی مراد ہیں؟ (چونکہ تمام صحابی عادل ہیں، اس لیے ان کی جہالت، نقصان دہ نہیں ہے ۱۲ قادری)

۵۲؎ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے

۵۳؎ ان کے دفن کے وقت۔

۵۴؎ یعنی دین اسلام کے بارے میں علامہ طیبی نے اس کلام کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اے عمر! ایسے مقام میں مُردوں کے بُرے اعمال کی خبر نہ دو، بلکہ ان کے اچھے اعمال کی خبر دینی چاہیے

جیسے کہ ارشاد فرمایا: اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ۔ اپنے مُردوں کو اچھائی کے ساتھ یاد کرو، اصل میں انہیں اس طریقے سے منع کرنا تھا جس پر انہوں نے اقدام کیا تھا، اور اس میت کے فسق و فجور کی خبر دی تھی، کیونکہ اعتبار، فطرت اور عقیدے کا ہے، اس کے علاوہ میت نے وہ اسلامی عمل بھی کیا ہے جو اسے کفایت کرتا ہے۔

# بَابُ اِعْدَادِ اٰلَةِ الْجِهَادِ

## ۲۸۶۔ آلۂ جہاد کے تیار کرنے کا بیان

اس باب میں وہ حدیثیں بیان کی جائیں گی جن میں آلۂ جہاد، مثلاً تیر کمان، نیزہ، تلوار، زرہ اور گھوڑا وغیرہ کے تیار کرنے کا ذکر ہے، زیادہ تر احادیث میں تیر اندازی اور گھوڑے کی فضیلت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار، جھنڈے اور زرہ کی صفت بھی بیان کی گئی ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۶۸۳ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

### پہلی فصل

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بر سر منبر فرماتے ہوئے سنا کافروں کے لیے وہ قوت تیار کرو جس کی تم طاقت رکھتے ہو اور تین بار فرمایا، خبردار! قوت، تیر اندازی ہے۔ (مسلم)

۵۱ آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی۔
۵۲ جس کے تیار کرنے کا تمہیں آیت میں حکم دیا گیا ہے۔
۵۳ مشکات کے بعض نسخوں میں رباط الخیل کا بھی ذکر ہے، بعض نسخوں میں اس پر خط کھینچا ہوا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ کلمات مسلم شریف میں نہیں ہیں، امام سیوطی نے کہا کہ یہ کلمات ابن منذر کی روایت میں ہیں اور قرآن مجید میں بھی ہیں، اسی طرح درمنثور میں ہے، زمخشری اور بیضاوی نے قوت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہر چیز جس سے جنگ میں طاقت حاصل کی جائے (مثلاً آج کے دور میں ٹینک، جنگی طیارے، طیارہ شکن توپیں، آب دوزیں اور ایٹمی اسلحہ وغیرہ ۱۲ قادری) بیضاوی نے کہا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص طور پر تیر اندازی کا ذکر اس لیے فرمایا ہو کہ یہ زیادہ قوت والا عمل ہے، کشاف میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ستر کمانیں توڑیں۔

**۳۶۸۴** وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ الرُّوْمُ وَيَكْفِيْكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّلْهُوَ بِاَسْهُمِهٖ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تم پر روم فتح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں کفایت کرے گا، پس چاہیئے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے سے عاجز نہ ہو۱۔ (مسلم)

۱ یعنی اہل روم کی جنگ عموماً تیر اندازی سے ہے، اس لیے تمہیں تیر اندازی سیکھنا چاہیے، اس کی تیاری اور مشق کرو، تاکہ رومیوں کے ساتھ جنگ کر سکو اور اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ بعض شارحین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ روم کی فتح کے باوجود تیر اندازی ترک نہ کرو اور اس کی مشق مسلسل جاری رکھو اور اس بات پر مغرور نہ ہو جاؤ کہ روم فتح ہو گیا ہے اب تیر اندازی کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ اس کی حاجت دائمی ہے۔ اگرچہ روم کے فتح ہو جانے سے رومی جنگ میں اس کی حاجت نہ رہے، تیر اندازی کو صورت کے اعتبار سے لہو کہا گیا ہے۔ نیز ترغیب مقصود ہے، کیونکہ انسان فطری طور پر لہو کی طرف مائل ہے، جیسے گھوڑے اور اونٹ کی دوڑ کا مقابلہ۔

**۳۶۸۵** وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَلِمَ

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا

الرَّمْیَ ثُمَّ تَرَکَہٗ فَلَیْسَ مِنَّا اَوْقَدْ عَصٰی۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

تو وہ ہم میں سے نہیں[1] یا یہ فرمایا[2] کہ اس نے نافرمانی کی۔ (مسلم)

[1] اور ہمارے طریقہ پر نہیں۔

[2] راوی کو شک ہے کہ دونوں میں سے کونسی بات فرمائی۔

۳۶۸۶/۴ وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَوْمٍ مِّنْ اَسْلَمَ یَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ ارْمُوْا بَنِیْٓ اِسْمَاعِیْلَ فَاِنَّ اَبَاکُمْ کَانَ رَامِیًا وَّ اَنَا مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ لِاَحَدِ الْفَرِیْقَیْنِ فَاَمْسَکُوْا بِاَیْدِیْھِمْ فَقَالَ مَالَکُمْ فَقَالُوْا کَیْفَ نَرْمِیْ وَ اَنْتَ مَعَ بَنِیْ فُلَانٍ قَالَ ارْمُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ کُلِّکُمْ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سلمہ بن اکوع[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لائے وہ بازار میں تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے[2]۔ آپ نے فرمایا: اے اولاد اسماعیل! تیر اندازی کرو کہ تمہارے جد امجد تیر انداز تھے اور ایک فریق[3] کو فرمایا کہ ہم بنو فلاں کے ساتھ ہیں، تو دوسرے قبیلے نے اپنے ہاتھ روک لیے فرمایا: تمہیں کیا ہوا[4] انہوں نے عرض کیا ہم کیسے تیر اندازی کریں؟ جب کہ آپ بنو فلاں (دوسرے گروہ) کے ساتھ ہیں۔ فرمایا: تم تیر اندازی کرو اور ہم تم سب کے ساتھ ہیں۔ (بخاری)

[1] سلمہ سین اور لام پر زبر، بن الاکوع ہمزے پر زبر، کاف ساکن، سلمی بیعت رضوان میں شریک ہوئے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے صحابۂ کرام کی ابتدا میں درمیان اور آخر میں بیعت کی۔ بڑے بہادر اور ماہر تیر انداز تھے، پیادہ یا سواروں سے جنگ کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ان ہی سے بھیڑیئے نے گفتگو کی تھی ۷۴ھ میں اسی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہوا۔

[2] سوق بازار، بعض محدثین نے کہا کہ ایک جگہ کا نام ہے، بعض نے کہا کہ ساق کی جمع ہے، اس سے مراد تیر ہیں، شرح ابن فرشتہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ سوق سین کی زبر کے ساتھ، ایک جگہ کا نام ہے تناضل اور مناضلہ نقطے والے ضاد کے ساتھ۔ مل جل کر تیر اندازی کا مقابلہ کرنا۔

۵۳ یعنی اے عرب!

۵۴ بنی اسلم کے دو قبیلے جو تیر اندازی کر رہے تھے ان میں ایک قبیلے کا نام لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم ان کی طرف ہیں۔

۵۵ یعنی جس قبیلے کی طرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے اس کے مقابل قبیلے نے ہاتھ روک لیے۔

۵۶ تم نے ہاتھ کیوں روک لیے؟۔

۳۶۸۷/۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَّاحِدٍ وَّكَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ اِذَا رَمٰى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ اِلٰى مَوْضِعِ نَبْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ڈھال کی آڑ لیتے تھے[۱]۔ حضرت ابو طلحہ، بہترین تیر انداز تھے، جب وہ تیر چلاتے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر اٹھا کر اس جگہ کو دیکھتے تھے جہاں ان کا تیر گرتا تھا[۲]۔

(بخاری)

۵۱ تترس، ڈھال کا آگے رکھنا۔

۵۲ آپ دیکھتے تھے کہ تیر کسے لگا ہے اور کون سا دشمن اس کا شکار ہوا ہے؟ کیونکہ حضرت ابو طلحہ کا تیر خطا نہیں جاتا تھا، حضرت ابو طلحہ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ابو طلحہ کی آواز سو مردوں سے بہتر ہے، حنین کے دن انہوں نے بیس افراد کو قتل کیا اور ان کا ساز و سامان حاصل کیا۔

۳۶۸۸/۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَرَكَةُ فِيْ نَوَاصِي الْخَيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ برکت گھوڑے کی پیشانی کے بالوں میں ہے[۱]۔

(صحیحین)

۱ مقصود گھوڑوں کی ذوات میں برکت کا ثابت کرنا ہے، پیشانی کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ اشرف اور ظاہر و باہر

عضو ہے جیسے آدمی میں پیشانی

۳۶۸۹ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِيْ نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِإِصْبَعِهِ وَ هُوَ يَقُوْلُ اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَلْاَجْرُ وَ الْغَنِيْمَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے ایک جانب ہٹاتے ہوئے دیکھا، اور آپ فرما رہے تھے کہ بھلائی قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں سے وابستہ ہے[۱]، آخرت میں ثواب اور دنیا میں غنیمت۔ (مسلم)

[۱] کیونکہ ان سے جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۳۶۹۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ إِيْمَانًا بِاللهِ وَ تَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ - فَإِنَّ شِبَعَهٗ وَ رِيَّهٗ وَ رَوْثَهٗ وَ بَوْلَهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے اس کی راہ میں گھوڑا باندھا[۱] تو اس کا پیٹ بھرنا، پانی پینا، اس کا پیشاب اور لید، قیامت کے دن اس شخص کی میزان[۲] میں ہوگی۔ (بخاری)

[۱] اس نیت سے کہ ہو سکتا ہے جنگ چھڑ جائے (اور گھوڑا کام آئے) جس کا معنی منع کرنا ہے، وقف کے معنی میں بھی آتا ہے، گھوڑے کے جس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہ اس نے نیک کام کرنے کا عمومی اور خصوصی طور پر حکم دیا ہے، اور گھوڑا باندھنے پر عظیم ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے جس نے گھوڑا باندھا۔

۵۲ اعمال کے ترازو میں، یعنی یہ چیزیں اس کے اعمال میں داخل ہوں گی اور ان کا ثواب ملے گا، شبع شین کے نیچے زیر، باء پر زبر، سیر ہونا، ری راء کے نیچے زیر، یا مشدد، سیراب ہونا، پیاس بجھانا، اس جگہ وہ چیز مراد ہے جس سے بھوک اور پیاس مٹائی جاتی ہے مثلاً گھاس، دانہ اور پانی۔

۳۶۹۱ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِي الْخَيْلِ وَ الشِّكَالُ اَنْ يَكُوْنَ الْفَرَسُ فِيْ رِجْلِهِ الْيُمْنٰى بَيَاضٌ وَّ فِيْ يَدِهِ الْيُسْرٰى اَوْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى وَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو ناپسند فرماتے تھے، شکال[۱] یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو[۲]۔
(مسلم)

۵۱ شکال شین کے نیچے زیر، گھوڑے میں یہ ہے کہ اس کے تین پاؤں سفید ہوں اور ایک رنگ دار ہو یا اس کے برعکس، اس گھوڑے کو اس رسی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے ساتھ چوپائے کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، اسی طرح قاموس میں ہے۔ راوی نے ایک دوسرا معنی بیان کیا ہے۔

۵۲ شکال کو ناپسند رکھنے کی وجہ شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں، بظاہر یہ معنی، پہلے معنی کے مخالف ہے جو قاموس سے نقل کیا گیا ہے اور ان دونوں میں تطبیق ممکن ہے (کہ شکال کے کئی معانی ہو سکتے ہیں، ایک راوی کا بیان کردہ اور دوسرا وہ جو قاموس میں ہے ۱۲ قادری) نہایہ میں ہے کہ اسے اس لیے مکروہ قرار دیا کہ وہ صورت کے اعتبار سے مشکول ہے (یعنی اس جانور کے مشابہ ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھے گئے ہوں ۱۲ قادری) اور یہ اچھی فال نہیں ہے، ممکن ہے تجربے سے ثابت ہوا ہو کہ یہ جنس نجیب (اصل) نہیں ہوتی، بعض محدثین نے کہا کہ اگر اس کے باوجود سفید پیشانی والا ہو تو کراہت دور ہو جائے گی۔

۳۶۹۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لاغر کیے ہوئے گھوڑوں میں دوڑ کرائی[۱]

بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِىْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَآءِ وَ اَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَ بَيْنَهُمَا سِتَّةُ اَمْيَالٍ وَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِىْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِىْ زُرَيْقٍ وَّ بَيْنَهُمَا مِيْلٌ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حفیاء[۲] سے، اس گھوڑ دوڑ کی انتہا ثنیۃ الوداع[۳] تھی، اور ان دو جگہوں[۴] کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے، اور جن گھوڑوں کو لاغر نہیں کیا گیا تھا۔ ان کی ثنیہ سے لے کر مسجد بنو زریق[۵] تک دوڑ کرائی۔ اور ان دو جگہوں کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ (صحیحین)

[۱] مسابقت گھوڑ دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا۔ اضمار کا طریقہ یہ ہے کہ گھوڑوں کو خوب چارہ کھلاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ موٹے اور طاقت ور ہو جاتے ہیں، پھر چارہ اس حد تک کم کر دیتے ہیں کہ وہ زندہ رہیں، انہیں کسی کمرے میں بند کر کے اوپر جل ڈال دیتے ہیں، تاکہ گرمی سے پسینہ آجائے، جب پسینہ خشک ہو جاتا ہے تو ان کا گوشت ہلکا ہو جاتا ہے اور ان کی رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔

[۲] حفیاء بے نقطہ حا پر زبر، فا ساکن، الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، حیفاء فا سے پہلے یاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔

[۳] ثنیۃ الوداع، ایک پہاڑ کا نام ہے، اہل مدینہ سفر کرنے والوں کو وہاں تک رخصت کرتے تھے اسی لیے اس جگہ کو ثنیۃ الوداع کہتے ہیں۔ اسی طرح قاموس میں ہے، علامہ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں ایک عجیب وجہ ذکر کی ہے جو ہم نے شرح (لمعات) میں ذکر کی ہے۔

[۴] یعنی حفیاء اور ثنیۃ الوداع کے درمیان چھ میل کا فاصلہ ہے جس میں دوڑ کراتے تھے۔

[۵] بنو زریق زا پر پیش

۳۶۹۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَآءَ وَ كَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَآءَ اَعْرَابِىٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَّهٗ فَسَبَقَهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جسے عضباء[۱] کہا جاتا تھا۔ یہ ایسی اونٹنی تھی کہ کوئی اونٹنی اس سے آگے نہیں نکلتی تھی۔ پس ایک بدوی جوان اونٹ[۲] پر سوار ہو کر آیا اور اس اونٹنی سے

فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِّنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

آگے نکل گیا[۵۴] مسلمانوں پر یہ بات[۵۵] بہت گراں گزری، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر ثابت[۵۶] ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی بلند ہوگی، اسے پست فرمائے گا۔

(البخاری)

[۵۱] عضباء عین پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن، اس کے بعد باء، آخر میں الف ممدودہ، وہ اونٹنی جس کے کان کاٹے ہوئے ہوں یا ان میں شگاف ڈالا گیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ وہی مشہور اونٹنی ہے جسے قصوی بھی کہتے ہیں یا اس کے ماسوا ہے، ؟ اس میں دو قول ہیں، محدثین کہتے ہیں کہ یہ بابرکت اونٹنی عضباء نہیں تھی، بلکہ اس کے کان پیدائشی طور پر ہی ایسے تھے۔

[۵۲] قعود قاف پر زبر، جوان اونٹ جس پر پہلی بار سواری کی گئی ہو اور اس نے سواری بننے کی صلاحیت نئی نئی حاصل کی ہو، اس کی عمر کم از کم دو سال اور زیادہ سے زیادہ چھ سال ہے، اس کے بعد اسے جمل کہتے ہیں۔

[۵۳] دوڑنے میں۔

[۵۴] اعرابی کے اونٹ کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنی سے آگے نکلنا۔

[۵۵] اس کی عادت کریمہ ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۶۹۲/۱۲ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلٰثَةَ نَفَرٍ فِي الْجَنَّةِ صَانِعَهٗ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهٖ وَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین افراد کو جنت میں داخل کرے گا (۱)۔ اس کے بنانے والے[۱] کو جو اس کے بنانے میں ثواب کی امید رکھتا ہو[۲]، (۲) اس کے چلانے والے[۳] کو اور

مُنَبِّلَهٗ فَارْمُوْا وَ ارْكَبُوْا وَ اَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْا بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهٗ بِقَوْسِهٖ وَتَادِيْبَهٗ فَرَسَهٗ وَ مُلَاعَبَتَهٗ اِمْرَاَتَهٗ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَزَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهٗ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهَا نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْ قَالَ كَفَرَهَا۔

(۳) اس کے پکڑانے والے [۴] کو، تو تم تیر اندازی کرو اور سواری کرو۔ تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے تمہارے سوار ہونے [۵] سے زیادہ محبوب ہے، ہر وہ چیز باطل [۶] ہے جس کے ساتھ مرد کھیلے، سوائے کمان سے تیر چلانے اپنے گھوڑے کی تربیت کرنے اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے، کہ سب حق ہیں [۷]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

امام ابوداؤد، اور دارمی نے یہ اضافہ کیا جس نے سیکھنے کے بعد تیر اندازی کو اس سے اعراض کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ تو بے شک اس نے ایک نعمت چھوڑ دی یا فرمایا اس نے نعمت کی ناشکری کی۔

---

۱؎ اور اسے سیدھا کرنے والے کو۔

۲؎ یعنی جو شخص اس نیت سے تیر بناتا ہے کہ اس کے ساتھ جہاد کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلایا جائے۔

۳؎ اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔

۴؎ یعنی جو تیر انداز کو تیر پکڑائے، خواہ ابتداءً، یا چلانے سے پہلے یا چلانے کے بعد نشانے کے پاس سے اٹھا کر۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر چلاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں تیر پکڑاتے تھے۔ مُنَبِّل، میم پر پیش، نون پر زبر اور بار مشدد کے نیچے زیر، مشتق ہے تَنْبِیْل سے، نون ساکن اور بار مخفف، یا مشتق ہے اِنبال سے، دو روایتیں ہیں (دوسری روایت کے مطابق مُنْبِل پڑھیں گے۔ ۱۲ ق)۔

۵؎ بعض شارحین نے کہا کہ سوار ہونے سے مراد، نیزہ مارنا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ نیزہ بازی سے تیر اندازی زیادہ محبوب ہے۔

۶؎ اور ناجائز ہے۔

۵۷ اور حقیقت میں، لہو میں داخل نہیں ہیں۔

۳۶۹۵/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ نَجِیْحٍ السُّلَمِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهٗ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَ مَنْ رَمٰی بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهٗ عِدْلُ مُحَرَّرٍ وَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ - رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ اَلْفَصْلَ الْاَوَّلَ وَ النَّسَائِيُّ الْاَوَّلَ وَالثَّانِيَ وَ التِّرْمِذِيُّ الثَّانِيَ وَ الثَّالِثَ وَ فِيْ رِوَايَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَدَلَ فِي الْاِسْلَامِ ۔

حضرت ابونجیح سلمی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پہنچایا[۲] تو وہ اس کے لیے جنت میں عظیم درجہ ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر چلایا[۳] تو وہ اس کے لیے آزاد کردہ غلام کے برابر ہے، اور جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا تو یہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن[۴] نور ہوگا۔ (شعب الایمان، امام بیہقی) امام ابوداؤد نے پہلا حصہ[۵]، امام نسائی نے پہلا اور دوسرا حصہ[۶]۔ اور امام ترمذی نے دوسرا اور تیسرا حصہ[۷] روایت کیا، امام نسائی و ترمذی کی روایت میں اسلام کی جگہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں بوڑھا ہوا[۸]۔

۱؎ ابونجیح نون پر زبر، جیم کے نیچے زیر اور یا ساکن السلمی حضرت عمرو بن عتبہ کی کنیت ہے، اسلام لانے والے چوتھے فرد تھے۔ ان کے احوال شریفہ کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

۲؎ یعنی کسی کافر کو مارا۔

۳؎ خواہ وہ کافر کو لگا یا نہیں۔ اس توجیہ کے مطابق تیر کا پہنچانا، تیر چلانے سے اعلیٰ ہے، انداز کلام یہ ہے کہ پہلے اعلیٰ کا ذکر ہے پھر ادنیٰ کا، یعنی اگر وہ نہ ہو تو اس کا بھی ثواب ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیر پہنچانے سے مراد، تیر لے کر میدان جنگ میں جانا ہو، عام ازیں کہ چلائے یا نہ چلائے۔ اور رمی کا مطلب، ہو کافروں کی طرف تیر کا چلانا، اس معنی کے اعتبار سے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوگی۔ درجہ سے وہ درجہ مراد ہے جو غلام آزاد

کرنے سے کم مرتبہ ہے۔ آزاد کرنے کا بڑا مرتبہ ہے۔

۵۴ نور کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس جگہ اسلام سے مراد جہاد ہے۔ کیونکہ جہاد، اسلام کا ستون اور اس کا بلند ترین مقام ہے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے۔

۵۵ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تیر پہنچایا۔

۵۶ ان دونوں حصوں کا تعلق، تیر کی فضیلت سے ہے۔

۵۷۔ کہ جس نے تیر چلایا اور جو بوڑھا ہوا۔

۵۸ اس روایت سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے کہا کہ اسلام سے مراد جہاد ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ تیسرے حصے کو بھی امام نسائی نے روایت کیا ہے، لہٰذا ان کی دو روایتیں ہوں گی۔

| | |
|---|---|
| ۳۶۹۶/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سبقت نہیں ہے مگر تیر، اونٹ یا گھوڑے میں ل۵ |
| (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ) | (ترمذی، ابوداؤد) |

ل۵ سبق بار کی زبر کے ساتھ۔ وہ مال جو گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی وغیرہ میں جیتنے والے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، اور بار ساکن ہو تو اس کا معنیٰ آگے نکلنا ہے، صحیح روایت میں اس جگہ بار پر زبر ہے اور اگر بار ساکن ہو تو بھی حاصل معنی یہی ہے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سبقت نہیں ہے مگر نصل میں، نون پر زبر، بے نقطہ صاد ساکن، تیر، نیزہ اور تلوار کا لوہا، اس جگہ تیر کا پھل مراد ہے، یہ تیر اندازی سے کنایہ ہے، خف خار پر پیش، اونٹ کا پاؤں، حافر بے نقطہ حاء کے ساتھ، گھوڑے کا سم، مطلب یہ ہے کہ اونٹ اور گھوڑے کے دوڑانے میں سبقت جائز ہے۔

ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مقابلے میں سبقت لے جانے پر مال لینا جائز نہیں ہے۔ مگر ان تین چیزوں میں، فقہا کی ایک جماعت نے اس پر قیاس کیا ہے اور جو چیز ان کے موافق ہو۔ اور ا سے جہاد کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اسے ان کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ مثلاً گدھا اور خچر گھوڑے کے اور ہاتھی اونٹ کے حکم میں ہے، کیونکہ جنگ میں ہاتھی، اونٹ سے زیادہ کارآمد ہے۔

کسی چیز کے مقابلے پر مال کا شرط کرنا جنگ کا ذریعہ ہے اور مال کا مقرر کرنا جہاد کی ترغیب ہے

برخلاف اس چیز کے جو جنگ کا سامان نہیں ہے جیسے پرندے اور کبوتر ان میں مقابلہ اور اس پر مال لینا جائز نہیں ہے۔ بعض علماء نے انسانی دوڑ اور پتھر پھینکنے کے مقابلے کو ان تین چیزوں کے ساتھ لاحق کیا ہے کیونکہ یہ بھی تیر کے حکم میں ہیں، قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مقابلے کو گھوڑوں کے ساتھ خاص کرتے تھے۔

یاد رہے کہ مقابلے میں شرط لگانے کی صورت میں جوئے کا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں ملکیت کو خطرہ ہے اور نفع نقصان میں تردد ہے اور یہی جوئے کا معنی ہے، ہاں اگر امام یا تیسرے آدمی کی طرف سے انعام مقرر ہو تو حرام نہ ہوگا۔ مثلاً تیسرا آدمی کہے کہ جو مقابلہ جیت جائے گا میں اسے اتنا انعام دوں گا، یا مقابلے میں حصہ لینے والوں میں سے ایک کی طرف سے انعام ہو، مثلاً ایک شخص کہے کہ اگر تم جیت جاؤ تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ اور اگر میں جیت گیا تو تم مجھے کچھ نہیں دو گے۔ اور اگر دونوں طرف سے ہو مثلاً کہے کہ اگر میں جیت گیا تو تم مجھے اتنا انعام دو گے اور اگر تم جیت گئے تو میں تمہیں اتنا انعام دوں گا۔ یہ جائز نہ ہوگا۔ یہ تو خالص جوا ہے۔ ہاں اگر تیسرا آدمی درمیان میں آ جائے تو جائز ہوگا۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۶۹۷ / ۱۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ فَاِنْ كَانَ يُؤْمِنُ اَنْ يُّسْبَقَ فَلَاخَيْرَ فِيْهِ وَاِنْ كَانَ لَا يُؤْمِنُ اَنْ يُّسْبَقَ فَلَابَاْسَ بِهٖ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِيْ وَهُوَ لَا يَاْمَنُ اَنْ يُّسْبَقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَّمَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ اَمِنَ اَنْ يُّسْبَقَ فَهُوَ قِمَارٌ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو گھوڑوں میں گھوڑا داخل کیا[1] تو اگر اس کے بارے میں اطمینان ہے کہ وہ پیچھے نہیں رہے گا[2] تو اس میں بھلائی نہیں ہے[3]، اور اگر اس بارے میں اطمینان نہیں ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گا[4] تو اس میں حرج نہیں ہے[5]۔ (شرح السنۃ)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا۔ جس نے دو گھوڑوں میں تیسرا گھوڑا داخل کیا اور اسے[6] پیچھے رہ جانے سے اطمینان نہیں ہے تو جوا نہیں ہے اور جس نے دو گھوڑوں میں تیسرا گھوڑا داخل کیا اور وہ پیچھے رہ جانے سے مطمئن ہے تو یہ جوا ہے۔

ف۱ یہ حلال اور جائز کرنے کی صورت ہے، حلال کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنا گھوڑا، مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں میں شامل کرتا ہے اور انہوں نے دونوں طرف سے شرط لگائی ہوئی ہے، اور یہ کھیل جوا بن چکا ہے، تیسرا شخص اپنا گھوڑا اس شرط پر شامل کرتا ہے کہ اگر میرا گھوڑا جیت گیا تو دونوں انعام میں لوں گا اور اگر ہار گیا تو مجھے کچھ نہیں دینا ہوگا۔ یہ کھیل دونوں طرف سے شرط لگانے کی بنا پر جوا تھا۔ تیسرے شخص کے شامل ہونے سے جوا نہ رہا، کیونکہ اب شرط ایک طرف یعنی تیسرے شخص کی طرف سے ہے اس لیے اسے محلل، حلال کرنے والا کہتے ہیں۔

ف۲ بلکہ اس کے تیز رو اور عمدہ گھوڑا ہونے کی بنا پر یقین ہے کہ وہ جیت جائے گا۔

ف۳ یہ کھیل حلال نہیں ہوگا یا حلال تو ہو جائے گا لیکن کراہت سے خالی نہیں ہے۔ لَاخَیْرَ فِیْہِ اور لَابَأْسَ بِہٖ کا ظاہر اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

ف۴ بلکہ اس کے ہار جانے کا احتمال ہے۔

ف۵ اس کے ذریعے یہ کھیل، بغیر کراہت کے حلال ہوگیا۔ غالبًا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یقین ہو کہ وہ تیسرا جیت جائے گا۔ اور دونوں کا انعام حاصل کرے گا تو گویا اس شرط کو باقی رکھ رہا ہے جو فریقین کے درمیان تھی، اور اسی کی وجہ سے کھیل جوا بن گیا تھا، اور اگر ہار جیت دونوں کا احتمال ہو اور یہ تیسرا جیت گیا تو دونوں انعام لے جائے گا اور اگر ہار گیا تو اسے کچھ نہیں دینا پڑے گا۔ لہذا شرط ایک طرف سے ہوئی اور دونوں طرف سے نہ رہی۔

ف۶ گھوڑے یا اس کے سوار کو[۱]

---

ف۱ خیال رہے کہ ان چیزوں میں دو طرف مالی شرائط حرام ہے کہ جوا ہے، لہذا اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ تیسرا شخص مال رکھے اور کہے کہ جو آگے بڑھ جائے اسے یہ مال ملے گا، یہ جائز ہے کہ یہ جوا نہیں، انعام ہے یا فریقین میں سے ایک شخص کہے کہ اگر تو مجھ سے آگے بڑھ گیا تو تجھے اتنا مال دوں گا۔ لیکن اگر میں تجھ سے آگے نکل گیا تو تجھ سے کچھ نہ لوں گا یہ بھی جائز ہے کہ یہ بھی انعام ہے جوا نہیں ہے، باقی کبوتروں، کتوں وغیرہ کے مقابلہ میں یہ بھی حرام ہے کہ بدعت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)۔ لہذا اس حدیث کی بنا پر آج کل کی مروجہ ریس وغیرہ جائز نہیں کہ یہ خالص جوا ہے اور حرام ہے، دو طرفہ مالی شرط کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ تیسرا گھوڑا بیچ میں داخل کر دیا جائے جسے محلل کہتے ہیں۔ اس کا ذکر اگلی حدیث میں آرہا ہے۔
۱۲ مرآۃ المناجیح

۳۶۹۸/۱۶ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا جَلَبَ وَ لَا جَنَبَ زَادَ يَحْيٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ فِي الرِّهَانِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ)

حضرت عمران بن حصین[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ تو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور نہ ہی پہلو میں دوسرا گھوڑا رکھنا ہے[۲]۔ یحیٰی نے اپنی حدیث میں اضافہ کیا کہ گھوڑدوڑ میں[۳]

(ابوداؤد، نسائی)

امام ترمذی نے یہ حدیث کچھ اضافے کے ساتھ باب الغصب میں روایت کی۔

۱ حضرت عمران بن حصین اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ تیس سال تک مرض میں (صبر و شکر کے ساتھ) صاحب فراش رہے اس حال میں کہ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے، ان کے باقی حالات کئی جگہ لکھے جاچکے ہیں۔

۲ جلب اور جنب دونوں کے پہلے اور دوسرے حرف پر زبر، کتاب الزکاۃ میں گزرا ہے کہ یہ دونوں لفظ زکات میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور گھوڑ دوڑ میں بھی، زکات میں جلب کا معنی یہ ہے کہ صدقہ وصول کرنے والا دور بیٹھ جائے اور صاحب مال کو کہے کہ اپنے مویشی اس جگہ میرے پاس حاضر کرو اور جنب یہ ہے کہ صاحب مال اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھے اور صدقہ وصول کرنے والے کو مشقت میں ڈالے اور کہے کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں آجاؤ۔ یہ دونوں صورتیں ممنوع اور مکروہ ہیں۔ (پہلی صورت میں صاحب مال کو اور دوسری صورت میں وصول کرنے والے کو ناروا تکلیف دینا ہے۔

۱۲ قادری)

گھوڑدوڑ میں جلب کا معنی یہ ہے کہ مقابلے میں حصہ لینے والا اپنے گھوڑے کے پیچھے دوسرا گھوڑا لگا دے اور اسے ڈانٹے اور للکارے تاکہ اس کا گھوڑا آگے نکل جائے۔ (خود پچھلے گھوڑے پر سوار ہو۔

۱۲ ق)

اور جنب یہ ہے کہ دوڑ میں حصہ لینے والے گھوڑے کے پہلو میں ایک دوسرا گھوڑا رکھے۔ جب پہلا گھوڑا تھک جائے تو دوسرے پر سوار ہو جائے۔ یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔

۳ انہوں نے یوں حدیث روایت کی لَا جَنَبَ فِي الرِّهَانِ رہان سے مراد وہی گھوڑدوڑ کا مقابلہ اور اس پر شرط لگانا ہے۔

۳۶۹۹/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْاَدْهَمُ الْاَقْرَحُ الْاَرْثَمُ ثُمَّ الْاَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طُلُقُ الْيَمِيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ اَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین گھوڑا وہ ہے جس کی پیشانی اور ناک سفید ہو[۵۲]، پھر وہ جس کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں[۵۳] لیکن دایاں ہاتھ سفید نہ ہو[۵۴]، پھر اگر سیاہ رنگ نہ ہو تو اسی صفت[۵۵] کا سرخ رنگ والا ہو۔ (ترمذی، دارمی)

۵۱ ابو قتادہ، حضرت ابو سعید خدری کے ماں کی طرف سے بھائی اور اکابر صحابہ میں سے ہیں، بیعت عقبہ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۵۲ اقرح سفید پیشانی والا گھوڑا، ارثم تین نقطوں والی ثا کے ساتھ، وہ گھوڑا جس کی ناک کی جانب سفیدی ہو، اُدہم دال پر پیش، سیاہی قرح قاف پر زبر، گھوڑے کے چہرے کی سفیدی جو درہم سے کم ہو، اسی طرح قاموس میں ہے۔ رثم تین نقطے والی متحرک ثا کے ساتھ اور رثمہ را پر پیش، گھوڑے کی ناک کی جانب سفیدی، یا ہر وہ سفیدی جو گھوڑے، خچر اور گدھے کے نچلے ہونٹ تک پہنچے،

۵۳ تحجیل گھوڑے اور چوپائے کے ہاتھوں اور پاؤں کی سفیدی۔

۵۴ طلق طا اور لام پر پیش، طا کی زیر اور لام کے سکون کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے، وہ گھوڑا جس کا ایک پاؤں سفید نہ ہو۔

۵۵ پیشانی اور ناک سفید ہو۔ کمیت گہرے سرخ رنگ والا گھوڑا، بعض شارحین نے کہا وہ گھوڑا جس کا رنگ سیاہی اور سرخی کے درمیان ہو۔ شیۃ شین کے نیچے زیر، یا پر زبر، علامت، بعض علماء نے کہا ہر وہ رنگ جو گھوڑے کے غالب رنگ سے مختلف ہو، بنی اسرائیل کی گائے کے واقعے میں فرمایا لاشیۃ فیھا اس کے زرد رنگ میں کوئی داغ نہ تھا۔ ۱۲ ق)۔

۳۷۰۰/۱۸ وَعَنْ اَبِيْ وَهْبِ نِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِكُلِّ كُمَيْتٍ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَشْقَرَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَدْهَمَ اَغَرَّ

حضرت ابو وہب جشمی[۵۶] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اختیار کرو سرخ رنگ، سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والا گھوڑا، یا خالص سرخ ہیچ کلیان[۵۷]، یا سیاہ

مُحَجَّلٍ ۔

پنج کلیان

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] ابووہب واؤ پر زبر اور ہا ساکن، الجشمی جیم پر پیش، نقطے والے شین پر زبر، جشم بن معاویہ کی طرف منسوب، صحابی ہیں۔ یہ کنیت ہی ان کا نام ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] شقرہ سرخی اور سفیدی، اشقر سرخ اور سفید، شارحین نے کہا کہ کمیت اور اشقر میں فرق یہ ہے کہ کمیت میں گردن اور دم کے بال سیاہ ہوتے ہیں۔ اور باقی سرخ اور اشقر میں یہ بھی سرخ ہوتے ہیں، اس اونٹ کو اشقر کہتے ہیں۔ جو گہرا سرخ ہو۔ اور آدمی وہ اشقر ہے جس کی سفیدی پر سرخی جھلکتی ہو۔

۳۷۰۱ / ۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی برکت، سرخ اور سفید گھوڑوں میں ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۳۷۰۲ / ۲۰ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَا مَعَارِفَهَا وَ اَذْنَابَهَا فَاِنَّ اَذْنَابَهَا مَذَابُّهَا وَ مَعَارِفَهَا دِفَاؤُهَا وَ نَوَاصِيَهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں، گردنوں[۲] اور دموں کے بال نہ کاٹو، کیونکہ ان کی دمیں، مکھیوں کو[۳] دور کرنے کا ذریعہ (مورچھل) ہیں، ان کی گردن کے بال ان کے گرم ہونے کا سبب[۴] (کمبل) ہیں اور ان کی پیشانیوں سے خیر وابستہ ہے۔

(ابوداؤد)

[۱] عتبہ بن عبد سلمی صحابی ہیں، ان کا ذکر کتاب الجہاد کی تیسری فصل میں گزر چکا ہے۔

[۲] معارف، عرف کی خلاف قیاس جمع ہے، جیسے محاسن، حسن کی جمع ہے۔

[۳] اپنے آپ سے، مذاب جمع ہے مِذَبَّۃ کی، میم کے نیچے زیر، وہ چیز جس کے ساتھ مکھیوں کو دور کیا جائے، مشتق ہے ذَبٌّ سے، جس کا معنی دفع کرنا اور بھگانا ہے۔

۵؎ دِفْءٌ دال کے نیچے زیر، فا ساکن اور آخر میں ہمزہ، گرمی، سردی کی ضد، اور دِفَار دال کے نیچے زیر اور سالف ممدودہ، وہ چیز جس کے ذریعے سردی دور کی جائے۔ اسی لیے علامہ طیبی نے اس کی تفسیر کمبل سے کی ہے۔

۳۷۰۳/۲۱ وَعَنْ اَبِیْ وَهْبٍ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَیْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِیْهَا وَاَعْجَازِهَا اَوْ قَالَ اَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا وَلَا تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ)

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، گھوڑے باندھو[۱]، ان کی پیشانیوں کے بالوں اور پچھاڑیوں یا فرمایا سرینوں پر ہاتھ پھیرو[۲]، ان کے گلے میں ہار پہناؤ[۳]، لیکن تانت[۴] نہ پہناؤ۔

(ابوداؤد، نسائی)

۱؎ یعنی انہیں کھلا پلا کر جہاد کے لیے موٹا کرو۔

۲؎ ہاتھ پھیرنے سے مقصد گرد و غبار کا صاف کرنا اور ان کے موٹاپے کا حال معلوم کرنا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح انہیں انس اور راحت بھی حاصل ہو، اَعْجَاز۔ جمع ہے عَجُزٌ کی، عین پر زبر، جیم پر پیش۔ سرین، اکفال۔ جمع ہے کَفَلٌ کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی بھی سرین ہے۔

۳؎ قِلَادہ پہلے حرف کے نیچے زیر، گردن بند ہار۔ تقلید گردن میں ہار وغیرہ ڈالنا، گھوڑے کے گلے میں دین کی سربلندی کی نیت سے ہار ڈالنا مستحسن ہے۔

۴؎ اوتار یا وتر واؤ کے نیچے زیر، کی جمع ہے، ایک لغت میں واؤ پر زبر ہے۔ کینہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے کینوں کو پورا کرنے کے لیے سواری نہ کرو اور دشمنوں کو انہیں ہاروں کی طرح لازم نہ بنا دو، یا۔ جمع ہے وتر کی پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی ہے کمان کا چلہ، دور جاہلیت کی عادت تھی کہ گھوڑوں کی گردن میں کمان کی ڈوری (چلہ) باندھ دیتے تھے تاکہ انہیں نظر نہ لگے، اس سے منع کر کے تنبیہ فرما دی کہ یہ تقدیر کو ٹال نہیں سکتی۔ یا اس لیے کہ گھوڑے کی گردن کو گھونٹ نہ دے۔ اور کسی شاخ میں نہ پھنس جائے۔ کتاب الطہارۃ، باب آداب الخلاء، حضرت رویفع بن ثابت کی حدیث میں اس کی شرح تفصیل کے ساتھ گزر گئی ہے۔

۳۷۰۴/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَّامُوْرًا مَّا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلٰثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُّسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لَّا نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَّا نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

بندۂ مامور تھے[۱] ہمیں آپ نے دوسرے لوگوں سے الگ کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں فرمایا سوائے تین چیزوں کے (۱) ہمیں وضو کے مکمل کرنے کا حکم دیا[۲]۔ (۲) یہ کہ ہم صدقہ[۳] نہ کھائیں (۳) گدھے کو گھوڑی پر نہ چڑھائیں[۴]۔ (ترمذی۔ نسائی)۔

[۱] جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا وہی کرتے اور اپنی طرف سے، اپنی ذات اور طبیعت کے میلان کی بنا پر کسی چیز کا حکم نہ دیتے اور کسی کو یہاں تک کہ اہل بیت کو جو آپ کے قریبی اور خصوصی تعلق رکھنے والے تھے کسی حکم کے ساتھ مخصوص نہیں فرماتے تھے۔

جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[۲] اس کی تفصیل باب وضو میں گزر گئی ہے۔

[۳] اور زکوٰۃ کا مال نہ کھائیں، یہ مسئلہ باب زکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

[۴] کہ اس سے خچر پیدا ہو۔ اگر کہا جائے کہ مال صدقہ کھانے کی ممانعت کا خاص ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن وضو کے مکمل کرنے کا حکم اور گھوڑی پر گدھے کے چڑھانے کی ممانعت، تمام امت کو شامل ہے۔ خصوصیت کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو حکموں کا ان پر واجب اور لازم کرنا مراد ہے یا اس معاملے میں انہیں مبالغے کے ساتھ برانگیختہ کرنا اور تاکید مراد ہے۔ اور یہ امر اس کے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تطہیر کا ارادہ کیا ہے۔

محدثین فرماتے ہیں کہ اس جگہ شیعہ پر رد ہے۔ ان کا گمان ہے کہ کچھ علوم اور احکام دوسرے لوگوں سے الگ اہل بیت کے ساتھ خاص ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ احکام شرعیہ ان کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ تو تمام امت کو شامل ہیں۔ ورنہ اگر اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کچھ معارف وحقائق۔ اسرار اور خبروں کے علوم کے ساتھ مختص ہوں تو اس میں بُعد نہیں ہے اور کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۰۵/۲۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هٰذِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ ایک خچر پیش کی گئی[۱] جس پر آپ نے سواری فرمائی۔ حضرت علی نے کہا کاش کہ ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر چڑھاتے تو ہمارے لیے بھی ایسے جانور[۲] حاصل ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو علم نہیں رکھتے[۳]۔ (ابوداؤد، نسائی)

[۱] اسکندریہ کے حاکم مقوقس نے دُلدُل نامی خچر پیش کی تھی۔

[۲] یعنی خچر۔

[۳] جو نہیں جانتے کہ شریعت کے احکام کیا ہیں؟ اور حکمت کے لائق اور مناسب ترین کیا ہے۔؟ اس حدیث میں گھوڑیوں پر گدھوں کے چڑھانے کی ممانعت ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ نہی کراہت کے لیے ہے۔

$\frac{۳۷۰۶}{۲۴}$ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار کے دستے کا۔ خول[۱] چاندی کا تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ دارمی)

[۱] قبیعہ قاف پر زبر، با کے نیچے زیر، یا ساکن، چاندی یا لوہے کا خول جو تلوار کے دستے کے کنارے پر ہوتا ہے، اسی طرح قاموس میں ہے، نہایہ میں ہے وہ چیز جو تلوار کے دستے کے سر پر ہوتی ہے بعض نے کہا وہ چیز جو تلوار کے دستے کے دو پردوں کے نیچے ہوتی ہے۔ صراح میں ہے قبیعہ تلوار اور چھری کا جوڑ۔ حواشی میں لکھا ہے کہ قبیعہ فارسی میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے آخر میں لگائی جائے۔ بعض نے اس کا معنی ٹوپی کیا ہے۔

$\frac{۳۷۰۷}{۲۵}$ وَعَنْ هُوْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ

ہود بن عبداللہ بن سعد[۱] اپنے نانا مزیدہ[۲] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فتح مکہ کے دن داخل ہوئے تو آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھی[۵۳]۔ (ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۵۱ ہود ہا پر پیش، واؤ ساکن بے نقطہ دال بن عبد اللہ بن سعد مقبول اور چوتھے طبقے سے تعلق رکھنے والے تابعی ہیں۔

۵۲ مزیدہ میم پر زبر، زار کے نیچے زیر اور یا ساکن، صحابی ہیں۔

۵۳ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کو سونے اور چاندی سے مزین کرنا جائز ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند قوی نہیں ہے۔ اور سونے کے ساتھ مزین کرنا حرام ہے۔ اسی طرح مولانا محمد حنفی نے شرح شمائل میں فرمایا۔ تور پشتی نے کہا کہ حضرت مزیدہ کی یہ حدیث دلیل نہیں بنتی۔ کیونکہ اس کی کوئی قابلِ اعتبار سند نہیں ہے۔

بعض محدثین نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ چاندی پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو۔ اور یہ حرام نہیں ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۳۷۰۸/۲۶ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سائب بن یزید[۵۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اُحد کے دن دو زرہیں زیب تن کر رکھی تھیں، دونوں کو جمع کیا ہوا تھا[۵۲]۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۵۱ سائب بن یزید کم عمر صحابی ہیں۔ ان کی ولادت ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے والد یزید بن سعید کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ سات سال کی عمر میں حاضر ہوئے۔

۵۲ دونوں نیچے اوپر پہن رکھی تھیں۔ ایک کو ابرہ اور دوسری کو استر بنایا ہوا تھا۔ یا تظاہر کا معنی تعاون اور باہمی مطابقت ہے، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی بہادری کی بنا پر تھا۔ کیونکہ جو شخص مردانہ وار میدان میں جائے اور اس کی کارروائی سخت ہو۔ اس کی تیاری اور اس کے ہتھیار بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے جب کہ یقین

اپنی جگہ بحال ہو۔

۳۷۰۹/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَآءَ وَلِوَآءُهٗ اَبْيَضَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا سیاہ اور چھوٹا جھنڈا سفید تھا۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

لے شارحین فرماتے ہیں کہ رایۃ بڑے جھنڈے اور لوا، چھوٹے جھنڈے کو کہتے ہیں، بعض نے اس کے برعکس کہا۔ بعض نے کہا کہ رایت وہ جھنڈا ہے جو جنگ کے کمانڈر کے پاس ہوتا ہے۔ اور لوا، وہ جھنڈا ہے جو امیر کے قیام کی علامت ہوتا ہے، بہرصورت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دو جھنڈے تھے، ایک سیاہ اور دوسرا سفید۔

محدثین فرماتے ہیں کہ خالص سیاہ مراد نہیں ہے، بلکہ دور سے سیاہ دکھائی دیتا تھا، کیونکہ آئندہ حدیث میں ہے کہ وہ نمرہ کا تھا اور نمرہ اس کمبل کو کہتے ہیں جس میں سیاہ اور سفید دھاریاں ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس میں سیاہی غالب تھی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات سیاہ ہو اور بعض اوقات دھاری دار ہو۔

۳۷۱۰/۲۸ وَعَنْ مُوْسَى ابْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ اِلَى الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ يَّسْاَلُهٗ عَنْ رَّايَةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَآءَ مُرَبَّعَةً مِّنْ نَّمِرَةٍ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت محمد بن قاسم لے کے آزاد کردہ غلام موسیٰ بن عبیدہ لے کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے فرمایا۔ آپ کا جھنڈا دھاری دار اونی کپڑے لے کا چار کونوں والا تھا۔

(احمد، ترمذی۔ ابوداؤد)

لے محمد بن قاسم ظاہر یہ ہے کہ محمد بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔

لے۲ موسیٰ بن عبیدہ، عین پر پیش، بار پر زبر، ان کے قوی اور ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔

لے۳ نمرہ نون پر زبر، میم کے نیچے زیر، سیاہ اور سفید دھاریوں والا کمبل، جسے بدوی پہنتے ہیں، چیتے کی

مشابہت کی بنا پر اسے نمرہ کہتے ہیں۔

۳۷۱۱/۲۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاءُهٗ اَبْیَضُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کا جھنڈا سفید تھا۔

(ترمذی ، ابوداؤد ، ابن ماجہ)

[1] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما الانصاری ، اکابر اور مشہور صحابۂ کرام میں سے ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۷۱۲/۳۰ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَكُنْ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَیْلِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد گھوڑوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ تھی[1]

(نسائی)

[1] بعض شارحین نے فرمایا کہ حدیث شریف حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ میں اگر یہ روایت صحیح ہو کہ آپ نے تین چیزوں کو محبوب قرار دیا تو وہ تیسری چیز جس سے آپ نے سکوت فرمایا وہ گھوڑے ہی ہیں ، اپنی جگہ یہ بات بیان کی گئی ہے۔

۳۷۱۳/۳۱ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ كَانَتْ بِیَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِیَّةٌ فَرَاٰی رَجُلًا بِیَدِهٖ قَوْسٌ فَارِسِیَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهٖ اَلْقِهَا وَعَلَیْكُمْ بِهٰذِهٖ وَ اَشْبَاهِهَا وَ رِمَاحِ الْقَنَا فَاِنَّهَا یُؤَیِّدُ اللّٰهُ لَكُمْ بِهَا فِی الدِّیْنِ وَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عربی کمان تھی ، آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو فرمایا : یہ کیا ہے ؟ اسے پھینک دو[1] ۔ یہ عربی کمان اور اس جیسی کمانیں اور نیزے[2] لازم پکڑو ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین میں قوت عطا فرمائے گا اور شہروں میں قبضہ دے گا۔

يُمَكِّنُ لَكُمُ فِي الْبِلَادِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ) (ابن ماجہ)

؎ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ غالباً اس صحابی نے دیکھا کہ فارسی کمان زیادہ مضبوط اور سخت ہے، اس لیے عربی کمان کی جگہ اسے اختیار کیا، ان کا خیال تھا کہ وہ شہروں کے فتح کرنے اور جنگ میں زیادہ مددگار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی راہنمائی فرمائی کہ اس طرح نہیں ہے جس طرح تمہارا خیال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ دین میں جسے چاہتا ہے امداد دیتا ہے۔ امداد اس کی طرف سے اور اس کی قوت وقدرت سے ہے نہ کہ سازوسامان کی قوت سے۔

؎ رماح جمع ہے رُمحٌ کی، قنا قاف پر زبر، قَنَاۃٌ کی جمع ہے، دونوں کا معنیٰ نیزہ ہے، غالباً قنا کی طرف رماح کی اضافت اس کے کمل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

# بَابُ اٰدَابِ السَّفَرِ

## ۲۸۲۔ آداب سفر کا بیان

آداب، جمع ہے ادب کی، اور اس کا معنیٰ ہے اس چیز کی رعایت کرنا جو رعایت کے لائق ہے، بعض علماء نے کہا کہ ادب، حسن اخلاق کو کہتے ہیں ان شاء اللہ العزیز اس کا معنیٰ کتاب الآداب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا، سفر ضد ہے حضر (مقیم ہونے) کی، سفر کی ترکیب میں ظہور، کشف اور نکلنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، جیسے کہ اسفارِ صبح کہتے ہیں۔ روشنی اور اس کے ظاہر ہونے کو، سفر سین کے نیچے زیر کتاب کو کہتے ہیں، سفیر فریقین کے درمیان رابطے کو کہتے ہیں۔ سفر کے آداب بہت ہیں، بعض وہ ہیں جن کی رعایت سفر سے پہلے کرنی چاہیے بعض کی دورانِ سفر اور بعض کی رعایت سفر سے واپسی پر کی جانی چاہیے۔ احیاء العلوم (از امام غزالی) ان کے بیان کے لیے کافی ہے، ہم نے بھی احیاء العلوم کے عادات والے چوتھائی حصے کے ترجمے آداب الصالحین اور شرح سفر السعادۃ میں کچھ آداب ذکر کیے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کیے جائیں۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۷۱۴ عَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَ كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت کعب بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک[۲] کے موقع پر جمعرات کے دن نکلے، اور آپ جمعرات کے دن نکلنا[۳] پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

۱ۓ کعب بن مالک مشاہیر صحابہ اور شعرائے اسلام میں سے ہیں، غزوۂ تبوک کے موقع پر ان کے پیچھے رہ جانے کا واقعہ، عجیب اور حسین واقعات میں سے ہے۔

۲ۓ تبوک، مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

۳ۓ سفر کے لیے یا جہاد کے لیے۔

جامع الاصول میں، امام ابو داؤد کے حوالے سے حضرت کعب بن مالک کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو شاذونادر ہی کسی دوسرے دن تشریف لے جاتے ورنہ جمعرات ہی کو سفر کرتے، سنن الھدیٰ کی روایت کردہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن سفر کرنے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ تورپشتی نے ایک مناسبت اور ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ خمیس کا معنیٰ لشکر ہے۔ (عربی میں جمعرات کو خمیس کہتے ہیں ۱۲ ق)، جمعرات کے دن سفر کرنے میں یہ نیک فال ہے کہ جس لشکر کی طرف روانگی ہے اس پر فتح ہوگی نیز جمعرات کا دن بابرکت ہے جس میں بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جہاد ایسا افضل عمل پیش کیا جائے، یا اس لیے کہ یہ دن ہفتے کا آخری دن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ وہ طریقہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے، اصل دارومدار، اللہ تعالیٰ سے خیر کے طلب کرنے، معاملہ اس کے سپرد کرنے اور توکل پر ہے سلف صالحین سے بالکل منقول نہیں ہے کہ وہ کسی ساعت کی خصوصیت کی بنا پر احکام کی تعمیل کرتے ہوں۔

امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے ان کے پاس کہا کہ فلاں دن جاؤ اور

فلاں دن نہ جاؤ، آپ نے فرمایا، اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تمہارا سر قلم کر دیتا، ہم حضرت ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے تھے۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ فلاں دن سفر کرنا چاہیے اور فلاں دن نہیں کرنا چاہیے، وہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے چاند کے برج عقرب یا محاق میں ہونے کے بارے میں منقول ہے وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچا۔

سنن الھدیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک قاعدہ منقول ہے جسے کسی نے نظم کر دیا ہے۔ قطعہ

ہفت روز ے نحس باشد در مہے ۔۔۔ یادگرش تا نیفتی در سہ بیخ!

سہ و پنج و سیزدہ با شانزدہ ۔۔۔ بست و یک بابست و چار و بست و پنج

مہینے میں سات دن منحوس ہوتے ہیں۔ انہیں یاد کرے تاکہ تو کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔ تین، پانچ، تیرہ سولہ، اکیس، چوبیس اور پچیس تاریخ۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ان سات دنوں میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ اور سفر بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ان دونوں روایتوں کی صحت میں بھی کلام ہے۔

٣٧١٥ / ٢ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگ تنہائی میں[1] وہ چیز جانتے جو ہم جانتے ہیں تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرتا۔[2] (بخاری)

[1] یعنی تنہا سفر کرنے میں۔

[2] کوئی شخص تنہا سفر نہ کرتا۔ اگرچہ وہ سوار ہو، خصوصاً رات کے وقت ــــــ بعض شارحین نے فرمایا کہ سوار کی قید اس لیے لگائی کہ سوار کی مشقت زیادہ ہوتی ہے اور اس کا خوف شدید ہوتا ہے۔

٣٧١٦ / ٣ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس جماعت کے ہمراہ نہیں

رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَّلَا جَرَسٌ. ہو جس میں کتا یا گھنٹی ہو۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لہ رفقۃ راء پر پیش، یا پیچھے زیر، ہم سفر، گروہ، جماعت، رفاق راء کے نیچے زیر، جماعت، رفیق "ساتھی، واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ربانی میں ہے۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔ اس کی جمع رفقاء ہے۔ جب متفرق ہو جائیں تو انہیں رفقہ تو کہا جائے گا رفیق نہیں۔ "جرس" پہلے دونوں حرفوں پر زبر، وہ چیز (گھنگرو) جو چوپائے کی گردن یا باز وغیرہ کے پاؤں میں لٹکائی جاتی ہے، ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ناقوس کی طرح اس کی آواز بھی مکروہ ہے، یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ہر گھنگرو کے ساتھ شیطان ہے، نیز اس کی آواز ذکر و فکر سے مانع ہے۔ کتے سے مراد وہ کتا ہے جو پاسبانی کے لیے نہ ہو، پہرے اور چوپایوں کی حفاظت کے لیے کتا پالنا مباح ہے، شارحین نے یہ بھی کہا ہے کہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں نہ کہ محافظ۔ اور اعمال کے لکھنے والے کہ وہ تو جدا نہیں ہوتے۔

۳۷۱۷/۴ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطٰنِ.

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھنگرو شیطان کے باجے[لہ] ہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

لہ مزامیر جمع ہے مزمار کی۔ بنسری جس کے ساتھ گایا جائے۔ "زمر" اور "تزمیر" بنسری کے ساتھ گانا، مزامیر جمع کا صیغہ اس لیے استعمال فرمایا کہ اس کی آواز منقطع نہیں ہوتی۔ گویا اس کی ہر جز مزمار ہے۔ باب العیدین میں اس کے معنی پر زیادہ گفتگو گزر چکی ہے۔ شیطان کی طرف اس کی اضافت اس لیے کی کہ وہ ذکر و فکر سے روک دیتی ہے۔

۳۷۱۸/۵ وَعَنْ اَبِيْ بَشِيْرِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَا تُبْقَيَنَّ فِيْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ.

حضرت ابو بشیر انصاری[لہ] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت[۲] کا ہار یا[۳] فرمایا مطلق ہار نہ چھوڑا جائے مگر یہ کہ اسے کاٹ دیا جائے۔ (صحیحین)

۱؎ ابو بشیر بار پر زبر، شین کے نیچے زیر انصاری طویل عمر والے صحابی ہیں، قول صحیح کے مطابق واقعۂ حرہ کے بعد وصال ہوا۔

۲؎ وتر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، کمان کا چلہ

۳؎ راوی کو شک ہے کہ تانت کا ہار فرمایا، یا مطلق ہار، مراد وہی تانت کا ہار ہے۔

۴؎ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے بظاہر اس جگہ وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ جانجھ (گھنگرو) لٹکاتے تھے۔

۳۷۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَاَسْرِعُوْا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَاِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيْقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْيَهَا (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم خوشحالی۱؎ میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے ان کا حصہ دو۲؎ اور جب تم قحط سالی۳؎ میں سفر کرو تو اونٹوں پر تیزی سے سفر کرو۴؎ اور جب تم رات کے آخر میں پڑاؤ ڈالو تو راستے سے بچو۵؎ کیونکہ راستے چوپایوں کی گزرگاہیں اور رات کے وقت حشرات الارض کے ٹھکانے۶؎ ہیں ایک اور روایت میں ہے جب تم قحط سالی میں سفر کرو تو جلدی سفر کرو اس حال میں کہ اونٹوں کی ہڈیوں کا مغز۷؎ باقی ہو۔ (مسلم)

۱؎ خصب خاء کے نیچے زیر، خوش حالی، یہ جدب کے مقابل ہے جس کا معنیٰ قحط ہے۔

۲؎ یعنی انہیں وقتاً فوقتاً چھوڑتے رہو تاکہ وہ چرتے رہیں اور تیز چلیں۔

۳؎ سَنَۃٌ سال، خاص طور پر قحط والے سال میں بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔

۴؎ اور راستے میں تاخیر نہ کرو تاکہ کمزور ہونے سے پہلے تمہیں منزل تک پہنچادیں۔

۵؎ یعنی راستے کے درمیان قیام نہ کرو، کیونکہ حشرات الارض اور چوپائے رات کے وقت راستوں پر کثرت سے ہوتے ہیں۔

۶؎ مثلاً سانپ اور بچھو وغیرہ ——— تعریس مسافر کا رات کے آخری حصے میں اپنے اور سواری کے آرام اور نیند کے لیے اترنا، لہٰذا باللیل فرمانا تحقیق اور تاکید کے لیے ہے، بعض علماء نے کہا کہ تعریس کسی

بھی وقت اترنے کو کہتے ہیں خواہ رات کے وقت ہو یا دن کو، اس صورت میں رات کا ذکر مقید کرنے کے لیے ہوگا۔

ے یعنی ان کے جسم کی طاقت باقی ہو، نِقیٌ نون کے نیچے زیر، قاف ساکن، ہڈی کا مغز۔ بعض اوقات چربی پر بھی "نقی" کا اطلاق کر دیتے ہیں ــــــــــ ایک روایت میں نقبھا ہے۔ نون پر زبر۔ پھر قاف اور اس کے بعد بار۔ دو پہاڑوں کے درمیان راستہ، اور ضمیر زمین کی طرف راجع کی گئی ہے۔

علامہ تورپشتی نے کہا کہ یہ تلفظ کی غلطی ہے، بعض شارحین نے نقب کا معنیٰ، اونٹ کے پاؤں کا ہلکا ہونا بیان کیا ہے، کہا جاتا ہے نقب البعیر جب کہ اونٹ کا پاؤں ہلکا ہو جائے، بعض نے پہنے ہوئے جوتے کا پھٹ جانا مراد لیا، ان معانی پر محمول کرنے میں بھی چنداں عمدگی نہیں ہے۔ یہ بھی تلفظ کی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ علامہ طیبی نے ان احتمالات کو جائز اور غلطی سے خارج قرار دیا ہے۔

۳۷۲۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ فِیْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ رَجُلٌ عَلٰی رَاحِلَۃٍ فَجَعَلَ یَضْرِبُ یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ مَعَہٗ فَضْلُ ظَھْرٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَّا ظَھْرَ لَہٗ وَ مَنْ کَانَ لَہٗ فَضْلُ زَادٍ فَلْیَعُدْ بِہٖ عَلٰی مَنْ لَّا زَادَ لَہٗ قَالَ فَذَکَرَ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ حَتّٰی رَاَیْنَا اَنَّہٗ لَا حَقَّ لِاَحَدٍ مِّنَّا فِیْ فَضْلٍ (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اونٹ پر سوار ایک شخص آیا اور اسے دائیں بائیں جانب مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس پر خرچ کرے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زیادہ زادِ راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے مال کی کئی قسمیں بیان کیں، یہاں تک کہ ہم نے جانا کہ ہم میں سے کسی کا زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔

۱؎ اس لیے کہ وہ اونٹ تھک گیا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص اونٹ کی پشت سے دائیں بائیں لڑھک رہا تھا۔ بعض شارحین نے کہا کہ وہ شخص دائیں بائیں نگاہ دوڑا رہا تھا تاکہ اسے اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے مطلوبہ چیز مل جائے۔

۲؎ یعنی آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس حاجت سے زیادہ فلاں فلاں مال ہو، مثلاً کپڑا، اور سونا وغیرہ تو اسے چاہیے کہ اس شخص پر صرف کر دے جس کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں۔

۳۷۲۱ / ۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى نَهْمَتَهٗ مِنْ وَّجْهِهٖ فَلْيُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۱؎، تم میں سے ایک شخص کو اس کی نیند اور کھانے پینے سے روک دیتا ہے۲؎ تو جب وہ اپنی حاجت۳؎ جس طرح وہ چاہتا تھا پورا کرے تو جلد اپنے اہل کی طرف لوٹے۔ (صحیحین)

۱؎ یعنی عذاب کی ایک قسم ہے۔

۲؎ جس طرح ان چیزوں کا عادی ہوتا ہے اس طرح انہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر نیند اور کھانے پینے کا ذکر ازراہِ شفقت ہے۔ ورنہ سفر میں بہت وظائف طاعت و عبادت رہ جاتے ہیں۔

۳؎ نَہْمَتہ نون پر زبر، ہا ساکن، حاجت، ہمت کا کسی چیز تک پہنچنا اور اس کی حرص کرنا۔ کہتے ہیں فُلَانٌ مَنْهُوْمٌ فلاں شخص فلاں چیز کا بڑا شائق اور حریص ہے۔

۳۷۲۲ / ۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِصِبْيَانِ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاِنَّهٗ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِيْ اِلَيْهِ فَحَمَلَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جِيْءَ بِاَحَدِ ابْنَيْ فَاطِمَةَ فَاَرْدَفَهٗ خَلْفَهٗ قَالَ فَاُدْخِلْنَا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے تو آپ کا اہل بیت کے بچوں کے ساتھ استقبال کیا جاتا۱؎، آپ ایک سفر سے تشریف لائے تو مجھے آپ کی خدمت میں سب سے پہلے پیش کیا گیا، آپ نے مجھے اپنے آگے بٹھا لیا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایک صاحبزادے۲؎

الْمَدِيْنَةَ ثَلٰثَةً عَلٰى دَابَّةٍ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

لائے گئے تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیا۴ پس ہم تینوں ایک سواری پر مدینہ منورہ میں لائے گئے۔
(مسلم)

۱ عبداللہ بن جعفر قریشی، ہاشمی اور مدنی صحابی ہیں۔ آپ کو اسلام میں پہلے پیدا ہونے کی خصوصیت حاصل ہے حبشہ میں پیدا ہوئے اور ۸۰ھ عبدالملک کے دور حکومت میں مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال تھی، انہیں بحر الجود (سخاوت کا دریا) کہا جاتا تھا، مسلمانوں میں حضرت عبداللہ سے زیادہ سخی کوئی نہ تھا، وہ سخی ابن سخی تھے اور ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب بھی بڑے سخی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

۲ یعنی اہل بیت کے بچوں کو آپ کی خدمت میں لایا جاتا۔

۳ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ایک۔

۴ یعنی مجھے پیچھے کرکے انہیں آگے نہ بٹھایا۔

۳۷۲۳/۱۰ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلٰى رَاحِلَتِهٖ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت ابوطلحہ۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مدینہ منورہ کی طرف) روانہ ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جنہیں آپ نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۲
(بخاری)

۱ حضرت انس کی والدہ کے شوہر (سوتیلے والد)

۲ یہ غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر تھا، حضرت صفیہ، غزوۂ خیبر کی غنیمت میں شامل تھیں۔ پہلے حضرت دحیہ کلبی کو ملیں، ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر انہیں آزاد کیا اور اپنے نکاح میں لائے، راستے میں انہیں اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔

۳۷۲۴/۱۲ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهٗ لَيْلًا وَ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف نہیں لاتے تھے۱، صرف

كَانَ لَا يَدْخُلُ اِلَّا غُدْوَةً اَوْ عَشِيَّةً ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چاشت یا شام[۲] کے وقت تشریف لاتے تھے۔

(صحیحین)

[۱] یعنی سفر سے واپسی پر

[۲] یعنی دن کے آخری حصے میں، عصر یا مغرب سے پہلے۔

۳۷۲۵/۱۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ اَهْلَهُ لَيْلًا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کسی ایک کی غیر حاضری طویل[۱] ہو تو اپنے گھر والوں کے پاس رات کے وقت نہ آئے[۲]

(صحیحین)

[۱] یعنی اس نے طویل سفر کیا ہو۔

[۲] "طرق" کا معنیٰ اصل میں کوٹنا ہے، رات کے وقت آنے والے کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ اسے بھی دروازہ پیٹنا پڑتا ہے۔

۳۷۲۶/۱۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ اَهْلَكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم رات کو (شہر میں) داخل ہو تو تم اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ غائب شوہر والی لوہا[۱] استعمال کرے اور پراگندہ بالوں والی کنگھی کر لے[۲]۔

(صحیحین)

[۱] "اِسْتِحْدَاد" کا معنیٰ زیر ناف ... بالوں کا مونڈنا ہے، اس جگہ غیر ضروری بالوں کا ہر اس طریقہ سے زائل کرنا مراد ہے جس کی عورتیں عادی ہوں، لوہے (بلیڈ وغیرہ) کا استعمال عورتوں کی عادت نہیں ہے۔ "مُغِيْبَة" میم پر پیش، نقطے والی غین کے نیچے زیر، یاء ساکن۔ وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو۔

[۲] "شَعِثَة" شین پر زبر، عین کے نیچے زیر اس کے بعد تین نقطوں والی ثاء، بکھرے ہوئے بالوں والی، مطلب یہ ہے کہ مرد، صبر کرے، تاکہ عورت اپنے آپ کو سنوار لے اور صحبت کے لیے تیار ہو جائے۔

۳۷۲۷/۱۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ نَحَرَ جَزُوْرًا اَوْ بَقَرَةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اونٹ نحر کیا یا گائے ذبح فرمائی۔ (بخاری)

لہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص سفر سے واپس آئے تو سنت یہ ہے کہ طاقت کے مطابق کوئی جانور ذبح کرے۔

۳۷۲۸/۱۵ وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْدُمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِی الضُّحٰی فَاِذَا قَدِمَ بَدَاَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰی فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِیْهِ لِلنَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت کعب بن مالک[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے دن ہی کو چاشت کے وقت تشریف لاتے تھے[2] اور جب تشریف لاتے تو ابتداءً مسجد سے فرماتے اس میں دو رکعت ادا فرماتے، پھر لوگوں کی ملاقات کے لیے جلوہ افروز ہوتے[3] (صحیحین)

لہ حضرت کعب بن مالک مشہور صحابی ہیں۔

لہ۲ اکثر طور پر اسی طرح ہوتا، ورنہ اس سے پہلے گزرا ہے کہ صبح یا شام ہی کو تشریف لاتے تھے۔

لہ۳ تاکہ صحابۂ کرام حاضر ہوں اور شرف زیارت حاصل کریں، سفر سے آنے والے کے لیے سنت ہے کہ مسجد میں بیٹھے، خواہ گھر جانے کے بعد یا اس سے پہلے۔

۳۷۲۹/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ قَالَ لِیْ اُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو آپ نے مجھے فرمایا: مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرو[1] (صحیحین)

لہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد یا یہ سفر کی سنتیں نہیں۔ بعض علماء نے اس سے نماز چاشت کے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۷۳۰/۱۷ عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا وَ کَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِیَّۃً اَوْ جَیْشًا بَعَثَھُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّھَارِ وَ کَانَ صَخْرٌ تَاجِرًا فَکَانَ یَبْعَثُ تِجَارَتَہٗ اَوَّلَ النَّھَارِ فَاَثْرٰی وَ کَثُرَ مَالُہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت صخر بن وداعہ غامدی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں[2] میں برکت عطا فرما، اور آپ جب کوئی دستہ یا لشکر بھیجتے تو دن کے ابتدائی حصے میں بھیجتے، حضرت صخر تاجر تھے[3] وہ اپنی تجارت کا مال دن کے ابتدائی حصے میں بھیجتے تھے تو وہ مالدار ہو گئے۔ اور ان کا مال بہت ہو گیا[4]۔ (ترمذی، ابو داؤد، دارمی)

لہ صخر صاد پر زبر، خا ساکن، اس کے بعد را اور ابن وداعہ۔ واؤ پر زبر بے نقطہ دال مخفف۔ الغامدی نقطے والی غین، صحابی ہیں۔ طائف میں مقیم ہوئے اور اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲ہ سفر وغیرہ کام، صبح کے وقت کرنے میں۔

۳ہ یہ حضرت صخر سے حدیث روایت کرنے والے کے الفاظ ہیں، یا خود انہوں نے اپنے آپ کو غائب کے صیغے سے ذکر کیا ہے۔

۴ہ سنت کی رعایت کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مقبول ہونے کی وجہ سے، ثروت مال کی زیادتی اور تونگر ہونا۔ اثراء تونگر ہونا۔

۳۷۳۱/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

رات کی تاریکی[1] میں سفر کو لازم پکڑو، کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے[2]۔

(ابوداؤد)

[1] دُلجۃ رات کے وقت سفر کرنا، اِدْلاج دال ساکن، رات کے ابتدائی حصے میں چلنا۔ اِدِّلاج دال مشدد رات کے آخری حصے میں چلنا۔

[2] سفر آسان ہو جاتا ہے، مسافر خیال کرتا ہے کہ اس نے تھوڑا سفر کیا ہے، حالانکہ وہ بہت مسافت طے کر چکا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے وقت سفر میں موانع اور مشاغل پیش نہیں آتے۔ اور ایسی علامات اور نشانیاں نظر نہیں آتیں جو سفر کو مسافر کی نظر میں بوجھل کر دیں۔ مطلب یہ ہے کہ صرف دن کے وقت سفر کرنے پر اکتفاء نہ کرو بلکہ رات کے کچھ حصے میں بھی سفر کرو، یہ مطلب نہیں ہے کہ دن میں سفر نہ کرو۔ جیسے کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصے اور رات کے کچھ حصے میں سفر کرو۔

۳۷۳۲/۱۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطٰنٌ وَّالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلٰثَةُ رَكْبٌ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سوار ایک شیطان، دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار۔ سواروں کی جماعت ہیں[1]۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد نسائی)

[1] وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں سوار کہا جائے اس لیے کہ وہ شیطان سے محفوظ ہیں۔ ایک سوار اور دو سواروں کو سفر سے منع فرمایا۔ کیونکہ ایک سے جماعت فوت ہو جائے گی اور دو افراد کے لیے وقت بسر کرنا مشکل ہو جائے گا۔ دو افراد میں سے ایک اگر فوت ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو دوسرا ساتھی بے بس اور مجبور ہو جائیگا اور شیطان خوش ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ شیطان ہے جو انہیں شر کا حکم دیتا ہے، بطور مبالغہ خود انہیں شیطان فرما دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں تین افراد کا ہونا ضروری ہے، اور یہ جماعت کی کم از کم تعداد ہے۔ نیز اگر ایک فرد کسی کام چلا جائے تو باقی دو ایک دوسرے سے انس حاصل کریں گے (اور بور نہیں ہوں گے ۱۲ ق) اور اگر

کام کرنے میں تاخیر ہو جائے تو دوسرا تحقیق حال اور خبر کے لیے چلا جائے گا اور سامان تنہا نہیں رہے گا۔

۳۷۴۳ (۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَھُمْ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب سفر میں تین افراد ہوں تو چاہیے کہ وہ ان میں سے ایک کو امیر بنالیں[1]۔ (ابوداؤد)

[1] تاکہ اترنے، سوار ہونے اور ایسے ہی دوسرے معاملات میں اختلاف اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ امیر کو چاہیے کہ ساتھیوں کے ساتھ خیر خواہی، نرمی اور امداد کا رویہ اختیار کرے اور ان کا خادم ہو، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ۔ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ اور جیسے کہ مشائخ کرام کی حکایات میں آیا ہے۔

۳۷۴۴ (۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ الصَّحَابَۃِ اَرْبَعَۃٌ وَّ خَیْرُ السَّرَایَا اَرْبَعُ مِائَۃٍ وَّ خَیْرُ الْجُیُوْشِ اَرْبَعَۃُ الَافٍ وَّلَنْ یُّغْلَبَ اِثْنٰی عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّۃٍ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ الدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین ساتھی چار ہیں[1]۔ بہترین دستے چار سو ہیں اور بہترین لشکر چار ہزار ہیں، اور بارہ ہزار افراد، قلت کی بنا پر مغلوب نہیں ہوں گے[2]۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اس لیے کہ اگر چار ساتھی ہوں اور ان میں سے ایک بیمار ہو جائے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو وصیت کرنا چاہے تو ان میں سے دو گواہ بن جائیں گے۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ چار سے پانچ بہتر ہیں۔ اور جتنے زیادہ ہوں اتنے ہی بہتر ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] حدیث شریف میں کم از کم تعداد بیان کی گئی ہے۔

ـــــه ۲ سریہ لشکر کا ایک حصہ، پانچ افراد سے لے کر تین یا چار سو تک، ارشاد فرمایا کہ بہترین دستے وہ ہیں جو چار سو افراد پر مشتمل ہوں، کیونکہ یہ سریہ کی اعلیٰ قسم ہے۔

ـــــه ۳ یعنی بارہ ہزار افراد اگر مغلوب ہو جائیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوگی کہ وہ تعداد میں کم تھے، بلکہ اس کا سبب کوئی دوسرا امر ہوگا، مثلاً خود پسندی اور غرور وغیرہ۔

۳۷۳۵ / ۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْا لَهُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوران سفر چلتے ہوئے پیچھے رہتے[1]، کمزور کو چلاتے[2] تھے۔ سواری پر اپنے پیچھے بٹھاتے اور ان[3] کے لیے دعا فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

ـــــه ۱ تخلّف کسی سے پیچھے رہنا۔

ـــــه ۲ اور اسے ساتھیوں تک پہنچاتے۔ اِزْجَاءٌ باب افعال سے، پیچھے سے چلانا، ہانکنا۔

ـــــه ۳ لشکریوں یا کمزوروں کے لیے۔

۳۷۳۶ / ۲۳ وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِي الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ اِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِّنَ الشَّيْطٰنِ فَلَمْ يَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلًا اِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يُقَالَ لَوْ بُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام جب کسی منزل پر اترتے تو پہاڑی راستوں اور نالوں[2] میں بکھر جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ان پہاڑی راستوں اور نالوں میں بکھر جانا، شیطان ہی کی طرف سے ہے[3]۔ اس کے بعد صحابہ کرام جب بھی اترتے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہو کر رہتے، یہاں تک کہ کہا گیا اگر ان پر ایک کپڑا پھیلایا جائے تو ان سب پر پھیل جائے۔ (ابوداؤد)

۵۱ ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش، شین پر زبر، صحابی ہیں۔ ان کا نام جُرثُم ہے جیم اور ہا پر پیش۔ ان کی کنیت مشہور ہے بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے، شام میں مقیم ہوئے اور ۷۵ھ میں وصال ہوا، بعض محدثین نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں وصال ہوا۔ اور یہ قول زیادہ مشہور ہے۔

۵۲ شِعب نشین کے نیچے زیریں پہاڑی راستہ، وادی نالہ۔

۵۳ وہ تمہیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ دشمن تم پر غالب آئیں اور تمہیں تکلیف پہنچائیں۔

۳۷۳۷/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلٰثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ وَّكَانَ اَبُوْ لُبَابَةَ وَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَا اِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰى مِنِّيْ وَ مَا اَنَا بِاَغْنٰى عَنِ الْاَجْرِ مِنْكُمَا۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن ہم تین تین افراد ایک اونٹ پر تھے۔ حضرت ابو لبابہ[۱] اور حضرت علی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھی تھے[۲]، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اترنے کی باری[۳] آتی تو دونوں حضرات عرض کرتے کہ ہم دونوں آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے: آپ نے فرمایا تم دونوں ہم سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور ہم تم دونوں کی نسبت ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہیں[۴]۔

(شرح السنۃ)

۵۱ ابو لبابہ انصاری صحابی ہیں اور کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کا نام رفاعہ ہے۔ بدر کے پیچھے زیرِ ان کے حالات عجیب و غریب ہیں، اس سے پہلے کسی جگہ لکھے گئے ہیں۔

۵۲ زَمل اٹھانا۔ زمیل، ساتھی، سواری پر پیچھے بیٹھنے والا۔ اس جگہ باری باری سوار ہونے والا ساتھی مراد ہے، زاملہ وہ اونٹ جس پر سامان اور زادِ راہ لادا جائے۔

۵۳ عُقبہ عین پر پیش، باری۔

ـــه اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انتہائی تواضع، ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احتیاج کا اظہار ہے۔

۳۷۳۸/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّکُمْ مَنَابِرَ فَاِنَّ اللهَ اِنَّمَا سَخَّرَهَا لَکُمْ لِتُبَلِّغَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَمْ تَکُوْنُوْا بَالِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ وَجَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فَعَلَیْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِکُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے چارپایوں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ[۱] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے تابع بنایا ہے تاکہ تمہیں اس شہر تک پہنچائیں جہاں تک تم جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے[۲] اور تمہارے لیے زمین پیدا فرمائی ہے اس پر تم اپنی حاجتیں[۳] پوری کرو۔

(ابوداؤد)

ـــه یہ کنایہ ہے ان پر کھڑے ہونے سے، اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس کی حاجت نہ ہو۔ اور اس سے صحیح غرض متعلق نہ ہو۔ کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرفات میں سواری پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔

ـــه یعنی اس سواری کا مقصد یہ ہے کہ تم مقصد تک آسانی کے ساتھ پہنچ جاؤ۔ لہٰذا انہیں زیادہ تکلیف دینا اور پریشان کرنا جائز نہ ہوگا۔

ـــه مثلاً کھڑے ہونا، بیٹھنا اور ایسی ہی جو بھی حاجت ہو، چارپایوں پر صرف اتنی سواری کرو کہ وہ تمہیں مقصد تک پہنچا دیں۔

۳۷۳۹/۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَّا نُسَبِّحُ حَتّٰی یُحَلَّ الرِّحَالُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم کسی منزل پر پہنچتے تو کجاوے کھولنے[۱] سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

ـــه اور اونٹوں کی پشتوں سے اتارنے سے پہلے ــــــــ اکثر سُبْحَۃٌ اور تسبیح کا اطلاق نفل نماز پر آتا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ نماز چاشت مراد ہے جس کا وقت، اترنے کے موقع پر آجائے۔ اس حدیث

سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فرض کجاوے کھولنے سے پہلے ادا کی جائے گی۔ ممکن ہے یہ اس صورت میں ہو کہ وقت میں گنجائش نہ ہو۔ (یعنی اگر وقت میں گنجائش ہو تو کجاوے پہلے اتار دینے چاہئیں، تاکہ جانوروں کو آرام میسر آسکے بعد میں نماز پڑھی جائے۔ فرض ہو یا نفل ۱۲ تا دری)۔

۳۷۴۰/۲۷ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ إِذْ جَآءَهٗ رَجُلٌ مَّعَهٗ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِرْكَبْ وَ تَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَآبَّتِكَ اِلَّآ اَنْ تَجْعَلَهٗ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهٗ لَكَ فَرَكِبَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت بریدہ[۵۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدل تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک شخص آئے جن کے ساتھ گدھا تھا[۵۲]، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ سوار ہو جائیں اور خود وہ پیچھے ہو گئے[۵۳]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں! تم اپنے چوپائے کے سینے کے زیادہ حق دار ہو، مگر یہ کہ تم اگلا حصہ ہمیں دے دو[۵۴]۔ انہوں نے عرض کیا میں نے آپ کو دیا تو آپ سوار ہو گئے[۵۵]۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۵۱ بریدہ اسلمی یا ریپش، مشہور صحابی ہیں۔

۵۲ اور وہ اس پر سوار تھے۔

۵۳ یعنی چارپائے کے سینے سے پیچھے ہو گئے جو سواری کی جگہ ہے۔ اگلا حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیا کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں اور وہ خود پیچھے سوار ہو جائیں۔

۵۴ یعنی صراحۃً ہمیں دے دو۔ ورنہ ان کا پیچھے ہونا۔ اسی مقصد کے لیے تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے سوار ہوں۔

۵۵ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ انتہائی انصاف اور تواضع ہے کہ اس مرد کے پیچھے ہی بیٹھنے پر تیار ہو گئے۔ (نیز دراز گوش پر سواری فرمائی ۱۲ ق)۔ اور رسامت کے لیے ادب کی تعلیم ہے۔

۳۷۴۱/۲۸ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت سعید بن ابی ہند[۵۶]، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِّلشَّيٰطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِّلشَّيٰطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيٰطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَّعَهٗ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِّنْهَا وَ يَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهٗ وَ اَمَّا بُيُوْتُ الشَّيٰطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهٖ الْاَقْفَاصُ الَّتِیْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد)

کچھ تو اونٹ شیطانوں کے لیے ہوں گے اور کچھ گھر شیطانوں کے لیے ہوں گے، لیکن شیطانوں کے اونٹ تو میں نے انہیں دیکھا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے ساتھ عمدہ اونٹنیاں لے کر نکلتا ہے جسے اس نے موٹا کیا ہوتا ہے۔ تو وہ ان میں سے کسی پر سوار نہیں ہوتا[۵۲]۔ اور اپنے مسلمان بھائی کے پاس سے اس حال میں گزرتا ہے کہ وہ بے بس ہو چکا ہوتا ہے[۵۳]۔ تو وہ اسے بھی سوار نہیں کرتا[۵۴]۔ لیکن شیطانوں کے گھر تو وہ میں نے نہیں دیکھے، حضرت سعید کہا کرتے تھے، میرا گمان یہی ہے کہ وہ یہ پنجرے[۵۵] ہیں جنہیں لوگ دیباج (ریشم) سے ڈھانپتے ہیں۔ (ابوداؤد)

۵۱ سعید بن ابی ہند مشہور ثقہ، صاحب علم اور نیک خصلت تابعی ہیں۔ حضرت سمرہ بن جندب کے آزاد کردہ غلام تھے، ان کی روایت کردہ احادیث قابل اعتبار ہیں۔ ۱۱۶ھ ہشام بن عبدالملک کے دور میں فوت ہوئے۔

۵۲ ان پر سوار ہونے کی اسے حاجت ہی نہیں ہے۔

۵۳ کمزوری اور عاجزی کی بنا پر چلنے اور سفر کرنے سے عاجز ہو چکا ہوتا ہے ـــــــ انقطع صیغہ معلوم اور مجہول، دونوں طرح صحیح قرار دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے کہ انقطع صیغہ مجہول، سفر سے عاجز آدمی۔

۵۴ حاصل یہ کہ اس نے فخر، دولت مندی کے اظہار اور نام و نمود کے لیے یہ اونٹ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کا مقصد اپنی یا مسلمان بھائی کی حاجت کا پورا کرنا نہیں ہے۔ گویا یہ اونٹ شیطان کے لیے ہیں کہ شیطان ان کی بنا پر راضی ہوتا ہے۔ یہ کہنا تو شیطان کے اونٹ تو میں نے دیکھے ہیں۔ بعض محدثین نے کہا کہ یہ راوی کا قول ہے اور حدیث، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مجمل ارشاد ہے کہ کچھ اونٹ اور کچھ گھر شیطانوں کے ہوں گے بعض حضرات کہتے ہیں کہ فَلَمْ اَرَاهَا تک حدیث ہے۔

۵۵ اس سے مراد کجاوے اور پالکیاں ہیں جنہیں فضول خرچ لوگ سفروں میں ریشمی کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں۔ اصل میں قفص پنجروں کو کہتے ہیں جہاں پرندے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اس جگہ اس کا اطلاق کجاووں پر کیا گیا ہے۔

۳۶۴۲/۲۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُّنَادِيْ فِي النَّاسِ اَنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سہل بن معاذ ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد ۲؎ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہوئے تو لوگوں نے منزلیں تنگ کر دیں ۳؎ اور راستہ کاٹ دیا ۴؎۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اعلان کرنے والا بھیجا تاکہ لوگوں میں اعلان کرے کہ جس نے منزل تنگ کی اور راستہ کاٹا اس کے لیے جہاد کا ثواب نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ سہل بن معاذ تابعی ہیں۔ مصر میں مقیم تھے، بعض نے کہا اہل شام میں سے تھے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ ضعیف ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر کتاب ثقات میں کیا ہے۔

۲؎ حضرت معاذ بن انس جہنی ہیں جو صحابی ہیں۔

۳؎ یعنی انہوں نے ایسی جگہوں پر قبضہ کر لیا جن کی انہیں حاجت نہیں تھی، اور اس طرح دوسروں کیلئے جگہ تنگ کر دی۔

۴؎ شارحین نے کہا کہ اس جگہ راستہ کاٹنے سے مراد یہی جگہ کا تنگ کرنا ہے اور دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ دونوں گناہ کی وجہیں ہیں۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

۳۶۴۳/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا دَخَلَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ اِذَا قَدِمَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی سفر سے آئے تو اپنے گھر والوں کے پاس آنے کا بہترین وقت

مِنْ سَفَرٍ اَوَّلَ اللَّيْلِ۔ رات کا ابتدائی حصہ ہے[۱]۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

[۱] اور یہ اس صورت میں ہے کہ سفر نزدیک ہو۔ اور وہ جو اس سے پہلے گزرا ہے کہ رات کے وقت گھر نہ آؤ تو یہ اس وقت ہے جب دور کا سفر ہو۔ امام نووی نے فرمایا: اگر سفر دور بھی ہو لیکن آنے کی اطلاع مشہور ہو چکی ہو تو رات کے وقت گھر آنے میں حرج نہیں ہے کیونکہ مقصد تو اہل خانہ کا تیار ہونا ہے اور وہ آمد کی خبر کے مشہور ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

بعض محدثین نے کہا کہ دخول اہل سے مراد، جماع ہے، کیونکہ مسافر پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے، جب وہ رات کے پہلے حصے میں فارغ ہو جائے گا تو آرام اور نیند کے زیادہ قریب ہوگا۔ نیز اس میں محبت اور اشتیاق کا اظہار حق زوجیت ادا کرنے کی جلدی اور انتظار کی تکلیف کا خاتمہ ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۷۴۲/۳۱ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَ اِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَ وَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور رات کے آخری حصے میں اترتے[۱] تو دائیں جانب لیٹتے[۲]۔ اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو کلائی کھڑی کر کے سر مبارک ہتھیلی پر رکھ لیتے[۳]۔

(مسلم)

[۱] نیند اور آرام کے لیے۔

[۲] یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سوتے وقت دائمی عادت یہ تھی کہ دائیں پہلو کے بل لیٹتے تھے۔ علماء کرام نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ دل بائیں جانب معلق ہے۔ لہٰذا اگر بائیں جانب لیٹ کر سویا جائے تو دل کو آرام اور قرار آ جاتا ہے اور نیند گہری آتی ہے، اور رات کی نماز کے لیے بیدار ہونا اور اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اطباء کا مقصد چونکہ بدن کی اصلاح، کھانے کا ہضم ہونا اور نیند میں راحت کا حصول ہے اس لیے انہوں نے بائیں جانب لیٹ کر سونے کو ترجیح دی ہے۔

۵۳ کیونکہ یہ طریقہ بیدار ہونے، پوری طرح آرام نہ پانے اور گہری نیند نہ آنے کے زیادہ قریب ہے اور ان امور میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔

۳۷۴۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا أَصْحَابُهُ وَقَالَ أَتَخَلَّفُ وَأُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآهُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَا مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ[۱] کو ایک دستے میں بھیجا۔ اتفاقاً یہ بھیجنا جمعہ کے دن تھا۔ ان کے ساتھی تو چلے گئے اور انہوں نے سوچا کہ میں پیچھے رہ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھوں گا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے جا ملوں گا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے انہیں دیکھا اور فرمایا: تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہونے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا، میرا ارادہ یہ تھا کہ آپ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھوں پھر ساتھیوں سے جا ملوں، آپ نے فرمایا: اگر وہ سب کچھ خرچ کر دو جو زمین میں[۲] ہے تو تم ان کے صبح کے وقت روانگی کی فضیلت نہیں پا سکو گے[۳]۔ (ترمذی)

۱؎ عبد اللہ بن رواحہ مشہور صحابہ اور شعرائے اسلام میں سے ہیں۔ جنگ موتہ (شام کے قریب ایک جگہ ۱۲ق)۔ میں شہید ہوئے۔

۲؎ اسباب، اشیاء اور ساز و سامان وغیرہ۔

۳؎ اس میں ثواب جہاد کے بیان کرنے میں انتہائی تاکید اور مبالغہ ہے رہی نماز جمعہ تو وہ وقت کے داخل ہونے سے پہلے فرض نہیں ہوتی، جمعہ کے دن وقت شروع ہونے کے بعد روانہ ہونا اس شخص پر حرام ہے

جس پر جمعہ لازم ہے، یہ جمہور علماء کا مذہب ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، روانہ ہونا جائز ہے کیونکہ سفروں میں ضرورت پائی جاتی ہے۔ ساتھیوں کے چلے جانے کا خطرہ ہے۔ مسافر پر تو یوں بھی جمعہ فرض نہیں ہے۔

البتہ اطاعت سے غفلت برتنے اور اعراض کی وجہ سے مکروہ ضرور ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کے دن سفر کرنا ہی حرام ہے۔ اگرچہ زوال سے پہلے صبح کے وقت ہو۔ اسی طرح سفر السعادۃ میں ہے۔

۳۷۴۶/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا جِلْدُ نَمِرٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتے، سفر کے ساتھیوں کی اس جماعت کے ہمراہ نہیں ہوتے جس میں چیتے[1] کی کھال ہو۔ (ابوداؤد)۔

[1] نمر، نون پر زبر، میم کے نیچے زیر، مشہور درندے (چیتے) کا نام ہے۔ تحقیق چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے اور ان کے پہننے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں تکبر اور غرور ہے۔ نیز اس لیے کہ یہ عجمیوں کا لباس ہے۔

بعض علماء نے یہ وجہ بیان کی کہ اس کی کھال دباغت کے قابل نہیں ہے۔ اکثر طور پر اس کی کھال مرنے کے بعد اتاری جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا شکار کرنا بہت مشکل ہے، امر ممنوع کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے فرشتے ہمراہ نہیں ہوتے۔

۳۷۴۷/۳۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ يَسْبِقُوْهُ بِعَمَلٍ اِلَّا الشَّهَادَةَ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت سہل بن سعد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر میں قوم کا بہترین فرد وہ ہے جو ان کی خدمت کرے[2]۔ تو جو خدمت کے ساتھ ان پر سبقت لے جائے تو وہ لوگ شہادت کے علاوہ کسی عمل سے اس پر سبقت نہیں لے جا سکیں گے۔ (شعب الایمان، امام بیہقی)

۵۱ سہل بن سعد ساعدی انصاری مدنی ہیں۔ وہ خود اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ ان کا نام حزن تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام سہل رکھ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ انہوں نے طویل عمر پائی، ۹۱ھ میں ان کا وصال ہوا، مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ہیں۔

۵۲ یعنی قوم کے بہترین اور بزرگ ترین شخص کو چاہئے کہ قوم کی خدمت کرے۔ ان کی ضروریات پوری کرے اور ظاہر و باطن میں ان کے احوال کی رعایت کرے، بعض محدثین نے کہا، مراد یہ ہے کہ خدمت کرنے والا اگرچہ بظاہر ادنیٰ ترین فرد ہو۔ درحقیقت وہ ثواب کی زیادتی کی بنا پر ان کا سردار ہے اور یہ مطلب حدیث کے آئندہ حصے کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۳ یعنی خدمت سے زیادہ فضیلت والا کوئی عمل نہیں ہے ع۔

کہ مرداں ز خدمت بجائے رسند۔

مردانِ راہ خدا، خدمت سے بلند مقام تک پہنچے ہیں۔

ہاں وہ شخص کہ جنگ کرے، یہاں تک کہ مارا جائے اور شہادت کی فضیلت حاصل کرے وہ خدمت والے سے بھی سبقت لے جائے گا۔

# بَابُ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ وَدُعَائِهِمْ اِلَى الْاِسْلَامِ

## ۲۸۸- کافروں کو فرمان لکھنا اور انہیں اسلام کی دعوت دینا

جنگ سے پہلے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور دعوت اسلام سے پہلے جنگ کرنا حرام ہے۔ البتہ جن لوگوں کو دعوتِ اسلام پہنچ چکی ہو اور وہ عناد کا مظاہرہ کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ دعوت اسلام دیے بغیر بھی جنگ کی جا سکتی ہے ۱۲ (ق)۔ اسلام کی دعوت، خصوصاً کافروں کے بادشاہوں اور سرکردہ لوگوں کو عام طور پر خط و کتابت کے ذریعے ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ مبارکہ کے سلاطین کفار جیسے روم، ایران اور حبشہ کے بادشاہوں کو گرامی نامے بھجوائے، یہ مکتوبات اور فرامین فصاحت و بلاغت اور اعجاز میں اس مقام کو پہنچے ہوئے ہیں کہ ان سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بعض علماء مثلاً صاحب شفاء وغیرہ نے انہیں جمع کرکے اپنی کتابوں کو زینت بخشی ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۳۷۴۸/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى قَيْصَرَ يَدْعُوْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلَيْهِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ وَ اَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى لِيَدْفَعَهٗ اِلٰى قَيْصَرَ فَاِذَا فِيْهِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ روم کو دعوت اسلام کا فرمان تحریر فرمایا۔ آپ نے گرامی نامہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور انہیں حکم دیا کہ بصری کے حاکم کو دیں تاکہ وہ شاہ روم کے سپرد کر دے اس میں تحریر تھا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی

إِلَى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيْسِيِّيْنَ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ إِثْمُ الْيَرِيْسِيِّيْنَ وَقَالَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ.

طرف سے، شاہ روم، ہرقل کے نام، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی ہے۔ اس کے بعد: میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام لے آؤ تاکہ تم سلامت رہو گے۔ اسلام لے آؤ تو تمہیں دوہرا ثواب دے گا۔ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر مزارعوں اور رعایا کا گناہ ہے۔ اے کتاب والو! اس بات اور اس دین کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا، ہمارے بعض افراد بعض کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہو کہ گواہ ہو جاؤ ہم مسلمان ہیں۔ (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے اللہ کے رسول محمد کی طرف سے اور کہا کہ تم پر رعایا کا گناہ ہے اور یہ فرمایا کہ تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

۱؎ دحیہ کلبی دال کے نیچے زیر اور زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، مشہور صحابی ہیں جو قبیلہ بنو کلب کی طرف منسوب ہیں۔

۲؎ بُصریٰ با پر پیش، بے نقطہ صاد ساکن، شام کے ایک مشہور شہر کا نام۔

۳؎ روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسریٰ، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، ترک کے بادشاہ کو خاقان، قبط کے بادشاہ کو فرعون، مصر کے بادشاہ کو عزیز، حمیر کے بادشاہ کو تبع۔ تا پر پیش، با مشددہ پر زبر، اور ہندوستان کے بادشاہ کو رائے کہتے ہیں۔ اس قیصر کا نام ہرقل تھا ہا کے نیچے زیر،

را پر زبر اور قاف ساکن، را کو ساکن اور قاف کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔

اس حدیث کو حضرت ابن عباس نے حضرت ابو سفیان اموی سے روایت کیا ہے جب ابو سفیان تجارت کے لیے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ملک شام میں ہرقل کے پاس گئے تو ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے پاس بلا کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال پوچھے، پورا واقعہ صحیح بخاری کی ابتدا میں مذکور ہے اور یہ حدیث آپ کی نبوت کے دلائل اور علامات میں سے ہے، حضرت مصنف نے بھی اسے علامات نبوت کے باب میں ذکر کیا ہے۔

۴ؔ چونکہ وہ بادشاہ کافر تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اسے سلام نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ بلکہ ہدایت کے ہر پیروکار کو سلام کہا اور اس میں مختصر اور بہترین طریقے سے اس کے لیے حق و ہدایت کی ترغیب اور راہنمائی ہے۔

۵ؔ دنیا کی تکلیف و رسوائی اور آخرت کے عذاب سے

۶ؔ جیسے کہ اہل کتاب کی شان ہے کہ انہیں (اسلام لانے پر) دوہرا ثواب دیا جائے گا جیسے کہ قرآن پاک میں ہے، ایک ثواب عیسائیت کا کہ ہماری بعثت سے پہلے تم اس میں حق پر تھے اور ایک ثواب ہم پر ایمان لانے کا۔

۷ؔ اور اسلام کے قبول کرنے سے اعراض کیا۔

۸ؔ اَرِیْسِیِّیْنَ جمع ہے اَرِیْسِیّ کی، ہمزے پر زبر اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، منسوب ہے اَرِیْسْ کی طرف، جس کا معنی مزارع اور کاشتکار ہے ایک روایت میں اَرِیْسِیِّیْنَ ہے اَرِیْس کی جمع ہے یا نسبت کے بغیر، دونوں صورتوں میں ہمزے کو یا کے ساتھ بھی تبدیل کیا گیا ہے، بہر صورت مراد رعایا، مزارعین، تبعین، نوکر چاکر اور غلام ہیں کہ جب بادشاہ اسلام لے آئے گا تو اس کے ساتھ یہ لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کر دے گا تو یہ بھی انکار کر دیں گے اس لفظ کی تصحیح اور تحقیق کی طویل تفصیل شرح میں بیان کی گئی ہے۔

۹ؔ یعنی انسانوں میں سے ہے، جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب اور پروردگار مانا۔

۱۰ؔ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے۔

۱۱ؔ یہ روایت، پہلی روایت سے چند طرح مختلف ہے۔ (۱) پہلی روایت میں مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ہے جب کہ اس میں مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ہے (۲) پہلی روایت میں اَرِیْسِیِّیْنَ ہے جب کہ اس روایت میں ہمزے کو یا سے بدل دیا ہے (۳) پہلی روایت میں بِدَاعِیَةِ الْاِسْلَامِ ہے اس میں بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ

ہے، صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

۳۷۴۹/۲ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَ مَزَّقَهٗ فَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا گرامی نامہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی[۱] کے ذریعے شاہ ایران[۲] کو بھیجا، انہیں حکم دیا کہ یہ مکتوب بحرین[۳] کے گورنر کو دینا[۴]، بحرین کے گورنر نے شاہ ایران کو دے دیا، اس نے پڑھا تو اسے پھاڑ دیا، ابن مسیب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ ایران اور اس کے ساتھیوں کے خلاف دعا فرمائی کہ انہیں مکمل طور پر پارہ پارہ کر دیا جائے[۵]۔

(بخاری)

[۱] عبد اللہ بن حذافہ سہمی، قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو کی طرف منسوب، قدیم الاسلام صحابی ہیں مہاجرین سابقین اولین میں سے ہیں، پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور ایک قول کے مطابق بدر میں حاضر ہوئے۔

[۲] کسریٰ کاف کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، یہ عربی زبان میں خسرو کا بدل ہے، شاہ ایران، اس زمانے میں پرویز بن نوشیروان ایران کا بادشاہ تھا۔ (پرویز، ہرمز بن نوشیروان کا بیٹا تھا۔ یعنی نوشیروان کا پوتا تھا ۱۲ ق)۔

[۳] بحرین ایک جگہ کا نام ہے (بصرہ کے قریب، لب سمندر مشہور شہر ہے ۱۲ مرآۃ)۔

[۴] چنانچہ انہوں نے اسے پہنچا دیا۔

[۵] اور وہ ہلاک ہو جائیں، چنانچہ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا اور خود اپنے باپ کے چھ ماہ بعد مر گیا۔ چنانچہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت، ان کے گلے کا طوق بن گئی۔ (مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ہرگز ہرگز اپنے بیٹوں کا نام پرویز نہ رکھیں کہ اس نام والے بادشاہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی توہین کی تھی ۱۲ قادری)۔

۳۷۵۰/۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی وَاِلٰی قَیْصَرَ وَ اِلَی النَّجَاشِیِّ وَاِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَّدْعُوْھُمْ اِلَی اللّٰہِ وَ لَیْسَ بِالنَّجَاشِیِّ الَّذِیْ صَلّٰی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایران، روم، اور حبشہ[۱] کے بادشاہوں اور ہر جابر بادشاہ کے نام گرامی نامہ بھیجا۔ یہ نجاشی وہ[۲] نہیں ہیں۔ جن پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔
(مسلم)

۱ۓ نجاشی نون پر زبر، جیم مخفف اور یا ساکن، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور یہی درست ہے۔ بعض علماء نے یا مشدد پڑھی ہے۔ نون کے نیچے زیر بھی ہے۔ البتہ جیم کو مشدد سمجھنا۔ بالاتفاق غلط، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔

۲ۓ جس نجاشی کی طرف آپ نے فرمان عالی بھیجا یہ اس نجاشی سے مختلف تھا جن کی غائبانہ نماز جنازہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پڑھی، وہ مسلمان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخلصین اور صحابہ کرام کے خادم تھے۔ ان کا نام اصحمہ تھا۔ ہمزے پر زبر، صاد ساکن، اور حا پر زبر، بعض نے حا سے پہلے میم پڑھی ہے۔

(اصحم) بعض نسخوں میں۔ اصحبہ ہے میم کی جگہ با کے ساتھ، صحمہ اور صحمہ بھی کہا گیا ہے۔ زیادہ مشہور اور کثیر الاستعمال اصحمہ ہے۔ ابتداء میں ہمزہ اور میم سے پہلے حا۔ جب ان کی وفات کی خبر آئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا بھائی اور نیک مرد فوت ہو گیا۔ اٹھو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو۔

ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اطراف و اکناف کے بادشاہوں کو فرمان عالی بھیجے۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجاشی کی طرف بھیجا۔ جب نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالی دیکھا تو تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ فرمان عالی کو بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اور حکم دیا کہ فرمان پڑھا جائے، جب اس کا مضمون سنا تو کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام لے آیا۔ اور کہنے لگا اگر میرے بس میں ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، اپنے بیٹے کو تحفے اور ہدیے دے کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو راستے میں ہی ہلاک ہو گیا پھر حضور نے

ایک اور گرامی نامہ ان کی طرف بھیجا، دونوں فرمان عالی ان کی اولاد میں موجود ہیں۔ جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں اور ان سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

۳۷۵۱/۳ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ اَوْ سَرِيَّةٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَّعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اُغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اُغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تُمَثِّلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَاِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى ثَلٰثِ خِصَالٍ اَوْ خِلَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ مَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا

حضرت سلیمان بن بریدہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا دستے پر امیر مقرر[2] فرماتے تو اسے اس کی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے[3] اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بھلائی کا حکم دیتے[4]، پھر فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ کا انکار کریں، جہاد کرو[5]۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ عہد شکنی نہ کرو۔ ناک کان نہ کاٹو[6]۔ بچوں کو قتل نہ کرو، اور جب تم اپنے دشمن مشرکوں سے ملاقات کرو تو انہیں تین خصلتوں یا تین[7] باتوں کی طرف بلاؤ وہ ان میں سے جسے بھی پسند کریں[8]۔ تم ان سے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ[9]، پھر تم انہیں اسلام کی دعوت دو[10]۔ اگر وہ مان جائیں[11] تو ان سے قبول کر لو اور ان سے باز رہو، پھر انہیں دعوت دو کہ وہ اپنے علاقے سے مہاجرین کے علاقے کی طرف منتقل ہو جائیں[12] اور انہیں بتا دو کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے لیے وہی کچھ[13] ہے جو مہاجرین کے لیے اور ان کے ذمہ وہی کچھ[14] ہے جو مہاجرین

ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ
وَ عَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ
فَإِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا
فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ
كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يُجْرٰى
عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِىْ
يُجْرٰى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا
يَكُوْنُ لَهُمْ فِى الْغَنِيْمَةِ وَ
الْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا
مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ
اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ
هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ
وَ كُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ
اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَ
قَاتِلْهُمْ وَ اِذَا حَاصَرْتَ
اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ
تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ
ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ
ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ لَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ
وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ
وَ ذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ
اِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَ
ذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ
اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَ
ذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِنْ حَاصَرْتَ

پر ہے۔ پس اگر وہ اپنے علاقے سے منتقل ہونے پر تیار نہ ہوں۔ تو انہیں بتا دو کہ وہ دیہاتی مسلمانوں[15] کی طرح ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جاری کیا جائے گا جو مومنوں پر جاری کیا جاتا ہے اور ان کے لیے غنیمت اور فیئ میں سے حصہ نہ ہوگا[16] مگر یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں[17]، پھر اگر وہ (اسلام لانے سے) انکار کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو[18]، اگر وہ مان لیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے رک جاؤ اور اگر وہ انکار کردیں[19]۔ تو اللہ تعالیٰ سے امداد کی دعا کرو اور ان سے جنگ کرو[20]۔ اور جب تم کسی قلعہ[21] کے باشندوں کا محاصرہ کرو اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا ذمہ دو تو انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کا ذمہ نہ دو، بلکہ انہیں اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو[22]۔ کیوں کہ اگر تم[23] اپنا اور اپنے ساتھیوں کا عہد و پیمان توڑ دو تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد و پیمان توڑنے کی نسبت ہلکا ہے۔ اور اگر کسی قلعے والوں کا محاصرہ کرو۔ اور وہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر

| | |
|---|---|
| أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ أَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ أَمْ لَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) | آتار دو تو انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم پر نہ آتارو، بلکہ اپنے حکم پر آتارو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں تم اللہ تعالیٰ کا حکم پاسکو گے یا نہیں[۱۰] |

(مسلم)

[۱] سلیمان بن بریدہ با پر پیش، اسلمی مروزی، حضرت عبداللہ بن بریدہ کے بھائی۔ دونوں ایک ساتھ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ ثقہ تابعی ہیں۔

[۲] اَمَّرَ میم مشدد ہے۔

[۳] اس کی ذات کے لیے تقوے و پرہیزگاری اور عزیمت (اصل) پر عمل کرنے کی وصیت فرماتے۔

[۴] یعنی چشم پوشی اور نرمی کرنے اور آسانی فراہم کرنے کا حکم دیتے، یہ صحبت کے حقوق اور حکومت کے آداب میں سے ہے۔

اسی طرح شارحین نے اس کلام کی تفسیر کی ہے۔

[۵] یہ تاکید ہے۔

[۶] صراح میں ہے مثلہ میم پر پیش، تین نقطے والی ثا ساکن، ناک اور کان کاٹنا ــــــ لَا تَغُلُّوْا نقطے والی غین پر پیش، وَلَا تَغْدِرُوْا دال کے نیچے زیر، وَلَا تُمَثِّلُوْا تین نقطے والی ثا پر پیش۔

[۷] راوی کو شک ہے کہ خصال فرمایا یا خلال، دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ خلال جمع ہے خَلَّۃٌ کی خا پر زبر، خصلت، یہ امیر سے خطاب ہے۔

[۸] مَا اَجَابُوْكَ میں ما زائدہ ہے۔

[۹] اس سے زیادہ کی انہیں تکلیف نہ دو اور ان کے درپے نہ ہو۔

[۱۰] مسلم کے علاوہ دیگر روایات میں اُدْعُهُمْ لفظ ثُمَّ کے بغیر ہے، اور یہ زیادہ ظاہر اور درست ہے، یہ پہلی خصلت کا بیان ہے، کہ پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی۔

ف۱۱ اور مسلمان ہو جائیں تو ان سے قبول کر لو اور ان سے ہاتھ روک لو، ان کے مالوں اور خونوں سے تعرض نہ کرو۔

ف۱۲ اور ان کے درمیان رہیں۔

ف۱۳ اجر و ثواب اور مالِ فیئ کا استحقاق، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ تعالیٰ جو مال فیئ عطا فرماتا تھا وہ خرچ کیا جاتا تھا اور دیہاتی مسلمانوں کو دیا جاتا تھا۔

ف۱۴ جہاد کے لیے نکلنے کی شرطیں۔ جب امام حکم دے، خواہ دشمن کے مقابل اتنی تعداد ہو جو اس کا مقابلہ کر سکے یا نہ ہو، برخلاف غیر مہاجرین کے کہ اگر دشمن کے مقابل اتنے مجاہدین موجود ہوں جو اس کے لیے کافی ہوں تو ان پر جہاد کے لیے نکلنا واجب نہیں ہے۔

ف۱۵ جنہوں نے اپنے وطنوں کو لازم پکڑا ہے اور دار کفر میں نہیں بلکہ جنگلوں میں رہتے ہیں۔

ف۱۶ جیسے کہ مہاجرین کے لیے ہوتا ہے، غنیمت اور فیئ کا ایک معنی ہے۔ وہ مال جو کافروں سے حاصل ہو، بعض علماء نے فرق کیا ہے کہ غنیمت وہ مال ہے جو جنگ اور مشقت کے بغیر حاصل ہو اور فیئ وہ مال ہے جو جنگ اور مشقت سے حاصل ہو[۱]۔

ف۱۷ جب کہ مہاجرین کے لیے جنگ کے بغیر مال غنیمت میں سے حصہ ہے۔ یہ سب پہلی خصلت کا تتمہ ہے۔

ف۱۸ یہ دوسری خصلت کا بیان ہے۔

ف۱۹ جزیہ دینے سے انکار کردیں۔

ف۲۰ یہ تیسری خصلت کا بیان ہے۔

ف۲۱ حصن، اصل میں اس کا معنی ہے پناہ، درستی، درست ہونا۔ اور شہر کے گرد دیوار کھڑی کرنا

ف۲۲ یعنی ذمہ اور عہد دیتے وقت خدا اور رسول کا نام لینے کی حاجت نہیں ہے، اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام لینا ہی کافی ہے، اور حقیقت میں یہ اصل ہی کی طرف راجع ہے۔

ف۲۳ اکثر نسخوں میں فَاِنَّکُمْ صیغہ خطاب کے ساتھ ہے۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں فَاِنَّھُمْ ہے اور ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے، روایت کے اعتبار سے پہلا لفظ زیادہ صحیح ہے اور عقلی اعتبار سے

---

[۱] غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے ورنہ جنگ سے حاصل ہونے والے مال کو غنیمت اور بغیر جنگ کے حاصل ہونے والے مال کو فیئ کہتے ہیں ۱۲ قادری)۔

دوسرا لفظ زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عہد شکنی کی نسبت کافروں کی طرف بہتر ہے، بجائے اس کے کہ مومنوں کی طرف منسوب کی جائے۔
مصابیح کے نسخوں میں فَانَّهُمْ ہمزے کی زبر کے ساتھ ہے، بعض نسخوں میں ہمزہ کی زیر کے ساتھ ہے پہلا لفظ زیادہ قوی اور ظاہر ہے۔

۵۲ یعنی تم نے جو انہیں اترنے کا حکم دیا ہے تمہیں کیا خبر کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے اور حکم الٰہی کے موافق ہے یا نہیں؟۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے غلطی کی ہو۔ جیسے کہ مجتہد کا حکم کبھی صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔

۳۷۵۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَیَّامِهِ الَّتِیْ لَقِیَ فِیْهَا الْعَدُوَّ وَ انْتَظَرَ حَتّٰی مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِی النَّاسِ فَقَالَ یٰاَیُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَ اسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِیَةَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَ اعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَ مُجْرِیَ السَّحَابِ وَ هَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْهِمْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن دنوں دشمن سے جنگ کرتے ان میں سے بعض دنوں میں انتظار فرمایا، یہاں تک کہ سورج کا زوال ہو گیا[۲]، پھر صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! دشمن کی ملاقات کی آرزو نہ کرو[۳]، اللہ تعالیٰ سے عافیت[۴] مانگو اور سامنا ہو تو صبر کرو[۵]، اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے[۶] پھر دعا کی اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے[۷] اور گروہوں[۸] کو شکست دینے والے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری امداد فرما۔
(دونوں)۔

[۱] عبداللہ بن ابی اوفی مشہور صحابی ہیں، کوفہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں، ۸۷ھ میں ان کا وصال ہوا۔

۵۲ اکثر طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوپہر نماز ظہر کے وقت جنگ کی ۔ محدثین نے فرمایا:۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ ہواؤں کے چلنے اور دلوں کی راحت کا وقت ہے ۔ اس کے بعد نماز اور دعا کا وقت ہے ، حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اعمال مقام قبولیت میں پیش کیے جاتے ہیں ۔ اس لیے اس وقت فتح و نصرت کے انوار کے نازل ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے کونسا عمل بلند و بالا اور زیادہ فضیلت والا ہو سکتا ہے ۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ اور اس کے ساز و سامان کی تیاری کی جاتی ہے اور دن کا آخری حصہ رات کے قریب ہوتا ہے ، اس لیے دن کا درمیانہ حصہ متعین ہو گیا ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۵۳ یعنی یہ آرزو نہ کرو کہ دشمن کے ساتھ جنگ چھڑ جائے ، کیونکہ اس صورت میں مصیبت کا طلب کرنا ہے ، اور مصیبت کا طلب کرنا ممنوع ہے ۔ نیز اس میں غرور اور اپنی قوت و طاقت اور اپنی ذات پر بھروسا پایا جاتا ہے ، نیز دشمنوں کے مقابلے کی تیاری کی کمی پائی جاتی ہے اور دشمن کو حقیر جاننا ہے ۔ دانشوروں نے کہا ہے کہ دشمن کو حقیر اور بے چارہ نہیں جاننا چاہیے ۔

۵۴ سلامتی اور بلا کے دفع کرنے کی دعا مانگو ۔

۵۵ قاعدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آزمائش نہیں مانگنی چاہیے اور جب مصیبت نازل ہو جائے تو صبر کرنا چاہیے ۔ آئندہ ارشاد میں دشمن کا سامنا ہونے کی صورت میں جنگ کی ترغیب دی گئی ہے ۔

۵۶ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ جنگ اور قتال میں جب تلواریں سروں پر ہوں تو جنت بہت قریب ہوتی ہے ۔

۵۷ مُنْزِل ۔ میم پر پیش ، نون ساکن اور زا کے نیچے زیر ، مُجْرِی میم پر پیش ، جیم ساکن اور را کے نیچے زیر ۔

۵۸ صراح میں ہے حزب بے نقطہ حا کے نیچے زیر ، زا ساکن ، گروہ ، اس کی جمع اَحْزَابٌ ہے اس سے وہ گروہ مراد ہے جو سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے ، ہزم اور ہزیمت کا معنی ہے لشکر کو شکست دینا ۔

| | |
|---|---|
| ۳۷۵۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم |

إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَ يَنْظُرَ إِلَيْهِمْ فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ وَ إِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلٰى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَ رَكِبْتُ خَلْفَ أَبِيْ طَلْحَةَ وَ إِنَّ قَدَمِيْ لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَ مَسَاحِيْهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَّ الْخَمِيْسُ فَلَجَآءُوْا إِلَى الْحِصْنِ فَلَمَّا رَاٰهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جب ہمیں ساتھ لے کر کسی قوم سے جنگ کرتے[1] تو ہماری معیت میں جنگ نہ کرتے یہاں تک کہ صبح کر لیتے[2] اور اس قوم کی طرف دیکھتے[3] پس اگر اذان سنتے تو ان سے ہاتھ روک لیتے[4] اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے[5] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم خیبر کی طرف نکلے اور رات کے وقت ان تک پہنچ گئے، جب صبح ہوئی اور آپ نے اذان نہیں سنی تو آپ سوار ہوئے اور میں حضرت ابو طلحہ[6] کے پیچھے سوار ہوا، میرا پاؤں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کو چھو رہا تھا[7]۔ حضرت انس نے فرمایا، اہل خیبر اپنی زنبیلیں اور پھاوڑے لے کر ہماری طرف نکلے[8] جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے یہ محمد ہیں۔ اللہ کی قسم! محمد اور لشکر[9] پھر انہوں نے قلعے میں پناہ لی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈر سنائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے[10]۔

(صحیحین)

[1] یعنی جب آپ جنگ کرتے اور ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔
[2] صبح سے مراد صبح صادق ہے جو حملہ کرنے کا وقت ہے۔ جیسے کہ آیۂ کریمہ کے معنیٰ سے اس کی طرف

اشارہ ہے۔ فَالْمُغِيْرَاتِ صُبْحًا صبح کے وقت حملہ کرنے والے۔

۳ے اور ان کے حال میں غور فرماتے، اگرچہ یہ معلوم ہوتا کہ یہ کافروں کا شہر ہے، لیکن اس احتمال کو پیش نظر رکھتے کہ ممکن ہے ان میں مسلمان بھی ہوں۔

۴ے ان پر حملہ نہ کرتے اور نہ ہی تاخت و تاراج کرتے۔

۵ے کیونکہ ان میں کفر کی علامت پائی جاتی تھی، اس لیے کہ اس وقت اذان کا ترک کرنا مسلمانوں سے متصور نہ تھا۔ فقہ کی روایت میں ہے کہ اگر ایک شہر والے اذان کے ترک کرنے پر متفق ہو جائیں تو امام پر واجب ہے کہ ان سے جنگ کرے، کیونکہ اذان اسلام کا شعار ہے۔

۶ے حضرت انس کی والدہ کے شوہر، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۷ے کیونکہ ان کی سواری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے قریب تھی، حواشی میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں حضرات ایک سواری پر سوار تھے اور یہ بعید ہے۔ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت انس حضرت ابوطلحہ کے پیچھے تھے تو ان کے پاؤں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس سے چھونا بعید ہے۔

۸ے یعنی اپنے کھیتوں اور کھجور کے باغوں کی طرف، اور اس بات سے بے خبر کہ ہم ان کے سر پر پہنچ چکے ہیں۔ مکاتل جمع ہے مکتل کی وہ زنبیل جس میں پندرہ صاع غلے کی گنجائش ہو، مساحی جمع ہے مسحاۃ کی، لوہے کا وہ آلہ جس کے ساتھ زمین کو ہموار کرتے ہیں،

پھاوڑا، کدال۔ دونوں کی میم کے نیچے زیر ہے۔

۹ے لشکر کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ (۱) مقدمہ (۲) قلب (۳) میمنہ (۴) میسرہ (۵) ساقہ۔

۱۰ے وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈر سنا دیا گیا ہوتا ہے۔ شعر

| | |
|---|---|
| ما تیغ برہنہ ایم در دست قضا | شد کشتہ کسے کہ خویش را بر ما زد |
| ترجمہ۔ ہم قضا کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہیں۔ | جو ہم پر آ کر گرا وہ مارا گیا۔ |

۳۷۵۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا لَمْ يُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّهَارِ

حضرت نعمان بن مقرن[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں حاضر ہوا تو جب آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے۔ یہاں تک کہ ہوائیں چلنے

اُنْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الرِّيَاحُ وَ تَحْضُرَ الصَّلٰوةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

لگتیں اور نماز کا وقت آجاتا[2] (بخاری)

[1] نعمان نون پر پیش بن مقرن میم پر پیش، قاف پر زبر، راء مشددہ کے نیچے زیر۔ آخر میں نون، حضرت سوید بن مقرن کے بھائی اور مزنی صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ مزینہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا، چار سو افراد کی جماعت میں اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی، بصرہ میں مقیم ہوئے، پھر کوفہ چلے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہاوند کے گورنر تھے، سنہ ۲۱ھ میں وہیں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ اس صورت میں ہوتی جب دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ ہوتی۔ غالباً حالات مختلف تھے، کبھی ابتدائی حصے میں جنگ ہوتی اور کبھی دوپہر کے وقت۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِي

## دوسری فصل

۳۷۵۵ / ۸ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ اِذَا لَمْ يُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّهَارِ اُنْتَظَرَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَ تَهُبَّ الرِّيَاحُ وَ يَنْزِلَ النَّصْرُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا۔ جب کہ آپ دن کے ابتدائی حصے میں جنگ نہ کرتے تو انتظار فرماتے۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل جاتا۔ ہوائیں چلتیں اور نصرت نازل ہوتی[1] (ابوداؤد)

[1] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی مثل ہے، لیکن اس جگہ ہے کہ سورج ڈھل جاتا اور گزشتہ حدیث میں ہے نماز حاضر ہو جاتی، مطلب ایک ہی ہے اس جگہ یہ اضافہ ہے کہ نصرت نازل ہوتی۔ اُس وقت آسمان کے دروازے کھل جانے سے، جیسے کہ دوسری حدیث میں فرمایا: ہمیں بادِ صبا سے امداد اور فتح دی گئی ہے۔

۳۷۵۶ / ۹ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ

حضرت قتادہ، حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَاِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتّٰى الْعَصْرِ ثُمَّ اَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَ يَدْعُوا الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم[۱] صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا، تو جب فجر[۲] طلوع ہوتی تو آپ طلوع آفتاب تک جنگ سے اجتناب کرتے، جب سورج نکل آتا تو آپ جنگ کرتے، جب سورج سر پر آجاتا تو زوال آفتاب تک رک جاتے، جب زوال آفتاب ہو جاتا تو آپ عصر تک جنگ کرتے، پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا کرتے پھر[۳] جنگ کرتے۔ قتادہ کہتے ہیں[۴] کہا جاتا تھا کہ اس وقت نصرت کی ہوائیں چلتی تھیں[۵] اور مومن اپنی نمازوں[۶] میں اپنے لشکروں کے لیے دعا مانگتے تھے۔
(ترمذی)

۱؎ بعض نسخوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں۔

۲؎ صراح میں ہے فجر آخر شب کی سفیدی۔

۳؎ شام تک جنگ کرتے، جب آپ پورا دن جنگ کرتے تو اس ترتیب کو ملحوظ رکھتے۔

۴؎ اس انداز کی حکمت بیان کرتے ہوئے۔

۵؎ ان تمام اوقات میں جیسے کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے یا خاص زوال کے وقت، جیسے دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہوائیں چلتیں جو فتح و نصرت کا سبب بنتیں۔

۶؎ یعنی نماز کے بعد، یا دوران نماز، جیسے کہ قنوت پڑھنے کے بارے میں احادیث آئی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۷۵۷/۱۰ وَعَنْ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عصام مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا أَحَدًا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

ایک دستے میں بھیجا اور فرمایا جب[۲] تم مسجد دیکھو یا کسی مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو کسی کو قتل نہ کرو۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] عصام بین کے پیچھے زیر، صاد مخفف المزنی کم حدیثیں روایت کرنے والے صحابی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہی ایک حدیث ان سے مروی ہے، ان سے ان کے بیٹے روایت کرتے ہیں۔

[۲] دشمن کے علاقے کے کسی گاؤں میں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
## تیسری فصل

۳۷۵۸ [۱۱] عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ إِلَى أَهْلِ فَارِسٍ.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ إِلَى رُسْتَمَ وَ مِهْرَانَ فِيْ مَلَاءِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّا نَدْعُوْكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَّ أَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَ السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

حضرت ابو وائل[۱] سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل فارس (ایرانیوں) کو مکتوب گرامی لکھا۔ اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان، نہایت رحم والا خالد بن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کے نام جو ایرانیوں کی ایک جماعت[۲] میں موجود ہیں، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، سلام کے بعد! ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں[۳] پس اگر تم انکار کرو تو اپنے ہاتھ[۴] سے جزیہ دو اس حال میں کہ تم عاجز اور خوار ہو اگر اس سے بھی انکار کرو تو میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جانے کو اس طرح محبوب رکھتے ہیں جیسے ایرانی شراب کو محبوب جانتے ہیں[۵]، ہدایت

کے پیروکاروں پر سلامتی ہو[۹] (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ) (شرح السنۃ)

[۱] ابو وائل ان کا نام شقیق ہے، مشہور اور بڑے تابعی ہیں، انہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں کا زمانہ پایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کی عمر دس سال تھی۔ اکابر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے، بکثرت حدیثیں روایت کیں، ثقہ اور معتمد ہیں، حجاج بن یوسف اور بعض نے کہا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں فوت ہوئے۔

[۲] مہران میم کے نیچے زیر

[۳] ملا میم اور لام پر زبر، آخر میں ہمزہ، قوم کے سرکردہ اور معززین کو کہتے ہیں جن کی طرف دوسرے لوگ رجوع کرتے ہیں اور ان کی رائے حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے، انہیں مَلَا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مجلسوں کو پُر کرتے ہیں۔

[۴] تم مسلمان ہو جاؤ۔

[۵] ایسا نہ ہو کہ کسی کے ہاتھ بھیج دو۔

[۶] تم ہلاک اور پشیمان ہو گے۔

[۷] یا قتل کرنے۔

[۸] یعنی جنگ و قتال میں مست اور مدہوش ہو جاتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ نشاط و طرب اور ذوق و لذت حاصل کرتے ہیں۔

[۹] راہ ہدایت کی پیروی اور دین اسلام کے اختیار کرنے پر تاکید اور ترغیب کے لیے فرمایا۔

# بَابُ الْقِتَالِ فِی الْجِهَادِ

## ۲۸۹۔ جہاد میں جنگ کرنے کا بیان

یاد رہے کہ اس جگہ تین لفظ ہیں (۱) جہاد (۲) غزو (۳) قتال۔ جہاد اور جہد کا معنیٰ ہے مشقت برداشت کرنا اور اس میں طاقت صرف کرنا، غزو کا معنیٰ ہے باہر نکلنا اور کافروں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہونا اور ان پر حملہ کرنا قتال، تقاتل اور اقتتال کا معنیٰ ہے قتل کرنا۔ اس باب میں غازیوں کے مناقب اور مغازی بیان کیے جائیں گے حضرت مصنف کا یہ فرمانا درست ہے کہ جہاد میں جنگ کرنا اور ایک دوسرے کو قتل کرنا، کیونکہ کبھی جنگ کے بغیر بھی جہاد ہوتا ہے

ہاں جہاد، جنگ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، جیسے کہ قاموس میں ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۷۵۹ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے غزوہ احد[1] کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ فرمائیں اگر میں قتل کر دیا گیا تو کہاں ہوں گا؟ فرمایا، جنت میں، انہوں نے اپنے ہاتھ میں موجود کھجوریں پھینک دیں[2] پھر جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید کر دیے گئے۔

(صحیحین)

[1] اُحُد پہلے دونوں حرفوں پر پیش، ایک پہاڑ کا نام، اس کا نام اُحُد اس لیے رکھا گیا کہ وہ الگ تھلگ واقع ہے اور دوسرے پہاڑوں سے متصل نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: اُحُد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔

[2] اور اتنی تاخیر روا نہ رکھی کہ انہیں کھالیں۔

۳۷۶۰ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِيْ غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَّاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَّمَفَازًا وَّعَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ لِيَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو اسے کسی دوسری جنگ کے ساتھ پوشیدہ[1] فرما دیتے۔ یہاں تک کہ وہ غزوہ[2] یعنی غزوۂ تبوک ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے لیے سخت گرمی میں نکلے، آپ نے دور دراز سفر[3]، جنگلوں[4] اور کثیر التعداد دشمن کا قصد فرمایا[5] تو آپ نے واضح طور پر مسلمانوں کو ان کا کام بتا دیا تاکہ وہ جنگ کی تیاری کر لیں[6] اور صحابہ کرام کو اس راستے کی خبر دی جس کا

یُرِیْدُ ۔ آپ ارادہ رکھتے تھے۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

لے وَرّٰی واؤ پر زبر اور راء مشدد، توریۃ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ہے کسی خبر کا پوشیدہ رکھنا اور دوسری خبر کی طرف متوجہ کر دینا، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ جہاد کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے تو لوگوں کو یوں تاثر دیتے کہ دوسری جگہ جا رہے ہیں، ایسی کارروائی ہوشمندی کی علامت ہے تاکہ تیاری بھی کر لی جائے اور دشمن کو خبر بھی نہ ہونے پائے یہ ایک جنگی چال ہے (تاکہ دشمن کے جاسوس خبردار نہ ہو جائیں) جیسے کہ فرمایا: اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ جنگ، ایک پرفریب چال ہے یہ توریہ، تعریض اور کنایہ کے طور پر تھا نہ کہ صراحت کے ساتھ، مثلاً ایک جگہ جنگ کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے تو دوسری جگہ کے حالات، اس کے راستے کی کیفیت دریافت فرماتے اور اس جانب خیمے لگا دیتے صراحۃً یوں نہ فرماتے کہ ہم فلاں جگہ جا رہے ہیں، تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے، جیسے کہ کہا گیا ہے ۔ شعر

سکندر کہ با شرقیاں حرب داشت

درِ خیمہ گویند در غرب داشت

کہتے ہیں کہ سکندر مشرق والوں کے ساتھ جنگ (کا ارادہ) رکھتا اور خیمے کا دروازہ مغرب کی طرف رکھتا۔

لے اس غزوہ کی طرف اشارہ کیا جو حضرت کعب بن مالک کی نسبت سے معروف و مشہور تھا اور وہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہیں نکلے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے، یہ مشہور واقعہ ہے اور قرآن پاک میں مذکور ہے، حضرت کعب کا مطلب یہ ہے کہ وہ غزوہ جس کی بنا پر میں ابتلاء اور آزمائش میں واقع ہوا تھا، پھر وہ کچھ ہوا جو ہو گیا۔ ہم نے اس واقعہ کو شرح سفر السعادۃ کے باب سجدۂ شکر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، یہ حسین و جمیل واقعہ اور عجیب حکایت ہے۔

لے کیونکہ تبوک، مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ہے اور مدینہ طیبہ سے وہاں تک چودہ مرحلے ہیں۔

لے بے آب و گیاہ میدانوں۔

لے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا جو ۹ ھ میں واقع ہوا۔

لے تَاَھُّبٌ تیاری کرنا اُھْبَۃٌ ہمزے پر پیش اور ہا ساکن۔

لے وِجْھَۃٌ اور جِھَۃٌ جانب، طرف، یہ پورا واقعہ اور وہ محنت و مشقت جو صحابہ کرام نے اس جگہ دیکھی کتب سیر میں مذکور ہے۔

۳۷۶۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنگ مکروفریب [1] ہے۔ (صحیحین)

[1] یعنی جنگ میں مکروفریب، غلبہ پا لینے اور جنگ کی زیادتی سے زیادہ مفید ہے، مثلاً کسی جگہ میدانِ جنگ سے منہ موڑ لیا جائے اور دشمن کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ لوگ جنگ سے کترا کر واپس جا رہے ہیں، تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر اچانک حملہ کر کے اسے ملیامیٹ کر دیا جائے اور اسی قسم کی دوسری چالیں لیکن مکر میں کھلا جھوٹ نہ بولے۔ خدعہ خاء پر زبر، پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ زبر زیادہ فصیح ہے، یعنی ایک مکر کے ساتھ جنگ کا پانسا پلٹ جاتا ہے، خاء کے نیچے زیر بھی آئی ہے، یعنی فریب کی ایک قسم، خاء پر پیش اور دال پر زبر (خُدَعَةٌ) بہت فریب دینے والا، یعنی دوسرے آدمی کے خیال میں ایک بات ڈالے اور اسے اس چیز کی توقع دلائے جب جنگ کرے تو اس کے خلاف ظاہر ہو جیسے ضُحَکَۃٌ اور لُعَبَۃٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت ہنسنے اور کھیلنے والا ہو۔

۳۷۶۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَيْمٍ وَّ نِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ مَعَهٗ اِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَآءَ وَ يُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام سلیم [1] اور کچھ انصاری عورتوں کے ہمراہ جہاد کے لیے نکلتے تھے، جب آپ جہاد کرتے تو یہ عورتیں [2] پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتیں [3] (مسلم)

[1] ام سلیم، حضرت انس کی والدہ، بڑی عقل مند اور سمجھ دار خاتون تھیں۔
[2] غازیوں کو۔
[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھی عورتوں کا پانی پلانے اور علاج معالجہ کے لیے نکلنا جائز ہے [1]

[1] اس حدیث سے موجودہ نرسنگ کے طریقہ کار کو جائز ثابت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ خواتین عمر رسیدہ اور بوڑھی تھیں، پھر یہ کہ وہ اپنے محرم مردوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور اگر نامحرم مردوں کی خدمت بھی کرتیں تو ضروری نہیں کہ ایک کا جسم بھی بلا پردہ دوسرے سے چھوتا ہو، نیز اس وقت تجربہ کار مردوں کی قلت بھی تھی، آج ستم یہ ہے کہ مردوں کی دیکھ بھال (بقیہ صفحہ آئندہ)

ور اگر مباشرت اور جنسی عمل کے لیے عورتوں کو ساتھ لایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ کنیزیں ہوں نہ کہ آزاد عورتیں۔

۳۷۶۳ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَ اُدَاوِي الْجَرْحٰى وَ اَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام عطیہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی، میں غازیوں کے بعد ان کی رہائش گاہوں میں رہتی تھی[2]۔ ان کے لیے کھانا تیار کرتی۔ زخمیوں کا علاج کرتی اور بیمار وں کی تیمارداری کرتی تھی۔ (مسلم)

[1] ام عطیہ جلیل القدر صحابیہ ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں جایا کرتی تھیں۔
[2] اور ان کے سازو سامان کی حفاظت کیا کرتی تھی۔

۳۷۶۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَ الصِّبْيَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں[1] اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

[1] کافروں کی عورتوں اور ان کے بچوں کے قتل سے منع فرمایا ——— ہدایہ میں ہے عورت، بچے شیخ فانی، اپاہج اور نابینا کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہمارے نزدیک قتل کی وجہ جواز جنگ پیدا کرنا ہے اور یہ لوگ جنگ نہیں کر سکتے۔

امام شافعی کا ہمارے ساتھ شیخ فانی اپاہج اور نابینا کے بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قتل کے جواز کی وجہ کفر ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا، آپ نے ایک عورت کی لاش دیکھی جسے قتل کیا گیا تھا، فرمایا: ہائے ہائے! یہ جنگ کرنے کے قابل نہ تھی اسے کیوں قتل کیا گیا ہے، ہاں اگر یہ لوگ جنگ کے بارے میں رائے دینے والے ہوں یا عورت ملکہ ہو یا

(بقیہ صفحہ سابقہ) پر جوان نرسوں کو مقرر کیا جاتا ہے اور عورتوں کے آپریشن تک مرد ڈاکٹر کرتے ہیں حالانکہ آج تربیت یافتہ مرد ڈاکٹروں کی طرح عورت ڈاکٹروں کی کمی نہیں ہے ۱۲ قادری)

جو ان لوگوں میں سے جنگ کرے اسے قتل کیا جائے گا، تاکہ اس کا شر دفع ہو۔

۳۷۶۵ وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِسَآئِهِمْ وَذَرَارِيْهِمْ قَالَ هُمْ مِّنْهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ هُمْ مِّنْ اٰبَآئِهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت صعب بن جثامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاقے کے ان مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا، جن پر شب خون مارا جائے اور ان کی عورتیں اور بچے[۲] قتل کر دیے جائیں[۳]۔ آپ نے فرمایا، وہ ان ہی سے ہیں[۴] اور ایک روایت میں ہے وہ اپنے آباء سے ہیں[۴]۔ (صحیحین)

۱؎ صعب صاد پر زبر اور عین ساکن دونوں بے نقطہ، ابن جثامہ جیم پر زبر، تین نقطے والی ثاء مشدد، حجاز کے علاقہ ودان اور ابواء میں مقیم ہوئے، ان کی حدیث اہل حجاز میں معروف ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا وصال ہوا۔

۲؎ مخلوط ہونے اور الگ الگ نہ ہونے کے سبب ذُرِّيَّةٌ اولاد، ذُرِّيَّاتٌ اور ذَرَارِيُّ یاء ساکن کے ساتھ اس کی جمع ہے۔

۳؎ یعنی عورتوں اور بچوں کے قتل کیے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ مشرک مردوں سے ہیں اور ان کے حکم میں ہیں۔ اس حدیث کے ظاہر سے عورتوں اور بچوں کے قتل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کا قتل جائز ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو شخص رات کی تاریکی کے مانع ہونے اور بچوں کے جنگ جو مردوں کے ساتھ ملے جلے ہونے کے سبب انہیں تیر، تلوار یا نیزے سے زخمی کر دے وہ گنہگار نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر عورتوں اور بچوں کو قتل کیے بغیر مردوں کو قتل نہ کیا جا سکے تو سب کا قتل جائز ہے۔ اور کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح مختلف احادیث میں مطابقت ہو جائے گی۔

۴؎ یعنی بچے اپنے آباء سے ہیں اور ان کے حکم میں ہیں، یہ دنیا میں ہے، اصح قول کے مطابق آخرت میں جنت میں ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں دوزخ میں ہوں گے اور بعض نے اس مسئلے میں توقف کیا ہے۔

۳۷۶۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر[۱] کے

وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرَ وَ حَرَّقَ وَ لَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ ۔

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ
حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

وَ فِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کھجوروں کے درخت کاٹ دیے اور جلا دیے ان ہی کے بارے میں حضرت حسان نے کہا: بنو لوی کے بیٹوں پر بویرہ کی پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی[2] اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: جو کھجوریں تم نے کاٹ دیں یا اپنی جڑوں پر کھڑی رہنے دیں[3] تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔

(صحیحین)

[1] بنوالنضیر نون پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن (غالبًا یہ کاتب کی غلطی ہے، ورنہ ضاد کے نیچے زیر ہے ۱۲ قادری) یہودیوں کے ایک قبیلے کا نام ــــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل حرب کے درختوں کو کاٹا اور جلایا جا سکتا ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ضرورت کے بغیر نہیں کاٹے جائیں گے کھجور کے یہ درخت یہودیوں کے آگے تھے، انہیں اس لیے کاٹ دیا گیا کہ جنگ کی جگہ ظاہر ہو جائے۔

[2] ھَوْنٌ آسان ہونا، سراۃ سین پر زبر، راء مخفف، قوم کے معزز لوگ، صراح میں ہے مروت جوانمردی بہادری، سخاوت اور مروت سَرِیٌّ جوانمرد اور سخی، اس کی جمع ہے سراۃ، لوی لام پر پیش، ہمزے پر زبر، بعض واؤ پڑھتے ہیں اور یاء مشدد۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اجداد میں سے اور نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ہے۔ بنی لوی سے مراد قریش کے وہ معزز حضرات ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا حریق آگ بویرہ تصغیر ہے۔ بورکی، بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات کی جگہ کا نام ہے۔ یہ اس وقت ہوا جب بنو نضیر نے عہد شکنی کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا ارادہ کیا، وحی نازل ہوئی اور ان کا ارادہ ظاہر کر دیا گیا لہٰذا انہیں خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا، ان کے باغات جلا دیے گئے اور ان کے گھر مسمار کر دیے گئے۔

[3] اور انہیں کاٹا نہیں۔

٣٧٦٧ / ٩ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عون[1] سے روایت ہے کہ حضرت نافع[2] نے یہ خبر دیتے ہوئے انہیں لکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَغَارَ عَلٰی بَنِی الْمُصْطَلِقِ غَارِّیْنَ فِیْ نَعَمِهِمْ بِالْمُرَیْسِیْعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَی الذُّرِّیَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

بنی المصطلق[3] پر اس حال میں حملہ کیا کہ وہ بے خبر مقام مریسیع[4] میں اپنے چوپایوں میں مشغول تھے۔ چنانچہ آپ نے جنگجوؤں[5] کو قتل کیا اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ (صحیحین)

[1] عبداللہ بن عون عین پر زبر، واؤ ساکن اور آخر میں نون، اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے حدیث سنی، ان کے علاوہ قاسم بن محمد، حسن بصری، ابن سیرین اور شعبی سے حدیث سنی۔ اُن سے ابن مبارک، حماد بن زید وغیرہ نے حدیث سنی۔ ابن مبارک نے فرمایا: میں نے ابن عون اور اوزاعی سے زیادہ فضیلت والا کوئی (محدث) نہیں دیکھا۔ یہ بھی فرمایا: جب ابن عون وصال فرما جائیں گے تو سب لوگ برابر ہو جائیں گے۔ ائمہ سلف نے ان کی بڑی تعریف کی ہے۔

[2] نافع، حضرت عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام۔

[3] بنی المصطلق میم پر پیش، صاد ساکن، طاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، بنی خزاعہ کی ایک شاخ۔

[4] مُریسیع میم پر پیش، راء پر زبر، یاء ساکن، سین کے نیچے زیر، اس کے بعد یاء پھر بے نقطہ عین، مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ، وہاں بنی المصطلق کا چشمہ تھا۔ غارّ راء مشدد، بمعنی غافل، غِرّۃ سے مشتق ہے، غین کے نیچے زیر فریب دینا ـــــ یعنی بنی المصطلق اس جگہ غفلت کی حالت میں قیام پذیر تھے اور ان کے چارپائے ان کے ساتھ تھے۔

[5] جو لڑائی کے قابل تھے یعنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ماسوا کو

۳۷۶۸/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا یَوْمَ بَدْرٍ حِیْنَ صَفَفْنَا لِقُرَیْشٍ وَصَفُّوْا لَنَا اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَعَلَیْکُمْ بِالنَّبْلِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَارْمُوْهُمْ وَاسْتَبْقُوْا نَبْلَکُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَحَدِیْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ

حضرت ابو اُسید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا، جب ہم نے قریش کے سامنے اور انہوں نے ہمارے سامنے صفیں بنا لیں[2] جب وہ تمہارے قریب آجائیں[3] تو تیر چلانا اور ایک روایت میں ہے جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیر بچا کر رکھنا[4] (بخاری)

حضرت سعد کی حدیث جس کی ابتداء میں ہے

سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ وَ حَدِيْثُ الْبَرَآءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

هَلْ تُنْصَرُوْنَ ۔ ہم باب فضل الفقراء میں بیان کریں گے اور حضرت براء کی حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا۔ باب المعجزات میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱؎ ابواسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر، بعض محدثین نے ہمزے پر زبر اور سین کے نیچے زیر پڑھی۔ پہلا طریقہ زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ انصاری صحابی ہیں۔ ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے۔

۲؎ جنگ کرنے کے لیے۔

۳؎ کہ تمہارے تیر اُن تک پہنچیں، کَثَبٌ تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، پہلے دونوں حرفوں پر زبر، نزدیکی، اِکْثَابٌ نزدیک ہونا۔ اَكْثَبَہٗ، اور لَہٗ اور بِہٖ اس کے قریب ہونا) کَثَبُوْکُمْ اور اَکْثَبُوْکُمْ ہمزے کے ساتھ اور اس کے بغیر، دونوں طرح روایت ہے۔

۴؎ یعنی تمام تیر نہ چلا دینا بلکہ کچھ باقی رکھنا، اگر سب تیر اُن پر برسا دو گے اور خالی ہاتھ رہ جاؤ گے تو وہ تم پر غالب آجائیں گے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۷۶۹/۱۱ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ ۔ عَبَّانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بدر میں رات کے وقت سیٹ کیا۔ ۱؎

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

۱؎ یعنی ہماری جگہوں کو ترتیب دیا، صفوں کو درست کیا اور ہر شخص کو اس کے لائق اور مناسب جگہ متعین کیا۔ عَبَّأَ الْجَيْشَ اور عَبَّا یا مشدد، ہمزے کے ساتھ اور اس کے بغیر لشکر کو تیار اور آمادہ کیا (دریہ سل کی) قاموس میں ہے تعبیہ جیش کا معنی ہے لشکر کو اس کے مقامات پر متعین کرنا۔

۳۷۷۰/۱۲ وَعَنِ الْمُهَلَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مہلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کافر تم پر شب خون

قَالَ اِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

اور تو چاہیے تمہاری علامت حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ ہو۔۲
(ترمذی، ابوداؤد)

لہ مہلب میم پر پیش، ہاء پر زبر، لام مشدد پر زبر۔ ان کی کنیت ابو سعید ہے۔ تابعی ہیں اور بصرہ کے تابعین کے پہلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر کی زیارت کی مگر ان سے روایت نہیں کی۔ صادق، دیدار، بہادر اور بابرکت شخصیت تھے۔ خراسان کے شہر مرو میں عبدالملک کے دور میں وصال ہوا۔ ان کی ولادت فتح مکہ کے سال ہے۔ اسی طرح جامع الاصول اور کاشف میں ہے۔

۲ تاکہ پہچان ہو جائے کہ مسلمان کون ہے؟ اور کافر کون؟ لشکر کے سپاہیوں میں اس قسم کی علامت طے کر لی جاتی ہے تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو کہ یہ شخص کس جانب سے تعلق رکھتا ہے؟ خصوصاً شب خون کے موقع پر کہ اشتباہ زیادہ ہوتا ہے۔ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور مطلب یہ ہے کہ خداوندا! کافروں کو مدد نہ دی جائے۔

$\frac{3771}{13}$ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَبْدُ اللّٰهِ وَشِعَارُ الْاَنْصَارِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مہاجرین کی علامت کلمہ عبداللہ اور انصار کی نشانی کلمہ عبدالرحمٰن تھا۔
(ابوداؤد)

$\frac{3772}{14}$ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ زَمَنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَا هُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ اَمِتْ اَمِتْ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں حضرت ابوبکر کی معیت میں جنگ کی تو ہم نے کافروں پر شب خون مارا۔ اس حال میں کہ ہم انہیں قتل کر رہے تھے۔ اور اس رات ہمارا نشان اَمِتْ اَمِتْ لہ تھا۔
(ابوداؤد)

لہ مار دے، مار دے۔ اللہ تعالیٰ سے خطاب ہے یا قاتل سے۔

$\frac{3773}{15}$ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ

قیس بن عبادؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جنگ کے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

وقت آواز کو ناپسند کرتے تھے۔[۲]
(ابوداؤد)

[۱] قیس بن عبادہ عین پر پیش، بامخفف، کہتے ہیں عباد جہاں بھی آیا ہے اس کے پہلے حرف پر زبر اور دوسرا حرف مشدد ہوتا ہے سوائے قیس بن عبادہ کے کہ اس کا پہلا حرف مضموم اور دوسرا مخفف ہے۔ بصرہ کے تابعین کے طبقۂ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تھوڑی حدیثیں روایت کی ہیں، ثقہ ہیں اور ذعلم کے اعتبار سے بہترین صالحین میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ شیعہ تھے، حضرت علی کو خدا مانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے تھے ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی، ابن اشعث کے ساتھ خروج کیا اور حجاج نے انہیں جبراً قتل کر دیا۔

[۲] یعنی بلند آواز نکالنے کو، بطور فخر وغیرہ، جیسے کہ لڑائی کرنے والوں کی عادت ہے۔ (کہ دشمن کو للکارنے اور خوفزدہ کرنے کے لیے آواز نکالتے ہیں۔ ۱۲ قادری) لیکن یہ ناپسندیدگی ذکر الٰہی کے ماسوا کے لیے تھی، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، اور یہ غالب احوال کے مطابق ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

۳۷۷۴ / ۱۶ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ اَیْ صِبْيَانَهُمْ ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سمرہ بن جندب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مشرکین کے بوڑھوں[۲] کو قتل کرو اور ان کے بچوں[۳] کو زندہ رکھو۔
(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] سمرہ بن جندب، انصار کے حلیف اور بکثرت احادیث روایت کرنے والے صحابی ہیں۔

[۲] اس سے وہ بوڑھے مراد ہیں جو طاقت ور ہوں، لڑائی کر سکتے ہوں اور جنگ کے بارے میں صاحب رائے و تدبیر ہوں۔

[۳] شرخ شین پر زبر، راساکن اور آخر میں نقطے والی خاء اس کی تفسیر بچوں کے ساتھ یا تو راوی نے کی ہے یا صاحب مصابیح نے۔ علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ شرخ کی تفسیر بچوں کے ساتھ اس لیے کی تاکہ یہ بوڑھوں کے مقابل ہو، لہٰذا شیوخ سے مراد طاقت ور اور جوان ہوں گے، اس لحاظ سے تقابل صحیح رہے گا۔ قاموس میں ہے کہ

شرخ، چڑھتی ہوئی جوانی ہے۔ اور یہ شارخ کی جمع ہے جس کا معنیٰ جوان ہے۔ جیسے راکب اور اس کی جمع رَکْبٌ "شرخ" بھی جمع آتی ہے۔ نہایہ میں ہے شرخ، نئی جوانی اور اس کی قوت کو کہتے ہیں، صراح میں ہے شرخ جوانوں کو کہتے ہیں، شارخ کی جمع ہے، جوانی کی ابتداء، "شُرُوخ" جمع، بچے کے جوان ہونے کو بھی کہتے ہیں۔

۳۷۷۵ / ۱۷ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ أُسَامَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهِدَ إِلَيْهِ قَالَ أَغِرْ عَلٰى أُبْنَا صَبَاحًا وَ حَرِّقْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت اسامہ[1] رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا کہ اُبنا[2] پر صبح کے وقت حملہ کرو اور جلا دو[3]۔ (ابوداؤد)

۱؎ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔

۲؎ اُبنا ہمزے پر پیش، با ساکن، آخر میں الف مکسورہ، شام میں عسقلان اور رملہ کے درمیان ایک جگہ کا نام۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کے علاقوں پر حملہ کرنا اور جلانا جائز ہے۔

۳۷۷۶ / ۱۸ وَعَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ إِذَا أَكْثَبُوْا فَارْمُوْهُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوْفَ حَتّٰى يَغْشُوْكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابواسید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا: جب کافر تمہارے قریب آ جائیں تو ان پر تیر برسانا اور تلواریں میان سے نہ نکالنا[2] یہاں تک کہ وہ تمہارے سر پر آ جائیں[3]۔ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت ابواسید کا ذکر پہلی فصل کے آخر میں گزر چکا ہے۔

۲؎ تَسُلُّوْا تا پر زبر اور سین پر پیش، سَلٌّ سے مشتق ہے، کسی چیز مثلاً تلوار اور چھری کا نرمی کے ساتھ کھینچنا۔

۳؎ اتنے قریب آ جائیں کہ تیر اندازی کی گنجائش نہ رہے۔

۳۷۷۷ / ۱۹ وَعَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِيْعِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت رباح بن ربیع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَرَاٰى النَّاسَ مُجْتَمِعِيْنَ عَلٰى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ اُنْظُرْ عَلٰى مَا اجْتَمَعَ هٰؤُلَآءِ فَجَآءَ فَقَالَ عَلَى امْرَاَةٍ قَتِيْلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلْ اِمْرَاَةً وَّلَا عَسِيْفًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کے ساتھ تھے آپ نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز پر جمع ہیں، آپ نے ایک صحابی کو بھیجا اور فرمایا۔ دیکھو یہ لوگ کس چیز پر جمع ہوئے ہیں؟ انہوں نے آکر عرض کی کہ ایک مقتول عورت پر جمع ہیں آپ نے فرمایا: یہ جنگ تو نہیں کر سکتی تھی[۲] لشکر کے اگلے حصے پر حضرت خالد بن ولید[۳] مقرر تھے۔ آپ نے ایک صحابی کو بھیجا اور فرمایا: خالد کو کہو کہ کسی عورت کو نہ قتل کرو اور نہ ہی کسی مزدور[۴] کو۔

(ابوداؤد)

[۱] حضرت رباح راء پر زبر، باء مخفف اور بے نقطہ حاء ابن الربیع، ربیع وہی لفظ ہے جس کا معنیٰ فصل بہار آتا ہے۔ بعض نے ربیعہ تاء کے ساتھ کہا ہے۔ زیادہ تر ربیع ہی آتا ہے بعض نے ان کا نام ریاح بیان کیا ہے۔ راء کے نیچے زیر اور دو نقطے والی یاء کے ساتھ، صحابی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

[۲] اسے کیوں قتل کیا گیا ہے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ جواز قتل کی وجہ جنگ ہے، جیسے کہ احناف کا مذہب ہے۔ ۱۲ قادری)

[۳] مشہور صحابی (جن کا شہرۂ آفاق لقب سیف اللہ ہے۔ ۱۲ قادری)

[۴] جو اجرت سے خدمت کرتا ہے، شارحین نے کہا کہ وہ مزدور مراد ہے جو جنگ نہ کرتا ہو۔

٣٧٧٨/٢٠ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَّلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَّلَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱] نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور رسول اللہ کے دین پر قائم رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی شیخ[۲] فانی، چھوٹے

امْرَاَةً وَّ لَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَ اَصْلِحُوْا وَ اَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

بچے[3] اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ اپنی غنیمتوں کو جمع کرو، آپس میں صلح کرو[4] اور احسان کرو[5] کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان[6] کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (ابوداؤد)

ل غازیوں کو روانہ کرتے ہوئے۔

۲ شیخ فانی وہ بوڑھا جس میں جنگ کرنے کی طاقت نہ رہی ہو اور فنا ہونے کے قریب ہو، فنا ختم ہو جانا۔

۳ صراح میں ہے طفل انسانوں اور جانوروں کا نوزائیدہ بچہ۔

۴ یعنی اگر مصلحت ہو تو کافروں کے ساتھ لڑائی جھگڑا ختم کر کے صلح کر لو (ظاہر یہ ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں صلح صفائی مراد ہے۔ ۱۲ قاری)

۵ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرو اور تمام نیک کام کرو۔

۶ احسان، درحقیقت وہ ہے جو حدیث جبریل میں آیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ (حدیث)

$\frac{۳۷۷۹}{۲۱}$ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَتَبِعَهُ اِبْنُهُ وَ اَخُوْهُ فَنَادٰى مَنْ يُبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهُ شَبَابٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ اَنْتُمْ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكُمْ اِنَّمَا اَرَدْنَا بَنِيْ عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قُمْ يَا حَمْزَةُ قُمْ يَا عَلِيُّ

حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن عتبہ بن ربیعہ[1] آگے نکلا۔ اس کے پیچھے اس کا بیٹا[2] اور بھائی[3] آیا، ربیعہ نے کہا کون[4] سامنے آئے گا؟ انصار کے نوجوانوں نے اسے جواب[5] دیا۔ اس ملعون نے کہا تم کون ہو[6]؟ انصاری جوانوں نے اسے بتایا[7] تو کہنے لگا ہمیں تمہاری حاجت نہیں ہے[8]۔ ہماری مراد تو صرف ہمارے چچا کے بیٹے ہیں[9]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمزہ تم اٹھو۔ علی تم اٹھو، عبیدہ بن حارث[10]

قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ حَمْزَةُ إِلَى عُتْبَةَ وَ أَقْبَلْتُ إِلَى شَيْبَةَ وَ اخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَ الْوَلِيْدِ ضَرْبَتَانِ فَأَثْخَنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مِلْنَا عَلَى الْوَلِيْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَ احْتَمَلْنَا عُبَيْدَةَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوٗدَ)

تم اٹھو، حضرت حمزہ عتبہ کی طرف متوجہ ہوئے[۱۱] میں[۱۲] شیبہ کی طرف متوجہ ہوا۔ حضرت عبیدہ اور ولید کے درمیان تلوار کے دو واروں کا تبادلہ ہوا[۱۳] اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے مقابل کو شدید زخمی کر دیا[۱۴]۔ پھر ہم ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے قتل کر دیا، اور حضرت عبیدہ کو[۱۵] اٹھا لیا۔

(احمد، ابوداؤد)

۱؎ عتبہ بن ربیعہ عین پر پیش، تاء ساکن، مشرکوں کے سرداروں اور قریش کے بدبختوں میں سے ایک فرد تھا۔

۲؎ ولید بن عتبہ۔

۳؎ شیبہ بن ربیعہ

۴؎ صف سے باہر آئے گا؟ تاکہ جنگ کرے۔

۵؎ یعنی اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے باہر آئے۔ شباب شین پر زبر، اور باء مخفف، شاب بمعنی جوان کی جمع۔

۶؎ اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو۔

۷؎ کہ ہم انصار ہیں۔

۸؎ اور تم سے کوئی غرض نہیں ہے۔

۹؎ جو کہ قریش ہیں اور مہاجرین جو ہمارے رشتے دار اور قریبی ہیں۔

۱۰؎ عبیدہ عین پر پیش اور باء پر زبر۔ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، عمر میں آپ سے بڑے اور قدیم الاسلام تھے۔ دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان لائے۔ حارث بن عبدالمطلب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اور آپ کے چچوں میں سے صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایمان لائے۔

۱۱؎ بعض روایات میں یہ اضافہ ہے فَقَتَلَهٗ اور اسے قتل کر دیا۔

۱۲له حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ——— بعض روایات میں اس جگہ بھی یہ اضافہ ہے۔ فَقَتَلْنَهُ تو ہم نے شیبہ کو قتل کر دیا۔

۱۳له مراح میں ہے اختلاف آنا جانا۔

۱۴له اِثْخَانٌ تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ، زخم لگا کر کسی کو سست کرنا اور زخمی کرنے میں مبالغہ کرنا۔ (گہرا زخم لگانا)

۱۵له میدان جنگ سے حضرت عبیدہ، جنگ بدر کے شہداء میں سے ہیں۔

۳۷۸۰/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَاَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَاَنَا فِئَتُكُمْ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ نَحْوَهُ وَقَالَ لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهُ فَقَالَ اَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمَيَّةَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثَ اَبِي الدَّرْدَاءِ اِبْغُوْنِيْ .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستے میں بھیجا، تو لوگوں نے گریز کی راہ اختیار کی[1] پس ہم مدینہ منورہ آکر وہاں[2] روپوش ہو گئے۔ اور کہا کہ ہم ہلاک ہو گئے[3] پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا[4] ہم راہ فرار اختیار کرنے والے ہیں، فرمایا بلکہ تم جنگ میں حملے پر حملہ کرنے والے ہو[5] اور ہم تمہاری جماعت ہیں[6] (ترمذی)

ابو داؤد کی روایت میں اس کی مثل ہے فرمایا: نہیں! بلکہ تم حملے پر حملہ کرنے والے ہو[7] ابن عمر فرماتے ہیں ہم قریب ہوئے اور آپ کے دست اقدس کو بوسہ دیا تو آپ نے فرمایا، ہم مسلمانوں کا گروہ ہیں[8]

ہم حضرت امیہ بن عبد اللہ کی حدیث كَانَ يَسْتَفْتِحُ " اور حضرت ابو الدرداء کی حدیث: اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ

فِیْ ضُعَفَآئِکُمْ فِیْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

ان شاءاللہ تعالٰی باب فضل الفقراء میں ذکر کریں گے۔[۱۰]

۱؎ شارحین نے اس جگہ دو احتمال بیان کیے ہیں۔

(۱) ناکس سے مسلمانوں کی یہی جماعت مراد ہو جو جہاد کے لیے گئی تھی اور راہِ فرار اختیار کر کے واپس آگئی تھی۔

(۲) دشمن مراد ہوں جنہوں نے مسلمانوں پر تند و تیز حملہ کیا، صراح میں ہے حَیْص، حُیُوص پلٹ جانا، راستے سے ایک طرف ہٹ جانا، اور قاموس میں ہے کہ حَیْص کا معنیٰ ہٹ جانا اور منع کرنا ہے۔ دوستوں کے لیے حَیْص استعمال کرتے ہیں اور دشمنوں کے لیے انہزام، لغت کے حوالوں سے پہلے معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔

۲؎ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کے سبب اور لوگوں سے شرماتے ہوئے۔

۳؎ اور ہم گنہگار ہو گئے، کیونکہ ہم دشمنانِ دین کے سامنے سے بھاگ آئے ہیں۔

۴؎ بطور معذرت اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے۔

۵؎ اور اس میں مبالغہ کرنے والے ہیں۔

۶؎ ان کی شرمندگی دور کرنے کے لیے فرمایا کہ تم حملے پر حملہ کرنے والے ہو جنہیں کرار کہا جاتا ہے، عکر کا معنیٰ ہے جنگ اور حملے کے لیے ایک طرف ہٹ جانا اور پلٹ جانا، یعنی اگر کوئی شخص اس نیت سے جنگ سے بھاگتا ہے کہ میں دوسرے لشکر تک پہنچ جاؤں اور اس سے مدد لے کر پھر جنگ کروں تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

۷؎ اور تمہارے مددگار ہیں۔

۸؎ اس روایت میں بَلْ سے پہلے کلمہ لا زیادہ ہے۔

۹؎ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا اپنی ذاتِ گرامی کو عظمت اور برکت کے اعتبار سے ایک جماعت قرار دیا، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً بے شک ابراہیم ایک جماعت تھے۔

۱۰؎ مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اسی باب میں ذکر کی گئی ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۷۸۱/۲۳ عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِیْقَ عَلٰی اَهْلِ الطَّآئِفِ۔

حضرت ثوبان بن یزید سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق[۱] نصب فرمائی۔

امام ترمذی نے یہ حدیث مرسلاً

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ مُرْسَلًا) روایت کی ۲؎

۱؎ منجنیق جیم کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ قاموس میں زیر بیان کرکے کہا وہ آلہ جس کے ذریعے جنگ میں پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ اسے منجنوق بھی کہتے ہیں۔ من چہ نیک (میں کتنا نیک ہوں)، کو عربی بنایا گیا ہے۔

۲؎ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثوبان بن یزید تابعی ہیں، لیکن ہمیں اسماء رجال کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں ملا۔

# بَابُ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ

## ۲۹۰۔ قیدیوں کے حکم کا بیان

اُسَرَاء ہمزے پر پیش، سین پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، اَسِیْر کی جمع، صراح میں ہے اَسْر تسمے سے باندھنا۔ اِسَار پہلے حرف کے نیچے زیر، تسمہ، اَسْر اور اِسَار کا معنیٰ قیدی کو غلام بنانا بھی ہے، جمع ہے اُسَرَاءُ، اَسَارٰی اور اَسْرٰی۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۷۸۲/۱ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجِبَ اللّٰہُ مِنْ قَوْمٍ یُّدْخَلُوْنَ الْجَنَّۃَ فِی السَّلَاسِلِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی ہوتا ہے جو پابند سلاسل جنت میں لائے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے جو جنت کی طرف زنجیروں کے ساتھ کھینچے جاتے ہیں۱؎۔ (بخاری)

۱؎ قود چار پائے وغیرہ کو آگے سے کھینچنا، سوق پیچھے سے چلانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد

اس وقت فرمایا جب بدر کے قیدی زنجیروں میں لائے گئے، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عجیب عنایت دیکھو کہ انہیں زنجیروں کے ساتھ جنت کی طرف کھینچتا ہے۔ اور حقیقت میں شرعی تکلیفات (احکام) بھی زنجیروں کا حکم رکھتی ہیں کہ ان کے ساتھ بندوں کو جنت کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

٣٧٨٣/٢ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ هُوَ فِيْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ اَصْحَابِهٖ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُطْلُبُوْهُ وَ اقْتُلُوْهُ فَقَتَلْتُهٗ فَنَفَّلَنِيْ سَلَبَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کر رہے تھے کہ اتنے میں مشرکین کا ایک جاسوس آپ کے پاس آیا اور آپ کے صحابۂ کرام کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا، پھر وہ پلٹ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تلاش کر کے قتل کر دو۔ میں[1] نے اسے قتل کر دیا، تو آپ نے اس کا سامان[2] مجھے عطا فرما دیا۔ (صحیحین)

[1] حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں۔

[2] کپڑے اور ہتھیار۔ نفل فا پر زبر، غنیمت، تنفیل غنیمت کا دینا، سَلَب پہلے دونوں حرفوں پر زبر، مقتول کے کپڑے اور ہتھیار جو اس سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

٣٧٨٤/٣ وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ اَحْمَرَ فَاَنَاخَهٗ وَ جَعَلَ يَنْظُرُ وَ فِيْنَا ضَعْفَةٌ وَّ رِقَّةٌ مِّنَ الظَّهْرِ وَ بَعْضُنَا مُشَاةٌ اِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَاَتٰى جَمَلَهٗ فَاَثَارَهٗ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ اَشْتَدُّ حَتّٰى اَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ

ان ہی سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوازن[1] کی جنگ کے لیے نکلے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناشتہ[2] ہی کر رہے تھے کہ ایک شخص سرخ اونٹ پر سوار آیا۔ اونٹ کو[3] بٹھا کر وہ شخص دیکھنے لگا، ہم میں کمزوری[4] اور سواریوں کی قلت تھی[5] ہمارے کچھ ساتھی پیدل تھے[6] اچانک وہ دوڑتا ہوا نکلا[7] اپنے اونٹ کے پاس آیا اور اسے اٹھایا، اونٹ اسے لے کر تیزی سے بھاگ پڑا، میں بھی

فَاَنَخْتُهٗ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِيْ فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ اَقُوْدُهٗ عَلَيْهِ رَحْلُهٗ وَ سِلَاحُهٗ فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ النَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوْا ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ لَهٗ سَلَبُهٗ اَجْمَعُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دوڑتا ہوا نکلا، یہاں تک کہ میں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے بٹھا دیا، پھر میں نے تلوار نکالی اور اس شخص کے سر پر وار کیا، پھر میں اونٹ کو اپنے پیچھے چلاتے ہوئے لے آیا۔ اس شخص کا سامان اور ہتھیار اونٹ پر لدے ہوئے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے میرا استقبال کیا، آپ نے فرمایا، اس شخص کو کس نے قتل کیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا سلمہ بن اکوع نے، آپ نے فرمایا اس کا سارا سامان اس کے لیے ہے۔ (صحیحین)

لے ہوازن ہا پر زبر، زا کے نیچے زیر، قیس کا ایک قبیلہ ہے۔

۲ے بعض شارحین نے کہا کہ یہ معنیٰ ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاشت کی نماز ادا کر رہے تھے۔

۳ے اِنَاخَۃٌ اونٹ کو بٹھانا۔

۴ے جسمانی کمزوری اور بدحال ہونا وغیرہ۔ ضَعْفَۃٌ ضاد پر زبر، عین ساکن، بروزن جَلْسَۃٌ ایک قسم کی کمزوری ایک روایت میں عین پر زبر ہے، اس وقت یہ ضعیف کی جمع ہوگی، بعض نسخوں میں بغیر تا کے بھی آیا ہے (ضَعْفٌ کمزوری)

۵ے یعنی اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ ہمارے پاس سواریاں کم ہیں۔

۶ے جن کے پاس بالکل سواری نہ تھی۔

۷ے صحابہ کرام کے درمیان میں سے، تاکہ ہمارے دشمنوں کو جا کر اطلاع دے، یہ شخص جاسوس تھا اور جاسوسی کے لیے آیا تھا۔

۸ے خطام خا کے نیچے زیر، مہار، نکیل

۹ے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کا جو جاسوس مسلمانوں میں آئے اسے قتل کرنا جائز ہے۔

۳۷۸۵ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ لے حضرت سعد بن معاذ لے کے حکم پر اترے، تو رسول اللہ

بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ فَجَآءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ قَالَ فَاِنِّيْ اَحْكُمُ اَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَ اَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو پیغام بھیجا، وہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور اپنے سردار کی طرف جاؤ حضرت سعد آکر بیٹھ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ تمہارے حکم پر اترے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجو قتل کیے جائیں اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ حضور نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ملک کی جگہ اسم جلالت (اللہ) کا ذکر ہے۔ (صحیحین)

لہ یہودیوں کا ایک قبیلہ اپنے قلعے سے اترا۔

۲ہ اکابر صحابہ اور مشاہیر انصار میں سے ہیں۔ قبیلہ اوس کے سردار تھے، بنو قریظہ، اوس کے حلیف اور ان کی امان میں تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے بعد پچیس روز قریظہ کا محاصرہ کیا، پھر وہ حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر نیچے اتر آئے کہ جو کچھ وہ فیصلہ کریں گے ہمارے لیے قابل قبول ہوگا۔ اُن کا خیال تھا کہ جب ہم ان کے عہد و امان میں ہیں تو وہ ہماری رہائی کے لیے کوشش کریں گے۔

۳ہ بنو قریظہ کو مخاطب کرتے ہوئے ——— مجلس میں آنے والے کے لیے جو حضرات کھڑے ہونے کے قائل ہیں جیسے کہ آج کل رواج اور معروف طریقہ ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قیام کا یہ حکم تعظیم و تکریم کے ارادے سے نہیں دیا گیا تھا، بلکہ اس بنا پر تھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زخمی تھے، غزوۂ خندق میں تیر ان کی ران میں لگا تھا۔ (معروف یہ ہے کہ ان کے بازو کی خون والی رگ میں تیر لگا تھا ۱۲ حاشیہ) وہ از خود سواری سے اتر نہیں سکتے تھے، اس لیے حکم دیا کہ ان کے پاس جاؤ اور انہیں اترنے میں مدد دو۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس بات کی تمہید ہو کہ حضرت سعد ان کے بارے میں جو حکم دیں گے وہ

اس کی اطاعت کریں گے۔

۵۴ کہ تم جو حکم کرو گے اسے قبول کریں گے۔

۵۵ یعنی وہ لوگ جو جنگ کے قابل ہیں۔

۵۶ جو علی الاطلاق بادشاہ ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق مَلِک، لام کی زیر کے ساتھ ہے، اور اس کی تائید بعد والی روایت سے ہوتی ہے، ایک روایت میں لام پر زبر ہے۔ مَلَک فرشتے کو کہتے ہیں اور اس سے جبریل امین علیہ السلام مراد ہوں گے، یعنی یہ وہ حکم ہے جو جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ جب حضرت سعد کا وصال ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی وفات پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش جھوم اٹھا ہے۔ رضی اللہ عنہ، پورا واقعہ کتب سیر میں مذکور ہے۔

۳۷۸۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَآءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ سَیِّدُ اَهْلِ الْیَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد[۱] کی طرف بھیجے، وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص یمامہ[۲] والوں کے سردار کو پکڑ لائے، جسے ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا اور اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف[۳] نکلے اور فرمایا: ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے[۴]؟ اس نے کہا اے محمد! میرے پاس بھلائی[۵] ہے۔ اگر آپ قتل کریں تو خون

(حاشیہ صفحہ سابقہ[۵۳]) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی آمد پر ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا سنت ہے۔ جن احادیث میں تعظیمی قیام سے منع فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سردار بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں۔ یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قیام تعظیمی نہ تھا بلکہ حضرت سعد بیمار تھے خود اتر کر نہ آ سکتے تھے ان کی مدد کے لیے یہ حکم دیا گیا مگر یہ توجیہ کمزور ہے ورنہ صرف ایک دو آدمیوں کو انہیں اتارنے کے لیے بھیج دیا جاتا۔ سب کو یہ حکم نہ ہوتا، قُوْمُوْا جمع ہے۔ نیز پھر سَیِّدِکُمْ نہ فرمایا جاتا بلکہ مَرِیْضِکُمْ ارشاد ہوتا۔ سَیِّدِکُمْ فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام سرداری کی وجہ سے تھا نہ کہ بیماری کی وجہ سے، چونکہ قیام کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بھیجنا تھا۔ اس لیے اِلٰی ارشاد ہوا قیام تعظیمی کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ ۱۲ مرآۃ۔

فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ
فَقَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ
خَيْرٌ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا
دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى
شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ
الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا
شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى
كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهُ مَا
عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ
عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ
تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ
وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ
وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ
فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ
فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ
بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ
يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا
قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ
عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ
ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ
الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا
شِئْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

والے کو قتل کریں گے اور اگر احسان فرمائیں تو شکر گزار پر احسان فرمائیں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیں۔ آپ جتنا مال چاہیں گے پیش کیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ کل ہوا، تو فرمایا، ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا میرے پاس وہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ احسان فرمائیں تو شکر گزار پر احسان فرمائیں گے اور اگر قتل کریں تو آپ خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو فرمائیں جتنا مال چاہیں گے پیش کر دیا جائے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا، حتیٰ کہ پرسوں کا دن آگیا، آپ نے فرمایا ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا میرے پاس وہی کچھ ہے جو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ احسان فرمائیں تو احسان شناس پر کرم کریں گے۔ اگر قتل کریں تو آپ خون والے کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو طلب کریں۔ آپ جتنا مال چاہیں گے پیش کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثمامہ کو رہا کر دو۔ چنانچہ وہ مسجد

أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهٖ إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِيْ وَأَنَا أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهٗ أَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ أَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ أَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

کے قریب کھجوروں کے درختوں کی طرف گئے، غسل کیا[12] پھر مسجد میں آکر کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور اس کے رسول ہیں، اے محمد! خدا کی قسم! میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہیں تھا، پس تحقیق اب میرے نزدیک آپ کا چہرہ[13] تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ ناپسند نہ تھا۔ آج آپ کا دین میرے لیے تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم! میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا۔ آج آپ کا شہر میرے لیے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے[14] آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا پس آپ کیا فرماتے ہیں[15]؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خوشخبری دی[16] اور انہیں عمرہ کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ مکرمہ آئے تو کسی[17] نے انہیں کہا: کیا تم بے دین ہوگئے[18]؟ انہوں نے کہا نہیں[19]۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَاللّٰهِ لَا تَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاخْتَصَرَهُ الْبُخَارِيُّ)

بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لایا ہوں[۱۰]۔ خدا کی قسم! یمامہ سے تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا یہاں تک کہ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔

(مسلم) امام بخاری نے اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔

۱؎ نجد نون پر زبر، جیم ساکن، اصل میں اس کا معنیٰ بلند زمین ہے، اس کے مقابل غور ہے جس کا معنیٰ پست جگہ ہے۔ نجد عرب کے کچھ شہروں کا نام ہے۔

۲؎ ایک قبیلے کا نام۔

۳؎ یمامہ یاء پر زبر، دونوں میم مخفف، یہ بھی کچھ شہروں کا نام ہے۔

۴؎ ثمامہ تین نقطوں والی ثاء پر پیش، دونوں میم مخفف بن اثال ہمزے پر پیش، تین نقطوں والی ثاء مخفف۔

۵؎ یعنی اس کے پاس تشریف لے گئے۔

۶؎ یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ کہ ہم تمہارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔

۷؎ یا یہ مطلب ہے کہ میرے پاس بہت مال ہے۔

۸؎ یعنی اس شخص کو قتل کریں گے جو قتل کیے جانے کا مستحق ہے، پس اس عبارت میں اپنے جرم اور اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے اور معذرت پیش کرنا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ اس شخص کو قتل کریں گے جس کا خون ساقط اور لغو نہیں ہے، اب اس میں اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں اپنی قوم کا سردار اور صاحب حیثیت شخص ہوں جس کا خون بے کار نہیں جائے گا، بلکہ میری قوم کے لوگ میرے خون کا دعویٰ کریں گے اور دشمنی پر کمر بستہ ہو جائیں گے، بعض روایات میں ذا ذِمّ نقطے والے ذال کی زیر کے ساتھ یعنی آپ ذمہ دار صاحب عہد اور معزز آدمی کو قتل کریں گے جو کسی چیز کا عہد کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔

۹؎ اور اس سے تعرض نہیں فرمایا۔

۱۰؎ دوسرے دن بھی یہی فرمایا۔

ـــــالہ تین دن تک یہ گفتگو ہوتی رہی اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باطن میں تصرف فرمایا۔
ـــــلہ اس جگہ کے کنوئیں کے پانی سے۔
ـــــلہ چہرے سے مراد ذات ہے، چونکہ ایک دوسرے کا آمنا سامنا چہرے ہی سے ہوتا اور دوستی دشمنی کا اثر اسی میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے ذات کو چہرے سے تعبیر کر دیا گیا۔
ـــــلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے، یہاں تک کہ محبوب کا علاقہ اور اس کے شہر بھی محبوب ہوتے ہیں، شعر ؎

وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَهْلِهَا وَلِلنَّاسِ فِیْ مَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

میرا مذہب یہ ہے کہ شہروں سے ان کے باشندوں کے سبب محبت رکھتا ہوں۔ اور محبوب کے بارے میں لوگوں کے مختلف مذاہب ہیں۔

ـــــلہ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا میں جاؤں اور عمرہ ادا کروں؟
ـــــلہ خیر و برکت اور سلامتی کی۔
ـــــلہ مکہ مکرمہ کے مشرکین میں سے۔
ـــــلہ کیا تم ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں چلے گئے ہو؟ یا یہ مطلب ہے کہ دین حق کو چھوڑ کر دین باطل اختیار کر لیا ہے۔ صبوت کا معنیٰ اصل میں میلان اور ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکلنا ہے جو شخص اسلام قبول کر لیتا مشرکین اسے صابی کہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس بنا پر صابی کہتے تھے کہ آپ نے (ان کے خیال میں) آباء و اجداد کا دین چھوڑ کر نیا دین اختیار کیا ہے۔
ـــــلہ دین حق سے دین باطل کی طرف منتقل نہیں ہوا (بلکہ میں پہلے بے دین تھا اب مجھے دین و ایمان نصیب ہوا ہے۔ ۱۲ قادری)

ـــــلہ اور دین حق، دین اسلام میں آیا ہوں اور دین یہی ہے جسے تم دین سمجھتے ہو وہ دین نہیں ہے (بے دینی ہے ۱۲ ق)

ـــــلہ امام مسلم نے یہ حدیث اس تفصیل اور طوالت کے ساتھ روایت کی ہے۔

۳۷۸۷/۶ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِیٍّ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں ؎ کے بارے میں فرمایا۔ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر ان پلیدوں کے بارے

حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ. میں ہم سے بات کرتا تو ہم اس کے لیے انہیں چھوڑ دیتے

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری)

لہ جبیر بن مطعم میم پر پیش، طا ساکن، عین کے نیچے زیر بن عدی بن نوفل بن عبد مناف، حضرت جبیر کی کنیت ابو محمد ہے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، بعض نے کہا کہ خیبر کے سال اور بعض نے کہا فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے، حضرت جبیر رضی اللہ عنہ رؤسائے قریش میں سے تھے سردار، صاحب علم، باوقار اور علم انساب اور ایام عرب کے عالم تھے، اس علم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے ۵۴ھ میں ان کا وصال ہوا۔ مشہور قول کے مطابق انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث حالتِ کفر میں سنی اور حالت اسلام میں روایت کی۔

۲ہ مجازی طور پر قیدیوں سے مراد عام معنیٰ ہے جو قیدیوں اور مقتولوں کو شامل ہے، یہ مشاکلت کے طریقے کے قریب ہے لہٰذا یہ سوال نہیں ہوگا کہ قیدیوں کی تعداد ستر تھی اور انہیں مطعم کی سفارش کے بغیر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور جو مقتول تھے اگر ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا تو وہ قیدی نہیں تھے، اور وہ جو کہتے ہیں کہ یہ قول قیدیوں کے بارے میں تھا اور مطلب یہ ہے کہ انہیں صحابۂ کرام سے گفتگو کیے بغیر ابتداءً بغیر کسی تردد کے چھوڑ دیا جاتا بعید ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ ہم انہیں چھوڑ دیتے، یہ ارشاد مقتولوں کے بارے میں ہے۔ الفاظ حدیث اور لفظ نتنیٰ (پلیدوں) کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ کفر کے اعتبار سے پلید مراد لینے کا بھی احتمال ہے۔

۳ہ حضرت جبیر کا والد۔

۴ہ اور ان پلیدوں کے بارے میں ہم سے سفارش کرتا۔

۵ہ اور انہیں اس کی خاطر قتل نہ کرتے۔ نتنیٰ دونوں نونوں پر زبر، اور تا ساکن نتن تا کے نیچے زیر، کی جمع ہے، گندہ ہونا، ان کا گندے ہونا یا تو ان کے کفر کے اعتبار سے ہے۔ یا اس بنا پر کہ ان کے جسموں کی طرف اشارہ ہے جو گندے ہو چکے تھے۔

مطعم بن عدی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا اور وہ یہ کہ جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تو اس نے آپ سے مشرکوں کو دفع کیا تھا، یا یہ ارشاد حضرت جبیر کو اسلام کی طرف رغبت دلانے اور ان کی تالیف قلب کے لیے فرمایا۔ حدیث میں بہترین انداز میں بدلہ دیا گیا ہے تاکہ مشرک کا آپ پر احسان نہ رہے۔ نیز مشرکین کے قتل کو غیر اہم قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ انہیں گندے اور پلید کہنے سے معلوم ہوا کہ الفاظ سے مشرک کی توہین جائز ہے۔

۳۷۸۸ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سَلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَاَعْتَقَهُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی مرد تنعیم کے پہاڑ[۱] سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے، وہ مسلح تھے، ان کا ارادہ یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی بے خبری سے فائدہ اٹھائیں[۲]۔ آپ نے انہیں زندہ سلامت پکڑ لیا[۳]، اور انہیں زندہ رہنے دیا، اور ایک روایت میں ہے پس انہیں آزاد کر دیا[۴] تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: خدا وہی ہے جس نے بطن[۵] مکہ میں ان کے ہاتھ[۶] تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا[۷]۔

(مسلم)

[۱] جبل تنعیم، مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلے پر مشہور جگہ ہے، جہاں سے لوگ عمرہ کرتے ہیں۔

[۲] اور انہیں تکلیف دیں۔ غرۃ نقطے والی غین کے نیچے زیر اور راء مشدد، غفلت، فریب۔

[۳] اس حال میں کہ وہ صلح کی بنا پر مطیع و فرمانبردار اور ذلیل و خوار تھے، سَلَما سین اور لام پر زبر، اطاعت و فرمانبرداری کا قبول کرنا ایک روایت میں سین کے نیچے زیر اور لام ساکن ہے۔ اس کا معنیٰ صلح ہے، ابن اثیر نے کہا کہ پہلا معنیٰ واقعہ کے زیادہ مناسب اور لائق ہے، کیونکہ وہ لوگ بطور صلح گرفتار نہیں ہوئے تھے، بلکہ غلبے اور زبردستی کی بنا پر پکڑے گئے تھے، پھر انہوں نے بے بسی اور بے چارگی کی بنا پر اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا، دوسرے معنیٰ کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ جب یہ لوگ عاجز آ گئے اور غلامی پر راضی ہو گئے تو گویا انہوں نے اس پر صلح کر لی، یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا اور آخر میں یہی صلح کا سبب بنا۔

[۴] اور قتل نہ کیا، گویا انہیں غلام بنا لیا پھر آزاد فرما دیا۔

[۵] مکہ مکرمہ کے درمیان اور اس کے آس پاس۔

[۶] اور ان کی طاقتوں کو روک دیا کہ وہ تم سے تعرض کریں اور تمہیں تکلیف پہنچائیں۔

[۷] کہ تم انہیں قتل کر دو۔

۳۷۸۹/۸ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَكَانَ إِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلٰثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهُ أَصْحَابُهُ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَيَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم دیا تو انہیں بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور پلید کنوئیں میں ڈال دیا گیا، اور حضور انور جب کسی قوم پر غالب آتے تو میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے۔ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ نے اپنی سواری کے بارے میں حکم دیا۔ اس پر پالان باندھا گیا، پھر آپ چلے اور آپ کے صحابہ آپ کے پیچھے چلے، یہاں تک کہ آپ ان کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور مُردوں کو ان کے اور ان کے آباء و اجداد کے ناموں سے پکارنے لگے، اے فلاں ابن فلاں! اور اے فلاں ابن فلاں! کیا تمہیں اب یہ بات اچھی لگتی ہے؟ کہ تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ پس بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے حق پایا، تو کیا تم نے بھی وہ حق پایا۔ جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ان بے جان جسموں سے کیا گفتگو فرما رہے ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی

مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَّا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لَّا يُجِيْبُوْنَ ۔

جس کے قبضے میں محمد مصطفٰے کی جان ہے تم میری گفتگو کو ان سے زیادہ نہیں سنتے اور ایک روایت میں ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَّ تَصْغِيْرًا وَّ نِقْمَةً وَّ حَسْرَةً وَّ نَدَامًا ۔

امام بخاری نے اضافہ کیا کہ قتادہ نے کہا[1] اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا یہاں تک کہ زجر، تحقیر، انتقام، حسرت اور ندامت کے لیے حضور کا فرمان انہیں سنایا۔

[1] حضرت قتادہ مشہور تابعی ہیں۔

[2] حضرت ابوطلحہ، حضرت انس کی والدہ کے شوہر۔

[3] صنادید جمع صندید کی صاد کے نیچے زیر، سردار اور قوم کا بڑا آدمی، مَطَرٌ صِنْدِيْدٌ بڑے چھینٹوں والی بارش سخت اور تیز ہوا اور بارش کو صندید کہتے ہیں۔

[4] طوی طاء پر زبر، واؤ کے نیچے زیر، یاء مشدد، وہ کنواں جس کے اردگرد پتھر لگائے گئے ہوں۔ مُخْبِثٌ میم پر پیش، خاء ساکن، پلید کرنے والا کنواں۔ علامہ طیبی نے خبیث مُخْبِث کا معنیٰ فاسد اور فاسد کرنے والا بیان کیا ہے۔ اس کنوئیں میں یہ صفت یا تو زمانہ قدیم سے تھی کہ لوگ اس میں مردار اور غلاظتیں پھینکتے تھے یا اس لیے وہ کنواں اس صفت کا حامل ہو گیا کہ ان پلیدوں کی لاشیں اس میں ڈال دی گئی تھیں۔

[5] عرصہ عین پر زبر، راء ساکن، ہر وہ فراخ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔ اس جگہ میدان جنگ مراد ہے۔

[6] رکی راء پر زبر اور یاء مشدد، کنواں۔ جیسے کہ طَوِيٌّ کا یہی معنیٰ ہے۔ ایک روایت میں عَلٰى قَلِيْبِ بَدْرٍ آیا ہے۔ قلیب کا معنیٰ بھی کنواں ہے۔ جس کی تعمیر نہ کی گئی ہو۔ طَوِيٌّ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی تعمیر کی گئی ہو۔ اس اعتبار سے دونوں روایتوں میں منافات لازم آئے گی، طَوِيٌّ مطلق کنوئیں کو بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا منافات نہیں ہے ۱۲ قادری)

[7] اور ان پر ایمان لائے ہوتے۔

[8] یعنی اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ دین اسلام حق ہے اور جو کچھ خدا اور رسول نے فرمایا تھا وہ حق ہے۔

۹ یعنی یہ مردے ہیں اور سنتے نہیں ہیں، ان سے گفتگو کیسی؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟

۱۰ یعنی یہ تم سے زیادہ سننے والے ہیں یا تمہارے برابر ہیں۔

۱۱ مردوں سے گفتگو کو بعید جاننے اور ان کے سننے کا انکار کرنے کا جواب دیتے ہوئے۔

۱۲ یاد رہے کہ یہ حدیث صحیح اور امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کا سننا ثابت ہے اور جس چیز کے ساتھ انہیں خطاب کیا جائے اس کا انہیں علم حاصل ہوتا ہے، اسی طرح امام مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے مدفون حضرات کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے انہیں مخاطب کر کے سلام کیا اور فرمایا: اے مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو تمہیں وہ چیز پہنچی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، کیونکہ جو شخص سنتا اور سمجھتا نہیں ہے اس کے ساتھ خطاب معقول نہیں ہے۔ ایسا فعل بے فائدہ شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی مکہ مکرمہ میں واقع قبر کی زیارت کرتیں تو انہیں مخاطب کر کے کہتیں کہ اگر میں تمہاری وفات کے وقت حاضر ہوتی تو تمہیں اسی جگہ دفن کرتی جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی۔ اگر میں اس وقت حاضر ہوتی تو اب تمہاری زیارت نہ کرتی۔ جیسے کہ باب زیارۃ القبور میں گزرا۔

علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ اکثر مشائخ اس کے قائل ہیں کہ مردہ نہیں سنتا، انہوں نے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر اس کی وفات کے بعد اس سے گفتگو کی تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ قسم اس شخص کے بارے میں منعقد ہوتی ہے جو سمجھنے کی قابلیت اور حیثیت رکھتا ہے اور مردہ اس طرح نہیں ہے۔

مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ مردہ، لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس جماعت نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سننا اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ یہ سوال و جواب کے لیے تیاری ہے، حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، ظاہر حدیث یہ ہے کہ مردے کو یہ حالت قبر میں حاصل ہے، اس باب میں ذکر کی گئی حدیث جو اس جماعت کے مذہب کے خلاف نص ہے کبھی تو اس جماعت نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور آپ کا معجزہ ہے، کافروں کی حسرت میں اضافہ کرنے کے لیے، مخفی نہ رہے کہ حدیث کو اس مطلب پر محمول کرنا محض احتمال ہے اور ایسی تاویل ہے جس پر اس وقت تک محمول نہیں کر سکتے جب تک کہ سننے کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ سنانے پر قادر ہے اور حواس کا علم کے لیے سبب ہونا امر

عادی اور محض اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہے، جیسے کہ کتب مذہب میں ثابت ہو چکا۔
اور کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ گفتگو بطور مثال ہے حقیقت کلام مراد نہیں ہے۔ یہ جواب پہلے جواب سے زیادہ بعید اور زیادہ کمزور ہے۔ باقی رہی قسمیں تو ان کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے نہ کہ حقیقت پر، فافہم۔
اس جماعت کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس روایت کو رد کیا ہے، جب انہوں نے یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی تو کہنے لگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کس طرح فرما سکتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اے حبیب! تم مردوں کو نہیں سناتے، اور نہ ان لوگوں کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں، اسی طرح علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ اب تم جانتے ہو کہ جو کچھ ہم کہتے تھے حق ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ حضرت عمر کو وہم ہوا جس کی بنا پر انہوں نے جاننے کی بجائے سننے کا ذکر کر دیا۔
خلاصہ یہ کہ حضرت عائشہ نے مردوں کے سننے کا انکار کیا اور قرآن پاک کی مذکورہ دو آیتوں سے استدلال کیا، لیکن علماء نے حضرت عائشہ کے ارشاد اور ان کے قرآن پاک سے استدلال کا جواب دیا ہے اور حضرت عائشہ کے اس ارشاد کو قبول نہیں کیا۔

مواہب لدنیہ میں اسماعیل سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ کو فہم و ذکا، کثرت روایت اور علوم غامضہ میں غور و خوض میں وہ مقام حاصل تھا کہ اس سے زیادہ متصور نہیں ہے، لیکن کسی ثقہ شخصیت کی روایت کو اس وقت تک رد نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ کوئی نص اس کی مثل پیش نہ کی جائے جو اس روایت کے منسوخ، یا مخصوص یا محال ہونے پر دلالت کرے، قرآن پاک کی آیت سے مراد یہ ہے کہ اے حبیب! تم نہیں سناتے بلکہ اللہ تعالیٰ سناتا ہے نیز مَوْتٰی اور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے مراد کافر ہیں اور سماع کی نفی سے مراد حق کو قبول نہ کرنا ہے (مطلب یہ ہوا کہ اے حبیب! حق کو قبول کرانا تمہارا کام نہیں ہے۔ ۱۲ ق)
اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت کافروں کو ایمان کی دعوت دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے بارے میں وارد ہوئی، اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ موتیٰ سے مراد مردہ دل لوگ ہیں، اور قبور سے مراد ان کے اجسام ہیں جن میں ان کے مرے ہوئے دل پڑے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ محمد بن اسحاق نے مغازی میں سند جید سے اور امام احمد بن حنبل نے بھی سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہ سے حضرت عمر کی حدیث جیسی حدیث روایت کی ہے، گویا حضرت عائشہ نے انکار

سے رجوع کر لیا تھا، کیونکہ ان کے نزدیک اکابر صحابہ کی روایت ثابت ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ خود اس واقعہ میں حاضر نہیں تھیں۔ شروح بخاری میں بھی ایسا ہی کلام واقع ہوا ہے۔

علماء کی وہ جماعت جو سماع موتیٰ کی قائل ہے انہوں نے حضرت قتادہ کے قول سے استدلال کیا ہے جو حدیث کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ اس قول کا حاصل یہ ہے کہ مردوں کو قبروں میں زندگی کی ایک قسم اور ایک حالت عطا کی جاتی ہے جس سے سماع حاصل ہوتا ہے۔ حضرت قتادہ کے اس قول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہیں ہے کہ یہ سماع بطور معجزہ واقع ہوا ہو، اور نہ ہی ان مردوں کی تخصیص ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ حالت تمام مردوں میں پیدا کر دے خواہ وہ کوئی بھی شخص ہو اور کسی بھی زمانے سے تعلق رکھتا ہو، خوب اچھی طرح غور و فکر کیجیے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اس جگہ ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ فرض کیجیے! ہم سماع سے تنزل کرتے ہیں، کیونکہ سننا، حس سامعہ سے ہوتا ہے اور بدن کی خرابی کی وجہ سے قوت سامعہ بھی خراب ہو جاتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ سننے کی نفی سے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ علم روح کی صفت ہے اور روح باقی ہے، لہٰذا دیکھی اور سنی جانے والی چیزوں کا علم ہوگا لیکن دیکھنے اور سننے سے نہیں ہوگا، جیسے کہ بعض متکلمین نے اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کی تاویل، سنی اور دیکھی جانے والی چیزوں کے علم سے کی ہے، اور تحقیق اخبار و آثار سے ثابت ہے کہ مردے، زیارت کرنے والوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں، یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جمعہ کے دن زیارت زیادہ محبوب ہے، کیونکہ اس دن میت کا علم زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے اور زائرین کے حالات ان پر زیادہ ظاہر اور واضح ہوتے ہیں۔ نیز مردوں کو آخرت اور برزخ میں علم کے حاصل ہونے اور دین اسلام کی حقانیت کا علم حاصل ہونے میں شک نہیں ہے۔ جیسے کہ ام المومنین عائشہ نے فرمایا اور حدیث کی مراد میں یہ متفق علیہ امر ہے، پس دنیا اور احوال دنیا کا علم بھی ممکن ہے۔ اور جب روح باقی ہے تو اس علم کے زائل ہو جانے اور بھول جانے پر کیا دلیل ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ کفار، دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریں گے، یہ بھی آیا ہے جب میت، منکر نکیر کے سوال کا جواب خیر سے دے دے گا اور راحت پائے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! کوئی ہوتا جو میرے گھر والوں کو خبر دیتا کہ میں راحت میں ہوں اور خوش ہوں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کتاب و سنت ایسی چیزوں سے پُر ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ مردوں کو دنیا اور دنیا والوں کا علم ہوتا ہے، پس اس کا انکار وہی کرے گا جو احادیث سے جاہل ہو اور دین کا منکر ہو۔ میں نے بیان کر دیا اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اہل قبور سے استمداد کا بعض فقہاء نے انکار کیا ہے۔ ان کا انکار اگر اس بناء پر ہے کہ اہل قبور کو زائرین اور ان کے

احوال کا علم نہیں ہے اور وہ ان کی بات نہیں سنتے تو اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے اور اگر انکار اس بنا پر ہے کہ اہلِ قبور کو اس جگہ قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ امداد کریں، بلکہ وہ قید ہیں انہیں منع کیا گیا ہے اور وہ لاحق ہونے والی محنت اور سختی میں مصروف ہیں جس نے انہیں دوسروں سے روک رکھا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے خصوصاً متقین جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کی روحوں کو برزخ میں، قرب اور قدر و منزلت حاصل ہو جائے اور ان کا وسیلہ پکڑنے والے زائرین کی حاجتوں کی طلب، دعا اور شفاعت کی قدرت مل جائے، جیسے کہ قیامت کے دن ہوگا، اس کی نفی پر کونسی دلیل ہے؟

علامہ بیضاوی نے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا الآیہ کی تفسیر بدن سے جدا ہوتے وقت نفوسِ فاضلہ کی صفات کے ساتھ کی ہے کہ انہیں جسموں سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور وہ خوشی خوشی عالم ملکوت کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہاں سیر کرتے ہیں اور حظائر قدس کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ پس وہ شرافت اور قوت میں مُدبّرات میں سے ہو جاتے ہیں۔

کاش کہ ہمیں علم ہوتا کہ یہ فرقہ جس استمداد اور امداد کا انکار کرتا ہے۔ اس سے مراد کیا ہے؟ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج اور فقیر دعا کرنے والا، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور بارگاہ عزت و بے نیازی سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب اور معظم اس ہستی کی روحانیت کو وسیلہ بناتا ہے اور کہتا ہے خداوندا! اس بندۂ کرم کی برکت سے جس پر تو نے رحمت اور سرفرازی نچھاور فرمائی ہے اور تیرا خاص لطف و کرم اس کی طرف مبذول ہے۔ میری حاجت بر لا کہ تو کریم حاجت روا ہے۔ یا اس بندۂ مکرم کو ندا کرتا ہے اے بندۂ خدا! اور اے اللہ تعالیٰ کے ولی میری سفارش کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میرا مقصد و مدعا پورا فرمائے اور میری حاجت بر لائے۔ پس عطا فرمانے والا، اور جس سے سوال اور امید ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے۔ قادر، فاعل اور وجود میں تصرف فرمانے والا صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے فعل، اس کی قدرت اور اس کے غلبے کے سامنے فانی اور عاجز ہیں، ان کے لیے فعل، قدرت اور تصرف نہ اب ثابت ہے جب کہ وہ قبروں میں ہیں اور نہ ہی اس وقت ثابت تھا جب وہ دنیا میں زندہ تھے۔ امداد و استمداد اس معنیٰ کے لحاظ سے جو ہم نے ذکر کیا اگر موجب شرک اور ماسوی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا سبب ہے۔ جیسے کہ منکر گمان کرتا ہے تو چاہیے کہ صالحین اور اولیاء اللہ کی حیات ظاہری میں بھی ان سے توسل اور ان سے دعا کی درخواست ممنوع ہو، حالانکہ یہ ممنوع نہیں ہے بالاتفاق مستحب اور مستحسن ہے بلکہ دین میں شائع اور متعارف ہے اور اگر کہیں کہ یہ حضرات وفات کے بعد معزول ہو گئے ہیں اور اس حالت اور کرامت سے باہر جا چکے ہیں جو انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی تو ہم پوچھتے ہیں اس پر کیا دلیل ہے۔ اور اگر کہیں کہ وفات کے بعد لاحق ہونے والی آفات

کے سبب انہیں روک دیا گیا ہے اور وہ ان آفات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ یہ مشغولیت قیامت کے دن تک مسلسل جاری رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مخلوق کی طرف توجہ ہمیشہ نہ ہو اور استمداد کا فائدہ عام نہ ہو، بلکہ ممکن ہے کہ بعض حضرات عالمِ قدس کی طرف منہمک ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرف ان کی محویت کا یہ عالم ہو کہ نہ تو ان کی توجہ دنیا کی طرف ہو اور نہ ہی انہیں احساس ہو، اور وہ دنیا میں کوئی تصرف اور تدبیر بھی نہ کر سکتے ہوں، جیسے کہ اس جہان میں بھی مجذوبوں اور اصحابِ ہوش کے حال کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

ہاں اگر زائرین کا یہ عقیدہ ہو کہ اہلِ قبور مستقل طور پر متصرف اور قادر ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے درخواست کرنے کی حاجت نہیں ہے، جیسے جاہل اور غافل عوام عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو دین میں حرام اور ممنوع ہیں مثلاً قبر کو بوسہ دینا، اسے سجدہ کرنا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا وغیرہ ایسے امور جن سے منع کیا گیا ہے اور ڈرایا گیا ہے۔ تو یہ عقیدہ اور یہ افعال ممنوع اور حرام ہوں گے، عوام کا فعل لائقِ اعتبار نہیں ہے بلکہ بحث ہی سے خارج ہے۔ حاشا وکلا کہ شریعت کا عالم اور احکامِ دین کی خبر رکھنے والا ایسا عقیدہ رکھے اور ایسا کام کرے۔

کاملین کی ارواح سے اہلِ کشف مشائخ کی استمداد اور استفادہ کی روایات بے شمار ہیں اور ان کی کتابوں اور رسائل میں مذکور ہیں اور ان میں مشہور و معروف ہیں۔ ہمیں ان کے ذکر کی حاجت نہیں ہے، ہو سکتا ہے بزرگانِ دین کے کلمات متعصب منکر کو فائدہ نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محرومی سے بچائے، اس جگہ گفتگو علم اور شریعت کی بنا پر ہے ہاں زیارتِ قبور کے بارے میں مروی اور مسنون یہ ہے کہ اہلِ قبور کو سلام کہا جائے، ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور قرآن پاک کی تلاوت کی جائے لیکن اس جگہ استمداد سے ممانعت نہیں ہے۔ پس زیارت، اہلِ قبور کی امداد اور ان سے استمداد کے لیے دونوں طرح ہوتی ہے۔ اس معاملے میں زائرین اور جن کی زیارت کی جاتی ہے دونوں کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔

یاد رہے کہ اختلاف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ میں ہے، کیونکہ انبیاء کرام زندہ ہیں حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ اور اولیاء زندہ ہیں اُخروی اور معنوی زندگی کے ساتھ، اس جگہ کلام طویل ہو گیا، کچھ عرصہ سے ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو ان اولیاء اللہ سے استمداد و استعانت کا منکر ہے جو دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خوشحال اور رزق دیے جاتے ہیں لیکن لوگوں کو شعور نہیں ہے، منکرین، ان حضرات کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست جانتے ہیں اور جو ان کی زبان پر آتا ہے کہتے ہیں عرصہ دراز سے اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل میرے دل میں تھی، آج توفیقِ الٰہی نے اس کے بیان کرنے میں یاوری کی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے

بچنے کی ہمت عطا فرما۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم

۳۷۹۰ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَآءَهٗ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ سَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَ اِمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ جَآءُوْا تَآئِبِيْنَ وَ اِنِّیْ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُّطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَ مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِيْءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، جب ہوازن کا وفد اسلام لاکر حاضر ہوا، انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے اموال اور قیدی ہمیں واپس کیے جائیں، آپ نے فرمایا: دونوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو، قیدی یا مال، انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ کی تعریف اس چیز سے کی جو اس کے لائق ہے، پھر فرمایا، حمد وثنا کے بعد! تمہارے بھائی تائب ہوکر آئے ہیں اور ہماری رائے یہ ہے کہ ہم ان کے قیدی انہیں واپس کردیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص پسند کرتا ہے کہ خوش دلی سے ایسا کرے تو وہ اس طرح کرے اور تم میں سے جو شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے حصے پر رہے یہاں تک کہ ہم اسے اس پہلے مال میں سے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے تو وہ یہ طریقہ اختیار کرے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا ہم خوش دلی سے یہ کام کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی؟ تم واپس جاؤ، حتیٰ کہ تمہارے

اِنَّا لَا نَدْرِیْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ یَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰی یَرْفَعَ اِلَیْنَا عُرَفَاؤُكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اِنَّهُمْ قَدْ طَیَّبُوْا وَ اَذِنُوْا۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

نمائندے ہمارے سامنے معاملہ پیش کریں[1] چنانچہ صحابہ کرام لوٹ گئے، اور ان کے نمائندوں نے ان سے گفتگو کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ صحابہ کرام نے خوش دلی سے اجازت دے دی ہے[1]
(بخاری)

۱ مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ہجرت کے دوسرے سال، اور بعض نے کہا جنگ خندق کے سال۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد کو مدینہ بدر کر کے طائف کی طرف بھیج دیا تھا، وہ حضرت عثمان بن عفان کی خلافت تک وہیں رہا، جب حضرت عثمان کی خلافت کا دور آیا تو مدینہ منورہ آگیا۔ مروان بھی اپنے والد کے ہمراہ آیا اور ۶۵ھ میں وفات پائی، کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ سے حدیث سنی۔ اُن سے حضرت عروہ بن زبیر اور امام جلیل حضرت زین العابدین علی بن حسین نے حدیث سنی اور یہ امر غریب ہے۔ یزید یا اس کے بیٹے معاویہ بن یزید کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا اور باقی احوال اپنی جگہ مذکور ہیں۔

۲ مسور میم کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین ساکن بن مخرمہ میم پر زبر، نقطے والی خاء ساکن اور راء پر زبر، قریشی زہری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے اور کم عمر صحابی ہیں۔ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہجرت کے دوسرے سال ہوئی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ آئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ کے ارشادات سنے اور انہیں یاد رکھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک وہیں رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے۔ یزید کی حکومت تک وہیں رہے لیکن اس کی بیعت نہیں کی۔ حضرت ابن زبیر کے واقعہ شہادت میں آپ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پتھر آ کر آپ کو لگا اور آپ شہید ہو گئے۔ ان سے حضرت عروہ اور امام زین العابدین وغیرہما نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو مروان اور حضرت مسور دونوں نے روایت کیا ہے۔

۳ اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

۴؎ ہوازن ایک قبیلے کا نام ہے، غزوہ ہوازن جسے غزوہ حنین بھی کہتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد تھا اور اس میں بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔

۵؎ طائفہ کسی چیز کے حصے کو کہتے ہیں خواہ وہ جان ہو یا مال، انسان ہوں یا اس کے علاوہ۔

۶؎ جو ہمیں مال سے زیادہ عزیز ہیں۔

۷؎ جیسے کہ خطبے میں حمد وثنا کرتے ہیں۔

۸؎ یعنی ہوازن، انہیں مسلمان ہونے کی بنا پر نیز ان پر رحم اور شفقت کی اپیل کرنے کے لیے بھائی فرمایا۔

۹؎ معاوضے کے بغیر۔

۱۰؎ یعنی جو قیدی اس کے حصے میں آئے ہیں انہیں معاوضے کے بغیر واپس نہ کرے۔

۱۱؎ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پابند نہیں فرمایا کہ بغیر معاوضے کے اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں، بلکہ انہیں اختیار دیا، یہ نرمی، رعایتِ حقوق اور صحابہ کرام کے امتحان کے زیادہ لائق ہے۔

۱۲؎ یعنی اجازت دینے والے اور نہ دینے والے ہم پر مشتبہ ہو جائیں گے۔

۱۳؎ رفع قضیہ کا معنیٰ ہے کسی واقعہ کو والی اور حاکم کے سامنے پیش کرنا، عرفاء جمع ہے عارف اور عریف کی، پہچاننے والا، قوم کا کارگزار اور رئیس۔

۱۴؎ کہ ہوازن کے قیدی ان کے حوالے کر دیے جائیں۔

۳۷۹۱/۱۰ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيْفُ حَلِيْفًا لِبَنِىْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيْفُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ بَنِىْ عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِى الْحَرَّةِ فَمَرَّ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثقیف؎۱ بنی عقیل کے حلیف تھے ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنی عقیل کے ایک مرد کو گرفتار کر لیا؎۲ اور باندھ کر تپتی ہوئی سنگلاخ زمین؎۳ میں ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے پکارا۔ اے محمد! اے محمد! مجھے کس جرم میں پکڑا گیا ہے؟ فرمایا: تمہارے حلیف، ثقیف کے جرم کے سبب؎۴، پس آپ لے اسے وہیں چھوڑا اور

يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ ! فِيْمَ اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَآئِكُمْ ثَقِيْفٍ فَتَرَكَهٗ وَ مَضٰى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ فَقَالَ مَا شَاْنُكَ قَالَ اِنِّيْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَ اَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذِيْنَ اَسَرَتْهُمَا ثَقِيْفٌ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگے بڑھ گئے، اس نے پھر پکارا اے محمد! اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہربانی فرمائی اور واپس تشریف لاکر فرمایا، تمہارا کیا حال ہے؟[6] اس نے کہا میں مسلمان ہوں[7]۔ فرمایا: اگر تم نے یہ بات اس وقت کہی ہوتی جب تم اپنے معاملے کے مالک[8] تھے تو مکمل کامیابی[9] حاصل کرتے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان دو مردوں کے بدلے فدیہ دے دیا جنہیں ثقیف نے قید کر رکھا تھا۔

(مسلم)

۱؎ عمران بن حصین حا پر پیش، صاد پر زبر دونوں بے نقطہ، مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ ثقیف تین نقطے والی ثا پر زبر، قاف کے نیچے زیر، ہوازن کے مشہور قبیلے کا نام، بنی عقیل عین پر پیش قاف پر زبر، یہ بھی ایک قبیلے کا نام ہے۔ عرب کے قبائل باہمی معاہدہ کرتے تھے کہ اچھے اور برے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ جب عہد اسلام آیا تو جاہلیت کے جو معاہدے حق کے موافق تھے انہیں برقرار رکھا گیا اور جو حق کے خلاف تھے انہیں ختم کر دیا گیا اور مسلمانوں نے کہا کہ اسلام کا عہد و پیمان ہی کافی ہے۔

۳؎ ان دو صحابیوں کے بدلے میں جنہیں ثقیف نے گرفتار کیا تھا، اس وقت طریقہ یہ تھا کہ ایک قبیلے کے آدمی اس کے حلیف قبیلے کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا۔ ظاہر ہے کہ معاہدہ بھی اسی میں تھا، اور یہی شرط طے شدہ تھی۔

۴؎ مراح میں ہے حَرَّۃٌ سنگلاخ اور جلی ہوئی زمین۔

۵؎ کہ انہوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ کر قید کر رکھا ہے۔ ان کے بدلے تمہیں گرفتار کیا گیا ہے۔

۶؎ اور تم کیا کام کرتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ ۱۲ قادری)

۷؎ گویا وہ سابق اسلام کی خبر دے رہا ہے، پس معلوم ہوا کہ کافر قید ہونے کے بعد اسلام کا دعویٰ کرے

اور کہے کر وہ پہلے سے اسلام لا چکا ہے تو گواہوں کے بغیر اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں اب مسلمان ہو گیا ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اسلام کو قبول نہیں کیا، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ شخص بطور منافقت یا مجبوری کی بنا پر کہہ رہا ہے یا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات حقیقت پر بھی عمل کرتے تھے اور اس شخص کے قتل کا حکم دیتے تھے جس کا انجام کفر ہوتا تھا جیسے کہ علماء سیرت نے آپ کی خصوصیات میں یہ بات شمار کی ہے۔ آئندہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔

۵۸ یعنی حالتِ اختیار میں رضامندی اور رغبت کے ساتھ اور گرفتار ہونے سے پہلے یہ بات کہتے۔

۵۹ دنیا میں قید اور غلامی سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے نجات پاتے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

٣٧٩٢/١١ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ اَھْلُ مَكَّةَ فِیْ فِدَآءِ اُسَرَائِھِمْ بَعَثَتْ زَیْنَبُ فِیْ فِدَآءِ اَبِی الْعَاصِ بِمَالٍ وَّ بَعَثَتْ فِیْہِ بِقِلَادَةٍ لَّھَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِیْجَةَ اَدْخَلَتْھَا بِھَا عَلٰی اَبِی الْعَاصِ فَلَمَّا رَاٰھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَھَا رِقَّةً شَدِیْدَةً وَّ قَالَ اِنْ رَاَیْتُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا لَھَا اَسِیْرَھَا وَ تَرُدُّوْا عَلَیْھَا الَّذِیْ لَھَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخَذَ عَلَیْہِ اَنْ یُّخَلِّیَ سَبِیْلَ زَیْنَبَ اِلَیْہِ وَ بَعَثَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اہل مکہ نے کچھ لوگوں کو اپنے قیدی[1] رہا کرانے کے لیے مال دے کر بھیجا تو حضرت زینب[2] نے ابوالعاص کی رہائی کے لیے کسی کو مال دے کر بھیجا۔ انہوں نے اس مال میں اپنا وہ ہار بھی بھیجا جو حضرت خدیجہ کے پاس تھا[3] انہوں نے وہ ہار پہنا کر حضرت زینب کو ابوالعاص کے ہاں[4] رخصت کیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا[5] تو آپ پر اس[6] ہار کے دیکھنے کی بنا پر شدید رقت طاری ہوئی، اور فرمایا: اگر تم[7] فیصلہ کرو کہ زینب کے لیے ان کا قیدی رہا کر دو اور ان کا مال[8] انہیں واپس کر دو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں درست[9] ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ وعدہ لیا[10] تھا کہ زینب کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَقَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاْجِجٍ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَاْتِيَا بِهَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضور کے پاس بھیج دیں اور ان کا راستہ نہ روکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری شخص کو بھیجا اور فرمایا[۱۲] تم بطن یاجج[۱۳] میں ٹھہرنا یہاں تک کہ زینب تمہارے پاس سے گزریں تو تم ان کے ساتھ رہنا، یہاں تک کہ[۱۴] انہیں لے آنا۔ (احمد، ابوداؤد)

۵۱ جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے۔

۵۲ حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی جو اس وقت مکہ معظمہ میں تھیں ——— ابو العاص بن ربیع بن عبد العزی بن عبد شمس بن عبد مناف، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت زینب کے شوہر، بدر میں گرفتار ہوئے، بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری)

۵۳ وہ اسے پہنا کرتی تھیں، حضرت زینب حضرت خدیجہ کی صاحبزادی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ سے تھی، سوائے حضرت ابراہیم کے کہ وہ حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے اور بچپن میں وصال فرما گئے رضی اللہ عنہم۔

۵۴ نکاح کے موقع پر وہ ہار جہیز میں دیا تھا۔

۵۵ اس ہار نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد دلادی۔

۵۶ یا یہ مطلب ہے کہ حضرت زینب کی غربت اور تنہائی کا خیال کرتے ہوئے اور حضرت خدیجہ کے زمانے کی یاد سے سخت رقت طاری ہو گئی۔ رقت بہت نرم اور غمگین ہونا۔

۵۷ صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے، قیدی سے مراد ابو العاص ہے۔

۵۸ جو حضرت زینب نے بطور فدیہ بھیجا ہے اور ابو العاص کو مفت میں رہا کر دو اور اس پر احسان کرو، اگر مناسب جانو تو اس طرح کرو۔

۵۹ چنانچہ صحابہ کرام نے ابو العاص کو رہا کر دیا، وہ مکہ مکرمہ پہنچے، حضرت زینب کے نکاح میں تھیں اور مسلمان تھیں، ابو العاص، قریش کے دین پر تھے۔ اس وقت تک مسلمان عورت اور کافر مرد کے نکاح کا حکم باقی تھا۔

۱۰ھ رہا کرتے وقت ان سے وعدہ لیا تھا کہ حضرت زینب کو مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت دیں اور کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالیں۔

۱۱ھ یہ دونوں اگرچہ محرم شرعی نہیں تھے، لیکن یہ اجازت اسی مقام کے ساتھ خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہونے کی بنا پر امن اور اعتماد تھا۔

۱۲ھ کفار مکہ کی شرارت اور ان کے درپئے ایذاء ہونے کے خطرے کے تحت حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں نہ جائیں۔

۱۳ھ یا جج، مکہ معظمہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام۔ یا جج کو کئی طرح ضبط کیا گیا ہے۔ قاموس میں یاء تحتانیہ کے ساتھ اور پہلے جیم کے نیچے زیر بیان کی، پہلے نون، پھر جیم اور اس کے بعد بے نقطہ حاء کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔ مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، باقی وجوہ شرح (لمعات) میں بیان کی گئی ہیں۔

۱۴ھ مدینہ منورہ ——— پس حضرت زینب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئیں اور ابوالعاص مکہ معظمہ میں دین کفر پر رہے، پھر انہیں تجارت کے لیے شام جانا پڑا، جب وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ان کا راستہ روک لیں اور ان کے پاس موجود اموال ضبط کرلیں، جب یہ اطلاع حضرت زینب کو ملی تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ! کیا مسلمانوں کا عہد وامان ایک نہیں ہے؟ یعنی جب ایک مسلمان کافر کو امان دے دے تو سب کو چاہیے کہ امان دے دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اسی طرح ہے، حضرت زینب نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ گواہ ہوجائیں کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی، صحابہ کرام نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ہتھیاروں کے بغیر ابوالعاص کے پاس گئے اور اسے کہا اے ابوالعاص! تم قریش کے معزز افراد میں سے ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہو تم اسلام لے آؤ تاکہ یہ تمام اموال تمہاری ملکیت رہیں۔ ابوالعاص نے کہا تم نے بری بات کہی، حاشا وکلا! کہ میں اپنے اسلام کو ان پلید اموال کے ساتھ میلا کروں، چنانچہ ابوالعاص مکہ مکرمہ گئے اور لوگوں کے اموال ان کے سپرد کیے، اور کہا اے اہل مکہ! تمہارے اموال تمہیں پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا ہاں ابوالعاص نے کہا تو گواہ ہو جاؤ کہ میں مسلمان ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو ان کے سپرد کردیا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ رخصتی پرانے نکاح سے تھی یا نئے نکاح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی محبت تھی، ان پر بڑی عنایت تھی، اور ان کی تعریف فرماتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمامہ کے دن شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

٣٧٩٣/١٢ وَعَنْهَا[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسَرَ اَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ ابْنَ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَّ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَ مَنَّ عَلٰى اَبِيْ عَزَّةَ الْجُمَحِيِّ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر کو گرفتار کیا تو عقبہ بن ابی معیط[2] اور نضر بن حارث[3] کو قتل کر دیا اور ابو عزہ جمحی[4] پر احسان فرمایا[5]
(شرح السنۃ[6])

[1] بعض نسخوں میں صرف وَعَنْ لکھا ہوا ہے اور راوی کے نام کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے۔ بعض نسخوں میں وَعَنْهَا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ اور بعض نسخوں میں وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ہے۔

[2] عقبہ عین پر پیش، قاف ساکن۔ بن معیط میم پر پیش، عین پر زبر اور یا ساکن۔ ان بدبختوں میں سے ایک ہے جو غزوہ بدر میں جہنم رسید ہوئے، اور یہ وہ بدبخت ہے جس نے اونٹ کی اوجھ (بکر ینے کی دانی ۱۲ ق) نماز کی حالت میں سید رسل، ہادی سبل صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکی تھی۔

[3] نضر نون پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن۔

[4] ابو عزہ بے نقطہ عین پر زبر، زا مشدد الجمحی جیم پر پیش، میم پر زبر، حا بے نقطہ۔

[5] اور اس کو معاوضہ لیے بغیر چھوڑ دیا، یہ کافر شاعر تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کو فدیہ لیے بغیر چھوڑنا درست ہے، جیسے کہ قتل کرنا اور فدیہ لینا درست ہے۔

[6] بعض نسخوں میں اس جگہ حوالے کی کتاب کے نام کے لیے خالی جگہ ہے بعض نسخوں میں ہے کہ اس حدیث کو شرح السنۃ میں روایت کیا اور بعض نسخوں میں ہے امام شافعی اور ابن اسحاق نے سیر میں روایت کیا۔

٣٧٩٤/١٢ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس ملعون نے کہا کہ بچوں[1] کیلیے کون ہے؟ فرمایا: آگ[2]
(ابو داؤد)

[1] صبیۃ صاد کے نیچے زیر، با ساکن، اس ملعون نے کہا کہ بچوں کے لیے کون ہے؟ یعنی میرے بچوں

کا سرپرست اور غم خوار کون ہوگا۔

۲؎ تیرے بچوں کی غم خوار، دوزخ کی آگ ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استہزاء و تحقیر فرمایا، اور بیان کے مناسب ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

۳۷۹۵ وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرَائِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ اَصْحَابَكَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ اَلْقَتْلَ اَوِ الْفِدَآءَ عَلٰى اَنْ يُّقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِّثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَآءَ وَ يُقْتَلُ مِنَّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور کہا اپنے صحابہ کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں قتل یا فدیہ لینے کا اس شرط پر اختیار دیجیے کہ آئندہ سال ان میں سے شرکوں کی تعداد میں قتل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم فدیہ اختیار کرتے ہیں اور اس بات کا اختیار کرتے ہیں کہ ہم میں سے شہید کیے جائیں ۱؎ (ترمذی) اور امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے

۱؎ قیدیوں کو قتل کریں یا مال لے کر انہیں چھوڑ دیں ــــــــ فدیہ کا اس شرط پر اختیار ہے کہ آئندہ سال ستر صحابہ کرام شہید ہوں گے، یہی قیدیوں کی تعداد تھی، اور (وقتی طور پر) کافروں کو کامیابی حاصل ہوگی ۲؎

۲؎ یاد رہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے ستر قیدی لائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ ان کا کیا کیا جائے؟ انہیں قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ انہیں قتل نہ کیجیے بلکہ زندہ رہنے دیجیے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ اور اسلام کی توفیق عطا فرمائے، ان سے فدیہ لیجیے تاکہ اس سے صحابہ کرام کو تقویت ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑا دیجیے کیونکہ یہ کفر کے امام اور کافروں کے لیڈر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔ انہیں قتل کر دیں۔ یا فدیہ لے لیں، لیکن فدیہ کے لیے یہ شرط ہے

---

۱؎ یہ بات وحی جبرئیل علیہ السلام میں مذکور نہ تھی ورنہ ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابی بھی اسے قبول نہ کرتے ہاں قتل کا ذکر تھا صحابہ کرام نے شوق شہادت میں اسے قبول کر لیا۔ ۱۲ حاشیہ

کہ آئندہ سال تمہارے ستر افراد شہید ہوں گے اور (وقتی طور پر) کافروں کو کامیابی حاصل ہوگی، صحابہ کرام نے اسی صورت کو اختیار کیا اور کہا کہ ہمیں یہ شرط قبول ہے کہ ہمارے ستر افراد شہید ہوں، چنانچہ آئندہ سال غزوۂ احد میں ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہوئے جن میں حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رو رہے ہیں۔ عرض کیا یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تاکہ میں بھی رونے لگوں اور اگر بے اختیار رونا نہ آئے تو تکلف اور زبردستی سے رونے کی کوشش کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ساتھیوں پر رو رہا ہوں جنہوں نے فدیہ اختیار کیا، اور ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تحقیق اس درخت سے زیادہ نزدیک میرے سامنے عذاب پیش کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر عذاب بھیجا جاتا تو عمر اور سعد بن معاذ کے علاوہ کوئی نجات نہ پاتا، حضرت سعد کا مشورہ بھی وہی تھا جو حضرت عمر کا تھا رضی اللہ عنہما۔

شارحین فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے اس شق کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ بدر کے قیدیوں کے اسلام لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ نیز آئندہ سال شہادت حاصل کرنے کا انہیں بڑا شوق تھا اور رشتے داروں کی ہمدردی اور ان پر مہربانی بھی پیش نظر تھی۔

اس جگہ ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابۂ کرام کو اختیار دیا گیا تھا اور انہوں نے دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرلی تھی تو ان پر یہ عتاب اور عقاب کس بنا پر تھا؟ اختیار دینا تو اس بات کے منافی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اختیار بطور امتحان دیا گیا تھا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو دین اختیار کریں یا دنیا، امتحان اس لحاظ سے تھا کہ آیا صحابہ کرام اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس طرف ان کے نفوس کا میلان ہے، چونکہ انہوں نے دوسری صورت کو اختیار کیا اس لیے عتاب نازل ہوا[۱]۔

---

[۱] رب تعالیٰ کا ارادہ تو یہ تھا جو صحابہ کی رائے ہو وہی ہو، یعنی فدیہ لے کر چھوڑ دینا، مگر مرضی یہ تھی کہ یہ قتل کردیے جائیں، صحابۂ کرام کی یہ رائے ارادہ الٰہی کے مطابق ہوئی۔ رضاء الٰہی کے خلاف۔ اس لیے ان حضرات پر وہ عتاب آیا جو آیہ کریمہ میں مذکور ہے لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کا گندم کھا لینا ارادہ الٰہی کے عین مطابق تھا، رضاء الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عتاب ہوا جس سے توبہ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

علامہ تورپشتی نے اختیار دینے کی حدیث کی صحت کو بعید قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث ظاہر قرآن کے مخالف ہے۔ امام ترمذی نے بھی اسے غریب قرار دیا ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ غرابت کا حکم موجب طعن نہیں ہے کیونکہ حدیث غریب بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے، جیسے کہ مقدمہ میں گزرا۔ میں کہتا ہوں کہ اس جگہ غریب شاذ کے معنیٰ میں ہے۔ امام ترمذی اکثر طور پر غریب سے شاذ مراد لیتے ہیں، جیسے کہ صاحب جامع الاصول نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۷۹۶ / ۱۵ وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِيْ سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عطیہ قرظی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں قریظہ کے قیدیوں[2] میں تھا۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، لوگ معائنہ کرتے تھے تو جس نے بال اگائے تھے اسے قتل کر دیا گیا اور جس نے نہیں اگائے تھے اسے قتل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے میرا زیر ناف جسم کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ بال اگے ہوئے نہیں تھے تو انہوں نے مجھے قیدیوں میں شامل کر دیا۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

[1] حضرت عطیہ قرظی قاف پر پیش، راء پر زبر اور نقطے والی ظاء، صحابی ہیں، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی احادیث سنیں۔

[2] جن کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے

(بقیہ صفحہ سابقہ) کرائی گئی، ارادۂ الٰہی کی مطابقت کی وجہ سے آپ کو خلافت زمینی عطا ہوئی، ان حضرات پر مخالفت رضاء الٰہی کی وجہ سے عتاب، عذاب سے ڈرانا ہوا، اور ارادۂ الٰہی کی موافقت کا انجام یہ ہوا کہ یہ قیدی مسلمان ہو گئے، اسلامی خدمات انجام دیں یہ جواب نہایت باریک ہے خیال میں رکھو ۱۲ مرآۃ۔ غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا تم دنیا کے سازوسامان کا ارادہ رکھتے ہو، منافقین سے خطاب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مقصود مالِ دنیا نہیں تھا بلکہ یہ خواہش تھی کہ یہ لوگ اسلام لے آئیں۔

۱۲ قادری

اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔

۳ یعنی ناف کے نیچے کے بال ـــــ کیونکہ یہ بالغ ہونے اور جوانی کی علامت ہیں۔

۴ اور قتل نہیں کیا۔

۳۷۹۷/۱۶ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ مَوَالِيْهِمْ قَالُوْا يَا مُحَمَّدُ وَ اللّٰهِ مَا خَرَجُوْا اِلَيْكَ رَغْبَةً فِيْ دِيْنِكَ وَ اِنَّمَا خَرَجُوْا هَرَبًا مِّنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رُدَّهُمْ اِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ قَالَ مَا اَرَاكُمْ تَنْتَهُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتّٰی يَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَّضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰی هٰذَا وَ اَبٰی اَنْ يَّرُدَّهُمْ وَ قَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ غلام[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے، یعنی حدیبیہ کے دن، صلح[۲] سے پہلے، تو ان کے مالکوں نے آپ کو لکھا: اے محمد! خدا کی قسم یہ لوگ تمہارے دین میں دلچسپی کی بنا پر نہیں نکلے وہ صرف غلامی سے جان چھڑانے[۳] کے لیے نکلے ہیں، کچھ لوگوں نے[۴] کہا یا رسول اللہ! انہوں نے سچ کہا ہے انہیں واپس کر دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا! اے گروہ قریش! میں نہیں دیکھتا کہ تم باز آؤ گے[۵] یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر ان لوگوں کو بھیجے جو اس حکم[۶] پر تمہاری گردنیں مار دیں اور انہیں واپس کرنے سے انکار فرما دیا۔ اور فرمایا: یہ اللہ تعالےٰ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ (ابوداؤد)

۱ مکہ مکرمہ سے اپنے مالکوں سے بھاگ کر اور مسلمان ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عُبْدان عین کے نیچے زیر اور اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ با ساکن، عبد بمعنی مملوک کی جمع۔

۲ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش کے درمیان طے پائی تھی، صلح میں یہ طے پایا تھا کہ

ان میں سے جو شخص مسلمان ہو کر آئے اسے واپس قریش کے پاس بھیج دیا جائے گا۔

۵۳ ضرب پہلے دونوں حرفوں پر زبر۔ بھاگنا۔

۵۴ جو قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔

۵۵ نافرمانی اور حکم نفس کی تعمیل سے۔

۵۶ یعنی ان غلاموں کے واپس کرنے اور اسلام لانے کے بعد دار الحرب کی طرف لوٹانے پر۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۷۹۸/۱۷ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى بَنِيْ جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَاْسِرُ وَدَفَعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِيْرَهٗ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنَّا اَسِيْرَهٗ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ اَسِيْرَهٗ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا، حضرت خالد نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ اچھے انداز میں یہ نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے وہ کہنے لگے ہم دین سے نکل گئے۔ ہم دین سے نکل گئے حضرت خالد نے انہیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور ہم میں سے ہر شخص کے حوالے اس کا قیدی کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن آیا تو حضرت خالد نے حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے، میں نے کہا، خدا کی قسم! میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا، اور نہ ہی میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا، یہاں تک کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! میں تیری

اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَیْنِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

بارگاہ میں اس کام سے بری ہوں جو خالد نے کیا۔[۶] دو دفعہ یہ کلمات کہے۔[۷] (بخاری)

[۱] بنی جذیمہ جیم پر زبر، ذال کے نیچے زیر، یا ساکن، ایک قبیلے کا نام۔

[۲] اضطراب اور بے چینی کے سبب۔

[۳] صبوء کا معنی اصل میں مائل ہونا ہے۔ اس جگہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف مائل ہونا مراد ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ ہم دین کفر سے دین اسلام کی طرف مائل ہو گئے، یہ معنیٰ صحیح ہے، لیکن اس مقصد کو ان لفظوں سے ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ کافر مسلمانوں کو صابی کہتے تھے، مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے آباء کے دین سے منحرف ہو کر دوسرے دین کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ تاہم یہ کفر نہیں تھا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد دین اسلام سے اعراض کر کے دوسرے دین کی طرف میلان ہو۔ اس اعتبار سے حضرت خالد نے ان کی بات قبول نہ کی اور ان کے اسلام کا حکم نہ کیا۔

[۴] حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

[۵] جو میرے تابع ہیں۔

[۶] یعنی خالد کے رویے سے بیزاری اور نارضامندی کا اعلان کرتا ہوں۔

[۷] اور یہ اس لیے کہ حضرت خالد نے احتیاط اور تحقیق سے کام نہیں لیا۔ تاکہ ظاہر ہو جاتا کہ صَبَأنَا سے ان کی مراد ... کیا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ دین اسلام کے اختیار کرنے کا احتمال بھی رکھتے ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے صراحتًہ یہ نہیں کہا کہ ہم اسلام لائے اس لیے حضرت خالد نے ان کی بات قبول نہیں کی اور اسے دوسرے معنیٰ پر محمول کر دیا۔ (چونکہ ان لوگوں کے الفاظ اسلام لانے کے لیے متعین نہیں تھے اسی لیے حضرت خالد بن ولید پر قصاص کا حکم نہیں لگایا گیا۔ ۱۲ قادری)

# بَابُ الْاَمَانِ

## ۲۹۱۔ امن دینے کا بیان

امن اور امان، خوف کے مقابل ہے، اس سے ظاہر یہ ہے کہ اہل حرب کا کوئی شخص امن کا طلب گار ہو اور مسلمانوں سے امان طلب کرے اور ان کے درمیان رہے تو اسے امن دیا جائے گا، اس کے مال اور خون سے تعرض حرام ہے۔ امان اس صورت کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ اس شخص کی امان کو شامل ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا گیا ہو، اور اس سفیر کی امان کو بھی شامل ہے جو اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا۔ جیسے کہ احادیث میں آئے گا۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۷۹۹ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ وَ فَاطِمَةُ ابْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰی

### پہلی فصل

حضرت ام ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کپڑے کے ساتھ آپ کے لیے پردہ کر رہی تھیں۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا: یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی بنت ابو طالب ہوں آپ نے فرمایا: ام ہانی کو مرحبا! جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور اس حال میں آٹھ رکعتیں ادا کیں کہ آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، پھر آپ پلٹے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے علی کہتے ہیں کہ

ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِيْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّيْ عَلِيٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلًا اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ اس شخص کو قتل کریں گے جسے میں نے پناہ دی[۶] ہے اور وہ فلاں ابن ہبیرہ[۷] ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام ہانی اسے ہم نے پناہ دی جسے تم نے پناہ دی۔ ام ہانی کہتی ہیں کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تب چاشت کا وقت[۵] تھا۔ (صحیحین)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَحْمَائِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَّنَّا مَنْ اَمَّنْتِ۔

امام ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا میں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں[۸] میں سے دو مردوں کو پناہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق ہم نے اسے امن دیا جسے تم نے امن دیا۔[۱]

۱؎ حضرت ام ہانی ان کا نام فاختہ ہے۔ بعض نے عاتکہ بیان کیا، صحابیہ ہیں، فتح مکہ کے سال ایمان لائیں، ان سے حضرت علی، حضرت عباس اور بہت سے تابعین روایت کرتے ہیں۔ سنہ ۵۰ھ کے بعد حضرت امیر معاویہ کے زمانے تک حیات تھیں۔

۲؎ ایک روایت میں ہے فتح مکہ کے دن، اور یہی مراد ہے۔

۳؎ مرحبا کا معنی ہے کہ تم وسیع جگہ آئی ہو، مسرت اور دلداری کا اظہار مقصود ہے۔

۴؎ التحاف اور اشتمال کا معنی کتاب الصلاۃ کے باب الستر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۵؎ یعنی نماز سے فارغ ہو گئے۔

۶؎ اجرتہ ہمزہ مقصورہ پر زبر، اجارۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پناہ دینا۔

۷؎ فلاں ابن ہبیرہ ہا پر پیش، با پر زبر، یا ساکن، ہبیرہ حضرت ام ہانی کے شوہر کا نام ہے۔ حضرت ام ہانی کے اسلام لانے کے بعد ان میں جدائی ہو گئی، اور یہ مرد اس کی اولاد میں سے تھا حضرت ام ہانی نے

اسے امان دی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی امان کو قبول نہیں کیا تھا اور چاہتے تھے کہ اس شخص کو قتل کر دیں اس لیے حضرت اُم ہانی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور صورت حال عرض کی۔

ﮧ تو یہ چاشت کی نماز ہوگی، مسلم کی بعض روایات میں ہے وَ ذَالِکَ سُبْحَۃُ الضُّحٰی اور یہ چاشت کی نماز تھی، سُبحہ پہلے حرف پر پیش، نماز نفل کو کہتے ہیں، اور یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ وہ نماز چاشت کے وقت کی تھی، چاشت کی نماز کے ثابت کرنے کے لیے قابل اعتماد دلیل، حضرت ام ہانی کی یہی حدیث ہے اس سلسلے میں گفتگو صلاۃ الضحیٰ میں گزر چکی ہے۔

ﮨ حَمٌ مرد کی طرف سے عورت کا رشتے دار

ﮩ اَنَا اور آمَنْتِ دونوں ہمزہ ممدودہ کے ساتھ ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۳۸۰۰ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْاَۃَ لَتَاْخُذُ لِلْقَوْمِ یَعْنِیْ تُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک عورت قوم کے لیے امان پکڑتی ہے، یعنی عورت کسی قوم کے لیے مسلمانوں پر امان دیتی ہے لہ

(ترمذی)

لہ یعنی جب مسلمان عورت کافروں کی کسی جماعت کو امان دے تو وہ امان مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے انہیں چاہیے کہ وہ اس پر راضی ہوں اور اسے توڑیں نہیں۔

۳۸۰۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اٰمَنَ رَجُلًا عَلٰی نَفْسِہٖ فَقَتَلَہٗ اُعْطِیَ لِوَآءَ الْغَدْرِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت عمرو بن الحمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی شخص کو اس کی جان پر امان دی لہ پھر اسے قتل کر دیا تو اسے قیامت کے دن بدعہدی کا جھنڈا دیا جائے گا ٓ

(شرح السنۃ)

لہ حضرت عمرو بن الحمق حا پر زبر میم کے نیچے زیر، خزاعی صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، پھر وہاں سے مصر چلے گئے۔ حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، سنہ ۵۱ھ میں شہید کیے گئے۔ ان کے قتل کا عجیب واقعہ، علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں بیان کیا ہے، ہم نے بھی وہ واقعہ اسماء الرجال میں اور رسالہ تعیم البشارۃ کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

۲ہ اور اسے صاحب عہد بنا دیا۔

۳ہ یہ کنایہ ہے اس شخص کو غدر اور بے وفائی کے سبب رسوا کرنے سے۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کو جھنڈا دیا جائے گا جس کے سبب وہ پہچانا جائے گا۔

۳۸۰۲ وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ أَغَارَ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ أَوْ بِرْذَوْنٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَإِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَأَلَهُ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتّٰى يَمْضِيَ أَمَدُهُ

حضرت سلیم بن عامر[1] سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ اور روم کے درمیان معاہدہ[2] تھا حضرت معاویہ ان کے شہروں کی طرف چلتے تھے[3] تاکہ جب معاہدہ ختم ہو جائے تو ان پر حملہ کر دیں[4] تو ایک صاحب عربی یا ترکی گھوڑے[5] پر سوار آئے اور وہ کہہ رہے تھے اللہ اکبر، اللہ اکبر[6] وفا واجب ہے کہ تم سے وفا ہو نہ کہ بے وفائی[7] لوگوں نے اچانک دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن عبسہ[8] رضی اللہ عنہ تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے اس بارے میں پوچھا[9] تو انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ ہرگز اس عہد کو نہ کھولے[10] اور نہ ہی تبدیل کرے[11] یہاں تک کہ اس کی مدت گزر جائے یا اس عہد کو برابری کے طور پر اس قوم کی طرف پھینک دے[12]۔ حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ حضرت

اَوْ يَنْبِذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ۔

امیر معاویہ لوگوں کو لے کر واپس آگئے[۱۳]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

[۱] سلیم سین پر پیش اور لام پر زبر بن عامر، شام کے تابعین کے دوسرے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں، بکثرت احادیث کے راوی ہیں، ثقہ اور مشہور ہیں، ابوحاتم نے کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲] کہ مدتِ معینہ تک جنگ نہیں کریں گے۔

[۳] اور ان کے قریب ہوتے تھے۔

[۴] اچانک حملہ کرکے تاخت و تاراج کردیں، اور اگر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہوتے اور معاہدہ ختم ہونے پر روانہ ہوتے تو دشمن خبردار ہو جاتا۔

[۵] برذون بار کے نیچے زیر، را ساکن، نقطے والے ذال پر زبر، واؤ ساکن، ترکی گھوڑا، عربی گھوڑے سے مختلف ایک قسم، لہذا فرس سے مراد عربی گھوڑا ہوگا، ہوسکتا ہے کہ راوی کو شک ہو۔

[۶] حضرت معاویہ کے فعل کو بعید اور بڑا ظاہر کرنے کے لیے تکبیر کہہ رہے تھے۔

[۷] یعنی تم صلح کے دنوں میں جو دشمن کے شہروں کی طرف روانہ ہو رہے ہو یہ وفا نہیں بلکہ غدر ہے۔

[۸] عمرو بن عبسہ پہلے تینوں حرفوں (عین، بار، سین) پر زبر، مشہور اور بزرگ صحابی، جن کے احوال کئی جگہ ذکر کیے جا چکے ہیں۔

[۹] کہ اس جانب یہ سفر کس بنا پر غدر ہے اور بے وفائی ہے؟

[۱۰] فَلَا يُحِلَّنَّ یا پر زبر اور حا پر پیش۔

[۱۱] یعنی کسی طرح بھی اس میں رد و بدل نہ کرے، مجموعہ کلام کا مطلب یہ ہے کہ معاہدے میں تبدیلی نہ کرے ورنہ پختہ اور مضبوط کرنے کے معنیٰ میں شدِّ عہد قابلِ تعریف ہے۔

[۱۲] یعنی انہیں بتا دے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو صلح تھی وہ اب نہیں ہے، اب ہم اور تم برابر ہیں۔ نبذ نقطے والے ذال کے ساتھ، کسی چیز کو ہاتھ سے پھینکنا۔

[۱۳] اور جہاں سے چلے تھے وہاں پہنچ گئے۔

۳۸۰۳ — ۵ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِیْ قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَلَمَّا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَ اللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّيْ لَا اَخِيْسُ بِالْعَهْدِ وَ لَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنِ ارْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِكَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِكَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو اسلام میرے دل میں داخل کر دیا گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! میں کبھی بھی قریش کی طرف لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا ہم عہد و پیمان نہیں توڑتے، اور نہ قاصدوں کو نہیں روکتے لیکن تم واپس جاؤ، پھر اگر تمہارے دل میں اسلام کی وہ محبت ہوئی جو اب ہے تو واپس آجانا۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ میں چلا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام لے آیا۔

(ابو داؤد)

۱؎ حضرت ابو رافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، پہلے حضرت عباس بن عبد المطلب کے غلام تھے، ان کا نام اسلم تھا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیئے جب وہ حضرت عباس کے اسلام کی خوشخبری لائے تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

۳؎ یہ ان کے دل میں اسلام کے راسخ ہو جانے کی تاکید ہے۔

۴؎ خیس نقطے والی خاء، اس کے بعد یاء، عہد کا توڑنا، بے وفائی کرنا۔

۵؎ برد باء پر پیش، راء ساکن، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بَرِیْدٌ کی جمع جس کا معنیٰ قاصد ہے۔

۶؎ یعنی کافروں کے پاس سے ہمارے پاس جانا اور مسلمان ہو جانا۔

۷؎ بغیر کسی تردد اور جھجک کے۔

۳۸۰۲ وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَا مِنْ عِنْدِ مُسَيْلَمَةَ اَمَا

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے پاس سے آئے ہوئے دو مردوں کو فرمایا، سنو! اگر شریعت

وَ اللّٰهِ لَوْ لَآ اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَكُمَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

کا یہ حکم نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو ہم تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتے (احمد، ابوداؤد)

لہ حضرت نعیم بن مسعود نون پر پیش اور عین پر زبر، اشجعی مدنی صحابی ہیں۔ جنگ خندق کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی، انہوں نے ہی بنو قریظہ اور سفیان بن حرب کے درمیان غزوہ خندق میں کوشش کی اور انہیں پسپا کیا، ان کا واقعہ مشہور ہے اور کتب سیرت میں بیان کیا گیا ہے۔

۲ہ ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے، جیسے کہ تیسری فصل میں آئے گا۔

۳۸۰۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ يَعْنِي الْاِسْلَامَ اِلَّا شِدَّةً وَّلَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الْاِسْلَامِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَّ قَالَ حَسَنٌ وَّ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاۗءُهُمْ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: جاہلیت کی قسم اور اس کے عہد و پیمان کو پورا کرو[1] کیونکہ اسلام اس کی پختگی کو ہی زیادہ کرتا ہے[2] اور اسلام میں نئی قسم نہ کھاؤ[3] امام ترمذی نے یہ حدیث حسین بن ذکوان کے واسطے سے عمرو سے روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے[4] حضرت علی کی روایت کردہ حدیث کہ "مسلمانوں کے خون آپس میں برابر ہیں" کتاب القصاص میں بیان کردی گئی ہے۔

لہ جیسے کہ تم نے آپس میں قسم کھائی ہے، صراح میں ہے حلف حاء کے نیچے زیر، لام ساکن قسم عہد، مُحالفۃ آپس میں عہد کرنا، تحالف باہمی معاہدہ کرنا مراد وہ قسم ہے جو دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور احکام اسلام کے مخالف نہ ہو، بعض نسخوں میں حاء پر زبر اور لام کے نیچے زیر ضبط کی گئی ہے۔

۲ہ یعنی اسلام میں عہد اور قسم کا پورا کرنا جاہلیت کی حلف سے زیادہ سخت اور اہم ہے۔ اور اس کے

منافی نہیں ہے۔

۳؎ کیونکہ اس کی حاجت نہیں ہے، اور جس نے قوی سہارے کو تھام لیا وہ کمزور سہارے سے بے نیاز ہے، حاصل یہ ہے کہ جاہلیت میں لڑائی، فتنوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی جو قسم کھائی جاتی تھی جس کی بنا پر ظلم اور فساد کی امداد کی جاتی تھی وہ تو ممنوع ہے اور جو قسم ایسی نہ ہو اسلام اسے تقویت دیتا ہے اور اس کی تائید کرتا ہے۔

۴؎ مشکات شریف کے اصل نسخے میں یہاں جگہ خالی تھی۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۳۸۰۶ / ۸ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَآءَ ابْنُ النَّوَّاحَةِ وَابْنُ اُثَالٍ رَسُوْلَا مُسَیْلِمَۃَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَھُمَا اَتَشْھَدَانِ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَا نَشْھَدُ اَنَّ مُسَیْلِمَۃَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ لَوْ کُنْتُ قَاتِلًا رَّسُوْلًا لَّقَتَلْتُکُمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ فَمَضَتِ السُّنَّۃُ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا یُقْتَلُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

## تیسری فصل

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کے دو نمائندے ابن النواحہ[۱] اور ابن اثال[۲]، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے انہیں فرمایا: کیا تم دونوں گواہی دیتے ہو؟ کہ میں اللہ تعالٰی کا رسول ہوں، انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ تعالٰی کا رسول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا[۳]، اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سنت یہ قرار پائی کہ ایلچی کو قتل نہیں کیا جائے گا[۴] (احمد)

۱؎ ابن النواحہ نون پر زبر، واؤ مشدد اور حا بے نقطہ۔

۲؎ ابن اثال ہمزے پر پیش اور تین نقطوں والی ثاء مخفف۔ یہ دونوں مسیلمہ کذاب ملعون کے ایلچی تھے۔

۳؎ اس انداز میں انتہائی تواضع، طلب حق، حلم اور انہیں سزا دینے میں ترک تعجیل ہے۔ اور اس میں اس لعین کی نبوت کا انکار اور اس کے دعوے کی تکذیب ہے۔

۷ اگرچہ وہ نامناسب اور سخت گفتگو کرے اور قتل کا مستحق ہو۔

# بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُولِ فِيهَا

## ۲۹۲۔ غنیمتوں کی تقسیم اور ان میں خیانت کا بیان

لغت میں قسمت کا معنیٰ ہے حصے بخرے کرنا اور اندازہ کرنا، غنائم جمع ہے غنیمت کی وہ مال جو کفار سے حاصل کیا جائے، غلول نقطے والی غین پر پیش، غنیمت کے مال میں خیانت کرنا، مطلق خیانت (خواہ غنیمت میں ہو یا اس کے غیر میں) کے معنی میں بھی آتا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۸۰۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِّنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰی ضُعْفَنَا وَ عَجْزَنَا فَطَیَّبَهَا لَنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس[1] ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہ تھیں یہ[2] اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ناتوانی دیکھی تو ہمارے لیے غنیمتیں حلال اور پاک کر دیں۔ (صحیحین)

[1] یہ پہلے کلام کا تتمہ ہے۔ جیسے کہ تیسری فصل میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے آئے گا۔ اسی لیے فَلَمْ تَحِلَّ میں کلمۂ فا آیا ہے ــــــ پہلی امتوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ اموال غنیمت حاصل کر کے جمع کرتے تو آگ آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں جلا دیتی تو یہ اس غزوہ کی قبولیت کی علامت ہوتی، ورنہ مطلب یہ ہوتا کہ وہ غزوہ مقبول نہیں ہے۔

[2] اموال غنیمت کا حلال ہونا۔

۳۸۰۸ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا كَانَتْ لِلْمُسْلِمِيْنَ جَوْلَةٌ فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَضَرَبْتُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ عَلٰى حَبْلِ عَاتِقِهٖ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَاَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِيْ ضَمَّةً وَّجَدْتُّ مِنْهَا رِيْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ اَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَاَرْسَلَنِيْ فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ فَقَالَ اَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا لَهٗ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُلْتُ مَنْ يَّشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ فَقُمْتُ فَقَالَ مَالَكَ يَا اَبَا قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ

ہم حنین[۱] کے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، جب کافروں سے آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں میں اضطراب[۲] پیدا ہوگیا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب ہو رہا ہے، میں نے اس کے پیچھے سے اس کے کندھے کی رگ[۳] پر تلوار کا وار کیا اور میں نے اس کی زرہ کاٹ دی۔ وہ[۴] میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے بری طرح لپٹ گیا، اس کے لپٹنے سے میں نے موت کی بو محسوس کی پھر اسے موت نے آلیا اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لوگوں کا کیا حال ہے[۵]؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم[۶]، پھر صحابۂ کرام لوٹ آئے[۷] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف فرما ہو کر فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا اور اس کے پاس قتل کرنے کا گواہ موجود ہو تو کافر کا سامان[۸] اسی کے لیے ہے، میں نے کہا: میرے لیے کون گواہی دے گا[۹]؟ پھر میں بیٹھ گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسی ہی بات کہی[۱۰]، میں نے کہا: میرے لیے کون گواہی دے گا[۱۱]؟ پھر میں بیٹھ گیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی تو میں کھڑا ہوگیا۔ فرمایا: اے ابو قتادہ! تمہیں کیا ہے[۱۲]؟ میں نے واقعہ بیان کیا[۱۳] تو ایک شخص نے کہا

وَ سَلَبُهٗ عِنْدِیْ فَاَرْضِهٖ مِنِّیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ لَا هَا اللّٰهِ اِذًا لَّا یَعْمِدُ اِلٰی اَسَدٍ مِّنْ اُسُدِ اللّٰهِ یُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَیُعْطِیْكَ سَلَبَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَاَعْطِهٖ فَاَعْطَانِیْهِ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهٗ فِی الْاِسْلَامِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

انہوں نے سچ کہا اور کافر کا سامان میرے پاس ہے آپ ابوقتادہ کو مجھ سے راضی کر دیں[۱] حضرت ابوبکر نے فرمایا: خدا کی قسم! اس طرح نہیں ہونا چاہیے اب تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے اس شیر[۱] کی طرف قصد نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کرتا ہے تو اس کافر کا سامان تمہیں دے دے[۱] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! انہوں نے سچ کہا[۱] سامان ابوقتادہ کو دے دو۔ چنانچہ اس کے بدلے، میں نے قبیلۂ بنی سلمہ میں ایک باغ[۱] خرید لیا، اور یہ پہلا مال تھا جسے میں نے اسلام میں اپنے مال کی بنیاد بنایا[۱]۔ (صحیحین)

[۱] غزوہ حنین، فتح مکہ کے بعد واقع ہوا۔

[۲] جَوْلَةٌ" جیم پر زبر، اس پاس نکل جانا، اپنی جگہ سے ہل جانا، آگے پیچھے جانا، مراد شکست کی صورت ہے جو اس جنگ میں مسلمانوں کو پیش آئی۔ راوی نے اسے شکست سے تعبیر کرنا پسند نہیں کیا، اور حقیقت میں شکست بھی نہیں تھی بلکہ ہلچل، اضطراب اور اپنی جگہ کا چھوڑ دینا تھا۔ اور اگر شکست بھی تھی تو کچھ سپاہیوں میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ جمے رہے۔ آپ سفید خچر پر سوار تھے اور آگے بڑھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت ابوسفیان بن حارث، خچر کی لگام پکڑے کھڑے تھے اور آپ کو حملے سے روک رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ — اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں نبی ہوں اور یہ جھوٹ نہیں ہے — میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی نے یہ ترجمہ کیا، تب تو حضور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف یہ قصد بھی نہ کریں گے کہ جو اللہ رسول کی طرف سے جہاد کرے تمہیں اس کا سامان دے دیں (مرآۃ)، اور یہی ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔ (۱۲ قادری)

۵۳ حبل عاتق، گردن اور کندھے کی درمیانی جگہ، جہاں چادر اوڑھی جاتی ہے۔
۵۴ وہ مشرک جس پر میں نے تلوار کا وار کیا تھا۔
۵۵ کہ بھاگ رہے ہیں اور چکر لگا رہے ہیں۔
۵۶ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو قتادہ کی مراد یہ ہو کہ شکست کے بعد لوگوں کا کیا حال ہو گا؟ اور حضرت عمر کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہے، آخر کار مسلمانوں کی فتح ہو گی۔
۵۷ شکست کھانے کے بعد، یہ پہلی صورت کے مطابق ترجمہ ہے، دوسری صورت کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ صحابہ کرام، کافروں کی شکست کے بعد لوٹ آئے۔
۵۸ سواری وغیرہ، سَلَبْ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، سامان، ہتھیار، خوراک جو اس کی سواری پر ہے اور سونا جو اس کی پیٹی میں ہے۔
۵۹ کہ میں نے مشرک کو قتل کیا ہے۔
۶۰ یعنی دوبارہ فرمایا: جو شخص کسی کافر کو قتل کرے اور اس کے پاس گواہ بھی ہو تو مقتول کا سامان اس کے لیے ہے۔
۶۱ کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے۔
۶۲ اور تم کس لیے کھڑے ہوئے ہو۔
۶۳ کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے۔
۶۴ تاکہ مقتول کا سامان مجھے ہی دے دیں۔
۶۵ شیر سے مراد حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو مشہور بہادر تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار کہا جاتا تھا۔ اَسَدٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، شیر اور اس کی جمع اُسْدٌ ہے پہلے حرف پر پیش، دوسرا ساکن۔
۶۶ اس شخص سے خطاب ہے (جس کے پاس سامان تھا۔ ۱۲ ق)
۶۷ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ کے بارے میں حضرت ابو بکر کی بات قبول فرمائی۔
۶۸ خرف نقطے والی خار، اس کے بعد را، میوہ چننا، مخرف اور مخرفہ، باغ۔
۶۹ یہ پہلا مال تھا جس کا میں مالک ہوں اور اسے جمع کیا۔ صراح میں ہے تَاَثُّلْ مال کو اصل اور بنیاد بنانا۔

۳۸۰۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
۳

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْھَمَ لِلرَّجُلِ وَ لِفَرَسِہٖ ثَلٰثَۃَ اَسْھُمٍ سَھْمًا لَّہٗ وَ سَھْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور اس کے گھوڑے کو تین حصے عطا فرمائے ایک حصہ مرد کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے[۲] (متفق علیہ)

[۱] اِسْہَام قرعہ ڈالنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس جگہ حصہ دینا مراد ہے۔

[۲] یعنی گھوڑے کے سبب اور اس کے لیے دو حصے دیے، کیونکہ مالک کی نسبت گھوڑے کے اخراجات دو گنے ہوتے ہیں۔ اور یہی اکثر ائمہ کا قول ہے، بعض ائمہ کے نزدیک سوار کے لیے دو حصے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کو دو حصے عطا فرمائے۔ جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ہدایہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت نقل کی ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جب ابن عمر سے مختلف روایات آئی ہیں تو دوسرے صحابی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔

۳۸۱۰/۴ وَعَنْ یَزِیْدَ بْنِ ھُرْمُزَ قَالَ کَتَبَ نَجْدَۃُ الْحَرُوْرِیُّ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ یَسْاَلُہٗ عَنِ الْعَبْدِ وَ الْمَرْاَۃِ یَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ ھَلْ یُقْسَمُ لَھُمَا؟ فَقَالَ لِیَزِیْدَ اُکْتُبْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَیْسَ لَھُمَا سَھْمٌ اِلَّآ اَنْ یُّحْذَیَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ کَتَبَ اِلَیْہِ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّکَ کَتَبْتَ تَسْاَلُنِیْ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَغْزُوْا بِالنِّسَآءِ وَ ھَلْ کَانَ یَضْرِبُ لَھُنَّ

یزید بن ہرمز[۱] سے روایت ہے کہ نجدہ حروری[۲] نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لکھ کر دریافت کیا کہ عورت اور غلام، غنیمت کو حاضر ہوں تو کیا ان کو بھی حصہ دیا جائے گا؟ انہوں نے یزید کو فرمایا اسے لکھو کہ ان دونوں کے لیے معین حصہ نہیں ہے مگر یہ کہ انہیں تھوڑی سی کوئی چیز[۳] دے دی جائے، اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس نے اسے لکھا کہ تم نے یہ سوال تحریر کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو ساتھ لے کر جہاد کیا کرتے تھے؟ اور کیا ان کے لیے حصہ مقرر فرماتے تھے؟ پس تحقیق آپ عورتوں کی ہمراہی میں جہاد کرتے تھے، عورتیں

بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْا بِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَ يُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَ اَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يُضْرَبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مریضوں کا علاج کرتی تھیں اور انہیں غنیمت میں سے کچھ مال دیا جاتا تھا، رہا حصہ تو ان کے لیے معین حصہ نہیں نکالا جاتا تھا[۴]

(مسلم)

۱؎ یزید ابن ہرمز ہا اور میم پر پیش، راساکن، ہمدانی تابعی ہیں۔ ابن سعد نے ان کا ذکر اہل مدینہ میں کیا ہے۔ اور کہا کہ ثقہ ہیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام اجل محمد باقر اور امام زہری روایت کرتے ہیں۔

۲؎ نجدہ نون پر زبر، جیم ساکن الحروری حا پر زبر اور را پر پیش، منسوب ہے۔ حروراء کی طرف جسے الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ کوفہ کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں خوارج کا پہلا اجتماع ہوا۔

۳؎ صراح میں ہے حُذیا حا اور نقطے والے ذال کے ساتھ بروزن فعلیٰ پہلے حرف پر پیش۔ مال غنیمت کا ایک حصہ۔

۴؎ اس روایت میں غلاموں کا ذکر نہیں ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ غلاموں، بچوں اور عورتوں کو کچھ مال غنیمت دیا جائے گا لیکن باقاعدہ معین حصہ نہیں دیا جائے گا۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ غلام کو کچھ حصہ اسی وقت دیا جائے گا جب کہ وہ جنگ کرے کیونکہ وہ اپنے مالک کی خدمت کر رہا ہے، لہٰذا اس کا حکم وہی ہے جو تاجر کا ہے۔ اور عورتوں کو بھی کچھ حصہ اسی صورت میں دیا جائے گا جب کہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کریں، کیونکہ وہ جنگ کرنے سے تو عاجز ہیں۔ ان کے لیے تیمارداری ہی جنگ کے حکم میں ہے۔ برخلاف غلام کے کہ وہ حقیقتہً جنگ کرنے پر قادر ہے۔

۳۸۱۱/۵ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ[۱] قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهٖ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مَعَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا

حضرت سلمہ بن اکوع[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ[۲] اپنے غلام رباح[۳] کے ساتھ بھیجے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا، جب ہم نے صبح کی تو اچانک عبدالرحمٰن فزاری[۴] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کیا اور

إِذَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ
قَدْ أَغَارَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقُمْتُ عَلٰى أَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ
الْمَدِيْنَةَ فَنَادَيْتُ ثَلٰثًا يَا
صَبَاحَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِيْ آثَارِ
الْقَوْمِ أَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَ
أَرْتَجِزُ أَقُوْلُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ
وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَمَازِلْتُ
أَرْمِيْهِمْ وَأَعْقِرُ بِهِمْ حَتّٰى
مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِّنْ
ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا خَلَّفْتُهُ
وَرَاءَ ظَهْرِيْ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ
أَرْمِيْهِمْ حَتّٰى أَلْقَوْا أَكْثَرَ
مِنْ ثَلٰثِيْنَ بُرْدَةً وَّثَلٰثِيْنَ
رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَلَا
يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ
عَلَيْهِ آرَامًا مِّنَ الْحِجَارَةِ
يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى
رَأَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ وَلَحِقَ أَبُوْ قَتَادَةَ
فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

لوٹ کر لے گیا، میں ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا
اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے تین مرتبہ
آواز دی اور کہا یَاصَبَاحَاہُ پھر میں ان لوگوں
کے قدموں کے نشانات کی راہنمائی میں نکلا
اس حال میں کہ میں انہیں تیر مارتا تھا اور رجزیہ
شعر پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں ابن اکوع
ہوں اور آج کمینوں کا دن ہے میں ان پر
تیر برساتا رہا اور ان کی سواریوں کی ٹانگوں
کو زخمی کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری
جتنے اونٹ پیدا کیے تھے وہ سب میں
نے اپنی پشت کے پیچھے چھوڑ دیے،
پھر میں نے تیر برساتے ہوئے ان کا پیچھا
کیا، حتیٰ کہ انہوں نے ہلکے ہونے کے لیے
تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیے
وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس پر پتھروں
سے نشانات لگاتا جاتا تھا، کہ انہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیں
حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے سواروں کو دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے سوار حضرت ابو قتادہ نے
عبدالرحمٰن کو جا لیا اور قتل کر دیا۔ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
آج ہمارے بہترین سوار ابو قتادہ
ہیں اور بہترین پیادے سلمہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهٗ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْ قَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ اَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَ سَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ اَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآءَهٗ عَلَى الْعَضْبَآءِ رَاجِعِيْنَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

ہیں، حضرت سلمہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے سوار اور پیدل دونوں کے حصے میرے لیے جمع فرما دیئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹتے ہوئے مجھے عضباء[۱۰] نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھایا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

[۱] حضرت سلمہ بن اکوع معروف صحابی اور مشہور بہادر جو پیادہ یا سواروں سے جنگ کرتے تھے۔

[۲] ظہر پشت کو کہتے ہیں، اس جگہ اونٹ مراد ہیں جن کی پشت پر سواری کی جاتی ہے۔

[۳] رباح راء اور باء پر زبر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ــــــ مواہب لدنیہ میں ہے کہ دودھ دینے والیاں اور بچہ جننے کے قریب بیس اونٹنیاں تھیں جو جنگل میں چرتی تھیں۔

[۴] عبدالرحمٰن فزاری فاء اور زاء پر زبر، مشہور کافر تھا۔

[۵] اَکَمَۃ ابتدائی تینوں حرفوں پر زبر، پہاڑ سے کم ٹیلہ، یا دہ اونچی اور سخت جگہ جو ابھی پتھر نہ ہوئی ہو۔

[۶] یَا صَبَاحَاہْ یہ ایسا کلمہ ہے جس کے ساتھ لوٹ مار کے وقت فریاد کی جاتی ہے جو عموماً صبح کے وقت واقع ہوتی ہے۔

[۷] جو اونٹ چرا کر بھاگ گئے تھے۔

[۸] رجز راء اور جیم پر زبر، آخر میں زاء، شعر کے بحروں کی ایک قسم جو جنگ کے موقع پر پڑھی جاتی ہے۔

۹؎ یعنی اے کافرو! آج تم کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے۔ رُضّع راء پر پیش، نقطے والا ضاد مشدد، راضع کی جمع جیسے رُکّع، جمع ہے رَاکع کی۔ راضع کمینے کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے راضع وہ کمینہ جس نے اپنی ماں کے پستان سے کمینگی حاصل کی ہو۔ اور اس چرواہے کو بھی راضع کہتے ہیں۔ جو دودھ دوہنے کے برتن کو محفوظ نہیں رکھتا اور جو بھی اس سے دودھ مانگے تو کہتا ہے کہ میرے پاس دودھ دوہنے کے لیے برتن نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ راضع اس کمینے کو کہتے ہیں جو اونٹنی کا دودھ منہ لگا کر چوستا ہے تاکہ کوئی دودھ دوہنے کی آواز سن کر اس سے دودھ نہ مانگ لے، یا دوہنے سے کچھ دودھ برتن سے لگا ہوا نہ رہ جائے،

شارحین فرماتے ہیں کہ آج رضّع کا دن ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آج معلوم ہو جائے گا کہ کس کو جنگ نے بچپن ہی سے دودھ پلایا ہے، اسی طرح مشارق میں ہے۔

۱۰؎ عقر چارپایوں کی ٹانگوں کو تلوار سے کاٹ دینا۔

۱۱؎ خَلَّفْتُہٗ لام مشدد کے ساتھ ـــــــ یعنی میں نے کافروں سے تمام اونٹنیاں چھڑا لیں۔

۱۲؎ بردۃ دھاری دار چھوٹا کمبل، یا مربع قسم کا سیاہ کمبل جسے بدوی پہنتے ہیں۔ انہوں نے یہ سب چیزیں اس لیے پھینک دیں تاکہ ہلکے پھلکے ہو کر تیز دوڑ سکیں اور بھاگ جائیں۔

۱۳؎ آرام۔ ہمزہ ممدودہ کے ساتھ، ارَم بر وزن عِنَبٌ یا کَتِفٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ علامت اور نشان ہے جو بیابانوں میں راستے یا دفینے کے لیے مقرر کرتے ہیں، عربوں کی عادت تھی کہ جب انہیں راستے میں کوئی چیز ملتی اور وہ اسے ساتھ نہ لے جا سکتے تو اس پر پتھر رکھ دیتے۔ تاکہ واپسی پر اسے پہچان لیں۔

۱۴؎ اور صحابہ کرام پہچان لیں، اگر میرے پیچھے آئیں۔

۱۵؎ کہ وہ آ رہے ہیں۔

۱۶؎ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرائے تھے۔

۱۷؎ رَجَّالَۃ جیم مشدد اور آخر میں تاء، جمع ہے راجل کی جس کا معنیٰ پیادہ ہے۔

۱۸؎ یہاں پر عنایت درجہ عنایت تھی کیونکہ اس جنگ کا بڑا حصہ حضرت سلمہ کی بدولت طے ہوا تھا۔ امام کے لیے جائز ہے کہ لوگوں کی ترغیب کے لیے جہاد میں زیادہ کوشش اور محنت کرنے والے کو حصے سے زیادہ انعام عطا کرے۔

۱۹؎ عَضْبَاءَ بے نقطہ عین پر زبر، نقطے والا ضاد ساکن۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا کان چیرا گیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا کان چیرا نہیں گیا تھا بلکہ وہ پیدائشی طور پر ہی ایسی تھی۔

۳۸۱۲ ؎ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ .. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوٰى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن لشکریں کو بھیجتے تھے ان میں سے بعض کو خصوصی طور پر ان کی ذات کے لیے عام لشکر کے حصے کے علاوہ زائد انعام دیتے تھے[1] (صحیحین)

[1] نفل کا معنی اصل میں زیادتی ہے۔ اسی لیے اس عبادت کو جو واجب نہ ہو نفل اور نافلہ کہتے ہیں، نافلہ نیزہ کو بھی کہتے ہیں۔ نفل پہلے دونوں حرفوں پر زبر، غنیمت، اس کی جمع انفال ہے، حدیث میں یُنَفِّلُ تشدید کے ساتھ۔ تَنْفِیْل سے مشتق ہے غنیمت سے زیادہ دینا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غازیوں کو جہاد میں ترغیب دلانے کے لیے غنیمت کے حصے میں سے زیادتی سے سرفراز فرماتے تھے۔

۳۸۱۳ وَعَنْهُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْلًا سِوٰى نَصِيْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَأَصَابَنِيْ شَارِفٌ وَ الشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْكَبِيْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خمس میں سے، ہمارے حصے کے علاوہ زیادتی عطا فرمائی۔ چنانچہ مجھے ایک معمر اونٹ ملا، شارف معمر اور بڑی عمر والے اونٹ کو کہتے ہیں[1] (صحیحین)

[1] قاموس میں ہے شارِف، پرانا اور قدیم تیر اور بڑی عمر والی اونٹنی (اھ) شارف نقطے والا شین، را اور آخر میں فاء۔

۳۸۱۴ وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَّهٗ فَأَخَذَهَا الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ أَبَقَ عَبْدٌ لَّهٗ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ

اور ان ہی سے روایت ہے کہ ان کا ایک گھوڑا بھاگ گیا، جسے دشمنوں نے پکڑ لیا پھر ان پر مسلمان غالب ہوتے تو وہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (ابن عمر کو) واپس کیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کا ایک غلام بھاگ کر رومیوں کے پاس چلا گیا پھر مسلمان ان پر غالب آئے تو نبی اکرم

عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خالد بن ولید نے وہ غلام انہیں واپس کر دیا۔[۳] (بخاری)

[۱] فرس کا اطلاق گھوڑے اور گھوڑی دونوں پر ہوتا ہے۔

[۲] اور اسے عام مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا۔

[۳] اس سے معلوم ہوا کہ کافر اس کے مالک نہیں ہوتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، اور اس کے بعد یہی حکم تھا، اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے۔ اگر تقسیم سے پہلے ہو، البتہ اگر تقسیم کے بعد ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۸۱۵/۹ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ اَنَا وَعُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَّاحِدَةٍ مِّنْكَ فَقَالَ اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَّلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ وَّبَنِيْ نَوْفَلٍ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جبیر بن مطعم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم[۲] نے عرض کیا کہ آپ نے خیبر کے پانچویں حصے میں سے بنو المطلب کو حصہ عطا فرمایا ہے اور ہمیں نہیں دیا حالانکہ ہمارا[۳] آپ سے یکساں تعلق ہے، فرمایا صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک چیز ہیں[۴]، حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس[۵] اور بنی نوفل[۶] کو کچھ حصہ عطا نہیں فرمایا۔

(بخاری)

[۱] حضرت جبیر بن مطعم قریشی، نوفلی صحابی ہیں۔

[۲] میں نے اور حضرت عثمان غنی نے

[۳] یعنی میں حضرت عثمان غنی اور بنی المطلب کا آپ سے ایک جیسا رشتہ ہے، کیونکہ ہم سب

عبد مناف کی اولاد ہیں اور وہ ہمارے اور آپ کے چوتھے دادا ہیں، کیونکہ ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل سب عبد مناف کے بیٹے ہیں اور میں جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ہوں اور عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔

سے ۴ اتفاق واتحاد اور اس معاہدے کی بنا پر جو ان کے درمیان جاہلیت میں تھا اور اسلام میں ہے۔ بنی عبد شمس اور بنی نوفل نے بنی ہاشم کی دشمنی اور مخالفت کی بنا پر آپس میں معاہدہ کیا تھا کہ ان کے ساتھ نکاح اور خرید و فروخت نہیں کریں گے جب تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد نہیں کر دیں گے۔ بنی مطلب، بنی ہاشم کے ساتھ اس وقت بھی متحد و موافق اور ایک سے تھے، بعض نے سِیٌّ وَاحِدٌ بے نقطہ سین کے ساتھ روایت کیا، جس کا معنیٰ مثل اور برابر ہے اور وَاحِدٌ اس کی تفسیر ہے۔

سے ۵ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔

سے ۶ جو میرے رشتہ دار تھے۔

۳۸۱۶/۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا قَرْیَةٍ اَتَیْتُمُوْهَا وَاَقَمْتُمْ فِیْهَا فَسَهْمُكُمْ فِیْهَا وَ اَیُّمَا قَرْیَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِیَ لَكُمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ گاؤں[1] جہاں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس میں تمہارا حصہ ہے اور جو گاؤں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے[2] تو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے پھر وہ[3] اموال غنیمت تمہارے لیے ہیں۔ (مسلم)

سلہ کافروں کا گاؤں، یعنی وہ جنگ کے بغیر جس گاؤں کو خالی کر دیں اور تمہارے ساتھ صلح کر لیں۔ ایسے اموال کو فیئی کہتے ہیں تو اس گاؤں میں تمہارا حصہ ہے۔ چنانچہ اسے فیئی کے مصارف میں صرف کیا جائے گا۔ امام شافعی کے علاوہ اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

سلہ ۲ اور تم اسے جنگ، قہر اور غلبہ کے ساتھ حاصل کرو۔

سلہ ۳ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد وہ اموال غنیمت تمہارے لیے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ پہلی قسم سے وہ چیز مراد ہے جو لشکر کے ہاتھ آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہمراہ نہ ہوں تو وہ لشکر کے لیے ہے اور دوسری قسم سے وہ چیز مراد ہے جو لشکر کو ملے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ ہوں تو اس میں سے

پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی لشکر میں تقسیم فرما دیتے تھے، اسی طرح اس حدیث کی تفسیر کی گئی ہے۔

۳۸۱۷/۱۱ وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت خولہ انصاریہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناحق واقع ہوتے ہیں[2] تو قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ (بخاری)

[1] حضرت خولہ انصاریہ نقطے والی خا پر زبر اور واؤ ساکن، مشہور صحابیہ ہیں۔

[2] اور اس میں ناجائز تصرف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے مال سے مراد مال غنیمت ہے اور اگر فیئ، مال زکوٰۃ وغیرہ کو شامل قرار دیں تو بھی درست ہے۔ لغت میں خوض کا معنیٰ پانی میں آنا ہے۔

۳۸۱۸/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيْرٌ لَّهٗ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَّهٗ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، پس مالِ غنیمت میں خیانت کا ذکر کیا۔ اس کے ارتکاب کی شدت بیان کی اور اس کے معاملے کی شدت[1] بیان فرمائی۔ پھر فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا[2] ہو، وہ شخص کہہ رہا ہو یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں[3] تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز[4] کا مالک نہیں۔ تحقیق میں تجھے شریعت کا حکم پہنچا چکا ہوں[5] میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے، اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا[6]

لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَّهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَّهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِىْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ هٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَ هُوَ اَتَمُّ)

رہا ہو، وہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں تجھے شریعت کا حکم پہنچا چکا، میں تم میں سے کسی شخص کو ہرگز نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کی گردن پر بکری ممیا رہی ہو، وہ کہے کہ یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں تو میں کہوں کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے حکم شریعت پہنچا چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اس کی گردن پر غلام چیخ رہا ہو، وہ کہے یا رسول اللہ میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے حکم شرع پہنچا چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے۔ اس کی گردن پر کپڑے پھڑپھڑا رہے ہوں، وہ کہے یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے حکم خداوندی پہنچا چکا، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے، اس کی گردن پر سونا چاندی ہو، وہ کہے یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیں، تو میں کہوں: میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا چکا۔ (صحیحین) اور یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور یہ لفظ زیادہ کامل ہے۔

لے اور اس میں جو آخرت کا عذاب ہے۔
۲ے اُلْفِیَنَّ ہمزہ پر پیش، فار کے نیچے زیر، اِلْفَاءٌ سے مشتق ہے جس کا معنی پانا ہے۔
۳ے رُغَاءٌ راء پر پیش، نقطے والی غین مخفف، آخر میں الف ممدودہ، اونٹ کی آواز، اس کا بلبلانا، یہ وہ اونٹ ہوگا جو اس نے مالِ غنیمت میں سے چرایا ہوگا، وہ اس کے سر پر لاد دیا جائے گا جہاں وہ بلبلائے گا۔
۴ے اور مجھے اس عذاب سے رہائی دلائیں۔
۵ے اس عذاب کے دفع کرنے اور اس سے نجات دلانے کا۔
۶ے اور میں تجھے بھرپور انداز میں ڈرسنایا، مگر تو نے اس پر عمل نہ کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ارشاد زجر و توبیخ اور سزا کے طور پر ہوگا اور ان لوگوں کی شفاعت میں تاخیر کی جائے گی۔ اور اگر شفاعت نہ بھی فرمائیں تو آپ پر واجب نہیں ۱ے ہے۔
۷ے حَمْحَمَۃٌ دونوں بے نقطہ حاؤں پر زبر، دونوں کے درمیان میم ساکن، گھوڑے کی آواز جو صَہِیْلٌ سے پست ہوتی ہے۔
۸ے ثُغَاءٌ تین نقطے والی ثار پر پیش، نقطے والی غین مخفف، بکری کی آواز۔
۹ے رِقَاعٌ رار کے نیچے زیر، رقعہ کی جمع، کپڑے کا ٹکڑا، بعض شارحین نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رقعہ سے مراد کاغذ کا وہ ٹکڑا ہو جس میں لوگوں کے حقوق اور اموال لکھے ہوتے ہوں۔
۱۰ے سونے چاندی کو مالِ صامت کہتے ہیں۔
۱۱ے امام مسلم کی روایت بعض مقامات پر لفظوں میں امام بخاری کی روایت کے مخالف ہے۔ تاہم امام مسلم کی روایت میں زیادہ تفصیل ہے۔

۳۸۱۹ وَعَنْهُ قَالَ اَهْدٰى رَجُلٌ[۱۲] لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُّقَالُ

اور ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جسے مِدْعَم کہا جاتا تھا۔ مدعم رسول اللہ

---

لے اگر یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو خیانت حلال جان کر کریں وہ تو کافر ہو چکے اور کافر کے لیے شفاعت نہیں، اور اگر مسلمان فاسق مراد ہیں جو یہ حرکات حرام سمجھتے ہوئے کریں تو یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی شفاعت بڑے بڑے گنہگار مسلمانوں کو نصیب ہوگی۔ فرماتے ہیں شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ اور فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خاص دعا قیامت میں شفاعت کرنے کے لیے چھپا رکھی ہے اور وہ دعا ہر مسلمان کو پہنچے جو ایمان پر مرے۔ ۱۲ مراۃ

لَهٗ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَصَابَهٗ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهٗ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَآءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ اَوْ شِرَاكَيْنِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِّنَ النَّارِ اَوْ شِرَاكَانِ مِنَ النَّارِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے سامان کھول رہے تھے کہ اچانک انہیں اندھا[2] تیر آکر لگا، جس نے انہیں قتل کر دیا، لوگوں نے کہا کہ انہیں جنت مبارک[3] ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، بے شک وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن اموالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لی تھی، اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے، جب لوگوں نے یہ ارشاد سُنا[5] تو ایک شخص ایک یا دو تسمے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا، آپ نے فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا فرمایا: آگ کے دو تسمے ہیں[6]۔

(صحیحین)

[1] مدعم میم کے نیچے زیر، دال بے نقطہ ساکن، عین بے نقطہ پر زبر۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاہ فام غلام جو رفاعہ بن زید بن وہب جذامی (جیم اور نقطے والے ذال پر زبر) نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔
[2] جس کے مارنے والے کا علم نہ ہو سکا۔
[3] کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اور شہید ہو گئے۔
[4] شملہ نقطے والے شین پر زبر، میم ساکن، چھوٹی چادر جو اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ اشتعال آگ کا بھڑکنا۔
[5] تو ڈر گئے اور جس نے کوئی چیز لی تھی، اگرچہ معمولی ہی تھی لا کر بارگاہ اقدس میں پیش کر دی۔
[6] یعنی ان میں خیانت کرنا دوزخ کی آگ کا سبب ہے۔ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو۔

۳۸۲۰/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان[1] پر ایک شخص مقرر تھا جسے کرکرہ[2] کہا جاتا ہے۔ وہ فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے، صحابۂ کرام دیکھنے کے لیے گئے[3] تو انہیں ایک چادر[4] ملی جو اس شخص نے چرائی تھی۔ (بخاری)

[1] ثقل تین نقطے والی ثاء اور قاف، دونوں پر زبر، مسافر کا ساز و سامان جو چار پائے پر لادا گیا ہو۔

[2] کرکرۃ پہلے کاف پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ دوسرے کاف کے نیچے زیر ہی ہے۔ بعض شارحین نے دونوں پر زبر بیان کی ہے۔

[3] ان کا ساز و سامان دیکھنے کے لیے گئے، غالباً انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ وعید، مالِ غنیمت میں خیانت کی بنا پر ہے۔

[4] عباءۃ عین پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، ایک قسم کی چادر۔

۳۸۲۱/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُصِيْبُ فِيْ مَغَازِيْنَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ وَلَا نَرْفَعُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہمیں ہمارے غزوات میں شہد اور انگور ہاتھ آتے تھے اور اسے کھا لیتے تھے اور اسے اٹھا نہ رکھتے تھے[1] (بخاری)

[1] ہم ان چیزوں کو تقسیم کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں لے جاتے تھے، مطلب یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقے کو روا رکھتے تھے اور درست قرار دیتے تھے، علماء کا اتفاق ہے کہ مجاہدین جب تک دارالحرب میں رہیں مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کھانے کی چیزیں، حاجت کے مطابق کھا سکتے ہیں۔

۳۸۲۲/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ اَصَبْتُ جِرَابًا مِّنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ ..

حضرت عبداللہ بن مغفل[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن مجھے چربی کی ایک تھیلی ملی، میں نے اسے دبوچ لیا

فَالْتَزَمْتُہٗ فَقُلْتُ لَا اُعْطِیْ الْیَوْمَ اَحَدًا مِّنْ ھٰذَا شَیْئًا فَالْتَفَتُّ فَاِذَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَبَسَّمُ اِلَیَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَا اُعْطِیْکُمْ فِیْ بَابِ رِزْقِ الْوُلَاۃِ۔

اور کہا[۲] کہ آج میں اس میں سے کچھ بھی کسی کو نہیں دوں گا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے[۳] تھے۔ (صحیحین)

حضرت ابوہریرہ کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے "مَا اُعْطِیْکُمْ" ہے بَابُ رِزْقِ الْوُلَاۃِ میں بیان کردی گئی ہے۔

[۱] حضرت عبداللہ بن مغفل میم پر پیش، نقطے والی غین پر زبر اور فاء مشدد۔

[۲] دل میں یا زبان سے۔

[۳] میرے اس فعل پر کہ میں نے چربی کی تھیلی کو اپنے ساتھ چپٹایا ہوا تھا۔

[۴] مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ بیان کی گئی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۳۸۲۳/۱۷ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللہَ فَضَّلَنِیْ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ اَوْ قَالَ فَضَّلَ اُمَّتِیْ عَلَی الْاُمَمِ وَ اَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ۔ (تِرْمِذِیٌّ)

حضرت ابوامامہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے انبیاء کرام پر فضیلت دی یا فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دی اور ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرمائیں[۲]۔ (ترمذی)

[۱] حضرت ابوامامہ باہلی مشہور صحابی ہیں۔

[۲] یہ فضیلت کا بیان ہے یا یہ مطلب ہے کہ دوسری فضیلتوں کے علاوہ یہ فضیلت بھی دی کہ غنیمتیں حلال کردیں۔

۳۸۲۴/۱۸ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقَتَلَ اَبُوْطَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلًا وَّ اَخَذَ اَسْلَابَهُمْ۔
(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے دن فرمایا: جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سازوسامان[1] اس کے لیے ہے حضرت ابو طلحہ[2] نے اس دن بیس کافروں کو قتل کیا اور ان کا سامان حاصل کیا۔
(دارمی)

لے کپڑے اور گھوڑا (اور ہتھیار) وغیرہ
سے جو حضرت انس کی والدہ کے شوہر تھے۔

۳۸۲۵/۱۹ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَ لَمْ يُخَمِّسِ السَّلَبَ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عوف بن مالک اشجعی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے سامان کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ وہ تمام قاتل کے لیے ہے اور اس میں سے پانچواں حصہ نہیں لیا[1]
(ابوداؤد)

لے جیسے کہ آپ اموال غنیمت میں سے لیتے تھے۔

۳۸۲۶/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ اَبِيْ جَهْلٍ وَ كَانَ قَتَلَهٗ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بدر کے دن بطور انعام[1] ابوجہل کی تلوار عطا فرمائی، انہوں نے اسے قتل کیا تھا[2]
(ابوداؤد)

لے یعنی حصہ غنیمت سے زائد۔
سے ابوجہل کو قتل کرنے والے دوسرے صحابی ہیں، لیکن اس کے قتل میں حضرت ابن مسعود کا بھی دخل تھا اور وہ

اس قتل میں شریک تھے، اس لیے ابوجہل کے مال میں سے حاصل ہونے والی تلوار انہیں عطا فرمائی، اس واقعے کی تفصیل تیسری فصل میں آئے گی۔

۳۸۲۷/۲۱ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِي فَكَلَّمُوْا فِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمُوْهُ اَنِّيْ مَمْلُوْكٌ فَاَمَرَنِيْ فَقُلِّدْتُ سَيْفًا فَاِذَا اَنَا اَجُرُّهُ فَاَمَرَ لِيْ بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَ عَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ اَرْقِيْ بِهَا الْمَجَانِيْنَ فَاَمَرَنِيْ بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَ حَبْسِ بَعْضِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ) اِلَّا اَنَّ رِوَايَتَهُ اِنْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ۔

حضرت آبی اللحم کے غلام حضرت عمیر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر کو حاضر ہوا، میرے مالکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے بارے میں گفتگو کی[۲] انہوں نے بیان کیا کہ میں غلام ہوں، تو آپ نے مجھے حکم دیا، چنانچہ میرے گلے میں تلوار لٹکا دی گئی۔ میں اسے گھسیٹ[۳] ہی رہا تھا کہ آپ نے میرے لیے کچھ مال غنیمت[۴] کا حکم فرمایا۔ میں نے آپ کے سامنے ایک منتر پیش کیا جس کے ساتھ میں پاگلوں کو دم کیا کرتا تھا تو آپ نے مجھے اس کے کچھ حصے کے پھینکنے اور کچھ حصے کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا[۵]۔ (ترمذی ابوداؤد) البتہ امام ابوداؤد کی روایت المتاع پر ختم ہو گئی ہے۔

[۱] عمیر بے نقطہ عین پر پیش، آبی اللحم، ہمزہ پر مد، با کے نیچے زیر، اس کا معنی ہے گوشت کھانے سے انکار کرنے والا، حضرت آبی اللحم قدیم اور مشہور صحابی ہیں، غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور حنین کے روز شہید ہوئے۔ ان کے نام اور ان کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔ آبی اللحم ان کا لقب ہے، اس لیے کہ وہ بالکل گوشت نہیں کھاتے تھے بعض محدثین نے کہا کہ دورِ جاہلیت میں بتوں پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ حضرت عمیر حضرت آبی اللحم کے غلام، غفاری اور حجازی ہیں، وہ بھی صحابی ہیں۔ فتح خیبر کے موقع پر اپنے آقا کے ساتھ حاضر ہوئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے آقا سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے تابعین کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

[۲] کہ اسے جہاد کے لیے لے جائیں یا خدمت کے لیے، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے میری تعریف کی،

یا یہ پوچھا کہ کیا اسے مالِ غنیمت میں کوئی چیز دی جائے یا نہ؟

۳ کہ میں ہتھیار اٹھاؤں اور مجاہدوں اور غازیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔

۴ چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے۔

۵ خرثی نقطے والی خا پر پیش، بے نقطہ را ساکن، تین نقطوں والی ثا کے نیچے زیر، اور یا مشدد، گھریلو سامان میں سے معمولی چیز، مثلاً دیگچہ وغیرہ خرثی سرخ چیونٹی کو بھی کہتے ہیں، اس جگہ معمولی اور تھوڑی چیز مراد ہے۔

۶ ظاہر یہ ہے کہ اس منتر کے کچھ کلمات اچھے تھے اور کچھ قبیح تھے، پس آپ نے قبیح کے ترک کرنے اور باقی کے پڑھنے کا حکم دیا، دم کرنے کے کلمات کے بارے میں قاعدہ یہی ہے کہ اگر قرآن پاک کے کلمات اسماء الٰہیہ اور ان جیسے کلمات سے ہو تو انہیں پڑھنا چاہیے اور جو اس طرح نہ ہو یا اس کا معنٰی معلوم نہ ہو تو اسے نہیں پڑھنا چاہیے۔ اس مسئلے کی تفصیل باب الرقی میں آئے گی۔

۷ اور اس میں عَرَضْتُ عَلَيْهِ سے لے کر آخر تک کا حصہ نہیں ہے۔

۳۸۲۸/۲۲ وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى اَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ اَلْفًا وَّخَمْسَ مِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلٰثُ مِائَةِ فَارِسٍ فَاَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ) وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ اَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَاَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ اَنَّهٗ قَالَ ثَلٰثُ مِائَةِ فَارِسٍ وَاِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ۔

حضرت مجمع بن جاریہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر سے حاصل ہونے والا مال اہل حدیبیہ[۲] میں تقسیم کیا گیا، چنانچہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا، لشکر ایک ہزار پانچ سو افراد پر مشتمل تھا، ان میں تین سو گھوڑے کے سوار تھے، پس سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ (ابوداؤد) امام ابوداؤد نے کہا کہ ابن عمر کی حدیث[۳] زیادہ صحیح ہے، اور اسی[۴] پر عمل ہے، مجمع کی حدیث میں وہم واقع ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ سوار تین سو تھے، حالانکہ سوار صرف دو سو تھے۔[۵]

لہ حضرت مجمع میم پر پیش، جیم پر زبر، میم مشددہ کے نیچے زیر اور عین بے نقطہ بن جاریہ جیم، راء اور یاء کے ساتھ مدنی انصاری صحابی ہیں، ان کا باپ، مسجد ضرار والے منافقوں میں سے تھا، حضرت مجمع مخلص اور صاحب استقامت تھے، قرآن پاک کے قاری تھے۔ حضرت ابن مسعود نے آدھا قرآن پاک ان سے حاصل کیا تھا، یہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں پورا قرآن پاک یاد کیا تھا۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت دو سورتیں باقی تھیں (جو انہوں نے بعد میں یاد کیں۔ ۱۲ قادری)

۲ہ یہ حضرات بیعت رضوان سے مشرف ہوتے تھے، اس کے ایک سال بعد خیبر فتح ہوا۔ قرآن مجید میں اس فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

۳ہ جو پہلی فصل میں گزر گئی ہے، اس کے مطابق سوار کے تین حصے ہیں۔

۴ہ اکثر ائمہ کا عمل ہے۔

۵ہ یاد رہے کہ حضرت مجمع کی حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سوار کے دو حصے ہیں۔ جیسے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں، کیونکہ جب (اٹھارہ حصوں میں سے) تین سو سواروں میں سے ہر سو کو دو حصے عطا فرمائے تو چھ حصے نکل گئے، بارہ حصے باقی بچے، تو پیادوں میں ہر سو کے لیے ایک حصہ ہوا، جو حضرات کہتے ہیں کہ سوار کے تین حصے ہیں، ان کے قول کے مطابق تقسیم درست نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں سواروں کے نو حصے ہوں گے، اور پیادوں کے بارہ حصے ہوتے تو مجموعی طور پر اکیس ۲۱ حصے ہو جائیں گے۔ ابن عباس اور ابن عمر سے بھی حضرت مجمع کی مثل حدیث روایت کی گئی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی حدیث زیادہ قوی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہل حدیبیہ کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں، ایک روایت میں ان کی تعداد ایک ہزار اور چار سو ہے، دو سو سوار تھے۔

۳۸۲۹ / ۲۳ وَعَنْ حَبِيْبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت حبیب بن مسلمہ فہری[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے ابتداء[2] میں چوتھائی حصہ بطور انعام دیا اور واپسی[3] پر تہائی حصہ عطا فرمایا۔ (ابوداؤد)

لہ حبیب بروزن کریم بن مسلمہ میم پر زبر دو میموں کے درمیان سین ساکن۔ الفہری فاء کے نیچے زیر اور ہاء ساکن

رومیوں کے ساتھ بکثرت جہاد کرنے کی وجہ سے انہیں حبیب الروم بھی کہتے ہیں، حضرت عمر بن خطاب نے انہیں جزیرہ کا عامل مقرر فرمایا، صاحبِ فضیلت اور مستجاب الدعوۃ تھے۔ جامع الاصول میں اختلاف کا ذکر کیے بغیر ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ کاشف میں فرمایا کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر بارہ سال تھی،

۲؎ جنگ کی ابتدا میں۔

۳؎ جنگ سے واپسی پر، یعنی جب لشکر کا ایک حصہ لشکر کے پہنچنے سے پہلے جنگ کی ابتدا میں دشمنوں کے ساتھ جنگ میں کود پڑتا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں غنیمت کا چوتھائی حصہ عنایت فرماتے اور باقی تین حصوں میں انہیں شریک کرتے، اور جب لشکر جنگ سے واپس ہوتا اور ایک جماعت دشمن پر یلغار کر دیتی تو اس جماعت کو غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے۔ اور باقی دو تہائی میں انہیں شریک فرماتے، کیونکہ واپسی پر جنگ میں ان کی کاروائی اور مشقت سخت ہوتی اور خطرہ بھی زیادہ ہوتا، ابتدا میں لشکر کی آمد آمد ہوتی ہے اور وہ آکر امداد کرتا ہے، برخلاف واپسی کے کہ سب لوگ لوٹ چکے ہیں، ایسی صورت میں کاروائی کرنا اور جنگ کرنا بہت مشکل اور دشوار ہوتا ہے اور انعام، جنگ میں مشقت اور کوشش کی بنا پر دیا جاتا ہے۔

۳۸۳۰/۲۴ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَ الثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ اِذَا قَفَلَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پانچواں حصہ نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ انعام میں دیتے تھے[۱] اور واپسی پر پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تہائی حصہ دیتے تھے[۲] (ابوداؤد)

۱؎ یعنی جنگ کی ابتدا میں جیسے کہ گزشتہ حدیث میں گزر گیا ہے اور آئندہ عبارت بھی اس پر قرینہ ہے۔

۲؎ لیکن گزشتہ حدیث میں خمس کا ذکر نہیں ہے، اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ابتدا میں چوتھائی حصہ اور واپسی پر تہائی حصہ جو عطا فرماتے تھے وہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تھا یا اس سے پہلے اور اس جگہ بیان کیا ہے کہ پانچواں حصہ نکالنے کے بعد تھا، پہلے پانچواں حصہ نکالتے تھے پھر چوتھائی یا تہائی اسی جگہ عطا فرما دیتے، بعد میں تقسیم کرتے تھے۔

۳۸۳۱/۲۵ وَعَنْ اَبِي الْجُوَيْرِيَةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ اَصَبْتُ بِاَرْضِ

حضرت ابو جویریہ جرمی[۱] سے روایت ہے کہ مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الرُّوْمِ جَرَّةً حَمْرَآءَ فِيْهَا دَنَانِيْرُ فِيْ اِمْرَةِ مُعَاوِيَةَ وَعَلَيْنَا رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهٗ مَعْنُ ابْنُ يَزِيْدَ فَاَتَيْتُهٗ بِهَا قَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَعْطَانِيْ مِنْهَا مِثْلَ مَا اَتٰى رَجُلًا مِّنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا نَفْلَ اِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ لَاَعْطَيْتُكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کے زمانہ حکومت میں، روم کے علاقے میں ایک سرخ گھڑا ملا جس میں دینار[3] تھے، ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بنو سلیم[4] کے ایک شخص حاکم مقرر کیے گئے تھے جنہیں معن بن یزید[5] کہا جاتا تھا۔ میں نے وہ گھڑا ان کی خدمت میں پیش کر دیا، جسے انہوں نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، اور اس میں سے مجھے بھی اتنا حصہ دیا جتنا دوسرے مسلمانوں کو دیا تھا[6]، پھر فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوتا کہ انعام[7] پانچویں حصے کے بعد ہی ہوتا ہے تو میں تمہیں انعام دیتا۔

(ابوداؤد)

۱ ابوالجویریہ جیم پر پیش، واؤ پر زبر، پہلی یا ساکن اور دوسری مخفف الجرمی جیم پر زبر اور را ساکن۔ جرم بن زباد کی طرف منسوب، بصری اور ثقہ تابعی ہیں، ابن عباس، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اُن سے ابن عیینہ اور شعبہ وغیرہما روایت کرتے ہیں۔

۲ امرۃ ہمزہ کے نیچے زیر، میم ساکن اور اس کے بعد ہمزہ نہیں ہے، بمعنی حکومت۔

۳ سونے کے دینار

۴ بنو سلیم سین پر پیش، لام پر زبر، ایک قبیلے کا نام ہے۔

۵ معن میم پر زبر، عین ساکن

۶ یعنی سب کو برابر حصہ دیا اور مجھے زائد حصہ نہ دیا۔

۷ بعض مجاہدوں کو خاص طور پر جو زائد حصہ دیا جاتا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انعام خمس کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا انعام اس مال میں ہوگا جس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالا جاتا ہے اور خمس اس مال میں ہوتا ہے جو کافروں سے زبردستی اور غلبے کی بنا پر حاصل کیا جاتا ہے، جسے مالِ غنیمت کہتے ہیں، وہاں جنگ ہوتی ہے

اور یہ مال فیئی ہے اور اس میں خمس نہیں ہے لہٰذا انعام بھی نہیں ہوگا۔

۳۸۳۲ / ۲۶ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ فَاَسْهَمَ لَنَا اَوْ قَالَ فَاَعْطَانَا مِنْهَا وَمَا قَسَمَ لِاَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهٗ اِلَّا اَصْحَابَ سَفِيْنَتِنَا جَعْفَرًا وَّ اَصْحَابَهٗ اَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آئے تو اتفاقاً اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ نے خیبر فتح کیا[۱] تو آپ نے ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا، یا فرمایا کہ ہمیں بھی خیبر کی غنیمت سے مال عطا کیا، آپ نے فتح خیبر سے غیر حاضر ہونے والے کسی فرد کو اس غنیمت سے کچھ حصہ نہ دیا، سوائے ان کے جو آپ کے ساتھ حاضر ہوئے[۲]، مگر ہماری کشتی والوں[۳]، حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کو حاضرین کے ساتھ غنیمت میں سے حصہ عطا کیا[۴]۔ (ابوداؤد)

[۱] حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن سے مکہ مکرمہ حاضر ہوکر اسلام لائے پھر ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے[۱]، وہاں سے واپس مدینہ منورہ آئے۔ اتفاقاً ان کی آمد اس وقت ہوئی جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی تشریف لائے۔ یہ حضرات بھی ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے، اب مل کر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ نے خیبر فتح کیا۔

[۲] یہ کلام سابق کی تاکید ہے۔

[۳] جو ایک کشتی میں سوار ہوکر آئے تھے، حبشہ دریا کے کنارے واقع ہے۔ وہاں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

---

[۱] احادیث صحیحہ کے مطابق فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ دریا کے راستے یمن سے مدینہ منورہ کا ارادہ کرکے روانہ ہوتے قضاء الٰہی سے ہوا نے کشتی کو حبشہ کے ساحل پر پہنچا دیا۔ اس جگہ حضرت جعفر سے ملاقات ہوئی اور ان کے پاس ہی قیام کیا۔ جب صلح حدیبیہ ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو طلب فرمایا، ان کے ہمراہ حضرت ابوموسیٰ اس وقت مدینہ منورہ پہنچے جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا۔ ۱۲ امیر علی۔

آنے کے لیے کشتی کا سفر کرنا پڑتا ہے۔

ؔ۴ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ انہیں غنیمت میں سے حصہ اس لیے دیا گیا کہ یہ حضرات اگرچہ جنگ کے بعد حاضر ہوتے تھے لیکن مالِ غنیمت جمع کرنے سے پہلے پہنچ گئے تھے، یہ ان حضرات کی تاویل ہے جو کہتے ہیں کہ اس وقت حاضر ہونے والا غنیمت میں شریک ہوگا، جیسے کہ امام شافعی کا ایک قول ہے۔ دوسرے علماء جو اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ غازیوں اور غنیمت حاصل کرنے والوں کی رضا سے ان حضرات کو حصہ دیا گیا اور یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔

۳۸۲۳ / ۲۷ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِّنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت یزید بن خالدؔ۱ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی خیبر کے دن فوت ہو گئے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا تو فرمایا تم اپنے ساتھی پر نماز پڑھوؔ۲۔ اس بات پر لوگوں کے چہروں کا رنگ بدل گیاؔ۳، فرمایا: تحقیق تمہارے ساتھی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیانت کی ہے، ہم نے ان کے سامان کی تلاشی لی تو ہمیں یہودیوں کا ایک منکاؔ۴ ملا جو دو درہموں کے برابر نہ تھاؔ۵۔ (مالک، ابو داؤد نسائی)

ؔ۱ یزید بن خالد، شارحین نے فرمایا کہ صحیح زید بن خالد ہے کیونکہ یزید بن خالد نام کے کوئی صحابی معلوم نہیں ہیں جامع الاصول میں ہے کہ حضرت زید بن خالد کی کنیت ابو طلحہ ہے، بعض نے کہا ابو عبدالرحمٰن صحابی ہیں، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، ان سے مشہور اور جلیل القدر تابعی حضرت عبداللہ بن عتبہ نے روایت کی، ۷۸ھ عبدالملک کے زمانے میں اور بعض نے کہا کہ حضرت امیر معاویہ کے آخری دنوں میں پچاسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی میں نہیں پڑھتا۔

۳؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی بنا پر۔

۴؎ یعنی وہ منکا جسے یہودی سنبھال کر رکھتے ہیں اور ان کی عورتیں پہنتی ہیں۔ خرز نقطے والی خا اور را اور دونوں پر زبر، آخر میں نقطے والی زا، منکا، موتی۔

۵؎ یعنی اس کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔

۳۸۴۴ / ۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ غَنِيْمَةً أَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهُ وَيُقَسِّمُهُ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِّنْ شَعْرٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا أَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ أَسَمِعْتَ بِلَالًا نَادٰى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَجِيْءَ بِهٖ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ أَنْتَ تَجِيْءُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مال غنیمت حاصل کرتے تو حضرت بلال کو حکم دیتے، وہ لوگوں میں اعلان کرتے[۱]، لوگ اپنی غنیمتیں لے آتے اور آپ پانچواں حصہ نکال کردہ مال تقسیم فرما دیتے، ایک دن اس کے بعد ایک شخص نے بالوں کی لگام لا کر عرض کیا کہ یہ ہمیں مالِ غنیمت میں ملی تھی، فرمایا کیا تم نے تین بار بلال کا اعلان سنا تھا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا، پھر تمہیں اس کے لانے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے عذر پیش کیا[۲]۔ فرمایا جاؤ تم اسے قیامت کے دن[۳] لاؤ گے، میں ہرگز تم سے یہ قبول نہیں کروں گا۔

(ابوداؤد)

۱؎ کہ اپنے اپنے اموال غنیمت لے آؤ۔

۲؎ کہ فلاں سبب سے تاخیر ہو گئی۔

۳؎ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں۔

ﻟﻪ یہ وعید، سختی اور تغلیظ تھی ورنہ اگر آدمی توبہ کر لے اور مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو راضی کرے تو ممکن ہے اس کی معذرت قبول کر لی جائے۔

۳۸۳۵/۲۹ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ حَرَّقُوْا مَتَاعَ الْغَالِّ وَ ضَرَبُوْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غنیمت میں خیانت کرنے والے کا سامان جلا دیا اور اسے مارا ﻟﻪ (ابو داؤد)

ﻟﻪ بطور تعزیر، بعض اہل علم جن میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں اس حدیث کے ظاہر کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خیانت کرنے والے کا مال جلا دیا جائے سوائے جانور اور قرآن پاک کے اور اس مال کے جو اس نے خیانت سے حاصل کیا ہے کیونکہ وہ غانمین کا حق ہے، علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے کہ یہ بطور تغلیظ اور تشدید وارد ہے، ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں۔

۳۸۳۶/۳۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَكْتُمْ غَالًّا فَاِنَّهٗ مِثْلُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص خیانت کرنے والے کو چھپائے ﻟﻪ، بے شک وہ اس کی مثل ہے۔ (ابو داؤد)

ﻟﻪ اور اسے امیر کے سامنے نہ لائے، اور اس کی رعایت و حمایت کرے تو وہ خیانت میں ابو جہل ہے اور گناہ میں اس کا شریک ہے۔

۳۸۳۷/۳۱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَى الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے غنیمتوں کے خریدنے سے منع فرمایا ﻟﻪ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

لہ کیونکہ وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہیں۔

۳۸۳۸/۳۲ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰی اَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰی تُقْسَمَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے مال غنیمت کے حصے بیچنے سے منع فرمایا لہ

(ترمذی)

لہ یعنی اگر کوئی شخص اپنا حصہ تقسیم سے پہلے فروخت کرنا چاہے تو وہ فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے۔

یہ مسئلہ ان حضرات کے نزدیک ہے جو ملکیت کو تقسیم پر موقوف مانتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو نہ تو سودے کا پوری طرح علم ہے اور نہ ہی اس کی صفت معلوم ہے

۳۸۳۹/۳۳ وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ هٰذِهِ الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِكَ لَهٗ فِیْهِ وَ رُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِیْمَا شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لَیْسَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلَّا النَّارُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تحقیق یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے، تو جسے وہ آدمی اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے اُسے اس میں برکت عطا کی جائے گی اور بہت سے افراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مال میں واقع ہوتے ہیں جسے ان کا نفس چاہتا ہے، ان کیلئے قیامت کے دن صرف آگ ہوگی۔

(ترمذی)

لہ حضرت خولہ بنت قیس صحابیہ ہیں، ان کو خویلہ بھی کہتے ہیں حضرت امیر حمزہ کی اہلیہ محترمہ تھیں، اسی طرح کاشف میں ہے۔

۲؎ یعنی مال غنیمت، سرسبز اور میٹھا ہے، جو دیکھنے میں اچھا لگتا ہے اور دل کو دلچسپ دکھائی دیتا ہے۔
۳؎ یعنی حلال طریقے سے۔
۴؎ مال غنیمت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔

۳۸۴۰/۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَیْفَہٗ ذَا الْفَقَارِ یَوْمَ بَدْرٍ۔ (رَوَاہُ اَبْنُ مَاجَۃَ) وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ وَھُوَ الَّذِیْ رَاٰی فِیْہِ الرُّؤْیَا یَوْمَ اُحُدٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدر کے دن ذوالفقار نامی تلوار خود بطور نفل (زیادتی) قبول فرمائی (ابن ماجہ) امام ترمذی نے اضافہ کیا کہ یہ وہی تلوار تھی جس کے بارے میں آپ نے احد کے دن خواب ۲؎ دیکھا تھا۔

۱؎ یعنی اپنے لیے منتخب فرمائی۔ ذوالفقار فاء پر زبر، یہ تلوار منبہ بن الحجاج کی تھی، قاموس میں ہے کہ عاص بن منبہ کی تھی جو بدر کے دن حالت کفر میں مارا گیا۔ بعدازاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تلوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرما دی۔ اسے ذوالفقار اس لیے کہتے ہیں کہ فقار ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں، اس تلوار کی پشت میں ریڑھ کی ہڈی ایسے منکے جڑے ہوئے تھے۔
۲؎ دا شعۃ اللمعات میں ہے کہ تلوار کے منکوں کے بارے میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب دیکھا، صحیح یہ ہے کہ ضمیر تلوار کی طرف راجع ہے۔ ۱۲ (قادری)
۲؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے ذوالفقار کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی اسے دوبارہ حرکت دی تو وہ پہلے سے بھی بہتر ہو گئی، آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ احد کے دن شکست ہو گی آخر میں فتح ہو گی۔

۳۸۴۱/۳۵ وَعَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَرْکَبْ دَآبَّۃً مِّنْ

حضرت رویفع بن ثابت ۱؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے کسی چارپائے پر سوار نہ ہو

فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَعْجَفَهَا رَدَّ فِیْهِ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَلْبَسْ ثَوْبًا مِّنْ فَیْءِ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی اِذَا اَخْلَقَهٗ رَدَّهٗ فِیْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

یہاں تک کہ جب اسے لاغر کر دے تو اسے مال غنیمت میں واپس کر دے[۲] اور جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے مال غنیمت میں سے کپڑا نہ پہنے حتیٰ کہ جب اسے پرانا کر دے تو مال غنیمت میں لوٹا دے۔ (ابوداؤد)

[۱] حضرت رویفع راء پر پیش، واؤ پر زبر، یاء ساکن، فاء کے نیچے زیر اور آخر میں بے نقطہ عین، ابن ثابت بصری صحابی ہیں، بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، حضرت امیر معاویہ نے انہیں ۴۶ھ میں طرابلس کا امیر مقرر فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ۴۷ھ میں افریقہ میں جہاد کیا۔ ۵۷ھ میں شام میں وصال ہوا۔

[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمزوری اور لاغری کا سبب نہ بنے تو سواری میں حرج نہیں ہے۔ یا یہ بات عرف اور عادت کے مطابق فرمائی کیونکہ سواری، ضرور کمزوری کا سبب بنے گی

۳۸۴۲/۳۶ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِی الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قُلْتُ هَلْ کُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصَبْنَا طَعَامًا یَوْمَ خَیْبَرَ وَکَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ فَیَاْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا یَکْفِیْهِ ثُمَّ یَنْصَرِفُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت محمد بن ابی المجالد[۱] سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں طعام کا پانچواں حصہ لیتے تھے[۲]؟ فرمایا ہمیں خیبر کے دن طعام حاصل ہوا، ایک شخص آتا اور اس میں سے اتنی مقدار لے لیتا جو اس کے لیے کافی ہوتی پھر واپس ہو جاتا[۳]۔ (ابوداؤد)

[۱] محمد بن ابی المجالد میم پر پیش، اس کے بعد جیم، کوفہ کے تابعین میں سے ہیں اور تیسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی حدیث اہل کوفہ میں پائی جاتی ہے۔

۲؎ یعنی کیا آپ اس میں سے پانچواں حصہ لیتے تھے؟ یا طعام کی جنس سے جو چیزیں ہوتی تھیں وہ تقسیم سے خارج ہوتی تھیں؟ اور جو چاہتا اس میں تصرف کرتا تھا۔

۳؎ مطلب یہ ہے کہ طعام میں سے پانچواں حصہ نہیں لینا چاہیے، لیکن مالک بن کر چاہیے کہ قدر کفایت سے زیادہ نہ لیں۔

۳۸۴۳ (۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ جَيْشًا غَنِمُوْا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَّ عَسَلًا فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک لشکر طعام اور شہد غنیمت کے طور پر لایا تو ان سے پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۱؎

(ابوداؤد)

۱؎ لشکر والوں نے حاجت کی مقدار سے زائد نہیں لیا تھا، چونکہ یہ امر ظاہر تھا اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔

۳۸۴۴ (۳۸) وَعَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَاْكُلُ الْجَزُوْرَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهٗ حَتّٰى اِذَا كُنَّا لَنَرْجِعُ اِلٰى رِحَالِنَا وَاَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوَّةٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبدالرحمٰن کے مولا قاسم۱؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جنگ کے دوران اونٹ۲؎ کھایا کرتے تھے اور اسے تقسیم نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم اپنے سازوسامان کی طرف لوٹتے تو ہماری خورجیاں۳؎ اس سے بھری ہوئی ہوتی تھیں۔

(ابوداؤد)

۱؎ قاسم شامی تابعی ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے چالیس مہاجر صحابہ کی زیارت کی ہے، کاشف میں ہے قاسم بن عبدالرحمٰن دمشقی بنوامیہ کے مولیٰ تھے، بعض محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا اور بعض نے ضعیف کہا، ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت علی اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرسلاً روایت کرتے ہیں ان کے علاوہ حضرت معاویہ

اور حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت کرتے ہیں، بعض محدثین نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت ابو امامہ کے علاوہ کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی (ان کے مولیٰ کا نام عبد الرحمٰن بن خالد ہے۔ ۱۲ مرأۃ)

۲ جزر در جیم پر زبر، اس کے بعد زاء، ذبح کیا جانے والا اونٹ۔ مطلب یہ کہ ہم گوشت کی حاجت اور رغبت کے وقت اونٹ ذبح کرتے تھے اور اس کا گوشت کھاتے تھے۔

۳ اخرجہ ہمزے پر زبر، نقطے والی خاء ساکن، راء کے نیچے زیر اور جیم پر زبر، جمع ہے خُرْجٌ کی خاء پر پیش اور راء ساکن، بوجھ لادنے کا تھیلا، یہ عربی لفظ ہے، فارسی میں خرجین کہتے ہیں۔

۳۸۴۵ / ۳۹ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَاِنَّهٗ عَارٌ عَلٰى اَهْلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ۔

حضرت عبادہ بن صامت[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹی اور بڑی سوئی[2] ادا کرو اور غنیمت میں خیانت سے باز آؤ کیونکہ وہ قیامت کے دن اہل خیانت کے لیے عار ہوگی۔ (دارمی)

امام دارمی نے یہ حدیث حضرت عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی۔

۱ حضرت عبادہ بن صامت عین پر پیش اور باء مخفف، مشہور صحابی ہیں۔

۲ خیاط خاء کے نیچے زیر، مخیط میم کے نیچے زیر اور خاء ساکن، دونوں کا معنیٰ سوئی ہے۔ جیسے کہ مراح میں بیان کیا، قرآن مجید میں ہے فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ۔ قاموس میں ہے خیاط بروزن کتاب اور مخیط بروزن منبر وہ چیز جس کے ساتھ کپڑا سیا جاتا ہے، بڑی سوئی کو بھی کہتے ہیں، اگر ان دونوں میں سے ایک کا معنیٰ بڑی سوئی مراد لیا جائے تو تکرار نہیں رہے گی، خیاط کو خیط کی جمع قرار دینا جس کا معنیٰ دھاگہ ہے جیسے کہ حواشی میں لکھا ہے غلط ہے کیونکہ خیط کی جمع خیوط اور اخیاط آتی ہے جیسے کہ صحاح اور قاموس میں کہا ہے۔

۳۸۴۶ / ۴۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ

وَسَلَّمَ بَعِيْرٍ فَاَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ سَنَامِهٖ ثُمَّ قَالَ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ شَيْءٌ وَّلَا هٰذَا وَرَفَعَ اِصْبَعَهٗ اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَقَالَ رَجُلٌ فِيْ يَدِهٖ كُبَّةٌ فِيْ شَعْرٍ فَقَالَ اَخَذْتُ هٰذِهٖ لِاُصْلِحَ بِهَا بَرْذَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا بَلَغَتْ مَا اَرٰى فَلَا اَرَبَ لِيْ فِيْهَا وَنَبَذَهَا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

کے قریب ہو کر اس کی کوہان کا ایک بال[1] پکڑا، پھر فرمایا: اے لوگو! میرے لیے فیء کے اس مال سے کوئی چیز نہیں ہے اور یہ بھی[2] نہیں ہے، اور اپنی انگلی اٹھائی ہاں خمس ہے اور خمس بھی تم پر رد کیا جاتا ہے، تو تم چھوٹی اور بڑی سوئی ادا کرو، ایک شخص کھڑا ہوا، اس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک گچھا تھا اس نے کہا میں نے یہ کمبل درست کرنے کیلیے لیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میرے لیے اور بنی عبدالمطلب کے لیے ہے وہ تیرے لیے ہے۔ اس نے کہا جب یہ گچھا اس حد کو پہنچ چکا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے اس کی حاجت نہیں ہے اور اسے پھینک دیا۔
(ابوداؤد)

۱؎ وَبَر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اون، وَبَرۃ ایک بال سَنام اونٹ کی کوہان۔
۲؎ اون کا یہ گچھا جو معمولی اور حقیر چیز ہے۔

۳۸۲۷ / ۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِّنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ

حضرت عمرو بن عبسہ[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غنیمت کے ایک اونٹ کی طرف رخ کر کے[2] ہمیں نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو اونٹ کے پہلو کا ایک بال پکڑا پھر فرمایا: میرے لیے

قَالَ وَ لَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسُ وَ الْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

تمہاری غنیمتوں میں سے اتنا بھی حلال نہیں ہے، سوائے خمس کے اور خمس میں بھی تم میں لوٹا دیا جاتا ہے[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] حضرت عمرو بن عبسہ عین، باء اور سین تینوں پر زبر، مشہور اور جلیل القدر صحابی ہیں۔ کئی جگہ ان کے احوال لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] یعنی اسے ستر بنا کر

[۳] تم پر صرف کر دیا جاتا ہے۔

۳۸۴۸/۴۲ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهُ اَنَا وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِيْ وَضَعَكَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَتَرَكْتَنَا وَ اِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَ قَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرت جبیر بن مطعم[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ داروں کا حصہ[۲] بنی ہاشم اور بنی المطلب[۳] میں تقسیم فرمایا تو میں اور حضرت عثمان بن عفان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ بنی ہاشم میں سے ہمارے بھائی ہیں۔ ہم ان کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے، آپ کے وجود شریف کی بنا پر کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے پیدا فرمایا ہے۔ آپ ہمیں بیان فرمائیں کہ اس کا سبب کیا ہے؟ کہ آپ نے ہمارے بھائیوں بنی المطلب کو مال عطا فرمایا ہے اور ہمیں چھوڑ دیا[۴] ہے حالانکہ ہماری اور ان کی قرابت ایک[۵] ہے، رسول اللہ

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا بَنُوْ هَاشِمٍ وَّ بَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ هٰكَذَا وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ | صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صرف بنی ہاشم اور بنی المطلب ایک چیز ہیں، اس طرح اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال لیں۔[۶] |
| (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ) | (امام شافعی) |
| وَ فِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ وَ فِيْهِ اَنَا وَ بَنِيْ الْمُطَّلِبِ لَا نَفْتَرِقُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَ اِنَّمَا نَحْنُ وَ هُمْ شَيْءٌ وَّاحِدٌ وَّشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ | ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں اس کی مثل ہے اور اس میں ہے میں اور بنی المطلب جاہلیت میں جدا ہوئے اور نہ ہی اسلام میں[۷]، صرف ہم اور وہ ایک چیز ہیں، اور انگلیاں باہم پیوست کرلیں۔[۸] |

۱؎ حضرت جبیر بن مطعم نوفل بن عبد مناف کی اولاد میں سے مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ قرآن پاک میں خمس میں سے ان کا حصہ آیا ہے۔

۳؎ ہاشم اور مطلب دونوں بھائی تھے۔

۴؎ یعنی ایک سے ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے اس میں سے ہمیں عطا نہیں فرمایا۔

۵؎ یعنی ایک درجے کی رشتہ داری ہے۔

۶؎ ہم اس طرح ایک ہیں، اس کی صورت بیان کرنے کے لیے انگلیاں باہم پیوست کرلیں۔ مطلب یہ کہ ہم ایک دوسرے سے مخلوط اور متفق ہیں۔

۷؎ ہم ہمیشہ متفق اور متحد رہے ہیں، برخلاف عبد مناف کی باقی اولاد کے ——— بعض شارحین نے کہا کہ اِنَّا ہمزے کی زیر اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے بجائے اَنَا کے، ہمزے پر زبر اور نون مخفف۔

۸؎ حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث فصل اول میں گزر چکی ہے۔ اس جگہ ہم تفصیل بیان کرچکے ہیں۔

# اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

# تیسری فصل

۳۸۴۹ / ۴۳ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِی الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِيْثَةٍ اَسْنَانُهُمَا فَتَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ بَيْنَ اَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِيْ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَيْ عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ اَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ وَمَا حَاجَتُكَ اِلَيْهِ يَا ابْنَ اَخِيْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ يَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَئِنْ رَاَيْتُهٗ لَا يُفَارِقُ سَوَادِيْ سَوَادَهٗ حَتّٰى يَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ وَغَمَزَنِيْ الْاٰخَرُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَهَا فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ نَظَرْتُ اِلٰى اَبِيْ جَهْلٍ يَجُوْلُ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَيَانِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بدر کے دن جنگ کی صف میں کھڑا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اچانک میں نے اپنے آپ کو انصار کے دو نوعمر لڑکوں کے درمیان پایا۔ میں نے آرزو کی کہ کاش میں ان سے زیادہ طاقت ور لوگوں کے درمیان ہوتا، اتنے میں ان میں سے ایک نے میرا ہاتھ دبایا اور کہا چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، بھتیجے تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر میں اسے دیکھ لوں تو میری ذات اس کی ذات سے جدا نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جلدی والا مر جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے تعجب ہوا۔ فرماتے ہیں کہ دوسرے نے میرا ہاتھ دبایا اور اس نے بھی وہی بات کہی۔ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا تھا

هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِيْ تَسْاَلَانِيْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفِهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَيُّكُمَا قَتَلَهٗ فَقَالَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَاكُمَا قَتَلَهٗ وَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَ الرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَآءَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ میں نے ابوجہل کو لوگوں میں گردش کرتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا کیا تم نہیں دیکھتے یہ تمہارا مطلوب شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے[۲]، فرماتے ہیں کہ ان دونوں بچوں نے دوڑ کر اپنی تلواروں سے اسے جا لیا اور اس پر تلواروں سے حملہ کر دیا، یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا، پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع پیش کی، آپ نے فرمایا: تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟ ان میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ میں نے اسے قتل کیا ہے، فرمایا، کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو ملاحظہ فرمایا: اور فرمایا: تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سامان کا معاذ بن عمرو بن الجموح کے لیے فیصلہ فرمایا، یہ دو مرد معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء تھے[۱۲] (صحیحین)

[۱] اضلع نقطے والے ضاد کے ساتھ، ضلاعت، بازو کی قوت اور شدت اور پسلیوں کا مضبوط ہونا۔ یعنی یہ نوجوان لڑکے ناتجربہ کار ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بھاگ جائیں اور کوئی کام نہ کریں ساتھ ہی مجھے بھی بدنام اور عیب دار بنا دیں، اگر میرے پاس طاقت ور اور تجربہ کار لوگ ہوتے تو مجھے بھی ان سے تقویت ملتی۔

[۲] کہ کون ہے؟ اور کہاں ہے؟۔ عربوں کا طریقہ ہے کہ اپنے سے بڑے کو چچا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

۳ے میں ابوجہل کو پہچانتا ہوں۔

۴ے یعنی جس کی موت کا وقت پہلے ہو (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا محبت ہے یہ سنا تھا کہ وہ مردود، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا باتیں کرتا ہے تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ۱۲ قادری)

۵ے کمالِ ہمت و شجاعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمالِ محبت دیکھ کر اُس نوجوان اور اس کی بات پر تعجب ہوا۔

۶ے جو پہلے نوجوان نے کہی تھی۔

۷ے اور گھومتے ہوئے۔

۸ے کہ وہ کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ مطلب یہ کہ دیکھ لو، یہی ابوجہل ہے۔

۹ے اور ان سے خون جدا کر دیا ہے؟

۱۰ے سامان، ہتھیار اور گھوڑے۔

۱۱ے معاذ بن عمرو بن الجموح جیم پر زبر، یہ ان دو مردوں میں سے ایک ہیں جن کا حدیث کی ابتدا میں انصار کے دو لڑکوں کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے کا نام معاذ بن عفراء ہے۔ بروزن حمراء جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۱۲ے صحیح بخاری میں معوذ بن عفراء ہے واؤ مشدد کے نیچے زیر، نیز آئندہ حدیث میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے عفراء کے دو بیٹے تھے، اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عفراء کا بیٹا ایک ہے اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہیں۔ ایک کا باپ عمرو بن الجموح ہے اور دوسرے کا باپ کوئی اور ہے، لہٰذا دونوں میں سے ایک کے نام کے ساتھ باپ کا ذکر کیا گیا اور دوسرے کے ساتھ ماں کا، علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوجہل کو قتل کرنے والے دو حضرات، معاذ بن عمرو بن الجموح اور معاذ بن عفراء ہیں ان کے والد کا نام حارث ہے، اور والدہ کا نام عفراء ہے۔

اس جگہ دو سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے، پھر ساز و سامان صرف ایک کو کیوں دیا گیا؟ شارحین نے جواب دیا کہ ممکن ہے قتل میں دونوں شریک ہوں، لیکن جس نے اسے نڈھال کیا اور اسے اپنا دفاع کرنے سے معذور کیا وہ ایک ہی تھا، بعد میں دوسرے نے بھی اگر زخم لگایا ہوگا اس کے ساز و سامان کا مستحق وہی ہوگا جس نے اسے بے بس کر دیا تھا اور دفاع کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ دونوں کا دل خوش کرنے کے لیے تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دوسری فصل میں حضرت ابن مسعود کی حدیث میں گزرا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ابوجہل کی تلوار بطور انعام عطا فرمائی تھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو قتل کیا تھا، اس کی توجیہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب ابن مسعود پہنچے تو وہ آخری سانس لے رہا تھا انہوں نے اس کا سر کاٹا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے سامان میں سے انہیں تلوار عطا فرمائی، امام مالک کے بعض شاگردوں سے منقول ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ کافر مقتول کے سامان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جسے چاہے دے، اس قول سے دونوں اعتراضوں کا جواب آجاتا ہے۔

۳۸۵۰ / ۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَّنْ يَّنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ اَبُوْجَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهٗ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ فَقَالَ اَنْتَ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْ غَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ کون ہے؟ جو ہمارے لیے دیکھے کہ ابوجہل نے کیا کیا؟[۱] حضرت ابن مسعود گئے تو انہوں نے ابوجہل کو اس حال میں پایا کہ عفراء کے دو بیٹوں نے اس پر حملہ کیا ہے اور وہ بے بس ہو چکا ہے[۲] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ لی[۳] اور کہا کیا تو ہی ابوجہل ہے[۴]؟ اس نے کہا کیا تو اس شخص پر سوار ہے؟ جسے تم نے قتل کیا ہے[۵]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ مجھے کسان کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا تو بہتر ہوتا[۶] (صحیحین)

۱؎ اور اس کا کیا حال ہوا۔

۲؎ اور موت کے کنارے پہنچ چکا ہے۔

۳؎ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔

۴؎ جو اس ذلت کے ساتھ پڑا ہوا ہے اور تو نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی مول لی ہے۔

۵؎ یعنی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے اور تم آکر اس کے سینے پر چڑھ گئے ہو ایک روایت میں ہے قَتَلَهٗ قَوْمُهٗ جسے اس کی قوم نے قتل کیا ہے۔

۶؎ یعنی میرے لیے قتل کیے جانے میں کوئی عار نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ مجھے ایک کسان نے قتل کیا ہے۔

اکار کاف مشدد، کسان، کاشتکار، یہ اشارہ تھا قوم انصار کی طرف جو کھیتی باڑی اور کھجور کے باغوں کی رکھوالی کرتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے آرزو کا اظہار کیا ہو کہ کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی دوسرا قتل کرتا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا، ابراہیم بن سعد کے علاوہ دیگر حضرات نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے آکر ابوجہل کا سر کاٹا، شیخ ابن حجر نے کہا یہ اس پر محمول ہے کہ تینوں اس کے قتل میں شریک تھے، ابتداءً اسے بے بس کرنے والے حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح تھے۔

٣٨٥١/٤٥ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا وَّ اَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ ثَلٰثًا وَّ اَجَابَهٗ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اِنِّيْ لَاُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهٗ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُّكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا قَالَ الزُّهْرِيُّ فَنَرٰى اَنَّ الْاِسْلَامَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو مال عطا کیا، میں بھی بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ میرے نزدیک اس جماعت کا پسندیدہ ترین شخص تھا، میں نے اٹھ کر عرض کیا کہ فلاں شخص سے آپ کے اعراض کا کیا سبب ہے؟ خدا کی قسم! میں اسے مومن صادق گمان کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ یوں کہو کہ میں اسے مسلمان جانتا ہوں، حضرت سعد نے یہ بات تین مرتبہ عرض کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہی پہلا جواب دیا، پھر فرمایا: میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا آدمی مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، اس خوف کی بنا پر کہ وہ شخص منہ کے بل آگ میں پھینکا جائے۔ (صحیحین)

امام بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ امام زہری نے فرمایا: ہمارا عقیدہ ہے کہ

| | |
|---|---|
| اَلْكَلِمَةُ وَ الْاِيْمَانَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ۔ | اسلام کلمۂ طیبہ ہے اور ایمان نیک عمل ؎۵ |

؎۱ یعنی اس میں کیا حکمت ہے؟ کہ آپ نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور اسے کوئی چیز نہیں دی۔

؎۲ اُراہ ہمزے پر پیش، میں گمان کرتا ہوں۔

؎۳ یعنی ایمان حقیقی جو نہ دل اور صدق باطن سے ہوتا ہے، اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس کی اطلاع ممکن نہیں، ہاں اسلام، جس کا معنیٰ ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری ہے یقینی ہے، اس لیے یوں کہو کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مسلمان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت سعد پر مواخذہ اور ان پر اعتراض ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کے مستحق مال ہونے پر حجت و دلیل پیش کی اور اسے چھوڑ دینے کو بعید قرار دیا اور اس کے ایمان حقیقی کا دعویٰ کیا (یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ شخص مومن نہیں تھا بلکہ حضرت سعد کو تعلیم دی ہے کہ کسی کے ایمان کی قطعی گواہی نہ دو کہ ایمان دلی تصدیق کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ۱۲ مرآۃ مغفرلہٗ)

؎۴ یعنی کسی کو مال دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ زیادہ محبوب اور افضل ہے، یہ ضروری نہیں کہ عطا فضائل دینیہ کے مطابق ہو، بلکہ کبھی ایک شخص کو ایمان کی کمزوری اور تالیفِ قلب کے لیے مال دیا جاتا ہے تاکہ وہ ناراض نہ ہو اور کفر کے بھنور میں نہ گر پڑے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ اس کے کامل الایمان ہونے کی سند پیش کر کے، اصرار کے ساتھ اسے مال دینے کا تقاضا نہ کرو، جب کہ ایمان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

؎۵ مخفی نہ رہے کہ ظاہر طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسلام، عمل صالح اور احکام کی تعمیل کا نام ہے اور ایمان تصدیق ہے، لیکن چونکہ ظاہری اسلام کا حکم کرنے کے لیے کلمۂ طیبہ کا پڑھنا اور اقرار کافی ہے اور اعمالِ صالحہ ایمان پر مبنی ہیں اور قلبی تصدیق اور اس کے کمال کی شاخیں ہیں، اس لیے اسلام کے معنی میں کلمۂ طیبہ پر اکتفا کیا اور ایمان کی تفسیر عمل صالح سے کی۔ فافہم (خوب اچھی طرح غور و فکر کیجیے۔

| | |
|---|---|
| ۳۸۵۲/۴۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَعْنِيْ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ اِنْطَلَقَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَ حَاجَةِ رَسُوْلِهٖ وَ اِنِّيْ اُبَايِعُ لَهٗ فَضَرَبَ لَهٗ | حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، یعنی بدر کے دن اور فرمایا تحقیق عثمان غنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے لیے گئے ہیں؎۱، اور میں ان کے لیے بیعت کرتا ہوں؎۲، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَهْمٍ وَّلَمْ يَضْرِبْ لِاَحَدٍ غَابَ غَيْرُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

نے ان کے لیے حصّہ مقرر فرمایا۔ اور ان کے علاوہ کسی غیر حاضر کے لیے حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ (ابوداؤد)

لے یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھے، جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوتے تو حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کو حضرت رقیہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ واپس بھیج دیا۔ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ ارشاد فرمایا کہ عثمان غنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کام کے لیے گئے ہیں (جب قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس وقت حضرت رقیہ کو دفن کیا جا چکا تھا۔ (۱۲ قادری)

ے۲ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا۔ یہ عثمان غنی کا ہاتھ ہے
ے۳ مالِ غنیمت میں سے۔

۳۸۵۳ / ۴۷ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِيْ قَسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِّنَ الشَّاءِ بِبَعِيْرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اموالِ غنیمت کی تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیتے تھے۔ (نسائی)

لے حضرت رافع بن خدیج خاء پر زبر، انصاری صحابی ہیں، خوارزمی اور اوسی ہیں۔ بدر میں کم سنی کی بنا پر حاضر ہوئے۔ احد، خندق اور دیگر غزوات میں حاضر ہوتے۔ ۳ے۷ھ یا ۴ے۷ھ میں مدینہ منورہ اسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔

---

لے اشعۃ اللمعات کے نسخوں میں اسی طرح ہے، میرے نزدیک کاتب کی غلطی سے ایسا ہوا ہے۔ حارثی اوسی کہنا چاہیے یعنی اوس کے قبیلے۔ رحارث کے خاندان سے تھے۔ ۱۲۰ امیر علی۔

سلہ قسم قاف پر زبر تقسیم کرنا، قسم قاف کے نیچے زیر حصہ

۳۸۵۴ / ۴۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزٰى نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا يَتْبَعْنِیْ رَجُلٌ مَّلَكَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَّهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّبْنِیَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰى بُيُوْتًا وَّلَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَّهُوَ يَنْتَظِرُ وِلَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّكِ مَاْمُوْرَةٌ وَّاَنَا مَاْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ يَعْنِی النَّارَ لِتَاْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِيْكُمْ غُلُوْلًا فَلْيُبَايِعْنِیْ مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهٖ فَقَالَ فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ایک نبی نے جہاد کیا[1] اور اپنی امت کو فرمایا: وہ شخص ہمارے پیچھے نہ نکلے جو کسی عورت کے فرج کا مالک ہو،[2] اور وہ اس کے ساتھ دخول کرنا چاہتا ہو اور ابھی تک دخول نہ کیا ہو، وہ شخص بھی نہ نکلے جس نے مکان بنائے ہوں اور ابھی ان کی چھتیں نہیں ڈالیں، اور وہ شخص بھی نہ نکلے جس نے حاملہ بکریاں یا اونٹنیاں[3] خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا منتظر ہو۔[4] اللہ تعالیٰ کے اس نبی نے جہاد کیا اور نماز عصر کے وقت یا اس کے قریب اس گاؤں[5] کے قریب پہنچ گئے، سورج کو فرمایا: تو مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں،[6] اے اللہ! اسے ہم پر روک دے،[7] چنانچہ سورج روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ گاؤں فتح فرما دیا،[8] انہوں نے غنیمتیں جمع کیں، آگ انہیں کھانے کے لیے[9] آئی، لیکن انہیں نہیں کھایا،[10] فرمایا: تم میں خیانت ہے، چاہیے کہ ہر قبیلے کا ایک فرد میری بیعت کرے، چنانچہ ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ فرمایا تم میں خیانت ہے تو وہ لوگ گائے کے سر کی مثل سونے کا سر

بِرَأْسِ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِّنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَأٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لے کر آئے[11] آپ نے اسے رکھ دیا تو آگ نے آ کر اسے کھا لیا۔ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمتیں حلال نہیں ہوئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرما دیں، ہماری کمزوری اور عاجزی دیکھی[12] تو ہمارے لیے غنیمتیں حلال فرما دیں۔

(بخاری و مسلم)

---

۱ے یعنی جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا ـــــ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔

۲ے یعنی اس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو۔ بضع باء پر پیش، فرج۔

۳ے بنا گھر بنانا، عورت کا طلب کرنا اور مباشرت کرنا۔ اس جگہ یہی معنیٰ مراد ہے، اصل معنیٰ گھر بنانا ہی ہے، کیونکہ نکاح کرنے اور مباشرت کے لیے گھر بنانا لازم ہے، عرب کی عادت ہے کہ جب کوئی شخص عورت کے ساتھ دخول کرنا چاہتا ہے تو اس پر قبہ (حجلۂ عروسی) بنا دیتا ہے۔

۴ے خلفات نقطے والی خاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، جمع ہے خَلِفَةٌ کی، حاملہ اونٹنیاں۔

۵ے اللہ تعالیٰ کے اس نبی علیہ السلام کے ان لوگوں کو جہاد سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے تعلق، مضبوط ارادے کو کمزور کر دیتا ہے اور توجہ دو طرف تقسیم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مصلحت فوت ہو جائے گی، اس میں اشارہ ہے کہ اہم امور میں مصروفیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان تعلقات اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو تاکہ وہ اہم کام مکمل طور پر ادا کیے جا سکیں۔

۶ے جس میں وہ جہاد کرنا چاہتے تھے (ظاہر یہ ہے کہ اس گاؤں سے مراد بیت المقدس ہے جیسے کہ تفاسیر میں مذکور ہے۔ ۱۲ حاشیہ۔

۷ے گویا اس نبی کو رات کے آ جانے اور اس میں کارِ جہاد کے خلل پذیر ہونے کا خوف محسوس ہوا (بلکہ خوف یہ تھا کہ ہفتے کی رات شروع ہو جائے گی تو جہاد کی کارروائی جاری نہیں رکھی جا سکے گی، کیونکہ ان کی شریعت میں ہفتے کو جہاد ممنوع تھا۔ ۱۲ قادری)

ؔ۸؎ اور اسے غروب نہ ہونے دے۔

ؔ۹؎ مواہب لدنیہ میں ہے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سورج صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے روکا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کی خصوصیت ہے، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی سورج روکا گیا اور لوٹایا گیا۔ ان میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ میرے سوا صرف یوشع علیہ السلام کے لیے سورج روکا گیا۔ (مواہب)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کے لوٹائے جانے سے پہلے کا یہ ارشاد ہو۔

احادیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند بار سورج روکا گیا اور واپس کیا گیا، ایک بار اس وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر اقدس رکھا ہوا تھا، اسی حال میں وحی نازل ہوئی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا سر انور نہ اٹھا سکے اور نماز عصر ادا نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا کی۔ خداوندا! علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے، ان پر سورج واپس فرما دے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا کی۔ مواہب لدنیہ میں اس جگہ طویل گفتگو ہے اس کا کچھ حصہ شرح (لمعات) میں بیان کیا گیا ہے۔

ؔ۱۰؎ آسمان سے اموال غنیمت کو جلانے کے لیے آئی۔

ؔ۱۱؎ گزشتہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ مال غنیمت جنگل میں رکھ دیتے، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی۔ یہ اس کے مقبول ہونے کی نشانی تھی۔

ؔ۱۲؎ یہ وہ مال تھا جس میں انہوں نے خیانت کی تھی۔

ؔ۱۳؎ وہ مال غنیمت خیانت سے رجوع اور توبہ کی بدولت قبول ہو گیا۔

ؔ۱۴؎ تو ہم پر رحم کیا اور ہمارا کام آسان فرما دیا۔

| | |
|---|---|
| ۳۸۵۵/۴۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ | حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر نے بیان کیا۔ کہ خیبر کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ صحابۂ کرام آئے اور کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے اور فلاں شہید[۱] ہے یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا فلاں شہید ہے |

وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلٰثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ثَلٰثًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں میں نے اسے آگ میں دیکھا ہے، ایک چادر کی وجہ سے، جسے اس نے خیانت کے طور پر لیا تھا یا ایک کمبل کے سبب، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں تین بار اعلان کرو کہ جنت میں صرف اہل ایمان داخل ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نکلا اور میں نے تین بار اعلان کیا کہ سن لو! جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔

(مسلم)

۱؎ اسی طرح شہید ہونے والے صحابۂ کرام کے نام لیتے تھے۔

۲؎ جو قتل ہوا پڑا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ جب اس کے ذکر تک پہنچے اور اس کا نام لیا۔

۳؎ راوی کو شک ہے ـــــــ عَبَاءَةٌ عین پر زبر اور الف ممدودہ۔

۴؎ جو نیکوکار اور دیانت دار ہوں گے ـــــــ یہ موقع محل کے مطابق زجر اور تشدید ہے، یا سابقین اور نیکوکاروں کے ساتھ داخل ہونا مراد ہے۔

۵؎ جیسے کہ حکم تھا۔

# بَابُ الْجِزْيَةِ

## ۲۹۲۔ جزیہ کا بیان

قاموس میں ہے جزیہ، زمین کا خراج اور وہ جو ذمی سے لیا جاتا ہے مشتق ہے جزا سے جس کا معنیٰ بدلہ ہے کیونکہ جزیہ، اسلام کے ترک کرنے اور کفر پر باقی رہنے کی جزا ہے۔ بعض اِجْزَاءٌ سے مشتق کہتے ہیں جس کا

معنی ہے ذمیوں کے عرض کی حفاظت میں کفایت، پہلا معنی زیادہ صحیح ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۸۵۶ عَنْ بَجَالَةَ[1] قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِیْ مَحْرَمٍ مِّنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مِنْ مَّجُوْسِ هَجَرَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت بجالہ[1] سے روایت ہے کہ میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ[2] کا منشی تھا۔ ہمارے پاس حضرت عمر بن خطاب کا مکتوب گرامی ان کے وصال سے ایک سال پہلے آیا کہ ہر ذی محرم[3] مجوسی کے درمیان تفریق کر دو، اور حضرت عمر نے مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا[4] یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہجر[5] کے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔

(بخاری)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ فِیْ بَابِ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ۔

حضرت بریدہ کی حدیث اِذَا اَمَّرَ اَمِیْرًا، کفار کو خط لکھنے کے باب میں بیان کر دی گئی[6] ہے۔

---

[1] بجالہ بار پر زبر، جیم مخفف، مکی اور ثقہ تابعی ہیں، ان کا شمار اہل بصرہ میں کیا جاتا ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث سنی، ان سے حضرت عمرو بن دینار اور قتادہ روایت کرتے ہیں۔

[2] جزء جیم پر زبر، زار ساکن، اس کے بعد ہمزہ۔ یہی صحیح ہے بعض محدثین نے کہا کہ جیم کے نیچے زیر، زار ساکن، اس کے بعد تار دو نقطے والی۔ بعض نے کہا کہ جیم پر زبر، زار کے نیچے زیر، اس کے بعد ۔ صاحب جامع الاصول نے ان کا ذکر تابعین میں کیا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے

کے قائل ہیں۔

احنف بن قیس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، لیکن شرفِ زیارت سے مشرف نہیں ہوئے۔ اجلہ تابعین اور ان کے اکابر میں سے ہیں۔ اپنی قوم کے سردار، صاحب عقل، نجیب، حلیم، عقل، ذکاوت، احتیاط اور رائے صائب کے حامل تھے۔ آنکھوں میں بھینگاپن تھا، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عباس سے روایت کرتے ہیں ۶۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی، بعض محدثین نے ۷۲ھ میں وفات بیان کی ہے، کہتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کے ولی عہد ہونے کی وصیت کی تو ایک دن سرخ قبے میں تشریف فرما ہوئے تاکہ لوگ مبارک باد پیش کریں۔ ہر شخص ان کے مزاج کے مطابق بات کرتا تھا، احنف بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: کیا وجہ ہے؟ کہ تم کوئی بات نہیں کرتے، احنف نے کہا میں کیا کہوں؟ اگر جھوٹ کہتا ہوں تو میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور اگر سچ کہتا ہوں تو آپ سے ڈرتا ہوں حضرت امیر معاویہ نے حضرت احنف کی اس بات کو پسند کیا اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزاءِ خیر عطا فرمائے اور ان کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ صفین کی جنگوں میں احنف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بھرپور امداد کی اور بہادری کا حق ادا کر دیا۔

۳ھ محرم اکثر اس شخص کے معنی میں آتا ہے جس کے ساتھ نکاح حرام ہو، کبھی مصدر یعنی حرمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، اس حدیث میں اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ عورتیں، ذی محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محارم مثلاً ماں، بیٹی اور بہن کے جدا کرنے کا حکم دیا جن کے ساتھ مجوسی نکاح کرتے تھے، اور انہیں اس حرکت سے منع فرمایا، اگرچہ یہ امر ان کے دین میں جائز تھا اور (اسلام میں) ذمیوں کو ان کے دین پر چھوڑا جاتا ہے، لیکن شعارِ اسلام کے خلاف ایسے شنیع کام پر انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔

۴ھ یہ اس لیے تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مجوسی اہل کتاب نہیں تھے اور جزیہ قرآن پاک میں اہل کتاب کے بارے میں واقع ہوا ہے۔

۵ھ ہجر، یمن کا ایک شہر ہے۔ پورے علاقے کا نام بحرین ہے۔ نیز مدینہ منورہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے جہاں کے مٹکے مشہور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ۔ (جب پانی دو مٹکوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اسی گاؤں کے مٹکوں کو "قلۃ" کہا جاتا ہے ۱۲ قادری)

ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ بحرین کا علاقہ مراد ہے۔ مغنی میں ہے، ہجر پہلے دونوں حرفوں پر زبر۔ بحرین کے علاقے کا مرکزی شہر ہے ——— جمہور علماء کا مجوسیوں سے جزیہ لینے پر اتفاق ہے۔ ہمارے نزدیک مجوسیوں اور عجمی

بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، اسی طرح ہدایہ میں ہے۔
۵ مصابیح میں وہ حدیث اس جگہ ذکر کی گئی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۳۸۵۷/۲ عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْیَمَنِ اَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْ کُلِّ حَالِمٍ یَعْنِیْ مُحْتَلِمٍ دِیْنَارًا اَوْ عَدْلَہٗ مِنَ الْمَعَافِرِیِّ ثِیَابٌ تَکُوْنُ بِالْیَمَنِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف[۱] بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ[۲] سے ایک دینار لیں یا اس کے برابر معافری[۳] لیں، ایک قسم کے کپڑے جو یمن میں ہوتے ہیں[۴]

(ابوداؤد)

۱ قاضی اور حاکم بنا کر۔

۲ حلم پہلے حرف پر پیش، اور احتلام کا معنی ہے وہ خواب جسے بالغ دیکھتا ہے، مطلق خواب کے معنی میں بھی آتا ہے، قاموس میں ہے احتلام، خواب میں جماع کرنے کو کہتے ہیں، عام طور پر محتلم کا استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے، اسی لیے حالم کی تفسیر محتلم سے کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار جزیہ لیں۔

۳ معافری میم اور بے نقطہ عین پر زبر، فار کے نیچے زیر، کپڑے کی ایک قسم جو یمن میں پائی جاتی ہے، اسکی نسبت معافر بن یعفر کی طرف ہے، قاموس میں ہے معافر ایک شہر کا نام ہے۔ قبیلہ ہمدان کے مورث اعلیٰ کا نام، ثیاب مَعَافِرِیَّۃ کی نسبت ان دونوں میں سے ایک کی طرف کی جاتی ہے، عدل پہلے حرف کے نیچے زیر یا اس پر زبر ہے۔ مثل بعض شارحین نے کہا کہ عدل کی عین پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے ہم جنس مثل، جیسے کپڑے کی مثل کپڑا اور زیر ہو تو اس کا معنی مخالف جنس مثل ہوگا جیسے کپڑا دینار کے مماثل ہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔

۴ یہ حدیث بظاہر امام شافعی کے مذہب کی دلیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مال دار اور فقیر برابر ہیں۔ احناف کے نزدیک مال دار پر ہر سال اڑتالیس درہم ہر مہینہ میں چار درہم کے حساب

سے مقرر کیے جائیں گے، متوسط طبقے پر چوبیس درہم، ماہانہ دو درہم کے حساب سے، اور کمائی کرنے والے فقیر پر بارہ درہم۔ ماہانہ ایک درہم کے حساب سے مقرر کیے جائیں گے۔ ہدایہ میں ہے۔ کہ ہمارا مذہب حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے، مہاجرین اور انصار صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ علامہ توربشتی کہتے ہیں کہ جو حضرات جزیہ میں کسی معین حد کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ یہ مقدار بصورت معاہدہ اور مصالحت طے پائی تھی۔ یا یہ کہ وہ فقراء کی جماعت تھی جس پر جزیہ مقرر کیا گیا تھا، ان دو میں سے ایک توجیہ ضرور کرنا پڑے گی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن احنف (مشہور عثمان بن حنیف ہے ۱۲ حاشیہ) کو خطہ فارس میں بھیجا تاکہ حد بلوغ میں داخل ہونے والے پر جزیہ مقرر کریں۔ انہوں نے امیروں اور غریبوں میں فرق کیا۔ یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں تھا۔ اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۳۸۵۸ / ۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِيْ اَرْضٍ وَّاحِدَةٍ وَّ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمین میں دو قبلے درست نہیں ہیں[1] اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے[2]۔ (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] بعض محدثین نے کہا کہ یہ حدیث، یہود و نصاریٰ کے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے پر محمول ہے تاکہ اس میں دو قبلے نہ ہوں، یہ معنی اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب، اہل قبلہ ہیں اور ہر ایک کا قبلہ اہل اسلام سے الگ ہے۔ علامہ توربشتی نے کہا کہ اس قائل نے جو کہا ہے الفاظ حدیث اس پر دلالت نہیں کرتے، کیونکہ الفاظ حدیث میں عموم ہے، فرمایا کہ ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہو سکتے، خواہ وہ عرب کی سرزمین ہو یا اس کے علاوہ، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ کسی زمین میں دو قبلے اور دو دین غلبے کے ساتھ نہیں ہو سکتے، اس لیے مسلمان کو نہیں چاہیے کہ دارالحرب میں کافروں کے درمیان جزیہ ادا کرکے قیام کرے، اور جس کا دین۔ اسلام کے مخالف ہے اسے دارالاسلام میں جزیہ ادا کیے بغیر قیام کی اجازت نہ دی جائے۔ اور اسے اپنے

دین کی ترویج وسربلندی اور اس دین کے شعائر کی تشہیر کی اجازت نہ دی جائے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمان کو نہیں چاہیے کہ کافروں کے درمیان جا کر رہے اور ذلت وخواری برداشت کرے اور کافر کو اس بات کی اجازت نہ دی جائے کہ دارالاسلام میں آئے اور جزیہ ادا نہ کرے، ساتھ ہی کفر کی اشاعت کرے، کہ ان دو صورتوں میں دین اسلام اور دین کفر، قوت وشوکت میں برابر ہو جائیں گے، ہونا یہ چاہیے کہ مسلمان صاحب قوت وشوکت ہوں اور کافر کمزور اور ذلیل ہوں۔

سے۲ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی اسلام لے آئے اور اس پر جو جزیہ مقرر کیا گیا تھا وہ اس نے ادا نہ کیا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

**۳۸۵۹** / ۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى اُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَاَخَذُوْهُ فَاَتَوْا بِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو دومہ کے بادشاہ اکیدر[۱] کی طرف بھیجا۔ چنانچہ حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کیا اور لے[۲] آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے خون کو تحفظ[۳] دیا اور اس سے جزیہ پر صلح فرمائی[۴]۔ (ابوداؤد)

سے۱ اکیدر ہمزے پر پیش، کاف پر زبر، یا ساکن اور دال کے نیچے زیر، دومہ کا بادشاہ دومہ دال پر پیش۔ اس پر زبر بھی آئی ہے، واؤ ساکن، تبوک کے پاس شام کا ایک شہر، یہ بادشاہ نصرانی تھا۔

سے۲ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ اگر اسے گرفتار کر لیں تو میرے پاس بھیج دیں۔

سے۳ اسے قتل نہیں کیا، حقن خون گرانے سے روکنا، اور پیشاب وغیرہ کا محفوظ رکھنا۔

سے۴ بعد میں وہ صدق دل سے ایمان لے آئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

**۳۸۶۰** / ۵ وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ جَدِّهٖ اَبِيْ اُمِّهٖ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حرب بن عبید اللہ[۱] اپنے نانا سے اور وہ اپنے والد[۲] سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر نہیں ہیں مگر یہود ونصاریٰ پر اور

قَالَ اِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى وَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

مسلمانوں پر عشر نہیں ہیں ؂۵۳

(ابوداؤد)

؂۵۱ حرب حا پر زبر، را ساکن، دونوں بے نقطہ، آخر میں با۔ بن عبیداللہ لفظ تصغیر کے ساتھ ثقفی تابعی ہیں اپنے نانا سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے عطاء بن سائب روایت کرتے ہیں جو اجلہ تابعین میں سے ہیں۔

؂۵۲ امام ابوداؤد اس سند کو اسی طرح لاتے ہیں۔

؂۵۳ یعنی ان پر چالیسواں حصہ ہے، شارحین نے فرمایا: اس سے مال تجارت کا دسواں حصہ مراد ہے، صدقے والا دسواں حصہ مراد نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں پر ان کی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہے، علامہ خطابی نے فرمایا:۔

یہود و نصارٰی پر وہ دسواں حصہ لازم ہے جو عقد ذمہ کے وقت بطور صلح طے کیا گیا ہو، اور ان پر شرط کیا گیا ہو، اور اگر کسی چیز پر صلح نہیں کی گئی تو ان پر صرف جزیہ لازم ہے، امام شافعی اسی کے قائل ہیں (خطابی) ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب ہم تجارت کے لیے کافروں کے علاقہ میں جائیں اور وہ ہم سے دسواں حصہ لیتے ہوں تو جب وہ ہمارے علاقوں میں آئیں گے تو ہم بھی ان سے دسواں حصہ لیں گے۔ اور اگر وہ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی نہیں لیں گے۔

٣٨٦١ / ٦ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَا هُمْ يُضَيِّفُوْنَا وَ لَا هُمْ يُؤَدُّوْنَ مَا لَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَأْخُذُوْا كُرْهًا فَخُذُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں ؂۵۴ کہ وہ نہ تو ہماری ضیافت ؂۵۵ کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارا وہ حق ادا کرتے ہیں جو ان پر لازم ہے۔ اور ہم ان سے جبراً بھی نہیں لیتے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ دینے سے انکار کریں مگر یہ کہ تم جبراً لو تو تم زبردستی لے لو ؂۵۶

(ترمذی)

۵۱ حضرت عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں۔

۵۲ یعنی غزوات میں ہمارے پاس رقم نہیں ہوتی کہ ضروریات خرید لیں۔ اور نہ ہی وہ ہمارے ہاتھ بیچتے ہیں۔

۵۳ یُضَیِّفُوْنَا یاء مشدد اور نون مشدد اور مخفف دونوں طرح مروی ہے۔ ضیافت اس وقت شرط تھی جب مجبور ہوں۔

۵۴ اس کی مثل حدیث کی دوسری فصل میں گزر گئی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۸۶۲ عَنْ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰی اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَ عَلٰی اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا مَّعَ ذٰلِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ ضِيَافَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت اسلم[۱] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سونے والوں پر چار دینار جزیہ مقرر کیا، اور چاندی والوں پر چالیس درہم، اس کے ساتھ مسلمانوں کی خوراک اور تین دن کی ضیافت[۲]۔

(امام مالک)

۱ حضرت اسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام، مدنی، ثقہ اور اکابر تابعین میں سے تھے، نیز حبشی تھے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ یمن کے قیدی تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مکہ مکرمہ میں ۱۱ھ میں اس وقت خریدا جب امیر المومنین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں امیر الحج بنا کر بھیجا، زید بن اسلم بڑی فضیلت والی شخصیت تھے جیسے کہ ان کے احوال کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں اور اسامہ بن زید بن اسلم کہا کرتے تھے کہ ہم ہیں تو اشعری لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احسان کے منکر نہیں ہیں۔

۲ گویا یہ مسلمانوں کی خوراک کی تفصیل ہے۔

# بَابُ الصُّلْحِ

## ۲۹۴- صُلح کا بیان

صلح اسم ہے صلاح (درستی) کا اور صلاح، فساد کی ضد ہے، صراح میں ہے صلاح پہلے حرف پر زبر، نیکی، فساد کی ضد جس کا معنی تباہی ہے. صلاح پہلے حرف کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی مصالحت کرنا ہے، صلح پہلے حرف پر پیش، اس کا اسم ہے، اصلاح، ضد ہے افساد کی، تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ میں کفار مکہ سے دس سال تک جنگ نہ کرنے پر صلح کی، اس مدت میں سے تین سال ہی گزرے تھے کہ کافروں نے خزاعہ کے خلاف جنگ میں بنو بکر کی امداد کر کے معاہدہ توڑ دیا. قبیلہ خزاعہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیف تھا سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۸۶۳ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَۃَ وَ مَرْوَانَ ابْنِ الْحَکَمِ قَالَا خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ فِیْ بِضْعَ عَشَرَۃَ مِائَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَلَمَّا اَتٰی ذَاالْحُلَیْفَۃِ قَلَّدَ الْھَدْیَ وَ اَشْعَرَ وَ اَحْرَمَ مِنْھَا بِعُمْرَۃٍ وَ سَارَ حَتّٰی اِذَا کَانَ بِالثَّنِیَّۃِ الَّتِیْ

### پہلی فصل

حضرت مسور بن مخرمہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مروان بن حکم[2] سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ[3] کے سال، ایک ہزار اور چند[4] افراد کے ہمراہ نکلے، جب ذوالحلیفہ پہنچے[5] تو ہدی کے گلے میں ہار ڈالا[6]، اسے اشعار[7] کیا اور وہاں سے عمرے کا احرام باندھا اور روانہ ہوتے یہاں تک کہ جب اس پہاڑی[8] تک پہنچے جہاں سے مکے والوں پر اترا جاتا ہے تو آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر بیٹھ گئی. صحابہ کرام نے کہا اُٹھ اُٹھ[9]! قصوا اَڑ گئی، قصوا اَڑ گئی[10]. نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ
بِهٖ رَاحِلَتُهٗ فَقَالَ النَّاسُ
حَلْ حَلْ خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ
خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ فَقَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَآءُ وَ مَا
ذَالِكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَّ لٰكِنْ
حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ
قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ
لَا يَسْأَلُوْنِيْ خُطَّةً يُعَظِّمُوْنَ
فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا
اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا
فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى
نَزَلَ بِاَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى
ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ
النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلْبِثْهُ
النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوْهُ وَ شُكِيَ
اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ
فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهٖ
ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّجْعَلُوْهُ
فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ
يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى
صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَمَا هُمْ
كَذٰلِكَ اِذْ جَآءَ بُدَيْلُ

نے فرمایا: قصواء اڑیل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے، بلکہ اسے ہاتھی کے روکنے والے نے[10] روک دیا ہے۔ پھر فرمایا: قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ وہ لوگ مجھ سے ایسے جس کام کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں[11] کی تعظیم کریں گے۔ تو میں وہ کام انہیں دے دوں گا، پھر آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی، تو آپ نے اہل مکہ سے رخ پھیر لیا[12] حتےٰ[13] کہ حدیبیہ کے آخری حصّے میں تھوڑے پانی والے مقام[14] پر اترے جہاں سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لے رہے[15] تھے۔ تھوڑی دیر میں لوگوں نے اس جگہ کا پانی کھینچ لیا[16]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی۔ تو آپ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اس کنوئیں میں ڈال دیں، خدا کی قسم! ان لوگوں کی سیرابی کے لیے پانی جوش[17] مارتا رہا یہاں تک کہ وہ لوٹ گئے[18]، صحابہ کرام اسی حالت میں تھے کہ بدیل بن ورقا، خزاعی[19]، خزاعہ[20]، کے چند افراد سمیت آگئے، پھر عروہ بن مسعود[21] آگیا، راوی نے پوری[22] حدیث بیان کی، یہاں تک کہ راوی نے کہا کہ اچانک سہیل بن عمرو[23] آگیا۔

بْنُ وَرْقَآءَ الْخُزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ اَتَاهُ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَ سَاقَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اَنْ قَالَ اِذْ جَآءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا صَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَعَلٰى اَنْ لَّا يَاْتِيْكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَّهٗ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا۔

لکھو یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا۔ خدا کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ شریف سے نہ روکتے۔ اور نہ ہی آپ سے جنگ کرتے۔ البتہ آپ لکھئے۔ محمد بن عبد اللہ روای کہتے ہیں کہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خدا کی قسم! بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ لکھو محمد بن عبد اللہ راوی کہتے ہیں کہ سہیل نے کہا اور اس شرط پر کہ ہمارا جو مرد بھی آپ کے پاس آئے گا۔ اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو۔ آپ اسے ہماری طرف لوٹائیں گے۔ پھر جب صلح نامہ لکھنے کے معاملہ سے فارغ ہوتے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا۔ اٹھو اور اونٹ نحر کرو۔ پھر سر منڈاؤ۔ اس کے بعد کچھ ایمان دار عورتیں آگئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا
ثُمَّ جَآءَ نِسْوَةٌ مُّؤْمِنَاتٌ
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَكُمُ
الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ اَلْاٰيَةَ
فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ
يَّرُدُّوْهُنَّ وَ اَمَرَهُمْ اَنْ
يَّرُدُّوا الصَّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ
اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَآءَهٗ اَبُوْ
بَصِيْرٍ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ
وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ
طَلَبِهٖ. رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهٗ اِلَى
الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَا بِهٖ حَتّٰى
اِذَا بَلَغَا ذَاالْحُلَيْفَةِ نَزَلُوْا
يَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَّهُمْ
فَقَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ لِاَحَدِ
الرَّجُلَيْنِ وَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى
سَيْفَكَ هٰذَا يَا فُلَانُ
جَيِّدًا اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ
فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ
حَتّٰى بَرَدَ وَ فَرَّ الْاٰخَرُ
حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ
الْمَسْجِدَ يَعْدُوْا قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ

فرماتی اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آجائیں آخر آیت تک، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ان عورتوں کے واپس کرنے سے منع فرما دیا۔ اور انہیں حکم دیا۔ کہ ان عورتوں کا حق مہر واپس کر دو[27]، پھر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ پس قریش کا ایک فرد ابو بصیر[28] مسلمان ہوکر[29]۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ مشرکین مکہ نے اسے لانے کے لیے دو شخص بھیجے، آپ نے ابو بصیر کو ان دو شخصوں کے سپرد کر دیا[30]۔ وہ دونوں انہیں لے کر چل دیئے۔ یہاں تک کہ جب ذوالحلیفہ[31] پہنچے تو اتر کر کھجوریں کھانے لگے، حضرت ابو بصیر نے ان میں سے ایک کو کہا اے فلاں! خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ تیری یہ تلوار بہت عمدہ ہے، دکھاؤ تو سہی، میں اسے دیکھ لوں، اس نے تلوار ان کے حوالے کردی انہوں نے اس پر تلوار کا وار کیا حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اور دوسرا بھاگ کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ وہ دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے خوف[32] دیکھا ہے، اس نے کہا۔ خدا کی قسم میرا

قُتِلَ وَ اللّٰهِ صَاحِبِيْ وَ اِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَا اَبُوْ بَصِيْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مُسْعِرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهٗ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سَيْفَ الْبَحْرِ وَ انْفَلَتَ اَبُوْ جَنْدَلِ ابْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَا يَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَ اَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهُ اللّٰهَ وَ الرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى

ساتھی قتل کر دیا گیا ہے، اور مجھے بھی قتل کر دیا جائے گا[۳۳]۔ اتنے میں ابو بصیر بھی آ گئے[۳۴]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی ماں پر افسوس[۳۵]، یہ تو جنگ کو بھڑکانے والا ہے[۳۶]۔ اگر اس کے لیے کوئی ہوتا[۳۷]۔ انہوں نے جب یہ بات سنی تو جان لیا کہ آپ انہیں مشرکین کی طرف واپس کر دیں گے۔ تو وہ نکل گئے۔ حتےٰ کہ سمندر کے کنارے[۳۸] پر چلے گئے ادھر ابو جندل بن سہیل[۳۹] بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے، پھر کیا تھا؟ قریش کا جو فرد بھی اسلام لا کر نکلتا تو وہ حضرت ابو بصیر کے پاس پہنچ جاتا، یہاں تک کہ ان[۴۰] کی ایک بڑی جماعت اکٹھی ہو گئی، خدا کی قسم! وہ قریش کے جس قافلے کے بارے میں سنتے کہ وہ شام کی طرف جا رہا ہے، اس کا راستہ روک لیتے، انہیں قتل کرتے اور ان کا مال چھین لیتے۔ قریش نے کسی کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اللہ تعالیٰ اور قرابت داری کا واسطہ دے کر عرض کیا کہ آپ صرف یہ کام کریں کہ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو پیغام بھیجیں[۴۱]، پھر جو آپ کے پاس آئے۔ اور وہ امن والا ہے[۴۲]۔ چنانچہ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں

اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِلَیۡھِمۡ . پیغام بھیج دیا ہے۔

(رَوَاہُ الۡبُخَارِیُّ) (بخاری)

۵۱ حضرت مسور میم کے نیچے زیر، بے نقطہ سین ساکن بن مخرمہ میم پر زبر، نقطے والی خا ساکن، قریشی، زہری، کم عمر صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۵۲ مروان بن حکم قریشی، اموی ہیں، ان کی ولادت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی لیکن آپ کی زیارت نہیں کی، کیونکہ انہیں ان کے والد سمیت طائف کی طرف نکال دیا تھا۔ حضرت مسور اور مروان کے احوال باب حکم الاسراء کی فصل اول میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۳ حدیبیہ کبھی یاء کی تخفیف اور کبھی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں۔ جو حل کا حرم سے دور ترین مقام ہے۔ اب اس کا مقام ہے، اب اس کا مقام نامعلوم ہو چکا ہے بلکہ صحابہ کرام بھی اسے بھول چکے تھے۔ جیسے کہ صحیح بخاری سے معلوم ہوتا ہے، اسی لیے لوگ اس جگہ کی برکت حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایک کنوئیں کا نام ہے جو اس جگہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے چھٹے سال عمرہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے نکلے۔

۵۴ بضع باء کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی آئی ہے۔ یہ لفظ تین سے نو تک کے لیے آتا ہے۔ اس جگہ مبہم ذکر کیا اور تعیین نہیں کی، کیونکہ اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں چودہ سو اور بعض میں پندرہ سو آیا ہے۔ اور یہ عبارت عجیب و غریب واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ کہتے ایک ہزار چار سو یا ایک ہزار پانچ سو۔ ایک روایت اس طرح بھی آئی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے ایک ہزار چار سو یا اس سے زیادہ، چودہ سو سے پندرہ سو تک کی روایت کی توجیہ کی گئی ہے کہ مقصد اظہار کثرت ہے۔ یا اس بنا پر یہ الفاظ کہے ہیں۔ کہ سو سو کی ہر جماعت اترنے اور ایسے ہی دوسرے امور میں متفق تھی۔ (اس لیے ایک ہزار چار سو کی بجائے چودہ سو کہا ۱۲ قادری)۔

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ نکلے تھے۔ بعد ازاں آہستہ آہستہ زیادہ ہو گئے۔ جس نے پہلے دیکھا۔ اس نے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام دیکھے اور بعد میں آنے والی فوج کو نہ دیکھا۔ اور جس نے بعد میں آنے والوں کو بھی دیکھا اس نے پندرہ سو کی روایت کی اور جس نے تحقیق نہ کی اس نے کہا پندرہ سو یا اس سے زیادہ۔

۵۵ ذوالحلیفہ بے نقطہ حاء پر پیش۔ لام پر زبر۔ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ جیسے کہ کتاب الحج میں بیان ہوا۔

۵۶ ہدی وہ قربانی جو حرم شریف بھیجی جاتے۔ تقلیداً اس کے گلے میں کوئی چیز لگانا۔

۵۷ یعنی اونٹ کی کوہان کے دائیں جانب نیزہ مارا جس سے خون بہہ نکلا۔ یہ تقلید اور اشعار اس لیے ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حرم شریف کی قربانی ہے۔ اس مسئلے کی تفصیل کتاب الحج میں گزر گئی ہے۔

۵۸ ثنیہ راستے کے درمیان واقع پہاڑی۔

۵۹ حَل حَل بے نقطہ حا، پر زبر اور لام ساکن۔ مخفف، دو مرتبہ، اونٹ کو اٹھانے یا دوڑانے کے لیے استعمال کیا جانے والا کلمہ زجر۔

۵۱۰ خلأت پہلے حرف کے نیچے زیر، آخر میں الف ممدودہ، اونٹنی کا نافرمانی کرنا اور بغیر کسی سبب کے بیٹھ جانا۔ اور بعض نسخوں میں خلأت القصواء دو دفعہ واقع ہوا ہے۔ (جیسے کہ پیش نظر نسخے میں ہے)
(۱۲ قادری)

۵۱۱ مکہ معظمہ کی جانب پیش قدمی کرنے سے روک دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ مشرفہ کو گرانے کے لیے آنے والے ہاتھی کو روک دیا تھا، اس جگہ بھی اسی نے قصواء کو روک دیا ہے۔ تاکہ قبل از وقت حرم شریف میں جنگ اور قتل و خونریزی واقع نہ ہو۔

۵۱۲ اس سے حرم شریف کی عزت اور اس میں جنگ سے باز رہنا مراد ہے۔ خُطَّۃً نقطے والی خا، پر پیش کار عظیم، اس جگہ صلح مراد ہے جو اس موقع پر ہوئی۔

۵۱۳ یہ اشارہ تھا کہ تم سے جنگ کرنا مقصود نہیں ہے۔

۵۱۴ ثمد ثمین نقطے والی ثا، اور میم پر زبر، میم کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تھوڑا پانی، اس جگہ مقام مراد ہے تاکہ اسے قلیل الماء سے موصوف کرنا درست ہو۔

۵۱۵ بروض پانی کا چشمے سے تھوڑا تھوڑا نکلنا۔

۵۱۶ یُلَبِّثُہٗ شارحین نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یا، پر پیش، لام ساکن اور با، مخفف، یہ مشتق ہے اِلْبَاثٌ بروزن اِکْرَامٌ سے، اس احتمال کی بھی تصحیح کی ہے کہ لام پر زبر اور با، مشدد ہو۔ یہ مشتق ہے تلبیث سے بروزن تَصْرِیْفٌ لبث کا معنی ہے دیر تک رکنا، اِلْبَاثٌ اور تَلْبِیْثٌ کا معنی ہے دوسرے کو دیر تک روکنا۔ نزح نقطے والی زا، اور بے نقطہ۔ کے ساتھ، کنوئیں کا پانی کھینچنا، بِئْرٌ۔ نَزُوْحٌ۔ اور کم پانی والا کنواں ہو۔

۵۱۷ جیش دریا اور ہنڈیا وغیرہ کا جوش مارنا، رِیّ را، کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں اور یا، مشدد، سیراب ہونا۔

۵۱۸ یعنی صحابہ کرام واپس چلے گئے اور ابھی پانی باقی تھا۔ مصدر پہلے دونوں حرفوں پر زبر، پانی سے واپس جانا جیسے کہ وَاَوْدَ کا معنی ہے۔ پانی پر آنا۔

۵۱۹ بدیل باء پر پیش، بے نقطہ دال پر زیر، یاء ساکن۔ بن ورقاء واؤ پر زبر، راء ساکن، قاف کے بعد الف ممدودہ الخزاعی خاء پر پیش، یہ منسوب ہے۔ خزاعہ کی طرف اور وہ ازد کا ایک محلہ ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم سے قطع تعلق کر کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ خزع کا معنی قطع ہے۔ اور خزاعہ کسی چیز کے قطع کو کہتے ہیں۔

۵۲۰ یہ لوگ دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ یہ بدیل اور ان کے بیٹے عبد اللہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ پہلے ہی اسلام لاتے تھے۔

۵۲۱ عروہ بن مسعود ثقفی اس واقعہ کے بعد ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طائف سے تشریف لانے کے بعد ایمان لائے

۵۲۲ چونکہ حدیث میں بدیل اور عروہ کی قریش کی مصالحت کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ طویل گفتگو ہوئی تھی اس لیے صاحب مصابیح نے حدیث کا اختصار کر دیا۔

۵۲۳ سہیل بن عمرو، قریش کے معززین میں سے اور ان کے خطیب تھے، بدر کے روز قید ہو کر آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے دانت نکلوا دیجئے، تاکہ آیندہ اپنے خطبوں میں آپ کی مذمت نہ کر سکے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسے رہنے دو، یہ آخر کار ایسی جگہ کھڑا ہوگا جو قابل ستایش ہوگی۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مکہ مکرمہ کے باشندوں میں اختلاف ہوا اور بعض مرتد ہو گئے تو انہوں نے خطبہ دیا۔ لوگوں کو تسلی دی اور اختلاف سے منع کیا۔ اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر سچی ہوئی۔ جب سہیل آئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے لیے تمہارا کام آسان کر دیا گیا ہے۔ (کیونکہ سہیل مشتق ہے سُہُولَۃٌ سے جس کا معنی آسانی دی۔ ۱۲ قادری۔) چنانچہ سہیل نے صلح کرا دی۔

۵۲۴ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شرط قبول فرمالی، اس جگہ بھی حدیث میں اختصار ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بخاری شریف کی کوئی دوسری روایت ہے۔ جس میں اتنی تفصیل ہی بیان کی گئی ہو۔

۵۲۵ یعنی اپنے ہدایا کو (جنہیں تم حرم شریف میں ذبح کرنے کے لیے لاتے تھے ۱۲ قادری)۔

۵۲۶ یہ احصار کا حکم ہے (محرم کو بیماری یا دشمن حج کرنے سے روک دے، اسے حصار کہتے ہیں۔
(۱۲ قادری)

امام شافعی کے نزدیک اونٹ نحر کیے جائیں گے اگرچہ حرم شریف سے باہر ہی ہوں۔ کیونکہ حدیبیہ حل کا حصہ ہے نہ کہ حرم کا، ہمارے نزدیک حرم میں نحر کرنا شرط ہے، کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم ہے۔ اور کچھ حل، حضرت مولف نے اس جگہ بھی اختصار کیا ہے جیسے کہ بخاری شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۲۷ یعنی اگر کافر عورتوں کا مطالبہ کرنے آئیں اور وہ انہیں حق مہر دے چکے ہوں تو انہیں مہر واپس کر دو اور اگر انہوں نے مہر ادا نہ کیا ہو تو انہیں کچھ نہ دو، اس جگہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ صلح عام تھی کہ ان کے مردوں اور عورتوں سے جو بھی آتے اسے واپس کیا جاتے، اور چونکہ نہی کے وارد ہونے کی بنا پر عورتوں کا واپس کرنا متعذر ہوگیا تھا اس لیے مہر کا واپس کرنا عورتوں کے واپس کرنے کے حکم میں ہوگیا۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف مردوں کی واپسی صلح میں طے ہوئی تھی۔ یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس حدیث کے یہ کلمات:۔
"ہمارا جو مرد بھی آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے واپس کریں گے۔ اس قول کی میں تائید کرتا ہوں۔

۵۲۸ ابو بصیر با، پر زبر، قریش کے ایک فرد تھے، اصل میں وہ ثقفی تھے۔ لیکن بنو زہرہ کے حلیف تھے اس اعتبار سے انہیں قریش کا ایک فرد کہا۔

۵۲۹ اور قریش سے بھاگ کر مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے

۵۳۰ جیسے کہ معاہدہ تھا۔

۵۳۱ جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے

۵۳۲ ذعر نقطے والے ذال پر پیش اور عین ساکن، خوف،

۵۳۳ اگر آپ نے مجھے اس کے سپرد کر دیا۔

۵۳۴ ایک روایت میں ہے انہوں نے عرض کیا۔ واللہ وفی اللہ تعالیٰ نے آپ کا معاہدہ پورا فرما دیا کہ آپ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات عطا فرمائی۔

۵۳۵ تعجب کی بات کے وقت یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

۵۳۶ کہ معاہدہ توڑنے کا سبب بن رہا ہے، صراح میں ہے سعر آگ اور جنگ کا بھڑکانا، مسعر میم کے نیچے زیر، سین ساکن، عین پر زبر آگ اور لڑائی کا بھڑکانے والا۔

۵۳۷ اگر ایک آدمی ہی ابو بصیر کا یار و مددگار ہوتا۔ یا یہ مطلب ہے اگر کوئی شخص ہوتا تو انہیں سمجھاتا کہ

ہمارے پاس نہ آئیں تاکہ ہم پھر انہیں مشرکین کے حوالے نہ کردیں، یہ معنی سیاقِ حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ہو جو انہیں پکڑ کر مشرکین کے حوالے کردے۔ حضرت ابوبصیر کو ڈرانے اور دھمکانے اور مشرکین کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بات فرمائی بلکہ یہ اشارہ ہے کہ بھاگ جاؤ (ورنہ پھر ان کے سپرد کر دیئے جاؤ گے" قادری) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۸؎ ریف سین کے نیچے زیر اور یار ساکن، ساحلِ سمندر۔

۳۹؎ ابو جندل جیم پر زبر، بن سہیل سین پر پیش —— ان کا واقعہ یہ ہے کہ سہیل بن عمرو جو صلح کے درپے تھے اور انہوں نے عملاً مصالحت میں حصہ لیا تھا، ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام ابو جندل تھا وہ مکہ معظمہ میں اسلام لے آئے تھے، ان کے والد نے ان کو بیڑیوں میں قید کر دیا، جب صلح ہوئی اور اس میں یہ شرط طے پا گئی کہ قریش کا جو فرد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے اسے آپ واپس کر دیں گے، اسی موقع پر ابو جندل بیڑیوں سمیت مکہ مکرمہ کے نچلے راستے سے باہر آئے اور آکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا، سہیل نے کہا اے محمد یہ پہلا شخص ہے جس کا صلح کی بنا پر ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں، اسے میرے ساتھ واپس بھیج دیجئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تو صلح نامہ لکھا نہیں گیا اسے امن دے کر میرے سپرد کر دو، سہیل نے یہ بات نہ مانی اور اصرار کیا، اور کہنے لگا تب پھر ہمارے اور آپ کے درمیان صلح نہیں ہے، لہٰذا آپ نے انہیں ان کے باپ کے سپرد کر دیا۔ ابو جندل نے کہا اے مسلمانوں کے گروہ! کیا آپ مجھے مشرکوں کے حوالے کر رہے ہیں؟ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آپ کے درمیان آیا ہوں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ مجھے کس طرح اذیتیں دے رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نقضِ عہد ہمارا شیوہ نہیں ہے، تم صبر کرو، تمہارا رب تمہیں کشادگی اور راستہ عطا فرمائے گا۔ رضی اللہ عنہ

۴۰؎ قریش کی یا مسلمانوں کی

۴۱؎ عِیر عین کے نیچے زیر، یار ساکن، خوراک کا بوجھ اٹھانے والے اونٹ، مراد قافلہ ہے، قاموس میں ہے عیر وہ اونٹ جن پر خوراک لادی گئی ہو یا ہر وہ جانور جس پر خوراک لادی گئی ہو، خواہ وہ اونٹ ہو، گدھا ہو یا خچر۔

۴۲؎ کہ وہ مدینہ منورہ آجائیں اور ہمارے قافلوں سے تعرض نہ کریں —— لَمَّا میم مشدّد کے ساتھ، اِلَّا کے معنی میں آتا ہے، عرب اس حرف کو اپنے کلام میں اسی طریقے پر استعمال کرتے ہیں جس طرح حدیث میں واقع ہوا ہے یعنی کسی کام کا پرزور مطالبہ مقصود ہوتا ہے، کہتے ہیں سَاَلْتُكَ لَمَّا فَعَلْتَ میں تم سے مطالبہ کرتا ہوں کہ صرف اس کام کے لیے اہتمام کرو۔

۴۳؎ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کے پاس کسی کو بھیج دیں اور انہیں

مشرکوں کے قافلوں کے تعرض سے منع کر دیں تو اس کے بعد ہمارا کوئی فرد مسلمان ہو کر مکہ معظمہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آجائے تو وہ امن میں ہے اور اسے واپس نہ کیا جائے، یعنی قریش اس شرط پر نادم ہو گئے اور کہنے لگے کہ کسی کو بھیج کر ابو بصیر کو منع کر دیجئے اور ہم اس شرط سے باز آئے۔

۱۴۴؎ اور انہیں اپنے پاس بلا لیا۔

۳۸۶۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَشْيَآءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهٗ اِلَيْهِمْ وَ مَنْ اَتَاهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَ عَلٰى اَنْ يَّدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَّ يُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّ لَا يَدْخُلُهَا اِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ وَ السَّيْفِ وَ الْقَوْسِ وَ نَحْوِهٖ فَجَآءَ اَبُوْ جَنْدَلٍ يَحْجُلُ فِيْ قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهٗ اِلَيْهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء بن عازب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین چیزوں پر صلح کی (۱) مشرکین کا جو فرد آپ کے پاس آئے اسے ان کی طرف واپس کریں گے۔ (۲) مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے وہ اسے واپس نہیں کریں گے[2]۔ (۳) آپ اگلے سال مکہ معظمہ میں داخل ہوں[3]، تین دن قیام کریں[4] اور مکہ مکرمہ میں صرف اس صورت میں داخل ہوں کہ ہتھیار، تلوار اور کمان وغیرہ غلاف میں پوشیدہ ہوں[5]، پس ابو جندل بن سہیل بیڑیوں میں چلتے[6] ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں (شرائط کے مطابق ) مشرکوں کی طرف لوٹا دیا۔ (صحیحین)

۱؎ حضرت براء بن عازب مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ یہ قسم واقع میں نہیں پائی گئی اور اس کا وجود بھی نادر ہے[1]

[1] صلح میں ان شرائط کا قبول کرنا صحابۂ کرام خصوصًا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا گراں ثابت ہوا، حتّٰی کہ حضرت عمر نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھر حضرت ابو بکر صدیق سے عرض کیا کہ جب ہم حق پر ہیں (بقیہ صفحہ آئندہ)

۳؎ ہم اس سال مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔
۴؎ اس سے زیادہ قیام نہ کریں۔
۵؎ ہتھیاروں کی نمائش کرتے ہوئے داخل نہ ہوں کہ یہ قہر وغلبہ اور جنگ کی تیاری کی علامت ہے (اور ہتھیار چھپا کر لانا صلح کی نشانی ہے ۱۲ قادری) جلبان جیم اور لام پر پیش اور بار مشدد، کچا چمڑہ جس میں ہتھیار رکھے جاتے ہیں۔
۶؎ حجل قیدیوں کی رفتار اور کوے کی طرح اچھل اچھل کر چلنا، نیز راستے پر کوے کے چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔
۷؎ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ شرط اس لیے قبول کی کہ اس وقت مسلمان کمزور تھے اور کافروں سے مقابلہ کرنے سے عاجز تھے، اس کے علاوہ عظیم مصلحتیں تھیں جن کے ظاہر و باہر فوائد و ثمرات مرتب ہوئے، مثلاً مکہ معظمہ کی فتح، وہاں کے لوگوں کا اسلام لانا، دین حق کا ظہور، فتح و ظفر کی وسعت اور لوگوں کا جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا اور اصل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اپنی بندگی کا اظہار تھا، اس کے علاوہ بے شمار حکمتیں اور اسرار تھے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۳۸۶۵ - وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَطُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ مَنْ جَآءَنَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهٗ عَلَيْكُمْ وَمَنْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صلح کی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ شرط عائد کی کہ آپ ۱؎ کا جو فرد ہمارے پاس آئے گا ہم اسے آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے اور جو ہمارا فرد آپ کے پاس آجائے گا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) تو پھر دب کر صلح کیوں کی جائے؟ لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ بات تھی کہ مشرکین پہلی بار اسلامی سٹیٹ کو تسلیم کر رہے تھے، نیز مکہ مکرمہ سے آنے والا مسلمان اتنا کمزور ایمان والا نہ ہوتا کہ واپس کئے جانے پر وہ ایمان سے برگشتہ ہو جاتا، پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید واثق تھی اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی راستہ پیدا فرما دیتا اور مدینہ منورہ چھوڑ کر جانے والا تو منافق ہی ہو سکتا تھا، اس کا چلے جانا ہی بہتر تھا، اسے واپس بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ اللہ کیا سیاسی بصیرت ہے؟ اور عواقب و نتائج کس طرح پیش نظر ہیں؟ ۱۲ قادری ۱؎ یعنی مسلمانوں میں سے۔

جَآءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوْهُ عَلَيْنَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهٗ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَآءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهٗ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو آپ اسے ہماری طرف واپس کریں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم یہ شرط لکھیں[۲] فرمایا: ہاں! بے شک شان یہ ہے کہ ہم میں سے جو چلا گیا[۳]، پس اللہ تعالیٰ نے اسے دُور[۴] پھینک دیا ہے، اور ان کا جو فرد ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے عنقریب کشادگی[۵] اور نکلنے کی جگہ پیدا فرما دے گا۔ (مسلم)

۱ؔ یعنی مسلمانوں میں سے

۲ؔ اور اسے قبول کرلیں؟

۳ؔ اور ہم سے اعراض کرگیا

۴ؔ رحمت اور دائرہ اسلام سے دُور پھینک دیا ہے اور ہمیں اس سے کچھ غرض نہیں ہے اور وُہ کافروں کی ہم نشینی کے زیادہ لائق ہے۔

۵ؔ غم و اندوہ اور سختی سے رہائی اور رنج والم اور مشقت سے نکلنے کا راستہ عطا فرمائے گا، جیسے حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳۸۶۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِيْ بَيْعَةِ النِّسَآءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُهُنَّ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ فَمَنْ أَقَرَّتْ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنْهُنَّ قَالَ لَهَا قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا يُكَلِّمُهَا بِهٖ وَ اللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُهٗ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عورتوں کی بیعت کے بارے میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے: اے نبی! جب ایماندار عورتیں تمہارے پاس آئیں تاکہ بیعت کریں[۱] تو ان میں سے جو عورت اس شرط کا اقرار کرتی تو آپ اسے فرماتے، تحقیق میں نے تمہیں بیعت کیا، اس عورت سے زبانی گفتگو فرماتے[۲] خدا کی قسم! بیعت کرتے وقت کبھی آپ کا دستِ اقدس کسی عورت کے ہاتھ سے

اِلَّمَا یَعْرِ ۔ نہیں چھوا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (صحیحین)

لہ اس آیت کا پورا مضمون یہ ہے کہ ان شرائط پر بیعت کریں (۱) کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں (۲) چوری نہ کریں (۳) زنا نہ کریں (۴) اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، جیسے کہ رواج تھا کہ لڑکیوں کو قتل کردیتے تھے (۵) بہتان نہ باندھیں اور (۶) نافرمانی نہ کریں۔

سلہ کہ میں نے تمہیں بیعت کیا اور تمہاری بیعت قبول کی۔

سلہ یعنی بیعت اگرچہ ہاتھ دینا ہے، لیکن یہ طریقہ مردوں کے لیے تھا، عورتوں کو صرف زبانی کہا جاتا تھا کہ میں نے تمہیں بیعت کیا، بعض مشائخ جو عورتوں کو مرید کرتے ہیں، انہیں بیعت کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ پانی میں ڈال کر عورت کو کہتے ہیں کہ تم بھی اپنا ہاتھ اس میں ڈال دو، بعض لوگ کپڑے کا ایک کنارا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں اور دوسرا عورت کو پکڑا دیتے ہیں، تو ان تکلفات کی حاجت نہیں ہے، سنت پر اکتفا کرنا احسن اور افضل ہے۔ بیعت کی حدیث کو باب صلح میں اس لیے بیان کیا کہ دونوں شرط لگانے میں مشترک ہیں نیز صلح حدیبیہ کے واقعہ میں بھی بیعت واقع ہوئی تھی جسے بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب اے حبیب! وہ تمہاری بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے ۱۲ ق) اس مناسبت سے عورتوں کی بیعت کی حدیث اس جگہ ذکر کردی، اگرچہ یہ بیعت حدیبیہ میں نہ تھی۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۳۸۶۷ عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ اَنَّھُمْ اصْطَلَحُوْا عَلٰی وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِیْنَ یَاْمَنُ فِیْھِنَّ النَّاسُ وَعَلٰی اَنَّ بَیْنَنَا عَیْبَۃً مَکْفُوْفَۃً وَّاَنَّہٗ لَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت مسور رضی اللہ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ مشرکوں نے دس سال تک جنگ بند کرنے پر صلح کی، لوگ ان سالوں میں امن سے رہیں اور اس شرط پر کہ ہمارے درمیان بند صندوق ہوگا اور یہ کہ نہ تو تلوار میان سے باہر نکالی جائے گی اور نہ ہی خیانت ہوگی۔

(ابوداؤد)

ـلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ۔

ـلہ عَيْبَة ًً بے نقطہ عین پر زبر، یا ساکن، اس کے بعد با، وُہ چیز جس میں کپڑے رکھے جاتے ہیں، جسے بقچہ (صندوق، بریف کیس وغیرہ) کہتے ہیں۔بعض شارحین نے کہا قیمتی اور نفیس کپڑوں کو کہتے ہیں صراح میں ہے عیبہ کپڑے رکھنے والی چیز، قاموس میں ہے عیبہ چمڑے کی زنبیل، اس کی جمع عَيَابٌ اور عَيْبَاتٌ ہے، اس عبارت کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں، زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان کینے، مکر، فریب، فساد اور تباہی سے پاک اور صلح و وفا کے حامل سینے ہوں گے۔عرب، سینوں اور دلوں کو بطور کنایہ عیبہ کہتے ہیں کیونکہ یہ رازوں کی امانت گاہیں ہیں، جیسے کہ عیاب ان ظروف کو کہتے ہیں جن میں قیمتی کپڑے رکھے جاتے ہیں، اور اس میں شک نہیں ہے کہ سینے کا اس دشمنی اور عداوت سے پاک ہونا مراد ہے جو جنگ و جدل، قتل اور لوٹ مار سے متعلق ہو، ورنہ مسلمانوں اور کافروں کے سینے عداوت اور دشمنی سے کیسے پاک ہو سکتے ہیں؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کافروں کی دشمنی فرض فرمائی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیبہ سے مُراد نفسِ مصالحت اور جنگ بندی ہو، یعنی یہ صلح اپنے حال پر بند ہو گی اور اسے کھولا نہیں جائے گا، عربوں کے کلام میں عیبہ کا اطلاق رازوں اور مخفی امور پر معروف و مشہور ہے، بعض شارحین نے کہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے درمیان اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وُہ سر بند اور مقفل رہے اسے نہ تو ظاہر کیا جائے گا اور نہ ہی یاد کیا جائے گا۔

ـسہ اِسلال ہمزے کے نیچے زیر، بے نقطہ سین، اِغلال ہمزے کے نیچے زیر نقطے والی غین ساکن۔ شارحین نے کہا کہ اسلال کا معنیٰ ہے پوشیدہ طور پر چوری کرنا اور اغلال کا معنیٰ خیانت کرنا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی دُوسرے کا مال چوری چھپے یا اعلانیہ نہیں لے گا، بعض نے کہا اسلال کا معنیٰ تلوار کا میان سے نکالنا ہے اور اغلال کا معنیٰ زرہ پہننا ہے، قاموس میں ہے کہ غلائل زرہوں کو بھی کہتے ہیں اور غلالہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دُوسرے کپڑے کے نیچے پہنا جائے، جسے شعار بھی کہتے ہیں (جیسے بنیان وغیرہ) بہرصورت بطور کنایہ جنگ بندی مراد ہے۔

۳۸۶۸ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِّنْ اَبْنَآءِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اٰبَآئِهِمْ عَنْ رَسُوْلِ

صفوان بن سلیم،ـلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کے متعدد صاحبزادوں سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اپنے آباء سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ خبردار! جو معاہدہ کرنے والے پر

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انْتَقَصَهٗ اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ظلم کرے یا اس کے لیے مقرر کردہ مدت میں کمی کرے یا اسے اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دے یا اس کی خوشی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے تو قیامت کے دن میں اس کا فریق مخالف[۵] ہوں گا۔ (ابوداؤد)

[۱] صفوان بن سلیم، سین پر پیش، مدینہ منورہ کے باشندے جلیل القدر تابعی، اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں میں سے تھے، ثقہ، عبادت میں مشہور اور امام و مقتدا تھے، چالیس سال تک زمین پر پشت نہ لگائی، کہتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت کے سبب ان کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا تھا، تھوڑے مال پر قناعت کرتے، شاہی تحفے قبول نہیں کرتے تھے، حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، وفات کے وقت نزع کی شدت کے باوجود بیٹھے ہوئے تھے، ان کی صاحبزادی نے عرض کی کہ اگر آپ زمین پر لیٹ جائیں تو کیا حرج ہے؟ فرمایا، بیٹی! میں نے نذر مان کر اور قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اوپر جو چیز لازم کی تھی میں اسے اس وقت بھی پورا کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، حضرت ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، انس بن مالک اور تابعین کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام مالک اور ابن عیینہ وغیرہما روایت کرتے ہیں سنہ ۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۲ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

[۲] اس سے ذمی مراد ہے۔

[۳] نقطے والے ضاد کے ساتھ ـــــ یعنی اس کے حق میں کمی کرے۔

[۴] اگر وہ ذمی ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ جزیہ لے اور اگر حربی ہے اور تجارت کے لیے (اجازت لے کر) آیا ہوا ہے تو مال تجارت کے دسویں حصے سے زیادہ لے ـــــ تکلیف کسی کو طاقت کے مطابق کام کا حکم دینا۔

[۵] اس کے خلاف حجت پیش کروں گا اور اس پر غلبہ پاؤں گا۔

۳۸۶۹/۷ وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ

حضرت امیمہ بنت رقیقہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَ اَطَقْتُنَّ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِاَنْفُسِنَا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْنَا تَعْنِيْ صَافِحْنَا قَالَ اِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَاَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ (رواہ)

روایت ہے کہ مَیں نے عورتوں[2] کی ایک جماعت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی آپ نے ہمیں فرمایا: ہم نے تمہیں اس چیز میں بیعت کیا جس کی تم طاقت و استطاعت رکھتی ہو[3] میں نے کہا[4] اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری جانوں سے زیادہ ہم پر مہربان ہیں (پھر) عرض کیا یارسول اللہ ہمیں بیعت فرمائیں یعنی ہم سے مصافحہ[5] فرمائیں، فرمایا: سَو عورتوں کے لیے ہمارا قول ایسے ہی ہے جیسے ہمارا قول ایک عورت کے لیے[6] اس حدیث کو روایت کیا[7]

[1] امیمہ ہمزے پر پیش، دونوں میموں پر زبر، درمیان میں یا، ساکن بنت رقیقہ، را، پر پیش، دونوں قافوں پر زبر، درمیان میں یا، ساکنہ اور آخر میں تا، دونوں صحابیہ ہیں اور اہلِ مدینہ میں شمار کی جاتی ہیں، ان سے محمد بن منکدر اور دُوسرے حضرات روایت کرتے ہیں، حضرت رقیقہ، حضرت ام المؤمنین خدیجہ کی بہن ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

[2] انہوں نے بھی بیعت کی۔

[3] نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں پر شفقت فرمائی کہ بیعت کو طاقت و استطاعت کے ساتھ مقید کر دیا۔

[4] نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اور یہ مزید شفقت کا مطالبہ کرنے کی تمہید تھی۔ (مطالبے کا ذکر آرہا ہے)

[5] یعنی اپنا دستِ مبارک ہمارے ہاتھوں پر رکھیں جیسے کہ بیعت کی حقیقت ہے اور جس طرح آپ مردوں کو بیعت کرتے ہیں، ہمیں صرف زبانی طور پر بیعت نہ فرمائیں۔

[6] جب حضرت امیمہ نے مطالبہ کیا کہ ہر ایک سے مصافحہ فرمائیں اور صرف زبانی ارشاد پر اکتفا نہ فرمائیں تو فرمایا کہ ہمارا زبان سے فرما دینا کافی ہے، مصافحہ کی ضرورت نہیں ہے، نیز ہر عورت کو الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سب کے لیے ایک ہی ارشاد کافی ہے۔

؎۷ اصل کتاب میں یہاں جگہ خالی ہے، حاشیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی، ابن ماجہ اور امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا، ان تمام حضرات نے یہ حدیث محمد بن منکدر سے اور انہوں نے حضرت امیمہ سے روایت کی، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، صحیح ہے، صرف محمد بن منکدر کی روایت سے معلوم ہے، اسی طرح علامہ جزری نے فرمایا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

٣٨٧٠ – ٨ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ فَاَبٰى اَهْلُ مَكَّةَ اَنْ يَّدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى اَنْ يَّدْخُلَ يَعْنِيْ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ يُقِيْمُ بِهَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوْا هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالُوْا لَا نُقِرُّ بِهَا فَلَوْ نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا مَنَعْنَاكَ وَلٰكِنْ اَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ

## تیسری فصل

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذیقعدہ میں عمرے کا ارادہ کیا؎۱ اہل مکہ نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخلے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، حتّٰی کہ آپ نے ان سے صلح فرمائی کہ آپ اگلے سال مکہ معظمہ آئیں اور تین دن وہاں قیام کریں؎۲ جب صلح نامہ لکھا گیا تو صحابۂ کرام نے لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہے، مشرکوں نے کہا۔ ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے؎۳ اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کا راستہ نہ روکتے ہاں آپ محمد بن عبداللہ ہیں؎۴ آپ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور محمد بن عبداللہ ہوں؎۵ پھر حضرت علی ابن ابی طالب کو فرمایا؎۶ لفظ رسول اللہ مٹا دو؎۷ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم! میں کبھی بھی آپ کا نام پاک نہیں مٹاؤں گا؎۸ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح نامہ لے لیا، حالانکہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے

لَا اُمْحُوْكَ اَبَدًا فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفَ فِى الْقِرَابِ وَ اَنْ لَّا يَخْرُجَ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتْبَعَهٗ وَ اَنْ لَّا يَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِكَ اُخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْاَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھے[۹]، پس آپ نے لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے، مگر تلوار تھیلے میں ہوگی اور اگر اہلِ مکہ میں سے کوئی ان کے ساتھ جانا چاہے گا تو اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور اگر ان کا کوئی ساتھی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے منع نہیں کریں گے، جب آپ (اگلے سال) مکہ میں داخل ہوئے اور مدت گزر گئی[۱۱] تو مشرکین حضرت علی کے پاس آکر کہنے لگے، اپنے صاحب سے کہو کہ یہاں سے تشریف لے جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے[۱۲] چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے[۱۳]

(صحیحین)

[۱] اور اس کا احرام باندھا۔
[۲] اس سے زیادہ نہیں۔
[۳] لہذا ہمارے لیے یہ عبارت قابلِ قبول نہیں ہے۔
[۴] اور یہی نام معاہدے میں لکھیں۔
[۵] دونوں میری صفتیں ہیں جو بھی لکھ دو درست ہے۔
[۶] وہی صلحنامہ لکھ رہے تھے۔

۷ محو کا معنی ہے مٹانا اور صاف کر دینا ۔

۸ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ یہ حکم وجوبی نہیں ہے، ورنہ مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی اور حقیقت میں مخالفت نہیں بلکہ عین موافقت ہے اور انتہائی محبت اور اخلاص پر مبنی ہے ۔

۹ یعنی آپ لکھنا نہیں جانتے تھے ۔

۱۰ قراب قاف کے نیچے زیر وُہ تھیلا جس میں تلوار نیام سمیت رکھی جاتی ہے، اسی کو اس سے پہلے ایک حدیث میں جُلُبّان کہا گیا ہے ۔

۱۱ طے یہ پایا تھا کہ آپ تین دن مکہ معظمہ میں قیام کریں گے ۔

۱۲ ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیسا رہے ؟ اگر ہم تمہاری دعوت کریں اور ایک دن مزید قیام کریں، انہی دنوں آپ نے حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا ان کے ولیمے کی تقریب بھی درپیش تھی، مشرکین نے کہا آپ تشریف لے جائیں۔ ہمیں آپ کے کھانے کی حاجت نہیں ہے[۱]

۱۳ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکھنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی نہیں لکھا اور آپ لکھ بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُمّی کہا ہے اور اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو کتاب سے پڑھ نہ سکے اور نہ ہی لکھ سکے، بعض علماء کہتے ہیں کہ جب آپ کی نبوّت پر دلیل قائم ہو گئی اور شک وشبہ ختم ہو گیا تو آپ نے بنفسِ نفیس لکھا ۔ اس حدیث کا ظاہر ان حضرات کی دلیل ہے، انکار کرنے والے یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ کتابت سے مُراد لکھنے کا حکم دینا ہے اور یہ علماء بیان کے ہاں مشہور مجاز ہے، جیسے کہ کہتے ہیں کہ امیر نے شہر تعمیر کیا، مطلب یہ ہے کہ اس نے شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا، یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے ہاتھ سے شہر بنایا ہے، یہ ہے ان کے اختلاف کا خلاصہ اور اس سلسلے میں اجمالی گفت گو۔

اس مسئلے کی تفصیل فتح الباری میں بیان کی گئی ہے، مناسب رہے گا کہ ہم اسے اس جگہ نقل کر دیں' علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام بخاری، مغازی میں ایک حدیث لائے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ پکڑا، حالانکہ آپ اچھی طرح نہیں لکھتے تھے، آپ نے لکھا یہ وُہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے طے کیا ہے، بعض علماء نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے مغرب کے عظیم عالم ابوالولید باجی اسی کے قائل ہیں، انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے نہیں

---

۱ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا (باقی صفحہ آئندہ)

لکھتے تھے بعد میں آپ نے لکھا، اندلس کے علماء نے ابوالولید پر طعن کیا اور انہیں قرآن مجید کی مخالفت کی بنا پر کافر اور زندیق قرار دیا، ارشادِ ربانی ہے وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ تم اس سے پہلے کتاب دیکھ کر نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (ایسا ہوتا) تب تو جھوٹے شک میں پڑ جاتے۔

اس وقت کے بادشاہ نے علماء کو جمع کیا، ابوالولید باجی کے پاس جو علوم و معارف تھے ان کے سامنے پیش کئے اور کہا کہ میرا دعوٰی قرآنِ کریم کے مخالف نہیں ہے بلکہ مفہومِ قرآن سے ماخوذ ہے، کیونکہ قرآن پاک میں خطِ کتابت کی نفی مقید ہے، نزولِ قرآن سے پہلے زمانے کے ساتھ، اور جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امّی ہونا ثابت ہو گیا اور اس بنا پر معجزہ متحقق ہو گیا اور شک و شبہہ دُور ہو گیا تو اس امر سے کوئی مانع نہیں ہے کہ آپ کسی مخلوق کی تعلیم کے بغیر لکھنا سیکھ لیں اور یہ دُوسرا معجزہ ہوگا، یہ گفتگو سُن کر علماء کی ایک جماعت ابوالولید سے متفق ہو گئی، ان میں علامہ ابوالولید کے استاذ ابوذر ہروی، ابوالفتح نیشاپوری اور افریقہ کے دُوسرے علماء تھے۔

ان میں سے بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے ابن ابی شیبہ نے مجالد سے اور انہوں نے عون بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے لکھ لیتے تھے اور لکھا ہُوا پڑھ لیتے تھے،

مجالد نے یہ حدیث امام شعبی سے بیان کی تو انہوں نے کہا عون نے صحیح کہا ہے میں نے بھی کسی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا ہے، قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ ایسے آثار اور روایات وارد ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حروف، خط اور خوشخطی کو پہچانتے تھے، اس سے لکھنے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اندازِ کتابت کے علم کا پتہ چلتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا کیا گیا تھا، اس کے بعد بھی اس مسئلے میں علامہ ابن حجر کی گفتگو طویل ہے۔ آخر میں فرمایا کہ حق یہ ہے کہ کتابت سے مراد کتابت کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شہر نہیں ہے، ہم تمہارے دباؤ پر نہیں بلکہ اپنی مرضی سے جب چاہیں گے چلے جائیں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے انہیں تسلی دی ۱۲۔

(حاشیہ اشعۃ اللمعات)

# بَابُ اِخْرَاجِ الْيَهُوْدِ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ

# ۲۹۵۔ یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا بیان

جزیرہ وُہ زمین جس کا دریا نے احاطہ کر رکھا ہو، جزیرۂ عرب وُہ خطہ ہے جس کا احاطہ بحرِ ہند، بحرِ شام، دجلہ اور فرات نے کر رکھا ہے یا لمبائی میں عدن سے اطرافِ شام تک اور چوڑائی میں جدّہ سے ریفِ عراق تک، اسی طرح قاموس میں ہے، کتاب کی ابتدار باب الوسوسہ میں اس کے بارے میں ہم متعدد اقوال نقل کر چکے ہیں، حضرت مصنف نے عنوان میں عیسائیوں کے نکالنے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ فصل کے آخر میں ان کا ذکر واقع ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کو تو نکالا، لیکن عیسائیوں کے نکالنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۸۷۱
۱
عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَ نَحْنُ فِى الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْٓا اِلٰى يَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا اِعْلَمُوْٓا اَنَّ الْاَرْضَ

## پہلی فصل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مسجد میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شانۂ مبارکہ سے تشریف لائے فرمایا: یہودیوں کی طرف چلو، ہم آپ کے ساتھ نکلے حتّٰی[1] کہ ہم یہودیوں کے درس خانہ میں آئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا، اے گروہ یہود! اسلام لے آؤ، تاکہ بچ جاؤ[2]، جان لو کہ زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہے[3] اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس علاقے سے نکال دوں[4] تو تم

لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُجْلِیَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ فَمَنْ وَّجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهٖ شَیْئًا فَلْیَبِعْهُ .

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

میں سے جسے اپنے مال کے بدلے کوئی چیز ملے تو لے بیچ دے[۵]

(صحیحین)

[۱] درس اور دراست کا معنی ہے کتاب کا پڑھنا، اسی طرح قاموس میں ہے، صراح میں ہے، درس، دراست اور تدریس، کتاب کا سبق پڑھانا، مدرسہ درس کی جگہ (صراح) بعض شارحین نے کہا کہ مدراس اس عالم کو کہتے ہیں جو کتاب کا درس دے مِفْعَلٌ اور مِفْعَالٌ مبالغے کے صیغے ہیں۔

[۲] دنیا اور آخرت کی مصیبتوں سے۔

[۳] اللہ تعالیٰ زمین کا خالق و مالک ہے اور بطور نیابت و خلافت، زمین رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے قُلْ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ تم فرما دو کہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

[۴] اللہ تعالیٰ کے حکم سے ـــــ صراح میں ہے اِجْلَاءٌ مال واسباب سے نکل جانا اور نکال دینا

[۵] یعنی زمین وغیرہ جو چیزیں منتقل نہیں کی جا سکتیں انہیں بیچ دو۔

۳۸۶۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُمَرُ خَطِیْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ یَهُوْدَ خَیْبَرَ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ وَ قَدْ رَاَیْتُ اِجْلَاءَهُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰی ذٰلِكَ اَتَاهُ اَحَدُ بَنِیْ اَبِی الْحُقَیْقِ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُخْرِجُنَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے ان کے اموال[۱] پر معاملہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم تمہیں اس وقت تک ٹھہرائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ ٹھہرائے گا اور میں نے یہودیوں کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، جب حضرت عمر نے یہ طے کر لیا تو آپ کے پاس بنو ابو الحقیق[۲] کا ایک شخص آ کر کہنے لگا: امیر المؤمنین!

وَ قَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ وَّ عَامَلَنَا عَلَى الْاَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اِنِّیْ نَسِیْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ بِكَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَیْبَرَ تَعْدُوْ بِكَ قَلُوْصُكَ لَیْلَةً بَعْدَ لَیْلَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ كَانَتْ هُزَیْلَةً مِّنْ اَبِی الْقَاسِمِ فَقَالَ كَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ فَاَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَ اَعْطَاهُمْ قِیْمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ الثَّمَرِ مَالًا وَّ اِبِلًا وَّ عُرُوْضًا مِّنْ اَقْتَابٍ وَّ حِبَالٍ وَّ غَیْرِ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

کیا آپ ہمیں نکال دیں گے؟ حالانکہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ہمیں ٹھہرایا تھا اور ہمارے ساتھ اموال پر معاملہ کیا تھا[۴]، حضرت عمر نے فرمایا: کیا تیرا گمان ہے؟ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان[۵] بھول چکا ہوں، اس وقت تیرا حال کیا ہوگا؟ جب تجھے خیبر سے نکالا جائے گا، تیری اونٹنیاں[۶] ایک رات کے بعد دوسری رات تجھے لے کر بھاگ رہی ہوں گی، اس نے کہا کہ یہ تو ابو القاسم[۷] کا مزاح تھا، حضرت عمر نے فرمایا: او دشمنِ خدا تونے جھوٹ کہا، چنانچہ آپ نے انہیں جلاوطن کر دیا اور ان کے پھلوں کی قیمت کے طور پر انہیں مال، اونٹ، سامان، اونٹوں کے پالان اور ان کی رسیاں[۹] وغیرہ دیں۔

(بخاری)

[۱] کھجور کے درختوں اور کھیتیوں وغیرہ پر۔

[۲] بنو ابوالحقیق بے نقطہ حاء پر پیش، پہلے ق پر زبر، دونوں قافوں کے درمیان یاء ساکن۔ وہ شخص یہودی قبیلوں کا ایک سردار تھا۔

[۳] خیبر میں۔

[۴] طے یہ فرمایا تھا کہ اموال ہمارے پاس رہیں گے اور ہم خراج دیں گے، جیسے کہ کتاب البیوع میں گزرا۔

[۵] جو تجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

[۶] قلوص قاف پر زبر، جوان اونٹ۔

ے ابوالقاسم، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کنیت ہے ـــــــ یعنی یہ بات سنجیدگی سے نہیں بلکہ بطور مزاح فرمائی تھی۔

۸ یعنی کھجوروں وغیرہ ـــــــ زیادہ تر یہودیوں کا مال کھجوریں ہی تھیں۔

۹ اِقتاب جمع ہے قتب کی قاف اور تاء دونوں پر زبر، چھوٹا پالان، حبال بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، حبل کی جمع، رسی۔

۳۸۷۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى بِثَلٰثَةٍ قَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَ اَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ سَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَ فَاُنْسِيْتُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال کے وقت تین وصیتیں فرمائیں: فرمایا: مشرکین کو جزیرۂ عرب[۱] سے نکال دو اور آنے والے نمائندوں کو تحفے[۲] دینا جس طرح ہم انہیں دیا کرتے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ تیسری بات سے آپ نے خاموشی اختیار کی[۳] یا انہوں[۴] نے فرمایا کہ مجھے وُہ بات بھلا دی گئی۔ (صحیحین)

۱ شارحین نے فرمایا کہ اس جگہ جزیرۂ عرب سے مراد مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ہے، علامہ طیبی نے نقل کیا کہ امام شافعی نے اس حکم کو حجاز کے ساتھ خاص کیا ہے، اور ان کے نزدیک حجاز نام ہے حرمین شریفین، یمامہ اور اُن کے مضافات کا۔ یمن وغیرہ اس میں داخل نہیں۔

۲ صراح میں ہے جائزہ، عطا کو کہتے ہیں قاموس میں ہے جائزہ عطیہ، تحفہ اور مہربانی۔

۳ کسی عارضے کی وجہ سے۔

۴ مشکوٰۃ شریف کی عبارت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن عباس کا قول ہے، حاشیہ میں ہے کہ سَكَتَ سلیمان احول کا قول ہے جو حضرت سعید بن جبیر سے اور وُہ ابن عباس سے راوی ہیں، یعنی سلیمان نے کہا کہ سعید بن جبیر نے تیسری بات کے بیان کرنے سے سکوت کیا یا حضرت سعید نے کہا کہ مجھے وُہ بات بھلا دی گئی ہے۔
مشکوٰۃ شریف کی عبارت میں تسامح ہے۔ (حاشیہ)

حضرت قاضی عیاض نے فرمایا ہو سکتا ہے کہ تیسری بات یہ ارشاد ہو کہ میری قبر کو میرے بعد بُت نہ بنا لینا، جیسے کہ امام مالک نے مؤطا میں بیان کیا،

۳۸۲۴ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰی لَا اَدَعُ فِيْهَا اِلَّا مُسْلِمًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِیْ رِوَايَةٍ لَئِنْ عِشْتُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ لَاُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ ہم جزیرۂ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو ضرور نکال دیں گے اور اس میں مسلمان کے سوا کسی کو رہنے نہیں دیں گے (مسلم) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر ہم زندہ رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے ضرور نکال دیں گے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

لَيْسَ فِيْهِ اِلَّا حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَكُوْنُ قِبْلَتَانِ وَ قَدْ مَرَّ فِیْ بَابِ الْجِزْيَةِ۔

اس فصل میں صرف ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ دو قبلے نہیں ہوں گے، جو باب الجزیہ میں گزر چکی ہے[1]

[1] جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہوں گے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۸۲۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَجْلَی

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی

اَلْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ظَھَرَ عَلٰی اَھْلِ خَیْبَرَ اَرَادَ اَنْ یُّخْرِجَ الْیَھُوْدَ مِنْھَا وَ کَانَتِ الْاَرْضُ لَمَّا ظُھِرَ عَلَیْھَا لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُسْلِمِیْنَ فَسَاَلَ الْیَھُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَنْ یَّتْرُکَھُمْ عَلٰی اَنْ یَّکْفُوْا الْعَمَلَ وَ لَھُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُقِرُّکُمْ عَلٰی ذٰلِکَ مَا شِئْنَا فَاُقِرُّوْا حَتّٰی اَجْلَاھُمْ عُمَرُ فِیْ اِمَارَتِہٖ اِلٰی تَیْمَآءَ وَ اَرِیْحَآءَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود ونصاریٰ کو خطۂ حجاز سے جلا وطن کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب خیبر پر غلبہ حاصل کیا تو یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا جب خیبر پر غلبہ پایا گیا تو زمین[۱] اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تھی، یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں اس شرط پر وہاں رہنے دیا جائے کہ وہ کام کی ذمہ داری سنبھال لیں گے اور ان کے لیے آدھا پھل[۲] ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں[۳] گے تمہیں اس شرط پر ٹھہرائیں گے، چنانچہ انہیں ٹھہرایا گیا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں تیماء[۴] اور اریحاء[۵] کی طرف نکال دیا۔

(صحیحین)

[۱] ہر زمین پر جو بھی ہو۔

[۲] اور زمین کی آدھی پیداوار، یعنی تمام محنت ومشقت یہودی کریں گے اور پیداوار کا نصف بطور خراج دیں گے۔ لَھُمْ کی ضمیر مسلمانوں کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے، دونوں صورتوں کا مطلب ایک ہی ہوگا۔

[۳] مطلب یہ کہ ہم تمہیں ہمیشہ ٹھہرانے کا معاہدہ نہیں کرتے، اگر ہم چاہیں گے تمہیں رہنے دیں گے اور

چاہیں گے تو نکال دیں گے۔

۴ھ تیماءٔ تار پر زبر، یا ساکن، آخر میں الف ممدودہ، بروزن حمراء

۵ھ اریحاء ہمزے پر زبر، یاء ساکن، بے نقطہ حاء اور الف ممدودہ، تیماء اور اریحاء شام کے دو شہر ہیں۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے، مشارق الانوار میں ہے کہ تیماء سمندر کے کنارے بنو طے کا مرکزی شہر ہے، وہاں سے لوگ شام کے شہروں کو جاتے ہیں، مختصر نہایہ میں ہے کہ اریحاء، بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں ہے، علامہ طیبی نے کہا اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد جزیرۂ عرب کا کچھ حصّہ تھا جو حجاز میں ہے کیونکہ تیماء جزیرۂ عرب سے ہے اور حجاز سے نہیں ہے (طیبی) مخفی نہ رہے کہ مذکورہ بیانات کے مطابق تیماء اور اریحاء دونوں جزیرۂ عرب سے ہیں پھر تیماء کی تخصیص کی کیا وجہ ہوئی ؟

# بَابُ الْفَيْءِ

# ۲۹۱۔ فیئ کا بیان

اس سے پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ فیئ اور غنیمت کا ایک ہی معنیٰ ہے قاموس، مشارق اور ہدایہ سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، صاحبِ نہایہ نے کہا کہ فیئ وُہ مال ہے جو جنگ اور جہاد کے بغیر مسلمانوں کو کافروں سے حاصل ہو، حضرت مؤلف کی مُراد بھی یہی معنیٰ ہے، فیئ کا حکم یہ ہے کہ وُہ عام مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے، اس میں نہ تو پانچواں حصّہ ہے اور نہ ہی تقسیم، اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار تھا جیسے کہ اس حدیث میں بیان کی جانے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۸۷۶ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ قَالَ

حضرت مالک بن اوس بن حدثان[۱] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ

عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ خَصَّ رَسُوْلَہٗ فِیْ ھٰذَا الْفَیْءِ بِشَیْءٍ لَّمْ یُعْطِہٖ اَحَدًا غَیْرَہٗ ثُمَّ قَرَءَ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ قَدِیْرٌ فَکَانَتْ ھٰذِہٖ خَالِصَۃً لِّرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلٰٓی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِہِمْ مِّنْ ھٰذَا الْمَالِ ثُمَّ یَاْخُذُ مَا بَقِیَ فَیَجْعَلُہٗ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس فیئ میں ایک چیز کے ساتھ مخصوص فرمایا جو آپ کے علاوہ کسی کو نہیں دی، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: جو غنیمت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو اُن سے دلائی ——— قدیرٌ تک[2] تو یہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خاص تھی[3] آپ اس مال میں سے اپنے اہل وعیال کو ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے[4] پھر آپ باقی کو لے کر اللہ تعالیٰ کے مال کے مصرف میں صرف فرما دیتے تھے[5]

(صحیحین)

[1] مالک بن اوس، ہمزے پر زبر، واؤ ساکن اور بے نقطہ سین بن الحدثان پہلے دونوں بے نقطہ حرفوں پر زبر، ان کے بعد تین نقطوں والی ثاء، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، ابن عبدالبر نے کہا کہ اکثر علماء کے نزدیک وُہ صحابی ہیں، امام بخاری نے فرمایا: بعض محدثین کہتے ہیں کہ وُہ صحابی ہیں، لیکن یہ بات پایۂ صحت کو نہیں پہنچی، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ حضرات میں کیا ہے اور کہا کہ جن حضرات نے انہیں صحابی قرار دیا ہے انہیں وہم ہُوا ہے، صحابۂ کرام سے بکثرت روایت کرتے ہیں، حضرات عشرہ مبشرہ سے بھی روایت کرتے ہیں عموماً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے بہت سے تابعین روایت کرتے ہیں، ان کا وصال مدینہ منورہ میں ۹۲ھ میں ہُوا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

[2] پوری آیت اس طرح ہے وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۵۹/۶) اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسُول کو اُن سے، تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، ہاں اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرماتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نضیر کے اموال کا مالک بنایا ہے تو یہ ایسی چیز ہے جو تم نے جنگ اور غلبے سے حاصل نہیں کی کیونکہ ان کے گاؤں مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ باقی تمام حضرات پیدل گئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہودیوں کے اموال پر تسلط عطا فرمایا، جیسے کہ اللہ تعالےٰ کی عادت ہے کہ وہ اپنے دین کے دشمنوں پر اپنے رسولوں کو مسلط فرماتا ہے، پس اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ ان اموال کو جہاں چاہیں خرچ کریں اور جسے چاہیں عطا فرمائیں، یعنی اموالِ غنیمت کی طرح انہیں تقسیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مالِ غنیمت، جنگ کے بعد قہر اور غلبے سے حاصل کیا جاتا ہے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب صحابہ کرام نے تقسیم کا مطالبہ کیا، اسی طرح تفاسیر میں ہے کافروں کے اس قسم کے اموال جنہیں فیئ کہا جاتا ہے انہیں اموالِ غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جائے گا، یہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صوابدید کے سپرد ہیں، احادیث میں آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کس طرح صرف فرماتے تھے؟ یہ ہمارا مذہب ہے، علامہ طیبی نے امام شافعی کا مذہب یہ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے فیئ میں سے ۴/۵ اور ایک پچیسواں حصہ تھا یعنی پچیس حصوں میں سے اکیس حصے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے اور باقی ۴ حصے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے تھے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

۳ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہ تھا۔

۴ اگر کہا جائے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں فرماتے تھے، تو ایک سال کا خرچہ کس طرح محفوظ فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی ذاتِ اقدس کے لیے ذخیرہ کرنے کی نفی ہے اور یہ خرچہ تو آپ کے اہل و عیال کے لیے ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کو بعض اوقات ایک سال کا خرچ عطا فرماتے تھے (جسے امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن صدقہ و خیرات میں صرف کر کے سال سے پہلے ہی خرچ کر دیتیں۱۲ قادری)

۵ یعنی ایسے مسلمانوں کی ضروریات میں صرف فرما دیتے اور جس محتاج اور مسکین کو چاہتے عنایت فرما دیتے، اسی لیے انصار کے صرف تین افراد کو عطا فرماتے جو مسکین ہوتے تھے۔

۳۸۷۷/۲ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا

حضرت عمر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی نضیر[۲] کے اموال، اللہ تعالےٰ

اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِمَّا لَمْ يُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلٰى اَهْلِهٖ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے تھے جن کے لیے مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، یہ اموال خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، اپنے اہل و عیال کو ایک سال[3] کا خرچہ عطا فرماتے، پھر باقی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ساز و سامان تیار کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر صرف فرماتے۔ (صحیحین)

[1] بعض نسخوں میں ہے وَعَنْهُ وَعَنْ عُمَرَ (حضرت مالک بن اوس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے)

[2] بنی نضیر نون پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر، یا ساکن، یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا۔

[3] اس جگہ دو نسخے ہیں (۱) نَفَقَةَ سَنَتِهٖ اہل کے ایک سال کا خرچ (۲) نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ (معنیٰ وہی ہے) پہلا نسخہ لفظِ اہل کے اعتبار سے اور دوسرا معنیٰ کے لحاظ سے ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۸۷۸/۳ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَتَاهُ الْفَيْءُ قَسَمَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ فَاَعْطَى الْاٰهِلَ حَظَّيْنِ وَاَعْطَى الْاَعْزَبَ حَظًّا فَدُعِيْتُ فَاَعْطَانِيْ حَظَّيْنِ وَكَانَ لِيْ اَهْلٌ ثُمَّ

حضرت عوف بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب فیئ کا مال آتا تو اسی دن اسے تقسیم فرما دیتے، شادی شدہ مرد کو دو حصے اور غیر شادی شدہ[2] کو ایک حصہ عطا فرماتے، مجھے بلایا گیا اور آپ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے، میری بیوی بھی تھی، میرے بعد حضرت عمار بن یاسر

دُعِیَ بَعْدِیْ عَمَّارُ بْنُ یَاسِرٍ فَاُعْطِیَ حَظًّا وَّاحِدًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

کو بلایا گیا[۳] اور انہیں ایک حصّہ دیا گیا۔ (ابو داؤد)

۱؎ حضرت عوف بن مالک مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ آہل ہمزے پر مد، ہا کے نیچے زیر، بروزن کاہل، بیوی والا مرد، اعزب ہمزے پر زبر، بے نقطہ عین ساکن، زار پر زبر، عزب پہلے دونوں حرف متحرک، بغیر بیوی کے مرد۔

۳؎ ان کی بیوی نہ تھی۔

۳۸۷۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا جَآءَہٗ فَیْئٌ بَدَاَ بِالْمُحَرَّرِیْنَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس پہلے پہل جو چیز آتی تو آپ ابتداء میں آزاد کئے ہوئے لوگوں[۱] کو عطا فرماتے۔ (ابو داؤد)

۱؎ اس سے مُراد مکاتب ہیں (جن کے مالک کہتے کہ اتنی رقم لادو، تو تم آزاد ہو گے ۔۔۔۔۱۲ قادری)

بعض شارحین نے کہا وہ حضرات مُراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مختص کر رکھا تھا کہ وُہ ماسوائے حق کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے۔

۳۸۸۰ وَعَنْ عَآئِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِظَبْیَۃٍ فِیْہَا خَرَزٌ فَقَسَمَہَا لِلْحُرَّۃِ وَالْاَمَۃِ قَالَتْ عَآئِشَۃُ کَانَ اَبِیْ یَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تھیلی[۱] لائی گئی جس میں منکے تھے، آپ نے اسے آزاد عورتوں اور لونڈیوں میں تقسیم کر دیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میرے والد[۲] ماجد بھی آزاد اور غلام میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (ابو داؤد)

۱ ظَیبَۃٌ نقطے والی ظاء پر زبر، باء ساکن، چھوٹی تھیلی، بٹوہ خرز نقطے والی خاء اور راء پر زبر، منکہ، موتی، موتیوں کے ساتھ عورتوں کے تعلق کی بناء پر ان ہی میں تقسیم فرمائے۔

۲ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ موتی، عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہی عطا فرمائے۔

۳۸۸۱ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا اَلْفَيْءَ فَقَالَ مَا اَنَا اَحَقُّ بِهٰذَا الْفَيْءِ مِنْكُمْ وَمَا اَحَدٌ مِّنَّا بِاَحَقَّ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا اَنَّا عَلٰى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَسْمِ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَقِدَمُهٗ وَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهٗ وَالرَّجُلُ وَعِيَالُهٗ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت مالک بن اوس بن حدثان[۱] سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک دن فیئ کا ذکر کیا اور فرمایا: میں اس فیئ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں[۲] اور ہم میں سے کوئی بھی اس کا کسی دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں ہے، ہاں ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مراتب پر ہیں[۳] پس ایک مرد اور اس کا پہلے اسلام لانا، ایک مرد اور اس کا راہِ خدا میں مشقت اٹھانا، ایک مرد اور اس کے اہل وعیال اسی طرح ایک مرد اور اس کی حاجت سب ہی معتبر ہیں[۴]۔ (ابوداؤد)

۱ حدثان دال پر زبر

۲ صحابۂ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، مقصد اس وہم کا دور کرنا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح وہ بھی فیئ کے زیادہ حق دار ہوں گے، اس کے بعد عمومی طور پر کسی بھی شخص کے زیادہ حق دار ہونے کی نفی فرمائی۔

۳ یعنی فیئ عامۃ المسلمین کے لیے ہے، اصل استحقاق میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے، ہاں

مراتب اور مقامات کا فرق درست ہے، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقسیم کرتے ہوئے اصحابِ بدر اور بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والے حضرات کا امتیاز دوسرے حضرات سے ملحوظ رکھتے تھے، نیز اہل و عیال اور فقر و احتیاج کے اعتبار سے لوگوں کے حالات کا لحاظ فرماتے تھے، جیسے کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفصیل بیان کی ہے۔

۱ه ان حالات کے اختلاف کی بنا پر ان کے حصے بھی مختلف ہوں گے۔

۳۸۸۲ / ۷ وَعَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ فَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ حَتّٰى بَلَغَ وَابْنِ السَّبِيْلِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَآءِ ثُمَّ قَرَأَ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَآءِ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتُ فَلَيَاْتِيَنَّ الرَّاعِيَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ نَصِيْبُهٗ مِنْهَا وَلَمْ يَعْرَقْ فِيْهَا جَبِيْنُهٗ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے یہ آیت ۲ه پڑھی کہ صدقات فقراء اور مساکین ہی کے لیے ہیں عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ تک، اور فرمایا: یہ صدقات ان لوگوں کے لیے ہیں ۳ه، پھر انہوں نے دوسری آیت پڑھی ۴ه: جان لو کہ تم نے جو چیز بطور غنیمت حاصل کی تو اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے وَابْنِ السَّبِیْلِ تک"، پھر فرمایا: یہ اموالِ غنیمت ان ہی کے لیے ہیں، پھر تیسری آیت پڑھی ۵ه: جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے دلائی ـــ لِلْفُقَرَآءِ تک ۶ه، پھر چوتھی آیت پڑھی ۷ه: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، پھر فرمایا: اس آیت نے عامۃ المسلمین کا احاطہ کیا ہے ۸ه، اگر میں زندہ رہا ۹ه تو ضرور سَرْوِ حِمْیَر ۱۰ه میں چرانے والے کو ان اموال میں سے اس کا حصہ پہنچے گا، جن اموال کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی عرق آلود نہیں ہوئی ہو گی ۱۱ه

(شرح السنۃ)

سلہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

سلہ۲ جس میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

سلہ۳ ان اقسام کے لیے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔

سلہ۴ جس میں اموالِ غنیمت کی تقسیم کا بیان ہے۔

سلہ۵ جس میں فیئ کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

سلہ۶ ان آیات میں بیان ہے کہ مہاجرین اور انصار اموالِ غنیمت کے مستحق ہیں۔

سلہ۷ جس میں مہاجرین اور انصار کے بعد آنے والے حضرات کا ذکر ہے۔

سلہ۸ یہ آیات جن میں اموالِ فیئ کا حکم بیان کیا گیا ہے تمام مسلمانوں کو شامل ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مالِ غنیمت کی طرح فیئ کا بھی پانچواں حصہ لیا جائے لیکن وُہ مختلف درجات کے مطابق عامۃ المسلمین کے مفادات کے لیے ہو جیسے کہ بیان ہوا، امام شافعی کے علاوہ ارباب تقویٰ ائمہ کرام اسی طرف گئے ہیں، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا، مسلمانوں کے درجات کے فرق کی رعایت بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں میں مساوات کے قائل ہیں، انہوں نے سبقت لے جانے والے حضرات کی رعایت نہیں کی اور فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کیا اور ان کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، لہٰذا اموال میں ان کو ترجیح نہیں دی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ کو حضرت حفصہ پر اور حضرت اسامہ بن زید کو حضرت ابن عمر پر فضیلت دیتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

سلہ۹ کفار کے شہروں کے فتح کرنے، فیئ کی کثرت اور تمام مسلمانوں کو اموال پہنچانے تک۔

سلہ۱۰ سرو سین پر زبر، را ساکن، دونوں بے نقطہ، مشہور درخت کا نام، نیز یمن کے نواح میں ایک جگہ کا نام، حمیر حا کے نیچے زیر، میم ساکن اور یا پر زبر یمن کا مشہور شہر جو اس کے مضافات میں ہے۔

سلہ۱۱ یعنی باوجودیکہ مسلمان دُور دراز جگہوں میں رہتے ہوں گے ان کا حصہ انہیں پہنچے گا۔

۳۸۸۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ فِيْمَا احْتَجَّ بِهٖ عُمَرُ اَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ثَلٰثُ صَفَايَا بَنُو النَّضِيْرِ

ان ہی[1] سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن چیزوں سے استدلال کیا[2] ان میں یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین چیزیں اپنے لیے منتخب فرمائی تھیں[3] (۱) بنو نضیر[4] (۲) خیبر[5] (۳) فدک[6]

فَكَانَتْ حَبْسًا لِنَوَائِبِهٖ وَ اَمَّا فَدَكُ فَكَانَتْ، حَبْسًا لِاَبْنَآءِ السَّبِيْلِ وَ اَمَّا خَيْبَرُ فَجَزَّاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَجْزَآءٍ جُزْئَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ جُزْءً نَفَقَةً لِاَهْلِهٖ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ اَهْلِهٖ جَعَلَهٗ بَيْنَ فُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

بنی نضیر کے اموال تو آپ کی حوائج کے لیے تھے، فدک کے اموال، مسافروں[۱] کے لیے تھے، اور خیبر کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا، دو حصے مسلمانوں میں صرف فرماتے اور ایک جزء اپنے اہل کے خرچہ کے لیے مقرر فرماتے اہل کے خرچ سے جو بچتا وہ فقراء[۹] مہاجرین کو عطا فرما دیتے۔

(ابو داؤد)

---

۱؎ حضرت مالک بن اوس سے

۲؎ حضرت عباس اور حضرت علی نے حضرت عمر کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا تو حضرت عمر نے ان کے سامنے یہ دلیل پیش کی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۳؎ صفیہ اس چیز کو کہتے ہیں جسے امام اپنے لیے مالِ غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے منتخب کرلے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ غنیمت میں سے کوئی چیز اپنے لیے منتخب فرماتے، ایک ام المومنین کا نام صرف اسی لیے صفیہ ہے کہ وہ خیبر کی غنیمت میں سے منتخب کی گئی تھیں، اس کے بعد آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا۔

۴؎ بنو نضیر کے اموال جنہیں آپ نے جلاوطن کیا تھا، جس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

۵؎ دوسری قسم خیبر کے بعض اموال تھے، یہ چند گاؤں تھے جو گھوڑے اور اونٹ دوڑانے اور جنگ کرنے کے بغیر صلح سے حاصل ہوئے تھے جو فیئ تھے اور خاص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، اسی طرح غلبے اور قہر کے ذریعے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔

۶؎ فدک، خیبر کا ایک گاؤں ہے، خیبر کی فتح کے بعد یہ خطہ صلح سے حاصل ہوا اس کا نصف حصہ بھی خاص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھا جسے آپ اپنے اہل، مسلمانوں اور عوامی ضروریات پر خرچ فرماتے،

یہ تمام وہ صدقات ہیں جنہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اپنی ملکیت میں لینا حرام ہے۔

۵۷ آنے جانے والوں اور قاصدوں کی ضیافت کے لیے، اس کے علاوہ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری کے لیے حُبُس بے نقطہ حاء پر پیش، باء ساکن، بمعنی محبوس اور محفوظ نوائب جمع ہے نائبۃ کی مراد وہ حاجتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً آدمی کو پیش آتی ہیں۔

۵۸ جو اپنے اموال سے دُور ہو جاتے تھے اگرچہ اپنے وطنوں میں اموال چھوڑ کر آتے تھے۔

۵۹ ان کے فقر اور احتیاج کی بناء پر، انصار کو اس لیے عطا نہ فرماتے کہ وُہ فقیر اور محتاج نہ تھے، بنی نضیر کے اموال کے بارے میں روایت ہے کہ جب انصار نے اس میں سے حصے کی درخواست کی تو فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو ہم اس میں سے کچھ چیز عطا کریں اور اگر چاہو تو ہم مہاجرین کو دے دیں اور تم نے جو عطیات انہیں دے رکھے ہیں وُہ تمہیں واپس کر دیں، انصار نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ آپ مہاجرین کو عطا فرما دیں اور ہم نے جو عطیات انہیں دے رکھے ہیں وُہ بھی ہم اُن سے نہیں لیتے، یہ بات سُن کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوئے اور اُن کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔

۳۸۸۹ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِيْ مَرْوَانَ حِيْنَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَ يَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَ يُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَ اِنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ[۶۰] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز[۶۱] نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا: تحقیق فدک، رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھا، اس میں سے آپ خرچ فرماتے[۶۲] اس میں سے بنی ہاشم کے بچوں پر خرچ کرتے، اسی میں سے بنی ہاشم کی بیواؤں[۶۳] کا نکاح کرتے، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے سوال کیا کہ فدک انہیں دے دیں تو آپ نے انکار فرما دیا، چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ اقدس میں فدک اسی طرح رہا، یہاں تک کہ آپ اپنے راستے پر تشریف لے گئے[۶۴]

حَتّٰی مَضٰی لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيٰوتِهٖ حَتّٰی مَضٰی لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَ حَتّٰی مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَّنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُّهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

جب حضرت ابوبکر والی بنائے گئے تو انہوں نے فدک کے سلسلے میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کیا تھا[۱] یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستے پر چلے گئے، جب حضرت عمر والی بنائے گئے تو انہوں نے بھی اس کے سلسلے میں وہی عمل کیا جو ان کے دونوں پیش رو حضرات نے کیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستے پر چلے گئے، پھر مروان نے اسے بانٹ لیا[۲] پھر وہ عمر بن عبدالعزیز کے لیے ہوا[۳]، میری رائے یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاطمہ زہراء سے روک دیا تھا وہ میرے لائق نہیں ہے اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے اس حالت پر لوٹا دیا ہے جس پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کریمین کے زمانہ میں تھا۔

(ابوداؤد)

---

۱ حضرت مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں۔

۲ حضرت عمر بن عبدالعزیز عادل اور متقی تھے اور عبدالعزیز بن مروان کے بیٹے تھے۔ (پانچویں خلیفۂ راشد، رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری)

۳ اہل و عیال اور فقراء و مساکین پر۔

ؔ۵۴ اَیّم ہمزے پر زبر، یار مشدّد کے نیچے زیر، وُہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو، بعض اوقات اس مرد کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کی بیوی فوت ہوگئی ہو، پہلا استعمال زیادہ ہے۔

ؔ۵۵ یہ آپ کے وصال سے کنایہ ہے۔

ؔ۵۶ کیونکہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل و عیال اور بنی ہاشم پر صرف کرتے، ان کی بیواؤں کا نکاح کرتے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

ؔ۵۷ اِقطاع ہمزے کے نیچے زیر، بادشاہ کا زمین کو کسی کے لیے الگ کر لینا، ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ مروان کی حکومت کے دَور میں ہوا، اس نے فدک کا کچھ حصّہ اپنی اولاد کو یا اپنے خاص افراد کو دے دیا ہوگا حواشی میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں ہُوا[1]۔

ؔ۵۸ یعنی جب وُہ خطّۂ زمین سلاطین اور امراء کے تصرّف میں گیا تو اب وُہ میرے پاس آگیا، اپنے آپ کو صیغۂ غائب کے ساتھ ذکر کیا۔ یہ اشارہ ہے ناراضگی کی طرف۔

خیال رہے کہ بنی نضیر، فدک اور خیبر کے اموال خالص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت تھے اور آپ کے بعد بھی باقی رہے، ان کے بارے میں جو کچھ واقعات پیش آئے ان میں طویل گفتگو ہے اور عجیب واقعہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حدیث کی کتبِ صحاح سے کچھ تفصیل نقل کی جائے، کیونکہ اس مسئلے میں گفتگو بڑی شہرت رکھتی ہے، خواص و عوام کی زبان پر جاری ہے اور بہت سے لوگوں کے فہم میں اس کی بناء پر خلل واقع ہُوا ہے، اگرچہ سلسلۂ کلام طویل ہو جائے گا (تاہم اس مسئلے کی تفصیل ضروری ہے۔ ۱۲ ق) جس طرح ہم نے ایسے خصوصی مسائل میں شرح و بسط سے کلام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہِ راست کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

صحیح بخاری میں بواسطہ امام زہری حضرت مالک بن اوس بن الحدثان سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بلایا، مَیں ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ اتنے میں ان کا خادم یرفاء (یاء پر زبر، راء ساکن، فاء پر زبر اور اس کے بعد ہمزہ) حاضر ہُوا اور کہنے لگا حضرت عثمان بن عفان، حضرت

---

[1] مرقاۃ نے فرمایا کہ مروان کی یہ تقسیم خلافتِ عثمانی میں ہوئی، محض غلط ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان و علی زندہ ہوں اور مروان کی یہ حرکت دیکھ کر خاموش رہیں، اور حضرت علی اپنے دورِ حکومت میں اس کی یہ تقسیم قائم رکھیں، مرقاۃ نے یہ سخت غلطی کی ہے ۱۲ مرآۃ

عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم دروازے پر اجازت کے منتظر ہیں، آپ اجازت دیں تو وُہ حاضر ہو جائیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں انہیں بلالاؤ، کچھ دیر ٹھہر کر پھر یرفا حاضر ہُوئے اور کہنے لگے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجازت طلب کرتے ہیں، اجازت ہو تو انہیں بلالوں، فرمایا: انہیں بھی بلالو، دونوں حضرات تشریف لے آئے تو حضرت عباس نے کہا امیر المؤمنین میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں، ان کا اموال فیئ میں اختلاف تھا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنی نضیر سے دلوائے تھے، حضرت عباس اور حضرت علی میں تلخ کلامی بھی ہُوئی، دُوسرے صحابہ جو تشریف فرما تھے انہوں نے کہا امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اور ان کا اختلاف رفع کریں، حضرت عمر نے فرمایا: ذرا ٹھہریئے اور صبر کیجئے! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم یعنی گروہِ انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، تشریف فرما صحابہ کرام نے فرمایا: ہاں رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے، حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: مَیں تمہیں خداوندِ قدوس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے، حضرت عباس اور حضرت علی نے کہا: ہاں فرمایا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا: مَیں تمہیں اس حقیقت کی اطلاع دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس فیئ میں سے ایک چیز کے ساتھ مختص کیا ہے جو کسی کو آپ کے سوا نہیں دی، پھر یہ آیت مبارکہ پڑھی وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ (الآیۃ) جو کچھ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے رسُول کو دلایا، تو تم نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے"۔ یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھے، خدا کی قسم! آپ نے وُہ اموال اپنے پاس جمع نہیں کئے اور تم سے بچا کر نہیں رکھے، بلکہ وُہ اموال آپ حضرات میں تقسیم کئے یہاں تک کہ ان کا کچھ حصّہ باقی رہ جاتا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کو ایک سال کا خرچہ عطا فرماتے تھے، باقی مال لے کر وہاں خرچ فرما دیتے جہاں اللہ تعالیٰ کا مال صرف فرماتے تھے یعنی کارہائے خیر اور مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اسی پر عمل کیا، پھر آپ کا وصال ہو گیا، حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ مَیں رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ولی اور خلیفہ ہوں، چنانچہ انہوں نے ان اموال کو قبضے میں لے کر اسی طرح صرف کیا جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم صرف کیا کرتے تھے،

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آپ حضرات اس وقت حضرت ابوبکر کا ذکر بُرائی کے ساتھ کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ابوبکر اس عمل میں ایسے ہیں، جیسے کہ تم کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر اس کام میں سچے، نیکوکار، حق کے پیروکار اور راہِ راست پر تھے، پھر قضائے الٰہی نے حضرت ابوبکر کو آلیا اور مَیں نے کہا کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ولی اور خلیفہ ہوں، میں نے اس مال پر قبضہ کیا اور اپنی خلافت کے دو سال تک وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مَیں اس بات میں سچا، اس معاملے میں نیکوکار، حق کا پیروکار اور راہِ راست پر ہوں، دو سال کے بعد آپ دونوں حضرات میرے پاس آئے، آپ دونوں کی بات ایک تھی، میں نے آپ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم وراثت چھوڑ کر نہیں جاتے، ہم جو کچھ چھوڑیں وُہ صدقہ ہے، میں نے فیصلہ کیا کہ وُہ مال آپ کے سپرد کر دوں، مَیں نے کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو مَیں یہ مال اس شرط پر آپ کے حوالے کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے معاہدہ کریں کہ آپ اس میں وہی عمل کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور میں نے خلیفہ بنائے جانے کے بعد کیا (مطلب یہ کہ یہ زمین آپ کی ملکیت نہ ہوگی، البتہ آپ اس سے نفع حاصل کریں گے ۱۲ ق) اور اگر آپ حضرات کو یہ شرط منظور نہیں ہے تو آئندہ اس سلسلے میں میرے ساتھ بات نہ کریں، آپ حضرات نے کہا کہ زمین ہمارے سپرد کر دیں ہمیں یہ شرط منظور ہے۔

اب کیا آپ یہ فرمائش کرتے ہیں اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ مَیں اس کے خلاف فیصلہ کروں؟ تو خداوند قدوس کی قسم! جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، مَیں قیامت تک کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کروں گا، اگر آپ حضرات اس کام سے عاجز ہیں اور اسے سرانجام نہیں دے سکتے تو آپ میرے سپرد کر دیں، میں خود مشقت اٹھاؤں گا اور آپ حضرات کو مشقت اٹھانے سے بے نیاز کر دوں گا۔

اس حدیث کے راوی امام زہری کہتے ہیں کہ مَیں نے یہ حدیث حضرت عروہ بن زبیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا مالک بن اوس نے درست کہا، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرماتے ہوئے سُنا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے حضرت عثمان غنی کو اس مال میں سے حصۂ وراثت طلب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر کے پاس بھیجا جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور فیئ عطا فرمایا تھا۔ مَیں نے امہات المؤمنین کی تردید کی اور کہا کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا تمہیں علم نہیں ہے؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ

چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اسی مال سے کھائیں گے، چنانچہ اُمہات المؤمنین نے وراثت کے مطالبے سے اس حدیث کی بنار پر رجوع کرلیا جو میں نے انہیں بیان کی، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ یہ صدقہ حضرت علی کے پاس تھا، انہوں نے حضرت عباس کو اس سے روک دیا اور اس پر غلبہ پالیا، پھر حضرت حسن بن علی کے پاس پہنچا اس کے بعد حضرت حسین بن علی کے پاس منتقل ہُوا، ان سے حضرت علی بن حسین (زین العابدین) اور حضرت حسن بن حسن کو وُہ دونوں باری باری اسے تصرف میں لاتے تھے، ان سے حضرت زید بن حسن کو ملا، سلام اللہ علیہم اجمعین، یہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صدقہ تھا، یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی جس کا ہم نے لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے، امام بخاری کتاب المغازی اور کتاب الخمس میں بھی یہ حدیث، کسی قدر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ لائے ہیں،

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس حضرت ابوبکر کے پاس آئے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ فدک کی زمین اور خیبر کے حصہ سے انہیں وراثت دی جائے، حضرت ابوبکر نے فرمایا: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اس میں سے کھائے گی، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے تعلق اور اُن کے حق کی پاسداری مجھے اپنے رشتہ داروں کے تعلق اور ان کے حق کی پاسداری اور صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے

جامع الاصول میں یہی حدیث امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی کی روایت سے لائے ہیں، انہوں نے کہا کہ امام ابو داؤد نے فرمایا: حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت عمر سے یہ مطالبہ تھا کہ یہ مال ان کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیں اور ان کے سپرد کر دیں، ایسا نہیں تھا کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کا علم نہ تھا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، وُہ صحیح صورت کا ہی مطالبہ کر رہے تھے (کہ بطورِ ملکیت نہیں بلکہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ہمارے حصّے الگ الگ کر دیں ۱۲ ق) حضرت عمر نے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ اس جگہ تقسیم کا لفظ استعمال کروں جس سے ملکیت اور ہر ایک کے اپنے حصّے میں منتقل ہونے کا پتہ چلے، مَیں اسے اسی حال پر چھوڑتا ہوں جس پر وُہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے دلیل پیش کی اور صاحب جامع الاصول نے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح کتاب میں مذکور ہے، نیز حضرت ابی بن کعب سے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کتاب میں بیان کردہ روایت کی مثل حدیث بیان کی۔

امام بخاری، کتاب الخمس میں حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے رسُول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق سے مطالبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال بطور فیئ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا اور جسے حضور چھوڑ گئے ہیں اس میں سے میرا حصّہ میراث مجھے دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وُہ صدقہ ہوتا ہے، حضرت فاطمہ ناراض ہوگئیں اور انہوں نے حضرت ابو بکر کو چھوڑ دیا اور یہ سلسلہ ان کے وصال تک جاری رہا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت فاطمہ چھ مہینے اس دُنیا میں رہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ کا حضرت ابو بکر سے مطالبہ یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر، فدک اور مدینہ منورہ میں موجودہ صدقہ میں سے جو چھوڑ گئے ہیں، اس میں سے میرا حصّہ دیا جائے، حضرت ابو بکر نے انکار کیا اور فرمایا کہ جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انجام دیا کرتے تھے مَیں اُس میں سے کسی چیز کو بھی ترک نہیں کروں گا، مَیں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے میں نے کسی چیز کو بھی چھوڑ دیا تو مجھے خوف ہے کہ مَیں راہِ حق سے دُور ہو جاؤں گا، حضرت عمر نے مدینہ منورہ کا صدقہ حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کر دیا، خیبر اور فدک کا حصّہ اپنے پاس محفوظ رکھا، انہوں نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش آنے والے حقوق میں صرف کئے جاتے تھے، آپ نے وُہ صدقات امیر المؤمنین کے سپرد فرمائے، چنانچہ وُہ اموال آج تک اسی حال پر ہیں، جامع الاصول میں یہ حدیث امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور نسائی کے حوالے سے حضرت عائشہ سے بعض الفاظ کے اختلافات کے ساتھ روایت کی۔

ترمذی شریف کے باب میراث النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا، رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئیں اور کہا، اگر آپ فوت ہو جائیں تو آپ کا وارث کون ہوگا؟ انہوں نے کہا کہ میری اولاد، حضرت فاطمہ نے کہا کہ مَیں اپنے والد ماجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وارث کیوں نہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنا کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہاں مَیں اس شخص کی غمخواری کروں گا جس کی غمخواری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، اور مَیں اس پر خرچ کروں گا جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے،

امام ابو داؤد حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ، وراثت کے مطالبہ کے لیے حضرت ابو بکر کے پاس آئیں، حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو موت کا ذائقہ چکھائے تو وُہ مال اس کے لیے ہے جو اُن کا قائم مقام ہو، بخاری،

مسلم، مؤطا اور ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المؤمنین نے وراثت کا مطالبہ کرنے کے لیے کسی کو بھیجنے کا ارادہ کیا، حضرت عائشہ نے کہا کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا؟ کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، امام ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے نہیں سُنا؟ کہ ہم وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وُہ صدقہ ہے، یہ مال ہمارے ہاتھ میں ہے جب ہم دُنیا سے رحلت کر جائیں گے تو یہ مال اس کے ہاتھ میں ہوگا جو ہمارے بعد خلیفہ ہوگا، اس قسم کی یہ روایات صحاح ستہ میں متعدد سندوں سے مروی ہیں اور جتنی روایات ہم نے بیان کی ہیں وہی کافی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث شریف لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا جو کچھ ہم چھوڑیں وُہ صدقہ ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اموال کا مسلمانوں اور ان کی ضروریات میں مشترک ہونا اور ان اموال کا خلیفۂ وقت کے سپرد ہونا صحابۂ کرام، یہاں تک کہ حضرت علی اور حضرت عباس کے نزدیک متفق علیہ ہے اور حضرت ابو بکر کے ساتھ خاص نہیں ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

لیکن اس جگہ اشکال یہ ہے کہ اگر ان اموال کا حضرت علی اور حضرت عباس کے سپرد کرنا درست تھا تو حضرت عمر نے پہلی بار مطالبے پر وُہ اموال اُن کے سپرد کیوں نہ کر دیئے؟ اور اگر یہ درست نہیں تھا تو بعد میں کیوں ان کے سپرد کیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر نے پہلے وُہ اموال ان حضرات کو بطورِ ملکیت نہیں دیئے جیسے کہ ان کا مطالبہ تھا، بعد میں بطور تصرف اور تولیت کے انہیں دے دیئے، جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تصرف فرماتے تھے،

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے یہ صدقہ حضرت عمر سے ان کی بیان کردہ شرط کے مطابق لے لیا، انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وراثت نہیں بٹے، اکابر مہاجرین صحابہ نے بھی گواہی دی، پھر انہیں کیا خیال آیا کہ دوبارہ مقدمہ پیش کر دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو تولیت میں شراکت دشوار نظر آئی، انہوں نے تقسیم کا مطالبہ کر دیا تاکہ ہر ایک اپنے حصے میں تصرف اور انتظام کرنے میں مستقل ہو، حضرت عمر نے انہیں تقسیم سے منع کر دیا تاکہ وُہ زمین ملکیت نہ کہلانے لگے، کیونکہ تقسیم مملوکہ اشیاء میں ہوتی ہے، کچھ مدت گزرنے کے بعد ملکیت کا گمان کیا جائے گا، اسی طرح محدثین نے فرمایا ہے۔

اس واقعے کا مشکل ترین پہلو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معاملہ ہے، کیونکہ اگر کہا جائے

کہ انہیں اس سنّت کا علم نہیں تھا تو یہ بعید ہے اور اگر کہا جائے کہ ہو سکتا ہے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کے سننے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اشکال پیدا ہو گا کہ حضرت ابوبکر سے حدیث سُننے اور اس پر صحابۂ کرام کی گواہی کے بعد کس طرح انہوں نے اس حدیث کو قبول نہ کیا ؟ اور کیسے ناراض ہوئیں ؟ اور اگر ناراضگی حدیث کے سننے سے پہلے تھی تو بعد میں ناراضگی کیوں ختم نہ کی ؟ یہاں تک کہ ناراضی نے طول کھینچا اور آخری دَم تک حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا، جیسے کہ حدیث میں ہے، علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں فرمایا: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ناراضی بتقاضائے بشریت تھی جو بعد میں جاتی رہی، چھوڑ دینے سے مُراد ملاقات سے طبعی انقباض اور کوفت ہے، وُہ ترکِ تعلق مراد نہیں ہے جو حرام ہے مثلاً سلام نہ کرنا وغیرہ۔ (کرمانی)

احادیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاطمہ کے جنازے میں حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی انہیں اطلاع ملی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے وصیّت کی تھی کہ ابوبکر ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں، محدثین فرماتے ہیں کہ یہ بات غلط اور افتراء ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ وصیت کس طرح کر سکتی ہیں ؟ جب کہ سلطانِ وقت، نمازِ جنازہ کا زیادہ حق رکھتا ہے، اسی لیے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مقرر کردہ مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم کو حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھانے دی اور فرمایا اگر شریعت کا حکم نہ ہوتا تو تمہیں اُن کی نمازِ جنازہ پڑھانے نہ دیتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا کی نمازِ جنازہ رات کے وقت تھی اس لیے حضرت ابوبکر کو اس کا علم نہ ہو سکا، یہ بات بعید ہے کیونکہ حضرت اسماء بنت عمیس عین پر پیش اور میم پر زبر خثعمیہ نقطے والی خاء پر زبر اور تین نقطے والی ثاء ساکن، اس وقت حضرت ابوبکر کے نکاح میں تھیں اور حضرت اسماء نے حضرت فاطمہ زہرا کے غسل اور تجہیز و تکفین کا انتظام کیا، یہ بعید بات ہے کہ حضرت ابوبکر کی اہلیہ محترمہ حاضر ہوں اور انہیں علم ہی نہ ہو، حضرت ابوبکر کے علم کا اس روایت سے صراحۃً ثبوت ملتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ مجھے میری وفات کے بعد مردوں کے سامنے پردے کے بغیر لایا جائے رواج یہ تھا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح باہر لاتے تھے جس طرح مردوں کو باہر لاتے تھے، ان کے لیے خصوصی پردے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، حضرت اسماء بنت عمیس نے فرمایا اور ایک روایت کے مطابق حضرت اُم سلمہ نے بھی فرمایا کہ ہم نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ میت کے لیے کھجور کی شاخوں سے کجاوے کی طرح باپردہ جگہ بناتے ہیں ہم آپ کے لیے بھی ایسا ہی انتظام کریں گے، چنانچہ اُن کے سامنے پردہ تیار کیا گیا جسے دیکھ کر آپ مسکرائیں اور خوشی کا اظہار کیا، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غم و اندوہ کی شدّت کی بناء پر

کسی نے انہیں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس کو وصیت کی کہ غسل اور تجہیز وتکفین کا انتظام تم کرنا اور علی مرتضیٰ تمہاری امداد کریں گے، اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا۔

جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں، وہ حضرت فاطمہ کے پاس جانا چاہتی تھیں، لیکن حضرت اسماء نے انہیں روک دیا، حضرت عائشہ نے حضرت ابو بکر کے پاس شکایت کی اور کہا کہ اس خثعمیہ کو کیا ہوا ہے جو ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اور مجھے اُن کے پاس جانے سے روک رہی ہے؟ نیز اس نے حضرت فاطمہ کے جنازہ کے لیے ایسا پردہ تیار کیا ہے جیسے دلہن کا کجاوہ ہو، حضرت ابو بکر، حضرت فاطمہ کے دروازے پر آئے اور کہنے لگے اسماء! تجھے کیا ہوا ہے؟ کہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو آپ کی صاحبزادی کے پاس جانے سے روک رہی ہے اور تم نے ان کے لیے دلہن کے کجاوے کی طرح کیا چیز تیار کی ہے؟ حضرت اسماء نے کہا کہ مجھے حضرت فاطمہ نے حکم کیا تھا کہ ان کے وصال کے بعد کسی کو ان کے پاس نہ آنے دوں، اور جو کچھ میں نے تیار کیا ہے وہ بھی اُن کے حکم سے تیار کیا ہے اور انہیں دکھایا تھا تو وہ خوش ہوئی تھیں، حضرت ابو بکر نے فرمایا وہی کچھ کرو جس کا انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔

اس واقعے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کا علم ہوا تھا، بعض محدثین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے حضرت ابو بکر کو وصال کا علم ہوا ہو اور اُن کا ارادہ بھی جنازہ میں شمولیت کا ہو، لیکن چونکہ حضرت علی نے اسے مخفی رکھا اور حضرت ابو بکر کو اطلاع نہ دی اور نہ ہی اُن کے پاس کسی کو بھیجا تو حضرت ابو بکر نے محسوس کیا کہ مخفی رکھنے میں حضرت علی کی کوئی مصلحت ہے، اس لیے انہوں نے حضرت علی کی رضا اور مصلحت کے خلاف راستہ اختیار نہ کیا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر اس انتظار میں رہے ہوں کہ حضرت علی انہیں یاد کریں گے تو حاضر ہو جائیں گے اور حضرت علی کا خیال ہو کہ حضرت ابو بکر بلائے بغیر آ جائیں گے اس طرح وقت گزر گیا، پھر رات بھی تھی، اسی طرح علامہ سمہودی نے تاریخ مدینہ میں بیان کیا، بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ابو بکر حضرت فاطمہ کے پاس گئے اور دھوپ میں ان کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور ان کے سامنے معذرت پیش کی اور کہا خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت میرے نزدیک، اپنی قرابت سے زیادہ محبوب اور لائق احترام ہے لیکن میں کیا کروں؟ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنا ہے اور صحابہ کرام اس کے گواہ ہیں، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں، اس واقعہ کے سلسلے میں بہت جھوٹی اور بے سروپا باتیں بھی کہی جاتی ہیں جو قابل وثوق اور لائق اعتماد نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد سے کتاب الجہاد مکمل ہوئی، اس کے بعد کتاب الصید والذبائح ہے۔

## بحث فدک (از مترجم)

لے اہلِ تشیع کے خیال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک سنگین اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باغِ فدک چھین کر ان پر ظلم کیا تھا، درج ذیل سطور میں اس مسئلے کی مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے تاکہ غلط فہمی کا غبار چھٹ جائے، کفار سے حاصل ہونے والے اموال دو قسم ہیں۔

(۱) وہ اموال جو لشکر کشی اور جنگ کے بعد حاصل ہوں انہیں غنیمت کہا جاتا ہے (۲) جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوں انہیں فیئ کہا جاتا ہے، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے ان میں سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے پانچویں حصے کے بارے میں سورۂ انفال آیت ۴۱ میں ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، رسولِ اکرم، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

فیئ کے بارے میں سورۂ حشر کی آیت ۷ میں ارشاد فرمایا (ترجمہ) جو کچھ اللہ نے دیہات والوں سے اپنے رسول کو دلوایا تو وہ اللہ کے لیے، رسول کے لیے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے —— ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور فیئ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتی ضروریات کے لیے بھی تھا اور رشتہ داروں اور ارباب حاجت کے لیے بھی فدک کا علاقہ اور خیبر کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا ان کی آمدن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امہات المؤمنین کو سال بھر کا خرچ عطا فرماتے، دوسرے رشتہ داروں کو بھی عطا فرماتے، باقی اصحابِ حاجت کو عطا فرما دیتے، حضرت ابوبکر کا موقف یہ تھا کہ اس مال کو جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا، اور ظاہر ہے کہ وہ مال فیئ کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے سپرد نہیں کر سکتے تھے، آخر حکمِ قرآن کے مطابق باقی لوگ بھی تو مستحق ہیں، ان تمام لوگوں کو معین بھی تو نہیں کیا جا سکتا مثلاً کل جو بچہ یتیم تھا آج بالغ ہو کر خوشحال ہوگیا تو وہ مستحق نہ رہا اور دوسرے کئی بچے یتیم ہو گئے، وہ اب مستحق ہوگئے، یہی حال دوسری قسموں کا ہے ایسی صورت میں وہ مال وقف قرار پائے گا جسے حاکمِ وقت حاجت مندوں اور دیگر مستحقین میں تقسیم کرے گا۔

قرآن پاک کے بعد احادیث مبارکہ میں غور کیجیے مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا، ابوداؤد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں عطا نہیں فرمایا تو حضرت ابوبکر پر کیا اعتراض ہے؟ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی کہ ہم گروہ انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم

جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت عباس نے تسلیم کیا۔ نیز حضرت عثمان غنی حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی تسلیم کیا، بخاری شریف موطا امام مالک اور ابوداؤد میں ہے۔ کہ امہات المومنین نے وراثت کے مطالبہ کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے انہیں یہی حدیث سنا کر مطالبے سے منع کیا چنانچہ انہوں نے مطالبے کا ارادہ ترک کر دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا نے وراثت کا مطالبہ کیا تو انہیں بھی یہی حدیث سنائی گئی۔ حضرت سیدہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا اور کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہو۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے رویئے کی تحسین کی جانی چاہیے کہ انہوں نے کسی صورت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کیا بلکہ پوری مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہے اور جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت، امہات المومنین اور دوسرے رشتہ داروں کو حصہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر بھی دیتے رہے، ہاں انہوں نے اس خطۂ زمین کے مالکانہ حقوق کسی کو نہیں دیئے اور یہی قرآن پاک کا مفاد ہے اور یہی حدیث پاک کی تصریح کے مطابق ہے۔

حیرت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں غیظ و غضب کا اظہار کرنے والے حضرت علی مرتضیٰ پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟

کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ کا حق وراثت حاصل کر کے اسے اپنی ملکیت کیوں نہ قرار دیا؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اہل بیت کرام کی روایت یہ ہے کہ ایک بار ان کا حق نہ دیا جائے تو وہ دوبارہ لینا پسند نہیں کرتے، شیعوں کے خیال میں خلافت حضرت علی کا حق تھی جسے خلفاء ثلاثہ نے دبائے رکھا، پھر حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد حضرت علی نے خلافت کیوں قبول کر لی؟ تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کرام کی روایت کے خلاف ہے۔ بلکہ وہ خطہ جس کا مطالبہ تھا حضرت عمر نے ملکیت کے طور پر نہیں بلکہ تولیت کے طور پر دیا تو حضرت علی اور حضرت عباس نے لے لیا جو پہلے حضرت علی کے پاس پھر ان کی اولاد کے پاس رہا۔ تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کی شان کے لائق نہ تھا۔ حضرت علی کا اور ان کے بعد ان کی اولاد کا اس خطۂ زمین پر قابض ہونا صاف اعلان کر رہا ہے کہ وہ زمین ورثہ نہ تھی ورنہ حضرت علی کے پاس کیا جواز تھا؟ کہ اس میں سے حضرت عباس اور ان کے بعد ان کی اولاد کو حصہ نہ دیتے آخر وہ بھی تو وارث تھے۔

جب وراثت کا پہلو مضبوط نظر نہیں آتا تو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔ حالانکہ اس دعوے کو دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ہبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک وہ شخص جسے ہبہ کیا گیا ہے۔ قبضہ نہ کرے وہ چیز اس کی ملکیت نہیں بنتی اور

روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں فدک کبھی بھی حضرت سیدہ فاطمہ کے قبضہ میں نہیں رہا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس میں تصرف فرماتے رہے۔ نیز فدک وسیع اور زرخیز خطہ تھا۔ جس کی آمدنی بقول ملا باقر مجلسی چوبیس ہزار دینار تھی اگر یہ علاقہ حضرت سیدہ کو مل گیا ہوتا تو ان کی سالانہ آمدن لاکھوں روپے ہوتی اور وہ مدینہ منورہ کی مالدار ترین خاتون ہوتیں۔ حالانکہ کسے نہیں معلوم؟ کہ زمانہ نبوی میں ان کی زندگی فقر و قناعت سے عبارت تھی۔ گھر کے تمام کام خود کرتی تھیں۔ پھر اگر ان کی سالانہ آمدن لاکھوں روپے ہوتی تو غزوہ تبوک کے موقع پر وہ دل کھول کر چندہ دیتیں، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپیل پر حضرت عثمان غنی نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار پیش کیے، حضرت عمر فاروق نے آدھا مال پیش کر دیا اور حضرت ابو بکر نے تمام مال لا کر ڈھیر کر دیا، دوسرے صحابہ کرام نے بھی استطاعت کے مطابق حصّہ لیا۔ لیکن کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا۔ کہ حضرت خاتون جنت نے بھی اس میں حصّہ لیا ہو۔ معلوم ہوا کہ ہبہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔ وہ حدیث جس میں ہے کہ انبیاء کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس آیت کے معارض ہے۔ لہٰذا وہ حدیث مقبول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے انیس ۱۹ بھائی تھے۔ ان کو بھی وراثت ملتی، صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ملتی۔ اس جگہ علم نبوت اور حکومت وغیرہ امور کا ورثہ مراد ہے اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (الآیہ)

مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ اس میں بھی علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ کیونکہ کسی عالم نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے مالدار تھے اس لیے انہوں نے وارث کا مطالبہ کیا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیت میراث کے مطابق بیٹی کو ایک حصّہ اور بیٹے کو دو حصّے ملتے ہیں۔ جب کہ اہلسنت جو حدیث پیش کرتے ہیں۔ وہ خبر واحد ہے اور نص قرآن کے معارض نہیں ہو سکتی۔ علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقۃ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابو بکر کا استدلال خبر واحد سے نہیں تھا بلکہ اس حدیث سے تھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود سنی تھی اور وہ ان کے نزدیک خبر متواتر کی طرح قطعی تھی۔ اور قرائن کی بنا پر ان کے نزدیک وہ معنی قطعی تھا جو انہوں نے سمجھا تھا۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر آیت مبارکہ میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ آیت کا حکم اُمتیوں سے متعلق ہے۔ انبیاء کرام سے متعلق نہیں ہے۔

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابو بکر نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ عشرہ مبشرہ میں

سے جلیل القدر صحابہ نے یہاں تک کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے بھی تسلیم کیا۔ صرف یہی نہیں ہے بلکہ روافض کی کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

اصول کافی باب العلم والمتعلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم وراثت دیتے ہیں جس نے اس علم کا کچھ حصہ حاصل کیا۔ اس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔

من لایحضرہ الفقیہ جلد دوم ص ۳۴۶ میں حضرت علی مرتضیٰ کا ارشاد منقول ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا۔ اصول کافی کے صفحہ ۷، اپر باب صفۃ العلم میں حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد منقول ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

مخالفین اپنے پروپیگنڈے کو مؤثر بنانے کے لیے بخاری شریف کی ایک روایت کا بھی سہارا لیتے ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ، حضرت ابوبکر سے ناراض ہوگئیں اور آخری دم تک ناراض ہی رہیں اور اس سلسلے میں اس حدیث کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میری لخت جگر ہیں جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

بخاری شریف میں فدک کا پانچ مرتبہ ذکر آیا ہے۔ جلد اول ص ۵۲۶ پر حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھائے گی، خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ اور ان میں وہی عمل کروں گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت علی نے خطبہ پڑھ کر فرمایا:۔

اے ابوبکر! ہم تمہاری فضیلت جانتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا ذکر کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے اپنے رشتہ داروں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے حسن سلوک زیادہ محبوب ہے۔

اس حدیث میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ حضرت علی، خلیفہ اول کی فضیلت کا واضح اعتراف فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کون سی حق تلفی کی؟ جو کچھ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت خاتون جنت کو ملا کرتا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر بھی انہیں پیش کرتے رہے۔ حضرت عمر نے تو وہ خطہ بھی بطور تولیت حضرت علی اور حضرت عباس کو دے دیا تھا۔ اس کے باوجود معترضین کا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ اتنا ضرور ہے کہ شیخین کریمین نے حضرت سیدہ کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے۔ وہ تو انہوں نے امہات المومنین کو بھی نہیں دیے۔ جن میں

ان کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بھی شامل تھیں۔ پھر مالکانہ حقوق نہ دینے کی بنیاد ذاتی رائے یا دشمنی قطعاً نہ تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث تھی جسے رافضی مصنفین بھی بیان کرتے ہیں؛ اس میں حضرت ابوبکر کا کیا جرم ہے۔؟ اور حضرت فاطمہ کی ناراضگی کا کونسا پہلو ہے۔ کیا یہی کہ آپ میرے والد ماجد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر کیوں عمل کرتے ہیں؟۔

بات صرف اتنی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء نے ابتداءً مطالبہ کیا اور جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے بعد کبھی اس مسئلے کو نہیں اٹھایا۔ بخاری شریف میں صرف ایک جگہ یہ الفاظ ہیں۔ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ اَبَابَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں اور حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔ اور یہ راوی کا اپنا خیال ہے کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت خاتون جنت نے فرمایا ہو کہ میں ابوبکر سے ناراض ہوں۔ راوی کو غلطی بھی واقع ہو سکتی ہے۔

قرین قیاس یہی ہے کہ چونکہ حضرت سیدہ نے بعد میں اس مسئلے پر حضرت ابوبکر سے بات نہیں کی اس لیے راوی نے سمجھا کہ وہ ناراض ہیں۔

شیعوں کی کتاب مجاج السالکین میں ہے۔ اِنَّ اَبَابَكْرٍ لَمَّا رَاٰى اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ اَمْرِ فَدَكٍ ابوبکر نے جب دیکھا کہ فاطمہ نے ان سے انقباض محسوس کیا ہے۔ انہیں چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد فدک کے بارے میں بات نہیں کی" اس عبارت سے ہمارے دعوے کی بخوبی تائید ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ نے چونکہ بعد میں مسئلہ فدک پر بات نہیں کی اس لیے راوی نے اسے ناراضگی قرار دے دیا۔ اگر اس میں کچھ بھی واقعیت ہوتی تو شیعہ مصنف اسے چھپانے سے کچھ دریغ نہ کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے کہ مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ لیکن یہ تو اسی وقت ہے جب کوئی شخص انہیں عمداً و دانستہ ایذاء پہنچانے اور ناراض کرے۔ جب کہ حضرت ابوبکر نے انہیں صاف لفظوں میں فرمایا: "اے رسول اللہ کی بیٹی! مجھے اپنی قرابت کی نسبت حضور کی قرابت سے صلہ رحمی اور حسن سلوک زیادہ محبوب ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا کہ حضرت ابوبکر صدیق کی اہلیہ حضرت اسماء حضرت سیدہ کی تیمارداری کرتی رہیں اور حضرت سیدہ نے انہیں وصیت کی تھی کہ تم ہی مجھے وصال کے بعد غسل دینا اور کفن پہنانا، ایمانداری سے سوچئے کہ اگر خاتون جنت، حضرت ابوبکر سے ناراض ہوتیں تو ان کی اہلیہ کو اتنے قرب کی اجازت دیتیں؟

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ، حضرت ابوبکر سے بتقاضائے بشریت ناراض تھیں تو اس بنا پر

جو وعید حضرت ابوبکر کو سنائی جاتی ہے وہی حضرت علی کو بھی سنانی پڑے گی، ما فضیوں کی مشہور کتاب جلاء العیون ص ۱۸۶ میں ہے کہ ایک بار حضرت سیدہ طاہرہ، مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حضرت حسنین کریمین اور حضرت ام کلثوم کو ساتھ لے کر اپنے میکے چلی گئیں۔ بلکہ بعض اوقات تو اس قدر ناراض ہوئیں کہ حضرت علی کو سخت سست بھی کہہ گئیں، چنانچہ شیعوں کی معروف کتاب حق الیقین کے صفحہ ۲۳۳ پر ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ناراضگی میں یہاں تک کہہ دیا۔

مانند جنین در رحم، پردہ نشیں، شدہ مثل خائباں درخانہ گریختہ۔ | رحم میں پوشیدہ بچے کی طرح پردہ نشین ہو گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بھاگ گئے

الحمد للہ! ہمارے لیے کوئی الجھن نہیں ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کا مقصد اپنے کسی قول یا فعل سے حضرت سیدہ کو ناراض کرنا نہیں تھا۔ خانگی زندگی میں ایسے موڑ آہی جاتے ہیں کہ ایک فریق کی مصالحانہ کوشش کے باوجود دوسرا فریق ناراض ہو جاتا ہے۔ پھر یہ وقتی ناراضگی ہوتی تھی جو بعد میں دور ہو جاتی تھی، یہی کیفیت حضرت ابوبکر صدیق کی تھی۔

بقول ملا باقر مجلسی، حق الیقین ص ۲۳۱، حضرت ابوبکر نے فرمایا؛ میرے جملہ اموال اور احوال میں آپ کو اختیار ہے۔ ان میں سے آپ جو چاہیں لے لیں۔ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی سردار اور اپنے بیٹوں کے لیے بابرکت درخت ہیں۔ آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کا حکم میرے تمام اموال میں نافذ ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں کوئی عناد اور کھوٹ نہ تھا۔ ورنہ وہ اپنی پوری جائیداد کی پیش کش کبھی نہ کرتے۔

علامہ کمال الدین میثم البحرانی، نہج البلاغۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا۔

> اے خواتین عالم کی سردار! اے تمام آبار کے تاجدار کی لخت جگر! خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے سے بالکل تجاوز نہیں کیا۔ میں نے وہی کچھ کیا ہے جس کا حضور نے حکم دیا، حضور علیہ السلام فدک سے آپ حضرات کی ضرورت (خوراک وغیرہ) لیا کرتے تھے۔ اور باقی مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا فرماتے تھے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں اور اسی پر عمل

عمل پیرا رہنے کا ان سے وعدہ لیا۔ (ترجمہ)

(شرح نہج البلاغۃ، ج ۵، ص ۱۰۷)

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ پروپیگنڈا محض افتراء ہے کہ حضرت فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابو بکر میرے جنازے میں شریک نہ ہوں، بلکہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی کی دو روایتیں ملتی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر نے ہی پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابو بکر جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تو ان کے لیے ضرور کوئی عذر ہو گا۔ جیسے کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں بیان فرمایا۔ اسے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر جلاء العیون میں کلینی کی روایت کے مطابق جنازہ میں صرف سات افراد شریک ہوئے۔ حضرت ابو ذر، سلمان عمار، حذیفہ، عبد اللہ بن مسعود اور مقداد، امامت حضرت علی نے کرائی۔ اس روایت کے مطابق حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جنازہ کی نماز میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح متعدد وہ حضرات جنہیں شیعہ بھی مانتے ہیں۔ وہ بھی شامل نہیں ہوئے۔ کیا حضرت سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ اور ان کے بارے میں بھی یہ وصیت کی تھی کہ جنازے میں شریک نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ بے جا تعصب سے بچائے صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی سچی محبت و عقیدت پر ہی قائم و دائم رکھے۔

شرف قادری

نوٹ:۔ اس مختصر مقالہ میں الصواعق المحرقۃ، امام ابن حجر مکی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے مقالہ مسئلہ فدک (ضیائے حرم، فاروق اعظم نمبر، شمارہ مئی جون ۱۹۷۰ء) اور علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی کی تصنیف باغ فدک اور حدیث قرطاس سے استفادہ کیا ہے۔

# کِتَابُ الصَّیْدِ وَالذَّبَائِحِ

## ۱۸ — شکار اور ذبح کی ہوئی چیزوں کا بیان

اصل میں صید کا معنی شکار کرنا ہے، پھر اس چیز کو صید کہا گیا جسے شکار کیا گیا ہو۔ شکار کرنا مباح ہے، قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ ابن ابی زید کا رسالہ مذہب مالکی میں ہے، اس میں ہے کہ لہو و لعب کے لیے شکار کرنا مکروہ ہے، اور لہو و لعب کے ارادہ کے بغیر مباح ہے، یہ امر ثابت نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شکار کیا ہو، لیکن آپ نے اس کی تائید فرمائی ہے۔

ذبیحہ کی جمع ذبائح ہے۔ وہ چیز جسے ذبح کیا گیا ہو۔ ذبح ذال کے نیچے زیر بھی اس معنی میں آیا ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۳۸۸۵ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ اَمْسَكَ عَلَيْكَ فَاَدْرَكْتَهٗ حَيًّا فَاذْبَحْهُ وَاِنْ اَدْرَكْتَهٗ قَدْ قَتَلَ وَ لَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَ اِنْ اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَ اِنْ اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنا کتا بھیجو[۱] تو اللہ تعالےٰ کا نام لو۔ پس اگر وہ شکار کو تمہارے لیے روک لے۔ اور تم اسے زندہ پالو۔ تو ذبح کرو۔ اگر تم شکار کو اس حالت میں پاؤ کہ کتے نے اسے مار ڈالا ہو[۲]۔ اور اس سے (کچھ) نہ کھایا ہو تو اسے کھاؤ اور اگر کتے نے کھایا ہے تو نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے اپنے لیے روک رکھا ہے[۳]۔ اور اگر تم اپنے کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پاؤ اور اس نے

فَاِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهٗ وَ قَدْ قَتَلَ فَلَا تَاْكُلْ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِىْ اَيُّهُمَا قَتَلَ وَاِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ اِلَّا اَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ اِنْ شِئْتَ وَ اِنْ وَجَدْتَهٗ غَرِيْقًا فِى الْمَاۤءِ فَلَا تَاْكُلْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مار دیا ہے تو نہ کھاؤ۔ کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ کس نے مارا ہے[۵۳]؟ اور جب تم تیر چلاؤ تو اللہ تعالیٰ کا نام لو، پس اگر شکار ایک دن تم سے غائب رہا اور تم نے اس میں صرف اپنے تیر کا اثر پایا ہے[۵۴]۔ تو اگر چاہو تو کھاؤ، اور اگر تم نے اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا[۵۵] ہے۔ تو نہ کھاؤ[۵۶]

(صحیحین)

۵۱ حضرت عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی، سخی ابن سخی، ۷ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، بعض نے کہا ۱۰ھ میں حاضر ہوئے، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کوفہ میں قیام پذیر ہوئے جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوئے اور ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی، صفین اور نہروان میں حاضر ہوئے ۶۷ھ میں مختار بن ابی عبید کے زمانے میں ان کا وصال ہوا۔ ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ بعض نے ایک سو ستر سال عمر بتائی۔ پہلا قول حق کے زیادہ قریب ہے، وہ بکثرت شکار کیا کرتے تھے۔

۵۲ یعنی شکار کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا نام لو، جیسے کہ ذبح کے وقت لیتے ہیں۔ کیونکہ کتے کو شکار کے پیچھے بھیجنا ذبح کے قائم مقام ہے، شکاری کی طرف سے کتے کا بھیجنا شرط ہے۔ اگر کتا از خود چلا جائے اور شکار کو زخمی کر دے تو وہ حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا، ہاں اگر اسے زندہ پایا اور ذبح کر لیا تو وہ شکار میں شمار نہ ہوگا۔

۵۳ بعض نسخوں میں قُتِلَ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ یعنی وہ شکار مار دیا گیا ہے۔

۵۴ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے، اور شکار وہی حلال ہے جو سدھائے ہوئے کتے نے کیا ہو، تعلیم کی نشانی یہ ہے کہ تین بار شکار کو روکے اور کھائے نہیں۔

۵۵ اگر دوسرے کتے نے مارا ہو تو ہو سکتا ہے وہ سدھایا ہوا نہ ہو یا اسے بھیجتے وقت بسم اللہ شریف نہ پڑھی گئی ہو۔

ــــہ ۵۶ کہ یہ بھی ذبح کے قائم مقام ہے ــــــــــ ایک دن کی قید اتفاقی اور بطور مثال ہے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ پورا دن غائب رہا بلکہ اس سے بھی زیادہ غائب رہا۔ بشرطیکہ متعفن نہ ہو جائے۔ جیسے کہ آیندہ آئے گا۔

ــــہ ۵۷ اگرچہ اس پر تیر کا نشان بھی ہو۔

ــــہ ۵۸ کیونکہ ہو سکتا ہے پانی میں ڈوب کر مرا ہو۔

۳۸۸۶/۲ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَا اَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَ اِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَ اِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ اِنَّا نَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَا خَزَقَ وَ مَا اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَقَتَلَهٗ فَاِنَّهٗ وَ قِيْذٌ فَلَا تَاْكُلْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی[1] سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سکھائے ہوئے کتوں کو بھیجتے ہیں، فرمایا: جو تمہارے لیے روک لیں[2] وہ کھاؤ، میں نے عرض کیا اگرچہ وہ مار ڈالیں؟ فرمایا: اگرچہ مار ڈالیں[3]۔ میں نے عرض کیا ہم بے پر تیر[4] مارتے ہیں فرمایا:۔ جسے زخمی کر دے[5] اسے کھالو اور جسے چوڑائی کے ساتھ لگے اور ہلاک کر دے تو وہ موقوذہ[6] ہے اسے نہ کھاؤ۔

(صحیحین)

ــــہ ۱ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ــــہ ۲ اور خود اس میں سے نہ کھائیں۔

ــــہ ۳ کیونکہ اگر زندہ ہو تو اسے ذبح کیا جائے گا، اسے محفوظ رکھنے کی حاجت نہ ہو گی۔

ــــہ ۴ اکثر اسے معراض کہتے ہیں کہ وہ چوڑائی میں لگتا ہے۔

ــــہ ۵ اور جسم میں داخل ہو جائے، جب کہ وہ لمبائی میں لگا ہو۔ خزق نقطے والی خاء پھر زاء اور آخر میں قاف تیر کا نشانے پر لگنا۔

ــــہ ۶ موقوذ قاف اور نقطے والے ذال کے ساتھ، وہ چیز جسے لاٹھی، پتھر یا کسی کند چیز کے ساتھ قتل کیا گیا ہو۔

۳۸۸۷ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضِ قَوْمٍ اَهْلِ الْكِتَابِ اَفَنَاْكُلُ فِیْ اٰنِیَتِهِمْ وَ بِاَرْضِ صَیْدٍ اَصِیْدُ بِقَوْسِیْ وَبِكَلْبِی الَّذِیْ لَیْسَ بِمُعَلَّمٍ وَ بِكَلْبِ الْمُعَلَّمِ فَمَا یَصْلُحُ لِیْ قَالَ اَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ اٰنِیَةِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاِنْ وَجَدْتُمْ غَیْرَهَا فَلَا تَاْكُلُوْا فِیْهَا وَ اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَ كُلُوْا فِیْهَا وَمَا صِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ وَ كُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَ مَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَیْرِ مُعَلَّمٍ فَاَدْرَكْتَ ذَكٰوتَهٗ فَكُلْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی! ہم اہل کتاب قوم کی زمین میں ہیں۔ کیا ہم ان کے برتنوں میں کھائیں؟ اور ہم شکار کی زمین[۲] میں ہیں، میں اپنی کمان[۳] اس کتے سے جو سکھایا ہوا نہیں اور سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرتا ہوں، تو کونسی چیز میرے لیے درست اور جائز ہے۔ فرمایا:۔ تم نے جو اہل کتاب کے برتنوں کا ذکر کیا ہے[۴] تو اگر تمہیں دوسرے برتن ملیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کو ہی دھولو اور ان میں کھاؤ[۵]، اور جس جانور کا تم اپنی کمان سے شکار کرو اور اللہ تعالےٰ کا نام لو تو اسے کھاؤ۔ اور جو اپنے سکھائے ہوئے کتے سے شکار کرو۔ اور اللہ تعالےٰ کا نام لو تو اسے بھی کھاؤ۔ اور جو اس کتے سے شکار کرو جو سدھایا ہوا نہ ہو اور اس کے ذبح کو پالو تو اسے بھی کھاؤ۔

(صحیحین)

۱؎ ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش، شین پر زبر، دونوں نقطے والے، خشن کی طرف نسبت، صحابی ہیں اور اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، بیعت رضوان میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تو ان کی قوم اسلام لے آئی، شام میں قیام پذیر ہوئے ۷۵ھ میں اور بعض کے قول کے مطابق حضرت معاویہ کے زمانے میں وصال ہوا۔

۵۲ یعنی ہم ایسی جگہ ہیں جہاں شکار بہت ہے

۵۳ یعنی تیر اندازی سے

۵۴ ان کا حکم یہ ہے کہ۔

۵۵ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے برتن دستیاب ہوں تو ان کے برتنوں میں دھونے کے بعد میں نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن فقہاء کہتے ہیں کہ ان کے برتنوں کو دھو کر استعمال کرنا بغیر کراہت کے مطلقاً جائز ہے خواہ دوسرے برتن ملیں یا نہ،

لہذا حدیث سے مستفاد کراہت کو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ وہ برتن مراد ہیں جن میں اہل کتاب خنزیر کا گوشت پکاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں اور نجاست کے لیے عام استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں جتنا بھی دھولیا جائے مسلمان کو طبعی طور پر ان کے استعمال سے گھن آئے گی۔ (مثلاً پیشاب کے لیے استعمال کیا جانے والا برتن دھو بھی لیں تو اس کے استعمال سے کراہت محسوس ہوتی ہے ۱۲ ق)

اور فقہاء کی مراد وہ برتن ہیں جو عام طور پر نجاستوں کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے۔ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے جیسے کہ برمادی نے نقل کیا۔

۳۸۸۸ / ۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَاَدْرَكْتَهُ فَكُلْ مَا لَمْ يُنْتِنْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) ۔

ان [۵۱] ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اپنا تیر چلاؤ اور شکار تم سے غائب ہو جائے، پھر تم اسے پالو [۵۲] تو کھاؤ جب تک کہ متعفن [۵۳] نہ ہو۔ (مسلم)

۵۱ حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ

۵۲ یعنی تم اس میں اپنے تیر کے علاوہ کوئی نشان نہ پاؤ۔ جیسے کہ حضرت عدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۵۳ یُنْتِنْ یا پر پیش، تا کے نیچے زیر۔ اَنْتَنَ کا مضارع۔ بعض محدثین نے یَنْتِنْ بھی کہا ہے یا پر زبر تا کے نیچے زیر۔ یہ حکم بطور استحباب ہے۔ ورنہ گوشت بدبو دینے لگے تو حرام نہیں ہو جاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بو دینے والا گوشت تناول فرمایا (جس کی بو وقت گزرنے کے سبب کچھ متغیر ہو گئی تھی۔)

اسی طرح حواشی میں ہے، ہو سکتا ہے کہ تعلیم جواز کے لیے تناول فرمایا ہو۔

۳۸۸۹ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الَّذِي يُدْرِكُ صَيْدَهُ بَعْدَ ثَلٰثٍ فَكُلْهُ مَالَمْ يُنْتِنْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو تین دن بعد اپنا شکار پالے تم اسے کھا لو، جب تک وہ بدبودار نہ ہو۔ (مسلم)

۳۸۹۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هُنَا اَقْوَامًا حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَاْتُوْنَنَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِىْ اَيَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا اَمْ لَا قَالَ اذْكُرُوْا اَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اس جگہ کچھ لوگ ہیں جن کا زمانۂ شرک کے قریب ہے[۵۱] وہ ہمارے پاس ایسے گوشت[۵۲] لاتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا۔ تم اللہ تعالیٰ کا نام لو اور کھا لو[۵۳]۔ (بخاری)

۵۱ یعنی وہ نو مسلم ہیں اور انہوں نے ابھی تک اسلام کے احکام مکمل طور پر حاصل نہیں کیے۔

۵۲ لحمان لام پر پیش۔ لحم کی جمع ہے حا ساکن اور زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۵۳ شرح شارق میں ابن فرشتہ سے منقول ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا، ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنے کے قائم مقام ہو جائے گا، بلکہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بسم اللہ شریف کا پڑھنا مستحب ہے، رہا یہ کہ تمہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا معلوم نہیں ہے تو اس کا کھانا صحیح ہے جب کہ ذبح کرنے والا ایسا شخص ہو جس کا ذبیحہ حلال ہے، کیونکہ مسلمانوں کے بارے میں اچھا گمان ہونا چاہیے اور ان کے حال کو اچھائی پر محمول کرنا چاہیے، اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے

کہتے ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ تعالٰے کا نام لینا شرط نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال ضعیف ہے جیسے کہ ظاہر ہے (قرآن پاک میں ہے کہ اس جانور کو نہ کھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو ۱۲ ق)

۳۸۹۱ / ۷ وَعَنْ اَبِی الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِیٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَیْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ اِلَّا مَا فِیْ قِرَابِ سَيْفِیْ هٰذَا فَاَخْرَجَ صَحِيْفَةً فِيْهَا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَفِیْ رِوَايَةٍ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهٗ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوالطفیل[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے آپ حضرات[۲] کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا؟ فرمایا:- ہمیں آپ نے کسی ایسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ جو آپ نے دوسرے لوگوں کو عمومی[۳] طور پر نہ بتائی ہو، سوائے اس چیز کے جو میری اس تلوار کے پرتلے[۴] میں ہے پھر انہوں نے ایک کتابچہ نکالا جس میں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے[۵] اور اس شخص پر لعنت فرمائے جو زمین کے نشانات[۶] چوری کرے۔ اور ایک روایت میں ہے جو زمین کا نشان بدلے اور۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو اپنے والد پر لعنت بھیجے[۷]۔ اور اللہ تعالٰے اس شخص پر لعنت فرمائے جو بدعتی کو پناہ دے[۸] (مسلم)

۵۱ حضرت ابوالطفیل طا پر پیش، مشہور صحابی ہیں۔ سب صحابہ کرام میں سے علی الاطلاق آخر میں فوت ہوئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ فصیح اللسان اور حاضر جواب تھے۔

۵۲ یعنی کیا کچھ احکام ایسے ہیں جو صرف اہل بیت کو بتلائے ہوں؟ اور دوسرے حضرات کو نہ بتائے ہوں۔

۵۳ صراح میں ہے عموم سب کا احاطہ کر لینا ــــــــ اس تخصیص کے بارے میں باب الدیات میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۵۴ قراب پر تلہ جس میں تلوار مع نیام رکھی جاتی ہے۔ (ظاہر ہے اس میں ستر گز کا قرآن تو نہیں آسکتا ۱۲ ق)

۵۵ جیسے کہ مشرکین بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔

۵۶ منار میم پر زبر، جمع ہے منارۃ کی علامت، اس سے مراد زمین کے وہ نشانات ہیں جن کے ذریعے حدیں جدا ہوں، یعنی وہ اپنے لیے زمین کا وہ حصہ مباح کرنا چاہتا ہے جو اس کا نہیں ہے بلکہ اس کے پڑوسی کا ہے نشانات کو اٹھا کر پڑوسی کا کچھ حصۂ زمین اپنے حصّہ میں داخل کر لیتا ہے۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کے نشانات کو بدل دیتا ہے اور انہیں اٹھا کر غائب کر دیتا ہے تاکہ لوگوں کو راستے کا پتہ نہ چلے اور اس طرح راستہ بند کر دیتا ہے، یہ مطلب آئندہ روایت کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۷ کہ یہ نافرمانی اور ایذا رسانی کے زمرے میں آتی ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے کے باپ پر لعنت کرے اور دوسرا اس کے باپ کو لعنت کرے، پس وہ شخص اپنے باپ کی لعنت کا سبب بنا۔ گویا وہ خود اپنے باپ کو لعنت کر رہا ہے، جیسے کہ دوسری حدیث میں والد کو گالی دینے کی ممانعت آئی ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

گر مادر خویش دوست داری دشنام مدہ بمادر من

اگر تجھے اپنی ماں پیاری ہے تو میری ماں کو گالی نہ دے۔

۵۸ بدعتی وہ شخص ہے جو دین میں ایسی چیز پیدا کرے جو اصل میں نہیں ہے۔ اور وہ سنت کا مخالف اور سنت کا بدلنے والا ہے ——— ایواء جگہ دینا ماویٰ جائے پناہ۔ مُحدِث دال کے نیچے زیر، نئی چیز نکالنے والا مُحدَث دال کی زبر سے بھی آیا ہے، وہ چیز جو نئی لائی گئی ہے۔ جگہ دینے کا مطلب ہے اس پر راضی ہونا۔ اس پر صبر کرنا، اور اس کے کرنے والے کی تائید کرنا، اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ لعنت کی دو قسمیں ہیں (۱) لعنتِ کفر یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا (۲) لعنتِ فسق یعنی بارگاہِ عزت و قرب سے دور ہونا ——— احادیث میں اس معنی پر لعنت کا اطلاق بکثرت ہے، اور اس تفصیل میں بہت سے اشکالات کا جواب ہے۔

۳۸۹۲/۸ وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَاقُوا الْعَدُوَّ غَدًا وَّ لَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى اَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل ہم دشمن سے ملاقات کرنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھری نہیں ہے۔ کیا ہم کانے کے ساتھ ذبح کریں؟ فرمایا: جو چیز خون کو جاری کرے اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے

لَيْسَ السِّنَّ وَ الظُّفُرَ وَ سَأُحَدِّثُكَ عَنْهُ اَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَ اَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحُبْشِ وَ اَصَبْنَا نَهْبَ اِبِلٍ وَّ غَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيْرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْاِبِلِ اَوَابِدُ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَاِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوْا بِهٖ هٰكَذَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے کھاؤ[۴] سوائے دانت اور ناخن کے، اور ہم عنقریب تمہیں اس کا سبب بتائیں[۵] گے، لیکن دانت تو وہ ہڈی ہے[۶] اور ناخن تو وہ حبشیوں کی چھری ہے[۷] حضرت رافع فرماتے ہیں کہ (ہمیں غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں، ان میں سے ایک اونٹ بھاگ گیا۔ ایک شخص نے اسے تیر مارا جس نے اس اونٹ کو روک دیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اونٹوں میں کچھ جھگڑے ہوتے ہیں[۸] جیسے جنگلی جانور انسانوں سے بھاگتے ہیں تو جب ان میں سے کوئی اونٹ تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ ایسے ہی کرو[۹]۔

(صحیحین)

ف۱ حضرت رافع بن خدیج خاء پر زبر، انصاری صحابی ہیں، کم سنی کی بنا پر بدر میں حاضر نہیں ہوئے، اس کے بعد احد اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔

ف۲ یعنی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاس چھری نہ ہو۔ مُدی میم پر پیش، جمع ہے مدیۃ کی میم پر تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں بڑی چھری، صراح میں ہے مدیہ میم پر پیش اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، خنجر۔

ف۳ جو چھری کی طرح تیز ہو۔

ف۴ یعنی جس جانور کو خون بہانے والی چیز سے ذبح کیا گیا ہو اسے کھانا جائز ہے خواہ وہ لوہے کی ہو یا نہ اور یہ مسئلہ علما کے درمیان متفق ہے۔

ف۵ کہ دانت اور ناخن سے ذبح کرنا کیوں جائز نہیں ہے؛ جیسے کہ اس کے بعد بیان فرمایا۔

ف۶ اور ہڈی کے ساتھ ذبح جائز نہیں ہے، شیخ ابن صلاح نے کہا کہ مجھے بحث اور تفتیش کے بعد ہڈی سے ذبح کی ممانعت کی کوئی ایسی وجہ معلوم نہیں ہو سکی جو عقل میں آجائے۔ شیخ عزالدین عبد السلام نے بھی اسی طرح کہا۔

حدیث پاک میں اتنا ہی فرمایا ہے کہ دانتوں سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ دانت ہڈی ہیں۔

شیخ محی الدین نووی نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہڈی ذبح کرتے وقت خون لگنے سے پلید ہو جائے گی اور ہڈی کو پلید کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے، اسی طرح امام سیوطی نے بیان کیا۔

ے۵ حُبُش حا پر پیش، جمع ہے حبش کی، اس توجیہ کا مطلب یہ ہے کہ ناخنوں سے ذبح کرنے میں اس قبیح فعل میں حبشیوں کے ساتھ مشابہت ہے جو ان کے ساتھ خاص ہے اور حبشی کافر اور نصاریٰ ہیں اور ہمیں ان کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کی ممانعت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے جب کہ دانت منہ میں اور ناخن ہاتھ میں اپنی جگہ برقرار ہوں اور اگر دانت اور ناخن اپنی جگہ سے اکھیڑ دیے گئے ہوں تو ان کے ساتھ ذبح کرنے میں حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ ذبح مکروہ ہے، سینگ کا بھی یہی حکم ہے، دوسرے ائمہ کی دلیل، پیش نظر حدیث ہے اور ہماری دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ اَمِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ خون بہاؤ جس چیز کے ساتھ چاہو وَافْرِ الْاَوْدَاجَ اور جس چیز کے ساتھ چاہو رگوں کو کاٹو، حضرت رافع بن خدیج سے روایت کردہ (پیش نظر) حدیث میں وہ ناخن مراد ہیں جو اپنی جگہ برقرار ہوں کیونکہ حبشی انہی سے ذبح کرتے تھے۔

ے۸ جو انسانوں سے دور بھاگتے ہیں۔

ے۹ یعنی تیر مارو، یا جس طرح بھی انہیں ہلاک کر سکتے ہو کرو، بشرطیکہ ایسی چیز سے ہو جس کے ساتھ ذبح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ایسا جانور شکار کے حکم میں ہے، اسی طرح اگر اونٹ یا کوئی دوسرا جانور کنوئیں وغیرہ میں گر پڑے۔

پس ذبح دو قسم ہے۔ ۱۔ اختیاری۔ ۲۔ اضطراری، اختیاری ذبح یہ ہے کہ ہنسلی اور جبڑوں کے درمیان زخم لگایا جائے اور گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں اور اضطراری یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے پر زخم لگا دیا جائے۔ ہدایہ میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ جانور ذبح اضطراری سے حلال نہیں ہوتا اور چونکہ یہ نادر ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ حقیقی عجز معتبر ہے اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ نادر ہے بلکہ بکثرت ہے۔

۳۸۹۳ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ غَنَمٌ تَرْعٰى بِسَلْعٍ فَاَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَّنَا بِشَاةٍ مِّنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا ۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی بکریاں سلع نامی پہاڑ میں چرتی تھیں۔ ہماری کنیز نے ہماری ایک بکری کو مرتے ہوئے دیکھا، اس نے ایک پتھر توڑا اور اس کے ساتھ اسے ذبح کر دیا۔ حضرت کعب نے

فَذَبَحْتُهَا بِهٖ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهٗ بِأَكْلِهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا[۳] تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (بخاری)

[۱] حضرت کعب بن مالک مشہور صحابی اور اسلام کے شاعر ہیں، غزوہ تبوک میں شامل ہونے سے رہ گئے بعد میں ان کی توبہ قبول ہوئی۔

[۲] سلع بے نقطہ سین پر زبر اور لام ساکن، مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اسی جانب مساجد اربع ہیں، اسی جگہ خندق کھودی گئی اور غزوہ خندق واقع ہوا۔

[۳] کہ اس بکری کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

۳۸۹۴ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت شداد بن اوس[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا[۲] واجب قرار دیا ہے۔ تو جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو[۳] اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو[۴]۔ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک آدمی اپنی چھری[۵] کو تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[۶]۔ (مسلم)

[۱] حضرت شداد دال مشدد بن اوس واؤ ساکن حضرت حسان بن ثابت کے بھتیجے اور انصاری صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت اوس بن ثابت بن منذر بھی صحابی ہیں، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شداد بن اوس کو علم اور حلم دونوں صفتیں عطا فرمائیں۔

[۲] یہاں تک کہ قتل اور ذبح میں۔

[۳] قتلہ قاف کے نیچے زیر قتل کرنے کا طریقہ ——— یعنی تلوار کو تیز کرو اور مقتول کی جلد خلاصی کرو اور اسے عذاب نہ دو۔

۵۴ ایک روایت میں الذبحۃ ہے ذال کے نیچے زیر جیسے قِتْلَۃ میں قاف کے نیچے زیر ہے۔

۵۵ شفرۃ شین پر زبر، چھری۔

۵۶ یعنی اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ مرجائے، ٹھنڈا ہوجائے اور راحت پائے، یہ ذبح میں احسان کا بیان ہے، احسان کے زمرے میں یہ چیزیں بھی آئیں گی۔

۱۔ چھری تیز کرے۔

۲۔ جانور کے سامنے تیز نہ کرے۔

۳۔ اگر ممکن ہو تو ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کرے۔

۴۔ جسے ذبح کرنا چاہتا ہے اسے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ کر نہ لے جائے۔

۳۸۹۵ (۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ تُصْبَرَ بَهِيْمَةٌ اَوْ غَيْرُهَا لِلْقَتْلِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات سے منع کرتے ہوئے سنا کہ چوپائے یا اس کے غیر کو قتل کے لیے باندھا جائے[1]۔ (صحیحین)

[1] اصل میں صبر کا معنی قید کرنا ہے۔ صراح میں ہے کہ صبر کا معنی ہے کسی کو پابند کرنا اور روک لینا قتل کے لیے یا قسم دینے کے لیے، مطلب یہ ہے کہ کسی جانور کو قید کیا جاتے اور کھلاتے پلاتے بغیر قتل کرنے کے لیے اس کی نگہداشت کی جاتے، یا یہ مطلب ہے کہ جانور کو باندھ کر اسے نشانہ بنایا جاتے اور اس پر تیر چلائے جائیں، یہاں تک کہ وہ مرجاتے، جیسے کہ آیندہ حدیث میں آئے گا۔

۳۸۹۶ (۱۲) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو کسی ذی روح کو نشانہ[1] بناتے۔ (مسلم)

[1] غرض پہلے دونوں حرفوں پر زبر، تیر کا نشانہ، ہدف

۳۸۹۷ (۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا شَیْئًا فِیْہِ الرُّوْحُ غَرَضًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ذی روح چیز کو نشانہ نہ بناؤ[۱] (مسلم)

[۱] اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے، لیکن اس جگہ صیغہ نہی ارشاد فرمایا اور اس جگہ اس فعل پر لعنت فرمائی، لعنت میں تغلیظ اور تشدید زیادہ ہے، بہر صورت اس فعل سے اگر جانور مر جاتے تو اسے عذاب دینا اور ضائع کرنا ہے اور اگر نہیں مرتا اور بعد میں ذبح کر لیا جائے تو بے سبب عذاب دینا باقی ہے۔

۳۸۹۸/۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّرْبِ فِی الْوَجْہِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِی الْوَجْہِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چہرے پر[۱] مارنے اور چہرے پر داغ لگانے[۲] سے منع فرمایا۔ (مسلم)

[۱] تھپڑ یا چابک وغیرہ، خواہ آدمی کا چہرہ ہو یا دیگر حیوانات کا۔

[۲] مرقاۃ میں ہے "وسم" "وسمۃ" نشان لگانا، داغ لگانا۔

۳۸۹۹/۱۵ وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَیْہِ الْحِمَارُ وَقَدْ وُسِمَ فِیْ وَجْہِہٖ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الَّذِیْ وَسَمَہٗ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گدھے کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اسے داغ لگایا ہے[۱]۔ (مسلم)

[۱] واضح رہے کہ انسان یا دیگر حیوانات کے چہرے پر داغ لگانا بالاتفاق ممنوع ہے۔ رہا چہرے کے علاوہ جسم کے کسی حصے پر داغ لگانا تو بعض حضرات نے زکوۃ اور جزیہ کے جانوروں کو داغ لگانا، مستحب قرار دیا ہے ان کے

علاوہ جانوروں میں مستحب ہے، مقصد، معین اور ممتاز کرنا ہے، آدمی کے بارے میں اخبار و آثار، قولاً اور فعلاً مختلف آئے ہیں، بعض اقوال کے مطابق یہ محبوب اور بہتر نہیں ہے بعض اقوال میں اس کے ترک کرنے کی تعریف ہے، بعض اقوال میں اس کی ممانعت ہے، فعل جو جواز پر دلالت ہے یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک طبیب کو بھیجا جس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داغ لگایا، اور جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کلائی کی رگ میں تیر لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں داغ لگانے کی اجازت عطا فرمائی۔

جب وہاں ورم پیدا ہوا تو دوبارہ داغ لگایا۔ اسی طرح حضرت جابر اور حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داغ لگایا۔

محدثین فرماتے ہیں کہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے کہ ضرورت اور حاجت کے بغیر اختیاری طور پر داغ لگایا جائے اور اگر ضرورت ہو تو جائز ہے، اسی طرح سفر السعادۃ میں بیان کیا گیا ہے، ارباب علم فرماتے ہیں کہ داغ لگانا اسباب وہمیہ میں سے ہے جس کا استعمال توکل کے خلاف ہے، جب کہ دوسرے علاج اسباب ظنیہ میں سے ہیں، اور اگر اس جگہ (داغ لگانے میں) بھی ظن غالب حاصل ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے، مختار یہ ہے کہ داغ لگانا مکروہ تحریمی ہے، سوائے اس صورت کے طبیب حاذق کہہ دے کہ علاج اسی میں منحصر ہے اور اس کے قول سے ظن غالب حاصل ہو جائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ممانعت اس بنا پر ہے کہ عربوں کا عقیدہ تھا کہ داغ لگانا یقینی طور پر فائدہ مند ہے۔ اس لیے انہیں منع کر دیا گیا تا کہ شرک خفی کے گڑھے میں نہ گر جائیں۔ مزید تفصیل شرح سفر السعادۃ میں ہے۔

| | |
|---|---|
| ۳۹۰۰/۱۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ غَدَوْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَۃَ لِیُحَنِّکَہٗ فَوَافَیْتُہٗ فِیْ یَدِہِ الْمِیْسَمُ یَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں صبح کے وقت عبد اللہ بن ابی طلحہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گیا تا کہ آپ انہیں گھٹی دیں، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں پایا کہ آپ کے ہاتھ میں داغ لگانے والا لوہا تھا آپ صدقے کے اونٹوں کو داغ لگا رہے تھے (صحیحین) |

ل۵ عبداللہ بن ابی طلحہ حضرت انس کے ماں کی طرف سے بھائی تھے اور حضرت ابو طلحہ ان کے والدہ کے شوہر تھے اور یہ حضرت عبداللہ ان کی والدہ سے پیدا ہوئے تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۵۲ تحنیک کا معنی ہے کھجور یا اس جیسی کسی میٹھی چیز کا چبا کر نومولود بچے کے تالو میں لگانا، بچوں کے لیے ایسا کرنا سنت ہے۔

۵۳ میسم میم کے نیچے زیر، یا ساکن، سین پر زبر، لوہا جس کے ساتھ داغ لگاتے ہیں۔

۳۹۰۱/۱۴ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ فِيْ مِرْبَدٍ فَرَاَيْتُهٗ يَسِمُ شَيْئًا حَسِبْتُهٗ قَالَ فِيْ اٰذَانِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہشام بن زید[۱] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ باڑے[۲] میں تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا کہ آپ جانوروں کے کسی حصے[۳] پر نشان لگا رہے تھے، ہشام کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ حضرت انس نے فرمایا: ان کے کانوں میں نشان لگا رہے تھے۔ (صحیحین)

ل۵ ہشام بن زید ثقہ تابعی ہیں ان کے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

۵۲ مربد میم کے نیچے زیر، را ساکن اور با پر زبر، اونٹ، گائے اور بکری کے بند کرنے کی جگہ، ربد کا معنی ہے قید کرنا۔

۵۳ یعنی ان کے اعضاء اور اطراف پر ۔۔۔۔۔۔ بعض نسخوں میں شاء ہے یہ شاۃ (بکری) کی جمع ہے معنی کے اعتبار سے یہ نسخہ ظاہر ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ
## دوسری فصل

۳۹۰۲/۱۸ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ اَحَدَنَا اَصَابَ صَيْدًا وَّ لَيْسَ مَعَهٗ سِكِّيْنٌ اَيَذْبَحُ بِالْمَرْوَةِ اَوْ شِقَّةِ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیں کہ ہم میں سے ایک شخص شکار پاتے اور اس کے پاس چھری نہ ہو، کیا وہ پتھر[۱] یا لکڑی کے ٹکڑے کے ساتھ

اَلْعَصَاءِ فَقَالَ اَمْرِ الدَّمَ بِمَ شِئْتَ وَ اذْكُرِ اسْمَ اللهِ۔

ذبح کرے ؟ فرمایا: جس چیز کے ساتھ چاہو خون بہاؤ[۲]۔ اور اللہ تعالٰے کا نام لو[۳]۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] مروہ سفید براق پتھر جس سے آگ نکلتی ہے، اس جگہ مطلق پتھر مراد ہے۔

[۲] اَمْرِرْ مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں ہمزے کی زبر، میم کے سکون اور را کی زیر کے ساتھ ہے بغیر ادغام کے یہ اِمْرَارٌ سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی جاری کرنا ہے۔ بعض نسخوں میں اِمْرِ ہے ہمزہ کے نیچے زیر اور میم ساکن۔ یہ مَرِیٌ سے بنا ہے جیسے اِرْمِ رَمِیٌ سے بنا، ایک روایت میں ہے اَمَرَّ وغیرہ ہمزہ پر زبر، میم کے نیچے زیر۔ اور را مشدد، ایک اور روایت میں ہے اَمِرْ ہمزہ پر زبر، میم کے نیچے زیر اور را ساکن، ان کی قسمیں اور معانی شرح (لمعات) میں مذکور ہیں۔

۳۹۰۳/۱۹ وَعَنْ اَبِي الْعُشَرَاءِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمَا تَكُوْنُ الذَّكٰوةُ اِلَّا فِي الْحَلْقِ وَ اللَّبَّةِ فَقَالَ لَوْ طَعَنْتَ فِيْ فَخِذِهَا لَاَجْزَءَ عَنْكَ

ابوالعشراء[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا ذبح صرف گلے اور ہنسلی[۲] میں ہوتا ہے ؟ فرمایا: اگر تم اس کی ران میں بھی نیزہ مارو تو تمہاری طرف سے کفایت کرے گا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ هٰذَا ذَكٰوةُ الْمُتَرَدِّيْ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا فِي الضَّرُوْرَةِ۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی) امام ابوداؤد نے کہا یہ اس جانور کا ذبح ہے جو کنوئیں میں گر جائے[۳] امام ترمذی نے کہا کہ یہ بوقت ضرورت ہے[۴]

[۱] ابوالعشراء عین پر پیش، شین پر زبر، ان کا نام اسامہ بن مالک ہے۔ دارمی بصری تابعی ہیں بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور مجہول ہیں، امام بخاری نے فرمایا۔ ان کی حدیث اور ان کے اپنے والد سے سماع میں کلام ہے، ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا ان کی

حدیث میرے نزدیک غلط ہے۔

؎۵۲ لبۃ لام پر زبر اور با مشدد، سینے کا اوپر والا کنارہ۔

؎۵۳ یعنی یہ حکم ذبح اضطراری کا ہے۔

؎۵۴ انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث کے علاوہ ابوالعشراء کی اپنے والد سے روایت معلوم نہیں ہے۔

۳۹۰۴ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ [۲۰] اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَّمْتَ مِنْ كَلْبٍ اَوْ بَازٍ ثُمَّ اَرْسَلْتَهٗ وَ ذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مِمَّا اَمْسَكَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَ اِنْ قَتَلَ قَالَ اِذَا قَتَلَهٗ وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهُ شَيْئًا فَاِنَّمَا اَمْسَكَهٗ عَلَيْكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس کتے یا باز کو سکھاؤ پھر اسے بھیجو اور اللہ تعالٰے کا نام لو تو جو کچھ تمہارے لیے روک لے اسے کھاؤ۔ میں نے عرض کیا اگرچہ ہلاک کر دے؟ فرمایا: جب اسے ہلاک کر دے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے تو وہ اس نے تمہارے لیے روکا ہے۔

(ابوداؤد)

۳۹۰۵ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا [۲۱] رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْمِي الصَّيْدَ فَاَجِدُ فِيْهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِيْ قَالَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهٗ وَلَمْ تَرَ فِيْهِ اَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

ان[۱] ہی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں شکار کو تیر مارتا ہوں تو اس میں دوسرے دن اپنا تیر[۲] پاتا ہوں فرمایا: جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے تیر نے اسے ہلاک کیا ہے اور تم اس میں درندے کا نشان نہ دیکھو تو کھاؤ[۳]۔

(ابوداؤد)

؎۵۱ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ

؎۵۲ یعنی اپنے تیر کا نشان دیکھتا ہوں۔

۵۳ یعنی اگر درندے کا نشان پاؤ تو نہ کھاؤ اور اگر دوسرے کے تیر کا نشان پاؤ تو بھی نہ کھاؤ۔ جیسے کہ پہلی فصل میں بیان کردہ ان کی روایت میں ہے کہ فرمایا اگر تم صرف اپنے تیر کا نشان پاؤ، یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ نہ تو اس میں درندے کا نشان پاؤ اور نہ ہی دوسرے کے تیر کا۔

۳۹۰۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ[۲۲] صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوْسِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں مجوسیوں[۱] کے کتے کے شکار سے منع کیا گیا۔ (ترمذی)

۱ آگ کی عبادت کرنے والے ______ کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں، یعنی وہ جانور جسے مجوسی شکار کرے اگرچہ کتا مسلمان ہی کا ہو، ہاں اگر اسے زندہ پالے اور ذبح کرے تو حلال ہے۔ اور اگر مسلمان مجوسی کے کتے سے شکار کرے تو حلال ہے اور اگر مسلمان اور مجوسی کتا چھوڑنے یا تیر چلانے میں شریک ہوں تو شکار حلال نہیں ہے۔

۳۹۰۷ وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ[۲۳] قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى وَ الْمَجُوْسِ فَلَا نَجِدُ غَيْرَ اٰنِيَتِهِمْ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوْهَا بِالْمَآءِ ثُمَّ كُلُوْا فِيْهَا وَ اشْرَبُوْا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم سفر میں رہتے ہیں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے پاس سے گزرتے ہیں اور ہمیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ملتے، فرمایا: اگر تمہیں ان کے علاوہ برتن نہ ملیں تو انہیں پانی کے ساتھ دھولو، پھر ان سے کھاؤ پیو[۱]۔ (ترمذی)

۱ باب کی ابتدا میں بھی حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے، اس جگہ مجوسیوں کا ذکر نہ تھا۔ بلکہ شکار کا ذکر تھا، کیونکہ اس جگہ شکار کا ذکر مقصود تھا۔ اور اس جگہ برتن کا ذکر مقصود ہے

۳۹۰۸ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ[۲۴] عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

قبیصہ بن ہلب[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا۔ عیسائیوں کے کھانے کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى وَ فِيْ رِوَايَةٍ سَأَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الطَّعَامِ طَعَامًا أَتَحَرَّجُ مِنْهُ فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

بارے میں پوچھا[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص[۳] نے آپ سے دریافت کیا۔ اور کہا کہ کچھ کھانے وہ ہیں جن سے میں حرج[۴] محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا تمہارے سینے میں کوئی چیز نہیں آنی چاہیے[۵] اس شک میں تم نصرانیت[۶] کے مشابہ ہو گئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۵۱ قبیصہ قاف پر زبر، با کے نیچے زیر اور یا ساکن بن ہلب ہا پر پیش اور لام ساکن تابعی ہیں، ان کے والد صحابی ہیں، ابن مدینی اور نسائی نے انہیں مجہول قرار دیا۔ عجلی نے کہا کہ ثقہ تابعی ہیں، ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ امام ابوداؤد اور ترمذی نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

۵۲ کہ اسے کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۵۳ کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

۵۴ حرج کا معنی اصل میں تنگی ہے۔ گناہ کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں، اَتَحَرَّجُ کا معنی ہے میں گناہ سے بچتا ہوں، یعنی اس کے کھانے کو گناہ جانتا ہوں۔

۵۵ یعنی شک و شبہ، ایک روایت میں شے کی جگہ طعام کا ذکر ہے، شے عام ہے، لیکن سوال طعام کے بارے میں تھا۔

تخلج بے نقطہ حا، ابتدا میں اور جیم آخر میں، حق کا پکڑنا، خلوج بادل کی چمک، تخلج بجلی کا مضطرب ہونا۔ اسی طرح قاموس میں ہے، صاحب قاموس نے لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی چیز نہ آئے کیونکہ وہ پاکیزہ ہے یعنی مباح ہے (قاموس) ایک روایت میں لَا يَتَخَلَّجَنَّ نقطے والی خا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ خلجان سے مشتق ہے، شبہے کا دل میں پیدا ہونا۔

۵۶ یعنی رہبانیت اور اپنے اوپر سختی کرنے کے، جیسے کہ گزشتہ امتوں کے راہب کرتے تھے، نصرانیت کے ساتھ تخصیص اس لیے کہ سوال کرنے والے حضرت عدی بن حاتم تھے اور وہ اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے مطلب یہ کہ تم آسان اور سہولت والی ملت حنیفہ پر ہو۔ ظاہر پر عمل کرو اور دلیل کے بغیر شک و شبہ میں نہ پڑو۔ کیونکہ اس طرح تم وسوسے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

۳۹۰۹/۲۵ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِيْ تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ[1] کے کھانے سے منع فرمایا اور یہ وہ جانور ہے جسے باندھ کر تیر کا نشانہ بنایا جائے[2]۔ (ترمذی)

۱؎ مجثمہ میم پر پیش، جیم پر زبر، تین نقطے والی ثاء مشدد مفتوح۔

۲؎ اور اسے ذبح کی بجائے اس طریقے سے ہلاک کیا جائے، اصل میں جثوم کہتے ہیں کہ مرغ اپنا سینہ زمین پر رکھے، جیسے بُرُوک اونٹ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قتل اور ہلاک کو جثوم کہہ دیا جاتا ہے کہ اس طرح جانور زمین کے ساتھ چپک جاتا ہے، قرآن پاک میں فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ اسی معنی میں واقع ہوا ہے۔

۳۹۱۰/۲۶ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيْسَةِ وَاَنْ تُوْطَاَ الْحَبَالٰى حَتّٰى يَضَعْنَ مَا فِيْ بُطُوْنِهِنَّ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ يَحْيٰى سُئِلَ اَبُوْعَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ فَقَالَ اَنْ

حضرت عرباض بن ساریہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر کچلیوں والے درندے[2] اور ہر پنجوں[3] والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا، (اسی طرح) پالتو گدھوں[4] کے گوشت، اور ان جانوروں سے منع فرمایا جو ذبح کے بغیر ہلاک کیے گئے ہوں۔ یا درندے نے انہیں چیر پھاڑ ڈالا ہو[5]، اور حاملہ عورتوں سے وطی کرنے سے منع[6] فرمایا۔ یہاں تک کہ بچہ جنیں۔ محمد ابن یحییٰ[7] نے کہا کہ ابو عاصم سے مجثمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ پرندے یا کسی جانور کو کھڑا کرکے تیر کا نشانہ بنایا جائے[8] ان سے خلیسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو

تُنْصَبَ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمٰى وَ سُئِلَ وَ عَنِ الْخَلِيْسَةِ فَقَالَ الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ فَيَمُوْتُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا . (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

فرمایا کہ بھیڑیے یا درندے کا وہ شکار ہے جسے آدمی پالے اور اس سے چھین لے اور وہ جانور ذبح سے پہلے اس کے ہاتھ میں مر جائے ۵۵ (ترمذی)

۵۱ حضرت عرباض بن ساریہ، اصحاب صفہ میں سے صحابی ہیں اور ان حضرات میں شامل ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور سواری نہ ملنے پر روتے ہوئے اور حسرت زدہ ہو کر واپس گئے ۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

۵۲ اس جگہ ذی ناب (کیلوں والے، اگلے دو دانتوں کے دائیں بائیں جانب والے دانت) سے مراد وہ جانور نہیں جو دوڑتے ہیں اور کیلوں کے ساتھ چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ جیسے کہ شیر۔ بھیڑیا، چیتا اور ریچھ وغیرہ۔

۵۳ مخلب میم کے نیچے زیر خا ساکن، لام پر زبر، زخمی کرنے والے پنجے، جیسے چرغ، گدھ وغیرہ وہ جانور جو پنجے سے شکار کرتے ہیں۔

۵۴ پہلے پالتو گدھوں کا گوشت کھانا جائز تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے گوشت کی ہنڈیا جوش مار رہی تھی کہ حکم ہوا انہیں انڈیل دو۔

۵۵ خلیسہ نقطے والی خا پر زبر، لام کے نیچے زیر اور بے نقطہ سین۔ وہ جانور جسے بھیڑیا وغیرہ درندہ چیر پھاڑ دے اور اسے درندے کے منہ سے چھین لیا جائے مگر ذبح سے پہلے ہلاک ہو جائے۔

۵۶ یہ اس وقت ہے کہ گرفتار ہو کر آنے والی لونڈی ہو۔ اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش سے پہلے اور اگر حاملہ نہیں تو ایک حیض گزرنے سے پہلے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ استبراء نہ کر لیا جائے۔

۵۷ محمد بن یحییٰ نام کے بہت سے محدثین ہیں۔ اس جگہ محمد بن یحییٰ قطعی مراد ہیں قاف پر پیش بے نقطہ طا پر زیر، ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ نے روایت کی ہے۔ امام بخاری کے استاد ابو عاصم شیبانی ان سے روایت کرتے ہیں۔

۵۸ جیسے کہ حضرت ابوالدرداء کی حدیث میں بیان کیا گیا۔
۵۹ خلیسہ مشتق ہے خلس اور اختلاس سے، جس کا معنیٰ ہے چھین لینا۔

۳۹۱۱/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطٰنِ زَادَ ابْنُ عِيْسٰى هِىَ الذَّبِيْحَةُ يُقْطَعُ مِنْهَا الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شریطۃ الشیطان کے کھانے سے منع فرمایا، ابن عیسیٰ نے اضافہ کیا یہ وہ ذبیحہ ہے جس کی کھال کاٹ دی جائے اور گردن کی رگیں نہ کاٹی جائیں[۱] پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے[۲] (ابوداؤد)

۱ حالانکہ ذبح کرنے کا مطلب گردن کی رگیں کاٹنا ہی ہے۔ فری فاء پر زبر اور راء ساکن، کاٹنا اوداج جمع ہے۔ ودج کی واؤ پر زبر، اس کے بعد دال، گردن کی رگ۔
۲ اہل جاہلیت چارپائے کے گلے کا کچھ چمڑا کاٹ کر اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جائے اسے شریطہ اس لیے کہا گیا ہے کہ شرط کا معنیٰ نشتر مارنا ہے۔ یہ شرط حجام سے ماخوذ ہے یا شرط کا معنیٰ علامت ہے اور شیطان کی طرف اس کی اضافت اس لیے ہے کہ اس عمل پر ابھارنے والا اسے حسین بنانے والا اور اس عمل سے راضی ہونے والا وہی ہے۔

۳۹۱۲/۲۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَكٰوةُ الْجَنِيْنِ ذَكٰوةُ اُمِّهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پیٹ میں موجود بچے کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے[۱] (ابوداؤد، دارمی)
امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابوسعید سے روایت کی۔

۱ صراح میں ہے ذکوۃ نقطے والے ذال کے ساتھ اور تذکیہ کا معنیٰ ہے بکری کا گلا کاٹنا ـــــ یعنی ہمارا ذبح کرنا پیٹ کے بچے کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا اگر ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ تینوں امام (مالک، شافعی اور احمد) اسی کے قائل ہیں امام احمد اور امام شافعی

کے نزدیک وہ حلال ہے خواہ اس کے بال پیدا ہوئے ہوں یا نہ، امام مالک کے نزدیک اگر بچہ پورا بن چکا ہے اور اس کے بال پیدا ہو گئے ہیں تو وہ حلال ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحب ہدایہ کے مطابق صاحبین کے نزدیک بھی اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ زندہ نکلا اور اسے ذبح کیا گیا تو حلال ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شکار پانی میں گر جائے تو اسے نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے مرا ہو۔ جب روح کے نکلنے کا سبب مشکوک ہو تو آپ نے اس کا کھانا حرام قرار دیا۔ پیٹ کے بچے میں بھی یہی صورت موجود ہے۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ وہ ذبح سے مرا ہے یا دم گھٹنے سے، اور اگر زندہ نکلا تو بالاتفاق اس کا ذبح کرنا واجب ہے، امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے میں بھی کلام ہے۔

۳۹۱۳ / ۲۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَنْحَرُ النَّاقَۃَ وَ نَذْبَحُ الْبَقَرَۃَ وَ الشَّاۃَ فَنَجِدُ فِیْ بَطْنِہَا الْجَنِیْنَ اَنُلْقِیْہِ اَمْ نَاْکُلُہٗ قَالَ کُلُوْہُ اِنْ شِئْتُمْ فَاِنَّ ذَکَاتَہٗ ذَکٰوۃُ اُمِّہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اونٹنی[1]، گائے[2] اور بکری ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں بچہ پاتے[3] ہیں تو کیا اسے پھینک دیں یا کھا لیں؟ فرمایا۔ اگر چاہو تو کھالو۔ کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ نحر کا معنی ہے اونٹ کے سینہ میں نیزہ مارنا۔ اونٹ میں یہی سنت ہے۔ اگرچہ ذبح بھی جائز ہے۔
۲؎ ذبح گلے کی رگوں کا کاٹنا، جیسے کہ گائے اور بکری میں چاہیے
۳؎ یعنی مرا ہوا۔

۳۹۱۴ / ۳۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَہَا بِغَیْرِ حَقِّہَا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے چڑیا یا اس سے بڑھ کر[1] کسی جانور کو اس کے حق کے بغیر قتل کیا[2] تو اللہ تعالیٰ اس سے اس

سَاَلَہُ اللّٰہُ عَنْ قَتْلِہٖ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا حَقُّھَا قَالَ اَنْ یَّذْبَحَھَا فَیَاْکُلَھَا وَلَا یَقْطَعَ رَاْسَھَا فَیَرْمِیْ بِھَا۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

کے قتل کے بارے میں پوچھے گا[۳]۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ان کا حق کیا ہے؟ فرمایا: یہ کہ انہیں ذبح کرے اس طرح نہ کرے کہ ان کا سر کاٹ کر انہیں پھینک دے۔ (احمد، نسائی، دارمی)

۱؎ جسم کے چھوٹا ہونے اور اس کے حقیر ہونے میں یا بڑا ہونے میں بڑھ کر۔
۲؎ اس طرح قتل کیا جس طرح قتل نہ کرنا چاہیے تھا اور وہ جانور حلال نہیں ہوا۔
۳؎ یعنی قیامت کے دن اس بارے میں اس سے باز پرس ہوگی اور وہ اس بنا پر ماخوذ ہوگا۔

۳۹۱۵ وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ[۱] قَالَ[۲] قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ وَھُمْ یَجُبُّوْنَ اَسْنِمَۃَ الْاِبِلِ وَیَقْطَعُوْنَ اَلْیَاتِ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا یُقْطَعُ مِنَ الْبَھِیْمَۃِ وَھِیَ حَیَّۃٌ فَھِیَ مَیْتَۃٌ لَا تُؤْکَلُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو واقد لیثی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ اونٹوں کی کوہانیں[۲] اور بھیڑوں کی چکیاں[۳] کاٹ لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے کھایا نہ جائے۔ (ترمذی۔ ابو داؤد)

۱؎ حضرت ابو واقد لیثی ان کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے، قدیم الاسلام صحابی ہیں بعض علماء نے کہا کہ بدر میں حاضر ہوئے اور اس وقت ان کے پاس بنو لیث کا جھنڈا تھا بعض نے کہا فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اہل مدینہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔
۲؎ جَبّ جیم اور اس کے بعد بار کا ٹنا، باب نصر، اسنمۃ جمع ہے سنام کی سین پر زبر (کوہان)
۳؎ الیات جمع ہے "اَلْیَۃ" کی ہمزہ پر زبر، مطلب یہ ہے کہ زندہ جانوروں کی کوہانیں اور چکیاں کاٹ کر کھاتے تھے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۹۱۶/۳۲ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ بَنِيْ حَارِثَةَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْعٰى لِقْحَةً بِشِعْبٍ مِّنْ شِعَابِ اُحُدٍ فَرَاٰى بِهَا الْمَوْتَ فَلَمْ يَجِدْ مَا يَنْحَرُهَا بِهٖ فَاَخَذَ وَتَدًا فَوَجَاَ بِهٖ فِيْ لَبَّتِهَا حَتّٰى اَهْرَاقَ دَمَهَا ثُمَّ اَخْبَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهٗ بِاَكْلِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَمَالِكٌ) وَّفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ)

حضرت عطاء بن یسار[1]، بنی حارثہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اُحد پہاڑ کے ایک درے میں حاملہ اونٹنی[2] چرا رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ اونٹنی مر رہی ہے انہوں اس کے نحر کرنے کے لیے کوئی چیز[3] نہ ملی تو انہوں نے ایک کیل[4] لے کر اس کی گھنڈی (گلے) میں گھونپ[5] دی۔ یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع پیش کی تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (ابو داؤد، مالک) امام مالک کی روایت میں ہے کہ اسے تیز دھار لکڑی[6] سے ذبح کیا۔

۱ عطاء بن ابی یسار مشہور اور ثقہ تابعی ہیں۔ مدینہ منورہ کے اکابر علماء میں سے ہیں، انہوں نے بڑی تعداد میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ۱۰۴ھ میں چوراسی سال کی عمر میں وصال ہوا۔

۲ لقحۃ لام کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ وہ اونٹنی جس کے بچے کی پیدائش قریب ہو۔ شِعْب پہلے حرف کے نیچے زیر۔ دو پہاڑوں کا درمیانی خلا، دو پہاڑوں کے درمیان راستہ ہو اور پانی کی گزرگاہ۔

۳ مثلاً نیزہ اور چھری وغیرہ

۴ وتد واؤ پر زبر اور زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۵ وجأ چھری گھونپ دینا

۶ شظاظ شین کے نیچے زیر، دونوں ظاء نقطے والی، وہ لکڑی جس کی دونوں طرفیں تیز ہوں اسے دو بوروں کے درمیان رکھا جاتا ہے۔

۳۹۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْبَحْرِ اِلَّا وَقَدْ ذَكَّاهَا اللّٰهُ لِبَنِي اٰدَمَ۔
۳۳

(رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دریا کا کوئی جانور نہیں ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اولادِ آدم کے لیے ذبح فرما دیا ہے[۱]۔

(دار قطنی)

[۱] یعنی ذبح کے بغیر حلال ہے اور اس کا دریا سے شکار کرنا ذبح کا حکم رکھتا ہے ــــــــ اس حدیث کے ظاہر سے تمام دریائی جانوروں کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے مچھلی تو اتفاقاً حلال ہے۔ باقی جانوروں میں اختلاف ہے[۱]۔

---

[۱] ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور اہل علم کی ایک جماعت قائل ہے کہ دریا کی ہر چیز حلال ہے۔ بعض نے اس میں سے دریائی خنزیر، کتے اور انسان کی تخصیص کی ہے، امام شافعی کے نزدیک سب چیزیں حلال ہیں۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ تمہارے لیے دریا کا شکار حلال کیا گیا ہے۔ دریا کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔ نیز حرمت کا سبب خون ہے اور ان چیزوں میں خون نہیں ہے کیونکہ خون والی چیز پانی میں نہیں رہتی۔ احناف کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ۔ رسول اللہ ان پر خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ مچھلی کے علاوہ وہ جتنی چیزیں ہیں طبیعت سلیمہ ان سے گھن محسوس کرتی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دوا کے استعمال سے منع فرمایا جس میں مینڈک ڈالا جاتا ہے۔ (ابو داؤد) نیز کیکڑے کی بیع سے منع فرمایا۔ آیت کریمہ میں صید سے مراد شکار کرنا ہے اور شکار کرنا ہر جانور کا جائز ہے۔ حدیث پاک میں مردے سے مراد مچھلی ہے اور وہ دوسری مردہ چیزوں کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ لیکن مردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون۔ جگر اور تلی ہیں۔ ۱۲ قادری۔

# بَابُ ذِكْرِ الْكَلْبِ

# ۲۹۲۔ کتے کا بیان

اس باب میں بیان کریں گے کہ کس کتے کا پالنا جائز ہے اور کس کا پالنا جائز نہیں ہے۔ کس کو مارنا جائز ہے اور کس کو نہیں؟ ــــــ کتاب الصید میں کتے کا ذکر گزرا ہے۔ اسی مناسبت سے کتے کے بعض احکام بھی بیان کر دیئے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۳۹۱۸/۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْضَارٍ نُقِصَ مِنْ عَمَلِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جانوروں کے محافظ یا شکاری[1] کتے کے علاوہ دوسرا کتا پالے اس کے عمل سے ہر دن دو قیراط[2] کم کر دیئے جائیں گے (صحیحین)

[1] ضار نقطے والے ضاد کے ساتھ بروزن قاضٍ، شکاری کتا، ضرآدۃ کا معنی ہے کتے کا شکار کے پیچھے دوڑنا۔

[2] کتا پالنے کی سزا کے طور پر، کیونکہ اس کی وجہ سے (رحمت کے) فرشتے گھر میں داخل نہیں ہوں گے، وہ برتنوں میں منہ ڈالے گا اور لوگوں کو اذیت دے گا۔ قیراط نصف دانگ کو کہتے ہیں (دانگ چھ رتی کو کہتے ہیں ۱۲ اغیاث) اس جگہ وہ مقدار مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے (ہمیں سمجھانے کے لیے لفظ قیراط استعمال کیا گیا ہے ۱۲ ق)

۳۹۱۹/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ مَاشِیَةٍ اَوْ صَیْدٍ اَوْ زَرْعٍ اِنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص جانوروں کے محافظ، شکاری کتے یا کھیتی کے پاسبان کے علاوہ کتا پالے اس کے ثواب سے ہر دن ایک قیراط کم ہو جائے گا[۵]۔ (صحیحین)

[۵] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی مثل ہے، اس جگہ کھیتی کے محافظ کتے کا اضافہ ہے، نیز ثواب میں ایک قیراط کی کمی بیان فرمائی۔ پہلی حدیث میں دو قیراط کی کمی کا ذکر ہے، اس فرق کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یا تو کتے کی مختلف قسموں کی وجہ سے ہے۔ جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔

۲۔ یا مواضع اور مقامات کے مختلف ہونے کے سبب ہے مثلاً حرم یا غیر حرم میں، یا شہروں اور گاؤں میں دو قیراط صحراؤں اور جنگلوں میں ایک قیراط۔

۳۔ یا یہ اختلاف زمانوں کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

۴۔ یا پہلے ایک قیراط کے نقصان کا حکم فرمایا اور جب کتوں سے اختلاط اور ان کی محبت زیادہ ہوئی تو زجر و توبیخ میں اضافہ ہو گیا۔

۵۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں حدیثوں میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ اقتنار کتے کے پالنے سے زائد ہے (یعنی اقتنار صرف کتے کے پالنے کو نہیں کہتے بلکہ پال لینے اور اس سے میل جول رکھنے اور محبت کرنے کو کہتے ہیں اس لیے ثواب میں دو قیراط کی کمی ہوگی۔ ۱۲ ق)

۳۹۲۰/۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْکِلَابِ حَتّٰی اَنَّ الْمَرْاَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِیَةِ بِکَلْبِهَا فَنَقْتُلُهٗ ثُمَّ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں کتوں کے مارنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت اپنے کتے کے ہمراہ جنگل سے آتی[۱] تو ہم اس کے کتے کو مار ڈالتے[۲]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قتل سے منع فرمایا۔ اور فرمایا

وَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَاِنَّهُ شَيْطَانٌ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

خاص طور پر ایک رنگ والے کالے سیاہ کتے کو مارو جس کی آنکھوں پر دو سفید نقطے ہوں، کیونکہ وہ شیطان ہے۔

(مسلم)

۱ تَقَدَّم تار اور دال مشدد پر زبر اور میم مضموم

۲ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حکم مدینہ منورہ کے ساتھ خاص تھا جہاں وحی کے انوار اور فرشتے نازل ہوتے تھے کتے فرشتوں کے داخلے سے مانع ہوتے ہیں اس لیے لائق تھا کہ مدینہ منورہ کو کتوں سے پاک کیا جاتا۔ عورت کی تخصیص اس لیے ہے کہ عورتیں جنگلوں میں رہتی ہیں۔ کتے پالتی ہیں اور انہیں کتوں کے رکھنے کی حاجت زیادہ ہوتی ہے یا اتفاقیہ عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳ بہیم ایک رنگ والا۔

۴ اس کتے کو شیطان اس لیے فرمایا گیا کہ اس میں خباثت زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سب کتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے، پاسبانی میں نکما اور شکار کرنے سے دور رہتا ہے۔ حتیٰ کہ امام احمد نے فرمایا کہ سیاہ کتے کا شکار حلال نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ ائمہ کا کاٹنے والے اور مضرت رساں کتے کے قتل کرنے میں اتفاق ہے۔ اگرچہ سیاہ نہ ہو۔

۳۹۲۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ مَاشِيَةٍ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکاری کتے یا بکریوں یا چوپایوں[۱] کے محافظ کے ماسوا کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

(صحیحین)

۱ راوی کو شک ہے کہ بکریوں کا محافظ فرمایا یا چوپایوں کا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۹۲۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبد اللہ بن مغفل[۵] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سَلَّمَ قَالَ لَوْ لَا اَنَّ الْكِلَابَ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ لَاَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ اَسْوَدَ بَهِيْمٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ الدَّارِمِيُّ) وَ زَادَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَآئِيُّ وَ مَا مِنْ اَهْلِ بَيْتٍ يَّرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا اِلَّا نُقِصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ حَرْثٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ۔

فرمایا، اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو ہم ان سب کے قتل کا حکم دے دیتے[2] تو ان میں سے ہر ایک رنگ والے کالے سیاہ کو قتل کر دو[3]۔

(ابوداؤد، دارمی)

(امام ترمذی اور نسائی نے اضافہ کیا کہ جس گھر والے کتا باندھتے ہیں۔ ان کے عمل سے ہر دن ایک قیراط کم کر دیا جاتا ہے۔ سوائے شکار، یا کھیتی یا بکریوں کے کتے کے۔

[1] عبداللہ بن مغفل میم پر پیش، نقطے والی غین پر زبر، فا مشدد مفتوحہ۔ ـــــــــ مشہور صحابی ہیں۔

[2] اگر ہم ان سب کے قتل کا حکم دے دیں تو مخلوق خدا میں سے وہ گروہ (نوع) ناپیدا ہو جائے گا، اور یقینی بات ہے کہ اس گروہ کے وجود میں ضرور کوئی حکمت ہوگی، امت جنس حیوان کی ایک نوع ہے امم جمع۔

[3] چونکہ سب کو ہلاک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے اسے ہلاک کرو جو زیادہ نقصان دہ ہے اور وہ ایک رنگ والا سیاہ کتا ہے۔

۳۹۲۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ[1] نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَآئِمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاپایوں کے لڑانے[1] سے منع فرمایا۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اللہ رحم فرمائے آج مسلمانوں میں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

لہ جیسے اونٹوں اور بیلوں کو لڑوایا جاتا ہے، مرغوں کے لڑانے کا بھی یہی حکم ہے۔

---

# بَابُ مَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَمَا يَحْرُمُ

## ۲۹۲- ان جانوروں کا بیان جن کا کھانا حلال ہے اور جن کا کھانا حرام ہے

یاد رہے کہ قرآن پاک سے چار چیزوں کی حرمت ثابت ہے (۱) مردار (۲) ذبح کے وقت بہنے والا خون۔ (۳) خنزیر کا گوشت (۴) وہ جانور جو غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے جیسے کہ آیت کریمہ قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا (الآیہ) سے ثابت ہے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت نے چند دوسری چیزوں مثلاً ہر کیلوں والے یا پنجے سے شکار کرنے والے جانور اور پالتو گدھوں وغیرہ کا اضافہ کیا، ان میں سے بعض کی حرمت احادیث کے قطعی ہونے کی بنا پر متفقہ ہے اور بعض کی حرمت احادیث کے اختلاف کی وجہ سے آئمہ کے درمیان اختلافی ہے۔ اختلاف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بنا پر پیدا ہوا۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (۷/۱۵۷) ہمارے حبیب ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔ ہمارے آئمہ نے اس آیت سے مچھلی کے علاوہ پانی کے دوسرے جانوروں کی حرمت پر استدلال کیا ہے، ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور اہل علم

---

(حاشیہ صفحہ سابقہ) مرغ لڑانا، کتے لڑانا، اونٹ بیل لڑانے کا بہت شوق ہے۔ یہ حرام سخت حرام ہے، کہ اس میں بلاوجہ جانوروں کو ایذا رسانی ہے۔ اپنا وقت ضائع کرنا، بعض جگہ مال کی شرط پر جانور لڑائے جاتے ہیں۔ یہ جوا بھی ہے، اور حرام در حرام ہے۔ جب جانوروں کا لڑانا حرام ہے تو انسان کا لڑانا سخت حرام ہے۔ خیال رہے کہ اسلامی فوج کو کفار سے لڑانا جہاد ہے۔ یوں ہی مشق کے لیے تیاری اور جہاد کے لیے کشتی لڑنا، لڑانا جہاد کی تیاری ہے۔ یہ دونوں کام عبادت ہیں۔ مسلمانوں کی آپس میں جنگ کرانا یہ حرام ہے۔ لڑانا اور چیز ہے کشتی اور جہاد اور چیز ہے ۱۲ مرآۃ۔

کی ایک جماعت اس امر کی قائل ہے کہ سمندر میں جتنی چیزیں ہیں سب حلال ہیں۔ بعض علماء نے سمندری خنزیر، کتے اور انسان کا استثناء کیا ہے، امام شافعی سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ تمہارے لیے سمندر کا شکار حلال کیا گیا، سے استدلال کرتے ہوئے سب کو حلال قرار دیا، نیز سمندر کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال کیا هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ اس کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اور ان پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں مچھلی کے علاوہ سمندر کا ہر جانور خبیث ہے۔ خبیث، طیب (پاکیزہ) کی ضد ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے طبیعت سلیمہ پلید جانے، مچھلی کے علاوہ ہر جانور کو طبیعت سلیم خبیث جانتی ہے، امام احمد نے فرمایا کہ کتاب و سنت میں جن چیزوں کی حرمت منصوص ہے ان کے علاوہ جس چیز کو عرب طیب کہیں وہ حلال ہے اور جسے خبیث جانیں وہ حرام ہے کیونکہ مخاطب عرب ہیں کہتے ہیں کہ عرب سے مراد اہل حجاز اور شہروں کے باشندے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک ان پر نازل ہوا۔ بادیہ نشینوں کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ ضرورت اور بھوک کی بنا پر جو ملے کھا لیتے ہیں۔ اب گفتگو اس مسئلے میں چل پڑتی ہے کہ اشیاء میں اصل ممانعت ہے، اباحت ہے یا توقف، اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی کتاب، کتاب الخرقی اور اس کی شرح میں ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۹۲۴ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ ذِىْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ فَاَكْلُهٗ حَرَامٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر کچلیوں والا جانور درندہ[1] ہے لہٰذا اس کا کھانا حرام ہے۔ (مسلم)

[1] اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ذی ناب درندے سے مراد وہ جانور ہے جو نوکیلے دانت سے شکار کرتا مثلاً شیر، بھیڑیا اور چیتا وغیرہ۔

۳۹۲۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِىْ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے

نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

درندے اور ہر پنجوں والے پرندے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

۳۹۲۶ / ۳ وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پالتو گدھوں[1] کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ (صحیحین)

[1] یہ احتراز ہے جنگلی گدھوں سے جنہیں گورخر کہتے ہیں اور وہ بالاتفاق حلال ہیں۔

۳۹۲۷ / ۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَ اَذِنَ فِيْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشتوں کی اجازت دی[1]۔ (صحیحین)

[1] سلف و خلف کے ائمہ کا گھوڑے کے گوشت کے مباح ہونے پر اتفاق ہے، البتہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک سے اس کا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہونا مروی ہے، فتاوٰی سراجیہ میں ہے کہ گھوڑے کا گوشت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اس کے بعد امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت تحریمی مراد ہے، ان کے بھائی امام فخر الاسلام علی بزدوی نے فرمایا کہ کراہت تنزیہی مراد ہے امام سرخسی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے اور صاحبین کے قول میں لوگوں کے لیے زیادہ وسعت ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور راجح یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اس جگہ دو روایتیں ہیں اور کراہت تحریمی کی روایت معروف ہے، مختصر ابو مکارم کی شرح میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک حلال ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ فتاوٰی عمادیہ میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے، نظم نسفی میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ اسی طرح امام قاضی خان نے

اپنے فتاویٰ کی کتاب الذبائح اور کتاب الاشربہ میں بیان فرمایا، ہدایہ میں ہے کہ یہی اصح ہے، یہی صاحب حصر (غالباً صاحب بحر ہے ۱۲ قادری) کا مختار ہے۔

کافی میں ہے کہ مکروہ ہے کراہت تنزیہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس کی کراہت عزت کی بنا پر ہے تاکہ اس کے مباح قرار دینے سے آلۂ جہاد کی قلت پیدا نہ ہو، کراہت پلید ہونے کی بنا پر نہیں ہے اسی لیے اس کا جھوٹا پاک ہے، یہ ظاہر روایت ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح امام فخر الاسلام اور ابو معین نے اپنی اپنی جامع میں بیان کیا اسی طرح امام قاضی خان نے اپنی جامع میں بیان کیا، امام اسبیجابی نے فرمایا، یہی اصح ہے، امام سرخسی نے فرمایا، اس میں لوگوں کے لیے زیادہ نرمی ہے، کیونکہ ظاہر عرف یہ ہے کہ اس کا گوشت بغیر کسی انکار کے فروخت کیا جاتا ہے، کفایۃ المنتہی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے گھوڑے کا گوشت کے حرمت کے قول سے اپنے وصال سے تین دن پہلے رجوع کیا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

مواہب لدنیہ میں اس مسئلے کے اصول و فروع پر طویل گفتگو کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ گھوڑے کے گوشت کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، امام شافعی اور جمہور سلف و خلف قائل ہیں کہ بغیر کراہت کے جائز ہے، حضرت عبد اللہ بن زبیر حضرت انس بن مالک اور حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسی کے قائل ہیں، صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اسے کھایا، اس وقت ہم مدینہ منورہ میں تھے، دارقطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ہم نے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت نے اسے کھایا، فتح الباری میں فرمایا کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس قول سے کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جہاد کے بعد کا ہے، اس سے ان حضرات کا قول رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ چونکہ گھوڑا آلاتِ جہاد میں سے ہے اس لیے اس کا کھانا ممنوع ہے، ان کا یہ فرمانا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت نے بھی کھایا، ان حضرات پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے کھانے پر مطلع ہوئے ہوں کیونکہ حضرت ابو بکر کی آل سے یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسے کام کا ارتکاب کریں گے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا جب تک کہ انہیں اس کے جائز ہونے کا علم نہ ہو کیونکہ ان کا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت سے جدا نہیں ہوئے، علاوہ ازیں صحابہ کرام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کرنے کا شوق بھی بہت تھا، اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ اگر صحابی کہے کہ ہم فلاں کام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمان شریف میں کیا کرتے تھے تو یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جب دوسرے صحابۂ کرام کے بارے میں یہ حکم ہے تو حضرت ابو بکر کی آل کے بارے

یہ حکم کیوں نہ ہوگا ؛ امام طحاوی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ گھوڑے کا گوشت کھانے کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں، صاحبین اور دیگر ائمہ نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس کے حلال ہونے کے بارے میں وارد احادیث متواترہ سے استدلال کیا ہے (اھ)

بعض تابعین نے اس کا حلال ہونا صحابہ کرام سے مطلقاً بغیر کسی استثناء کے نقل کیا ہے ابن ابی شیبہ نے شرط شیخین کے مطابق سند صحیح سے حضرت عطاء سے روایت کیا کہ تمہارے اسلاف ہمیشہ اسے کھایا کرتے تھے، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے عرض کیا کہ کیا سلف سے آپ کی مراد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں ؟ انہوں نے کہا ہاں ! میری مراد صحابہ کرام ہی ہیں، البتہ اس کی کراہت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک روایت ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے دو ضعیف سندوں سے نقل کیا ہے۔ اکابر علمائے مالکیہ میں سے ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ جواز کی دلیل واضح ہے۔ لیکن امام مالک کے مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر گھوڑے جہاد میں استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن یہ بات خارج از بحث ہے، اس میں کلام نہیں ہے۔ ایسا جانور جو بالاتفاق جائز ہو، اس کے بارے میں اگر کوئی ایسا امر پیدا ہو جائے کہ اس جانور کے ذبح کرنے سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب لازم آئے تو اس کا ذبح کرنا ممنوع ہو جائے گا، حالانکہ ضروری نہیں کہ اس کی حرمت کا قول کیا جائے (اھ)

بعض تابعین کہتے ہیں کہ اگر گھوڑا حلال ہوتا تو اس کی قربانی جائز ہوتی، ان کا یہ قاعدہ بہت سے وحشی حیوانات سے ٹوٹ جائے گا جن کا کھانا جائز ہے مگر ان کی قربانی جائز نہیں ہے۔ حضرت خالد بن ولید کی حدیث امام ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا، وہ حدیث ضعیف ہے، اگر اس کا ثابت ہونا تسلیم کر لیا جائے تو وہ حضرت جابر کی حدیث کے معارض نہیں بن سکتی جو جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے، حضرت خالد بن ولید کی حدیث کو امام احمد، بخاری، دارقطنی، خطابی، ابن عبدالبر اور عبدالحق وغیرہم نے ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض محدثین نے کہا کہ حضرت جابر کی حدیث حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا : رَخَّصَ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رخصت دی) کیونکہ رخصت کا معنیٰ ہے مانع کی موجودگی میں حرام کو مباح قرار دینے کی اجازت، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیبر میں صحابہ کرام کو شدید بھوک لاحق تھی اس لیے انہیں اجازت دے دی گئی۔ لہٰذا یہ حدیث مطلقاً جائز ہونے پر دلالت نہیں کرے گی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اکثر روایات میں اذان کا لفظ آیا ہے جیسے کہ مشکوۃ شریف میں مذکور صحیحین کی حدیث میں ہے۔

نیز اگر گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت اور اس کی رخصت شدید بھوک کی بنا پر ہوتی تو پالتو گدھوں

کی اجازت بطریق اولیٰ ہونا چاہیے تھی اور وہ قرین قیاس بھی تھی کیونکہ گدھے بکثرت تھے اور گھوڑے قلیل مقدار میں تھے، اس لیے حدیث کا مفاد یہ ہے کہ گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت، عام اباحت کی بنا پر تھی۔ خاص طور پر ضرورت کی بنا پر تھی، منع کرنے والے حضرات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت) علماء نے اس کا جواب بھی دیا ہے، اس مسئلے پر مکمل گفتگو شرح میں کی گئی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳۹۲۸ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَعَقَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَيْءٌ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک وحشی گدھا دیکھا اور اسے زخمی کر کے ہلاک کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اس کے گوشت کا کچھ حصہ ہے؟ عرض کیا ہمارے پاس اس کا پایہ ہے، آپ نے لے کر تناول فرمایا[۱] (صحیحین)

[۱] یہ حدیث اور اس کے احکام کتاب الحج کے اس باب میں مذکور ہیں جس میں محرم کے لیے غیر محرم کے شکار کھانے کا بیان ہے۔

۳۹۲۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا فَقَبِلَهٗ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے مر الظہران[۱] میں ایک خرگوش کو بھگایا اور میں اسے پکڑ کر حضرت ابو طلحہ کے پاس لایا، انہوں نے اسے ذبح کیا اور اس کی سرین اور دونوں رانیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں جو آپ نے قبول کر لیں[۲] (صحیحین)

[۱] مر الظہران میم پر زبر، را مشدد، نقطے والی ظا پر زبر اور ہا ساکن (جگہ کا نام) نفخ نون، فا اور جیم خرگوش کا چھلانگ لگانا اور دوڑنا انفاج بھڑکانا اور دوڑانا۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ خرگوش جسے اَرْنَب کہتے ہیں حلال ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ خرگوش کے

کھانے میں حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا گیا تو آپ نے صحابہ کرام کو اس کے کھانے کا حکم دیا۔

۳۹۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الضَّبُّ لَسْتُ اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں گوہ کھاتا ہوں اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتا ہوں[۱]۔ (صحیحین)

[۱] ضب نقطے والے ضاد کے ساتھ، امام شافعی اور احمد کے نزدیک اس حدیث کی بنا پر گوہ کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کھاؤ کہ یہ حلال ہے۔ لیکن یہ میرا طعام نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ گوہ کے حلال ہونے اور مکروہ نہ ہونے پر امت کا اجماع ہے سوائے اس کے جو امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے مروی ہے، ہمارے نزدیک حلال نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت عائشہ نے اس کے کھانے کے بارے میں پوچھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ دوسری فصل میں حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کی روایت سے آئے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا، مختصر یہ کہ جب احادیث میں اختلاف ہے تو احتیاط اس کے نہ کھانے میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہی ناسخ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضب مشہور جانور ہے، اسی طرح قاموس میں ہے صراح میں ہے ضب گوہ، علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ضب زمین پر چلنے والا چھوٹا اور لطیف جانور ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نر کے دو عضو تناسل ہوتے ہیں۔ جن کی جڑ ایک ہوتی ہے وہ سات سو سال تک زندہ رہتا ہے اور پانی نہیں پیتا بلکہ ہوا پر اکتفا کرتا ہے۔ چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے، اور اس کے دانت نہیں گرتے۔ شیخ الاسلام کے رسالہ صیدیہ میں ہے ضب ضاد کی زبر کے ساتھ فارسی میں سوسمار کہتے ہیں۔ وہ پانی نہیں پیتا۔ ہوا اور ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔ اس کی مادہ ستر انڈے دیتی ہے۔ کہتے ہیں کہ سات سو سال تک زندہ رہتا ہے، اس کے نر کے دو عضو تناسل ہوتے ہیں اور مادہ کی دو شرمگاہیں ہوتی ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک گوہ نے فصیح زبان کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔

۳۹۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے انہیں بیان کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَ هِيَ خَالَتُهٗ وَ خَالَةُ ابْنُ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَّحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ اَلضَّبُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَّمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهٗ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهٗ فَاَكَلْتُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيَّ -

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ہمراہ حضرت میمونہ[1] کے پاس گئے وہ ان کی اور ابن عباس دونوں کی خالہ ہیں۔ تو ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ پائی[2] انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں گوہ پیش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک گوہ سے اٹھا لیا[3]، حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں۔ یہ ہماری قوم کی زمین میں نہ تھی تو میں اپنے آپ کو اس حال میں پاتا ہوں کہ اسے مکروہ جانتا ہوں[4]۔ حضرت خالد نے فرمایا: میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کھایا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری طرف دیکھ رہے تھے[5]

(صحیحین)

[1] ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

[2] حضرت خالد بن ولید نے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ________ حنذ بے نقطہ حاء نون اور نقطے والی ذال، گرم پتھر، گوشت پر رکھ دینا یہاں تک کہ وہ پک جائے اور اس کے گوشت کو حنیذ کہتے ہیں۔

[3] اور اس کے کھانے سے انکار کیا۔

[4] طبعی کراہت سے، لیکن اسے حرام نہیں فرمایا کیونکہ اس کے بارے میں کوئی وحی نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔

[5] اور مجھے منع نہیں فرمایا۔ اگرچہ حضرت خالد بھی اسی زمین (مکہ مکرمہ) سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہیں طبعی کراہت لاحق نہیں ہوئی۔

۳۹۳۲ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغ[1] کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا۔

(صحیحین)

[1] قاموس میں ہے کہ لفظ دجاج کا اطلاق نر اور مادہ دونوں پر کرتے ہیں۔ دال پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، علامہ سیوطی نے فرمایا: بعض علما نے کہا نر کے لیے دال کی زیر کے ساتھ اور مادہ کے لیے زبر استعمال کرتے ہیں۔

۳۹۳۳ وَعَنِ ابْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّا نَاْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو اوفیٰ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں سات غزوات میں حصہ لیا۔ ہم آپ کے ساتھ ٹڈی کھایا کرتے تھے[2]۔

(صحیحین)

[1] حضرت ابو اوفیٰ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یہ حدیث امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ امام مسلم کی روایت میں لفظ معہ نہیں ہے اور اکثر روایات اس زیادتی سے خالی ہیں، جن حضرات نے اس زیادتی کا ذکر کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتے تھے اور ٹڈی کھاتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اکٹھے کھایا کرتے تھے یہ مطلب اگرچہ ظاہر لفظ کے خلاف ہے، لیکن ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ٹڈی تناول نہیں فرمائی اور فرمایا کہ نہ تو ہم کھاتے ہیں اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتے ہیں۔

۳۹۳۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَاُمِّرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِيْدًا فَاَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جیش الخبط[1] (پتوں والے لشکر) میں جہاد کیا، حضرت ابو عبیدہ[2] امیر بنائے گئے تھے۔ ہمیں سخت بھوک لاحق

مَيِّتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَ اَبُوْعُبَيْدَةَ عَظْمًا مِّنْ عِظَامِهٖ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَ اَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَاَكَلَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہوئی، سمندر نے اتنی بڑی مردہ مچھلی کنارے پر ڈال دی کہ اس جیسی مچھلی ہم نے نہیں دیکھی تھی [۳]۔ اسے عنبر [۴] کہا جاتا ہے۔ ہم اس سے نصف ماہ [۵] تک کھاتے رہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ایک ہڈی [۶] پکڑی تو سوار اس کے نیچے سے گزر گیا [۷]، جب ہم آئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: وہ رزق کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا [۸] اور تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ [۹]۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا کچھ حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے تناول فرمایا۔

(صحیحین)

[۱] جیش الخبط نقطے والی خاء اور باء دونوں پر زبر، باء ساکن بھی آئی ہے، وہ پتے جو درخت پر لاٹھی کے مارنے سے زمین پر گرتے ہیں، اس جہاد کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ مجاہدین حالت اضطرار میں درختوں کے پتے کھاتے تھے، یہاں تک کہ منہ اور ہونٹ زخمی ہو گئے اور اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہو گئے، اس جہاد کو غزوہ سیف البحر بھی کہتے ہیں سین کے نیچے زیر اور یاء ساکن سمندر کا کنارہ جو مدینہ منورہ سے پانچ رات کی مسافت پر تھا۔ یہ غزوہ ۶ھ صلح حدیبیہ سے پہلے تھا۔

[۲] حضرت ابو عبیدہ بن الجراح عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس امت کا امین فرمایا۔

[۳] بعض روایات میں مچھلی کا نام لیے بغیر آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام نے دریا کے کنارے ایک جانور پایا۔

[۴] ایک روایت میں ہے دابۃ العنبر وہ جانور جس کا نام عنبر ہے، یہ بڑی مچھلی ہے جس کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں۔ بعض اوقات اس ڈھال کو بھی عنبر کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اسے دابۃ العنبر اس لیے کہتے ہوں کہ مشہور خوشبو عنبر اسی سے پیدا ہوتی ہو۔ قاموس میں ہے کہ عنبر سمندری جانور کی خوشبودار لید ہے یا یہ سمندری چشمے سے نکلتی ہے۔ ایک سمندری مچھلی کا نام بھی ہے جس کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں۔

۵ ایک روایت میں ہے کہ ہم اسے ایک ماہ تک کھاتے رہے ، لشکر میں تین سو سے زیادہ افراد تھے ۔

۶ جو پہلو کی ہڈی ہوگی ۔

۷ سنن کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ہڈی کھڑی کی ، پھر طویل ترین اونٹ منتخب کیا جو اس کے نیچے سے گزر گیا ۔

۸ یعنی تم نے اسے کھا کر بہت اچھا کیا ۔ مزید اگر موجود ہو تو وہ بھی کھاؤ یا یہ مطلب ہو کہ اگر تم اس جنس کا مزید رزق پاؤ تو اسے بھی کھاؤ ۔

۹ یعنی اگر اس کا کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ ، یہ بات ان کے دلوں کو خوش کرنے اور اس مچھلی کی حلت کی تاکید کے لیے فرمائی ، یا اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے فرمائی کیونکہ وہ ایسا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور پر عطا فرمایا تھا ۔

۳۹۳۵ / ۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاۤءِ اَحَدِكُمْ فَلْیَغْمِسْهُ كُلَّهٗ ثُمَّ لِیَطْرَحْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ شِفَاۤءً وَّ فِی الْاٰخَرِ دَاۤءً ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے پوری کو ڈبو دے [۱] پھر اسے پھینک دے [۲] ۔ کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے [۳] ۔ (بخاری)

۱ یعنی اسے برتن میں غوطہ دے ، خواہ اس میں پانی ہو یا کھانا ، غمس کسی چیز کو پانی میں ڈبونا ۔

۲ طرح کسی چیز کو دور پھینکنا ، پہلے دونوں حرفوں پر زبر ہو تو اس کا معنیٰ ہے وہ جگہ جو دور ہے ۔

۳ دوسری نقل کے آخر میں یہ اضافہ ہے ۔ وَاِنَّهٗ یُقَدِّمُ الدَّاۤءَ عَلَی الدَّوَاءِ کیونکہ وہ بیماری کو شفا سے پہلے لاتی ہے ، یعنی وہ پر جس میں بیماری ہے اسے پہلے ڈبوتی ہے اس لیے اسے ڈبونا چاہیے تاکہ دوا والا پر بھی ڈوب جائے ۔ بیماری کو دور کرے اور نقصان نہ پہنچائے [۱] ۔

---

۱ بعض علماء نے بیان کیا کہ جس چیز میں مکھی پڑ جائے اس کے کھانے سے انسان طبعاً کراہت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

۳۹۳۶
۱۳
وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمَنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَ كُلُوْهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چوہیا گھی میں گر کر مر گئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا! اسے اور اس کے آس پاس کے گھی کو پھینک دو اور باقی گھی کھا لو۔ (بخاری)

لہ فارۃٌ پہلے فار، رار مخفف، ہمزے کے ساتھ (فَأْرَةٌ) اور بغیر ہمزہ کے (فَارَةٌ) دونوں لغتیں ہیں۔ سمن سین پر زبر، میم ساکن، گھی صراح میں ہے سمن روغن مسکہ، گھی۔

ٹہ کہ جس گھی میں چوہیا مرگئی ہے کھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

ٹہ اور روغن زیتون چونکہ منجمد نہیں ہوتا اس لیے وہ سارا پلید ہو جائے گا۔ اکثر ائمہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز ہے۔ اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، بعض ائمہ کے نزدیک اس سے چراغ جلانے اور کشتیوں پر ملنے وغیرہ سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، لیکن مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ (ایک کے مطابق جائز دوسری کے مطابق ناجائز) امام مالک سے ایک روایت ہے کہ اسے مسجد کے چراغ میں جلانا جائز نہیں ہے۔

۳۹۳۷
۱۴
وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَ اقْتُلُوْا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَ الْاَبْتَرَ فَاِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سانپوں کو قتل کرو، دو دھاری والے اور بنڈ بچے کو قتل کرو۔ کیونکہ یہ دونوں بینائی ختم کر دیتے ہیں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محسوس کرتا ہے، طبعی کراہت کے باوجود جب اکھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے اسے کھائے گا تو اس کے نفس کی بیماری دور ہو گی اور اسے صفائے باطن حاصل ہو گی۔
(۱۲ قادری)

اَلْبَصَرَ وَ يَسْتَسْقِطَانِ الْحَبَلَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَبَيْنَا اَنَا اُطَارِدُ حَيَّةً اَقْتُلُهَا نَادَانِیْ اَبُوْ لُبَابَةَ لَا تَقْتُلْهَا فَقُلْتُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فَقَالَ اِنَّهٗ نَهٰی بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُيُوْتِ وَ هُنَّ الْعَوَامِرُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حمل گرا دیتے ہیں[۴]، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سانپ کو قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کر رہا تھا[۵] کہ مجھے حضرت ابو لبابہ[۶] نے پکارا کہ اسے قتل نہ کرو، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپوں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے[۷]، انہوں نے فرمایا: اس کے بعد[۸] حضور نے گھروں میں رہنے والوں سے منع فرمایا اور یہ گھروں والے ہیں[۹]۔

(صحیحین)

[۱] طُفْیَہ بے نقطہ طا پر پیش اور فا ساکن، وہ سانپ جس کی پشت پر دو سیاہ لکیریں ہوتی ہیں، طفیہ اصل میں ایک درخت، برگِ مُقل کا نام ہے، سانپ کی پشت کی لکیروں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

[۲] ابتر کا معنی اصل میں قطع کیا ہوا ہے، اس سانپ کو ابتر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی دم چھوٹی ہوتی ہے۔

[۳] یہ دونوں سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ صرف ان کی طرف دیکھنے سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔

[۴] یعنی حاملہ عورت انہیں دیکھ لے تو خوف یا ان کی زہر کی خاصیت کی بنا پر حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ یَسْتَسْقِطَانِ کا معنی ہے کہ وہ دونوں طلب سقوط کرتے ہیں، اس میں مبالغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گویا وہ طلب سقوط کرتے ہیں۔

[۵] صراح میں ہے مُطَارَدَۃٌ ایک دوسرے پر حملہ کرنا، یہ طَرْدٌ سے بنا ہے جس کا معنی بھگانا اور دور کرنا ہے۔

[۶] حضرت ابو لبابہ مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[۷] آپ مجھے اس سے کس طرح منع کرتے ہیں؟

[۸] یعنی حکم دینے کے بعد

[۹] یہ سانپ جو گھروں میں ہوتے ہیں یہ گھروں کے باشندے ہیں، بعض شارحین نے فرمایا عَوَامِر ان کی لمبی عمروں کی بنا پر فرمایا، بعض حضرات نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ یہ سانپ نہیں ہیں بلکہ جنات کی ایک قسم سے تعلق رکھتے ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں۔

۳۹۳۸/۱۵ وَعَنْ اَبِی السَّائِبِ

حضرت ابو السائب[۱] فرماتے ہیں کہ ہم حضرت

قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ فَبَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ اِذْ سَمِعْنَا تَحْتَ سَرِیْرِہٖ حَرَکَۃً فَنَظَرْنَا فَاِذَا فِیْهِ حَیَّۃٌ فَوَثَبْتُ لِاَقْتُلَهَا وَاَبُوْ سَعِیْدٍ یُّصَلِّیْ فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ اَجْلِسَ فَجَلَسْتُ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَشَارَ اِلٰی بَیْتٍ فِی الدَّارِ فَقَالَ اَتَرٰی هٰذَا الْبَیْتَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ کَانَ فِیْهِ فَتًی مِّنَّا حَدِیْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی الْخَنْدَقِ فَکَانَ ذٰلِكَ الْفَتٰی یَسْتَاْذِنُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْصَافِ النَّهَارِ فَیَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِهٖ فَاسْتَاْذَنَهٗ یَوْمًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذْ عَلَیْكَ سِلَاحَكَ فَاِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْكَ قُرَیْظَۃَ فَاَخَذَ الرَّجُلُ سِلَاحَهٗ ثُمَّ رَجَعَ فَاِذَا امْرَاَتُهٗ بَیْنَ الْبَابَیْنِ

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے ان کی چارپائی کے نیچے حرکت کی آواز سنی، دیکھا تو اس میں ایک سانپ تھا میں نے اسے مارنے کے لیے چھلانگ لگائی، حضرت ابوسعید نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں بیٹھ گیا، جب وہ پلٹے تو انہوں نے گھر کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا تم اس کمرے کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: اس میں ہمارا ایک جوان رہتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی طرف نکلے تو وہ نوجوان دوپہروں کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی بیوی کے پاس چلے جاتے تھے ایک دن انہوں نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہتھیار اپنے جسم پر سنبھالو، کیونکہ میں تم پر بنو قریظہ کی شرارت کا خطرہ ہے۔ اس شخص نے اپنا ہتھیار لے لیا پھر وہ لوٹ گیا۔ اچانک دیکھا کہ اس کی بیوی دو دروازوں کے درمیان کھڑی ہوئی ہے۔ اس نے مارنے کے لیے اس کی طرف نیزہ بڑھایا، اسے

قَآئِمَةٌ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ لِيَطْعَنَهَا وَاَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ فَقَالَتْ اُكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَ مَا الَّذِيْ اَخْرَجَنِيْ فَدَخَلَ فَاِذَا بِحَيَّةٍ عَظِيْمَةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ فَرَكَزَهٗ فِي الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ فَمَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعَ مَوْتًا اَلْحَيَّةُ اَمِ الْفَتٰى قَالَ فَجِئْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهٗ وَقُلْنَا اُدْعُ اللّٰهَ يُحْيِيْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتِ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهَا ثَلَاثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَاِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَقَالَ لَهُمُ اذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ

غیرت آگئی[8] خاتون نے کہا اپنا نیزہ روک لو اور گھر میں داخل ہو کر دیکھ لو کہ مجھے کس چیز نے نکالا ہے؟ وہ اندر داخل ہوئے تو اچانک دیکھا کہ ایک بڑا سانپ بستر پر کنڈلی مارے ہوئے (لہرا رہا ہے) انہوں نے اس پر نیزے کا وار کیا اور اسے نیزے میں پرو دیا[9] پھر نکل کر نیزے کو گھر میں گاڑ دیا[10]۔ سانپ نے تڑپ کر ان پر حملہ کیا، معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے پہلے کس کی موت واقع ہوئی[11] سانپ کی یا اس نوجوان کی، فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا اور عرض کیا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمارے لیے زندہ فرما دے[12]، آپ نے فرمایا: اپنے ساتھی کے لیے دعائے مغفرت کر دو[13]۔ پھر فرمایا: ان گھروں میں (جنات) رہتے ہیں[14]، جب تم ان میں سے کسی کو دیکھو تو اس پر تین دن تنگی کرو، اگر چلا جائے تو (فبہا) ورنہ اسے مار دو کہ وہ کافر ہے[15] اور صحابہ کرام[16] کو فرمایا جاؤ اور اپنے ساتھی کو دفن کر دو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا مدینہ منورہ میں کچھ جنات اسلام لا چکے ہیں جب تم ان میں[17] سے کسی چیز کو دیکھو تو اسے

بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِّنْهَا شَيْئًا فَاٰذِنُوْهُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تین دن اطلاع (دو) (وارننگ) دو، اگر اس کے بعد تمہارے سامنے آئے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ شیطان ۱۹؎ ہے۔ (مسلم)

۱؎ ابوالسائب، بنوزہرہ کے آزاد کردہ غلام تابعی، مدنی اور ثقہ ہیں، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ مراح میں ہے اشارات کا معنی ہے ہاتھ سے منع کرنا۔

۳؎ جہاں غزوۂ احزاب ہوا تھا۔

۴؎ کیونکہ نوشادی شدہ تھے۔

۵؎ قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو اس جنگ میں قریش کے ساتھ اتحاد کرکے جنگ کے لیے آیا ہوا تھا۔

۶؎ یعنی اپنے گھر چلا گیا۔

۷؎ اندرونی اور بیرونی دروازوں کے درمیان۔

۸؎ کہ یہ باہر آکر کیوں کھڑی ہے؟

۹؎ جیسے دھاگہ موتی میں پرو دیا جاتا ہے۔

۱۰؎ مراح میں ہے رکز ابتداء میں مارا اور آخر میں زار و زمین میں نیزے کا گاڑ دینا۔

۱۱؎ یعنی دونوں ایک ساتھ موت کی آغوش میں پہنچ گئے، یہاں تک کہ پتا نہ چلا کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی ہے؟

۱۲؎ محدثین فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کی یہ عادت نہ تھی کہ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز طلب کریں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ اس جوان کی موت حقیقی نہیں ہے، بلکہ سانپ کے زہر کے اثر سے طاری ہونے والی بے ہوشی ہے، اس سے قطع نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، خرق عادت کی تمام قسموں کو شامل ہیں۔

اَحْيِيَ اسْمُهٗ حِيْنَ يُدْعٰى دَارِسَ الرَّقَمِ

والے کا مقام اس قدر بلند تھا کہ لائق تھا کہ آپ کا نام لینے سے بوسیدہ ہڈیاں زندہ ہو جائیں۔

۳لہ یعنی زندہ کیے جانے کی دعا کا مطالبہ کیا کرتے ہو؟ ان کی بخشش کی دعا مانگو، کیونکہ ان کے لیے فائدہ مند یہ ہے کہ ان کی مغفرت کی دعا کی جائے نہ کہ زندہ کیے جانے کی دعا کیونکہ وہ اپنے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔

۴لہ مومن بھی اور کافر بھی۔

۵لہ تین بار یا تین دن۔ ـــــ جیسے دوسری روایت میں آیا ہے کہ انہیں باہر نکالو اور ان کے مارنے میں جلدی نہ کرو اور کہو کہ ہمارے اس پاس نہ پھرو، باہر نہ آؤ اور تکلیف نہ دو۔ ہم نے تمہیں خبردار کر دیا ہے، اگر اس کے بعد باہر آؤ گے اور تکلیف دو گے تو ہم تمہیں مار ڈالیں گے، آگے تم جانو اور تمہارا کام، اگر چلا جائے تو بہتر ورنہ اگر واپس آئے تو مار ڈالو جیسے اس کے بعد فرمایا۔

۶لہ اس کا تعلق کافر جنوں کے ساتھ ہے۔

۷لہ اس صحابی کی قوم۔

۸لہ بعض نسخوں میں مُنْتَهُمْ اور بعض میں مُنْتَهَا ہے۔

۹لہ یعنی کافر ہے۔

۳۹۳۹/۱۶ وَعَنْ أُمِّ شَرِيكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ كَانَ يَنْفُخُ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام شریک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گرگٹ[2] کے قتل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونکیں مارتا تھا[3] (صحیحین)

۱ے ام شریک شین پر زبر، راء کے نیچے زیر، ایک صحابیہ انصاریہ ہیں اور دوسری بنو لوئی بن غالب سے قریشیہ عامریہ ہیں وہ بھی صحابیہ ہیں۔ اس لیے یہ معلوم کرنے کی حاجت نہیں ہے کہ اس جگہ کونسی خاتون مراد ہیں؟

۲ے وزغ پہلے واؤ پھر نقطے والی زاء دونوں پر زبر، ایک جانور ہے جسے فارسی میں سام ابرص (گرگٹ) کہتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ سام ابرص بڑے گرگٹ کو کہتے ہیں، وزغ دوسرا حرف ساکن، اس کا معنی رعشہ ہے، اس جانور کا نام وزغ اس لیے رکھا گیا کہ یہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔ اور تیزی سے حرکت کرتا ہے۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ چار پاؤں والا جانور ہے جو گھاس کی جڑوں میں دوڑتا رہتا ہے۔

۳ے جب انہیں نمرود نے آگ میں ڈالا تھا، دوسری حدیث میں ہے کہ اگر بیت المقدس کو آگ لگ جائے تو یہ اس

میں پھونکیں مارے گا۔ آدمیوں کے کھانے اور پانی میں اس کی وجہ سے بڑی خرابی پیدا ہوتی ہے، تجربہ سے یہ حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔

۳۹۴۰ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَ سَمَّاهُ فُوَيْسِقًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام چھوٹا فاسق[۱] رکھا۔ (مسلم)

[۱] فُوَیْسِق تصغیر ہے فاسق کی مطلب یہ ہے کہ وہ ان پانچ فاسق جانوروں کی نظیر ہے جنہیں حرام کے اندر اور باہر قتل کیا جاتا ہے، لغت میں فسق کا معنی نکلنا ہے، شریعت میں اس سے مراد اطاعت اور راہ حق سے نکلنا ہے۔

۳۹۴۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغًا فِيْ اَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّ فِي الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ وَفِي الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے گرگٹ کو پہلی ضرب سے مار دیا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، دوسری ضرب سے مارا تو اس سے کم اور تیسری ضرب سے اس سے کم (مسلم)

۳۹۴۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَاُحْرِقَتْ فَاَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ اَنْ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چیونٹی نے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کو کاٹ لیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ چیونٹیوں کی بستی جلا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ

قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ ۚ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِّنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ایک چیونٹی کے کاٹنے پر تم نے تسبیح کرنے والی ایک امت کو جلا دیا۔ (صحیحین)

۱؎ قرص پہلے قاف اور آخر میں بے نقطہ صاد، کپڑے کو ہاتھ سے کاٹ لینا۔

۲؎ مرقاۃ میں اُمِرَ صیغہ معروف قرار دیا گیا ہے جب کہ حضرت شیخ محقق نے اس جگہ صیغہ مجہول کا ترجمہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں) ۱۲ قادری) حکم کیا گیا کہ چیونٹیوں کی بستی جلا دی جائے، ظاہر یہ ہے کہ یہ جلانا اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر تھا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً اس فعل کی نسبت ان کی طرف کرنے سے اجتناب کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے حکم دیا۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے بعض اصحاب نے یہ حکم دیا ہوگا جس میں نبی علیہ السلام کی اجازت اور رضا شامل رہی ہوگی اسی لیے فرمایا: اَحْرَقْتَ (تم نے جلا دی) چیونٹیوں کی بستی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں چیونٹیاں رہتی تھیں۔

۳؎ ازراہ عتاب

۴؎ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے والی ـــــــ یہ عتاب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پیغمبر علیہ السلام پر کہتے ہیں کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی شریعت میں چیونٹیوں کا مارنا اور جلانا جائز تھا، عتاب اس لیے ہوا کہ انہوں نے ایک کے لیے زیادہ چیونٹیوں کو جلا دیا، ہماری شریعت میں جانور کو جلانا جائز نہیں ہے جوں وغیرہ جانداروں کا بھی یہی حکم ہے۔ مطالب المومنین میں چیونٹی کے مارنے کے بارے میں محمد بن مسلم کا قول ہے کہ اگر تمہیں ایذا رسانی کرے تو اسے مار دو ورنہ نہ مارو، فقیہ ابو اللیث نے فرمایا یہی ہمارے نزدیک مختار ہے اور ہم یہی فتویٰ دیتے ہیں۔ چیونٹی کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے، ایک چیونٹی کی وجہ سے ان کے گھر نہ جلائے جائیں، اسی طرح جامع الفقہ میں ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۹۲۳ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ[۲] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گھی میں چوہیا گر جائے تو اگر وہ منجمد ہے تو اس چوہیا اور اس پاس کے گھی کو پھینک دو اور اگر رقیق ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ — (امام احمد، ابوداؤد)

وَ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ) — امام دارمی نے یہ حدیث ابن عباس سے روایت کی۔

[1] یعنی اسے نہ کھاؤ، چراغ میں اس کے جلانے میں اختلاف ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، فَلَا تَقْرَبُوْهُ کے ظاہر الفاظ میں مبالغہ ہے کہ کسی طرح اس کے قریب نہ جاؤ، نہ اسے خریدو اور نہ ہی اسے بیچو اور نہ ہی اسے چراغ میں جلاؤ وغیر ذلک[1]، لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

۳۹۴۴ وَعَنْ سَفِیْنَةَ قَالَ اَکَلْتُ[21] مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰی۔

حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کونج[1] کا گوشت کھایا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ) — (ابوداؤد)

[1] حبارٰی بے نقطہ حاء پر پیش، باء مخففہ، مشہور پرندے کا نام[2]۔

۳۹۴۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی[22] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الْجَلَّالَةِ وَ اَلْبَانِهَا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست کھانے والے[1] جانور اور ان کے دودھوں سے منع فرمایا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَایَةٍ — (ترمذی) ابوداؤد کی روایت میں ہے

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ گھی ناپاک ہوگیا، بے پاک کیے اس کا کھانا حرام ہے، پاک کرنے کے تین طریقے ہیں ایک یہ کہ اتنا ہی پانی اس میں ملا کر جنبش دیتے رہیں یہاں تک کہ سب گھی اوپر آجائے اسے اتار لیں اور دوسرا پانی اسی قدر ملا کر یونہی کریں، پھر اتار کر تیسرے پانی سے اسی طرح دھوئیں اور اگر گھی سرد ہو کر جم گیا ہو تو تینوں بار اس کے برابر پانی ملا کر جوش دیں یہاں تک کہ گھی اوپر آجائے اتار لیں اول، جوش دینے کی پہلی ہی بار حاجت ہے پھر تو گھی رقیق ہو جائیگا اور پانی ملا کر جنبش دینا کفایت کرے گا۔ باقی دو طریقے فتاویٰ رضویہ (طبع میرٹھ) جلد ۲ ص ۱۱۸ میں ملاحظہ ہوں۔

[2] غیاث اللغات میں ہے کہ ایک پرندہ ہے۔ مرغابی کے برابر۔ اس کا رنگ زرد اور سیاہ ہوتا ہے۔ فارسی میں اسے چرذ کہتے ہیں، مرآۃ میں اس کا معنیٰ بٹیر لکھا ہے جو تسامح معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ قادری

اَبِیْ دَاوُدَ وَقَالَ نَھٰی وَرُکُوْبِ الْجَلَّالَۃِ) کہ نجاست کھانے والے جانور کی سواری سے منع فرمایا[۱]

[۱] جلاّلہ جیم پر زبر اور لام مشدد ——— اصل میں اس گائے کا نام ہے جو نجاستیں کھاتی ہو، صراح میں ہے جلاّلہ پلیدی کھانے والی مادہ گائے، اس جگہ پلیدی کھانے والا جانور مراد ہے۔ جانور اگر کبھی کبھار گندگی کھاتا ہو تو حرج نہیں ہے اور اگر اکثر طور پر اس کی خوراک ہو یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ میں بدبو آتی ہو تو اس کا کھانا جائز نہ ہوگا اور اگر اس کا اثر ظاہر نہ ہو تو بھی حرج نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے کچھ وقت بند کر دیا جائے تاکہ اس کا گوشت اور دودھ صاف ہو جائے اس کے بعد اس کا دودھ پیا جائے اور اسے ذبح کیا جائے، یہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے امام مالک کے نزدیک اس کے بعد گوشت کو خوب اچھی طرح دھویا جائے، فقہ کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ مرغی کو تین دن اور گائے کو دس دن باندھ کر رکھیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مرغی کو تین روز بند کر کے رکھتے تھے[۱]

[۲] کیونکہ اس کے گوشت سے پیدا ہونے والا پسینہ بھی گندہ اور پلید ہوگا۔

۳۹۲۶ / ۲۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ اَکْلِ لَحْمِ الضَّبِّ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوہ کے گوشت کے کھانے سے منع فرمایا[۲] (ترمذی)

[۱] عبدالرحمٰن بن شبل نقطے والے شین کے نیچے زیر، باء ساکن، فقیہ انصاری صحابی ہیں، اہل مدینہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[۲] یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ نہی سابقہ اباحت کی ناسخ ہو۔

۳۹۲۷ / ۲۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ اَکْلِ الْھِرَّۃِ وَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلی کے کھانے اور اس کی قیمت کھانے

---

[۱] کہتے ہیں کہ پولٹری فارم کی مرغی کی خوراک میں ذبح کے وقت نکلنے والا خون بھی شامل ہوتا ہے اور وہ ناپاک ہے تو اس مرغی کا بھی یہی حکم ہوگا۔ ۱۲ قادری۔

اَكْلِ ثَمَنِهَا۔ سے منع فرمایا۔[1]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) (ابوداؤد، ترمذی)

[1] یعنی اسے بیچ کر اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا، بلی کا کھانا اتفاقاً حرام ہے، تاہم اسے فروخت کرنے اور اس کی قیمت کھانے کے جائز ہونے میں اختلاف ہے جیسے کہ کتاب البیع میں بیان ہوا۔

۳۹۴۸/۲۵ وَعَنْهُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ الْحُمُرَ الْاِنْسِيَّةَ وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِيْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَكُلَّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں[1]، خچروں کے گوشتوں ہر کیلوں والے درندے اور ہر پنجے والے پرندے سے منع فرمایا۔[2] (ترمذی) انہوں نے فرمایا۔ یہ حدیث غریب ہے۔[3]

[1] حُمُر پہلے دونوں حرفوں پر پیش جمع ہے حمار کی اور اس کی جمع حُمْر میم ساکن کے ساتھ ہے۔ الانسیۃ ہمزہ کے نیچے زیر منسوب ہے اِنس یعنی انسان کی طرف، ہمزہ پر پیش بھی پڑھتے ہیں، وحشت کی ضد اُنس کی طرف نسبت ہے۔ پہلے دونوں حرفوں پر زبر بھی آئی ہے اور یہ بھی انسان کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب پہلی فصل میں گزر گیا، دونوں جگہ لفظ کل نصب اور جر کے ساتھ مروی ہے۔

۳۹۴۹/۲۶ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھوڑوں اور گدھوں کے گوشتوں سے منع فرمایا۔[1] (ابوداؤد، نسائی)

[1] اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ البتہ

گدھوں اور خچروں کے کھانے سے ممانعت اتفاقی ہے اور اس کے معارض کوئی روایت نہیں ہے۔

۳۹۵۰ / ۲۷ وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَاَتَتِ الْيَهُوْدُ فَشَكَوْا اَنَّ النَّاسَ قَدْ اَسْرَعُوْا اِلٰى حَظَائِرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَحِلُّ اَمْوَالُ الْمُعَاهِدِيْنَ اِلَّا بِحَقِّهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا، یہودیوں نے آکر شکایت کی کہ لوگوں نے ان کی سرسبز کھجوروں کی طرف[1] جلدی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار! معاہدہ کرنے والوں[2] کے اموال حلال نہیں ہیں۔ مگر ان کے حقوق[3] میں۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی ایسے درختوں کی طرف جلدی کی ہے جن کی کھجوریں بحالت سبزی گر رہی ہیں۔ حظائر خاء اور ضاد دونوں پر نقطہ حظرۃ کی جمع، وہ کھجوریں جن کا گچھا سبزی کی حالت میں گر جائے (جن کے پھل پکے اور ہرے ہوں)

[2] یعنی ان لوگوں کے اموال جن کے ساتھ معاہدہ کیا جا چکا ہے۔ مراد ذمی ہیں۔

[3] یعنی اموال کے حقوق میں، معاہد اگر ذمی ہے تو اس کے مال کا حق جزیہ ہے اور اگر مستامن ہے تو تجارت کا ٹیکس۔

۳۹۵۱ / ۲۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ الْمَيْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردے[1] اور دو خون حلال کیے گئے ہیں۔ دو مردے مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں[2]۔

(امام احمد، ابن ماجہ دارقطنی)

[1] جو ذبح کے بغیر مر گئے ہوں۔

[2] یہ دونوں خون کے مشابہ ہیں اور منجمد خون کے ہم رنگ ہیں۔

۳۹۵۲ / ۲۹ وَعَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَلْقَاہُ الْبَحْرُ اَوْ جَزَرَ عَنْہُ الْمَآءَ فَکُلُوْا وَ مَا مَاتَ فِیْہِ وَ طَفَا فَلَا تَاْکُلُوْہُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

وَ قَالَ مُحْیُ السُّنَّۃِ الْاَکْثَرُوْنَ عَلٰی اَنَّہٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰی جَابِرٍ۔

ابوالزبیر[1]، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کو سمندر پھینک دے یا اس سے اپنا پانی سمیٹ[2] لے تو اسے کھاؤ اور جو اس میں مر جائے اور تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ[3]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

محی السنۃ نے فرمایا اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف[4] ہے۔

۱ـ ابوالزبیر زاء پر پیش، باء پر زبر، ان کا نام محمد بن مسلم ہے۔ حضرت حکیم بن حزام کے آزاد کردہ غلام، تابعی، ثقہ، حافظ اور وسیع علم رکھنے والے ہیں، ابوحاتم نے کہا کہ ان سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ حضرت عائشہ، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبہ اور امام مالک اور سفیان ثوری روایت کرتے ہیں ۱۲۸ھ میں وصال ہوا۔

۲ـ قاموس میں ہے جزر ضد ہے مد کی اس کا معنیٰ ہے پانی کا کم ہو جانا۔

۳ـ یہ حدیث طافی (وہ مچھلی جو مر کر پانی پر تیرنے لگے) کے حرام قرار دینے کے سلسلے میں امام اعظم کی دلیل ہے اسی طرح صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے، ہدایہ میں ہے کہ امام مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا ہے اُحِلَّتْ لَکُمُ الْمَیْتَتَانِ (دو مردہ جانور تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں)، لہٰذا دریا کا مردہ جانور حلال ہے، ہم کہتے ہیں کہ دریا کا مردہ، وہ جانور ہے جسے دریا باہر پھینک دے، یا اس کی موت کی نسبت دریا کی طرف ہو، وہ جانور مراد نہیں ہے جو بغیر کسی آفت کے خود بخود مر گیا ہو امام احمد کے نزدیک بھی طافی حلال ہے اسے کھایا جائے گا اور جس مچھلی سے پانی سمٹ گیا ہو وہ بہت عمدہ ہے، بعض حنابلہ نے طافی کو مکروہ قرار دیا ہے۔

۴ـ یعنی یہ حضرت جابر کا قول اور ان کا مذہب ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، اسی لیے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ امام شافعی اجتہادی مسائل میں اقوال صحابہ کی مخالفت کر لیتے تھے

اور رکتے تھے وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کی تقلید کو واجب مانتے تھے۔

۳۹۵۳ [۳۰] وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ اَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ لَا اٰكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَمُحْيِ السُّنَّةِ ضَعِيْفٌ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی[۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے[۲]۔ ہم نہ تو اسے کھاتے ہیں اور نہ ہی حرام کرتے ہیں۔ (ابو داؤد) محی السنۃ نے فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے۔

۱؎ اور اس کے حکم

۲؎ یعنی یہ ایک لشکر ہے جسے اللہ تعالیٰ ان بعض شہروں پر بھیجتا ہے جن سے ناراض ہوتا ہے۔

۳۹۵۴ [۳۱] وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبِّ الدِّيْكِ وَقَالَ اِنَّهٗ يُؤَذِّنُ لِلصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت زید بن[۱] خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو گالی دینے سے منع کیا[۲]۔ اور فرمایا کہ وہ نماز کے لیے اطلاع دیتا ہے۔ (شرح السنۃ)

۱؎ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ کیونکہ بعض اوقات اس کی آواز اچھی نہیں لگتی تو لوگ اسے گالی دیتے ہیں اور بھگا دیتے ہیں۔

۳؎ اس نماز سے تہجد مراد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کی نماز کے لیے اس وقت اٹھتے تھے جب کہ آواز دینے والا یعنی مرغ آواز دیتا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صبح کی نماز مراد ہو کیونکہ مرغ اپنی آواز کے ساتھ اطلاع دیتا ہے کہ صبح کی نماز کا وقت قریب آچکا ہے اور تاکید و تنبیہ کے لیے بار بار اذان دیتا ہے، دیک دال کے نیچے زیر اور یا ساکن، یہ واحد ہے اور اس کی جمع دِیَکَۃ دال کے نیچے زیر یا پر زبر

۳۹۵۵ [۳۲] وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الدِّيْكَ فَاِنَّهٗ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرغ کو گالی نہ دو کیونکہ وہ نماز کے لیے بیدار

يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ۔ کرتا ہے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۳۹۵۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ[۳۳] اَبِيْ لَيْلٰى قَالَ قَالَ اَبُوْ لَيْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُوْلُوْا لَهَا اِنَّا نَسْئَلُكَ بِعَهْدِ نُوْحٍ وَّ بِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ اَنْ لَّا تُؤْذِيْنَا فَاِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا۔

عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ[۱] سے روایت ہے کہ ابو لیلیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رہائش گاہ میں سانپ ظاہر ہو تو اسے کہو کہ ہم تم سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے عہد[۲] کی بنا پر سوال کرتے ہیں، کہ تم ہمیں تکلیف نہ دو[۳]، پس اگر پھر آئے تو اسے قتل کر دو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

[۱] عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ (عبدالرحمٰن کے والد) ان کی کنیت ابو عیسیٰ اور نام ابو لیلیٰ ہے، ابو لیلیٰ نام کے بہت لوگ ہیں، ان کے نام میں بہت اختلاف ہے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ تابعی ہیں۔ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال باقی تھے، اپنے والد، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابوالدرداء اور صحابہ کرام کی ایک جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام شعبی، ابن سیرین اور بہت سے دیگر حضرات روایت کرتے ہیں۔ کوفہ کے تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں ہیں، ان کے شاگرد ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، ثقہ ہیں، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک سو بیس صحابہ کو پایا۔ جو سب انصاری تھے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میرا گمان نہیں ہے کہ عورتوں نے ان جیسا کوئی دوسرا جنا ہوگا۔

[۲] عہد کا معنیٰ ہے امان، قسم، معاہدہ اور نصیحت۔

[۳] اَنْ لَّا تُؤْذِيْنَا یا ساکن کے ساتھ صیغہ واحدہ مؤنثہ مخاطبہ، نون محذوف ہے۔

۳۹۵۷ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ[۳۴] عَبَّاسٍ قَالَ اَعْلَمُهٗ اِلَّا

حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، حضرت عکرمہ نے

رَفَعَ الْحَدِيْثَ اَنَّهٗ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَ قَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

کہا میں ابن عباس کو نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے یہ حدیث مرفوعاً[۲] روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سانپوں کے قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرمایا: جو انہیں انتقام لینے والے کے ڈر سے چھوڑ[۳] دے وہ ہم میں[۴] سے نہیں ہے۔

(شرح السنۃ)

[۱] عکرمہ عین کے نیچے زیر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام

[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے ہوئے بیان کی، اپنی طرف سے یہ بات نہیں کہی۔

[۳] یعنی اس خوف کی بنا پر نہ مارے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سانپ کا ساتھی کوئی دوسرا سانپ ہو جو مجھ سے انتقام لے، کبھی اس طرح واقع بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی سانپ کو مار دیتا ہے، دوسرا سانپ آکر اسے کاٹتا ہے اور اس سے بدلہ لیتا ہے، اگر مرنے والا نر ہو تو اس کی مادہ آتی ہے اور اگر مادہ ہو تو نر آتا ہے، اس لیے فرمایا کہ جو شخص اس خوف کی بنا پر سانپ کو نہ مارے۔

[۴] اور ہمارے طریقہ پر نہیں ہے کیونکہ اس نے موذی کو نہیں مارا اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر توکل نہیں کیا۔

ثائر تین نقطوں والی ثاء اور ہمزہ، خون، طلب خون اور کینہ۔

۳۹۵۸/۳۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَ مَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِّنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جب سے جنگ شروع کی ہے سانپوں سے صلح نہیں کی[۱] اور جس نے ان میں سے کسی چیز کو خوف کی بنا پر چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ابو داؤد)

[۱] امام ابو داؤد کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کردہ ایک دوسری حدیث میں سانپوں کا صراحۃً ذکر آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اور سانپ کے درمیان طبعی اور فطری طور پر دشمنی ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتا ہے، یا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جنگ شروع ہونا مراد ہے اسی طرح طیبی نے نقل کیا، ظاہراً مراد یہ ہے کہ ابلیس سانپ کے جسم میں جنت میں آیا اور اس نے وسوسہ ڈالا۔

۳۹۵۹ / ۳۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَأْرَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام سانپوں کو قتل کرو[1]، جو شخص ان کے انتقام سے ڈرا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(ابوداؤد، نسائی)

۱؎ اس حدیث کے ظاہر سے سانپوں کی تمام قسموں کے قتل کرنے کا حکم معلوم ہوتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس عموم سے گھروں میں رہنے والوں کا استثناء کیا جائے، یا تنگی کرنے اور تنبیہ کے بعد قتل کرنا مراد ہے جیسے کہ حضرت ابوالسائب کی حدیث میں گزرا۔

۳۹۶۰ / ۳۷ وَعَنِ الْعَبَّاسِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرِيْدُ اَنْ نَكْنُسَ زَمْزَمَ فَاِنَّ فِيْهَا مِنْ هٰذِهِ الْجِنَّانِ يَعْنِيْ الْحَيَّاتِ الصِّغَارَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِنَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم چاہ زمزم کی صفائی کرنا چاہتے ہیں[1] کیونکہ اس میں یہ سانپ[2] یعنی چھوٹے سانپ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

(ابوداؤد)

۱؎ اس خس و خاشاک اور گری ہوئی چیزوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ حبشی اس میں گر گیا تھا، زمزم کا پانی پلانے کا عظیم عہدہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل تھا۔

۲؎ جنان جیم کے نیچے زیر، نون مشدد، جانٌ کی جمع ہے جیسے حیطان جمع ہے حائطٌ کی۔ راوی نے اس کی تفسیر چھوٹے سانپوں سے کی ہے۔

۳۹۶۱ / ۳۸ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلَّا الْجَآنَّ الْاَبْيَضَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام سانپوں کو قتل کرو سوائے ان چھوٹے سفید سانپوں کے جو چاندی کی

الَّذِیْ كَاَنَّهٗ قَضِیْبُ فِضَّةٍ۔ شاخ کی مانند ہوں۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ) (ابو داؤد)

لہ قضیب قاف پر زبر، نقطے والے کے ضاد کے نیچے زیر وہ شاخ جو تیر بنانے کے لیے کاٹی جائے، محدثین فرماتے ہیں کہ غالبًا اس قسم کے مارنے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ بے ضرر ہوتے ہیں اور ان میں زہر نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ یہ جنوں کی مسخ شدہ شکل ہے جیسے کہ بنی اسرائیل بندروں کی صورت میں مسخ ہوتے واللہ تعالٰی اعلم۔

۳۹۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ دَآءً وَّ فِی الْاٰخَرِ شِفَآءً فَاِنَّهٗ یَتَّقِیْ بِجَنَاحِهِ الَّذِیْ فِیْهِ الدَّآءُ فَلْیَغْمِسْهُ كُلَّهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ[1] دو، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری اور دوسرے پر میں شفا ہے، وہ بیماری والے پر کو پہلے ڈبو کر اپنے آپ کو بچاتی ہے[2] لہٰذا چاہیے کہ وہ اسے پوری کو ڈبو دے[3]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ) (ابو داؤد)

لہ پانی میں یا اس چیز میں جو برتن میں ہو، مَقل قاف کے ساتھ، پانی وغیرہ میں کسی چیز کو ڈبونا۔

۲ہ تاکہ طعام یا پانی کی گرمی اسی پر کو لاحق ہو ——— بعض شارحین نے کہا اس جگہ یَتَّقِیْ ازقبیل اِتّقَا بحق فلاں ہے جس کا معنی ہوتا ہے فلاں شخص کا اس حق کے ساتھ استقبال کرنا اور اس کا حق اسے پیش کر دینا یہ توجیہیں اس لیے کی ہیں کہ بظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مکھی اپنے بیماری والے پر کو بچا کر رکھتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ورنہ اسے غوطہ دینے کی کیا ضرورت رہے گی؟ ۱۲ قادری۔

۳ہ غمس کا معنی ہے کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔

۳۹۶۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانے میں

وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الطَّعَامِ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِيْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ سَمًّا وَّ فِي الْاُخْرٰى شِفَآءً وَّ اِنَّهٗ يُقَدِّمُ السَّمَّ وَ يُؤَخِّرُ الشِّفَآءَ۔
(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دو کیونکہ اس کے ایک پر میں زہر ہے اور دوسرے میں شفا ہے اور وہ زہر[۱] والے پر کو پہلے ڈبوتی ہے اور شفا والے پر کو اٹھا رکھتی ہے۔
(شرح السنۃ)

لہ سَم سین پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں۔ زہر

۳۹۶۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ[۱] نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ اَرْبَعٍ مِّنَ الدَّوَآبِّ النَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ وَ الْهُدْهُدِ وَ الصُّرَدِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں[۴] کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (۱) چیونٹی[۲] (۲) شہد کی مکھی[۳] (۳) ہدہد (۴) ممولا[۵]۔
(ابوداؤد، دارمی)

لہ دابہ لغت میں زمین پر چلنے والے اور آہستہ آہستہ جانے کو کہتے ہیں۔

۲ہ چیونٹی قبل اس کے کہ کاٹے اور تکلیف دے، بعض شارحین نے فرمایا جس چیونٹی کے مارنے سے ممانعت واقع ہوئی ہے اس سے بڑی چیونٹی مراد ہے۔ جس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں کہ اس کے کاٹنے کا ضرر کم ہوتا ہے۔

۳ہ کیونکہ اس سے شہد اور موم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۴ہ اس کے قتل سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اور اگر کھانے کے لیے نہ ہو تو جانور کا قتل کرنا ممنوع ہے، اسی طرح کہا گیا ہے۔

۵ہ صرد صاد پر پیش، راء پر زبر بڑے سر والا پرندہ جس کا سر بڑا ہوتا ہے اور چڑیوں کا شکار کرتا ہے یا وہ پرندہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھا ہوا ہو (عجیب ۱۲ ق)
اسی طرح قاموس میں ہے۔ نہایہ میں ہے۔ ایک پرندہ جس کا سر بڑا اور چونچ بڑی ہوتی ہے، اس کے پر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ اس کا آدھا حصہ سفید اور آدھا سیاہ ہوتا ہے، عرب اس کی ذات اور آواز کو منحوس

خیال کرتے ہیں، اس کے قتل کی ممانعت کی وجہ بھی یہی بیان کی گئی ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے لہٰذا اس کا قتل کرنا ممنوع ہوگا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۹۶۵ / ۴۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَاْكُلُوْنَ اَشْيَاءَ وَ يَتْرُكُوْنَ اَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَ اَنْزَلَ كِتَابَهٗ وَ اَحَلَّ حَلَالَهٗ وَ حَرَّمَ حَرَامَهٗ فَمَا اَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَ مَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَ مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَ تَلَا قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا الْاٰيَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو پلید جانتے ہوئے[1] چھوڑ دیتے تھے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اپنا نبی بھیجا، اپنی کتاب اتاری، اپنے حلال کو حلال کیا اور اپنے حرام کو حرام کیا[2] تو جو اس نے حلال کیا وہ حلال ہے اور جو حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا[3] وہ معاف ہے اور ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: اے حبیب تم فرما دو کہ جو کتاب مجھ پر وحی کی گئی ہے میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے پر مگر یہ کہ مردار ہو یا بہنے والا خون (الآیۃ)[4]

(ابوداؤد)

[1] تقذر پہلے قاف پھر نقطے والا ذال مفتوح، پلیدی، ذال کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی پلید ہے۔

[2] یعنی بیان فرمایا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام۔

[3] یعنی بیان نہیں کیا کہ حلال ہے یا حرام تو وہ چیز معاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرماتا ہے۔ اور بندے کو اس پر پکڑتا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے[1]۔

---

[1] اہل سنت وجماعت محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، اذان سے پہلے یا بعد درود شریف پڑھتے ہیں، ایصال ثواب کے لیے محافل منعقد کرتے ہیں تو دیوبندی، وہابی اور جماعت اسلامی سے متعلق لوگ ان معمولات پر انکار کرتے ہیں اور ان کے (بقیہ صفحہ آئندہ)

۵۴ آخر آیت تک جو اس طرح ہے اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ یا سور کا گوشت فَاِنَّهٗ رِجْسٌ کیونکہ خنزیر کا گوشت پلیدی ہے، اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یا فسق جس کے ساتھ غیر خدا کے لیے آواز بلند کی گئی ہو یعنی اللہ تعالےٰ کے نام سے ذبح نہ کیا گیا ہو[1] اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان ہی چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کے علاوہ بعض چیزوں کی حرمت سنت سے ثابت ہے، جیسے کہ اس سے پہلے شرح میں بیان کیا جا چکا ہے، لیکن ابن عباس نے صرف قرآن پاک کی آیت پڑھی اور حدیث پیش نہیں کی کیونکہ حدیث سے منع کی جانے والی چیزیں بہت ہیں یا اس لیے کہ اس آیت کی تلاوت کرنے سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مقصد یہ بتانا تھا کہ حرمت صرف وحی سے ثابت ہوتی ہے، نفسانی خواہش کی بنا پر کسی چیز کو حرام نہیں کہہ سکتے، اور وحی کبھی جلی ہوتی ہے (جیسے قرآن پاک) اور کبھی خفی ہوتی ہے (جیسے حدیث شریف) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی سنت سے بھی کتاب اللہ کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔

۳۹۶۶ وَعَنْ زَاهِرٍ الْاَسْلَمِيِّ[1] قَالَ ۴۳ اِنِّيْ لَاُوْقِدُ تَحْتَ الْقُدُوْرِ بِلُحُوْمِ الْحُمُرِ اِذْ نَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زاہر اسلمی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہنڈیوں میں گدھوں کا گوشت پک رہا تھا اور میں ان کے نیچے آگ جلا رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں گدھوں کے گوشتوں سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

[1] حضرت زاہر پہلے زار اس کے بعد ہار مکسور الاسلمی صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے

---

(بقیہ صفحہ سابقہ) جواز کی دلیل مانگتے ہیں، حالانکہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، اہل سنت کے لیے یہی دلیل کافی ہے، دلیل تو منع کرنے والوں کو پیش کرنی چاہیے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

[1] اہلال کا معنیٰ آواز کا بلند کرنا ہے لیکن اس جگہ مطلقاً آواز کا بلند کرنا مراد نہیں ہے ورنہ کسی شخص نے کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو بیوی اس پر حرام ہو جائے گی یا کہا کہ یہ مرغا اور یہ بکرا فلاں کا ہے تو یہ جانور حرام ہو جائیں حالانکہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے اس لیے تمام مفسرین نے فرمایا کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا مراد ہے، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ترجمہ میں بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

اور اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۹۶۷/۴۲ وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ یَرْفَعُہُ اَلْجِنُّ ثَلٰثَۃُ اَصْنَافٍ صِنْفٌ لَّھُمْ اَجْنِحَۃٌ یَطِیْرُوْنَ فِی الْھَوَآءِ وَصِنْفٌ حَیَّاتٌ وَّ کِلَابٌ وَّ صِنْفٌ یَحُلُّوْنَ وَ یَظْعَنُوْنَ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کے پر ہیں وہ ہوا میں اڑتے ہیں، دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں اور تیسری قسم وہ ہیں جو۳ قیام کرتے ہیں اور سفر کرتے ہیں۴

(شرح السنۃ)

۱ ابو ثعلبہ خشنی خا پر پیش، شین پر زبر، دونوں نقطے والے، صحابی ہیں، بیعت رضوان میں شامل تھے۔

۲ حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے تھے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے تھے۔

۳ مختلف جگہوں میں اترتے ہیں اور وہاں رہائش اختیار کرتے ہیں۔

۴ ظعن نقطے والی ظاء اور بے نقطہ عین، جانا اور کوچ کرنا ______ یعنی انسانوں کی طرح اقامت اور سفر اختیار کرتے ہیں۔

# بَابُ الْعَقِیْقَۃِ

## ۲۹۴۔ عقیقے کا بیان

اکثر علماء کہتے ہیں کہ عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو پیدائش کے وقت بچے کے سر پر ہوں، کیونکہ عَقٌّ کا معنی چیرنا ہے اور وہ بال گوشت اور جلد کو چیر کر برآمد ہوتے ہیں، پھر ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ کہا گیا کیونکہ وہ ان بالوں کی وجہ سے ذبح کی جاتی ہے۔ ابن عبد البر نے نقل کیا ہے کہ امام احمد نے اس تفسیر کا انکار کیا ہے اور کہا کہ عَقٌّ کا معنی قطع کرنا ہے اور ذبح گلا کاٹنے کو کہتے ہیں لہٰذا عقیقہ کا معنی ذبیحہ ہے، بالوں سے ذبیحہ کی طرف نقل کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ عقیقہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے۔ امام احمد کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے، اکثر احادیث سے سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، جو شرائط اور احکام قربانی میں معتبر ہیں وہ عقیقہ میں بھی معتبر ہیں، ہمارے نزدیک سنت نہیں ہے امام محمد اپنے مؤطا میں فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عقیقہ رسومِ جاہلیت میں سے تھا، ابتداء اسلام میں اس پر عمل رہا اس کے بعد قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کر دیا، ماہِ رمضان کے روزے نے سابقہ تمام روزوں کو منسوخ کر دیا، غسل جنابت نے ہر پہلے غسل کو منسوخ کر دیا، زکاۃ نے سابقہ تمام صدقات کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح ہمیں پہنچا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۳۹۶۸ (۱) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ نِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سلمان بن عامر ضبی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے تو اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیت کو دور کرو[2]۔ (بخاری)

[1] سلمان بن عامر ضبی نقطے والے ضاد پر زبر اور باء مشدد، صحابی ہیں اور اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ امام ابن سیرین وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

[2] بال اتار کر اور اس میل کچیل کو دور کر کے جس کے ساتھ بچہ پیدائش کے وقت آلودہ ہوتا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ ختنہ مراد ہے، اصل میں اذیٰ کا معنی ہے تکلیف دینا اور ناپسند رکھنا۔

۳۹۶۹ (۲) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ ان کے لیے دعائے برکت فرماتے[1] اور انہیں گھٹی عطا فرماتے تھے[2]۔ (مسلم)

[1] نو زائیدہ

۲ تبریک کا معنیٰ ہے برکت کی دعا کرنا۔

۳ تحنیک اس کو کہتے ہیں کہ کھجور یا کوئی دوسری میٹھی چیز چبا کر بچے کے تالو میں لگا دیتے ہیں۔ حنک پہلے دونوں حروف پر زبر، زبان کے اوپر منہ کا اندرونی حصہ جسے تالو کہتے ہیں۔ گھٹی دینا سنت ہے اور بہتر یہ ہے کہ نیک اور متقی لوگ دیں۔

۳۹۷۰ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَآءٍ ثُمَّ اَتَيْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهٗ فِیْ حَجْرِهٖ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِیْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهٗ ثُمَّ دَعَا لَهٗ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ وُّلِدَ فِی الْاِسْلَامِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر[۲] کے ساتھ حاملہ ہوئیں، فرماتی ہیں کہ میں نے انہیں قباء[۳] میں جنم دیا پھر انہیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہیں حضور کی گود[۴] میں رکھ دیا، پھر آپ نے کھجور منگوائی اسے چبایا اور بچے کے منہ میں لعاب دہن[۵] عطا فرمایا پھر اسے گھٹی دی، اس کے لیے دعا فرمائی، دعاء برکت فرمائی[۶] اور یہ پہلا بچہ تھا جو اسلام[۷] میں پیدا ہوا۔ (صحیحین)

۱ حضرت اسماء بنت ابی بکر حضرت زبیر بن عوام کے نکاح میں تھیں۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔

۲ حضرت عبداللہ بن زبیر مشہور صحابی ہیں۔ مہاجرین کے ہاں ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہوئے۔

۳ قباء قاف پر پیش باء مخفف آخر میں الف ممدودہ، مقصورہ بھی آیا ہے، تنوین کے ساتھ اور اس کے بغیر مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ، ہجرت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہل وہیں اترے، وہاں تین دن قیام کیا اور مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قباء کہتے ہیں، اس کا ذکر اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اسی جگہ پیدا ہوئے۔

۴ حجر پہلے بے نقطہ حاء مفتوحہ اس کے بعد جیم ساکن، گود۔

۵ تفل اس طرح پھونک مارنا کہ اس کے ساتھ کچھ تھوک بھی ہو، اس سے زیادہ کے لیے بزق استعمال کرتے ہیں۔ تفل سے کم تف ہے اس کے بعد نفخ ہے جس کا معنیٰ صرف پھونک مارنا ہے۔

۶؎ یعنی فرمایا، بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ یا عَلَيْهِ فرمایا۔

۷؎ یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ ورنہ ان سے پہلے حضرت نعمان بن بشیر ہجرت کے بعد پیدا ہوئے لیکن وہ انصار کے ہاں پیدا ہوئے تھے، ان کی پیدائش مسلمانوں کے لیے باعث مسرت و شادمانی ہوئی۔ کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ یہودیوں نے جادو کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ہاں اولاد پیدا نہ ہو، اسی طرح کہا گیا ہے۔

# اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۳۹۷۱ عَنْ اُمِّ كُرْزٍ[۱] قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا قَالَتْ وَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَّلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ لِلتِّرْمِذِيِّ وَ النَّسَائِيِّ مِنْ قَوْلِهٖ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَ

حضرت ام کرز[۱] رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو ان کے انڈوں[۲] پر برقرار رکھو، فرماتی ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے تمہیں وہ بکریاں نقصان نہیں دیں گی خواہ وہ نر ہوں یا مادہ[۳] (ابوداؤد) امام ترمذی اور امام نسائی نے یہ حدیث يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ سے آخر تک روایت کی[۴] امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱؎ ام کرز کاف پر پیش، راء ساکن، آخر میں زا، صحابیہ ہیں اور بنو کعب اور بنو خزاعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے ابن عباس، عروہ، عطاء اور مجاہد روایت کرتے ہیں۔

۲؎ اور ان کی جگہوں پر ــــــــ اس کلام کی شرح میں چند مطالب بیان کیے گئے ہیں، بعض شارحین نے کہا مکنا میم پر زبر، کاف کے نیچے زیر اس پر زبر بھی آئی ہے، جمع ہے مکنۃ کی اور وہ اصل میں گوہ کے انڈے کو کہتے ہیں اسی طرح نہایہ میں ہے، قاموس میں ہے مکن میم پر زبر، کاف ساکن، اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے، گوہ، ٹڈی وغیرہ، اس جگہ اس کا استعمال مطلق انڈے کے معنی میں ہے، بعض شارحین نے کہا کہ مکنات بمعنی اَمْكِنَة ہے کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ

عَلٰی مَکِنَاتِہَا وَمَکُنَاتِہَا لوگ اپنے مکانوں اور ٹھکانوں پر ہیں، زمخشری سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا مُکُنَات میم اور کاف پر پیش، جمع ہے مُکُنٌ کی اور وہ جمع ہے مکان کی، جیسے حُمُرٌ اور حُمُرَاتٌ، بعض نے کہا کہ جمع ہے مکنت کی جس کا معنی تمکن (قدرت) ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے لیے بادشاہ کے ہاں مکنت ہے یعنی قدرت و منزلت، آرام اور آہستگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بہرصورت پرندوں کو اڑانے، ڈرانے، پریشان کرنے اور انہیں ان کے گھونسلوں، انڈوں اور ان کی جگہوں سے ہلانے کی ممانعت ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ پرندوں کا رات کے وقت شکار کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ رات کو اپنے گھونسلوں میں اپنے انڈوں پر آرام اور اطمینان سے بیٹھے ہوتے ہیں، یا عرب کی عادت کے مطابق پرندے کے اڑانے اور فال لینے سے منع کیا گیا ہے۔ جب ان میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرتا اور پرندہ آکر بیٹھ جاتا تو اسے اڑاتا اگر وہ دائیں جانب پرواز کرتا تو وہ شخص اپنے کام کے لیے روانہ ہو جاتا، اور اسے برکت کی علامت جانتا اور اگر بائیں جانب پرواز کرتا تو اسے منحوس تصور کرتا اور اس کام کے لیے نہ جاتا۔ اس لیے اس طریقے سے منع کیا گیا جسے تطیر کہتے تھے، بعض حضرات نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ پرندوں کو اس جگہ اور اس مرتبے پر برقرار رکھو جہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں رکھا ہے، اور جس طرح انہیں پیدا فرمایا ہے کہ یہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قضاء سے ہے یہ توجیہ بدفالی کے معنی پر محمول کرنے کی فرع ہے۔

۳؎ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ لڑکے کی طرف سے نر ہونا چاہیے اور لڑکی کی طرف سے مادہ ——— ذُکران نقطے والے ذال پر پیش، اِنَاث ہمزے کے نیچے زیر مادہ۔

۴؎ بعض نسخوں میں ہے مِنْ قَوْلِہٖ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور بعض نسخوں میں ہے مِنْ قَوْلِہَا ام کرز کا قول ——— مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث کی ابتداء اس جگہ سے ہے سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ سے آخر تک امام ابو داؤد کی روایت کے ابتدائی کلمات یَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّیْرَ الخ اس حدیث کی جز نہیں ہیں۔ نیز ان دو کلاموں میں مناسبت بھی ظاہر نہیں ہے جس کی بنا پر دونوں کو جمع کیا جائے، محدثین فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حدیث مستقل ہے۔ حضرت ام کرز نے کسی مناسبت کی بنا پر دونوں کو جمع کر دیا، بعض شارحین نے مناسبت کے بیان کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے جس کا ذکر ہم نے شرح میں کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۷۲/۵ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغُلَامُ

حضرت حسن بصری، حضرت سمرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکا[۲] اپنے

مُرْتَهِنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُسَمّٰى وَ يُحْلَقُ رَاْسُهٗ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ لٰكِنَّ فِيْ رِوَايَتِهِمَا رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهَنٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَ اَبِيْ دَاوٗدَ يُدَمّٰى مَكَانَ وَ يُسَمّٰى وَ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ يُسَمّٰى اَصَحُّ)

عقیقہ کے بدلے رہن رکھا[۳] ہوا ہے، لڑکے کی طرف سے ساتویں دن ذبح کیا جائے گا، اس کا نام رکھا جائیگا اور اس کا سر مونڈا جائے گا۔ (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) لیکن آخری دو اماموں کی روایت میں مُرْتَهِنٌ کی جگہ رَهِيْنَةٌ[۴] ہے امام احمد اور ابو داؤد کی ایک روایت میں يُسَمّٰى کی جگہ يُدَمّٰى[۵] ہے، ابوداؤد نے کہا کہ يُسَمّٰى زیادہ صحیح ہے[۶]

۱؎ حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی ہیں، کوفہ اور بقول بعض بصرہ میں قیام پذیر ہوئے ان کا شمار اہل بصرہ میں ہوتا ہے، حسن بصری اور ابن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ ایک روایت میں ہے كُلُّ غُلَامٍ (ہر لڑکا)

۳؎ اس جگہ مُرْتَهِنٌ بمعنی مَرْهُوْنٌ ہے کیونکہ مُرْتَهِنٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو رہن لیتا ہے اور جس چیز کو رہن رکھا جاتا ہے اسے مَرْهُوْنٌ، رَهِيْنٌ اور رَهِيْنَةٌ کہتے ہیں۔ بعض محدثین مُرْتَهَنٌ ہا، کی زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں، یہ لغت کے استعمال کے خلاف ہے۔ زمخشری اساس کے باب مجاز میں کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص رہن ہے، رہین ہے یا مرتہن ہے یعنی فلاں چیز کے بدلے میں پکڑا ہوا ہے، اس جگہ اسی معنیٰ میں واقع ہے ـــــــ اس کے بعد عقیقہ کا بیان فرمایا۔

۴؎ رَهِيْنَةٌ میں تا مبالغہ کے لیے ہے، یا نفس کی تاویل میں ہے (جو مونث سماعی ہے) رہا یہ سوال کہ عقیقہ کے بدلے لڑکے کے گرفتار ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ وہ مکلف نہیں ہے، عقیقہ کے ترک کرنے پر وہ گرفتار کیوں ہوگا اور اسے عذاب کیونکر دیا جائے گا؟ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لڑکا اس وقت تک والدین کی شفاعت نہیں کر سکے گا جب تک وہ عقیقہ نہ دے دیں، بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب تک عقیقہ نہ کیا جائے لڑکے کو بھلائیوں، آفتوں سے محفوظ ہونے اور نشو و نما کی زیادتی سے روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ بات درحقیقت والدین کی طرف راجع ہے جنہوں نے عقیقہ ترک کیا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بچہ گندگی اور نجاست میں گرفتار رہتا ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے فَاَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى (اس سے نجاست کو دور کرو) قول معتمد یہی ہے جو امام اجل

امام احمد نے فرمایا ہے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے سلف صالحین سے سنا ہوگا کہ حدیث کا یہ مطلب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ یُدَمّیٰ یا پر پیش، دال پر زبر، میم مشدد مفتوح، تَدْمِیَۃ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ خون آلود کرنا ہے۔ یعنی پہلی روایت میں یُسَمّیٰ آیا ہے اس کی جگہ اس روایت میں یُدَمّیٰ ہے۔

۶ تَدْمِیَۃ کا معنیٰ ہے سر کا خون آلود کرنا، حضرت قتادہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب بکری کو ذبح کریں تو اس کے بالوں کا ایک حصہ لے کر بکری کی کاٹی جانے والی رگوں کے آگے رکھیں تاکہ وہ جائے ذبح سے اچھلنے والے خون سے آلودہ ہو جائے، وہ پھاہے بچے کے سر کے درمیان رکھیں تاکہ خون کی ایک لکیر اس کے سر پر جاری ہو جائے تب اس کے سر کو دھو دیں، اور مونڈ دیں۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ بچے کا سر خون آلود نہ کیا جائے، کیونکہ یُدَمّیٰ کسی راوی کی تحریف ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین کا عقیقہ کیا لیکن ان کا سر خون آلود نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ فعل، جاہلیت کے قواعد کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے، جیسے کہ تیسری فصل میں آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (سفر السعادۃ)

کہتے ہیں کہ ابو داؤد کی روایت، حدیث کے راوی ہمام کا وہم ہے، حضرت قتادہ سے جو اس کی تفسیر نقل کی گئی ہے وہ منسوخ ہے، علامہ خطابی نے فرمایا کہ بچے کے سر کو پلید کرنے اور تر خون کے ساتھ آلودہ کرنے کا حکم کیسے دیا جائیگا۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدن سے خشک نجاست کے دور کرنے اور زائل کرنے کا حکم دیا ہے، ہاں بعض علماء نے خون کی بجائے خلوق (خوشبوؤں کے مجموعے) اور زعفران لگانے کو تجویز کیا ہے، امام مالک نے فرمایا: اس میں حرج نہیں ہے، تیسری فصل میں آئے گا۔ بعض محدثین نے تدمیہ کی تاویل ختنے سے کی ہے۔

**۳۹۴۳ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ** بْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاۃٍ وَّ قَالَ یَا فَاطِمَۃُ اِحْلِقِیْ رَاْسَہٗ وَتَصَدَّقِیْ بِزِنَۃِ شَعْرِہٖ فِضَّۃً فَوَزَنَّاہُ فَکَانَ وَزْنُہٗ دِرْھَمًا اَوْ بَعْضَ

حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم[۱] حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن کی طرف سے ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا: اے فاطمہ! اس کا سر مونڈو اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی[۲] صدقہ کرو۔ چنانچہ ہم نے بالوں کو تولا تو ان کا وزن ایک

دِرْهَمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَّ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ)

درہم یا درہم کا کچھ حصہ[3] تھا۔ امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور فرمایا، یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ امام محمد بن علی بن حسین نے حضرت علی بن ابی طالب کو نہیں پایا[4]

[1] یعنی امام محمد باقر بن امام زین العابدین ابن امام شہید حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

[2] امام مالک اور شافعی کے نزدیک اگر سونا صدقہ کریں تو بھی بہتر ہے۔

[3] راوی کو شک ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندازے سے فرمایا۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ ایک بکری کے ساتھ بھی ہوتا ہے، امام ابو داؤد بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک ایک دنبہ کے ساتھ کیا، جیسے کہ اگلی حدیث میں آئے گا، امام نسائی، ابن عباس سے دو، دو دنبوں کی روایت کرتے ہیں، اور حضرت بریدہ سے مطلق لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حسین کی طرف سے عقیقہ کیا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ ایک بکری والی حدیث صحیح ہے، لیکن جس حدیث میں آیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہیں وہ زیادہ قوی اور زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ نیز لڑکے کی طرف سے دو بکریوں والی روایت کی ترجیح کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قول، فعل کی نسبت اقویٰ اور اتم ہے۔ کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال ہے، علاوہ ازیں فعل جواز پر دلالت کرتا ہے اور قول مستحب ہونے پر، امام ترمذی نے فرمایا اس باب میں حضرات علی، عائشہ، ام کرز، بریدہ، سمرہ، ابوہریرہ، عبد اللہ بن عمر، انس، سلمان بن عامر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث آئی ہے۔

۳۹۷۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے ایک دنبہ بطور عقیقہ ذبح کیا۔ (ابو داؤد) امام نسائی کی روایت میں دو، دو دنبوں کا ذکر ہے۔

۳۹۷۵ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ كَاَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَ قَالَ مَنْ وُّلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نافرمانی کو پسند نہیں کرتا[۱]، گویا آپ نے عقیقہ کے نام کو ناپسند کیا[۲] اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے چاہیے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے[۳]۔

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتے۔

[۲] جو شدید ترین کبیرہ گناہ، حقوق والدین (ماں باپ کی نافرمانی) کی یاد دلاتا ہے، بعض احادیث میں جو لفظ عقیقہ کا ذکر آیا ہے تو وہ اس کراہت سے پہلے ہوگا، جب صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لفظ کا مکروہ ہونا سمجھ لیا تو انہوں نے اس مقصد کو دوسرے لفظ سے ادا کیا اور کہا کہ ہم بیٹوں کی طرف سے ذبح کرتے ہیں، نسک کا معنی ذبح ہے۔

[۳] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عقیقہ کی جگہ نسیکہ کہیں تو بہتر ہے۔

۳۹۴۴ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت ابورافع[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب حضرت امام حسن بن علی کو ان کی والدہ حضرت فاطمہ نے جنم دیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کان میں وہی اذان دی جو نماز کے لیے دی جاتی ہے[۲]۔ (ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] حضرت ابورافع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔

[۲] اور یہ پیدائش کے وقت سنت ہے، تاکہ جونہی بچہ دنیا میں آئے اس کے کان میں اللہ تعالیٰ اور دین اسلام

کا کلمہ پہنچے، خاص طور پر اذان اس لیے دی گئی کہ اذان سن کر شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، بعض سلف صالحین سے مروی ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے[1]، روضہ میں ہے مستحب یہ ہے کہ نومولود کے کان میں کہے۔ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (یہ قرآن پاک کی آیت ہے، حضرت مریم کی پیدائش پر ان کی والدہ نے یہ کلمات کہے، میں اس بچی اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ ۱۲ قادری)

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۳۹۷۷/۱۰ عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاۃً وَ لَطَخَ رَاْسَہٗ بِدَمِھَا فَلَمَّا جَآءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاۃَ یَوْمَ السَّابِعِ وَ نَحْلِقُ رَاْسَہٗ وَ نَلْطَخُہٗ بِزَعْفَرَانٍ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ زَادَ رَزِیْنٌ وَ نُسَمِّیْہِ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دورِ جاہلیت میں ہماری عادت تھی کہ جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کا سر آلودہ کرتا، جب اسلام آگیا تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے، بچے کا سر مونڈتے اور اس پر زعفران[2] لگاتے تھے۔ (ابوداؤد) امام رزین نے اضافہ کیا کہ ہم اس کا نام رکھتے تھے[3]۔

[1] حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[2] ایک روایت میں ہے کہ اس پر خلوق اور زعفران لگاتے، خلوق خ کے فتحے والی خار پر زبر، آخر میں قاف ایک خوشبو جس میں زعفران ڈالتے ہیں۔

[3] یاد رہے کہ احادیث کی رو سے راجح یہ ہے کہ عقیقہ ساتویں دن ہے۔ امام شافعی اور احمد کے نزدیک اگر ساتویں دن میسر نہ ہو تو چودھویں دن کرے، اس کا دن میسر نہ ہو تو اکیسویں دن، اس دن بھی میسر نہ ہو تو اٹھائیسویں دن،

[1] ایک بزرگ نے فرمایا کہ انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اذان دی جاتی ہے اور جب رخصت ہوتا ہے تو نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، گویا اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی کتنی مختصر ہے؟ یہ اتنا ہی وقت ہے جتنا اذان اور نماز کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ حیات مستعار کی یہ چند گھڑیاں اذان اور نماز کے درمیان ہی صرف ہونی چاہئیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا نماز۔ ۱۲ قادری

ورنہ پھر پینتیسویں دن کرے، اسی قیاس پر یعنی کوئی سا ساتواں دن ہونا چاہیئے، اس کا عام فہم قاعدہ یہ ہے کہ بچہ اگر جمعہ کے دن پیدا ہوا ہے تو اس کے بعد آنے والی کسی بھی جمعرات کو عقیقہ کر دیں وہ ساتواں دن ہی ہوگا۔ (۱۲ قادری نقشبندی)

امام احمد سے ایک روایت کے مطابق لڑکے کی طرف سے ایک بکری پہلے دن اور دوسری ساتویں دن ذبح کی جائے، بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ دیا، کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ پیدائش کے دن عقیقہ کیا گیا تھا یا نہیں؟ لیکن اس حدیث کی سند میں ضعف ہے اور یہ بعد سے بھی خالی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام شافعی کے نزدیک عقیقہ کی ہڈیاں توڑ دیں۔ امام مالک کے نزدیک نہ توڑی جائیں، کتب شافعیہ میں ہے کہ اگر پکا کر صدقہ کریں تو بہتر ہے، اگر میٹھا پکائیں تو بھی بہتر ہے۔ یہ بچے کے اخلاق کی مٹھاس کے لیے نیک فال ہوگی۔

بحمداللہ تعالیٰ و توفیقہ کتاب الذبائح مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد کتاب الاطعمہ ہے۔

# كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

## ۲۹۵۔ کھانوں کی قسموں کے بیان میں

اس کتاب میں کھانوں کی وہ قسمیں بیان کی جائیں گی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائیں یا نہیں، نیز کھانے کے آداب و احکام بیان کیے جائیں گے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۳۹۷۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِی سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَتْ يَدِیْ تَطِيْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ

### پہلی فصل

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں بچہ تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوش تربیت میں تھا، میرا ہاتھ رکابی میں گردش کرتا تھا، سب مجھے

لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰہَ وَ کُلْ بِیَمِیْنِکَ وَ کُلْ مِمَّا یَلِیْکَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جگہ سے کھاؤ جو تم سے متصل ہو۔

(صحیحین)

۱؎ عمر بن ابی سلمہ قریشی مخزومی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش کے پروردہ، ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت نو سال کے تھے، ۸۳ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں حاصل کیں، ان سے ابن مسیب، عروہ بن زبیر اور خود ان کے صاحبزادے محمد بن عمر روایت کرتے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو حضرت عمر بن ابی سلمہ اور ان کی ہمشیرہ حضرت زینب کی تربیت فرمائی۔

۲؎ اور میں بچوں کی عادت کے مطابق رکابی کی ہر جانب سے کھاتا تھا ____ صحفہ فارسی پہلے چار فراخ رکابی جس سے پانچ چھ افراد سیر ہو جائیں، اس سے بڑا قصعہ ہے جس سے دس افراد سیر ہو جائیں۔ اس سے بڑا جفنہ ہے۔

۳؎ یاد رہے کہ علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا واجب ہے یا مستحب، محققین محدثین کے نزدیک واجب ہے کیونکہ احادیث مبارکہ میں واضح اور صریح طور پر امر ہے اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے، امر میں ظاہر وجوب ہے جب تک کوئی اس کا معارض نہ ہو، اکثر فقہاء کے نزدیک مستحب ہے اور امر اس جگہ استحبابی ہے۔ اسی طرح کھانے کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا مستحب ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حاضر جماعت میں سے ایک کا بسم اللہ شریف پڑھ لینا کافی ہے یا نہیں؟ علماء کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ جماعت میں سے ایک شخص بسم اللہ پڑھ دے تو کافی ہے، ان کے نزدیک وجوب یا استحباب علی الکفایہ ہے، بہت سی حدیثیں اس قول کے مخالف ہیں جن کی یہ حضرات تاویل کرتے ہیں۔ جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

۳۹۷۹/۲ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ ابْنِ الْیَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تحقیق شیطان اپنے لیے کھانا حلال کرتا ہے اس بنا پر کہ اس پر

اَنْ لَّا یُذْکَرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔ (مسلم)

۱؎ حضرت حذیفہ بن الیمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحب راز، ان کو منافقوں کا علم تھا۔

۲؎ یعنی اس کے کھانے پر قادر ہو جاتا ہے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہے، یہ ظاہر پر محمول ہے۔ کیونکہ شیطان غذا حاصل کرنے والا جسم ہے، بعض محدثین اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ کھانے کی برکت چلی جاتی ہے گویا شیطان نے ایک حصہ کھا لیا اور وہ ختم ہو گیا ——— پوری حدیث تیسری فصل میں آئے گی۔

۳۹۸۰ (۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَیْتَہٗ فَذَکَرَ اللّٰہَ عِنْدَ دُخُوْلِہٖ وَعِنْدَ طَعَامِہٖ قَالَ الشَّیْطَانُ لَا مَبِیْتَ لَکُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ عِنْدَ دُخُوْلِہٖ قَالَ الشَّیْطٰنُ اَدْرَکْتُمُ الْمَبِیْتَ وَاِذَا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ عِنْدَ طَعَامِہٖ قَالَ اَدْرَکْتُمُ الْمَبِیْتَ وَالْعَشَاءَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مرد اپنے گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان کہتا ہے۱؎ تمہارے لیے (اس گھر میں) رات گزارنے کی جگہ نہیں اور نہ ہی رات کا کھانا ہے۲؎، اور جب گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے تم نے رات گزارنے کی جگہ پالی اور جب کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے تم نے رات گزارنے کی جگہ اور رات کا کھانا پا لیا ہے۳؎ (مسلم)

۱؎ اپنے پیروکاروں اور معاونوں کو۔

۲؎ عشاء عین پر زبر اس کھانے کو کہتے ہیں جو رات کے وقت کھایا جاتا ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی طرف سے گھر والوں کے لیے بددعا ہے، جب وہ رات گزارنے کی جگہ اور رات کے کھانے سے ناامید ہوا تو انہیں بددعا دی جیسے کہ دشمن کرتے ہیں۔

۳؎ اس جگہ بعض محدثین کے قول کے مطابق احتمال ہے کہ یہ گھر والوں کے لیے دعا ہو کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کر کے اسے شب بسری کے لیے جگہ اور کھانا مہیا کیا تو وہ انہیں دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں

یہ چیزیں مہیا فرماتے ۱۲ قادری نقشبندی)

۳۹۸۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ[۴] رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَاْ کُلْ بِیَمِیْنِہٖ وَ اِذَا شَرِبَ فَلْیَشْرَبْ بِیَمِیْنِہٖ ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی کھانا کھائے تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے[۱]

(مسلم)

[۱] یعنی پانی کے برتن کو دائیں ہاتھ سے پکڑے جس طرح لقمہ دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے۔

۳۹۸۲ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ[۵] اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَاْکُلَنَّ اَحَدُکُمْ بِشِمَالِہٖ وَ یَشْرَبَنَّ بِھَا فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ یَاْکُلُ بِشِمَالِہٖ وَ یَشْرَبُ بِھَا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہرگز بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ پیئے[۱]۔ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔

(مسلم)

[۱] دائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے کا امر بھی واقع ہوا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے سے صراحۃً منع بھی فرمایا ہے۔ اس میں کمالِ مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔

۳۹۸۳ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ[۶] النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْکُلُ بِثَلٰثَۃِ اَصَابِعَ وَ یَلْعَقُ یَدَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّمْسَحَھَا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت کعب بن مالک[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے اور پونچھنے سے پہلے اپنے دست مبارک چاٹ لیتے تھے[۲]

(مسلم)

[۱] حضرت کعب بن مالک ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن انصاری ہے، فضلاء صحابہ اور شعراء اسلام میں سے ہیں، غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکنے کے سلسلے میں ان کی توبہ کا واقعہ بہترین قصص میں سے ہے۔

۲؎ انگوٹھے، انگشت شہادت اور درمیانی انگلی۔

۳؎ یعنی کھانے سے فارغ ہوکر ـــــ بعض روایات میں اضافہ ہے لِشَیءٍ یعنی کسی چیز رومال وغیرہ سے پونچھنے سے پہلے، یہ بھی اضافہ ہے ثُمَّ یَغْسِلُهَا پھر دست مبارک دھو لیتے

۳۹۸۴ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیَّتِهٖ الْبَرَکَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور پلیٹ کے چاٹنے کا حکم دیا[1] اور فرمایا: تم نہیں جانتے کہ کس لقمے اور کھانے کے کس حصے[2] میں برکت ہے۔ (مسلم)

۱؎ چونکہ بعض متکبر اور متمول لوگ اسے ناپسند رکھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں اس لیے بطور تاکید اس کے بعد اس کی وجہ بھی بیان فرمادی۔

۲؎ فی اَیَّتِہٖ تاء اور تنوین کے ساتھ، بعض نسخوں میں ہے اَیِّہٖ اَیٌّ مضاف ہے۔ ہا ضمیر کی طرف، یعنی تم نہیں جانتے کہ برکت، طعام کے اس حصے میں ہے جو تم کھا چکے ہو یا اس کھانے میں ہے جو انگلیوں اور برتن کے ساتھ لگا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں کا چاٹنا اور ان کے ساتھ لگے ہوئے کھانے کے اجزا کا حاصل کرلینا سنت ہے، نیز یہ کہ انگلیاں مبالغہ کے ساتھ حلق میں نہ ٹھونسی جائیں۔

۳۹۸۵/۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَمْسَحْ یَدَهٗ حَتّٰی یَلْعَقَهَا اَوْ یُلْعِقَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ نہ پونچھے یہاں تک کہ اسے چاٹ لے[1] یا کسی کو چٹا دے[2] (صحیحین)

۱؎ یَلْعَقَهَا یاء اور عین پر زبر۔

۲؎ یُلْعِقَهَا یاء پر پیش، عین کے نیچے زیر ـــــ کسی ایسے شخص کو چٹا دے جو اس سے گھن نہ کھائے اور اسے مکروہ نہ جانے، مثلاً بیوی، لونڈی، بچوں، شاگردوں، معتقدین اور محسن کو جو اس سے لطف اور برکت حاصل کریں۔

۳۹۸۶/۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ شَانِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطٰنِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ فِيْ اَيِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تم میں سے ایک آدمی کی ہر حالت میں حاضر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے کھانے کے وقت حاضر ہوتا ہے[۱]، جب تم میں سے ایک شخص کا لقمہ گر جائے[۲] تو اسے جو ناپسندیدہ چیز لگ گئی ہے اسے دور کر دے[۳] اور وہ لقمہ کھالے[۴]، اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے[۵]، پھر جب فارغ ہو جائے تو اپنی انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے[۶]؟ (مسلم)

۱؎ تاکہ آدمی کھانے کے دوران شیطان کی خواہش کے خلاف کسی کام یا اس کی تذلیل کا ارادہ نہ کرے، جیسے کہ نیکیوں اور امور طاعت میں ہوتا ہے، اور چاہیے کہ چند لقمے کھائے (پیٹ بھر کر نہ کھائے)

۲؎ تو چاہیے کہ نفس اور طبیعت کے تقاضے کے مطابق اس کے اٹھانے اور منہ میں ڈالنے سے کراہت اور تنگی محسوس نہ کرے (بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر اس کی قدر کرتے ہوئے کھالے۔ ۱۲ قادری نقشبندی)

۳؎ مثلاً مٹی وغیرہ

۴؎ اور اگر کوئی پلید چیز لقمے کو لگ جائے تو اگر ممکن ہو تو اسے دھولے ورنہ کتے یا بلی وغیرہ کو ڈال کر کھلا دے ——— تکبر اور رعونت میں مبتلا لوگوں کی طبیعتیں اس طرف مائل نہیں ہوں گی، وہی لوگ یہ طریقہ اختیار کریں گے جو عاجزی اور شیطان کی مخالفت میں راسخ قدم ہوں گے، اسی لیے فرمایا کہ اس لقمے کو شیطان کے لیے نہ چھوڑ دے۔

۵؎ شیطان کے لیے چھوڑ دینا یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان کھاتا ہے اور اس کے کھانے میں شیطان کا حصہ ہوتا ہے، یا یہ کنایہ ہے لقمے کے ضائع کرنے اور متکبروں کی عادت کے مطابق اسے حقیر جاننے سے، متکبروں کی عادت ہے کہ وہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانے میں عار محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی شیطان کے اعمال میں سے ہے

پھر تاکید، تکبر کے دفع کرنے اور تواضع کے حاصل کرنے کے لیے فرمایا کہ کھانے سے فارغ ہو کر انگلیاں چاٹ لو۔[۱]

۶ یہ عبارت اس سابقہ روایت کی تائید کرتی ہے جس میں آپ یہ اضافت کے ساتھ ہے۔

۳۹۸۷ وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اٰکُلُ مُتَّکِئًا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو جحیفہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے۔[۲] (بخاری)

۱ حضرت ابو جحیفہ پہلے جیم مضموم، پھر بے لقطہ حاء مفتوح اور فاء سے پہلے یاء ساکن، ان کا نام وہب بن عبد اللہ السوائی ہے سین پر پیش، واؤ مخفف، سواءۃ بن عامر کی طرف منسوب، کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، لیکن آپ سے سماع رکھتے ہیں اور روایت بھی کرتے ہیں، امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ میں بیت المال پر مقرر کیا تھا، تمام جنگوں میں ان کے ساتھ حاضر رہے، ۷۴ھ میں کوفہ میں وصال ہوا۔

۲ علامہ جزری، نہایہ میں فرماتے ہیں کہ عام طور پر گمان کیا جاتا ہے کہ تکیہ لگانے سے مراد ایک پہلو پر جھکنا اور ٹیک لگانا ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس جگہ نیچے بچھی ہوئی چیز پر جم کر بیٹھنا مراد ہے۔ جو شخص بستر پر جم کر اور سیدھا ہو کر بیٹھے وہ تکیہ لگانے والا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ تکیہ لگانے والے سے مراد جم کر بیٹھنے والا ہے خواہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا بچھی ہوئی چیز پر جم کر بیٹھے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ میں جب کھاتا ہوں تو بچھی ہوئی چیز پر بہت کھانے والوں کی طرح جم کر اور پھیل کر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ جم کر اور تسلی کے ساتھ بیٹھے بغیر بیٹھتا ہوں۔ اور چند لقمے کھا کر اٹھ جاتا ہوں۔

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ تکیہ تین قسم ہیں۔ (۱) یہ کہ پہلو زمین پر رکھے (۲) آلتی پالتی مار کر بیٹھے (۳) ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر ٹیک لگائے اور دوسرے کے ساتھ کھانا کھائے اور یہ تینوں قسمیں مذموم ہیں۔ (اھ) بعض محدثین نے ایک چوتھی قسم بھی گنوائی ہے اور وہ یہ کہ تکیے یا دیوار کے ساتھ پشت لگا کر کھائے، بعض حضرات نے کہا کہ اس جگہ

---

[۱] آج دور جدید کے ڈاکٹر ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا ہاضمے کے لیے معاون ہے، انگلیوں کی حرارت معدے تک پہنچتی ہے اور وہ ہضم میں مدد دیتی ہے۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چودہ سو سال پہلے ہی یہ نکتہ سمجھا دیا تھا، کانٹے اور چمچے سے کھانے والوں کو یہ فائدہ کیسے حاصل ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے دنیاوی فائدہ بھی ہے اور اخروی فائدہ بھی۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

تکیہ لگانے سے مراد سیدھا ہو کر بیٹھنا ہے اور کھانے میں سنت یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر اور جھک کر بیٹھے، تکیہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں یا بائیں جھک کر بیٹھا جائے، اطباء کے نزدیک اس طرح کھانا ممنوع ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس طرح بیٹھ کر کھانے سے کھانا انتڑیوں میں آسانی کے ساتھ نیچے نہیں جا سکے گا۔ اور خوشگوار بھی نہیں ہوگا جیسے کہ ہونا چاہیے اسی طرح مجمع البحار میں ہے، علامہ سیوطی، عمل الیوم واللیلۃ میں فرماتے ہیں کہ تکیہ لگا کر پیٹ کے بل لیٹ کر اور کھڑے ہو کر نہ کھائے، بلکہ دو زانو ہو کر بیٹھے۔ یا دونوں زانو کھڑے رکھے یا دونوں پاؤں پر بیٹھے یا دایاں زانو کھڑا کرے اور بایاں زانو بچھا کر اس پر بیٹھے[1]

۳۹۸۸ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ
۱۱
قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خِوَانٍ وَّلَا فِيْ سُكُرُّجَةٍ وَّ خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلٰى مَا يَاكُلُوْنَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ تو میز پر کھانا کھایا[2] اور نہ ہی چھوٹی پیالی[3] میں، اور آپ کے لیے باریک روٹی (چپاتی) نہیں پکائی گئی[4]، حضرت قتادہ سے پوچھا گیا کہ وہ حضرات کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟[5] فرمایا، دستر خوانوں پر۔ (بخاری)

[1] حضرت قتادہ بصری تابعی ہیں نابینا تھے، بصرہ کے تابعین کے تیسرے طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے، ۱۱۷ھ میں وصال ہوا، حضرت انس اور سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں، بعض تابعین مثلاً حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری سے بھی روایت کرتے ہیں، حضرت انس سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں، یہ حدیث بھی حضرت انس سے روایت کی ہے۔

[2] جیسے کہ امیر کبیر اور متکبر لوگوں کا طریقہ ہے تاکہ کھانے کے آگے جھکنا نہ پڑے، قاموس میں ہے کہ خوان کی خا پر پیش اور زیر دونوں جائز ہیں، لیکن حدیث کے نسخوں میں زیر کے ساتھ روایت ہے۔

[3] سکرجۃ سین اور کاف پر پیش، اور را مشدد مضموم، بعض علماء نے زبر کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے، نہایہ میں ہے

---

[1] ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ دایاں زانو کھڑا کر کے اور بایاں زانو بچھا کر کھانے والے کو اپینڈیکس کا عارضہ لاحق نہیں ہوتا، کیونکہ اس عارضے میں ناف کی دائیں جانب ایک انتڑی بڑھ جاتی ہے اور مریض کو شدید درد لاحق ہوتا ہے اور اس کا علاج صرف آپریشن سے ہوتا ہے، جب کھانا کھانے کے وقت دایاں زانو کھڑا رہے گا تو وہ انتڑی دبی رہے گی، اللہ اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرنے کے کتنے فائدے ہیں۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

چھوٹا برتن جس میں تھوڑا سالن کھایا جاتا ہے، یہ فارسی سے معرّب بنایا ہوا ہے، عام طور پر ان برتنوں کو کہتے ہیں جن میں چٹنی اور جوارش ڈال کر کھانوں کے پاس رکھی جاتی ہے تاکہ بھوک کو ابھارے اور ہضم میں مدد دے۔

۴؎ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی چپاتی تناول نہیں فرمائی خواہ آپ کے لیے پکائی گئی ہو یا کسی دوسرے کیلیے جیسے کہ بعض محدثین نے کہا ہے، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے چپاتی تناول نہیں فرمائی۔ ظاہر عبارت یہ ہے کہ آپ کے لیے نہیں پکائی جاتی تھی، اور اگر کسی دوسرے نے اپنے لیے پکائی ہو اور آپ کے سامنے لا کر کھانے لگا ہو تو اس کے کھانے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ صحابہ کرام کی موافقت فرماتے تھے اور تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح کہنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم میز پر کھانے کی نفی سے یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کھانا کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے اور میز کی جگہ کوئی دوسری چیز ہوتی تھی یا نہیں؟ برخلاف چھوٹی پیالی میں کھانے کے کہ اس کی مطلقاً نفی ہے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ صحابہ کرام کے حال کے بارے میں سوال ہے، کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال اور آثار کی پیروی کرنے والے تھے ان کے احوال کے بارے میں سوال دراصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال شریف کے بارے میں سوال ہوگا اور اگر "یاکلون" کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف راجع کریں تو بھی درست ہے۔

سُفَر سین پر پیش، فا پر زبر، جمع ہے سُفْرَۃ کی فا ساکن، دیار عرب میں چمڑے یا کھجور کے پتوں کے گول سے دسترخوان بناتے تھے، سفرہ اصل میں اس کھانے کو کہتے ہیں جو مسافر اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور عام طور پر چمڑے کے گول دسترخوان میں لے جاتے ہیں اس لیے مجازاً چمڑے کے دسترخوان کو سفرہ کہہ دیا گیا۔

۴۱۸۹ / ۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْلَمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَغِيْفًا مُّرَقَّقًا حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَلَا رَاٰى شَاةً سَمِيْطًا بِعَيْنِهٖ قَطُّ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نہیں جانتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتی دیکھی ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے ؎۱ اور آپ نے کبھی اپنی آنکھ سے بھنی ہوئی بکری ؎۲ نہیں دیکھی۔ (بخاری)

۱؎ اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

۲؎ سمیط اس بکری کو کہتے ہیں جس کے بال گرم پانی کے ساتھ اتار دیے جاتے ہیں پھر چمڑے سمیت بھونی جاتی ہے اور یہ دولتمندوں کی عادت ہے، اسی لیے خاص طور پر اس کا ذکر کیا، آنکھ کے ساتھ دیکھنے کا ذکر تاکید کے لیے کیا ہے،

جیسے کہتے ہیں کہ یہ تحریر فلاں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور فلاں شخص اپنے پاؤں کے ساتھ چلا۔

۴۹۹۰ ۱۳ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ مَا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخَلًا مِّنْ حِيْنَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ قِيْلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَاْكُلُوْنَ الشَّعِيْرَ غَيْرَ مَنْخُوْلٍ قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهُ وَ نَنْفُخُهُ فَيَطِيْرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَاَكَلْنَاهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک میدہ[2] نہیں دیکھا، یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعثت سے وصال تک چھلنی[3] نہیں دیکھی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات[4] جو چھانے بغیر کس طرح کھاتے تھے؟ فرمایا، ہم انہیں پیس کر پھونک مارتے تھے تو جو کچھ اڑ[5] جاتا وہ اڑ جاتا اور جو باقی بچتا اسے ہم گوندھ[6] لیتے اور کھا لیتے تھے[7] (بخاری)

[1] حضرت سہل بن سعد ساعدی مشہور انصاری صحابی ہیں، ان کے احوال کئی دفعہ لکھے جا چکے ہیں۔

[2] النقی نون پر زبر، قاف کے نیچے زیر، اور یا مشدد، وہ آٹا جسے بار بار چھانا گیا ہو، تاکہ صاف اور سفید رہ جائے، میدہ۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ دیکھا اور نہ ہی اس کی روٹی کھائی۔

[3] منخلا میم اور خا پر پیش، خا پر زبر بھی آئی ہے۔ چھلنی جس کے ساتھ آٹا چھانتے ہیں۔

[4] یعنی جو کی روٹی ——— حالانکہ عام طور پر آپ کی خوراک جو ہی سے تھی۔

[5] بھوسا۔

[6] ثرّی ترمٹی، تثریۃ مٹی کو پانی سے تر کرنا۔

[7] بظاہر ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باریک روٹی (چپاتی) تناول نہیں فرمائی، کیونکہ نہ دیکھنے سے مراد بطور تاکید نہ کھانا ہے۔ گزشتہ حدیث میں جو ہے کہ آپ کے لیے چپاتی نہیں پکائی گئی تو اس سے مراد بھی یہی ہوگا۔ ہاں اس جگہ یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا کہ آپ کیلیے

ایسی روٹی پکائی گئی ہو، لیکن یہ تاویل بعید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۹۹۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَکَلَهٗ وَ اِنْ کَرِهَهٗ تَرَکَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھانے[۱] میں عیب نہیں نکالا، اگر آپ کی طبیعت چاہتی تو اسے تناول فرمالیتے اور آپ کو ناپسند[۲] ہوتا تو چھوڑ دیتے۔

(صحیحین)

[۱] اس کھانے کو جو آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔

[۲] طبیعت شریفہ کے موافق نہ ہوتا یا موقع محل کے مناسب نہ ہوتا۔

۳۹۹۲ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا کَانَ یَاْکُلُ اَکْلًا کَثِیْرًا فَاَسْلَمَ وَکَانَ یَاْکُلُ قَلِیْلًا فَذُکِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَاْکُلُ فِیْ مِعًی وَّاحِدٍ وَّالْکَافِرُ یَاْکُلُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَآءٍ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) وَرَوٰی مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهٗ ضَیْفٌ وَّهُوَ کَافِرٌ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک شخص بہت کھایا کرتا تھا وہ اسلام[۱] لے آیا تو کم کھایا کرتا تھا، یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی تو فرمایا: بے شک مومن ایک آنت میں کھاتا[۱] ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

(بخاری)

امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث کا اتنا حصہ ہی روایت کیا جس کا اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف[۲] ہے حضرت ابوہریرہ سے مروی امام مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا وہ کافر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر ایک بکری کا دودھ دوہا گیا۔ تو وہ

اُخْرٰی فَشَرِبَهٗ ثُمَّ اُخْرٰی فَشَرِبَهٗ حَتّٰی شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ اَنَّهٗ اَصْبَحَ فَاَسْلَمَ فَاَمَرَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ اَمَرَ بِاُخْرٰی فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِیْ مِعًی وَّاحِدٍ وَّ الْكَافِرُ يَشْرَبُ فِیْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

اس کا تمام دودھ پی گیا، پھر دوسری کا حکم دیا اس کا دودھ بھی پی گیا پھر ایک اور بکری کا حکم دیا اس کا دودھ بھی پی گیا یہاں تک کہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ پھر صبح ہوئی تو وہ اسلام لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم پر ان کے لیے ایک بکری دوہی گئی تو اس کا دودھ پی گئے۔ پھر دوسری دوہی گئی تو اس کا سارا دودھ نہ پی سکے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا! مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔[۱]

[۱] یہ کم کھانے سے کنایہ ہے ———— مِعًا میم کے نیچے زیر بر وزن اِلٰی، آنت، اَمْعَاء ہمزے پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، جمع ———— کہتے ہیں کہ ہر آدمی کی سات آنتیں ہوتی ہیں، علامہ طیبی نے کہا کہ سات کی تخصیص کثرت کے بیان میں مبالغہ کے لیے ہے جیسے اللہ تعالٰی کے اس فرمان میں وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور ہوں) کہتے ہیں کہ مومن کی دنیا میں بے رغبتی اور کافر کی حرص اور طمع کی مثال بیان کرنا مقصود ہے، کم اور زیادہ کھانا مراد نہیں ہے۔

یا مومن سے مراد کامل ایمان والا مومن ہے، اس کے کم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالٰی کا نام لینے کی برکت حاصل ہوتی ہے، اس کا باطن معرفت اور ایمان کے نور سے معمور ہوتا ہے، اس کی توجہ جسم کی تدبیر کی طرف کم ہوتی اور وہ اسے اہمیت نہیں دیتا۔ کافر اس کے برعکس ہوتا ہے، اور حقیقت میں یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ مومن کو چاہیے کہ صبر و قناعت، اور زہد و ریاضت کے سلوک کو لازم پکڑے، بھوک اور ضرورت پر ٹھہر جانے اور معدے کو خالی رکھنے پر اکتفا کرے کہ یہ طریقہ دل کے منور ہونے، کدورت اور قساوت کے زنگ سے باطن کے پاک ہونے، بیداری اور عبادت کے میسر آنے کا موجب ہے، اس کے علاوہ کم کھانے کے دوسرے بہت سے فوائد اور منافع ہیں۔

مروی ہے کہ ایک فقیر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس آیا، اس نے کھانا بہت کھایا، فرمایا! اسے دوسری بار میرے پاس نہ لانا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ اس صفت میں کافروں کے مشابہ ہو گیا تھا۔

اور جو شخص کافروں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو اس کی صحبت سے بچنا چاہیے، ہمیشہ کم کھانا دانشوروں، بلند ہمت والوں اور صوفیاء کرام کے نزدیک قابل تعریف ہے، اور زیادہ کھانا قابل مذمت ہے، ہاں حد سے بڑھ کر بھوکا رہنا ممنوع ہے جو جسمانی کمزوری اور جسمانی قویٰ کے مختل ہونے کا باعث بنے اور کاروبار سے روک دے، ایسی بھوک طریقہ حکمت کے بھی منافی ہے، ہاں اس کا طریقہ یہ ہے کہ ریاضت کا اندازہ اختیار کیا جائے اور اس کی عادت ڈالی جائے، جیسے درویش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے، یہ حضرت ابوہریرہ سے امام بخاری کی روایت ہے۔

۲ے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَأْکُلُ سے آخر تک، یعنی امام مسلم کی روایت میں یہ واقعہ مذکور نہیں ہے کہ ایک مرد اکیلا بہت کھایا کرتا تھا، بلکہ صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مذکور ہے۔

۳ے بعض نسخوں میں ہے فَلَوْ یَنْتَوْ نِهَا۔ اس پہلی بکری کا سارا دودھ نہ پی سکے اور اسی کے ساتھ سیر ہو گئے۔

۴ے اس جگہ دودھ پینے کا ذکر تھا اس لیے فرمایا کہ وہ پیتا ہے، جب کہ سابقہ روایت میں (کھانے کا ذکر تھا اس لیے وہاں) فرمایا کہ کھاتا ہے۔

۳۹۹۳/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلٰثَةِ وَطَعَامُ الثَّلٰثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کا کھانا تین کے لیے کفایت کرنے والا ہے[۱] اور تین کا کھانا چار کے لیے کفایت کرنے والا ہے[۲] (صحیحین)

۱ے مطلب یہ ہے کہ جتنے کھانے سے دو آدمی سیر ہو جائیں وہ تین آدمیوں کی خوراک بن سکتا ہے (یعنی اس پر تین افراد گزارہ کر سکتے ہیں۔ ۱۲ قادری۔)

۲ے اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ابھی بیان کیا گیا (یعنی تین آدمیوں کے کھانے پر چار افراد گزارہ کر سکتے ہیں)

۳۹۹۴/۱۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک کا کھانا دو کے لیے اور دو کا کھانا

طَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِى الثَّمَانِيَةَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کفایت کرتا ہے [1] (مسلم)

[1] اس کا مطلب وہی ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا، لفظ کفایت میں اس مطلب کی طرف اشارہ ہے، ہاں پہلی حدیث میں ثلث اور ربع کے حساب سے ارشاد فرمایا اور اس حدیث میں مضاعفت کے طور پر (یعنی جتنے آدمیوں کا کھانا ہے ان سے دو چند کے لیے کفایت کرتا ہے) اور دونوں باتیں صحیح ہیں، حالات اور اشخاص کے اختلاف کی بنا پر اختلاف ہے، مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمادہ کے سال (۱۸ھ) فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کے برابر افراد بھیجوں۔

مطلب یہ تھا کہ ان کے کھانے میں دو افراد شریک ہوں، کیونکہ آدمی پیٹ بھرنے کی مقدار سے آدھا کھانا کھا کر ہلاک نہیں ہوتا، بہر صورت اس جگہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور ہمدردی سے پیش آنے اور قدر کفایت پر قناعت کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

۴۹۹۵/۱۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلتَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِّفُؤَادِ الْمَرِيْضِ تُذْهِبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تلبینہ [1] (حریرہ) بیمار کے دل کو راحت بخشنے والا ہے [2]۔ کچھ غم کو دور کر دیتا ہے [3] (صحیحین)

[1] تلبینہ یہ آٹے یا بھوسے (چھان بورے) سے شوربے کی طرح پتلا بنایا جاتا ہے اس میں شہد ڈالا جاتا ہے، سفیدی اور پتلا ہونے میں دودھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح نہایہ میں ہے، اسی لیے اسے تلبینہ کہتے ہیں جو لبن (دودھ) سے مشتق ہے۔

[2] مُجِمَّۃ میم اور جیم کی زبر کے ساتھ، میم کی پیش اور جیم کی زیر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔

[3] حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان کے رشتہ داروں میں سے کوئی فوت ہو جاتا اور اس کے لیے عورتیں جمع ہوتیں تو آپ تلبینہ پکانے کا حکم دیتیں، ہنڈیا چڑھا کر اس میں تلبینہ ڈال دیا جاتا، اس جماعت کو کھانے کے لیے دیتیں اور یہ حدیث روایت کرتیں، تلبینہ کے بارے میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں جن میں اس کے فائدے کا ذکر ہے۔

۴۹۹۶/۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَيَّاطًا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيْرٍ وَّ مَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَّ قَدِيْدٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمِئِذٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ ایک درزی نے کھانا تیار کر کے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوت دی، میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا[۱] درزی نے جَو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا[۲] میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیالے کے اطراف و جوانب[۳] میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا اس دن کے بعد میں ہمیشہ کدو کو محبوب رکھتا رہا ہوں۔ (صحیحین)

[۱] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ خادموں اور تابعین کیلیے جائز ہے کہ دعوت میں مخدوم اور متبوع کے ساتھ جائیں، پھر اگر صراحت یا دلالت کے ساتھ دعوت کرنے والے کی رضامندی پائی جائے تو دعوت میں شامل ہو جائیں۔ یہ حکم ضیافت کے باب میں معلوم ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

[۲] مَرَق میم اور راء پر زبر، شوربا قدید وہ گوشت جسے نمک لگا کر خشک کر دیا گیا ہو۔ قَدّ کا معنی ہے کسی چیز کا لمبائی میں کاٹنا۔

[۳] حوالیٰ تثنیہ کا لفظ ہے۔ حَوَالَیہ، حَوَالَہ، حَوْلَیہ اور حَوْلَہ بھی کہتے ہیں، سب صورتوں میں لام پر زبر ہے، بمعنی جانب۔ اس جگہ سے معلوم ہوا کہ پلیٹ کے اطراف کی طرف ہاتھ کا دراز کرنا جائز ہے جب کہ طعام مختلف ہو اور معلوم ہو کہ ساتھی اسے ناپسند نہیں کرے گا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کدو کو تلاش کرنے سے معلوم کیا کہ آپ کو اس سے محبت ہے، اسی لیے فرمایا کہ میں اس دن کے بعد ہمیشہ اسے محبوب رکھتا رہا ہوں۔ حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ فقراء و مساکین اور اہل حرفہ (درزی وغیرہ) کی دعوت قبول کرنی چاہیے اور جو کچھ وہ فقیرانہ کھانا پیش کریں اس کے ساتھ دلچسپی لینا چاہیے اور اکڑفوں کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

۳۹۹۷/۲۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ اَنَّهُ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بکری کا کندھا

فِيْ يَدِهٖ فَدُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَلْقَاهَا وَ السِّكِّيْنَ الَّتِيْ يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَ لَمْ يَتَوَضَّأْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ کے دست مبارک میں تھا اور آپ اس کا گوشت کاٹ رہے تھے[2]، اتنے میں آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا[3] تو آپ نے وہ کندھا اور وہ چھری پھینک دی جس کے ساتھ آپ کاٹ رہے تھے[4] پھر آپ کھڑے ہوئے، نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (صحیحین)

[1] حضرت عمرو بن امیہ ضمری پہلوان صحابہ میں سے تھے اور عرب کے طاقت ور اور جرأتمند افراد میں سے شمار ہوتے تھے بدر اور احد میں مشرکوں کے ساتھ حاضر ہوتے، احد سے واپسی پر ایمان لے آئے، مسلمانوں کے ساتھ پہلے پہل بیئر معونہ کے دن حاضر ہوئے، عامر بن طفیل نے انہیں گرفتار کر لیا، بعد ازاں رہا کر دیا، ۶ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ میں نجاشی کے پاس بھیجا، نجاشی کے پاس پہنچ کر اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آئے، حضرت عمرو اہل حجاز میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[2] یحتز بے نقطہ حاء، زاء مشدد، مشتق ہے حز سے جس کا معنیٰ کاٹنا ہے، جیم کے ساتھ بھی روایت ہے اس کا معنیٰ بھی کاٹنا ہے، کہتے ہیں کہ بالوں اور گھاس کے بارے میں جیم کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور گوشت وغیرہ میں حاء کے ساتھ۔

[3] اس بلانے سے مراد اذان ہے یا یہ مراد ہے کہ معمول کے مطابق جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو حضرت بلال نے آ کر اطلاع دی۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے ساتھ گوشت کاٹنا جائز ہے، یہ اس وقت ہے جب حاجت ہو، اور اگر اتنا پکا اور گلا ہوا ہو کہ کاٹنے کی حاجت نہ ہو تو چھری سے کاٹنا مکروہ ہے اور عجمیوں کے تکلفات میں سے شمار کیا جاتا ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ نیز کھانا حاضر ہونے کے باوجود مؤذن کی آواز پر لبیک کہنا اور نماز کو حاضر ہونا بھی ثابت ہوا، اور یہ اس وقت ہے کہ کھانے کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہو، کھانے کی سخت حاجت نہ ہو، اور یہ خوف نہ ہو کہ بعد میں نہیں ملے گا، یہ بھی معلوم ہوا کہ پکا ہوا گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں واجب تھا پھر منسوخ ہو گیا، اس حدیث سے اگرچہ صراحۃً گوشت کھانا معلوم نہیں ہوا لیکن ظاہر یہی ہے، دوسری احادیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے۔

۳۹۹۸ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ الْحَلْوَآءَ وَالْعَسَلَ۔ حلوا[1] اور شہد پسند فرماتے تھے۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

[1] حلوا ہمزہ ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ، اس کا اطلاق صرف اس چیز پر ہوتا ہے جو تیار کی جائے اور اس میں چکنائی اور مٹھاس ہو، اسی طرح مجمع البحار میں ہے، کہتے ہیں کہ حلوا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بطور طلب اور خواہش نہ تھی، بات صرف اتنی تھی کہ جب ایسی کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تو کسی قدر رغبت سے تناول فرماتے جس سے ظاہر ہوتا کہ آپ اس کے ذائقے کو پسند فرماتے ہیں، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اَلْمُؤمِنُ حَلَوِیٌّ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ مومن حلوے کو پسند کرنے والا ہے، جیسے کہ ظاہر ہے، یا ایمان کی مٹھاس کا محسوس کرنا مراد ہے، درحقیقت ایمان کے ذائقے میں مٹھاس ہے، جیسے کہ ارشاد فرمایا: اس شخص نے ایمان کی مٹھاس پائی جو اللہ تعالےٰ سے راضی ہوا۔ اس لذت کو وہی پہچانتا ہے جو اسے چکھتا ہے۔

۳۹۹۹/۲۲ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاَلَ اَھْلَہُ الْاُدُمَ فَقَالُوْا مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِہٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ بِہٖ وَ یَقُوْلُ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ سے سالن[1] کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف سرکہ ہے آپ نے وہی طلب کیا اور اس کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے فرمانے لگے سرکہ بہترین سالن ہے، سرکہ بہترین سالن ہے[2]

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[1] اُدُم ہمزے پر پیش، دال ساکن اسی کو اصول صحیحہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔ بعض نسخوں میں دال کے پیش کے ساتھ ہے، علامہ ابن حجر نے شرح شمائل میں فرمایا، اُدْمٌ دال کے سکون کے ساتھ اِدَامٌ کی طرح مفرد ہے اور دال کے پیش کے ساتھ جمع ہے جیسے کُتُبٌ اور کِتَابٌ، اُدْم اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ روٹی کھائیں اور وہ روٹی کی اصلاح کرے مشتق ہے مُؤَادَمَۃٌ سے جس کا معنیٰ موافقت اور ملائمت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل سے سالن طلب فرمایا۔

[2] مقصد کھانے کی چیزوں میں میانہ روی اختیار کرنے کی تعریف تھی اور نفس کو لذیذ کھانوں سے منع کرنا تھا۔

۳ ؎ دو دفعہ تاکید اور عوام الناس کے دلوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا ـــــــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قسم کھائے کہ وہ سالن کے ساتھ روٹی نہیں کھائے گا پھر اس نے سرکے کے ساتھ کھالی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سرکہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سالن ہے، طب کی کتابوں میں سرکے کے بہت فائدے لکھے گئے ہیں۔

۴۰۰۰ / ۲۳ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَ مَآءُهَا شِفَآءٌ لِّلْعَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ مِّنَ الْمَنِّ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کھمبیؔ مَنّ سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے (صحیحین) امام مسلم کی روایت میں ہے اس مَنّ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا۔ ۲؎

۱ ؎ اَلْکَمْاَۃُ کاف پر زبر، میم ساکن، ہمزہ پر زبر بروزن رَحْمَۃٌ عام طور پر میم کی زبر کے ساتھ، ہمزہ کے بغیر پڑھتے ہیں۔ بروزن نَجَاۃٌ چربی کی طرح ایک سفید چیز ہے۔ جسے زمین کی چربی کہتے ہیں۔ فارسی میں سماروق، کلاہِ دیو اور ہمارے علاقے میں چتر مار کہتے ہیں اور وہ حلال ہے، ہمارے علاقے میں چونکہ اس کے کھانے کی عادت نہیں ہے اس لیے اکثر لوگ طبعی طور پر اسے مکروہ جانتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ مَن سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر نازل ہوا، جیسے قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ہم نے تم پر مَن و سلوی اتارا۔ کہتے ہیں کہ اسے مَن میں سے قرار دینے سے مراد اسے مَن کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ کہ جس طرح مَن محنت و مشقت کے بغیر آسمان سے اترتا تھا، اسی طرح کھمبی بھی بغیر کسی مشقت کے زمین سے برآمد ہوتی ہے۔ ورنہ بنی اسرائیل کا مَن وہ تر چیز ہوتی تھی جو خشک ہو کر شکر کی طرح بن جاتی تھی اور کھمبی اس طرح نہیں ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس جگہ مَن سے مراد بنی اسرائیل کا مَن نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور احسان بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ یہ قول اس دوسری روایت کے مخالف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مَن ہے جو سلوٰی کے ساتھ تھا جیسے کہ اس کے بعد مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

۲ ؎ ایک روایت میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اتارا۔ یہ پوری حدیث کتاب طب و رُقیٰ میں آئے گی۔ اس کی ایک دوسری خاصیت یہ بیان فرمائی کہ اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے، رہا یہ کہ اس کا پانی تنہا آنکھ کے لیے شفاء ہے یا کسی

دوسری چیز کے ساتھ ملا کر؟ تفصیل کے ساتھ ہم اسی جگہ بیان کریں گے۔

۴۰۰۱/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ککڑی کے ساتھ تر کھجور کھاتے دیکھا[1]۔ (صحیحین)

[1] قثاء قاف پر پیش اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں اور زیر زیادہ ہے، آخر میں الف ممدودہ، ککڑی شمائل ترمذی میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تر کھجور کے ساتھ تربوز کھایا کرتے تھے۔ یہ بھی آیا ہے کہ تر کھجور کے ہمراہ خربوزہ کھایا کرتے تھے۔ خربز خا کے نیچے زیر، را ساکن اور با کے نیچے زیر، خربوزہ، بعض روایات میں بطیخ (تربوز) کی جگہ طبیخ آیا ہے۔ با سے پہلے طا، جس کا معنی مطبوخ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے یَأْكُلُ الْقَثَدَ بِالْمُجَاجِ، قثد پہلے دونوں حرفوں پر زبر نباتات میں سے ککڑی کے مشابہ ایک چیز بلکہ اس کی ایک قسم ہے، مجاج میم پر پیش اس کے بعد دو جیم، شہد۔

اس میں شک نہیں ہے کہ اس حدیث کے الفاظ سے ان چیزوں اور تر کھجور کا جمع کرنا سمجھا جاتا ہے، محدثین نے فرمایا کہ معدہ میں جمع کرنا مراد ہے، بعض نے کہا کہ چبانے میں جمع کرنا مراد ہے یعنی دونوں چیزوں کو منہ میں جمع کرتے اور ملا کر تناول فرماتے، یہ مطلب الفاظ سے زیادہ ظاہر ہے، بعض شارحین نے کہا کہ تر کھجور اور ککڑی کو چبانے میں جمع کرنا ذائقے کے اعتبار سے موزوں نہیں ہے اس لیے معدے میں جمع کرنا مراد ہوگا، یہ قول درست نہیں ہے اور محض ظن و تخمین کی بنا پر احادیث کو ظاہر سے پھیرنا ہے، ذائقے کا موزوں نہ ہونا بھی مسلم نہیں ہے۔ امام طبرانی کی روایت کردہ حدیث میں ہے اگرچہ محدثین نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں ککڑی اور بائیں ہاتھ میں تر کھجوریں تھیں اور آپ کبھی اس سے تناول فرماتے اور کبھی اس سے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں چیزیں کھانے میں جمع فرمائیں اور ظاہر یہ ہے کہ اتفاقاً بغیر کسی تکلف کے ایسا ہوا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ دو کھانوں کا جمع کرنا اور کھانوں میں وسعت جائز ہے۔ اس کے جواز میں علماء کا اختلاف نہیں ہے اور وہ جو سلف صالحین کا اس کے خلاف منقول ہے تو وہ اس امر پر محمول ہے کہ کئی کھانوں کا جمع کرنا عادت بنا لیا جائے اور دینی مصلحت کے بغیر کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے جمع کی جائیں اور داد عیش دی جائے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۴۰۰۲/۲۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ فَقِيْلَ أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ہمراہ مرالظہران[1] میں پیلو کے پھل[2] چن رہے تھے، آپ نے فرمایا: اس میں سے خاص طور پر کالے کالے چنو کہ وہ اچھے ہوتے ہیں[3]، عرض کیا گیا کہ کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں[4]

(صحیحین)

[1] مرالظہران میم پر زبر، را مشدد، نقطے والی ظاء پر زبر، مکہ مکرمہ سے ایک مرحلے سے کم فاصلے پر ایک وادی ہے جسے عوام وادیٔ فاطمہ کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی زیارت کے عازمین پہلے اسی جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں، وادیٔ فاطمہ نام میں حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف نسبت نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہی نام ہے جس طرح مختلف مقامات اور دیہات کا نام ہوتا ہے، اسی طرح میں نے بعض مشائخ سے سنا۔

[2] کباث کاف پر زبر، بار مخفف، پیلو کے پکے ہوئے پھل کو کہتے ہیں۔

[3] پیلو کا پھل جنگل میں بود و باش اختیار کرنے اور بکریاں چرانے والوں کی خوراک ہوتا ہے اور انہیں ہی اچھے اور برے کی پہچان ہوتی ہے (اسی لیے صحابۂ کرام نے سوال کیا۔ ۱۲ ق)

[4] کلمات حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے اور اسے مبالغہ پر محمول کرنا بعید ہے ——— محدثین فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت، دنیا داروں، بادشاہوں، متکبروں اور اپنے آپ کو اونچا سمجھنے والوں میں نہیں رکھا بلکہ بکریاں چرانے والوں اور ارباب فقر و تواضع میں رکھا، کہتے ہیں کہ بکریاں چرانے میں حکمت یہ ہے کہ کمزوروں کی صحبت کے سبب صفتِ تواضع حاصل اور مکمل ہو، نیز خلوت گزینی اور بادیہ نشینی سے دلوں کی

---

[1] آج کل اعلیٰ ہوٹلوں میں کھانے پینے کی بیسیوں چیزیں سجی ہوتی ہیں اور عیش پرست دولت مند حسب خواہش ان میں سے پیتے ہیں اور کھاتے ہیں، ایک ایک وقت میں سینکڑوں ہزاروں روپے اڑا دیتے ہیں، یہ سراسر تکلف ہے اور اسراف میں داخل ہے، اسلامی روش تو یہ تھی کہ قحط کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روغن زیتون تک کھانا چھوڑ دیا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک عوام کو میسر نہ ہوگا۔ آج عام آدمی کو دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے ایسے میں ارباب حکومت کا جلسوں، جلوسوں، غیر ملکی سفروں اور دعوتوں پر اربوں روپے خرچ کر دینا سراسر ناانصافی اور عام آدمی سے ہمدردی نہ ہونے کی علامت ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

صفائی اور امانت کی راہنمائی کے لیے اصلاح اور انتظام کا سلیقہ حاصل ہو، رعیت، "رَعْیٌ" اور "رِعَایَۃٌ" کے مادہ سے مشتق ہے، روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کس صفت کی بنا پر نبوت عطا فرمائی؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے، فرمایا اس دن کو یاد کرو جب تم وادی ایمن میں بکریاں چرا رہے تھے، ایک بکری بھاگ گئی، تم اس کے پیچھے بھاگے اور اس سلسلے میں تکلیف اور مشقت اٹھائی، جب تم نے اس بکری کو پکڑ لیا تو تم نے نہ تو اسے مارا اور نہ ہی ناراض ہوئے، بلکہ ازراہ شفقت کہا۔ بیچاری بکری! تم نے خود بھی تکلیف اٹھائی اور مجھے بھی مشقت میں ڈالا، جب ہم نے اس حیوان پر تمہاری نرمی اور رحمت و شفقت دیکھی تو ہم نے بھی تم پر رحمت کی اور تمہیں منتخب کیا اور نبوت عطا فرمائی۔ شعر

ہلا خوش باش کاں محبوبِ جاں را
بدرویشان و مسکیناں سرے ہست

خبردار! خوش ہو جاؤ کہ اس محبوبِ جان کو درویشوں اور مسکینوں کا پاس ہے۔

۴۰۲۳/۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقْعِیًا یَاْکُلُ تَمْرًا وَّ فِیْ رِوَایَۃٍ یَاْکُلُ مِنْہُ اَکْلًا ذَرِیْعًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے[۱] خشک کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جلدی جلدی کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا[۲] (مسلم)

[۱] اس جگہ اقعاء سے مراد سیرین کا زمین پر رکھ کر پنڈلیوں کا کھڑا کرنا ہے۔

[۲] اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھجوریں تناول فرمانے سے کوئی زیادہ اہم کام درپیش ہوگا اس لیے آپ نے کوشش کی کہ جلد کھجوریں تناول فرما کر اس کام میں مشغول ہو جائیں، خواہش اور حرص والوں کی طرح جلدی نہیں فرمائی۔

۴۰۲۴/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقْرِنَ الرَّجُلُ بَیْنَ التَّمْرَتَیْنِ حَتّٰی یَسْتَاْذِنَ اَصْحَابَہٗ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک آدمی دو کھجوروں کو جمع کرے یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے[۱] (صحیحین)

ف جو اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہیں۔ علامہ سیوطی نے فرمایا: یہ فقر اور تنگ دستی کی حالت میں تھا، دولت اور وسعت کے حاصل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور فرمایا: ہم تمہیں کھجوروں کے جمع کرنے سے منع کرتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کی فراخی عطا فرمائی ہے تو ملا کر کھا سکتے ہو، یعنی اگر ملا کر کھائیں تو یہ حرام اور مکروہ نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ اگر ساتھیوں نے مل کر خرچ کیا ہے اور وہ صرف اس قدر پر راضی ہوں کہ ہر شخص اپنے خرچ کے مطابق کھائے تو اس سے تجاوز کرنا حرام ہے، اس صورت کے علاوہ ادب اور طریقۂ مروت کی حفاظت باقی ہے، ہاں اگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو (تو حرج نہیں) لہٰذا سابقہ ممانعت دونوں صورتوں (فقر اور فراخی) کو شامل ہے اور اباحت اور استثناء شرکت کے ماسوا صورت میں ہے۔

۴۰۰۵/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجُوْعُ اَهْلُ بَيْتٍ عِنْدَهُمُ التَّمْرُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يَا عَائِشَةُ بَيْتٌ لَّا تَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ اَهْلُهٗ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گھر والے بھوکے نہیں رہتے جن کے پاس کھجوریں موجود ہوں[1] اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: عائشہ! جس گھر میں کھجوریں نہ ہوں اس گھر والے بھوکے ہیں، دو یا تین مرتبہ[2] یہ ارشاد فرمایا۔ (مسلم)

ف گویا یہ گھر میں کھجوریں محفوظ رکھنے کی ترغیب ہے، تاکہ بوقت حاجت بھوکا نہ رہے اور جو کچھ گھر میں ہو وہ تیار رہے، مدینہ منورہ کے باشندوں کی یہ عادت ہے کہ اس مبارک شہر میں میسر ہونے والی کھجور کی مختلف قسمیں گھروں میں جمع رکھتے ہیں، جیسے کہ زراعت پیشہ لوگ گھروں میں غلے جمع رکھتے ہیں، ایک دفعہ یہ فقیر مدینہ منورہ میں سید جعفر نامی بزرگ کی زیارت کے لیے گیا وہ مدینہ منورہ کے اکابر میں سے تھے۔ ان کے پاس جو کھجوریں موجود تھیں وہ لا کر پیش کر دیں پوچھا کہ کھجور کی اس قسم کا نام کیا ہے؟ فرمایا: جعفری، میں نے پوچھا دونوں معنوں کے اعتبار سے؟ (یعنی اس کا نام بھی جعفری ہے اور آپ کی نسبت سے بھی جعفری ہے؟) فرمایا: ہاں۔

ف۲ راوی کو شک ہے، انہیں تعداد یاد نہیں رہی۔

۴۰۰۶/۲۹ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سَمٌّ وَّلَا سِحْرٌ۔

سنا کہ جس شخص نے صبح کے وقت سات عجوہ[1] کھجوریں کھائیں اسے اس دن نہ تو زہر نقصان دے گا اور نہ ہی جادو[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

[1] عجوہ بے نقطہ عین پر زبر جیم ساکن، یہ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے جس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے یہ مدینہ طیبہ کی عمدہ ترین کھجور ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی اصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لگائی ہوئی ہے۔

[2] سَم سین پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، زیادہ مشہور اور فصیح اس کی زیر ہے، اس جگہ زہر قاتل مراد ہے جو معروف ہے۔ یا سانپ بچھو وغیرہ کی زہر سے عام زہر مراد ہے، ان جانوروں پر سَمّ سے مشتق سامہ اور سوام کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ احادیث میں ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ ان الفاظ میں مانگی گئی ہے۔ وَمِنْ شَرِّ السَّامَّةِ وَالْهَامَّةِ کھجور کی اس قسم میں یہ خاصیت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پائی گئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے جڑی بوٹیوں میں مختلف خواص پیدا کیے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس کی اطلاع دی گئی ہوگی۔ محدثین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس میں یہ خاصیت پیدا ہوئی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کو دعا پر محمول کیا جائے یا دعا دوسرے موقع پر کی ہو اور یہ اس کے بعد کی خبر ہو۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ سات عدد کی تخصیص کی وجہ سوائے شارع علیہ السلام کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کا علم توقیفی ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سننے پر موقوف ہے، جیسے نماز کی رکعتوں وغیرہ کی تعداد، تسبیحوں کے پڑھنے اور دعاؤں میں اسماء الٰہیہ کے بارے میں جو تعداد واقع ہوئی ہے وہ بھی اسی قبیلے سے ہے جس اثر کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ اس تعداد سے کم یا زیادہ پر مرتب نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ اسماء کی تاثیر ان کے معنی میں ہے، رہی تعداد تو اس کی تعیین شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے علاوہ کسی کی شان کے لائق نہیں، ہاں کسی کامل و اکمل ولی کو الہام کے ذریعے یا راسخ العلم عالم کو صحیح استنباط کے ذریعے بعض جگہوں میں تعیین تعداد کا علم ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان اشیاء کے ان امراض اور خصوصاً جادو کے دفع کرنے کی تاثیر کے سلسلے میں عام اطباء کو سوائے حیرانی اور سرگردانی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا جن کے دل نورِ ایمان اور تصدیق نبوت سے منور نہیں ہوتے، بارگاہِ رسالت سے جسمانی اور روحانی طب کے بارے میں وارد ہونے والے اس قسم کے ارشادات بہت ہیں۔

۳۰۰۴ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِيْ عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالیہ کی عجوہ میں شفاء ہے

شِفَآءٌ وَ اِنَّهَا تِرْيَاقٌ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے ؎۲ (مسلم)

؎۱ عالیہ، مدینہ منورہ میں مسجد قباء کی جانب ایک جگہ کا نام ہے، اس کے آس پاس کی جگہوں اور دیہات کو عالیہ کہتے ہیں۔ اسی طرف نجد کی زمین ہے۔ عالیہ کی مخالف جانب کو سافلہ کہتے ہیں اور نہایہ میں تار کی زیر کے ساتھ اسی جانب ہے علامہ طیبی کہتے ہیں کہ عالیہ کا قریب ترین حصہ مدینہ منورہ سے تین میل اور بعید ترین حصہ آٹھ میل ہے۔ عالیہ کی عجوہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ کھجور کی یہ قسم اسی جانب ہوتی تھی اور اگر دوسری جگہ بھی ہو تو اس میں یہ خاصیت نہیں ہوگی جیسے کہ بعض شارحین کے کلام میں ہے کہ یہ خاصیت اسی جانب کی عجوہ میں تھی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا خاص طور پر اسی کے بارے میں واقع ہوئی تھی، اس میں شفاء کے موجود ہونے کی خبر دینے کے لیے فرمایا کہ یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے۔

؎۲ زہر کے دفع کرنے میں تریاق کی خاصیت رکھتی ہے۔ تریاق تار کے نیچے زیر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں یہ ایک مرکب دوا ہے جو زہر وغیرہ کے دفع کرنے میں مفید ہے۔ تریاق فاروق ایک معروف معجون کا نام ہے، تریاق پتھر کا ایک منکا بھی ہوتا ہے جو زہر کے زائل کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔

صاحب مشکوٰۃ، امام مسلم کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو یہ حدیث لائے ہیں تو اس میں خاص طور پر زہر سے شفاء دینے کا ذکر ہے، صاحب سفر السعادۃ اس طرح روایت لائے ہیں کہ عالیہ کی عجوہ میں ہر بیماری سے شفا ہے اور یہ صبح کے پہلے حصے میں تریاق ہے، اس صورت میں یہ فرمانا کہ یہ تریاق ہے تعمیم کے بعد تخصیص ہوگی۔ صاحب مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق زہر سے شفاء دینے کا بیان ہوگا۔

۴۰۰۸ / ۳۱ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَأْتِيْ عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا تُوْقَدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَآءُ اِلَّا اَنْ يُّؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ ہم پر مہینہ آتا تھا ہم اس میں ؎۱ آگ نہیں جلاتے تھے ؎۲ ہمارا خوراک صرف کھجور تھی اور پانی۔ الا یہ کہ کبھی تھوڑا سا گوشت لایا جاتا۔ (مسلم)

---

؎۱ اشعہ کی عبارت یہ ہے اگر در جاتے دیگر ہم باشد ایں خاصیت دارد، لیکن روش کلام کے مطابق وہی ترجمہ مناسب ہے جو راقم نے کیا ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

سل ہم اہل بیت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ ہم پر پورا مہینہ گزر جاتا تھا۔

سل۲ کھانا پکانے کے لیے

سل۳ گویا سائل نے پوچھا کہ آپ کی خوراک کیا چیز تھی۔

سل۴ کھجور اور پانی کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی جو کھائی جاتی مگر تھوڑا سا گوشت جو کوئی ہمارے لیے بھیج دیتا، یا یہ مطلب ہے کہ ہم آگ نہیں جلاتے تھے اور کوئی چیز نہیں پکاتے تھے مگر اس وقت کہ کہیں سے گوشت آ جاتا اور اس کے پکانے کے لیے ہم آگ جلاتے۔ لُحَیم لام پر پیش، حا پر زبر، یا ساکن، لحم کی تصغیر۔

**۴۰۰۹ / ۳۲** وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ اِلَّا وَاحِدُهُمَا تَمْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت دو دن گندم کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے مگر یہ کہ ان دونوں میں سے ایک دن ان کا کھانا کھجور تھی۔سل (صحیحین)

سل یعنی انہوں نے مسلسل دو دن گندم کی روٹی نہیں کھائی، گندم کی روٹی کی قید لگائی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو کی روٹی میسر ہوئی ہو۔

**۴۰۱۰ / ۳۳** وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْاَسْوَدَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہواسل اور ہم دو سیاہ چیزوں سل۲ یعنی کھجور اور پانی سے سیر نہیں ہوئے۔ (صحیحین)

سل اصل میں تُوُفِّیَ کا معنیٰ ہے اس حق کا پورا پورا لے لینا جو کسی کے لیے ثابت ہو، صراح میں ہے توفی پورا حق وصول کرنا، موت کی تعبیر اس کے ساتھ کرتے ہیں اور عموماً صیغۂ مجہول لایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا حق یعنی بندے کی جان اور اس کی زندگی اس سے مکمل طور پر لے لی اور وصول کر لی، بعض اوقات صیغۂ معلوم بھی آتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ زندگی کی مدت سے متعلق بندے کا جو حق تھا وہ اس نے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے وصول کر لیا۔ یہ دونوں قرائتیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ثابت ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ (ایک قرارت يُتَوَفَّوْنَ ہے اور دوسری يَتَوَفَّوْنَ ہے ۱۲ ق

سل۲ ایک سیاہ کھجور ہے، پانی کو بھی مجاورت اور مقارنت کی بنا پر سیاہ کہہ دیتے ہیں، کلام عرب میں یہ طریقہ کثیر الاستعمال ہے کہ ایک ساتھ رہنے والی دو چیزوں میں سے ایک پر دوسری کا نام اطلاق کرکے تثنیہ بنا دیتے ہیں،

جیسے اَبَوَین، قَمرَین، اور حَسَنین، اسے تغلیب کہتے ہیں اس لیے کہ ایک کا نام دوسرے پر غالب کر دیا جاتا ہے، پانی کا ذکر تبعی اور طفیلی طور پر ہے ورنہ مقصود وہی کھجور ہے، کیونکہ پانی سے بھوک کا مٹانا مقصود نہیں ہوتا اور کھانے کی طرح پانی کی کمی بھی نہیں ہوتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور اہل بیت کرام کی خوراک ضرور تھی لیکن وہ اسے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے۔

۴۰۱۱/۳۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَلَسْتُمْ فِیْ طَعَامٍ وَّ شَرَابٍ مَّا شِئْتُمْ لَقَدْ رَاَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نعمان بن بشیر[1] سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کیا تم جو کچھ چاہتے ہو کھاتے پیتے نہیں ہو؟ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ردی کھجوریں[2] بھی اس قدر نہ پاتے تھے جن سے آپ اپنا پیٹ بھر لیں[3]۔ (مسلم)

[1] نعمان بن بشیر مشہور صحابی ہیں، ہجرت کے بعد انصار کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہوئے، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

[2] خشک اور مٹھاس سے خالی، مختلف قسم کی ملی جلی کھجوریں جن کا کوئی معین نام نہیں ہوتا

[3] جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا تو آپ کے اہل بیت اور متبعین کا بھی یہی حال ہوگا پہلی حدیث میں گزرا کہ کئی کئی دن گزر جاتے تھے مگر اہل بیت کرام کا عمدہ کھانا سوائے کھجور کے کچھ نہ ہوتا، دوسری حدیث میں فرمایا کہ وہ بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے، اس کے بعد کہا کہ وہ بھی اعلیٰ اور نفیس قسم کی کھجوریں نہ تھیں بلکہ اس قسم سے تعلق رکھتی تھیں جنہیں صرف فقراء ہی کھاتے ہیں، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے راہ فقر و تجرید اختیار کر رکھا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقام پر قائم رکھا، درحقیقت یہ صورت حال خوراک کی قلت یا نایابی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ جود و ایثار، زہد و تقویٰ و قناعت اور راست کی تعلیم و تربیت کی بنا پر تھی، احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جن صفات کا ذکر ملتا ہے شلاً جود و کرم، سخاوت و عطا، وہ ہمارے دعوے کی قوی دلیل ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر چہ آمد ست بدست بداوی تو بیش ازاں ۔۔۔ ایں جود آنکس ست کش از فقر عار نیست

جو کچھ آپ کے ہاتھ میں آتا ہے آپ اس سے زیادہ عطا فرما دیتے ہیں، یہ اسی شخصیت کی سخاوت ہو سکتی ہے جسے فقر سے عار نہیں ہے۔

۴۰۱۲ / ۳۵ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ اَكَلَ مِنْهُ وَ بَعَثَ بِفَضْلِهٖ اِلَیَّ وَاِنَّهٗ بَعَثَ اِلَیَّ يَوْمًا بِقَصْعَةٍ لَمْ يَاْكُلْ مِنْهَا لِاَنَّ فِيْهَا ثُوْمًا فَسَاَلْتُهٗ اَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اَكْرَهُهٗ مِنْ اَجْلِ رِيْحِهٖ قَالَ فَاِنِّیْ اَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس سے کچھ تناول فرماتے اور باقی ماندہ مجھے بھجوا دیتے،[1] ایک دن آپ نے میرے پاس بڑا پیالہ بھجوایا جس میں سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا کیونکہ اس میں لہسن تھا، میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے؟[2] فرمایا: نہیں لیکن ہم اُسے اس کی بو کی بنا پر ناپسند رکھتے ہیں[3] حضرت ابو ایوب نے عرض کیا حضور جو چیز آپ کو ناپسند ہے مجھے بھی ناپسند ہے[4]۔ (مسلم)

[1] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے پہل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر قیام فرما کر انہیں اس سعادت کے ساتھ مخصوص اور ممتاز فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات وسعت رکھتے تھے، بارگاہِ رسالت کے خادموں کے لیے کھانے تیار کرکے حاضر کرتے تھے۔

[2] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تناول نہ فرمانے سے مجھے خیال ہوا کہ شاید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لہسن کا کھانا حرام ہے، اس لیے دریافت کیا کہ کیا لہسن کا کھانا حرام ہے؟ یعنی آپ کے لیے، ورنہ اگر مطلقاً حرام ہوتا تو اس کے پاس کیوں بھجواتے؟

[3] یعنی ہمیں اس کی بُو اچھی نہیں لگتی، یا یہ مطلب ہے کہ ہم اسے اس لیے ناپسند رکھتے ہیں کہ کہیں دوسرے شخص کو ہم سے بو سے ناخوش محسوس نہ ہو۔ آئندہ حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صحبت اور ان سے ہم کلام ہونے کی بنا پر لہسن کو ناپسند فرمایا کیونکہ فرشتے ناپسندیدہ بو کو مکروہ جانتے ہیں۔

[4] اگرچہ وہ علت نہ پائی جائے جو آپ کے حق میں ہے، ہمارے لیے آپ کی پیروی اور اتباع ہی علت ہونے کے لیے کافی ہے۔

۴۰۱۳ / ۳۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے الگ رہے[1]

فَلْيَعْتَزِلْنَا اَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا اَوْ لِيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهٖ وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِقِدْرٍ فِيْهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِيْحًا فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰى بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَقَالَ كُلْ فَاِنِّيْ اُنَاجِيْ مَنْ لَّا تُنَاجِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یا فرمایا[۲] وہ ہماری مسجد سے الگ رہے[۳] یا اپنے گھر میں بیٹھ جائے[۴]، اور تحقیق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک ہنڈیا لائی گئی جس میں ساگ پات قسم کی مختلف سبزیاں[۵] تھیں آپ نے اُن کی بو محسوس کی تو فرمایا: اسے[۶] بعض صحابہ کے قریب کر دو اور فرمایا کھا لو کیونکہ ہم اُن[۷] سے ہم کلام ہوتے ہیں جس سے تم ہم کلام نہیں ہوتے۔ (صحیحین)

[۱] اور ہمارے ساتھ ہمنشینی اختیار نہ کرے۔

[۲] راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ وہ ہم سے الگ رہے یا یہ فرمایا کہ ہماری مسجد سے الگ رہے۔

[۳] مسجد لفظ مفرد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد خاص طور پر مسجد نبوی ہے اور متکلم مع الغیر کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے، اور چونکہ علت مشترک ہے اس لیے خیر اور عبادت کی تمام مجالس شلاً ذکر، درس اور ارباب طہارت و لطافت اکابر اور علماء کی مصاحبت کا بھی یہی حکم ہوگا، ہو سکتا ہے کہ یہی مراد ہو بعض روایات میں مَسَاجِدَنَا بھی آیا ہے اور یہ تصریح ہے اس امر میں کہ یہ حکم تمام مسجدوں کو شامل ہے۔

[۴] اگر یہ بھی راوی کے شک کی بنا پر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ فرمایا کہ ہم سے جدا رہے یا ہماری مسجد سے جدا رہے یا یہ فرمایا کہ جو شخص لہسن یا پیاز کھاتے وہ اپنے گھر میں بیٹھ جائے اور کسی کی صحبت میں نہ بیٹھے خواہ مسجد میں ہو یا دوسری جگہ، یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کو شک نہ ہو بلکہ لفظ اَوْ تقسیم کے لیے ہو اور اس کا تعلق اس بات کے ساتھ ہو کہ ہماری مسجد سے الگ رہے اور مطلب یہ ہو کہ مسجد میں آنا تو حرام ہے کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرشتے اور صحابہ کرام تشریف فرما ہیں۔ لیکن باقی لوگوں شلاً بادیہ نشینوں اور بازاری لوگوں کے پاس جانا اور ان کی صحبت میں بیٹھنا جائز ہے۔ یا ایسا بھی نہ کرے، گھر میں گوشہ نشین ہو جائے اور مطلقاً صحبت ترک کر دے کہ یہ زیادہ بہتر ہے فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا کے ساتھ لفظ قال زائد کیا گیا ہے۔ لِيَقْعُدْ فِيْ بَيْتِهٖ سے پہلے زائد نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول کی طرح اس قول میں راوی کو شک نہیں ہے۔

[۵] ظاہر یہی ہے کہ لہسن، پیاز وغیرہ قسم کی سبزیاں تھیں ——— خضرات خاء پر زبر، ضاد کے نیچے

زیر، خُضرٌ کی جمع ہے، بعض نے خار کی پیش اور ضاد پر زبر بھی پڑھی ہے۔ جمع ہے خُضْرَۃٌ کی ضاد ساکن کے ساتھ۔

ﮯ۶ سبزیوں کی بو محسوس فرمائی، یہ بھی احتمال ہے کہ کھا کی ضمیر قِدْر (ہنڈیا) کی طرف راجع ہو کر اس کا استعمال بطور مونث بھی ہوتا ہے، ایک روایت میں قِدْر کی جگہ بدر آیا ہے۔ قاف کی جگہ ایک نقطے والی با رمفتوح، یہ کھجور کے پتوں سے تیار کیا ہوا تھال تھا جسے گولائی کی بنا پر بدر کہتے ہیں۔ اس صورت میں خُضِرات کی طرف ضمیر کا راجع کرنا متعین ہے جیسے کہ ظاہر ہے۔

ﮯ۷ اُس ہنڈیا کو یا ان سبزیوں کو فلاں صحابی کے قریب کرو اور ایک صحابی کی طرف اشارہ فرمایا جو حاضر تھے یعنی ان کے آگے رکھ دو۔

ﮯ۸ اس صحابی کو خطاب کرتے ہوئے۔

ﮯ۹ اس سے مراد حضرت جبریل امین اور دوسرے فرشتے علیہم السلام مراد ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت وحی کے نازل ہونے کے انتظار میں رہتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ایسے وقت میں وحی آ جائے جب کہ ابھی اس کی بو باقی ہو، یا یہ کمال طہارت و نظافت ہے کہ چونکہ آپ فرشتوں کے ساتھ ہمنشینی اختیار فرماتے تھے اس لیے جو چیز انہیں ناپسند تھی آپ نے اسے مطلقاً ترک فرما دیا ——— اس میں اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے مصاحب کے حال اور اس کی خوشی کی رعایت کرے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے باب المساجد اور مواضع الصلوٰۃ میں بھی گزر گئی ہے اور فصل ثانی میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

۴۰۱۴/۲۷ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِیْ كَرِبَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِیْلُوْا طَعَامَكُمْ یُبَارَكْ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اپنا کھانا ناپ لیا کرو[۲] تمہیں برکت دی جائے گی[۳] (بخاری)

ﮯ۱ مقدام بن معدیکرب راء کے نیچے زیر، مشہور صحابی ہیں۔

ﮯ۲ یعنی ایسے غلے اور پھل جو پیمانے سے ناپے جاتے ہیں جب صرف کرو تو ناپ کر صرف کرو۔

ﮯ۳ بعض نسخوں میں فِیْهِ بھی مذکور ہے، اور اگر نہ بھی ہو تو بھی مراد ہے (یعنی اس کھانے میں برکت دی جائے گی) جب طعام میں کوئی تصرف کرنا ہو مثلاً پکانا ہو، خریدنا یا بیچنا ہو، قرض لینا دینا ہو تو کمی زیادتی اور جہالت کو دفع کرنے کے لیے اس کا ناپنا ضروری ہے، شارع علیہ السلام کے حکم کی بنا پر اسے مزید خیر و برکت میں دخل ہے خصوصاً جب کہ سنت کی رعایت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے ارادے سے کیا جائے۔

۴۰۱۵ / ۳۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَعَ مَائِدَتَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ غَیْرَ مَكْفِیٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستر خوان اٹھایا جاتا[1] تو یہ دعا پڑھتے حمد ہے اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار، پاکیزہ حمد، جس میں برکت دی گئی۔ نہ کفایت کیا ہوا، نہ وداع کیا ہوا اور نہ اس سے بے پرواہی برتی گئی۔ اے ہمارے رب! (بخاری)

[1] جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے اور دستر خوان اٹھایا جاتا، مَائِدَتَہٗ کی ضمیر کھانے کی طرف راجع ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف، مائدہ سے مراد، تھال اور دستر خوان ہے جس پر کھانا رکھتے ہیں، بعض شارحین اس سے مراد میز لیتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے شرح بخاری میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا تو یہ بات کس طرح صحیح ہو گی؟ اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنفس نفیس تو میز پر کھانا نہ کھایا ہو، لیکن صحابہ کی جماعت کی موافقت میں تناول فرمایا ہو، یہ بھی کہا کہ یا مائدہ سے مراد کھانا ہے (کرمانی) قاموس میں ہے المائدہ کھانا یا وہ میز جس پر کھانا ہو، ظاہر یہ ہے کہ مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہونے اور اس کے اٹھائے جانے کے بعد یہ کلمات کہتے تھے۔

۴۰۱۶ / ۳۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ فَیَحْمَدُهٗ عَلَیْهَا اَوْ یَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَیَحْمَدُهٗ عَلَیْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَ سَنَذْكُرُ حَدِیْثَیْ عَائِشَةَ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ وَّ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتا ہے اس بات پر کہ وہ ایک بار کھانا کھائے[1] تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے یا ایک بار پانی پیئے[2] اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ (مسلم)

ہم حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ دو حدیثیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل سیر نہیں ہوئی[3] ۔ اور

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے۔[۴] فقراء کی فضیلت کے باب میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

[۱] اَلْاَکْلَۃُ ہمزے کی زبر کے ساتھ ایک بار پر دلالت کرتا ہے، یعنی ایک بار کھانا، ہمزے پر پیش بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی لقمہ ہے، یعنی کھانے کی کچھ مقدار، حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند رکھتا ہے کہ بندہ کچھ کھانا کھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

[۲] الشَّرْبَۃُ اس کو صرف شین کی زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ علامہ طیبی کے نزدیک اکلۃ میں بھی ہمزے کی زبر متعین ہے۔

[۳] یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا بیان ہے جس کی ابتداء میں یہ کلمات ہیں۔

[۴] یہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے ابتدائی کلمات ہیں ———— مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں کتاب الاطعمہ میں بیان کی گئی ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۰۱۷ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُرِّبَ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا كَانَ اَعْظَمَ بَرَكَةً مِّنْهُ اَوَّلَ مَا اَكَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَكَةً فِيْ اٰخِرِهٖ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ حِيْنَ اَكَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ فَاَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، کھانے کی ابتداء میں وہ اتنا برکت والا تھا کہ اس سے زیادہ برکت والا کھانا میں نے نہیں دیکھا اور اس کے آخر میں یہ حالت تھی کہ اس سے کم برکت والا کھانا نہیں دیکھا، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کھانے کا کیا حال تھا؟[۱] فرمایا: جب ہم نے کھایا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا، پھر وہ شخص بیٹھا جس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر کھایا تو اس کے ساتھ شیطان نے کھایا۔[۲] (شرح السنۃ)

لہ کہ ابتدا میں آنا بابرکت تھا اور آخر میں آنا بے برکت ہوگیا۔

۲ہ بسم اللہ شریف ترک کرنے کی وجہ سے، آخر میں کھانے کی بے برکتی کا سبب یہ تھا ——— اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جماعت میں سے ایک شخص کا بسم اللہ شریف پڑھنا کافی ہے، ہر ایک کا پڑھنا شرط نہیں ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے، علامہ طیبی نے اس کی توجیہ بیان کی کہ ہوسکتا ہے جس شخص نے بسم اللہ نہیں پڑھی وہ صحابہ کرام کے فارغ ہونے کے بعد بیٹھا ہو، یا جب شیطان نے اس کے ساتھ کھانا کھایا تو دوسرے صحابہ کا بسم اللہ شریف پڑھنا موثر نہیں رہا۔ (طیبی) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کھانے کی ابتدا میں حاضر جماعت میں سے ایک شخص کھانے پر بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو دوسروں کا بسم اللہ پڑھنا کافی ہوگا، لیکن یہ شخص جب کھانے کے دوران آکر شریک ہوگیا اور ابتدا میں ان کے ساتھ شامل نہیں تھا تو چونکہ اس کے کھانے کی ابتدا ہے اسے بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔

۴۰۱۸ / ۴۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک آدمی کھانا کھائے اور کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا بھول جائے تو چاہیے[1] کہ کہے بسم اللہ اس کے اول و آخر میں۔

(ترمذی، ابوداؤد)

لہ یاد آنے پر

۴۰۱۹ / ۴۲ وَعَنْ اُمَيَّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَّاْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ اِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا زَالَ الشَّيْطٰنُ يَاْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا

حضرت امیہ بن مخشی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کھانا کھا رہا تھا اس نے بسم اللہ شریف نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اس کے کھانے سے صرف ایک لقمہ رہ گیا جب اسے اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگا تو اس نے کہا بسم اللہ اس کی ابتدا اور انتہا میں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: اس کے ساتھ شیطان کھاتا رہا جب اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو

ذَكَرَ اسْمَ اللهِ اسْتَقَاءَ مَا فِيْ بَطْنِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

جو کچھ شیطان کے پیٹ میں تھا وہ اس نے قے کر دیا [۲] (ابوداؤد)

[۱] امیہ بن مخشی میم پر زبر نقطے والی خاء ساکن اور یاء مشدد، ان کی کنیت ابو عبیدہ ہے، خزاعی ازدی ہیں اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، طعام کے بارے میں ان سے ایک حدیث مروی ہے اور وہ یہی ہے۔

[۲] جب شیطان کا پیٹ ہے اور وہ کھاتا بھی ہے تو اس کا قے کرنا حقیقت پر محمول ہوگا، بعض شارحین نے فرمایا کہ ابتدا میں بسم اللہ شریف نہ پڑھنے سے جو برکت مفقود ہوگئی تھی اس کا واپس کرنا مراد ہے، گویا کہ وہ شیطان کے پیٹ میں چلی گئی تھی، اب جو بسم اللہ شریف پڑھی اور کوتاہی کا ازالہ کر دیا تو برکت واپس آگئی، ایسی تاویلات ایمانی حوصلے کی کمی کی بنا پر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشیاء کی حقیقت سے واقف ہیں، ہماری تصدیق اور ایمان کے بغیر رسائی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۴۰۲۰ / ۴۳ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا [۱] (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان، مطیع اور فرماں بردار بنایا، یہ نعمت اصل الاصول ہے، ورنہ اگر نعمت اسلام نہ ہو تو ہر ناز و نعمت وبال ہے، اور اس نعمت اسلام کا وجود دوسری نعمتوں میں اضافے کا موجب اور کمال کی تکمیل کرنے والا ہے۔ ع

بے دوست خاک بر سر ملک و تونگری

دوست کے بغیر حکومت اور دولتمندی کے سر پر خاک

۴۰۲۱ / ۴۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَنَّةَ عَنْ اَبِيْهِ۔

علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کھانا کھا کر شکر کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے[۱] جو روزہ رکھ کر صبر کرنے والا ہے (ترمذی[۲]) امام ابن ماجہ اور دارمی نے یہ حدیث سنان بن سنہ[۳] سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔

[۱] اجر و ثواب میں اس شخص کی طرح ہے جو روزہ رکھتا ہے اور کھانے کی خواہش سے صبر کرتا ہے، اگرچہ روزے دار کو حدیث شریف اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) کے مطابق خاص ثواب دیتے ہیں اور یہ اس کی فضیلت ہے، لیکن اصل اجر و ثواب میں دونوں شریک ہیں، حقیقتِ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اذہان میں یہ بات راسخ ہے کہ نفس جو طبعی طور پر کھانے کی طرف مائل اور اس کا حریص ہے اسے کھانے کی خواہش سے روکنا بلند مرتبہ ہے اور جو شخص کھاتا ہے، نفس کی خواہش پوری کرتا ہے اور کھانے کی لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا، اس لیے فرمایا کہ اگر ایک شخص کھاتا ہے لیکن غفلت کے ساتھ نہیں کھاتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے شکر سے آگاہ ہے اس کا بھی بلند مقام ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے فیض یاب ہے، کیونکہ شکر اور صبر کامیابی و کامرانی کے دو پر ہیں، پس اس جگہ تشبیہ محض اشتراک اور مساوات کے لیے ہے، جیسے کہ کہتے ہیں کہ تشبیہ اصل حال میں ہے نہ کہ اس کی مقدار میں، اس کے باوجود باعتبار ظاہر روزے دار کے حال کی قوت اور اس کے رجحان کی طرف اشارہ فرمایا، علاوہ ازیں شکر میں نفس کو منعم کی محبت کے اختیار کرنے اور زبان کو اس کے ذکر کے ساتھ مشغول کرنے پر پابند کرنا ہے، درحقیقت، اطاعت کی ہر قسم صبر و شکر پر مشتمل ہے۔ فافہم رہی یہ بات کہ طعام کا شکر کس چیز کے ساتھ ہوگا تو ظاہر یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی قوت کو طاعت میں صرف کرنے سے ہوگا اور علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کا شکر یہ ہے کہ ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھے اور آخر میں حمد الٰہی بجا لائے اور اگر فقراء کو کھانے میں شامل کرنے اور ان کی ہمدردی کو شکر میں داخل قرار دیا جائے تو بعید نہ ہوگا۔

[۲] امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

[۳] سنان سین کے نیچے زیر، نون مخفف بن سنۃ سین پر زبر اور نون مشدد، آخر میں تاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اسلمی صحابی ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ۳۲ھ میں وصال ہوا۔ اسی طرح حضرت مؤلف (صاحب مشکوٰۃ) نے فرمایا ہے، کتب حدیث سے جو کچھ واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سنان صحابی یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ عَنْ اَبِيْهِ کا ذکر کتب حدیث میں نہیں ہے۔

۴۰۲۲
۴۵
وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَکَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَ وَ سَقٰی وَ سَوَّغَهٗ وَ جَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے یا پانی پیتے تو کہتے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے کھلایا اور پلایا۔ اور کھانے کے حلق میں اترنے کو آسان بنایا[۱] اور اس[۲] کے نکلنے کی جگہ بنائی۔

(ابوداؤد)

[۱] شارحین کی عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ ضمیر کھانے کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے چبانے کے لیے دانت، نرم کرنے کے لیے لعاب اور کھانے کو منہ میں گردش دینے کے لیے زبان پیدا فرما کر کھانے کے حلق میں اترنے کو آسان فرمایا، تسویغ کھانے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ قاموس کی عبارت کے ظاہر سے اس کا پینے کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے سَاغَ الشَّرَابُ سَوْغًا، مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سَائِغٌ شَرَابُهٗ، شاعر کہتا ہے فَسَاغَ لِیَ الشَّرَابُ وغیرہ پس سَوَّغَهٗ کی ضمیر کھانے پینے کی چیزوں میں سے ہر ایک کی طرف راجع ہوگی۔ شارحین کا مقصد کھانے میں تسویغ کا تصور پیش کرنا ہے، کیونکہ پانی کے بارے میں اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بعد ایک اور نعمت بیان فرمائی۔

[۲] کھانے اور پینے کی چیزوں میں سے ہر ایک کے فضلات کے نکلنے کی جگہ بنائی یعنی پیشاب اور پاخانے کی جگہ، کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کے تمام اجزاء غذا بننے کے قابل نہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور رحمتِ شاملہ کے ساتھ ان کے زائد اجزاء کو باہر پھینک دیا۔

۴۰۲۳
۴۶
وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِی التَّوْرٰىةِ اِنَّ بَرَکَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَرَکَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهٗ وَ الْوُضُوْءُ بَعْدَهٗ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے توراۃ میں پڑھا کہ کھانے کی برکت[۱]، کھانے کے بعد وضو[۲] کرنا ہے، میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی[۳] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کھانے کی برکت، کھانے سے پہلے وضو ہے اور اس کے بعد وضو ہے[۴]

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ) (ترمذی، ابوداؤد)

۱ یعنی کھانے کی برکت کا سبب

۲ اس جگہ وضو سے مراد، ہاتھوں کا دھونا اور کلی کرنا، لغت میں وضو کا معنی احسن اور نظافت ہے۔

۳ ایک نسخے میں دَدَ کَرَتُ ہے۔

۴ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمدہ اخلاق وصفات کی تکمیل کے لیے بھیجے گئے ہیں اور کھانے سے پہلے وضو کرنا طہارت ونظافت میں زیادہ دخل رکھتا ہے۔ (تاکہ صاف ستھرے ہاتھوں سے کھانا کھایا جائے جو میل کچیل اور جراثیم سے پاک ہوں ۱۲ قادری) اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو وحی نازل کی گئی تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تکمیل کیلیے اس سے زائد حکم کی وحی نازل کی گئی۔

۴۰۲۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاۤءِ فَقُدِّمَ اِلَیْہِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَاْتِیْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَاۤئِیُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء ۱ سے باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں پانی نہ پیش کیا گیا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کی خدمت میں پانی نہ پیش کریں ۲ فرمایا، مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوں ۳۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۱ صراح میں ہے خلاء پہلے حرف پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، استنجا کرنے کی جگہ۔

۲ صحابہ کرام نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو سے پہلے کھانا تناول فرما رہے ہیں لہٰذا ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ نماز کی طرح کھانے کے لیے بھی وضو واجب ہے (اس لیے انہوں نے یہ گزارش کی)۔

۳ یعنی مجھے بطور وجوب وضو کا حکم صرف نماز کے لیے دیا گیا ہے نہ کہ کھانے کے لیے، کھانے سے پہلے وضو اگرچہ مستحب اور مستحسن ہے تاہم میں نے بیان جواز اور تمہاری تعلیم کے لیے نہیں کیا، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ واجب نہیں ہے پس اس جگہ نماز کا وضو مراد ہے نہ کہ کھانے کا جیسے کہ ظاہر ہے اور حدیث کی روش سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ کیا ہم آپ کی خدمت میں وضو کا پانی پیش نہ کریں؟ اگر اس سے وضوء طعام مراد لیا جائے اور حضور صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے صرف نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا ہے اس میں وضو، نماز مراد لیں تو بھی درست ہے، اور چونکہ کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا آداب اور سنن میں سے ہے، تعلیم جواز کے لیے اسے ترک فرمایا، حاصل مطلب یہ ہے کہ جس وضو کی تم نے مجھ سے درخواست کی ہے یعنی کھانے سے پہلے وہ ادب ہے، واجب اور مامور بہ نہیں ہے۔ اگر میں نہ کروں تو وہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ ہاں اس جگہ ایک دوسرا وضو ہے یعنی نماز کا وضو، وہ واجب ہے۔ فافہم

۴۰۲۵/۴۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِّنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَّسَطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسْطِهَا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَاْكُلْ مِنْ اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاْكُلْ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلَاهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید کا پیالہ لایا گیا، آپ نے فرمایا: اس کے اردگرد سے کھاؤ اور اس کے درمیان سے نہ کھاؤ، کیونکہ برکت اس کے درمیان[1] میں نازل ہوتی ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے، ابو داؤد کی روایت میں فرمایا: جب تم میں سے ایک آدمی کھانا کھائے تو پیالے کے اوپر والے حصے سے نہ کھائے بلکہ اس کے نچلے حصے سے کھائے کیونکہ برکت اس کے اوپر والے حصے[2] سے نازل ہوتی ہے۔

[1] چونکہ درمیانہ حصہ افضل اور موزوں ترین حصہ ہے لہٰذا خیر و برکت کے نزول کے لیے زیادہ مناسب اور حق دار ہے، اور چونکہ پیالے کے درمیانے حصے کا کھانا برکت کی جگہ ہے اسے کھانے کے آخر تک باقی رکھنا مناسب ہوگا تاکہ آخر تک برکت باقی رہے، اسے ختم کر دینا مناسب نہ ہوگا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ اعلیٰ سے مراد درمیانہ حصہ اور اسفل سے مراد اطراف ہیں اور برکت کے نازل ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیر کا فیضان اور نعمت کی زیادتی ہے، حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس گروہ پر جن مقامات میں رحمت نازل ہوتی ہے ان میں سے ایک کھانے کا مقام ہے، اس قول سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے،

علامہ طیبی نے فرمایا: طعام کی زیادتی کو رقیق اور نرم کھانوں کے اونچی جگہ سے بہنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جنہیں درمیان میں ڈالا جاتا ہے اور وہ وہاں سے بہ کر اطراف میں چلے جاتے ہیں، اور جب اطراف سے اٹھائیں تو اس کے بدلے میں اوپر سے مزید آجائے گا، اور اگر اوپر سے اٹھائیں تو منقطع ہو جائے گا، یہ معقول کی بجائے محسوس اور ظاہر معنیٰ پر اکتفاء کرنے والی بات ہے۔

۴۰۲۶/۴۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَا رُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهٗ رَجُلَانِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ٹیک[۱] لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اور آپ کے پیچھے دو[۲] مرد نہیں چلتے تھے۔

(ابو داؤد)

[۱] جیسے کہ مغرور اور متکبر لوگوں کی عادت ہے، اِتّکا (ٹیک لگانے) کا مطلب اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

[۲] زیادہ تو کجا دو مرد بھی آپ کے پیچھے نہیں چلتے تھے یعنی انتہائی تواضع کی بنا پر راستے میں چلتے ہوئے صحابہ کرام سے آگے نہیں چلتے تھے، جیسے کہ بادشاہوں اور شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے والوں کا طریقہ ہے، بلکہ صحابہ کرام کے درمیان میں یا اُن کے پیچھے چلتے، جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ وَيَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ صحابہ کرام کو پیچھے سے چلاتے تھے۔

۴۰۲۷/۵۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَّلَحْمٍ وَّهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاَكَلَ وَاَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت لایا گیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ نے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ نے اٹھ کر نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی: اور ہم نے سنگریزوں سے ہاتھ پونچھنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔

(ابن ماجہ)

۱؎ عبداللہ بن حارث بن جزء جیم پر زبر، زا ساکن اور آخر میں ہمزہ، صحابی ہیں، فتح مصر کے موقع پر حاضر ہوئے اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ مصر میں باقی رہنے والے آخری صحابی ہیں۔ ۸۸ھ میں مصر میں وصال ہوا۔ بعض نے کوئی دوسرا سن بیان کیا ہے۔

۲؎ جو کہ مسجد میں پڑے ہوئے تھے ۔۔۔۔۔۔ یعنی ہم نے کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے یا تو اس لیے کہ اس گوشت میں چکنائی نہ تھی یا اس لیے کہ نماز کی جلدی تھی، یا تکلف سے گریز کیا کیونکہ جو چیز واجب نہیں ہے اسے بعض اوقات رخصت کی بنا پر ترک کر دینا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا ہی محبوب ہے جیسے اکثر اوقات میں عزیمت کا اختیار کرنا، احیاء العلوم میں بعض صحابہ کرام سے لائے ہیں کہ کھانا کھانے کے بعد ہمارے رومال ہماری ایڑیاں ہوتی تھیں (ہم ان سے اپنے ہاتھ صاف کر لیتے تھے) ظاہر یہ ہے کہ لفظ ثُمَّ نَزِدْ مَسَحْنَا صیغہ متکلم مع الغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سب کو شامل ہے جنہوں نے وہ کھانا کھایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا کھانا جائز ہے، احادیث میں اس قسم کے بہت سے واقعات کا ذکر ہے خصوصاً کھجور وغیرہ کھانے کا، کہتے ہیں کہ اس کے جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مسجد ملوث اور آلودہ نہ ہو ورنہ حرام اور مکروہ ہے، کتب فقہ میں مذکور ہے کہ غیر معتکف مسجد میں نہ کھائے، نہ پیئے اور نہ ہی سوئے، اسی طرح خرید و فروخت بھی نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے، ہاں اگر مسافر ہو اور مسجد کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو (تو اس کے لیے جائز ہے) کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت چاہیے کہ آدمی اعتکاف کی نیت کرے تاکہ اپنے لیے ان امور کو جائز کرے اور اسے اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

۴۰۲۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَیْهِ الذِّرَاعُ وَکَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)
۵۱

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو آپ کو دستی۱؎ پیش کی گئی جو آپ کی پسند تھی، آپ نے اسے دانتوں سے نوچ کر۲؎ تناول فرمایا۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

۱؎ پورا بازو کندھے سمیت

۲؎ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور ترک تکلف کی مثال تھی، نہس نون پر زبر، ہا ساکن اور بے نقطہ سین، دانتوں کے کناروں سے گوشت نوچنا اور اگر پورے دانتوں سے نوچیں تو اسے نقطوں والے شین کے ساتھ نہش کہتے ہیں، روایت میں بے نقطہ سین ہے۔ اسی طرح آئندہ حدیث میں آئے گا اس طرح گوشت

کم کھایا جاتا ہے۔ اور یہ طریقہ حرص اور لالچ کے نہ ہونے کی نشانی ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بازو کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ وہ پکنے میں اچھا ہے، آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے اور اس کی لذت بھی زیادہ ہوتی ہے، یا اس لیے کہ یہ حصہ نجاست کے مقامات سے انتڑیوں وغیرہ سے دور ہوتا ہے، شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ دستی کا گوشت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب نہ تھا، لیکن چونکہ آپ کو گوشت کچھ وقت کے بعد ہی میسر ہوتا تھا اور دستی کا گوشت جلد پک جاتا ہے اس لیے آپ اسے پسند فرماتے تھے اور اسے جلد طلب کر لیتے تھے۔ ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لائے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ نہایت عمدہ اور لذیذ ترین گوشت پشت کا ہے۔

**۴۰۲۹/۵۲** وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّيْنِ فَاِنَّهٗ مِنْ صُنْعِ الْاَعَاجِمِ وَ انْهَسُوْهُ فَاِنَّهٗ اَهْنَاُ وَ اَمْرَاُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ قَالَا لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کو چھری سے نہ کاٹو[۱] کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے[۲]، دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کیونکہ[۳] یہ زیادہ لذیذ[۴] اور جلد اترنے والا ہے[۵]
(ابو داؤد، امام بیہقی، شعب الایمان میں)
ان دونوں حضرات نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے[۶]۔

[۱] یعنی چھری سے کاٹ کر نہ کھاؤ۔

[۲] اور ان کی عادت ہے، وہ از راہ تکبر اور بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں ——— اعاجم جمع ہے اُعْجُم کی؛ اعجم اور اعجمی اسے کہتے ہیں جو فصیح نہ ہو اگرچہ عربی ہو، یہ منسوب ہے عجم کی طرف اگرچہ فصیح ہی ہو۔ اعجم گونگے کو بھی کہتے ہیں، انسان کے ماسوا حیوانات کو عُجم عین پر پیش اور جیم ساکن کہتے ہیں تو وہ اسی معنی میں ہے کہ حیوانات گفتگو کی قدرت نہیں رکھتے۔ غیر عرب کو بھی اسی اعتبار سے عجم کہتے ہیں۔ چونکہ وہ فصاحت میں عربوں کے مرتبے میں نہیں ہیں۔ تو گویا وہ گونگے ہیں۔ شرح جامع الاصول میں عجم کا معنی گونگا بیان کیا ہے اور یہ تسامح ہے۔ کیونکہ عجم، گونگے سے عام ہے ——— چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے کی ممانعت کے بعد حکم فرمایا کہ اسے دانتوں سے نوچ کر کھاؤ۔

۳ھ چونکہ بعض عجمی طبع لوگوں کی طبیعت اس طریقے کو ناپسند کرتی تھی۔ ان کی تسلی اور تشفی کے لیے دانتوں سے نوچ کر گوشت کے کھانے کے منافع بیان فرمائے کہ یہ طریقہ لذت بخش بھی اور ہضم کے لیے معاون بھی ہے۔ ۱۲ ق)

۴ھ ہنی لذیذ اور غرض کے موافق کو کہتے ہیں۔ اور جو چیز کسی کو مشقت کے بغیر حاصل ہو جائے اسے ہنی کہتے ہیں۔

۵ھ معدے میں جلدی اترنے والا ہے، استمرار طعام کا معنیٰ ہے کھانے کے بوجھ کا زائل ہو جانا۔ کھانے اور پینے کی دعا میں جو ھنیئًا مریئًا کہتے ہیں اس کا یہی معنیٰ ہے، شارحین کہتے ہیں کہ ممانعت اس بات سے ہے کہ چھری سے گوشت کاٹنے کی عادت اپنالی جائے، لفظ صنع اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ہر عمل کرنے والے کو صانع نہیں کہتے، اس شخص کو صانع کہتے ہیں جو اپنے عمل میں مہارت اور اس پر قدرت رکھتا ہو، بعض اوقات چھری سے گوشت کا کاٹنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، جیسے کہ آئندہ آئے گا۔ لہٰذا تطبیق یہ ہے کہ اگر گوشت نرم اور پکا ہوا ہو تو اسے دانتوں سے نوچنا چاہیے ورنہ چھری سے کاٹنا جائز ہے، درحقیقت اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دانتوں سے کھانا لذت بخش اور زیادہ عمدہ ہے اور یہی تنزیہی ہے۔

۶ھ اور اس کے بعض راوی ضعف سے خالی نہیں ہیں۔

۴۰۳۰ ۵۴ وَعَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُّعَلَّقَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَّعَهٗ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَّشَعِيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت ام منذر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے لٹکائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمانے لگے، حضرت علی بھی آپ کے ساتھ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی! ٹھہرو، کیونکہ تم کمزور[۲] ہو، حضرت ام منذر فرماتی ہیں میں نے ان حضرات کے لیے چقندر اور جو کے آٹے سے کھانا تیار کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

| | |
|---|---|
| سَلَّمَ یَا عَلِیُّ مِنْ ھٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَكَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) | نے فرمایا: علی! تم اس میں سے لو، کیونکہ یہ تمہارے لیے زیادہ موافق ہے۔ (احمد، ترمذی۔ ابن ماجہ) |

سلہ ام منذر انصاریہ اور بقول بعض عدویہ ہیں۔ ان کا نام لیلیٰ ہے، انہوں نے دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

سلہ دوَال دال پر زبر، دالیۃ کی جمع ہے، کھجور کا خوشہ (گچھا)

سلہ یعنی تم بیماری سے اٹھے ہو اور تمہاری صحت پوری طرح بحال نہیں ہوئی اور کمزور آدمی کے لیے پرہیز ضروری ہے۔

سلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان حضرات کے لیے جو آپ کے ساتھ تھے، اپنے گھر والوں کی اجازت سے، یا ان دو معزز مہمانوں کے لیے، بعض روایات میں لَہٗ آیا ہے اور ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے یا حضرت علی کی طرف اور یہ سیاق کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

سلہ سِلق سین کے نیچے زیر۔ لام ساکن، بڑی جس کا نام چقندر ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۰۳۱ / ۵۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) | حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھرچن پسند تھی۔ (ترمذی، امام بیہقی۔ شعب الایمان میں) |

سلہ ثُفل تین نقطے والی ثاء پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن پیش زیادہ فصیح ہے۔ اور فاء ساکن، اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو تہ میں بیٹھ جائے، اسے تلچھٹ کہتے ہیں، اس جگہ کھرچن مراد ہے جو تہ میں بیٹھ جاتی ہے اور ہنڈیا سے چمٹ جاتی ہے، بعض حضرات نے اس کی تفسیر ثرید کے ساتھ کی ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ بعض اوقات اس کا استعمال ستو اور آٹے ایسی غیر مائع چیزوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ حدیبیہ میں فرمایا کہ جس کے پاس ثفل ہو اسے چاہیے کہ اپنے ساتھیوں پر احسان کرے، اس سے ستو اور آٹا وغیرہ مراد تھا۔ درحقیقت اس جگہ بھی وہی پہلا معنی مراد ہے یعنی کھانے کے بعد باقی ماندہ چیز جو کہ خوراک کا ثفل ہے، پہلی تفسیر ہی مختار ہے جب کہتے ہیں کہ ہنڈیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس سب کی طاقت کھرچن میں ہوتی ہے اور گوشت وغیرہ سب چیزوں کے

ذائقے اس میں جمع ہوتے ہیں نیز وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معتدل ترین اور قوائے کمال کے جامع مزاج کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے، اس میں چکنائی کم ہوتی ہے، زود ہضم ہوتی ہے، اس کا کھانا پیالے کے چاٹنے کے حکم میں ہے جس میں برکت اور استغفار کی توقع ہے، جیسے کہ پیالے کے چاٹنے کے بیان میں گزرا۔ پھر کھرچن کے کھانے میں تواضع بھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص عادت ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر فعل میں اگرچہ طبعی ہی ہو لطیف حکمتیں اور گہرے اسرار ہیں جن پر نور ولایت کے بغیر آگاہی نہیں ہو سکتی۔

۴۰۳۲ / ۵۵ وَعَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحَسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت نُبیشہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالے میں کھانا کھایا اور اسے چاٹا: اس کے لیے پیالہ دعائے مغفرت کرتا ہے[2]

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ دارمی)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت نبیشہ نون پر پیش، بار پر زبر، یا ساکن، نقطوں والے شین پر زبر، صحابی ہیں اور ان کا تعلق بنو ہذیل سے ہے۔ بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی حدیث ان ہی میں پائی جاتی ہے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ اس کی حقیقت مراد ہے، شارحین فرماتے ہیں کہ برتن کے چاٹنے میں عاجزی ہے، تکبر سے دوری ہے، اور یہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے، برتن کی طرف اس لیے نسبت کی کہ وہ مغفرت کا سبب ہے۔

۴۰۳۳ / ۵۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَ فِيْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَيْءٌ فَلَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی ہو جسے اس نے دھویا نہ ہو اور اسے کوئی

يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

تکلیف پہنچ جائے تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے[۳]۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ غمر نقطے والی غین اور میم دونوں پر زبر۔ گوشت اور چربی کی بو جن کے ساتھ ہاتھ آلودہ ہو۔

۲؎ کھانے اور چربی کی بو پر کیڑے مکوڑے آئیں اور کاٹ کر تکلیف پہنچائیں، بعض شارحین فرماتے ہیں کہ برص کی بیماری مراد ہے جو پسینے سے تر جسم کو ہاتھ کے لگنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔

۳؎ کہ وہ آلودہ ہاتھوں کو دھوئے بغیر سو گیا اور بیماری اور تکلیف کے لاحق ہونے کا سبب بنا، یہ اشارہ ہے ہاتھ دھونے کی ترغیب اور برانگیختہ کرنے کا اور اس کے ترک سے ڈرایا گیا ہے۔

۴۰۳۴ / ۵۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الطَّعَامِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا محبوب ترین کھانا روٹی کا ثرید اور کھجور اور مکھن[۱] کا ثرید تھا۔

(ابوداؤد)

۱؎ حیس بے نقطہ حا پر زبر، یا ساکن اور بے نقطہ سین، وہ کھانا جو کھجور، مکھن اور آٹے یا پنیر سے تیار کرتے ہیں، اصل میں حیس کا معنی ملانا اور مخلوط کرنا ہے۔

۴۰۳۵ / ۵۸ وَعَنْ اَبِيْ اَسِيْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو اسید انصاری[۱] رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: روغن زیتون کھاؤ اور اسے جسم پر ملو کیونکہ وہ اس درخت[۲] سے حاصل کیا جاتا ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

۱؎ ابواسید انصاری ہمزے پر زبر اور بے نقطہ سین کے نیچے زیر، بعض محدثین ہمزے پر پیش اور بے نقطہ سین پر زبر پڑھتے ہیں۔ صحیح پہلا طریقہ ہے۔

۲؎ اس درخت کا نام زیتون ہے، اور اس میں خیر و برکت اور بہت سے منافع رکھے گئے ہیں۔ آیت مبارکہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں جس درخت کا ذکر ہے اس سے یہی مراد ہے۔ بہترین زیتون سرزمین شام میں ہوتا ہے۔ اس زمین کو بھی مبارک کہا گیا ہے۔ سورۂ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ میں پروردگار عالم نے اس درخت کی قسم یاد فرمائی ہے، اور اس کی شرافت کا اظہار کیا ہے، عرب خصوصًا اہل شام اس کا میٹھا پھل کھاتے ہیں اور کڑوے کو چراغ میں استعمال کرتے ہیں، اس کے جسم پر ملنے میں بہت فائدہ ہے۔

۴۰۳۶/۵۹ وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْءٌ قُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَّ خَلٌّ فَقَالَ هَاتِيْ مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِّنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت اُم ہانی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، صرف خشک روٹی[2] اور سرکہ ہے فرمایا: لاؤ[3]، وہ گھر سالن سے خالی نہیں[4] ہے جس میں سرکہ موجود ہے۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

۱؎ حضرت ام ہانی، ابو طالب کی صاحبزادی اور امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔

۲؎ طعام کی جنس سے۔

۳؎ جو کچھ حاضر ہے لاؤ۔ پھر حضرت ام ہانی کا دل خوش کرنے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ کم از کم جو خوراک بھی حاضر ہو اس پر قناعت کرنی چاہیے۔ ارشاد فرمایا۔

۴؎ اقفر پہلے قاف پھر فاء، مشتق ہے۔ قفر سے جس کا معنیٰ لغت میں ہے وہ زمین جس میں پانی نہ ہو اور اس میں گھاس نہ اُگے، قفار اس روٹی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سالن نہ ہو۔

۴۰۳۷/۶۰ وَعَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا

حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا[2] لیا اس پر ایک کھجور رکھی اور فرمایا۔

تَمْرَةً فَقَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ وَ اَكَلَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

یہ اس کا سالن ہے اور تناول فرما لیا۔

(ابوداؤد)

لہ حضرت عبداللہ بن سلام اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ یہودیوں کے بڑے عالم اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، ان کے صاحبزادے یوسف کم عمر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام یوسف رکھا۔

۲ہ کِسرۃ کاف کے نیچے زیر، روٹی کا ٹکڑا

۳ہ کھجور روٹی کا سالن ہے۔

۴۰۲۸/۶۱ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُنِيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا عَلٰى فُؤَادِيْ وَ قَالَ اِنَّكَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلَدَةَ اَخَا ثَقِيْفٍ فَاِنَّهٗ رَجُلٌ يَتَطَبَّبُ فَلْيَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِّنْ عَجْوَةِ الْمَدِيْنَةِ فَلْيَجَاْهُنَّ بِنَوَاهِنَّ ثُمَّ لِيَلُدَّكَ بِهِنَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سعد[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے دو پستانوں کے درمیان[2] رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی،[3] آپ نے فرمایا: تم دل کے مریض ہو،[4] تم حارث بن کلدہ[5] ثقیف کے بھائی کے پاس جاؤ کیونکہ وہ طبابت کرتا ہے[6] وہ مدینہ منورہ کی سات عمدہ[7] کھجوریں لے کر انہیں گٹھلیوں سمیت کوٹ لے۔ پھر وہ تمہیں پلا دے۔[8]

(ابوداؤد)

لہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲ہ یعنی میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔

۳ہ یہ کنایہ ہے اس ذوق اور لذت سے جو دست مبارک کے رکھنے سے دل میں محسوس کی۔ فواد فاء پر پیش، اس کے بعد ہمزہ، دل اور دل کا درمیانہ حصہ، بعض حضرات کہتے ہیں کہ فؤاد فاء پر پیش، اس کے بعد

قلب اس سیاہ نقطے کو کہتے ہیں جو دل کے اندر ہوتا ہے، قاموس میں ہے کہ فواد کا معنیٰ قلب ہے۔

۴؎ آپ نے ہاتھ رکھ کر جب میرا حال معلوم کیا تو فرمایا۔

۵؎ مفؤد اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں درد ہو۔

۶؎ حارث بن کلدہ کاف اور لام پر زبر

۷؎ یعنی وہ ثقفی تھا۔ محلہ کے رئیس کو کہتے ہیں کہ وہ فلاں کا بھائی ہے، جیسے کہ اُخا عادٍ اور اَخُوھُم ہُوْدُ ہُمْ۔

۸؎ تطبب صیغہ تفعل تکلف کے لیے ہے یا کمال کے لیے۔

۹؎ عجوہ کھجوروں کی بہترین قسم ہے۔ اس میں کئی خواص اور برکتیں ہیں شلاً اس میں بیماری، زہر اور جادو کے دفع کرنے کی خاصیت موجود ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۱۰؎ اور اس میں پانی ملائیں۔

۱۱؎ لَدود لام پر زبر، اس دوا کو کہتے ہیں جو بیمار کے منہ میں ڈالتے ہیں اور اسے پلاتے ہیں ———

اگر سوال کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طبیب کے پاس جانے کا حکم دیا۔ خود علاج تجویز کیا اور علاج کرنے کے سلسلے میں انہیں طبیب کے سپرد کیا۔ اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انہیں طبیب کے حوالے کیا، پھر جب آسان علاج آپ کے خیال شریف میں آ گیا جس میں جلد فائدہ تھا تو آپ نے از راہ شفقت بیان فرما دیا اور اس بات کی اجازت نہ دی کہ طبیب انہیں طویل علاج معالجے میں ڈال دے، اور چونکہ اس دوا کا تیار کرنا اور اس کے استعمال کا طریقہ طبیب کے ذریعے بہت آسان تھا اس لیے انہیں طبیب کے حوالے کر دیا۔ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کافر طبیب کی طرف رجوع کرنے اور اس سے مشورہ کرنے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ حارث بن کلدہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مر گیا تھا اور اس کا اسلام لانا ثابت نہیں ہوا۔

۴۰۳۹ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ۔ ۶۲

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تربوز، کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ (ترمذی) ۱؎

وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَيَقُوْلُ يُكْسَرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا

امام ابو داؤد نے یہ اضافہ کیا: اور فرماتے اس کی گرمی اس کی سردی سے ۲؎ اور اس کی سردی اس کی گرمی ۳؎

وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

سے توڑی جائے گی۔ امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ امام ترمذی نے اس حدیث کا اتنا حصہ ہی روایت کیا۔

۲ہ یعنی کھجور کی گرمی۔ تربوز کی سردی سے توڑی جاتی ہے۔

۳ہ اور تربوز کی سردی، کھجور کی گرمی سے توڑی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ شاید تربوز کچا تھا ورنہ پکا ہوا تربوز بھی گرم ہوتا ہے، اس کے باوجود کھجور کی نسبت سرد ہے، اور یہ معنی ککڑی کے کھجور کے ساتھ کھانے میں زیادہ ظاہر ہے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۴ہ شمائل ترمذی میں ہے کہ یَاْکُلُ الْخِرْبِزَ بِالرُّطَبِ خربز خاء کے نیچے زیر، راء ساکن اور باء کے نیچے زیر خربزہ کا معرب ہے، بعض شارحین نے اس کی تفسیر اس قسم کے ساتھ کی ہے۔ جسے ہندوانہ کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد تربوز ہے، امام سخاوی، مقاصد حسنہ میں لائے ہیں کہ یزید بن رومان کی روایت میں آیا ہے کہ یَاْکُلُ الْبِطِّیْخَ بِالرُّطَبِ بار سے پہلے طاء ہے پکا ہوا۔

$\frac{4040}{63}$ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ عَتِيْقٍ فَجَعَلَ يُفَتِّشُهُ وَيُخْرِجُ السُّوْسَ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پرانی کھجوریں لہ لائی گئیں تو آپ اسے کریدتے تھے اور اس سے کیڑے ۲ہ نکالتے تھے۔ (ابوداؤد)

لہ جن میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔

۲ہ سوس ان کیڑوں کو کہتے ہیں جو کھانے اور اُون میں پڑ جاتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کیڑے پڑ جانے سے کھانا پلید نہیں ہوتا، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، مطالب المومنین میں ہے کہ پنیر اور سیب میں کیڑا پیدا ہو جائے تو وہ حلال ہے، کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں ہے تاہم کیڑا نکال دیا جائیگا اور اس کا وہی حکم ہے جو مکھی کا ہے، بھڑ، مچھر اور ہر وہ چیز جس میں بہنے والا خون نہیں ہے اس کا کھانا حرام ہے اور اگر پانی یا کھانے میں گر جائے تو وہ پلید نہیں ہوگا۔

$\frac{4041}{64}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

| | |
|---|---|
| اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِجُبُنَّۃٍ فِیْ تَبُوْکَ فَدَعَا بِالسِّکِّیْنِ فَسَمّٰی وَ قَطَعَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) | روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں غزوۂ تبوک[۱] میں پنیر لایا گیا تو آپ نے چھری طلب فرمائی۔ بسم اللہ پڑھی[۳] اور اسے کاٹا۔ (ابوداؤد) |

[۱] تبوک، شام کے علاقے میں ایک شہر ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں غزوہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

[۲] جُبُنَّۃٌ جیم اور ایک نقطے والی بار پر پیش اور نون مشدد پر زبر، پنیر۔

[۳] یہ اسی طرح ہے جس طرح کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھی جاتی ہے، ذبح کی طرح نہیں ہے جیسے کہ بعض عوام کدو کو کاٹتے ہوئے کرتے ہیں ——— علامہ طیبی نے کہا کہ یہ حدیث اِنفحہ کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ پنیر اسی کے ذریعے تیار کیا جاتا ہے اور اگر وہ پلید ہو تو پنیر بھی پلید ہوگا، اِنفحہ ہمزے کے نیچے زیر، نون ساکن، فاء پر زبر اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں اور بے نقطہ حاء مشدد، اسے مَنفِحہ بھی کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ بکری یا بھیڑ کے اس بچے کی اوجھڑی جس نے ابھی چارہ نہ کھایا ہو، قاموس میں ہے اس چیز کو کہتے ہیں جو بکری کے شیرخوار بچے کے پیٹ سے نکال کر اون کے کچھ حصے میں نچوڑی جاتی ہے پھر اسے دودھ میں ڈال دیا جاتا ہے تو دودھ سخت ہو جاتا ہے اور اس سے پنیر تیار ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے کہا کہ جوہری (صاحب صحاح) نے اس کی تفسیر اوجھڑی سے کی ہے اور یہ ان کا سہو ہے۔ (قاموس)
مشہور یہ ہے کہ یہ وہ دودھ ہے جو بکری کے بچے کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ اسے دودھ میں ڈالتے ہیں اور اس سے پنیر تیار ہوتا ہے۔ مغرب کے بعض علماء نے کہا کہ رومی پنیر مکروہ ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کی کراہت کی علت کیا ہے؟ آیا اسی اِنفحہ میں شبہہ ہے یا کوئی دوسری چیز ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۰۳۲ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَ الْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ وَ الْحَرَامُ مَا | حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین[۱] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا[۲]: حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ |

حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَوْقُوْفٌ عَلَى الْاَصَحِّ)

نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے[۳] تو وہ ان چیزوں میں سے ہے جنہیں معاف فرمایا۔ (ابن ماجہ۔ ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے[۴]

[۱] ان تین چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ حلال ہیں یا حرام؟ (۱) سَمَن سین پر زبر، میم ساکن، گھی۔ ظاہر یہ ہے کہ ابتداءِ اسلام میں کچھ لوگوں کو اس کے حلال ہونے میں شبہہ پیدا ہوا تھا (۲) پنیر اس کے بارے میں اشتباہ اور سوال کی وجہ یہ ہے کہ یہ انفحہ سے بناتے ہیں۔ (۳) فِرَاء فاء کے نیچے زیر، آخر میں الف ممدودہ، اکثر شارحین نے اسے فرا پہلے حرف پر زبر آخر میں الف مقصورہ کی جمع قرار دیا ہے جس کا معنیٰ جنگلی گدھا (نیل گائے ہے) بعض شارحین نے فرو بمعنیٰ پوستین کی جمع قرار دی ہے۔ اسی لیے امام ترمذی اس حدیث کو اپنی جامع کے باب لباس میں اور امام ابن ماجہ گھی اور پنیر کے باب میں لائے ہیں، علامہ تورپشتی نے فرمایا: بے شک بعض محدثین نے غلط کہا ہے کہ یہ فرا بمعنیٰ جنگلی گدھے کی جمع ہے، حالانکہ یہ مرف فرو (پوستین) کی جمع ہے، صحابۂ کرام نے اس کے بارے میں از راہ پرہیز اس لیے سوال کیا کہ اسے کفار مردہ جانور کی کھال سے رنگے بغیر تیار کرتے ہیں، علامہ تورپشتی نے کہا کہ محدثین اس حدیث کو باب لباس میں لائے ہیں اور اگر طعام کے باب میں بھی لائے ہوں تو یہ حدیث جنگلی گدھے کے مردار ہونے پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ حدیث طعام اور لباس کے بارے میں سوال پر مشتمل ہے۔

[۲] بطور قاعدہ کلیہ جواب دیا۔

[۳] جن چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے اور انہیں نہ حلال قرار دیا ہے اور نہ حرام تو وہ ان چیزوں میں سے ہیں جن کو معاف فرمایا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

[۴] یہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے حدیث موقوف، صحابی کے قول و فعل کو کہتے ہیں جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول و فعل کو حدیث مرفوع کہتے ہیں۔

۴۰۴۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ ۶۶

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ اَنَّ عِنْدِيْ خُبْزَةً بَيْضَاءَ مِنْ بُرَّةٍ سَمْرَاءَ مُلَبَّقَةً بِسَمْنٍ وَلَبَنٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَاتَّخَذَهُ فَجَاءَ بِهٖ فَقَالَ فِيْ اَيِّ شَيْءٍ كَانَ هٰذَا قَالَ فِيْ عُكَّةِ ضَبٍّ قَالَ ارْفَعْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَهٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ)

نے فرمایا: ہمیں یہ بات پسند ہے کہ ہمارے پاس شربتی رنگ کی گندم[1] کی سفید روٹی ہوتی جو گھی اور دودھ کے ساتھ ترکی ہوئی ہوتی، قوم میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے ایسی روٹی تیار کی اور لاکر پیش کردی۔ فرمایا: یہ گھی کس چیز میں تھا؟ اس نے کہا گوہ کے چمڑے سے تیار کیے ہوئے ڈبہ[2] میں، فرمایا: اسے اٹھالو[3]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔[4]

۱ سفید گندم جس میں سیاہی پوشیدہ ہو، گندم کی بہترین اور خاص قسم۔

۲ عکّہ عین پر پیش، گھی کا برتن جو مشکیزے سے چھوٹا ہوتا ہے۔

۳ یہ روٹی ہمارے سامنے سے اٹھالو، یہ بات طبیعت شریفہ کی کراہت اور نفرت کی بنا پر فرمائی۔ اس لیے نہیں کہ وہ پلید ہے، ورنہ اس گھی اور روٹی کے پھینک دینے کا حکم دیتے اور اس کے کھانے سے منع فرمادیتے اسی طرح علامہ طیبی نے کہا ہے، یہ تقریر شافعیہ کے مذہب پر مبنی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک گوہ حلال ہے، ہمارے نزدیک حرام ہے۔ ہم نے اس بحث کو مَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَمَا يَحْرُمُ کے باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۴ یہ حدیث منکر، ضعیف اور غیر مقبول ہے، نیز نفس کی خواہش کی طلب، اشتہا، پسندیدگی اور اس کی آرزو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ کے خلاف ہے، اسی لیے امام ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو قابل توجہ بات یہ ہے کہ طبیعت کی اشتہا اور اس کے اظہار اور طلب میں تکلف کے ترک کرنے کے باوجود لطف الٰہی نے آپ کو اس سے کس طرح باز رکھا؟ اور کس طرح ایسی چیز کو ظاہر فرمایا جو آپ کی طبع شریف کے لیے نفرت و کراہت کا باعث بنی۔ خاص بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور حمایت اسی طرح ہوتی ہے۔

۴۰۲۴/۴۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ الثُّوْمِ اِلَّا مَطْبُوْخًا (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن کے کھانے سے منع فرمایا مگر یہ کہ پکایا ہوا ہو[1] (ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] کیونکہ پکانے سے اس کی بُو ختم ہو جاتی ہے۔ پیاز وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۴۰۴۵ ۹۸ وَعَنْ اَبِیْ زِیَادٍ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَۃُ عَنِ الْبَصَلِ فَقَالَتْ اِنَّ اٰخِرَ طَعَامٍ اَکَلَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ فِیْہِ بَصَلٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

ابوزیاد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیاز کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو آخری طعام تناول فرمایا اس میں پیاز شامل تھا[1] (ابوداؤد)

[1] اگر طعام میں پیاز کے کھانے کے بارے میں سوال تھا۔ تو یہ جواب اس کے مطابق اور موافق ہے اور اگر عام سوال تھا کہ پیاز تنہا کھانا اور طعام میں کھانا کیسا ہے، تو تنہا پیاز کھانے کا حکم بیان نہیں ہوا اور وہ کراہت والے حکم پر باقی رہا۔

تفصیل مقام یہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیاز نہ تو تنہا کھایا ہے اور نہ ہی طعام میں، لیکن حضرت عائشہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طعام میں پیاز تناول فرمایا ہے، اور امت کو اس کے کھانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ بعض محدثین کہتے ہیں کہ کچے پیاز کے کھانے سے ممانعت ہے پکے ہوئے سے نہیں ہے، اصح یہ ہے کہ وہ نہی بھی تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں ہے نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حرام ہے اور نہ ہی آپ کی امت پر، امام طحاوی شرح معانی الآثار میں ایسی احادیث لائے ہیں جن سے پیاز، گندنا اور لہسن وغیرہ کے کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ خواہ یہ چیزیں کچی ہوں یا پکی ہوئی، ہاں جو شخص کھائے وہ اس وقت تک گھر میں بیٹھے جب تک کہ بو باقی ہو، مسجد میں نہ جائے کہ ایسی حالت میں مسجد میں جانا مکروہ ہے، امام طحاوی نے فرمایا امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور ہمارا یہی مذہب ہے، شارحین نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواز کی تعلیم دینے اور یہ بیان کرنے کے لیے نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی آخری عمر میں پیاز والا طعام تناول فرمایا۔

۴۰۴۶ ۹۹ وَعَنِ ابْنَیْ بُسْرِنِ السُّلَمِیَّیْنِ قَالَا دَخَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

بسر کے دو سلمی صاحبزادوں[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمارے پاس

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَّتَمْرًا وَّكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم نے مکھن اور چھوہارے پیش کیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکھن اور چھوہارے پسند فرماتے تھے۲ (ابوداؤد)

۱ ان کا نام حضرت عبداللہ اور عطیہ ہے اور دونوں صحابی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سُلَمِیَّیْن سین پر پیش لام مخفف مفتوح، میمؔ نسبت، تثنیہ۔

۲ کیونکہ مکھن کی چکنائی چھوہارے کی خشکی کو دور کرتی ہے ——— چپڑی ہوئی روٹی کا کھجوروں کے ساتھ کھانا عرب میں معروف ہے۔

۴۰۲۷ وَعَنْ عِكْرَاشِ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ اُوْتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ فَخَبَطْتُ بِيَدِيْ فِيْ نَوَاحِيْهَا وَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى يَدِي الْيُمْنٰى ثُمَّ قَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَّوْضِعٍ وَّاحِدٍ فَاِنَّهٗ طَعَامٌ وَّاحِدٌ ثُمَّ اُوْتِيْنَا فِيْهِ اَلْوَانُ التَّمْرِ فَجَعَلْتُ اٰكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ فَقَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّهٗ غَيْرُ لَوْنٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ اُتِيْنَا بِمَآءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عکراش بن ذویب۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس بہت سے ثرید اور گوشت۲ والا بڑا پیالہ لایا گیا، تو میں نے اس کے اطراف میں ہاتھ مارے۳ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سامنے سے تناول فرمایا، آپ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا پھر فرمایا: عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ۴ کیونکہ یہ ایک کھانا۵ ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں رنگا رنگ کھجوریں تھیں، میں اپنے سامنے سے کھانے لگا۶ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھال میں گردش کرنے لگا۷ فرمایا عکراش! جہاں سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ ایک قسم نہیں۸ ہے، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَیْہِ وَ مَسَحَ بِبَلَلِ کَفَّیْہِ وَجْھَہٗ وَ ذِرَاعَیْہِ وَرَاْسَہٗ وَ قَالَ یَا عِکْرَاشُ ھٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنے ہاتھوں کی تری چہرے، کلائیوں اور سر مبارک پر ملی اور فرمایا: عکراش! یہ اس کھانے کا وضو ہے جسے آگ تبدیل کرے[۹] (ترمذی)

۱؎ عکراش عین کے نیچے زیر، کاف ساکن اور آخر میں نقطے والا شین بن ذویب نقطے والے ذال کے ساتھ تصغیر کا صیغہ، صحابی ہیں اور ان کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے۔

۲؎ وَذَرَ واؤ پر زبر، نقطے والا ذال ساکن، ہڈی سے خالی گوشت کے ٹکڑے۔

۳؎ خبط دراصل اس کا معنیٰ ہے اونٹنی کا تاریک رات میں چلنا، کہ وہ بغیر کسی احتیاط اور تمیز کے ہر طرف ہاتھ اور پاؤں مارتی ہے۔ اسی طرح یہ صحابی پیالے کی ہر جانب میں ہاتھ مارتے تھے اور کھاتے تھے۔

۴؎ یعنی اپنے آگے سے کھاؤ اور ہر طرف ہاتھ نہ مارو۔

۵؎ اور ہر طرف ایک جیسا ہے، ہر جانب ہاتھ مارنا، حرص اور لالچ کے سوا کچھ نہیں ہے، یعنی اگر مختلف کھانے ہوتے یا ایک ہی کھانا ہوتا اور ہر جانب اس کی الگ قسم ہوتی تو طبیعت کے میلان کے مطابق ہر طرف سے کھایا جاسکتا تھا، لیکن جب ایک ہی کھانا ہے (اور ہر طرف ایک جیسا ہی ہے)، تو ہر طرف ہاتھ معیوب اور مکروہ ہے۔

۶؎ کیونکہ میں کھانے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن چکا تھا۔

۷؎ طبعی میلان کی بنا پر اور حاضرین کو یہ بتانے کے لیے کہ کھجوریں ہر طرف سے کھائی جاسکتی ہیں۔ آپ نے یہ مسئلہ اپنے فعل سے بھی بیان فرمایا اور قول سے بھی (جیسے اس کے بعد فرمایا)

۸؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پھل بھی ایک ہی قسم (اور ایک ہی رنگ) کا ہو تو ہر طرف ہاتھ نہ مارنا چاہیے بلکہ اپنے آگے سے کھانا چاہیے۔

۹؎ اور آگ پر پکا ہوا ہو ——— بعض روایات میں مِمَّا مَسَّتْہُ النَّارُ وہ کھانا جسے آگ نے چھوا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس میں دونوں ہاتھوں کا دھونا کافی ہے، لیکن اگر ہاتھوں کی تری چہرے، کلائیوں اور سر پر مل لیں تو بہتر ہے اور یہ نماز کے لیے کیے جانے والے وضو کے زیادہ مشابہ ہے۔

۴۰۴۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ اَهْلَهُ الْوَعْكُ اَمَرَ بِالْحِسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ اَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَ يَسْرُوْا عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْا اِحْدٰكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل کو گرمی کا بخار ہو جاتا تو آپ کے حکم پر سیرا[1] تیار کیا جاتا، پھر آپ انہیں حکم دیتے تو وہ اس سے پیتے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ غمگین کے دل کو تقویت[2] دیتا ہے اور بیمار کے دل کی تنگی کو دور کرتا ہے جیسے کہ تم میں سے ایک پانی سے اپنے چہرے کی میل دور کرتی ہے[3]۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] حسا پہلے حرف پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، وہ طعام جو آٹے اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے، کبھی اسے میٹھا بھی بنا لیتے ہیں، نیز اسے نرم رکھتے ہیں تاکہ پیا جا سکے، یہ وہی تلبینہ ہے جس کا ذکر پہلی فصل میں گزرا۔ اسے حریرہ بھی کہتے ہیں۔ حدیث میں بھی یہ نام آیا ہے۔

[2] صراح میں ہے رَتُو سخت کرنا اور سست کرنا، متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

[3] عورتوں سے اس لیے خطاب فرمایا کہ وہ چہرے کو میل کچیل سے پاک صاف کرنے کی زیادہ کوشش کرتی ہیں، یا اس لیے کہ جب یہ ارشاد فرمایا تو عورتیں ہی حاضر تھیں۔

۴۰۴۹ - ۲۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِّنَ السَّمِّ وَالْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَ مَاءُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عجوہ جنت سے ہے[1] اور اس میں زہر سے شفاء ہے[2] اور کھمبی، من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے[3]۔ (ترمذی)

[1] یعنی یہ جنت سے لائی گئی ہے، یا بہشت میں ہوگی، یا یہ مطلب ہے کہ یہ اتنی مفید اور راحت بخش ہے کہ گویا بہشت سے لائی گئی ہے، زیادہ بہتر اور درست پہلا معنی ہے جیسے کہ محققین علماء نے حدیث شریف

ہماری قبر اور ہمارے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، کے بارے میں فرمایا ہے۔

۲ جیسے کہ پہلی فصل میں گزرا۔

۳ اس کی شرح بھی پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۰۵۰ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِيْ بِهَا مِنْهُ فَجَآءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَاَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهٗ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهٗ وَفَآءً فَقَالَ لِيْ اُقُصُّهٗ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ اَوْ قُصَّهٗ عَلٰى سِوَاكٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات مہمان ہوا[۲]، آپ نے فرمایا کہ بکری کا پہلو بھونا جائے، چنانچہ بھونا گیا۔ پھر آپ نے بڑی چھری[۳] لی اور اس کے ساتھ اس پہلو سے میرے لیے کاٹنے لگے، پھر حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے[۴] کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے چھری پھینک دی اور فرمایا اُسے کیا ہے[۵]؟ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، حضرت مغیرہ (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں[۶] تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں انہیں مسواک پر رکھ کر کاٹ دیتا ہوں[۷] یا فرمایا تم انہیں مسواک پر رکھ کر کاٹ دو۔ (ترمذی)

۱ حضرت مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں۔ خندق کے سال اسلام لائے، بعض محدثین نے کہا کہ پہلے پہل حدیبیہ میں حاضر ہوئے، حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے والی مقرر کیے گئے تھے، عقل و دانش اور اصابت رائے میں ایک مثال کی حیثیت رکھتے تھے۔

۲ ضفت ضاد کے نیچے زیر، بروزن بعثت ——— یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور میں ایک صحابی کے گھر گئے اور ان کے مہمان بنے، انہوں نے بکری ذبح کی۔

۳ شفر نقطے والے شین پر زبر، فا ساکن، بڑی چھری۔

ؔ۴ یہ اطلاع اذان کے علاوہ تھی، جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب اذان کے بعد صحابہ کرام جمع ہو جاتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دیتے، اس جگہ یُؤْذِنُ اِیْذَانٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اطلاع اور خبر دینا ہے۔ نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے جو اذان دیتے، اس کے لیے یُؤَذِّنُ تَاْذِیْنًا استعمال کرتے ہیں۔

ؔ۵ بطور تعجب فرمایا کہ اس بلال کو کیا ہوا؟ کہ اس وقت نماز کی اطلاع دیتا ہے اور اضطراب میں مبتلا کرتا ہے حالانکہ وقت تنگ نہیں ہے۔

ؔ۶ یہ کنایہ ہے خواری، فقر اور ناداری سے، کسی شخص کو ملامت کرنے کے وقت عرب یہ دعا دیتے ہیں، لیکن اس سے مراد حقیقت اور اس امر کا وقوع نہیں ہے، بلکہ اسی طرح عادت ہے اور صرف ملامت اور سرزنش مقصود ہوتی ہے۔

ؔ۷ اتنی لمبی تھیں کہ ہونٹوں تک پہنچی ہوئی تھیں ——— شارحین نے اس عبارت کا مطلب چند طرح بیان کیا ہے ایک یہ کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر حضرت مغیرہ کی طرف راجع ہے جو حدیث کے راوی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ کہتے وَکَانَ شَارِبِیْ صیغہ متکلم کے ساتھ، یعنی میری مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں، یہ کلام میں تفنن ہے جسے علم معانی کی اصطلاح میں تجرید اور التفات کہتے ہیں۔

ؔ۸ یعنی مسواک کی لکڑی ان کے نیچے رکھ کر انہیں استرے کے ساتھ کاٹ دیتا ہوں۔

ؔ۹ یہ راوی کو شک ہے، یعنی انہیں حکم فرمایا کہ تم انہیں کاٹ دو، یہ نہیں فرمایا کہ ہم کاٹ دیتے ہیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، پس آپ نے فرمایا کہ ہم انہیں تمہارے لیے کاٹ دیتے ہیں تاکہ قطع کیے ہوئے بال تمہارے پاس بطور تبرک رہیں۔ یا انہیں حکم دیا کہ تم ہماری مونچھیں چھوٹی کر دو، بعض شارحین کہتے ہیں کہ شَارِبُہٗ کی ضمیر حضرت بلال کی طرف راجع ہے، لیکن اس صورت میں فَقَالَ لِیْ (مجھے فرمایا) خلاف ظاہر ہے فَقَالَ لَہٗ (انہیں فرمایا) ہونا چاہیے تھا، بعض حضرات نے فرمایا کہ اصل میں عبارت اس طرح ہے قَالَ بِلَالٌ قَالَ لِیْ (حضرت بلال فرماتے ہیں کہ مجھے فرمایا) لیکن اس میں تکلف ہے، تاہم یہ تکلف مشکوٰۃ شریف کی روایت میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ فَقَالَ لِیْ، شمائل ترمذی میں ہے فَقَالَ۔ اس صورت میں حضرت بلال کی طرف ضمیر کا راجع کرنا ظاہر ہے اور حضرت مغیرہ کی طرف راجع کرنا تکلف اور خلاف ظاہر ہے، جیسے شَارِبُہٗ خلاف ظاہر ہے کہ متکلم کی جگہ ضمیر غائب لائی گئی ہے، علامہ طیبی، شرح السنۃ کے حوالے سے ایک روایت لائے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص کی مونچھیں لمبی ہیں، آپ نے مسواک اور استرہ منگوایا،

مسواک ان کی مونچھوں کے نیچے رکھ کر قطع کر دیں۔ اگر یہ روایت اسی قصے کے بارے میں ہے تو حضرت مغیرہ یا حضرت بلال کی طرف ضمیر کا راجع ہونا متعین ہے۔ مونچھوں کے کاٹنے اور انہیں پست کرنے کا حدیث میں جو حکم ہے تو ان کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان کتاب الطہارۃ میں گزر چکا ہے۔

۴۰۵۱ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتّٰى يَبْدَأَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعَ يَدَهُ وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَامًا فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا ثُمَّ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ كَأَنَّمَا يُدْفَعُ فَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ جَاءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهَا الْأَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهٖ فَأَخَذْتُ بِيَدِهٖ إِنَّ يَدَهُ فِي يَدِي مَعَ يَدِهَا زَادَ فِي رِوَايَةٍ ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طعام کو حاضر ہوتے تو ہم کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء فرماتے اور کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے، ایک دفعہ ہم آپ کے ساتھ ایک کھانے پر حاضر ہوئے، ایک لڑکی یوں تیزی سے آئی جیسے کہ اسے دھکیلا جا رہا ہو۔ وہ فوراً کھانے میں اپنا ہاتھ ڈالنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک بدوی اس تیزی سے آیا گویا اسے دھکیلا جا رہا ہو، آپ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان اس طرح کھانے کو اپنے لیے حلال کرتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، وہ اس بچی کو لایا تاکہ اس کے ذریعے اپنے لیے کھانا حلال کرے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس بدوی کو لے آیا تاکہ اس کے ذریعے کھانا حلال کرے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس بچی کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے پھر اللہ تعالیٰ کا

اللّٰہِ وَ اَکَلَ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

نام لیا اور کھانا تناول فرمایا۔ (مسلم)

۱؎ اس کے بعد ہم ہاتھ بڑھاتے ہوئے چینی اور جلدی سے کام نہ لیتے۔

۲؎ اور ابھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا، اور ہم بھی ادب و احترام کے پیش نظر بیٹھے تھے اور کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

۳؎ یعنی جیسے کسی نے اسے کھانے پر دھکا دے دیا ہو، وہ آتے ہی بھوک کی شدت کی بنا پر کھانے پر ٹوٹ پڑی۔

۴؎ اس نے نہ تو اللہ تعالےٰ کا نام لیا اور نہ ہی ادب ملحوظ رکھا۔

۵؎ اور اسے اجازت نہ دی کہ کھانے پر ہاتھ ڈالے اور کھانا شروع کر دے۔

۶؎ اور اس کے کھانے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔

۷؎ اور اس کے آنے کا سبب بنا۔

۸؎ اور اس کے بسم اللہ شریف کے بغیر کھانے کے سبب۔

۹؎ ایک روایت میں ہے مَعَ یَدَیْھِمَا اس لڑکی اور بدوی کے ہاتھوں کے ساتھ، اور یہ زیادہ ظاہر ہے یَدِھَا والی روایت لڑکی کے ساتھ خاص ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اعرابی کا ہاتھ نہیں تھا، کیونکہ پہلے فرمایا کہ ہم نے اعرابی کا ہاتھ بھی پکڑ لیا، چونکہ لڑکی پہلے آئی تھی اور اس کا ہاتھ پہلے پکڑا تھا اس لیے خاص طور پر اس کا ذکر فرما دیا۔

**۴۰۵۲** وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یَّشْتَرِیَ غُلَامًا فَاَلْقٰی بَیْنَ یَدَیْہِ تَمْرًا فَاَکَلَ الْغُلَامُ فَاَکْثَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ کَثْرَۃَ الْاَکْلِ شُؤْمٌ وَ اَمَرَ بِرَدِّہٖ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے سامنے کھجوریں رکھ دیں اس نے بہت ساری کھجوریں کھا لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زیادہ کھانا بے برکتی کی علامت ہے اور حکم فرمایا کہ اسے واپس کر دیا جائے۔ (شعب الایمان، امام بیہقی)

لہ صراح میں ہے "شُؤم" پہلے حرف پر پیش، اس کے بعد ہمزہ، بری فال، برکت کی ضد، قاموس میں ہے "شؤم" "یمن" کی ضد ہے اور یمن کا معنیٰ ہے برکت

۴۰۵۳ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ اِدَامِكُمُ الْمِلْحُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے سالن کا سردار نمک[1] ہے۔ (ابن ماجہ)

لہ کیونکہ اس میں مشقت کم ہوتی ہے، اور طریقۂ زہد و قناعت کے سلوک کے زیادہ نزدیک ہے اس لیے دوسرے سالنوں سے بہتر ہے۔

۴۰۵۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَاِنَّهٗ اَرْوَحُ لِاَقْدَامِكُمْ۔

اُن ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو، کیونکہ یہ تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت پہنچانے والا عمل[1] ہے۔

لہ اور کھانے کے ادب کے بہت نزدیک ہے۔

۴۰۵۵ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهَا كَانَتْ اِذَا اُتِیَتْ بِثَرِيْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّیَ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ۔ (رَوَاهُمَا الدَّارِمِیُّ)

حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب ان کے پاس ثرید[1] لایا جاتا تو وہ حکم دیتیں تو اسے ڈھانپ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کے بخار اور گرمی کا جوش[2] چلا جاتا، وہ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ برکت[3] کی زیادتی کا موجب ہے، یہ دونوں حدیثیں امام دارمی نے روایت کیں۔

لہ ثرید کا ذکر اتفاقی ہے، ان لوگوں کا طعام عام طور پر ثرید ہی ہوتا تھا، دوسرے کھانے کا بھی یہی حکم ہوگا۔
۲ لہ صراح میں ہے "فَوْر" اور "فَوَرَان" کا معنیٰ ہے دیگ اور چشمے وغیرہ کا جوش مارنا، "فَوْرَةُ الْحَرِّ" پہلے حرف پر زبر، گرمی کی شدت۔

۳؎ کھانے کو یہاں تک محفوظ رکھنا کہ اس کے بخار اور گرمی کا جوش ختم ہو جائے اور اسے ٹھنڈا کر کے کھانا۔

۵۶ / ۷۹ وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا تَقُوْلُ لَهُ الْقَصْعَةُ اَعْتَقَكَ اللهُ مِنَ النَّارِ كَمَا اَعْتَقْتَنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت نبیشہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے پیالے میں کھایا پھر اسے چاٹا[2] تو پیالہ اسے کہتا ہے[3] کہ اللہ تعالیٰ تجھے آگ سے رہائی عطا فرمائے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے رہائی دی ہے[4]۔ (رزین)

۱؎ نبیشہ نون پر پیش، ایک نقطے والی با پر زبر، یا ساکن، اس کے بعد شین، صحابی ہیں۔ انہیں نبیشۃ الخیر کہتے ہیں۔

۲؎ کھانا کھانے کے بعد۔

۳؎ زبانِ حال سے یا اس زبان سے جو حقیقت میں اس کے لیے ثابت ہے۔

۴؎ اگر تم نہ چاٹتے تو وہ چاٹتا ——— یہ حدیث دوسری فصل میں حضرت نبیشہ سے بالفاظ دیگر گزر چکا ہے۔

# بَابُ الضِّيَافَةِ

## ۲۹۶۔ ضیافت کا بیان

ضیافت کی فضیلت نیز ضیافت مہمان اور میزبان کے آداب کا بیان، ضَافَ وہ مہمان ہوا اَضَافَ اس نے مہمانی کی، ضَیْفٌ مہمان مُضِیْفٌ میزبان ـــــــــ یاد رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ حق ضیافت کی رعایت بہترین اخلاق اور مستحبات میں سے ہے اور اکثر احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، بعض علماء کے نزدیک ایک دن واجب اور اس کے بعد مستحب ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کی کوئی جماعت، دیہات والوں کے پاس فروکش ہوں تو ان پر ضیافت واجب ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں ضیافت واجب تھی پھر اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ یا یہ حکم اس صورت پر محمول ہے کہ مسلمان بھوک کے ہاتھوں حالت اضطرار کو پہنچ گئے ہوں یا یہ حکم اہل ذمہ کے ساتھ خاص ہے۔ جنہوں نے ضیافت اپنے ذمہ لی تھی۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۴۰۵۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُكْرِمْ ضَیْفَهٗ وَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ وَ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ وَ فِیْ رِوَایَةٍ بَدَلَ الْجَارِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ ایک روایت میں پڑوسی کی جگہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالے اور

وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔
(صحیحین)

۱؎ اور اس دن کے ثواب و عذاب پر ایمان رکھتا ہو۔

۲؎ اور اس کے حقوق پورے کرے، خوش آمدید کہے، خندہ پیشانی اور نرمی سے پیش آئے، حق خدمت بجالائے اور کسی کے حقوق ضائع کیے بغیر قدرے تکلف کے ساتھ طاقت و قدرت کے مطابق کھانا تیار کرے اور جو کچھ میسر ہو جلدی حاضر کرے۔

۳؎ بندۂ ایمان دار کو چاہیے کہ پڑوسی کے ساتھ بھلائی کرے اور اس پر احسان کرے اور کم از کم یہ کہ اسے اذیت نہ پہنچائے، درحقیقت مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیکی اور بھلائی کی توقع رکھتا ہو اس پر احسان کرے اور اسے اذیت دینے سے بچے۔

۴؎ جس میں ثواب ہو اور اگر ثواب نہ ہو تو کم از کم اس میں عذاب تو نہ ہو۔

۵؎ یعنی حدیث کے جس حصے میں پڑوسی کو تکلیف نہ دینے کی وصیت ہے اور ارشاد ہے فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ (اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے) اس کی جگہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مبدأ و معاد پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے اور ان پر احسان کرے جو نزدیکی اور ملاقات کا سبب بنے نہ کہ قطع تعلق اور جدائی کا۔

۴۰۵۸ / ۲ وَعَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّ لَيْلَةٌ وَّالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَّ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّثْوِيَ عِنْدَهٗ حَتّٰى يُحْرِجَهٗ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو شریح کعبی۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالٰے اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی عزت کرے، مہمان کا تحفہ ایک دن رات ہے اور ضیافت تین دن ہے اس کے بعد جو کچھ ہے صدقہ ہے۲؎، اور مہمان کے لیے جائز نہیں۳؎ کہ میزبان کے پاس اتنی دیر قیام کرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۴؎۔
(صحیحین)

۱؎ حضرت شریح کعبی صحابی ہیں، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، فتح کے دن بنو کعب کا جھنڈا ان کے

پاس تھا۔

۲؎ اسے جو کچھ پیش کرے اور اس پر جو احسان کرے وہ زائد خیر ہے۔ نہایہ امام جزری میں حدیث کا مطلب یہ بیان کیا کہ تین دن مہمانی کرے، پہلے دن جو خدمت اور احسان کرسکتا ہے اس میں تکلف سے کام لے، دوسرے اور تیسرے روز معمول کے مطابق جو کچھ حاضر ہے کسی تکلف کے بغیر پیش کر دے، اس کے بعد اسے اتنا زادِ راہ دے دے جس کے ساتھ وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کرے۔ یہ مراد ہے جائزہ سے جو فرمایا کہ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ جائزہ کا معنیٰ تحفہ، عطیہ اور مہربانی ہے، اس جگہ اتنی مقدار مراد ہے جو ایک دن کی خوراک بن سکے جس کے ساتھ مہمان منزل تک پہنچ سکے، اسے جیزہ بھی کہتے ہیں، بعض حواشی میں لکھا ہے جائزہ وہ کھانا ہے جو جاتے وقت مہمان کو دے دیا جائے، اور جائزہ کے بعد جو کچھ دیں وہ صدقہ ہے اور احسان و خیر کی زیادتی ہے۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے جائزہ، ضیافت سے مؤخر اور اس سے زائد ہوا، اس معنیٰ پر محمول کرنے کا قرینہ یہ ہے کہ جائزہ کا ذکر ضیافت کے بعد واقع ہوا ہے، بعض صحیح روایات میں حضرت ابو شریح سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَالضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ وَّجَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ۔ ضیافت تین دن اور جائزہ ایک دن رات ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ جائزہ اس تحفے اور مہربانی کا بیان ہو جو پہلے دن عمل میں لایا گیا ہو اور تین دن میں داخل ہو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ کے ظاہر سے ضیافت اور جائزہ کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن لفظِ جائزہ اور اکرام کے ظاہر سے عدمِ وجوب معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ علامہ طیبی نے فرمایا، پس صدقہ سے مراد خیر اور احسان کی زیادتی ہوگی۔ جیسے کہ ہم نے حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳؎ میزبان کا حال بیان کرنے کے بعد مہمان کا حال بیان کیا تاکہ وہ میزبان کے حال کی رعایت کرے۔

۴؎ تاکہ صدقہ احسان جتلانے اور اذیت کے زمرے میں داخل نہ ہو جائے۔ شارحین فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر اور بیماری کی وجہ سے تین دن سے زیادہ قیام کرے تو اپنے مال سے کھائے اور میزبان کو تکلیف نہ دے۔

۴۰۵۹ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَّا يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰى فَقَالَ لَنَا اِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَاَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں بھیجتے ہیں۱؎ تو ہم کسی قوم کے پاس اترتے ہیں جو ہماری مہمانی نہیں کرتی۲؎ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۳؎ فرمایا کہ اگر تم کسی قوم کے پاس اترو اور وہ تمہارے لیے اس چیز کا حکم دیں جو مہمانوں کے

| | |
|---|---|
| فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ۔ | لائق ہے تو قبول کرو اور اگر وہ اس طرح نہ کریں تو تم ان سے مہمانوں کا حق لے لو جو ان کے لائق ہے۔ |
| (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) | (صحیحین) |

لہ جہاد کے لیے یا کسی دوسرے کام کے لیے۔

ؔ۲ہ یقرونَنا میں دو نون ہیں اور یا ء پر زبر ہے، بعض روایات میں بطور تخفیف ایک نون حذف کیا گیا ہے۔

ؔ۳ہ اور آپ کا کیا حکم ہے؟ کیا ہم ان سے زبردستی اپنی ضیافت حاصل کریں یا نہ؟

ؔ۴ہ اس سوال کے جواب میں اور اس مسئلے کا حکم بیان کرتے ہوئے۔

ؔ۵ہ اور ان کے لیے کافی ہے۔

ؔ۶ہ مہمانوں یا میزبانوں کے لائق ہے ——— ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیافت واجب ہے اور اگر نہ دیں تو جبراً وصول کی جائے۔ یہ حدیث علماء کی اس جماعت کی دلیل ہے جن کے نزدیک ضیافت حق واجب ہے جمہور علماء اس حدیث کی چند وجوہ سے تاویل کرتے ہیں۔

۱۔ یہ محمول ہے سخت بھوک اور حالت اضطرار پر، بلاشبہ اس صورت میں ضیافت واجب ہوگی اور اگر ضیافت نہ کریں تو ان سے جبر و اکراہ کے ساتھ وصول کی جائے گی۔

۲۔ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا، اس وقت فقیروں اور محتاجوں کی دستگیری واجب تھی اور جب مسلمانوں کے احوال میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

۳۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ذمیوں کے پاس اتریں، عقد ذمہ میں انہوں نے یہ شرط قبول کی تھی کہ اگر مسلمان ہمارے پاس فروکش ہوگا تو ہم اس کی ضیافت کریں گے۔ لہٰذا ان پر ضیافت واجب ہے۔

۴۔ مہمان کا حق لینے سے مراد یہ ہے کہ اس قوم کو ملامت کی جائے، ان کے بخل اور ان کی خست کا ذکر کیا جائے اور ان کے حال کی برائی طشت از بام کی جائے، یہ تاویل بعید ہے۔ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ حق ضیافت اور طعام کا لینا مراد ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۰۶۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ فَاِذَا هُوَ بِاَبِيْ بَكْرٍ | حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا رات کے وقت کاشانۂ مبارک سے باہر نکلے تو اچانک آپ کی ملاقات حضرت ابو بکر اور |

وَّ عُمَرَ فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا مِنْ بُیُوْتِكُمَا هِیَ السَّاعَةَ قَالَا الْجُوْعُ قَالَ وَ اَنَا وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَاَخْرَجَنِیْ الَّذِیْ اَخْرَجَكُمَا قُوْمُوْا فَقَامُوْا مَعَهٗ فَاَتٰی رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا هُوَ لَیْسَ فِیْ بَیْتِهٖ فَلَمَّا رَاَتْهُ الْمَرْاَةُ قَالَتْ مَرْحَبًا وَّ اَهْلًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیْنَ فُلَانٌ قَالَتْ ذَهَبَ یَسْتَعْذِبُ لَنَا مِنَ الْمَآءِ اِذْ جَآءَ الْاَنْصَارِیُّ فَنَظَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ صَاحِبَیْهِ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ مَا اَحَدٌ الْیَوْمَ اَكْرَمَ اَضْیَافًا مِّنِّیْ قَالَ فَانْطَلَقَ فَجَآءَهُمْ بِعِذْقٍ فِیْهِ بُسْرٌ وَّ تَمْرٌ وَّ رُطَبٌ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ هٰذِهٖ وَ اَخَذَ الْمُدْیَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاكَ وَ الْحَلُوْبَ فَذَبَحَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ

حضرت عمرؓ سے ہوگئی۔ آپ نے فرمایا اس وقت تم دونوں کو تمہارے گھر سے کس چیز نے نکالا ہے؟ دونوں نے کہا بھوک نے، فرمایا قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں ہماری جان ہے ہمیں بھی اسی چیز نے نکالا ہے جس نے تمہیں نکالا ہے۔ اٹھو، یہ حضرات آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ایک انصاریؓ کے ہاں تشریف لے گئے، وہ اپنے گھر میں نہیں تھے، ان کی بیوی نے جب آپ کو دیکھا تو کہنے لگی خوش آمدید، آپ اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ اتنے میں انصاری آگئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج کوئی شخص مہمانوں کے لحاظ سے مجھ سے افضل نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں وہ انصاری جا کر ایک گچھا لائے جس میں نیم پختہ، تر کھجوریں اور چھوہارے تھے، کہنے لگے اس میں سے کھائیے اور خود چھری پکڑی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دودھ دینے والی سے اجتناب کرنا، انہوں نے ان حضرات کے لیے

وَ مِنْ ذٰلِكَ الْعِذْقِ وَ شَرِبُوْا فَلَمَّا اَنْ شَبِعُوْا وَرَوُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَتُسْئَلُنَّ عَنْ هٰذِهِ النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمُ الْجُوْعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰی اَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيْمُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِیْ بَابِ الْوَلِيْمَةِ۔

بکری ذبح کی[۱] سب نے بکری کا گوشت کھایا، اس گچھے سے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا، جب سیر[۲] اور سیراب ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر کو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن تم سے اس نعمت[۳] کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا، بھوک نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا پھر تم واپس نہیں لوٹے، یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمت مل گئی[۲۲] (مسلم)

حضرت ابومسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ولیمہ کے باب میں بیان کی گئی ہے جس کی ابتدا میں ہے کہ ایک انصاری تھے۔

[۱] راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت باہر تشریف لائے یا رات کے وقت، ایک روایت میں ہے کہ گرم دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے۔

[۲] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی گھر سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

[۳] خلاف معمول رات کے وقت یا دوپہر کو باہر آنے کا باعث کیا ہے؟

[۴] جب بھوک شدید ہو اور اطمینان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہونے اور اس سے کامل طور پر لطف اندوز ہونے سے مانع ہو اور دل کی پراگندگی کا باعث بنے تو گھر سے باہر نکل کر اس کا علاج کرنا، مباح اسباب کا تلاش کرنا اور بھوک کے زائل کرنے کی کوشش کرنا جائز بلکہ لازم ہو جاتا ہے، اور احباب کے پاس جا کر ان سے طعام کا طلب کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ جب کہ یقین ہو کہ وہ بلا تکلف کھانا حاضر کر دیں گے، بلکہ محبت و اخلاص کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، مروی ہے کہ جب صحابۂ کرام بھوک کی شدت محسوس کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جی بھر کر آپ کے جمال کا دیدار کرتے، بھوک کی شدت اور تکلیف دور ہو جاتی اور دیدار کی نورانیت سے سیر ہو جاتے، کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی کے دوران مصر کے

باشندوں کا یہی حال تھا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ احباب کے سامنے تکلیف اور مشقت کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ بطور شکایت اور اظہار بے صبری نہ ہو۔

۵ یعنی بھوک نے، اسی سبب کی بنا پر جس کا ذکر ہو چکا ہے، بعض اوقات طبیعت اور بشریت کے تقاضے کے مطابق بھوک کی مکمل تاثیر زائل نہیں ہوتی، ان حضرات میں طبیعت کے احکام کا باقی رکھنا بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تسکین کے لیے فرمائی ورنہ آپ کی خداداد قوت برداشت کا یہ عالم تھا کئی کئی دن مسلسل روزہ رکھتے اور درمیان میں افطار بھی نہ فرماتے۔ ۱۲ ق)

۶ جمع کے صیغے کے ساتھ یا تو مجازاً خطاب فرمایا، یا اس لیے کہ جمع کی کم از کم مقدار دو افراد ہیں۔

۷ معہ کے لفظ میں دونوں حضرات کی اطاعت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تابع ہونے کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ معیت ہمیشہ تابع ہونے پر دلالت نہیں کرتی جیسے کہ وَهُوَ مَعَكُمْ اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے، لیکن ایسے مقامات میں تابع ہونا ہی متبادر ہے جیسے کہتے ہیں جَاءَ زَيْدٌ مَعَ الْاَمِيْرِ زید امیر کے ساتھ آیا۔ یا جَاءَ الْاَمِيْرُ مَعَ زَيْدٍ امیر زید کے ساتھ آیا۔ (پہلی صورت میں زید کا اور دوسری صورت میں امیر کا تابع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ ق) نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبوع ہونے کی بنا بعد میں فَاَتٰی صیغۂ واحد لایا گیا ہے۔

۸ ان کا نام ابو الہیثم مالک بن التیہان تھا۔ تا پر زبر اور یا مشدد کے نیچے زیر۔

۹ یہ کلمات آنے والے کی تعظیم، خوشی اور محبت کے اظہار کے لیے کہے جاتے ہیں یعنی آپ وسیع جگہ اور اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لائے ہیں۔ اَهْلًا وَّ سَهْلًا وَّ مَرْحَبًا کا بھی یہی معنیٰ ہے۔ سہل کا معنیٰ ہے نرم اور ہموار جگہ یہ حزن کی ضد ہے۔ جس کا معنیٰ سخت اور درشت جگہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کا کلام سننا، اس کے ساتھ سوال و جواب کرنا، اور اس کا شوہر کے گھر میں مہمانوں کو داخلے کی اجازت دینا جائز ہے جب کہ کسی فساد کا خطرہ نہ ہو اور شوہر کی رضامندی کا یقین ہو۔

۱۰ یعنی تمہارا شوہر۔

۱۱ جو کہ صاحب خانہ تھے۔

۱۲ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔

۱۳ؔ یعنی آج میرے مہمان دوسرے تمام مہمانوں سے افضل ہیں۔

۱۴ؔ عِذق بے نقطہ عین کے نیچے زیر اور نقطے والا ذال ساکن، کھجور کا گچھا۔

۱۵ؔ بُسر بار پر پیش، سین ساکن، نیم پختہ کھجور جس کی کچھ کڑواہٹ اور خشکی باقی ہو، تمر خشک کھجور (چھوہارہ) رطب تر اور خالص میٹھی کھجور۔

۱۶ؔ اس جگہ مہمانوں کے سامنے فوری طور پر پہلے پھل پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی کھانے سے پہلے پھل کا ذکر ہے۔ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور پھل جسے وہ منتخب کریں گے اور پرندے کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں گے۔

۱۷ؔ مُدیَۃ میم پر پیش، زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ انصاری صحابی نے چھری پکڑی تاکہ مہمانوں کے لیے بکری ذبح کریں۔

۱۸ؔ الحلوب حا پر زبر، دودھ دینے والی۔

۱۹ؔ اور اس کا گوشت پکایا گیا۔

۲۰ؔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک میں بعض اوقات سیر ہو کر بھی کھانا کھایا جاتا تھا، ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا اور اس کی عادت بنا لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ محتاجوں کے حال کو بھلا دینے اور دل کی سختی کا سبب ہے۔

۲۱ؔ اور اس کا شکر ادا کرنے کے بارے میں۔

۲۲ؔ یہ سوال بعض لوگوں کے حق میں توبیخ اور سرزنش کے طور پر ہوگا، اور بعض سے تعمیل حکم اور نعمت و کرامت کے اظہار کے لیے، بہرصورت پوچھا جائے گا کہ تم نے اس نعمت کا شکر ادا کیا یا نہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت سے نوازے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۰۶۱ (۵) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِيْ كَرِبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان کسی قوم کے پاس مہمان ہوا اور مہمان نے محرومیت کی حالت میں صبح کی تو ہر مسلمان

حَتّٰى يَأْخُذَ لَهٗ بِقِرَاهُ مِنْ مَّالِهٖ وَزَرْعِهٖ ـ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَاَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْمًا فَلَمْ يَقْرُوْهُ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ ـ

پر اس کی امداد لازم ہے[3] یہاں تک کہ اس قوم کے مال اور کھیتی سے مہمان کے لیے اس کی مہمانی کی مثل لے لے[4] (دارمی، ابوداؤد) امام ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے اور وہ لوگ اس کی مہمانی نہ کریں[5] تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان کے مال سے اپنی مہمانی کی مقدار حاصل کرلے۔

[1] مقدام میم کے نیچے زیر بن معدیکرب. راء کے نیچے زیر، مشہور صحابی ہیں، حمص میں قیام پذیر ہوئے۔ اہل شام میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[2] یعنی انہوں نے رات کے وقت اس کی مہمانی نہیں کی۔

[3] چونکہ انہوں نے حق ضیافت روک کر اس پر ظلم کیا ہے اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس مظلوم کی امداد کرے۔

[4] یعنی اتنی مقدار جس سے وہ سیر ہو جائے اور اس کے لیے کافی ہو۔

[5] یعنی فَاَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا کی جگہ ہے فَلَمْ يَقْرُوْهُ اور كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهٗ الخ کی جگہ ہے كَانَ لَهٗ اَنْ يُّعْقِبَهُمْ یا پر پیش، عین ساکن اور قاف کے نیچے زیر، بِمِثْلِ قِرَاهُ ــــــ

اس حدیث سے بھی ضیافت کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اس کی توجیہ اور تاویل وہی ہے جو حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث میں مذکور ہوئی۔

۴۰۶۲ / ۶ وَعَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ الْجُشَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ يَقْرِنِيْ وَلَمْ يُضِفْنِيْ ثُمَّ مَرَّ بِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ اَقْرِيْهِ اَمْ اَجْزِيْهِ قَالَ بَلِ اقْرِهٖ ـ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوالاحوص جشمی[1] اپنے والد[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیں کہ اگر میرا گزر ایک شخص کے پاس سے ہو[3] اور وہ میری مہمانی اور ضیافت نہ کرے[4]، پھر اس کے بعد اس کا گزر میرے پاس ہو تو کیا میں اس کی مہمانی کروں یا اسے بدلہ دوں[5]؟ فرمایا: بلکہ اس کی مہمانی کرو[6]۔ (ترمذی)

[1] ابوالاحوص جشمی جیم پر پیش اور شین پر زبر، ان کا نام عوف بن مالک ہے تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متبعین میں سے تھے، خوارج کی جنگ میں شہید ہوئے۔

۲؎ ان کا نام مالک بن نضلہ ہے۔ نون پر زبر اور نقطے والا ضاد ساکن، صحابی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

۳؎ اور میں اس کے پاس قیام کروں۔

۴؎ لَمْ يُضِفْنِيْ تاکید ہے لَمْ يَقْرِنِيْ کی۔

۵؎ اس کے ساتھ وہی معاملہ کروں جو اس نے کیا ہے۔

۶؎ اور اسے برائی کی جزا برائی سے نہ دو، بلکہ برائی کے بدلے نیکی کرو۔

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان جزا ہے۔ اگر تم جواں مرد ہو تو جو برائی کرے اس پر احسان کرو۔

۴۰۶۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَوْ غَيْرِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَاْذَنَ عَلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَلَمْ يُسْمِعِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى سَلَّمَ ثَلَاثًا وَرَدَّ عَلَيْهِ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَلَمْ يُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّبَعَهٗ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا سَلَّمْتَ تَسْلِيْمَةً اِلَّا هِيَ بِاُذُنِيْ وَلَقَدْ رَدَدْتُ عَلَيْكَ وَلَمْ اُسْمِعْكَ اَحْبَبْتُ اَنْ اَسْتَكْثِرَ مِنْ سَلَامِكَ وَمِنَ الْبَرَكَةِ ثُمَّ دَخَلُوا الْبَيْتَ فَقَرَّبَ لَهٗ زَبِيْبًا فَاَكَلَ

حضرت انس یا کسی دوسرے صحابی (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ[۱] کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت سعد نے کہا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، لیکن سلام کا جواب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہیں سنایا[۲] حتی کہ حضور نے تین مرتبہ سلام کہا، حضرت سعد نے تینوں بار سلام کا جواب دیا، لیکن آپ کو نہیں سنایا[۳]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واپس چل دیئے[۴]، حضرت سعد آپ کے پیچھے گئے[۵] اور کہنے لگے یا رسول اللہ میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے جتنی بار بھی سلام کہا۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا، میں نے جواب بھی عرض کیا لیکن آپ کو نہیں سنایا، میرا دل چاہتا تھا کہ آپ کا زیادہ سے زیادہ سلام اور زیادہ برکت حاصل کروں[۶]، پھر یہ حضرات گھر میں

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرَغَ قَالَ اَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَ صَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

داخل ہوئے، حضرت سعد نے منقیٰ پیش کیا جو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، جب فارغ ہوئے تو دعا فرمائی: نیک لوگ تمہارا کھانا کھاتے رہیں۔ فرشتے تمہاری بخشش کی دعا کریں اور روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں ۸ (شرح السنۃ)

۱ حضرت سعد بن عبادہ انصار صحابہ کے اکابر اور نقباء میں سے تھے، حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرخلوص محبین میں سے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بھی آپ پر اور آپ کے صاحبزادے پر خاص کرم اور عنایت فرماتے تھے۔ اسی عنایت کی بناء پر آپ ان کے ہاں تشریف لائے۔

۲ آہستہ آواز میں جواب دیا۔

۳ یعنی بلند آواز سے جواب نہیں دیا کہ آپ سُن لیتے۔

۴ اپنے کاشانۂ مبارک کی طرف۔

۵ حضرت سعد کو خیال ہوا کہ بلند آواز سے سلام کا جواب نہ دینے سے بے ادبی ہوئی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلد واپس تشریف لے جانے کی بنا پر حضرت سعد معذرت پیش کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے روانہ ہوئے۔

۶ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی نیت اور غرض کی بنا پر سلام کا جواب آہستہ دینا اور نہ سنانا جائز ہے، ممنوع یہ ہے کہ تکبر اور بے اعتنائی وغیرہ کی بنا پر آہستہ جواب دیا جائے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے بیان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے تسلیم فرمایا۔

۷ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سعد بن عبادہ اور وہ صحابی جو ان کے ساتھ تھے۔

۸ یہ حضرت سعد کی خدمت کی جزا کے طور پر ان کے لیے اور ان کے اہل وعیال کے لیے دعا ہے۔ اسے خبر پر محمول کرنا بعید ہے۔ (اس طرح معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا ہے۔ ۱۲ ق۔) خصوصاً اس بناء پر کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا ہوا تھا لیکن حضرت سعد کا دل خوش کرنے اور ضیافت کے عذر کی بنا پر افطار فرمالیا۔ محض احتمال ہے جو بُعد سے خالی نہیں۔

۴۰۶۴/۸ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اور

قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَ مَثَلُ الْاِيْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِيْ اٰخِيَّتِهٖ يَجُوْلُ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلَى الْاِيْمَانِ فَاَطْعِمُوْا طَعَامَكُمُ الْاَتْقِيَاۗءَ وَ اَوْلُوْا مَعْرُوْفَكُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

ایمان کی مثال[۱] ایسی ہے جیسے گھوڑے کی اس رسی[۲] میں جو گھوم پھر کر اپنی رسی کی طرف آجاتا ہے۔ مومن[۳] بھول جاتا ہے پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا[۴] ہے تم اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور عطیہ تمام ایمانداروں[۵] کو دو۔
(بیہقی)

۱ مومن کے ایمان کے ساتھ تعلق اور ایمان کی بنا پر توبہ و رجوع کی مثال، اگرچہ وہ نفس اور طبیعت کے تقاضے کی بنا پر اطاعت نہ کرے اور گناہوں کے گرد چکر لگائے، لیکن بالآخر ایمان اور اطاعت کی طرف رجوع کرے گا۔

۲ آخِیَّہ ابتدا میں ہمزہ ممدودہ، نقطے والی خاء کے نیچے زیر اور یاء مشدد۔ رسی یا وہ لکڑی جس میں چارہ ڈالتے ہیں۔ اس کے دونوں کنارے دیوار میں پیوست کر دیتے ہیں اور اس کے درمیان گھوڑے یا دوسرے جانوروں کو باندھ دیتے ہیں۔

۳ وجہ تشبیہ اور قدر مشترک بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ مومن بھول کر اپنے مقام سے چلا جاتا ہے اور گناہ میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ دیدہ دانستہ گناہ نہ کرے۔ اگر اچانک گناہ سرزد ہو جائے تو وہ سہو و نسیان کی بنا پر ہو گا، یا سہو سے مراد مجازاً لغزش اور کوتاہی ہے۔ کیونکہ مومن، خواہش نفس وغیرہ کی بنا پر ہی گناہ کرتا ہے۔

۴ جو اس کے قرار اور آرام کی جگہ ہے۔ اس کے بعد ایمان کی بعض صفات اور بہترین اعمال کا ذکر فرمایا۔

۵ جو ان کے لیے اطاعت کی تقویت کا باعث ہو اور تم ان کے ساتھ اس طاعت میں شریک ہو جاؤ، اگر وہ دعا کریں گے تو قبول ہو گی، سعادت کا سرمایہ، مولا تعالیٰ کی محبت کی دلیل اور اس کی بارگاہ میں قرب اور رسائی کا ذریعہ ہو گی۔ پرہیزگاروں کو کھانا کھلانے کی تخصیص کی یہی وجہ ہے۔ مطلق احسان، عطا اور امداد تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عطیہ اور احسان میں سب مسلمانوں کو شامل کرو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبارت میں تفنن ہو، بالفاظ دیگر وہی بات کہی گئی ہو ۱۲ اق) کیونکہ اتقاء کا عام معنیٰ ہے دو شہادتیں دے کر آخرت کے عذاب سے بچنا، اس معنیٰ کے لحاظ سے تمام مومنین متقی ہیں۔ پہلی وجہ زیادہ ظاہر ہے۔

۴۰۶۵ ۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ يَحْمِلُهَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا فَلَمَّا اَضْحَوْا وَسَجَدُوا الضُّحٰى اُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ وَ قَدْ ثُرِّدَ فِيهَا فَالْتَفُّوا عَلَيْهَا فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ مَا هٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا ثُمَّ قَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَ دَعُوْا ذُرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيْهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن بسر[۱] رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بڑا پیالہ تھا جسے چار مرد اٹھاتے تھے[۲] اسے غراء[۳] کہا جاتا تھا۔ جب چاشت کا وقت ہوتا اور صحابۂ کرام چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو وہ پیالہ لایا جاتا۔ اس میں ثرید تیار کیا ہوا ہوتا تھا[۴] صحابہ کرام اس کے گرد بیٹھ جاتے، جب حاضرین زیادہ ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دو زانو[۵] ہوکر بیٹھ جاتے ایک بدوی نے کہا یہ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے[۶]؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالےٰ نے مجھے عبد کریم[۷] بنایا ہے۔ متکبر اور سرکش[۸] بادشاہ نہیں بنایا، پھر فرمایا: پیالے کے اطراف سے کھاؤ اور اس کی بلندی[۹] کو چھوڑ دو۔ اس پیالے میں برکت دی جائے گی[۱۰]

(ابوداؤد)

۱ عبداللہ بن بسر ایک نقطے والی باء پیش اور بے نقطہ سین ساکن

۲ ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب وہ کھانے سے بھرا ہوا ہوتا تھا تو اسے چار مرد اٹھاتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ وہ اتنا بھاری اور بڑا تھا کہ اسے ایک جماعت اٹھاتی تھی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

۳ اس لیے کہ وہ بڑا ہونے کی بنا پر دیکھنے میں ظاہر اور واضح تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام برتنوں آلات، اور چارپایوں کے مناسب اور معقول نام تھے۔ جیسے کہ کتب سیرت سے ظاہر ہے۔

۴ قد ثُرِّد راء مشدد ہے۔

۵ یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ اکڑوں (پاؤں کے بل) بیٹھ جاتے، جگہ کی تنگی کی بنا پر۔

۶ اس جگہ بدوی حاضر تھا، اس نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کا انداز دیکھا جو آپ کے

شایانِ شان نہ تھا، حقیقت میں یہ صحابہ کرام پر تعریض تھی جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جگہ تنگ کر دی تھی۔ بدوی نے کہا یہ بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور آپ اس طرح کیوں بیٹھتے ہیں؟ اور کیا یہ طریقہ آپ کے مقام کے لائق ہے؟

ے مجھے بندگی کی صفات کے ساتھ موصوف کیا ہے اور کرم کا حامل بنایا ہے جو تمام صفاتِ خیر و کمال کا جامع ہے کہتے ہیں کہ جب تم کسی کو کرم کا موصوف قرار دو تو گویا تم نے اسے تمام صفاتِ کمال سے موصوف کر دیا۔ اس جگہ تواضع، رحم شفقت وغیرہ صفات مراد ہیں اسی لیے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے متکبر اور سرکش نہیں بنایا۔

ے حق کا مخالف اور راہِ راست سے منحرف۔

ہ کھانے کے آداب سکھانے کے لیے فرمایا۔

نلہ یعنی پیالے کے درمیانے حصے کو چھوڑ دو۔ ذُرْوَۃ ذال پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، ہر چیز کا اوپر والا حصہ، کوہان اور پہاڑ کا بالائی حصہ۔

لله اس کی شرح کتاب الاطعمہ، دوسری فصل، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

**۴۰۶۶** وَعَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَاْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

وحشی بن حرب اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم جتنا بھی کھاتے ہیں سیر نہیں ہوتے[۲]۔ فرمایا شاید تم الگ الگ کھانا کھاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: تم اکٹھے ہو کر کھانا کھایا کرو[۳] اور اللہ تعالےٰ کا نام لو تمہیں برکت دی جائے گی[۴]۔

(ابو داؤد)

لہ وحشی حمصی کے والد حرب، وحشی کے دادا سے روایت کرتے ہیں، دادا کا نام بھی وحشی بن حرب ہے وحشی کے دادا وہی ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس حدیث کے راوی ان کے پوتے ہیں۔ ان کا نام بھی وحشی ہے اور وہ اپنے دادا کے ہم نام ہیں۔ اس حدیث کے راوی وحشی آٹھویں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور مستور الحال ہیں۔

۵۲؎ اس کا سبب کیا ہے؟
۵۳؎ اور جماعت کے بغیر نہ کھایا کرو۔ اس جگہ ضیافت میں مجتمع ہونے کی ترغیب ہے۔
۵۴؎ اجتماع اور ذکر میں سے ہر ایک برکت اور زیادتی کا باعث ہے۔ اور اگر دونوں جمع ہو جائیں تو برکت زیادہ ہوگی اور یہ امر ذکر کی زیادتی کا باعث ہوگا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۴۰۶۷/۱۱ عَنْ اَبِیْ عَسِیْبٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلًا فَمَرَّ بِیْ فَدَعَانِیْ فَخَرَجْتُ اِلَیْهِ ثُمَّ مَرَّ بِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَیْهِ ثُمَّ مَرَّ بِعُمَرَ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَیْهِ فَانْطَلَقَ حَتّٰی دَخَلَ حَائِطًا لِبَعْضِ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ اَطْعِمْنَا بُسْرًا فَجَآءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَهُ فَاَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَصْحَابُهُ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ فَقَالَ لَتُسْئَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِیْمِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ فَاَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ فَضَرَبَ بِهِ الْاَرْضَ حَتّٰی تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ

## تیسری فصل

حضرت ابو عسیب[۱] رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ایک رات گھر سے باہر نکلے، میرے پاس سے گزرے تو مجھے بلایا۔ میں حاضر ہوگیا۔ پھر حضرت ابو بکر کے پاس سے گزرے انہیں بلایا وہ بھی حاضر ہوگئے۔ پھر حضرت عمر کے پاس سے گزرے انہیں بھی بلایا وہ بھی حاضر ہوگئے۔ پھر آپ روانہ ہوگئے یہاں تک کہ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے مالک سے فرمایا۔ ہمیں کچی کھجوریں کھلاؤ۔ انہوں نے گچھا لاکر پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں تناول فرمائیں پھر آپ نے ٹھنڈا پانی طلب کیا اور نوش فرمایا[۲] پھر فرمایا! تم سے قیامت کے دن اس نعمت[۳] کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت عمر نے گچھا پکڑ کر زمین پر مارا۔ حتّی کہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف[۴] بکھر گئیں۔ پھر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس[۵] کے بارے ہم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ خِرْقَةٍ كَفَّ بِهَا الرَّجُلُ عَوْرَتَهٗ اَوْ كِسْرَةٍ سَدَّ بِهَا جُوْعَتَهٗ اَوْ جُحْرٍ يَتَدَخَّلُ فِيْهِ مِنَ الْحَرِّ وَ الْقَرِّ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

فرمایا: ہاں[۵]! سوائے تین چیزوں کے[۶] (۱) وہ دھجی جس کے ساتھ مرد ستر عورت کرے[۷] (۲) روٹی کا وہ ٹکڑا جس کے ساتھ اپنی بھوک مٹائے (۳) وہ بل[۸] (سوراخ) جس میں داخل ہو کر گرمی اور سردی سے پناہ لے (امام احمد)

امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں مرسلا روایت کی ہے۔

[۱] حضرت ابو عسیب عین پر زبر، سین کے نیچے زیر، دونوں بے نقطہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، ان کا نام احمر ہے، کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے بھی نوش کیا ہوگا لیکن راوی نے اختصار کے پیش نظر صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش فرمانے کا ذکر کیا۔

[۳] قبل قاف کے نیچے زیر، با پر زبر، جانب اور طرف ـــــــ کھجوروں کے بکھرنے سے ان کا ضائع کرنا لازم نہیں آتا۔ (چن کر کام میں لائی جا سکتی ہیں ۱۲ ق)

[۴] علامہ طیبی نے کہا ہو سکتا ہے کہ ھٰذا کا اشارہ اس گچھے کی طرف ہو جس کی کھجوریں بکھر گئی تھیں، مقصود اس گچھے کی تحقیر تھا یعنی کیا اس معمولی اور تھوڑی سی چیز کے بارے میں بھی ہم سے پوچھا جائے گا؟ مخفی نہ رہے کہ باوجودیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نعمت کی عظمت اور اہمیت کا اظہار فرمایا۔ اس مقولے کو نعمت کی تحقیر پر محمول کرنا حضرت عمر کی شان کے لائق نہیں ہے، بلکہ گچھے کو زمین پر مارنے اور اس سوال کو بعید جاننے کا باعث، اپنے حال پر حسرت، تنگ دلی اور وقت کا ناکافی ہونا ہے اس کے علاوہ ان پر ایک عجیب حال طاری ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس مقولے میں نعمت کی تعظیم ہے نہ کہ تحقیر۔

[۵] قیامت کے دن ہر چھوٹی بڑی نعمت کے بارے میں جواب طلبی ہوگی۔

[۶] جو بنیادی ضروریات میں سے ہیں۔

[۷] جسم کے جس حصے کا ڈھانپنا واجب ہے اسے ڈھانپے۔ بعض نسخوں میں کَفَّ کاف کے ساتھ آیا ہے یعنی اپنی عورت کو برہنہ ہونے سے روکے۔

؎۵ چوہے کے بل کی طرح جس میں تنگی اور تکلف کے ساتھ داخل ہو ( چھوٹا سا مکان مراد ہے جو سر چھپانے کے کام آئے ) ــــــــ جُحر جیم پر پیش ۔ بے نقطہ حار ساکن ، بعض محدثین نے جیم سے پہلے حار پڑھی ہے ( حُجر ) جس کا معنی حجرہ ہے ۔ پہلا تلفظ مقام کے زیادہ مناسب ہے ، قُرٌّ قاف کے ساتھ ٹھنڈک اور موسم سرما کی سردی کہا جاتا ہے یَوْمٌ قَرٌّ وَ لَیْلَۃٌ قَرَّۃٌ ٹھنڈا دن اور ٹھنڈی رات ۔

۴۰۶۸ / ۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْمَآئِدَۃُ فَلَا یَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰی تُرْفَعَ الْمَآئِدَۃُ وَلَا یَرْفَعُ یَدَہٗ وَاِنْ شَبِعَ حَتّٰی یَفْرُغَ الْقَوْمُ وَلْیُعْذِرْ فَاِنَّ ذٰلِکَ یُخْجِلُ جَلِیْسَہٗ فَیَقْبِضُ یَدَہٗ وَعَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ فِی الطَّعَامِ حَاجَۃٌ ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص نہ اٹھے جب تک دسترخوان نہ اٹھایا جائے ، اور اپنا ہاتھ نہ اٹھائے اگرچہ سیر ہو جائے یہاں تک کہ قوم فارغ ہو جائے ؎۱ ، اور چاہیے کہ عذر پیش کرے ؎۲ ۔ کیونکہ بغیر عذر کے ہاتھ اٹھانا اس کے ہمنشین کو شرمندہ کرے گا تو وہ اپنا ہاتھ روک لے گا ، ہوسکتا ہے اسے طعام کی حاجت ہو ؎۳ ( ابن ماجہ ۔ شعب الایمان امام بیہقی )

؎۱ اور لوگ اطمینان سے کھانا کھالیں ۔

؎۲ وَلْیُعْذِرْ نقطے والے ذال کے ساتھ ، اِعْذَار سے مشتق ہے ، یعنی اگر ساتھیوں کے فارغ ہونے سے پہلے کھانے سے ہاتھ اٹھائے تو اپنا عذر ظاہر کر دے ( مثلاً یہ کہ میں کھانا کھاچکا ہوں یا مجھے کوئی بیماری ہے ۱۲ ق )

؎۳ اسی لیے کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ساتھی اس کے ہاتھ روک لینے کے بعد کھاتے رہنے میں شرم محسوس کریں تو اسے چاہیے کہ اپنا ہاتھ نہ روکے ، اور اگر اس کی خوراک کی مقدار کم ہو تو چاہیے کہ ابتدا میں کم کھائے تاکہ آخر تک مہمانوں کے ساتھ موافقت کر سکے ، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا ، امام جزری ، نہایہ میں فرماتے ہیں کہ اِعْذَار کا معنیٰ ہے کسی کام میں مبالغہ کرنا ، لہٰذا لِیُعْذِرْ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کھانا کھانے میں مبالغہ کرے اور آخر تک کھائے جیسے کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ کھانا تناول فرماتے

تو سب سے آخر تک تناول فرماتے۔ بعض محدثین تعذیر سے یُعَذِّرُ پڑھتے ہیں جس کا معنی تقصیر ہے، یعنی اسے چاہیے کہ کھانا کم کھائے تاکہ دوسرے زیادہ کھائیں، اور ظاہر یوں کرے جیسے کھانے میں مبالغہ کر رہا ہے۔ چنانچہ یہ معنی بھی ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

**۴۰۶۹/۱۳** وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ مَعَ قَوْمٍ كَانَ اٰخِرُهُمْ اَكْلًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا)

امام جعفر بن محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو آپ کھانے میں سب سے آخری ہوتے تھے[1]۔

امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں مرسلا روایت کی ہے۔

[1] یعنی آخر تک تناول فرماتے اور صحابہ کرام سے پہلے کھانے سے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ ابتدا میں تناول نہ فرماتے یا کم تناول فرماتے اور آخر میں تناول فرماتے، تاکہ حاضرین شرمندہ ہو کر کھانے سے ہاتھ نہ اٹھالیں۔

**۴۰۷۰/۱۴** وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ فَعُرِضَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا لَا نَشْتَهِيْهِ قَالَ لَا تَجْتَمِعْنَ جُوْعًا وَّكَذِبًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اسماء بنت یزید[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا گیا وہ ہمارے[2] سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے کہا ہمیں طلب نہیں[3] ہے، فرمایا: تم بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو[4]۔

(ابن ماجہ)

[1] اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ صحابیہ ہیں۔ بڑی عقل مند اور بہادر تھیں، جنگ یرموک میں شامل ہوئیں۔ اور نو کافروں کو خیمے کی لکڑی سے قتل کیا۔

[2] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کھانا عورتوں کی حاضر جماعت کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہیں طلب ہے تو کھاؤ۔

[3] ہم نے تکلف سے کام لیا اور باوجودیکہ ہمیں طلب اور بھوک تھی۔ ہم نے کہا ہمیں طلب نہیں ہے۔

[4] یعنی تم بھوکی ہو اور تکلف کی بنا پر جھوٹ بولتی ہو اور کہتی ہو کہ ہمیں بھوک نہیں ہے، اسی طرح تم

محروم ہو رہی ہو اور دو قسم کے نقصان اٹھا رہی ہو (۱) دنیاوی نقصان اور وہ بھوک کی تکلیف ہے (۲) دینی نقصان اور وہ جھوٹ کا گناہ ہے۔

۴۰۷۱/۱۵ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ کھایا کرو کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہے[1] (ابن ماجہ)

[1] جماعت کا ساتھ کھانے میں ہو یا کسی اور کام میں۔

۴۰۷۲/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّخْرُجَ الرَّجُلُ مَعَ ضَيْفِهٖ اِلٰى بَابِ الدَّارِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ فِیْ اِسْنَادِهٖ ضُعْفٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے۔ (ابن ماجہ)

امام بیہقی نے یہ حدیث شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس سے روایت کی اور کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔

۴۰۷۳/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَيْرُ اَسْرَعُ اِلَى الْبَيْتِ الَّذِیْ يُؤْكَلُ فِيْهِ مِنَ الشَّفْرَةِ اِلٰى سَنَامِ الْبَعِيْرِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس گھر میں (مہمانوں کے ساتھ) کھانا کھایا جائے اس گھر کی طرف چھری کے اونٹ کی کوہان تک پہنچنے سے بھی جلدی بھلائی پہنچتی ہے[1] (ابن ماجہ)

[1] اونٹ کی کوہان تک چھری کے جلد پہنچنے کا یہ مطلب ہے کہ تمام اعضاء سے پہلے کوہان کاٹتے ہیں۔ کیونکہ وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے کہا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ کوہان دوسرے اعضاء سے زیادہ نرم ہوتی ہے۔ اس لیے چھری اس تک جلد پہنچتی ہے اور جلد اثر انداز ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# بَابٌ فِیْ اَکْلِ الْمُضْطَرِّ

## ۲۹۷۔ حالت اضطرار میں کھانے کا بیان

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ۔

یہ باب پہلی فصل سے خالی ہے۔

بعض نسخوں میں والثالث بھی ہے، کیونکہ اس باب میں تیسری فصل بھی نہیں ہے، لیکن پہلا نسخہ زیادہ صحیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مصنف کا مقصد مصابیح کا حال بیان کرنا ہے کہ اس میں پہلی فصل نہیں ہے، رہی تیسری فصل تو اس کا لانا مصنف کے اختیار میں ہے اور ان کا عمل ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے، نیز اس کے بیان کی عادت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ عنقریب بابُ تَغْطِیَۃِ الْاَوَانِیْ آئے گا اس میں تیسری فصل نہیں ہے اس جگہ مصنف نے نہیں کہا کہ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۰۷۲ عَنِ الْفُجَیْعِ الْعَامِرِیِّ اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا یَحِلُّ لَنَا مِنَ الْمَیْتَةِ قَالَ مَا طَعَامُکُمْ قُلْنَا نَغْتَبِقُ وَ نَصْطَبِحُ قَالَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فَسَّرَهٗ لِیْ عُقْبَةُ قَدَحٌ غُدْوَةً وَّ قَدَحٌ

حضرت فجیع عامری[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ از خود مردہ چیزوں میں سے کونسی چیز ہمارے لیے حلال[2] ہے؟ فرمایا: تمہارے طعام کی مقدار کیا ہے[3]؟ ہم نے عرض کیا ہم صبح اور شام[4] تناول کرتے ہیں۔ ابو نعیم[5] کہتے ہیں کہ عقبہ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ

| | |
|---|---|
| عَشِيَّةً قَالَ ذَالِكَ وَ اَبِي الْجُوْعُ فَاَحَلَّ لَهُمُ الْمَيْتَةَ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) | ایک پیالہ دودھ صبح اور ایک پیالہ شام فرمایا، میرے باپ کی قسم! اتنا کھانا بھوک کا موجب ہے تو آپ نے ان کے لیے اس حال میں مردار حلال فرما دیا۔ (ابو داؤد) |

۱؎ مُجیع بروزن فُضَیل، صحابی ہیں، اپنی قوم کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں بحیثیت نمائندہ حاضر ہوئے۔ اور آپ کی احادیث مبارکہ سنیں۔

۲؎ ان کا مقصد یہ دریافت کرنا تھا کہ حالِ اضطرار کی حد کیا ہے؟ اور بھوک کہاں تک پہنچے تو مردار اور وہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں جن کا کھانا حرام ہوتا ہے، اگرچہ ظاہر عبارت سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لیے مردار کی کونسی چیز اور کتنی مقدار حلال ہے؟ حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے اور نہ ہی اس سوال کا جواب ہی دیا گیا ہے۔ یہ الفاظ امام ابو داؤد کی روایت میں ہیں۔ طبرانی وغیرہ میں یہ الفاظ مروی ہیں مَا يُحِلُّ لَنَا الْمَيْتَةَ، یا کے پیش کے ساتھ، یعنی کونسی چیز ہے؟ جو ہمارے لیے مردار کے کھانے کو حلال کرتی ہے، یہ عبارت مقصود پر دلالت کرنے میں زیادہ ظاہر ہے۔ اسی طرح علامہ تورپشتی نے کہا۔

۳؎ یعنی بیان کرو کہ تمہیں کھانا کتنی مقدار میں میسر ہوتا ہے؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ تمہاری بھوک حدِ اضطرار کو پہنچی ہے یا نہیں؟ ——— اگرچہ سائل حضرت مُجیع عامری ہی تھے لیکن آپ نے پوری جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا تاکہ حکم (سب کو) عام ہو، حضرت مُجیع نے بھی جواب میں جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اور کہا قُلْنَا ہم نے اس سوال کے جواب میں عرض کیا۔

۴؎ صَبُوْحٌ اور غَبُوْقٌ کا اصل استعمال شراب میں ہے، طعام پر بھی ان کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس جگہ خود راوی نے اس کی تفسیر دودھ کے پیالے سے کی ہے، جیسے کہ اس کے بعد مذکور ہے۔

۵؎ ابو نُعیم نون پر پیش، اس حدیث کے راوی ہیں، حضرت عقبہ سے، وہ کہتے ہیں کہ اس قوم کے صبح و شام کے طعام کی تفسیر حضرت عقبہ نے بیان کی۔ حضرت عقبہ، ابو نعیم کے استاذ ہیں۔

۶؎ حضرت عقبہ نے یہ تفسیر یا تو اپنے استاذ سے سنی ہوگی یا دوسری روایات میں واقع ہوئی ہوگی، بہرصورت خود راوی جو تفسیر بیان کرے مقبول ہے۔

۷؎ یعنی اس حالت میں کہ انہیں صبح و شام صرف دودھ کا ایک پیالہ میسر آتا تھا، آپ نے حکم فرمایا کہ یہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت ہے جس میں مردار حلال ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں باپ کی قسم واقع ہوئی ہے اور یہ قصدِ تعظیم کے بغیر جائز ہے، دراصل یہ یمینِ لغو کی قسم ہے

جو بطور عادت، قسم کے ارادے کے بغیر واقع ہوتی ہے، جیسے کہ لَعَمْرِیْ میری زندگی کی قسم اور لَا وَاللہِ، یا یہ پہلے کا واقعہ ہے، باپ کی قسم کھانے سے بعد میں منع کیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۷۴ وَعَنْ اَبِیْ وَاقِدٍ اللَّیْثِیِّ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنَّا نَکُوْنُ بِاَرْضٍ فَتُصِیْبُنَا بِهَا الْمَخْمَصَۃُ فَمَتٰی یَحِلُّ لَنَا الْمَیْتَۃُ قَالَ مَا لَمْ تَصْطَبِحُوْا اَوْ تَغْتَبِقُوْا اَوْ تَحْتَفِئُوْا بِهَا بَقْلًا فَشَاْنُکُمْ بِهَا مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تَجِدُوْا صَبُوْحًا اَوْ غَبُوْقًا وَ لَمْ تَجِدُوْا بَقْلَۃً تَاْکُلُوْنَهَا حَلَّتْ لَکُمُ الْمَیْتَۃُ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو واقد لیثی[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم ایک زمین میں ہوتے ہیں اور ہمیں وہاں بھوک لاحق ہو جاتی ہے[۲] تو ہمارے لیے مردار کب حلال ہونا ہے[۳]؟ فرمایا: جب تک تم صبح یا شام ایک پیالہ نہ پیو یا اس علاقے میں تمہیں کھانے کو ساگ پات[۴] میسر نہ ہو تو تم مردار کھا لو، اس کا مطلب یہ[۵] ہے کہ جب تمہیں نہ صبح کو پیالہ ملے اور نہ شام کو اور تمہیں کھانے کو سبزی[۶] بھی نہ ملے تو تمہارے لیے مردار حلال ہے۔ (دارمی)

۱؎ حضرت ابو واقد لیثی قدیم الاسلام صحابی ہیں، جنگ بدر میں شریک ہوئے۔

۲؎ ہم ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں ہوتی۔

۳؎ اور اس کی حد کیا ہے؟

۴؎ حفا ایک بوٹی کا نام ہے۔ صراح میں ہے کہ ایک معروف بوٹی کی جڑ کا نام ہے۔

۵؎ راوی حدیث کا حاصل مطلب بیان کرتے ہیں۔

۶؎ سبزی اور اس جیسی چیزیں مثلاً گھاس اور درختوں کے پتے بھی میسر نہ ہوں جنہیں کھا کر تم زندہ رہ سکو۔ خیال رہے کہ ان دو حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث میں صبح یا شام ایک پیالہ میسر آنے کے باوجود شدید بھوک کو ثابت فرمایا اور مردار کا کھانا حلال قرار دیا۔ اور دوسری حدیث میں یہ شرط لگائی کہ نہ تو صبح ایک پیالہ میسر ہو نہ ہی شام کو، بلکہ اس سے بھی زیادہ تنگی فرمائی کہ گھاس اور پتے میسر ہوں تو بھی سخت بھوک متحقق نہیں ہوتی، اور مردار حلال نہیں ہوتا، ان حدیثوں کے اختلاف کی بنا پر علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مردار کا کھانا اسی وقت جائز ہے جب ہلاکت کا خوف ہو۔ جان بچانے کے لیے

صرف اتنی مقدار میں کھانا جائز ہے جس سے جان بچ جائے، امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے، اس میں تنگی ہے اور یہ احتیاط اور تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے، امام مالک اور امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ جب آدمی کو اتنی مقدار میسر نہ ہو جس سے وہ سیر ہو جائے اور نفس انسانی کی حاجت پوری نہ ہو تو مردار کا کھانا حلال ہے تاکہ نفس اپنی حاجت پوری کر کے طاقت اور سیری حاصل کرے، اس قول میں سہولت اور وسیع رخصت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک جان کا بچانا اور دیگر ائمہ کے نزدیک طاقت کا حاصل کرنا معتبر ہے۔ دوسرے ائمہ پہلی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ باوجود ایک پیالہ دودھ صبح اور ایک پیالہ شام میسر ہونے کے مردار کا کھانا حلال قرار دیا۔ حالانکہ اس میں شک نہیں کہ اتنی مقدار جان بچانے اور نفس کے باقی رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اگرچہ اس سے سیری حاصل نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ حد اضطرار جس کی بنا پر مردار حلال ہوجاتا ہے۔ سیری کا حاصل نہ ہونا ہے اور اتنی مقدار میں کھانا درست ہے جس سے طاقت حاصل ہو جائے۔

احناف کی دلیل دوسری حدیث ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا۔ پہلی حدیث کے جواب میں وہ دونوں حدیثوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی حدیث میں جو ایک پیالہ صبح اور ایک پیالہ شام کا ذکر آیا ہے تو وہ پوری قوم کے لیے مشترک تھا نہ کہ ہر فرد کو میسر تھا۔ جیسے کہ 'طعامکم' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، حضرت فجیع عامری کا سوال صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ قوم کی طرف سے تھا۔ کیونکہ انہوں نے حاضر ہو کر قوم کی طرف سے سوال کیا تھا اسی لیے انہوں نے کہا مَا يَحِلُّ لَنَا ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایک پیالہ بڑی جماعت کی جان بچانے اور نفس کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے بالکل کافی نہیں ہے۔ اور کچھ بھوک کو بھی دفع نہیں کرتا۔ ہاں! اگر ہر شخص کو ایک پیالہ میسر ہو تو اس کی بھوک دور کر دے گا۔ اسی طرح علامہ تورپشتی نے کہا، نیز اضطرار کا ظاہر معنیٰ جان بچانا ہے۔

---

# بَابُ الْاَشْرِبَةِ

# ۲۹۸۔ مشروبات کا بیان

مشروبات کے قسمیں اور ان کے احکام اشربہ جمع ہے شراب کی۔ جیسے طعام کی جمع اَطْعِمَۃ ہے۔ ممکن ہے کہ شربت کی جمع ہو جیسے قمیص کی جمع اقمصہ ہے۔ قاموس میں ہے شراب وہ چیز جو پی جائے، جیسے کہ شرب اور مشروب کا معنیٰ بھی یہی ہے، چونکہ مشروب طعام کے تابع اور اس کا تتمہ ہے اس لیے اس کے بیان کے لیے کتاب الاطعمۃ میں ایک باب قائم کیا ہے، اس کے لیے الگ کتاب قائم نہیں کی۔ بخلاف لباس کے (کہ وہ طعام سے الگ چیز ہے) اس کے لیے الگ کتاب قائم کی ہے جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۰۷۶ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلٰثًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پانی پینے کے دوران تین سانس لیتے تھے[1] (صحیحین)

وَزَادَ مُسْلِمٌ فِيْ رِوَايَةٍ وَّيَقُوْلُ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَاَبْرَءُ وَاَمْرَءُ.

امام مسلم نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا اور فرماتے تھے کہ یہ[2] زیادہ سیراب کرنے والا[3]۔ زیادہ صحت بخش[4] اور زیادہ خوشگوار ہے[5]۔

[1] مطلب یہ ہے کہ پانی پینے وقت تین سانس لیتے تھے اور ہر دفعہ سانس لیتے وقت پانی کا برتن منہ سے جدا کرتے تھے، جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے، شمائل ترمذی میں جو آیا ہے کہ برتن میں سانس لیتے تھے اس سے بھی یہی مراد ہے، ایک دوسری حدیث میں برتن میں سانس لینے سے منع کیا گیا ہے، جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ برتن کو منہ سے جدا کیے بغیر سانس لینا ممنوع ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ برتن میں سانس لینا اس وقت مکروہ ہے جب لوگ اسے بُرا اور ناگوار جانیں اور جب لوگ اسے پسند کریں

اور تبرک جائیں تو مستحب ہے۔
۲؎ اس طریقے سے پانی پینا۔
۳؎ پیاس کو زیادہ دور کرنے والا۔
۴؎ بدن کے لیے، معدے کو ٹھنڈا کرنے اور اعصاب کو کمزور کرنے میں کم اثر کرنے والا ہے۔
۵؎ اور معدے میں تیزی سے جانے والا ہے۔ اَرْوٰی خاص پانی کی صفت ہے اور اَمْرَءُ طعام اور مشروب دونوں کو شامل ہے مریٔ اس رگ کو کہتے ہیں جس میں سے کھانا پانی گزر کر پیٹ میں جاتا ہے۔

۴۲۷۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ۱؎ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۱؎۔ (صحیحین)

۱؎ آئندہ حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

۴۲۷۸ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِخْتِنَاثِ الْاَسْقِيَةِ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَاِخْتِنَاثُهَا اَنْ يُّقْلَبَ رَأْسُهَا ثُمَّ يُشْرَبَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں راوی نے یہ اضافہ کیا اختناث۱؎ کا معنی ہے کہ مشکیزے کا منہ الٹ دیا جائے پھر اس سے پانی پیا جائے۲؎۔ (صحیحین)

۱؎ اختنات کا معنی ہے دوہرا ہونا اور ٹوٹا ہوا ہونا، مشکیزے کا اختناث اور اس کی تخنیث یہ ہے کہ کھولتے وقت اس کا سر دوہرا کر دیا جائے، اس کے مقابل قعبث ہے کہ باندھتے وقت اس کا کنارہ اندر کی طرف موڑ کر دوہرا کر دیا جائے۔
۲؎ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ پانی کپڑوں پر گرے گا اور طریق مسنون کے مطابق نہیں پیا جائے گا۔ دوسری حدیث سے اس کا جائز اور مباح ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے

جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا، بعض شارحین نے فرمایا کہ ممانعت کا تعلق بڑے مشکیزے سے ہے جس کا منہ فراخ ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے مشکیزے سے نوش فرمایا۔ جسے اِداوہ کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا: ہمیشہ اس طرح پانی پینے اور اس کی عادت بنا لینے کی ممانعت ہے۔ تاکہ رفتہ رفتہ مشکیزے کا منہ بدبو دار نہ ہو جائے اور اگر کبھی کبھار پیا جائے تو ممنوع نہیں ہے۔ یا اجازت اس صورت میں ہے جب ضرورت اور حاجت ہو، اور اگر ضرورت اور حاجت نہ ہو تو ممنوع ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مشکیزے میں اذیت دینے والی کوئی چیز کیڑا مکوڑا ہو، جیسے کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا تو اس میں سے سانپ نکل آیا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہی کے ذریعے اجازت کو منسوخ کر دیا گیا ہو۔

۴۰۷۹ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔

(مسلم)

۴۰۸۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْكُمْ قَائِمًا فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِئْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے اور جو شخص بھول جائے اسے چاہیے کہ قے کرے[۲]

(مسلم)

[۱] ایک نسخے میں مِنْكُمْ زائد ہے۔

[۲] وہ پانی جو اس نے کھڑے ہو کر پیا ہے باہر نکال دے کہ اس نے نافرمانی کی ہے اور اس نے ایسے طریقے سے پانی پیا ہے جس طریقے سے نہ پینا چاہیے تھا۔ جب بھول کا یہ حکم ہے تو قصدًا اس طرح پینے کا بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

۴۰۸۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءِ زَمْزَمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں زمزم کے پانی کا ڈول لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو

فَشَرِبَ وَ هُوَ قَائِمٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ نے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔
(صحیحین)

۴۰۸۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِيْ حَوَائِجِ النَّاسِ فِيْ رَحْبَةِ الْكُوْفَةِ حَتّٰى حَضَرَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ ثُمَّ اُتِيَ بِمَآءٍ فَشَرِبَ وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ وَ ذَكَرَ رَاْسَهٗ وَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهٗ وَ هُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اِنَّ نَاسًا يَّكْرَهُوْنَ الشُّرْبَ قَائِمًا وَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی پھر مسجد کوفہ کے صحن میں لوگوں کی حاجتوں کے سلسلے میں تشریف فرما رہے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر آپ کے پاس پانی لایا گیا، وہ آپ نے پیا۔ اپنا چہرہ مبارک اور دونوں ہاتھ دھوئے راوی نے آپ کے سر اور پاؤں کا ذکر کیا[۲] پھر کھڑے ہوئے اور باقی ماندہ پانی کھڑے کھڑے پیا[۳] پھر فرمایا: کچھ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ جانتے ہیں۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا[۵]
(بخاری)

[۱] لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے۔ مسجد کوفہ کا صحن فیصلوں کے لیے نشست گاہ بنایا گیا تھا "رَحْبَۃ" را پر زبر، بے نقطہ حا ساکن، مسجد کا صحن۔

[۲] ان پر مسح کیا اور انہیں دھویا، مطلب یہ ہے کہ پہلے راوی نے سر اور پاؤں کے دھونے کا ذکر کیا تھا جو بعد والے راوی کو بھول گیا۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا: مقصد یہ ہے کہ پورا وضو نہ فرمایا۔

[۳] یہ تاکید ہے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ کر پانی پیا بلکہ اسی طرح کھڑے کھڑے وضو کا باقی ماندہ پانی پیا۔

[۴] لوگوں کی خطا اور نادانی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

[۵] یعنی کھڑے ہو کر پانی پیا۔ یا پانی پینے، وضو کرنے، اس کے بعد کھڑے ہونے اور وضو کا باقی ماندہ پانی پینے کا مجموعہ مراد ہے۔

تنبیہ:۔ یہ واضح ہو چکا ہے کہ احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ مواہب لدنیہ میں حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث لائے ہیں کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق کو کھڑے ہو کر پانی پیتے ہوئے دیکھا، امام مالک نے فرمایا ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔ علیم محدث عبدالحق کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے بارے میں حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے بعض راویوں کے بارے میں کلام ہے۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ اجازت کی حدیث ممانعت کی ناسخ ہے، لیکن یہ کہنا کہ ممانعت کی حدیث نے اجازت کو منسوخ کر دیا ہے۔ صحیح نہیں ہے، کیونکہ کوفہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں عمل اس کے منافی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ احادیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ نہی تنزیہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل بیانِ جواز کے لیے ہے، بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق اس شخص سے ہے جو اپنے ساتھیوں کے لیے پانی لائے اور جلدی کر کے کھڑے کھڑے ان سے پہلے پانی پی لے اور اُن کی رعایت نہ کرے اور حدیث پاک سَاقِی الْقَوْمِ آخِرُهُمْ قوم کو پلانے والا آخر میں ہوتا ہے پر عمل نہ کرے۔ یہ کلام تکلف سے خالی نہیں ہے، اور جب نہی تنزیہی ہے تو اولیٰ اور زیادہ محبوب یہ ہے کہ کھڑا ہو کر نہ پیئے۔ نیز کھڑے ہو کر پینے میں جسمانی نقصانات ہیں چونکہ سلف صالحین صحابۂ کرام وغیرہم میں اختلاف ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ کھڑا ہو کر نہ پیئے۔ اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیٹھ کر ہی پینے کی تھی۔ لیکن کھڑا ہو کر پینا حرام نہ تھا۔ اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے، بعض فقہی روایات میں آیا ہے کہ زمزم اور وضو کا پانی کھڑے ہو کر پئیں باقی بیٹھ کر، یاد رہے کہ حرام یا مکروہ یا خلافِ اولیٰ، پینے کی حالت میں کھڑے ہونا، یا کھڑے ہونے کی حالت میں پینا ہے۔ اصل مشروب حرام نہ تھا جیسے کہ کہتے ہیں کہ بعض سلف کے نزدیک رنگا رنگ کے کھانے حرام ہیں۔ یعنی یہ طریقہ (مختلف کھانوں کا جمع کرنا) اور یہ حالت حرام ہے یہ نہیں کہ اصل کھانا ہی حرام ہے۔

۴۰۸۳/۸ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَ مَعَهٗ صَاحِبٌ لَّهٗ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَ هُوَ یُحَوِّلُ الْمَآءَ فِیْ حَآئِطٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَآءٌ بَاتَ فِیْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے ہمراہ ایک انصاری صحابی کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، اس وقت وہ باغ میں پانی تبدیل کر رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے پاس پرانے مشکیزے میں

شَنَّةٍ وَ اِلَّا كَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِيْ مَآءٌ بَاتَ فِيْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ اِلَى الْعَرِيْشِ فَسَكَبَ فِيْ قَدَحٍ مَآءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِيْ جَآءَ مَعَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

رات کا پانی ہو تو لے آؤ ورنہ ہم منہ سے پی لیں گے۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس مشکیزے میں رات کا پانی ہے، وہ چھپر کے پاس گئے۔ پیالے میں پانی ڈالا پھر اس پر پالتو بکری کا دودھ دوہا۔ جسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ پھر وہ ایک اور پیالہ لائے جسے آپ کے ساتھ آنے والے صحابی نے پیا۔ (بخاری)

ـلہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

ـلہ حضرت مالک بن التیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ـلہ ایک طرف سے دوسری طرف موڑ رہے تھے یعنی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔

ـلہ شَنَّة پہلے حرف پر زبر۔ پرانا مشکیزہ۔ پرانے مشکیزے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس میں پانی خوب اچھی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

ـلہ کرع کا معنی لغت میں یہ ہے کہ ہاتھ اور برتن استعمال کیے بغیر منہ سے نہر کا پانی پیا جائے۔ جیسے جانور پیتے ہیں۔ اور اپنے پاؤں پانی میں ڈال لیتے ہیں، صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ اس جگہ کرع سے مراد دونوں ہاتھوں سے پانی پینا ہے، یا اس وقت ہاتھ سے پانی پینا متعذر تھا اور ضرورت تھی کہ منہ لگا کر پانی پیا جائے۔ (اھ) گویا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ لگا کر پانی پینے کو بعید گمان کیا اور آپ کے شایانِ شان نہ جانا، ذوق بے تکلفی کے نزدیک یہ چنداں بعید بھی نہیں ہے، کیونکہ اس طرح پینے میں الگ ایک لذت ہے بعض صالحین کو اس طرح پانی پیتے ہوئے دیکھا گیا (اس میں بے تکلفی بھی ہے اور عاجزی بھی۔ ۱۲ق)

ـلہ سوال کی عبارت کو دوبارہ صراحت کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے برکت حاصل کرنا اور لطف اندوز ہونا ہے۔ نیز اس بات پر خوشی کا اظہار کرنا ہے کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلب فرمائی وہ موجود ہے، ورنہ یہ کہہ دینا کافی تھا کہ جی ہاں موجود ہے۔

ـلہ یہ کھجور کی شاخوں سے باغ میں تیار کی جانے والی چھت ہوتی ہے، جو عموماً انگوروں کے باغ میں بنائی جاتی ہے۔

ے۸ داجن جیم کے نیچے زیر اس بکری کو کہتے ہیں جو اہل خانہ کے ساتھ مانوس ہو، عربوں کی عادت ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر پیتے ہیں، شارحین فرماتے ہیں کہ تازہ دوہا گیا، دودھ گرم ہوتا ہے اور عام طور پر وہ علاقے بھی گرم ہیں، پانی کے ذریعے دودھ کی گرمی جاتی رہے گی۔

ے۹ اسی طریقے پر جس طرح پہلے لائے تھے۔

۴۰۸۴ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اِنَّ الَّذِيْ يَاْكُلُ وَيَشْرَبُ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے گویا وہ آواز کے ساتھ گھونٹ گھونٹ[1] جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں اتار رہا ہے۔ (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص چاندی اور سونے کے برتن میں کھاتا پیتا ہے[2]۔

ے۱ دراصل لغت میں جرجرہ، شیر کی آواز کو کہتے ہیں جسے وہ اپنے حلق میں گردش دیتا ہے، پھر اس آواز کو کہتے جو پانی کے پیٹ میں جانے سے پیدا ہوتی ہے، پھر اس سے گھونٹ گھونٹ پانی پینا مراد لیتے ہیں، اس صورت میں نار جہنم منصوب ہے، اسے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ آواز پیدا کرے گی۔ چونکہ اس طریقے سے پانی پینا مستحق عذاب ہونے اور جہنم کی آگ میں جلنے کا سبب ہے گویا وہ آگ پی رہا ہے اور گویا اس کے پیٹ میں پانی کی آواز اس لیے ہے کہ اس میں آگ ہے۔ پہلی صورت میں یُجَرْجِرُ کا معنیٰ ہے کہ وہ پیتا ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنیٰ ہے کہ جہنم کی آگ آواز نکالتی ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح اور مختار نصب ہے، دوسری روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔

ے۲ ائمہ کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا ہر مرد اور عورت پر حرام ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ ہدایہ میں ہے کہ اس برتن میں پانی پینا جائز ہے جس پر چاندی چڑھائی گئی ہو، بشرطیکہ منہ کی جگہ چاندی نہ ہو۔ اسی طرح وہ برتن جس پر سونے یا چاندی کی پتری لگائی گئی ہو، کیونکہ پتری زینت کے لیے نہیں بلکہ مضبوطی کے لیے لگائی جاتی ہے۔ اور اگر پتری کی جگہ منہ نہ رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے

جب کہ پیالے سے کھائے اور اگر پیالے سے لے کر دوسری جگہ یا ہاتھ پر رکھے اور وہاں سے کھائے تو اس میں بھی حرج نہیں ہے، اسی طرح محیط میں ہے۔ ان مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے۔

۴۰۸۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَ لَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ لَا تَأْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ریشم اور دیبا[1] نہ پہنو۔ سونے چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور سونے چاندی کے پیالوں میں نہ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں کافروں[2] کے لیے دنیا میں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔ (صحیحین)

[1] دیبا ریشمی کپڑے کی ایک مشہور قسم۔

[2] صحافہا کی ضمیر مذکورہ اشیاء یا اجناس یعنی سونے اور چاندی کی طرف راجع ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ ضمیر چاندی کی طرف راجع ہے اور سونا بطریق اولیٰ اس کے حکم میں ہے، یہ عبارت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا۔ (اس آیت میں بھی واحد مونث کی ضمیر سونے چاندی کی طرف راجع ہے ۱۲ق) اس کے بعد اہل ایمان کو ان کے استعمال کرنے سے منع کرنے پر تسلی اور تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ چیزیں کافروں کے لیے دنیا میں اور تمہارے لیے آخرت میں ہیں۔

[3] اس جگہ کافروں کا ذکر اگرچہ نہیں ہوا لیکن کلام کی روش سے معلوم ہو رہا ہے۔

۴۰۸۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ دَاجِنٌ وَ شِيْبَتْ لَبَنُهَا بِمَآءٍ مِّنَ الْبِئْرِ الَّتِيْ فِيْ دَارِ اَنَسٍ فَاُعْطِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک پالتو بکری کا دودھ دوہا گیا اور اس کا دودھ حضرت انس کے گھر[1] میں موجود کنوئیں کے پانی سے ملایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیالہ پیش کیا گیا تو آپ[2] نے نوش فرمایا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ يَمِيْنِهٖ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ عُمَرُ اَعْطِ اَبَا بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَى الْاَعْرَابِيَّ الَّذِيْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْاَيْمَنُوْنَ الْاَيْمَنُوْنَ اَلَا فَيَمِّنُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ کی بائیں جانب حضرت ابو بکر اور دائیں جانب ایک اعرابی تھا، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابو بکر کو عطا فرمائیں[3] آپ نے دائیں جانب والے اعرابی کو عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا: پہلے دائیں جانب والا، پھر اس کی دائیں جانب والا زیادہ حق دار ہے[4] ایک دوسری روایت میں ہے دائیں جانب والے[5] پھر ان کی دائیں جانب والے زیادہ مستحق ہیں۔ خبردار دائیں جانب سے ابتدا کرو[6] (صحیحین)

۱؎ ظاہر یہ تھا کہ کہتے کنواں جو ہمارے گھر میں تھا، لیکن یہ عبارت میں تفنن ہے اور اسے علم عربیت کی اصطلاح میں اسم ظاہر کا ضمیر کی جگہ رکھنا کہتے ہیں، وہ بکری بھی ان کے گھر میں تھی جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے۔

۲؎ کچھ دودھ نوش فرمایا۔

۳؎ کہ وہ زیادہ حق دار، مقدم اور اولیت کا شرف رکھتے ہیں۔

۴؎ اعرابی کو پہلے عطا فرمانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ دائیں جانب والا زیادہ مستحق ہے پھر وہ جو اسی جانب میں اس کے پہلو میں ہے، اسی ترتیب سے دیا جائے گا یہاں تک کہ بائیں جانب والے تک پہنچ جائے۔ اَلْاَيْمَنُ فَالْاَيْمَنُ پر زبر اور پیش دونوں پڑھے گئے ہیں، معنیٰ یہ ہوگا دائیں جانب والے کو دو (اس صورت میں ایمن پر زبر ہے کیونکہ فعل مقدر اَعْطِ کا مفعول بہ ہے ۱۲ ق) یا دائیں جانب والا زیادہ حق دار ہے (اس وقت مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے ۱۲ ق۔)

۵؎ اَلْاَيْمَنُوْنَ مرفوع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الایمن کو بھی مرفوع پڑھنا چاہیے۔

۶؎ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالِ عدل اور مستحق کو اس کا حق دلانے کی دلیل ہے، کیونکہ حضرت ابو بکر کی فضیلت ان کے قرب اور حضرت عمر کی سفارش کے باوجود اعرابی کی رعایت فرمائی کہ وہ زیادہ حق دار تھا اسے نظر انداز نہیں فرمایا۔

۴۰۸۷ / ۱۲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ اَصْغَرُ الْقَوْمِ وَ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِفَضْلٍ مِّنْكَ اَحَدًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَ حَدِيْثُ اَبِيْ قَتَادَةَ سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

کی خدمت میں ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ نے اس پیالے سے نوش فرمایا، آپ کی دائیں جانب ایک صاحبزادے تھے جو تمام حاضرین میں سے کم عمر تھے، معمر حضرات آپ کی بائیں جانب تھے، آپ نے فرمایا، صاحبزادے کیا تم اجازت دیتے ہو کہ ہم یہ پیالہ بڑی عمر والوں کو دے دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کے بچے ہوئے پانی کے سلسلے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ آپ نے وہ پیالہ انہیں ہی عطا فرما دیا۔ (صحیحین) حضرت ابو قتادہ کی حدیث ان شاء اللہ ہم باب معجزات میں ذکر کریں گے۔

۱؎ سہل بن سعد ساعدی، بنو ساعدہ میں سے مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے آخری صحابی ہیں۔

۲؎ دودھ کا یا پانی کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳؎ چونکہ وہ بقیہ اس صاحبزادے کا حق تھا اس لیے وہ کسی دوسرے کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

۴؎ ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا کا زیادہ حق دار اور زیادہ مناسب دائیں جانب والا ہے، اگرچہ وہ مفضول (دوسرے اس سے زیادہ فضیلت والے ہوں) اور بچہ ہی ہو، اور اگر مصلحت ہو تو اس سے اجازت لی جائے، وہ راضی ہو جائے تو بائیں جانب والے کو دے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری صورت میں اجازت طلب کی پہلی صورت میں طلب نہیں کی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ کم عمر صاحبزادے ابن عباس تھے، اور بڑی عمر والے قریش میں سے آپ کے رشتے دار تھے، اس جماعت کی تالیف قلب کے لیے ابن عباس سے اجازت طلب فرمائی تاکہ یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں اور ثابت قدمی کے مقام سے پھسل نہ جائیں، حضرت ابوبکر صدیق کی محبت اور ان کا اخلاص راسخ تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ سے واقف تھے، اور ان کے رنجیدہ ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا، اگر آپ اعرابی سے اجازت طلب فرماتے تو چونکہ وہ نئے نئے جاہلیت سے نکل کر اسلام لائے تھے۔ اس لیے ممکن تھا وہ وحشت میں مبتلا ہو جاتے، ان کی تالیف قلبی کا یہی طریقہ تھا کہ ان سے اجازت طلب نہ کی جاتی۔ نیز اس جگہ مبالغہ اور تاکید اجازت کے طلب نہ کرنے میں ہے، یعنی جب بقیہ حضرت ابوبکر صدیق کو نہ دیا اور اعرابی سے اجازت بھی طلب نہ فرمائی تو اس بقیہ کے بارے میں دوسروں کی توجہ اور طمع کم ہو جائے گی۔

بعض شارحین نے کہا کہ آخری صورت میں دودھ کا وہ پیالہ اس صاحبزادے کی ملکیت تھا اس لیے ان سے اجازت طلب کی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس جگہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ فقہار کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذریعۂ قرب امور اور طاعات میں ایثار جائز نہ تھا۔ علمار کی عبارت اسی طرح ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر واجبات میں ایثار ہو تو حرام ہوگا اور اگر فضائل اور مستحبات میں ہے تو مکروہ ہوگا۔ ہم چند مثالوں کے ساتھ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے پاس وضو کا پانی ہے وہ دوسرے کو دے دیتا ہے اور خود تیمم کرکے نماز پڑھتا ہے، یا اس کے پاس ستر ڈھانپنے کے لیے کپڑا ہے وہ دوسرے کو دے کر خود برہنہ نماز پڑھتا ہے تو یہ طریقہ جائز نہیں ہوگا، یا ازراہِ تواضع پہلی صف اور امام کی نزدیکی کا دوسرے کے لیے ایثار کرتا ہے اور خود دوسری صف میں امام سے دور کھڑا ہو کر نماز ادا کرتا ہے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔ قابلِ تعریف ایثار وہ ہے جو دنیاوی امور میں ہو نہ کہ طاعات اور نیکیوں میں۔ اسی لیے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابن عباس کے ایثار نہ کرنے پر ان کی تائید کی اور اس کے ترک کرنے پر ان کی مذمت نہ فرمائی، اسی طرح شارحین نے کہا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے اجازت طلب کی تھی کہ اگر وہ اجازت دے دیتے اور راضی ہو جاتے تو درست ہوتا۔ اس سے تو ایثار کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو امور دنیاویہ میں سے قرار دے کر اجازت طلب کی، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ پیالے میں دودھ یا پانی تھا جس سے دنیاوی نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ اور جب دیکھا کہ ابن عباس اسے طاعت اور ذریعۂ تقرب سمجھ رہے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیہ افضل ترین ذریعۂ تقرب اور عظیم برکت ہے اس لیے انہیں ایثار کا دوبارہ حکم نہ دیا اور ایثار کے ترک کرنے پر ان کی تائید فرمائی۔

ایسے امور جنہیں ذریعۂ تقرب شمار کیا گیا ہے۔ مشائخ صوفیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ فقہار کہتے ہیں کہ ان امور میں ایثار کا مطلب ہے۔ تقرب الٰہی کے معدوم ہونے پر راضی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قرب سے اعراض کرنا اسے لازم ہے۔ حضرات صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ ایثار بھی تقرب کا ایک راستہ ہے، لہٰذا ترکِ تقرب لازم نہیں آیا، غالباً یہ قول غلبۂ احوال اور سکر کی بنا پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۰۸۸ / ۱۳ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَاكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَمْشِيْ وَ نَشْرَبُ وَ

## دوسری فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے

نَحْنُ قِيَامٌ۔ تھے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

لے شارحین فرماتے ہیں کہ چلتے ہوئے کھانا اور کھڑے ہوکر پینا اگرچہ جائز ہے اور اصل جواز باقی ہے تاہم مختار اور اولیٰ یہ ہے کہ چلنے اور سواری کی حالت میں کھانا خلاف ادب ہے۔ اسی طرح کھڑے ہوکر پینا جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۴۰۸۹ / ۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا[1] سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر کھاتے دیکھا۔[2]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

لے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔

لے ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حال برابر تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بیٹھ کر پانی پینے کی تھی۔ کھڑے ہوکر کبھی کبھار نوش فرمایا ہوگا، اصل جواز باقی ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا

۴۰۹۰ / ۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِي الْاِنَاءِ اَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔[1]

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابو داؤد، ابن ماجہ)

لے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کچھ تھوک پانی میں گر جائے اور دوسرا شخص اس سے کراہت محسوس کرے، بعض اوقات منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، اس سے پانی بھی بدبو والا ہوجائے گا۔ نیز پانی میں سانس لینا چارپایوں کا فعل ہے۔

۴۰۹۱/۱۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاَحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں نہ پیو بلکہ دو تین[۱] سانسوں میں پیو اور جب برتن منہ سے جدا کرو تو اللہ تعالےٰ کی حمد بجا لاؤ[۲]
(ترمذی)

[۱] کم از کم دو سانسوں میں پینا چاہیے تاکہ اونٹ کے ساتھ مشابہت نہ رہے، لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ تین سانسوں میں پینا بہتر اور زیادہ خوشگوار ہے، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔ اکثر و بیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ بھی یہی تھی۔

[۲] احیاء العلوم میں ہے کہ پہلا سانس پیتے وقت کہے۔ الحمد للہ دوسرے سانس کے وقت رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کا اضافہ کرے، تیسرے سانس پر کہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یہ دعا بھی منقول ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔
تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنی رحمت سے پانی میٹھا، پیاس بجھانے والا بنایا۔ اور ہمارے گناہوں کی بدولت اسے نمکین، کڑوا نہیں بنایا۔

۴۰۹۲/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلٌ الْقَذَاةُ اَرَاهَا فِي الْاِنَاءِ قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ فَاِنِّيْ لَا اَرْوٰى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَاَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا[۱] ایک شخص نے عرض کیا کہ میں پانی میں تنکا دیکھتا[۲] ہوں، فرمایا اس تنکے کو گرا دو[۳] اس نے کہا میں ایک سانس میں پینے سے سیر نہیں ہوتا، فرمایا، پیالہ اپنے منہ سے جدا کرو پھر سانس لو[۴]
(ترمذی، دارمی)

لہ وجہ اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔
۲ لہ اگر پھونک نہ ماروں تو کیا کروں؟ اس تنکے کو پانی سے کس طرح نکالوں؟ قذاۃ تنکا جو آنکھ یا پانی میں گر پڑے۔
۳ لہ یعنی کچھ پانی گرا دو تا کہ وہ تنکا بھی اس کے ساتھ چلا جائے، مشروب میں پھونک مارنے کی ممانعت سے اس صحابی نے یہ سمجھا کہ برتن میں سانس لینا بھی ممنوع ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ پانی پیتے وقت سانس نہ لے اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی جائے۔
۴ لہ پیالے میں سانس نہ لو۔

**۴۰۹۳/۱۸ وَعَنْهُ** قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدَحِ وَ اَنْ يُّنْفَخَ فِي الشَّرَابِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے پیالے کے سوراخ[1] سے پانی پینے اور مشروب میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

لہ ثلمۃ تین نقطے والی ثا، پر پیش، وہ جگہ جہاں سے برتن ٹوٹا ہوا ہو، اس جگہ سے پانی پینے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہونٹ پوری طرح پیوست نہیں ہوتے اور پانی جسم اور کپڑوں پر گر جاتا ہے۔ نیز وہ جگہ دھونے سے پوری طرح صاف نہیں ہوتی بلکہ کچھ نہ کچھ میل کچیل رہ جاتی ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ ثلمہ سے مراد کوزے کی ٹونٹی نہیں ہے بلکہ اس کے ٹوٹنے کی جگہ ہے۔

**۴۰۹۴/۱۹ وَعَنْ كُبَيْشَةَ** قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَآئِمًا فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهٗ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت کبیشہ[1] رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے لٹکائے ہوئے مشکیزے کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ میں نے اٹھ کر مشکیزے کے منہ والا حصہ[2] کاٹ لیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، غریب اور صحیح ہے۔

لہ حضرت کبیشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا صحابیہ ہیں۔

۲ے جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا تھا، کاٹ کر بطورِ تبرک و تعظیم اپنے پاس رکھ لیا۔ یا ازراہ ادب اس طرح کیا تاکہ میرا یا کسی دوسرے کا منہ وہاں نہ لگے۔ جیسے کہ حضرت ام سلیم کی حدیث میں ایسی ہی صورت میں صراحۃً یہی بات کہی گئی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے مشکیزے کا منہ اس لیے کاٹ لیا کہ جہاں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا ہے دوسرا کوئی شخص وہاں سے پانی نہ پیئے۔

**۴۰۹۵** وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ وَ الصَّحِيْحُ مَا رُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مُرْسَلًا)

امام زہری حضرت عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پسندیدہ ترین مشروب، ٹھنڈا میٹھا[۱] پانی تھا۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ امام زہری نے یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرسلاً روایت کی ہے[۲]۔

لہ بعض شارحین نے اس سے مراد شربت لیا ہے جیسے کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ہر روز صبح شہد میں حل کیے ہوئے پانی کا ایک پیالہ نوش فرماتے۔ اس کے بعد اشتہاء محسوس ہونے پر جو کچھ میسر ہوتا تناول فرما لیتے۔ اس مطلب پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی ٹھنڈا میٹھا خالص پانی مراد ہے جو ایک خوشگوار نعمت ہے۔

۲ے یعنی یہ حدیث امام زہری سے دو طرح مروی ہے (۱) مسند طور پر، امام زہری نے حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (۲) مرسلاً اس میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں ہے۔ ظاہر عبارت یہ ہے کہ حضرت عروہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ امام زہری تابعی ہیں لیکن کم عمر تابعی ہیں۔ وہ سند جس کے ذریعے یہ حدیث مرسلاً روایت کی گئی ہے، اس کے راوی قوت اور ضبط میں بلند مرتبہ ہیں جب کہ سند متصل کے راویوں میں سے بعض کمزور ہیں۔

**۴۰۹۶** وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے ایک شخص کھانا کھائے تو اسے کہنا چاہیے۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں

لَنَا فِيْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَ اِذَا سُقِيَ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ فَاِنَّهٗ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلَّا اللَّبَنُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

برکت عطا فرما اور ہمیں اس سے بہتر کھانا کھلا اور جب کسی کو دودھ پلایا جائے تو کہے اے اللہ! ہمیں اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں زیادہ دودھ عطا فرما۔[1] کیونکہ دودھ ہی ایسی چیز ہے جو کھانے اور پانی کی جگہ کفایت کرتی ہے۔[2]

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] یہ نہ کہے کہ ہمیں اس سے بہتر چیز عطا فرما، کیونکہ دودھ سے بہتر کوئی طعام نہیں ہے، دودھ خود بہترین طعام ہے۔

[2] اس لیے کہ دودھ بھوک بھی دور کرتا ہے اور پیاس بھی ———— علامہ طیبی نے کہا کہ فَاِنَّہٗ لَيْسَ شَيْءٌ سے آخر تک اس حدیث کے ایک راوی مسدد کی عبارت ہے جس سے ابوداؤد روایت کرتے ہیں، ظاہر کلام سے یوں گمان ہوتا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کا تتمہ ہیں۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی کے کلام اور مواہب لدنیہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

۴۰۹۷/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنَ السُّقْيَا قِيْلَ هِيَ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ يَوْمَانِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی سقیا[1] سے لایا جاتا تھا، کہا گیا ہے کہ یہ مدینہ منورہ سے دو دن کے فاصلے پر ایک چشمہ ہے۔

(ابوداؤد)

[1] سُقیا سین پر پیش، قاف ساکن، اس کے بعد یاء۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک بڑا گاؤں ہے۔ اسی طرح علامہ سیوطی نے فرمایا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۰۹۸/۲۳ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ،

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ فِیْ اِنَاءِ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ اَوْ اِنَاءٍ فِیْهِ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِیُّ)

جس شخص نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیا یا ایسے برتن میں پیا جس میں کچھ[1] سونا یا چاندی لگی ہوئی ہے تو وہ جہنم کی آگ آواز کے ساتھ اپنے پیٹ میں اتار رہا ہے[2] (دارقطنی)

لہ مثلاً وہ برتن جس میں سونے یا چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہوں۔ علامہ طیبی نے امام نووی سے نقل کیا ہے کہ اگر بقدر حاجت چھوٹی کیلیں لگی ہوئی ہوں تو حرام اور مکروہ نہ ہوگا۔ اور اگر زیادہ اور چوڑی تیری لگی ہوئی ہو تو حرام ہے۔
۲ہ یا اسے گھونٹ گھونٹ پیٹ میں اتار رہا ہے۔ یا اس کے پیٹ میں جہنم کی آگ آواز کر رہی ہے جیسے کہ پہلی فصل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی شرح میں بیان ہوا۔

# بَابُ النَّقِیْعِ وَالْاَنْبِذَةِ

## ۲۹۹۔ کشمش وغیرہ کے مشروبات کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے مشروبات میں سے نقیع اور نبیذ ہے، نقیع یہ تھا کہ کشمش یا کھجور اور عام طور پر کشمش پانی میں ڈال لیتے تھے، اسے پکاتے نہیں تھے۔ اسی طرح اس کی تمام مٹھاس پانی میں منتقل ہو جاتی تھی۔ اور صاف، لذیذ اور بدن کے لیے مفید شربت تیار ہو جاتا تھا۔ کھجور کا شربت کھانے کے ہضم میں اور کشمش کا شربت زائد گرمی کے دفع کرنے میں مفید تھا، نبیذ بھی ایسا ہی تھا، لیکن اسے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ کچھ تبدیلی اور تیزی پیدا ہو جائے، اتنی زیادہ تبدیلی بھی پیدا نہ ہو کہ نشہ دینے لگے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے تین دن کے بعد نوش نہ فرماتے، جیسے کہ عنقریب آئے گا، نبیذ بھی بدن کی طاقت کے اضافے اور صحت کی حفاظت کے لیے مفید ہے۔ اور اگر نشہ پیدا ہو جائے گا تو حرام ہے، نبیذ کے پینے اور اس کے ساتھ وضو کے جائز ہونے میں ائمہ کا مشہور اختلاف ہے۔ مذہب حنفی میں اس کا پینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نشہ نہ دے، احادیث سے یہی ثابت ہے، اس بحث کی تحقیق و تفصیل شرح سفر السعادۃ میں بیان کی گئی ہے۔ کشمش اور کھجور کے علاوہ چیزوں سے بھی نبیذ تیار کیا جاتا ہے جیسے کہ نہایہ میں ہے کہ نبیذ وہ شربت ہے جو کھجور، کشمش، شہد، گندم اور جو وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے،

اس لیے مصنف جمع کا صیغہ لائے ہیں تاکہ واضح ہو کہ اس کی متعدد اور کثیر قسمیں ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۴۰۹۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِىْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهٗ الْعَسَلَ وَ النَّبِيْذَ وَ الْمَآءَ وَ اللَّبَنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے اس پیالے[۱] سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے مشروبات مثلاً شہد، نبیذ، پانی اور دودھ پلائے۔ (مسلم)

[۱] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیالہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، احادیث میں اس پیالے کے اوصاف مذکور ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت انس کی وراثت سے نضر بن انس نے وہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم میں خریدا تھا امام بخاری کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے وہ پیالہ بصرہ میں دیکھا تھا اور اس میں پانی پیا تھا۔

۴۱۰۰ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سِقَآءٍ يُوْكَا[۱] اَعْلَاهُ وَلَهٗ عَزْلَآءُ[۲] غُدْوَةً فَيَشْرَبُهٗ عِشَآءً وَّ نَنْبِذُهٗ عِشَآءً فَيَشْرَبُهٗ غُدْوَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک مشکیزے میں نبیذ بنایا کرتے تھے، اس کا اوپر والا منہ باندھ[۱] دیا جاتا تھا۔ اس کا ایک نچلا دہانہ[۲] تھا، ہم صبح[۳] ڈالتے تھے جسے آپ رات کو نوش فرماتے تھے اور رات کو ڈالتے تھے جسے آپ صبح کے وقت نوش فرماتے تھے۔ (مسلم)

[۱] وِکَا: مشکیزے کے منہ کی بندش۔

[۲] عزلا بے نقطہ عین پر زبر، نقطے والی زاء ساکن، لام پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ۔ توشہ دان کا نچلا جانب والا دہانہ، بعض اوقات اس کا اطلاق اوپر والے منہ پر کر دیتے ہیں۔ صراح میں ہے عزلا توشہ دان کا منہ۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ اس مشکیزے کے دو دہانے تھے۔ ایک نیچے کی جانب جس سے پانی پیتے تھے، یعنی مشکیزے کا اوپر والا منہ باندھ دیتے اور دوسری جانب سے راستہ بنا کر اس سے پانی پیتے تھے۔

سے غدوہ پہلے حرف پر پیش، صبح کی نماز اور سورج کے بلند ہونے کا درمیانی وقت۔
عشا، زوال آفتاب سے لے کر غروب کا درمیانی وقت، اسی طرح قاموس میں ہے، یہ نقیع کے قریب ایک چیز ہوتی تھی جس میں تیزی اور تبدیلی کم پیدا ہوتی تھی، غالباً یہ گرمی کے موسم میں ہوتا تھا جب کہ اس میں تبدیلی کا پیدا ہونا غالب تھا، کبھی ایک دن رات سے زیادہ تین دن تک رہنے دیتے، ایسا سردیوں کے موسم میں ہوتا تھا یا نبیذ کی کمی بیشی کی بنا پر ہوتا تھا۔

۴۱۰۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْبَذُ لَهٗ اَوَّلَ اللَّيْلِ فَيَشْرَبُهٗ اِذَا اَصْبَحَ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ وَ اللَّيْلَةَ الَّتِيْ تَجِيْءُ وَ الْغَدَ وَ اللَّيْلَةَ الْاُخْرٰى وَ الْغَدَ اِلَى الْعَصْرِ فَاِنْ بَقِيَ شَيْءٌ سَقَاهُ الْخَادِمَ اَوْ اَمَرَ بِهٖ فَصُبَّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے رات کی ابتدا میں نبیذ بنایا جاتا تھا۔ جب آپ صبح کرتے تو تمام دن اسے نوش فرماتے، آنے والی رات، دوسرے دن، اگلی رات اور اس سے اگلے دن[۱] عصر تک نوش فرماتے، اگر کچھ بچ جاتا تو خادم کو پلا دیتے[۲] یا حکم دیتے کہ گرا دیا جائے[۳] (مسلم)

سے یعنی تیسرے دن عصر تک ——— اس صورت میں نبیذ تین رات اور تیسرے دن کا اکثر حصہ برقرار رہتا۔ لازمی بات یہ ہے کہ اس میں بہت حد تک تغیر پیدا ہو چکا ہوتا تھا۔
سے نبیذ متغیر ہو گیا ہوتا تھا اور اس کی تلچھٹ باقی ہوتی تھی۔ اسے خود نوش نہ فرماتے۔ بلکہ کنیز یا غلام کو پلا دیتے، لیکن ابھی وہ نشے کی حد کو نہیں پہنچا ہوتا تھا۔ (ورنہ خادم کو بھی نہ پلاتے) اگر نشے کی حد کو پہنچ گیا ہوتا تو حکم دیتے کہ اسے گرا دیا جائے۔ جیسے کہ اس کے بعد مذکور ہے۔
سے چنانچہ اسے گرا دیا جاتا، ممکن ہے کہ اس کے گرانے کا حکم تغیر کی بنا پر دیتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ اس کے نشہ آور ہونے کا یقین ہوتا تھا۔

۴۱۰۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ يُنْبَذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ فَاِذَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مشکیزے میں نبیذ تیار کیا جاتا تھا اور جب

لَمْ يَجِدُوْا سِقَآءً يُّنْبَذُ لَهٗ فِيْ تَوْرٍ مِّنْ حِجَارَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مشکیزہ نہ ملتا تو آپ کے لیے پتھر کے برتن[۱] میں نبیذ بنایا جاتا۔ (مسلم)

[۱] تورٌ دو نقطے والی تاء پر زبر اور واؤ ساکن، دیگ کے مشابہ برتن جس سے پانی پیا جاتا ہے، مجمع البحار میں ہے کہ اسی ایسا کانسی یا پتھر کا برتن جس سے وضو بھی کرتے ہیں۔ اس جگہ پتھر کا برتن مراد ہے۔

۴۱۰۳/۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّآءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَاَمَرَ اَنْ يُّنْبَذَ فِيْ اَسْقِيَةِ الْاَدَمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کدو کے برتن[۱]، سبز لوٹے، اس لوٹے سے جس پر کالا تیل ملا ہوا ہو اور کھودی ہوئی لکڑی[۲] سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ چمڑے کے مشکیزوں[۳] میں نبیذ بنایا جائے۔ (مسلم)

[۱] دُبَّاء بے نقطہ دال پر پیش اور باء مشدد، وہ برتن جو کدو کا ہم شکل تیار کرتے ہیں۔

[۲] لکڑی کو کھود کر اندر سے کھوکھلا کر لیا جاتا ہے اور بطور برتن استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ ان برتنوں کے استعمال سے اس لیے منع کیا کہ شرابیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ ان برتنوں میں نبیذ ڈالنا مراد ہے۔ آئندہ عبارت اس کا قرینہ ہے۔

[۳] ادم پہلے دونوں حرفوں پر زبر، چمڑا، اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا، برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا اور مشکیزوں میں نبیذ بنانے کا حکم دیا۔ اس کی حکمت شارحین نے یہ بیان کی ہے کہ برتنوں میں نبیذ جلد نشہ آور ہو جاتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا، جب کہ چمڑے کا مشکیزہ ٹھنڈا ہوتا ہے، اس کے نبیذ میں نشہ جلد ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو یوں ہوتا ہے کہ نبیذ میں نشہ پیدا ہونے سے مشکیزہ پھٹ جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ چونکہ شراب کی ممانعت کا حکم نیا نیا وارد ہوا تھا، ان برتنوں سے اس لیے منع کیا گیا تاکہ فاسقوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، اور ان برتنوں کے شراب سے آلودہ ہونے کا وہم نہ پڑے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممانعت ابتداءً تھی اور جب نشہ آور چیزوں کی حرمت معلوم و مشہور ہو گئی، مسلمان ایسی چیزوں کے استعمال سے یکسر دور ہو گئے اور ان برتنوں کی آلودگی کا وہم ختم ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لہٰذا کسی بھی برتن میں نبیذ بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔

۴۱۰۴ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَإِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَّلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ إِلَّا فِيْ ظُرُوْفِ الْأَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ أَنْ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا[۱] پس بے شک کوئی برتن کسی چیز کو نہ تو حلال کرتا ہے اور نہ حرام[۲]۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے[۳] ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا[۴] اب ہر برتن میں پیو، مگر نشہ آور مشروب نہ پیو[۵]

(مسلم)

۱؎ اور میں نے برتنوں اور مشکیزوں میں فرق کیا تھا، تم نے سمجھا کہ حلال اور حرام ہونے کا دارومدار برتنوں پر ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۲؎ کوئی برتن کسی چیز کو حلال نہیں کرتا اور کسی حلال چیز کو حرام نہیں کرتا۔

۳؎ حکم یہ ہے کہ جو چیز نشہ دے وہ حرام ہے خواہ کسی بھی برتن میں پیو، اور جو چیز نشہ نہ دے حلال ہے۔ چاہے کسی بھی برتن میں پیو۔

۴؎ اب ہم نے وہ حکم منسوخ کردیا ہے اور تمام برتنوں میں پینے کو جائز قرار دیا ہے۔

۵؎ حرمت کا مدار نشے پر ہے نہ کہ برتنوں پر، ہاں جس جگہ مشابہت کا وہم ہو اُس جگہ ایسے برتنوں کو اس بنیاد پر ترک کرنا بہتر ہوگا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۱۰۵ عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِيْ

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور شراب

اَلْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا۔ پئیں گے اور اس کا کوئی دوسرا نام رکھ دیں گے[1]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ) (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی شراب کے پینے میں حیلہ سازی اور بہانہ جوئی سے کام لیں گے، اور اسے جائز مشروبات مثلاً شہد کے پانی اور باجرے کے پانی کا نام دیں گے اور گمان کریں گے کہ یہ تو حرام نہیں ہیں، کیونکہ یہ نہ تو انگور سے بنے ہیں اور نہ ہی کھجور سے شراب کے جائز قرار دینے میں یہ حیلہ انہیں فائدہ نہ دے گا، کیونکہ حکم یہ ہے کہ ہر نشے والی شے حرام ہے چاہے کسی بھی چیز سے تیار کیا جائے۔ شارحین نے اس حدیث کی شرح اسی طرح کی ہے۔ اس کی تحقیق شراب کے باب میں گزر گئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ بعض لوگ خمر (شراب) پئیں گے لیکن اسے شراب نہیں کہیں گے بلکہ اپنے پاس سے اس کا کوئی نام رکھ لیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ شراب پی رہے ہیں۔ نام کی تبدیلی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اعتبار مسمّٰی کا ہے نہ کہ نام کا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۱۰۶/۸ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ الْاَخْضَرِ قُلْتُ اَنَشْرَبُ فِي الْاَبْيَضِ قَالَ لَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سبز کوزے[1] کے نبیذ سے منع فرمایا، میں نے عرض کیا کہ آیا ہم سفید کوزے میں پئیں؟ فرمایا: نہیں[2]

(بخاری)

[1] جس کا نام حنتم ہے۔ حضرت عبداللہ بن اوفیٰ نے سبز کی قید سے سمجھا کہ جو کوزہ سبز نہ ہو اس میں نبیذ پینا جائز ہے۔ (اسی لیے انہوں نے آئندہ سوال کیا)

[2] سفید کوزے میں بھی نہ پیو، سبز کی قید اتفاقی ہے، کیونکہ اس زمانے میں جن کوزوں میں نبیذ بناتے تھے وہ عام طور پر سبز ہی ہوتے تھے، لیکن سبز اور سفید کا حکم ایک ہی ہے۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث گزری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے کدو کے برتن اور سبز کوزے وغیرہ میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث بھی اس حدیث کے حکم میں ہے، لیکن اس جگہ صرف سبز کوزے کا ذکر کیا گیا ہے جسے حَنْتَم کہتے ہیں، یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے معلوم ہوا۔

# بَابُ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِیْ

## ۲۰۰۔ برتنوں کے ڈھانپنے کا بیان

ان احادیث کا بیان جن میں رات کو سوتے وقت برتنوں کے ڈھانپنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ بعض نسخوں میں وَغَیْرِھَا بھی آیا ہے یعنی برتنوں کے ڈھانپنے اور دیگر امور مثلاً دروازے بند کرنے اور چراغوں کے بجھانے وغیرہ کا بیان۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۱۰۷ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ اَوْ اَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَاِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَ اَغْلِقُوا الْاَبْوَابَ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُّغْلَقًا وَّ اَوْكُوْا قِرَبَكُمْ وَ اذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَ خَمِّرُوْا اٰنِيَتَكُمْ وَ اذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنْ تَعْرِضُوْا عَلَيْهِ شَيْئًا وَّ اَطْفِئُوْا مَصَابِيْحَكُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِیِّ قَالَ خَمِّرُوا الْاٰنِيَةَ

### پہلی فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب رات کا ابتدائی حصہ[1] ہو یا فرمایا[2] کہ جب تم شام کرو تو اپنے بچوں کو روکو[3] کیونکہ شام کے وقت شیطان کا لشکر[4] پھیل جاتا ہے، جب رات کی ایک ساعت گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو[5]۔ اور اللہ تعالٰی کا نام لے کر دروازے بند کر دو، کیونکہ شیطان بند دروازے[6] کو نہیں کھولتا، اپنے مشکیزوں کے منہ باندھ دو[7]۔ اپنے برتنوں[8] کو اللہ تعالٰے کا نام لے کر[9] ڈھانپ دو۔ اگرچہ برتن پر چوڑائی میں ہی لکڑی رکھ دو[10]، اور اپنے چراغ بجھا دو[11]۔ (صحیحین)

امام بخاری کی ایک روایت میں ہے شام کے

أَوْ أَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَ أَجِيفُوا
الْأَبْوَابَ وَ اكْفِتُوا صِبْيَانَكُمْ
عِنْدَ الْمَسَاءِ فَإِنَّ لِلْجِنِّ
انْتِشَارًا وَّ خَطْفَةً وَّ أَطْفِئُوا
الْمَصَابِيحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَإِنَّ
الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ
الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ
غَطُّوا الْإِنَاءَ وَ أَوْكُوا السِّقَاءَ
وَ أَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَ أَطْفِئُوا
السِّرَاجَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا
يَحُلُّ سِقَاءً وَ لَا يَفْتَحُ
بَابًا وَّ لَا يَكْشِفُ إِنَاءً
فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ
إِلَّا أَنْ يَّعْرِضَ عَلٰى إِنَائِهٖ
عُوْدًا وَّ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ
فَلْيَفْعَلْ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ
تُضْرِمُ عَلٰى أَهْلِ الْبَيْتِ
بَيْتَهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ
قَالَ لَا تُرْسِلُوْا فَوَاشِيَكُمْ
وَ صِبْيَانَكُمْ إِذَا غَابَتِ
الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ
الْعِشَاءِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يُبْعَثُ
إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى
تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ وَ فِيْ

وقت برتن ڈھانپ دو[12]۔ مشکیزوں کا منہ باندھ دو[13]۔ دروازے بند کر دو[14]۔ بچوں کو اپنے پاس جمع کر لو[15] کیونکہ جنات بکھر جاتے ہیں اور اچک لیتے ہیں[16]۔ سوتے وقت چراغوں کو بجھا دو، کیونکہ بعض اوقات چوہیا[17] بتی کھینچ لیتی ہے[18] اور گھر والوں کو جلا دیتی ہے[19]۔ امام مسلم کی ایک روایت میں ہے برتن ڈھانپ دو[20] مشکیزے کا منہ باندھ دو۔ دروازے بند کر دو کیونکہ شیطان بند مشکیزے کو نہیں کھولتا، بند دروازہ نہیں کھولتا اور برتن کا ڈھکنا نہیں اٹھاتا[21]۔ اگر تم میں سے کسی کو کوئی چیز نہ ملے، صرف اتنا کر سکتا ہو کہ اللہ تعالٰے کا نام لے کر برتن کے اوپر چوڑائی میں لکڑی رکھ دے تو ایسے ہی کرے[22]۔ کیونکہ چوہیا گھر والوں پر ان کے گھر کو بھڑکا دیتی ہے[23]۔

ان ہی کی ایک روایت میں ہے جب سورج غروب ہو جائے تو اپنے چارپایوں[24] اور بچوں کو کھلا نہ چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ رات کی ابتدائی سیاہی[25] چلی جائے کیونکہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان چھوڑ دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ رات کی یہ تاریکی جاتی رہے۔ ان ہی کی

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ غَطُّوا الْاِنَاۤءَ وَ اَوْكُوا السِّقَاۤءَ فَاِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاۤءٌ لَا يَمُرُّ بِاِنَاۤءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاۤءٌ اَوْ سِقَاۤءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاۤءٌ اِلَّا نَزَلَ فِيْهِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَبَاۤءِ ۔

ایک روایت میں ہے برتن ڈھانپ دو۔ مشکیزے کا منہ باندھ دو[۱۰]۔ کیونکہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وبار نازل ہوتی ہے۔ وہ جس کھلے منہ والے برتن یا مشکیزے پر گزرتی ہے تو اس کا کچھ حصہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

۱ جنح نیل جیم پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ابتداء شب، قاموس میں ہے جُنُوْحُ اللیل۔ رات کا آنا، رات کے ایک حصے کو بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ رات کا پہلا حصہ مراد ہے، اندھیروں کو بھی کہتے ہیں، آئندہ ارشاد کے قرینے کی بنا پر ابتدار شب کے اندھیرے مراد ہوں گے۔

۲ راوی کو شک ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ فرمایا یا اِذَا اَمْسَيْتُمْ یعنی جب تم شام کرو۔

۳ گھر سے باہر نکلنے اور گلی کوچوں میں گھومنے پھرنے سے۔

۴ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن وانسان، دونوں کے شیاطین مراد ہوں۔

۵ جائز ہے کہ بچوں کو چھوڑ دو اور انہیں اجازت دے دو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دو، جو چاہیں کریں، اگر باہر جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات اور شیاطین کا آدمیوں پر تصرف اور تسلط ہے خصوصًا بچوں پر کہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

۶ یعنی وہ دروازے جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بند کیے گئے ہوں، اگرچہ جنات اور شیاطین دروازوں اور دیواروں پر قدرت رکھتے ہیں اور ان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو ان کی مجال نہیں رہتی۔

۷ جن میں پانی ہے۔

۸ جن میں پانی ہے (یا کھانے پینے کی کوئی چیز ہے ۱۲ ق)

۹ اس بات پر ابھارنا مقصود ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے تاکہ اس کی برکتیں دنیا و آخرت کے تمام امور کو شامل ہوں۔

۱۰ برتن کے نہ ڈھانپنے پر جو ضرر مرتب ہوتی ہے اس سے بچنے اور کراہت کے دفع کرنے کے لیے اتنی مقدار ہی کافی ہے —— تعرضوا راء پر پیش باب نصر سے، اور اس کے نیچے زیر ہو تو باب ضرب سے، دونوں طرح

مستعمل ہے، اس معنیٰ میں پہلا استعمال زیادہ فصیح ہے۔ اسی طرح اصمعی سے منقول ہے۔

۱۱ جب سونے لگو ــــــــ حدیث کے اتنے الفاظ بخاری و مسلم میں مشترک ہیں۔ یہی مطلب دونوں کی الگ الگ روایات میں مختلف الفاظ سے بھی آیا ہے، جیسے کہ آئندہ عبارت میں آئے گا۔

۱۲ خَمِّرُوا آنِيَتَكُمْ کی جگہ خَمِّرُوا الْاٰنِيَۃَ۔

۱۳ اَوْكُوْا اَسْقِيَتَكُمْ کی جگہ اَوْكُوْا الْاَسْقِيَۃَ

۱۴ اَغْلِقُوْا کی جگہ اَجِيْفُوْا

۱۵ كَفْتٌ اپنے پاس کسی چیز کو جمع کرنا ــــــــ عِنْدَ الْمَسَاءِ شام کے وقت، ہو سکتا ہے اس کا تعلق تمام افعال کے ساتھ ہو۔ اس صورت میں وقت شام سے لے کر عشا تک پھیلا ہوا ہوگا، دروازہ بند کرنے اور برتن ڈھانپنے کا وقت، عشا کا وقت ہی ہے۔ اور اگر آخری فعل اَكْفِتُوا سے متعلق ہو جیسے کہ کلام کی روش سے معلوم ہوتا ہے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ حاصل مطلب یہ ہوگا کہ رات میں یہ تمام کام کرو، رات کی ابتدا میں بچوں کو اپنے پاس جمع کرو کیونکہ یہ جنات کے پھیلنے کا وقت ہے اور جب ایک گھڑی گزر جائے تو بچوں کو چھوڑ دو۔ اور باقی کام کرو، اس توجیہ کی بنا پر یہ روایت، صحیحین کی روایت کے مطابق ہو جائے گی۔

۱۶ بچوں کو اچک لیتے ہیں، اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے تاہم یہ امر واقع ہے، یا اس سے مراد ہوش و خرد کا چھین لینا۔ مکر کرنا اور کھیل کود میں مصروف کرنا، جن اور شیطان ایک ہی ہے۔ فاسق اور سرکش جنّوں کو شیطان کہتے ہیں، اسی طرح بعض علماء نے بیان کیا ہے۔

۱۷ فُوَيْسِقَۃٌ تصغیر ہے فَاسِقَۃٌ کی۔ اس سے مراد چوہیا ہے اور یہ ان پانچ جانوروں میں سے ایک ہے جن کا حرم شریف میں قتل کرنا جائز ہے۔ قاموس میں ہے فُوَيْسِقَۃٌ چوہیا کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بل سے آدمیوں کو نقصان پہنچانے اور فساد برپا کرنے کے لیے نکلتی ہے۔

۱۸ وہ چراغ سے فتیلہ کھینچ لیتی ہے اور گھر میں آگ لگا دیتی ہے۔ اجرّار، کھینچنا۔

۱۹ گھر کے ساز و سامان کی بات ہی کیا؟

۲۰ عَكْفُوا نقطے والی غین پر زبر۔

۲۱ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی برکت سے، دوسری احادیث اور اس حدیث کی روش کی بنا پر یہ قید مراد ہے جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

۲۲ جہاں تک ممکن ہو برتن کے ڈھانپنے میں کسی کوتاہی کا روادار نہ ہو، لکڑی کے چوڑائی میں رکھنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر کرنے کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برتن کو پوری طرح ڈھانپا نہیں جائے گا اس لیے

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کی تلافی کر دی گئی ہے۔

۲۳ یہ چراغ کے بجھانے کی وجہ ہے مزاماً آگ کا مشتعل کر دینا، یعنی چوہا گھر والوں پر گھر کو آگ کے ساتھ شعلہ زن کر دیتا ہے اور جلا دیتا ہے۔

۲۴ صراح میں ہے فواشی چراگاہ میں بکھری ہوئی بکریاں، حدیث شریف میں ہے۔ ضُمُّوْا فَوَاشِيَكُمْ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ (اپنی بکریوں کو جمع کر لو۔ یہاں تک کہ عشا کا اندھیرا جاتا رہے۔ اور رات گہری تاریک ہو جائے ۱۲ ق)

۲۵ فَحْمَةٌ مغرب اور عشاء کے درمیانی اندھیرے کو کہتے ہیں۔ عشاء سے لے کر صبح تک کے اندھیرے کو عَسْعَسَةٌ کہتے ہیں وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ کا اسی طرف اشارہ ہے۔

۲۶ اس روایت میں اِناء اور سِقاء لفظ مفرد کے ساتھ آئے ہیں اور ان سے جنس مراد ہے اور اس جگہ برتنوں کے ڈھانپنے اور مشکیزوں کے منہ باندھنے کی وجہ بیان فرمائی کہ فَإِنَّ فِي السَّنَةِ (اھ)

۴۱۰۸/۲ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ أَبُوْ حُمَيْدٍ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ مِنَ النَّقِيْعِ بِإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَّا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُوْدًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی[1] سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی مقام نقیع[2] سے دودھ کا ایک برتن[3] لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اسے ڈھانپا کیوں نہیں؟ اگرچہ اس پر چوڑائی میں لکڑی ہی رکھ دیتے[4]۔ (صحیحین)

۱ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

۲ نَقیع نون پر زبر، وادی عقیق میں ایک جگہ کا نام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خطے کو صدقے کے اونٹوں وغیرہ کے لیے محفوظ فرما دیا تھا تاکہ وہ وہاں رہیں اور چریں۔ بعض حضرات نے اسے بار کے ساتھ (بقیع) بھی پڑھا ہے۔ بقیع، مدینہ منورہ کا مشہور قبرستان ہے، یہ نامناسب تبدیلی ہے، صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

۳ ڈھانپنے بغیر۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا ڈھانپنے بغیر دودھ کا لانا ناگوار گزرا، اس لیے انہیں اس فعل پر ملامت اور توبیخ کے طور پر فرمایا: تم اسے ڈھانپ کر کیوں نہیں لائے؟

۴ یعنی کم از کم اتنا تو کرتے۔

۴۱۰۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ نہ رہنے دو[1] (صحیحین)

[1] خواہ بصورت چراغ ہو یا اس کے علاوہ، تاہم لٹکائی جانے والی قندیلوں کے روشن رہنے میں حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہے کیونکہ ان سے آگ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا، چونکہ علت منتفی ہے اس لیے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔ اسی طرح امام نووی نے فرمایا، بندۂ ضعیف راقم الحروف (شیخ محقق) کہتا ہے کہ اگر گھر میں آگ اس طرح محفوظ کر کے رکھی جائے کہ دوسری چیزوں کو لگنے کا خوف نہ ہو جیسے کہ سردیوں میں رات کے نوافل ادا کرنے کے ارادے سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد کے لیے گھر میں محفوظ طور پر رکھتے ہیں۔ تو اسی قیاس کے مطابق امید ہے ممنوع نہ ہو گی، امام قرطبی سے منقول ہے کہ اس باب کے اوامر و نواہی، مصلحت کی طرف راہنمائی کے قبیلے سے ہیں، یہ بھی احتمال ہے ندب اور استحباب کے لیے بھی ہوں خصوصاً جب کہ لوگ تعمیل حکم کا ارادہ کریں۔

۴۱۱۰ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَهْلِهٖ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَانِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ النَّارَ اِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَاِذَا نِمْتُمْ فَاَطْفِئُوْهَا عَنْكُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک گھر رات کے وقت جل کر گھر والوں پر گر گیا[1] اس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بتایا گیا[2] تو آپ نے فرمایا: یہ آگ تمہاری دشمن ہے، سوتے وقت اسے بجھا دیا کرو اور اپنے آپ سے دور کر دیا کرو[3] (صحیحین)

[1] اور انہیں بھی جلا دیا۔

[2] کہ ایسا عجیب واقعہ رونما ہوا ہے۔

[3] اسے اس حالت میں نہ چھوڑو کہ اس سے نقصان کا خوف ہو۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۱۱۱ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْکِلَابِ وَ نَہِیْقَ الْحَمِیْرِ مِنَ اللَّیْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّھُنَّ یَرَیْنَ مَا لَا تَرَوْنَ وَ اَقِلُّوا الْخُرُوْجَ اِذَا ھَدَاَتِ الْاَرْجُلُ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ یَبُثُّ مِنْ خَلْقِہٖ فِیْ لَیْلَتِہٖ مَا یَشَآءُ وَاَجِیْفُوا الْاَبْوَابَ وَ اذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَفْتَحُ بَابًا اِذَا اُجِیْفَ وَ ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ غَطُّوا الْجِرَارَ وَ اَکْفِئُوا الْاٰنِیَۃَ وَ اَوْکُوا الْقِرَبَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

## دوسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم رات کے وقت[۱] کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے رینگنے کی آواز سنو تو شیطان مردود سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگو، کیونکہ کتے اور گدھے وہ کچھ دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے اور جب پاؤں ٹھہر جائیں[۳] تو باہر کم نکلو کیونکہ رات کے وقت اللہ تعالٰی اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے[۴] پھیلا دیتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا نام لے کر دروازے بند کر دو کیونکہ اللہ تعالٰی کا نام لے کر بند کیے ہوئے دروازے کو شیطان[۲] نہیں کھول سکتا۔ گھڑوں کو ڈھانپ دو[۵]، برتنوں کو الٹا کر دو اور مشکیزوں کو باندھ دو۔ (شرح السنۃ)

[۱] رات کی تخصیص اتفاقی ہے ورنہ دن کا بھی یہی حکم ہے۔

[۲] شیطان اور اس کے لشکر کو۔

[۳] یعنی جس وقت لوگ گھر سے باہر نہیں آتے۔ پاؤں باہر نہیں رکھتے اور گلی کوچوں میں نہیں گھومتے۔ مطلب یہ کہ رات آرام اور سکون کا وقت ہے، اس لیے رات کے وقت باہر نہ نکلو۔

[۴] جنات کے شیطانوں، انسانوں، حیوانوں اور زمین کے موذی کیڑے کوڑوں کو۔

[۵] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قید ہر جگہ مراد ہے، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، اس جگہ متعدد روایات کے لانے سے حضرت مصنف کا یہی مقصد ہے کہ بعض روایات بعض کی تفسیر کرنے والی ہیں۔ جیسے کہ

بیان کرتے ہوئے ہم نے اس کی طرف اشارے کیے ہیں۔

۶ے جن میں پانی موجود ہو۔

۷ے خالی برتنوں کو الٹا کر دو تاکہ کوئی کیڑا مکوڑا اس کے ساتھ چمٹ نہ جائے اور اسے پلید نہ کر دے۔

۴۱۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتْ فَارَةٌ تَجُرُّ الْفَتِيْلَةَ فَأَلْقَتْهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُمْرَةِ الَّتِيْ كَانَ قَاعِدًا عَلَيْهَا فَاحْتَرَقَتْ مِنْهَا مِثْلَ مَوْضِعِ الدِّرْهَمِ فَقَالَ إِذَا نِمْتُمْ فَاطْفِئُوْا سُرُجَكُمْ فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ يَدُلُّ مِثْلَ هٰذِهٖ عَلٰى هٰذَا فَيُحْرِقَكُمْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چوہیا[۱] چراغ کی بتی کھینچ کر لائی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اس مصلّے[۲] پر پھینک دیا جس پر آپ تشریف فرما تھے۔ اس سے مُصلا ایک درہم کی مقدار میں جل گیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم سونے کا ارادہ کرو تو اپنے چراغ بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان ایسی چیز کی ایسے کام پر راہنمائی کرتا ہے اور تمہیں جلا دیتا ہے[۳]

(ابوداؤد)

لے فارۃ کا استعمال ہمزے کے ساتھ (فأرۃ) اور اس کے بغیر (فارۃ) دونوں طرح آیا ہے۔

۲ے خمرۃ نقطے والی خا پر پیش اور میم ساکن، چٹائی سے چھوٹا مصلا، جس پر ایک آدمی نماز ادا کرتا ہے۔

۳ے اس حیلے سے تمہارے جلانے کا سامان کر دیتا ہے۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوہیا کو اس فعل پر ابھارنے والا شیطان ہے جو انسانوں کا دیرینہ دشمن ہے اور تمام شر اور قباحتیں اسی کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت۔

حضرت مصنف اس باب میں تیسری فصل نہیں لائے اور یہ بھی نہیں کہا کہ یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے اس کی وجہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں[۱]۔

لے بابٌ فی اکل المضطر میں حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تیسری فصل کا لانا یا نہ لانا حضرت مصنف کا اپنا فعل ہے اور ان کے اختیار میں ہے، اس کے بیان کی نہ تو حاجت ہے اور نہ ہی ان کی عادت ہے۔ ہاں معانیح کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بتا دیں گے کہ اس باب میں پہلی فصل نہیں ہے۔ ۱۲ ق۔

# کِتَابُ اللِّبَاسِ

## ۱۹۔ لباس کا بیان

لِبَاسٌ مصدر ہے بمعنی ملبوس، جیسے کتابٌ بمعنی مکتوب ہے، یہ باب عَلِم سے ہے اور جو التباس کے معنیٰ میں ہے وہ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے آتا ہے، پہلے کا مصدر لُبْسٌ لام کے پیش کے ساتھ ہے اور دوسرے کا مصدر لَبْسٌ لام کی زبر کے ساتھ ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

(الف)

۴۱۱۳ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کپڑے کا پہننا[۱] سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے وہ دھاری دار یمنی کپڑا[۲] تھا۔

(صحیحین)

[۱] یعنی پہننے میں وہ سب سے زیادہ پسندیدہ کپڑا تھا، نہ کہ دوسرے مقاصد مثلاً کسی کو عطا کرنے اور بچھانے وغیرہ میں۔

[۲] اَلْحِبَرَۃُ بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، ایک نقطے والی باء پر زبر، بروزن عِنَبَۃٌ دھاری دار یمنی چادر، اسے حَبِیر بروزن جَبِیر بھی کہتے ہیں، یمن کا بہترین سوتی کپڑا، کہتے ہیں کہ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب تھا بعض شارحین نے کہا کہ اس میں سبز لکیریں ہوتی ہیں، اور وہ جنتی کپڑوں میں سے ہے، بعض علماء نے کہا کہ اس میں سرخ دھاریاں ہوتی ہیں، چونکہ وہ میل خورہ ہوتا ہے، اس لیے محبوب تھا۔

(ب) ۴۱۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ نے سیاہ بالوں

| | |
|---|---|
| وَ عَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ اَسْوَدَ۔ | کی اونی چادر زیب تن کی ہوئی تھی جس پر کجاوؤں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ |
| (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) | (مسلم) |

لہ مِرْط میم کے نیچے زیر، را ساکن، اون، بالوں، کتان یا خز کی چادر جسے بطور تہبند استعمال کیا جاتا ہے قاموس میں ہے اون یا خز کی چادر، نہایہ میں ہے مِرْط اون کی چادر ہوتی ہے اور کبھی خز وغیرہ کی بھی ہوتی ہے، علامہ کرمانی نے کہا مِرْط میم کے نیچے زیر، چادر یا سبز تہبند، مُرَحَّل بے نقطہ حا پر زبر، بروزن مُعَظَّم وہ چادر جس پر اونٹ کے کجاوے کی تصویریں ہوں، بعض محدثین نے اسے جیم کے ساتھ روایت کیا ہے (مُرَجَّل) یعنی جس پر مردوں کی تصویریں بنی ہوئی ہوں اور یہ مشکل ہے کیونکہ جس کپڑے پر انسانوں یا حیوانات کی تصویریں ہوں اس کا پہننا درست نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ حرام قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہو۔ بعض شارحین نے کہا کہ اس چادر پر لوہے کے دیگچوں کی تصویریں تھیں۔ امام نووی نے کہا کہ پختہ علم والے جمہور علماء نے جو روایت کی ہے وہ بے نقطہ حا کے ساتھ ہے (مُرَحَّل) مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخ جو ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں یہ حدیث نہیں ہے، لیکن مصابیح میں یہ حدیث موجود ہے، علامہ طیبی نے اس کی شرح کی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث اس جگہ موجود نہیں ہو گی۔ کیونکہ حضرت مصنف نے فصل کے آخر میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ کی وہ روایت جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح نکلے، اسے ہم باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لائیں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جگہ صرف اتنی حدیث ہی لائے ہوں جس میں کجاوے کی تصویر والی چادر کے پہننے کا ذکر ہے اور باب مناقب اہل بیت میں پوری حدیث لائے ہوں جو اہل بیت کے مناقب پر مشتمل ہو، یہ احتمال بھی بعید نہیں ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۱۱۴ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُّوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ۔ | حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آستینوں والا[۲] رومی جبہ زیب تن فرمایا۔ |
| (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) | (صحیحین) |

لہ اس کے آستین اتنے تنگ تھے کہ جب آپ وضو کرتے تو ہاتھ باہر نکال لیتے، اسی طرح حدیث میں آیا ہے یعنی اس کے آستین اتنے تنگ تھے کہ ہاتھ نکالے بغیر دھوئے نہیں جا سکتے تھے، یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ سفر میں جبہ استعمال فرمایا، بعض روایات میں شامی جبے کا ذکر ہے۔
سفر السعادۃ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبہ، قباء اور پیراہن پہنا ہے۔ قاموس میں ہے

اَلْجُبَّۃُ معروف کپڑا ہے، علامہ کرمانی نے کہا کہ مخصوص کپڑا ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے مشارق الانوار میں کہا کہ جُبّہ وہ کپڑا ہے جو کاٹ کر سیا جاتا ہے اور یہ بظاہر قبا اور پیراہن کو شامل ہے، اس سے اوپر لپیٹنے والی چادر اور پگڑی خارج ہو جائے گی اگرچہ اس مفہوم میں بھی خصوصیت ہے، لیکن اس کا قبا اور پیراہن کے ساتھ مقابلہ ایک دوسری خصوصیت کو چاہتا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہی تنگ آستینوں والا رومی جُبّہ مراد لیا جائے، اس صفت کے لحاظ سے قبا اور پیراہن کا مقابل واقع ہوگا۔ ورنہ رومی جو جبہ پہنتے ہیں تو وہ آدھے جسم کو ڈھانپتا ہے اور اس کے آستین تنگ ہوتے ہیں (جیسے جرسی ہوتی ہے ۱۲ ق) قبا کے بارے میں مشارق الانوار میں ہے کہ وہ عجم کا مشہور تنگ کپڑا ہے (مشارق) ظاہر یہ ہے کہ قبا میں سلا ہوا کپڑا ہے جس کا گریبان نہ ہو اور قمیص وہ ہے جس کا گریبان ہو، یہ مطلب، کلام قاموس سے سمجھا جاتا ہے انہوں نے کہا قَبْوٌ کا معنی لغت میں دو ہونٹوں کا آپس میں انضمام اور چمٹ جانا ہے۔ اسی سے قبا مشتق ہے، قبا کپڑے کی ایک قسم کو کہتے ہیں، ابن الاثیر نہایہ میں کہتے ہیں کہ قَبْوٌ کپڑے کا ٹکڑا جو دوسرے ٹکڑے پر چسپاں کیا گیا ہو۔

۴۱۱۵ (۲) وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَّ اِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ہمیں پیوند لگا ہوا کمبل[1] اور موٹا تہبند[2] نکال کر دکھایا اور کہا کہ ان دو کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح انور قبض کی گئی۔

(صحیحین)

[1] وہ کمبل جو پیوندوں کی کثرت کی بنا پر نمدے کی طرح ہو جائے۔

[2] وہ چادر یا تو پیوندوں کی کثرت کی بنا پر موٹی تھی یا اس کا کپڑا ہی موٹا تھا۔

۴۱۱۶ (۳) وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ عَلَیْہِ اَدَمًا حَشْوُہٗ لِیْفٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوتے تھے وہ رنگے ہوئے چمڑے کا تھا اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے[1]

(صحیحین)

[1] غلاف کے درمیان جہاں روئی ہوتی ہے، اس کی جگہ کھجور کے پتے تھے۔

۴۱۱۷ (۵) وَعَنْھَا قَالَتْ کَانَ وِسَادُ

ان ہی سے روایت ہے کہ جس تکیے پر رسول اللہ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ یَتَّکِئُ عَلَیْہِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُہٗ لِیْفٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹیک لگایا کرتے تھے وہ رنگے ہوئے چمڑے کا تھا اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے[1] (صحیحین)

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور آرام کرنے کے لیے بستر تیار کرنا اور تکیے پر ٹیک لگانا اور اس سے آسودگی حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس طرح کہ نہ تو فضول خرچی ہو اور نہ ہی عیش و عشرت میں انہماک ہو۔ خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکیہ پسند فرماتے تھے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے، اور فرمایا: اگر کوئی شخص خوشبو اور تکیہ پیش کرے تو اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ ان احادیث اور ان جیسی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا طریقہ دنیا سے بے نیازی، ساز و سامان اور اس کی لذتوں سے اعراض اور سخت اور کھردرے قسم کے کپڑے پہننا تھا، اسی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء ہے۔

محدثین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جو لباس حاضر اور میسر ہوتا پہن لیتے اور تکلف سے کام نہ لیتے۔ کبھی بیانِ جواز کے لیے نفیس اور قیمتی کپڑا پہنتے اور جلد ہی کسی کو عطا فرما دیتے، عمدہ کپڑوں کے پہننے کو عادت بنا لینا اور اس میں تکلف سے کام لینا خلافِ سنت ہے، اگرچہ اس میں اصلِ اباحت موجود ہے، اور اگر کھردرا اور پرانا کپڑا بخل اور خست کی بنا پر یا زہد کے اظہار کے لیے پہنا جائے یا لوگوں سے امداد کی طمع اور ان سے سوال کرنے کے لیے دکھلاوے اور ریاکاری کے طور پر پہنا جائے تو یہ بھی کچھ نہیں ہے، بہت سے اصحاب خیر و دیانت اپنا حال چھپانے، سوال سے باز رہنے اور غنا کے اظہار کے لیے نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور اپنے آپ کو اغیار کی نگاہوں سے چھپاتے ہیں: خلاصہ یہ کہ جن کپڑوں کے پہننے میں اسراف، بخل اور تکبر پیش نظر نہ ہو ان میں حرج نہیں ہے، بیانہ روی ہر جگہ مستحسن ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں، شرح سفر السعادۃ کے اس باب میں اس سے زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ وہاں دیکھی جائے۔

۴۱۱۸ وَعَنْھَا قَالَتْ بَیْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِیْ بَیْتِنَا فِیْ حَرِّ الظَّھِیْرَۃِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِیْ بَکْرٍ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا مُتَقَنِّعًا بِطَرْفِ رِدَائِہٖ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

انہی سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ ہم دوپہر کی گرمی میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق کو کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنی چادر کے کنارے کے ساتھ سر مبارک ڈھانپے[2] ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (بخاری)

۱؎ یعنی مکہ مکرمہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں۔
۲؎ تَقَنُّع اور قِنَاع کا معنیٰ یہ ہے کہ چادر کے ساتھ سر ڈھانپ لیا جائے اور اس کا کنارہ کندھے پر ڈال لیا جائے اسے تَطَلُّس بھی کہتے ہیں۔

یہ حدیث، ہجرت کا ایک حصہ ہے، بیعت العقبہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت اور مکہ مکرمہ سے روانگی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق آپ سے اس سفر میں رفاقت اور صحبت کی درخواست کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ اگر حکم اسی طرح ہوا تو ایسا ہی ہوگا، اچانک ہجرت کا حکم ہوا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابو بکر کے گھر تشریف لے گئے اور اطلاع دی کہ ہجرت اور روانگی کا حکم آچکا ہے، تم ہمارے ہم سفر ہوگے۔ چنانچہ رات کے وقت، حضرت ابو بکر صدیق کے گھر کی دیوار کی کھڑکی سے نکل کر مکہ معظمہ کے بائیں حصے میں واقع جبل ثور کی طرف روانہ ہوئے اور اس کی غار میں قیام کیا۔ بعد ازاں روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر پر کپڑا لیا۔ بعض لوگوں نے اس جگہ اختلاف کیا ہے اور اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ وقتِ ضرورت کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً سورج کی تپش، ہوا کی سردی وغیرہ کی بنا پر، امام مالک کا میلان بھی اسی طرف ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سر مبارک پر کپڑا اسی لیے لیا تھا کہ دوپہر کی گرمی تھی یا اس لیے کہ کوئی پہچان نہ لے، کیونکہ آپ ان دنوں پوشیدہ طور پر رہتے تھے، خصوصاً اس وقت جب کہ آپ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو رہے تھے پوشیدہ رہنے کی زیادہ حاجت تھی۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ سر پر کپڑا لینا مطلقاً جائز ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس طرح کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے کَفُّ اللِّسَانِ عَنْ ذَمِّ الطَّيْلَسَانِ (چادر اوڑھنے کی مذمت سے زبان کو روکنا) اور اس میں وہ احادیث اور آثار لائے ہیں جن سے چادر اوڑھنے کی تعریف معلوم ہوتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بعض صحابہ کرام اور تابعین کا چادر اوڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ امام بیہقی، شعب الایمان میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چادر کی تعریف میں فرمایا: یہ ایسا کپڑا ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے، دن کے وقت سر کو چادر کے ساتھ ڈھانپنا بچاؤ ہے۔ اور رات کے وقت زینت ہے، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چادر کا اوڑھنا عربوں کا لباس ہے اور سر کا ڈھانپنا ایمان کا لباس ہے۔

امام ترمذی اور دیگر محدثین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بکثرت سر مبارک کپڑے سے ڈھا پنتے تھے، یہاں تک کہ آپ کا کپڑا تیلی کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ آپ سر مقدس تیل سے تر رکھتے تھے اس لیے کپڑا بھی تر ہو جاتا تھا۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس سے وہ کپڑا مراد ہے جو تیل لگانے کے بعد سر پر رکھا جاتا ہے۔ تاکہ دستار تر نہ ہو جائے اور تحقیق یہ ہے کہ اس جگہ تقنع سے مراد چادر اوڑھنا ہی ہے۔ اسی طرح فتح الباری میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب معتکف نماز جمعہ کے لیے مسجد سے باہر آئے تو اپنا سر ڈھانپ لے۔ امام حاکم، شیخین کی شرط پر حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ایک فتنے اور اس کے عنقریب واقع ہونے کا ذکر فرما رہے تھے۔ اچانک وہاں سے ایک صاحب کپڑے سے سر ڈھانپے ہوئے گزرے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن یہ شخص راہ راست پر ہوگا۔ میں اٹھا تاکہ دیکھوں کہ وہ کون صاحب ہیں؟ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ظاہر یہی ہے کہ آپ کی شہادت کا فتنہ مراد ہے جس میں اہل مصر ملوث اور مبتلا ہوئے، امام المسلمین حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ انہیں اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا گیا کہ انہوں نے کپڑے سے سر ڈھانپ رکھا تھا۔ حالت نماز کے علاوہ بھی ان کا سر ڈھانپنا مروی ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے احوال میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ چادر استعمال کرتے تھے اور سر ڈھانپتے تھے۔

۴۱۱۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ. فِرَاشٌ لِّلرَّجُلِ وَ فِرَاشٌ لِاِمْرَاَتِہٖ وَ الثَّالِثُ لِلضَّیْفِ وَ الرَّابِعُ لِلشَّیْطٰنِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ ایک بستر مرد کے لیے، ایک اس کی بیوی کے لیے۔ تیسرا مہمان کے لیے[1] اور چوتھا شیطان کے لیے[2] (مسلم)

[1] یعنی اگر میسر ہوں تو آدمی کے پاس تین بستر ہونے چاہیں۔ ایک خود اس کے لیے، دوسرا اس کی بیوی کے لیے کہ ہو سکتا ہے وہ بیماری یا کسی عذر کی بنا پر الگ سوئے، اگرچہ بیوی کے ساتھ سونا زیادہ محبوب اور سنت کے زیادہ موافق ہے، تیسرا بستر مہمان کے لیے جو آئے اور رات بھی اسی جگہ گزارے، یہ تین بستر ہی کافی ہیں۔ اس سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا۔

[2] یعنی اگر چوتھا بستر ہو تو وہ شیطان کے لیے ہے۔ شیطان کی طرف نسبت اس لیے کہ وہ مقدار حاجت

سے زیادہ ہے اور فخر و تکبر کا باعث ہے لہٰذا مذموم ہے اور ہر مذموم شیطان کی طرف منسوب ہے، یا اس لیے کہ چونکہ اس کی حاجت نہیں ہے اس لیے شیطان اس میں رات اور دوپہر گزارے گا۔ ہاں اگر کسی صاحب جود و کرم کے پاس زیادہ مہمان آتے ہوں تو ظاہر یہ ہے کہ بستروں اور دیگر ساز و سامان کی زیادتی مذموم نہ ہوگی۔ مذموم وہی ہے جو فخر اور تکبر کے لیے رکھا جائے۔

۴۱۲۰ / ۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو ازراہِ تکبر[۱] اپنی چادر گھسیٹے۔ (صحیحین)

[۱] جو ازراہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری چادر گھسیٹے، اس قدر سے معلوم ہوا کہ اگر اس طرح نہ ہو تو حرام نہیں ہے، تاہم مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر کسی عذر مثلاً بیماری یا سردی کی بنا پر ہو تو چاہیے کہ مکروہ نہ ہو، جیسے کہ تیسری فصل میں بھی آئے گا۔

۴۱۲۱ / ۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا کپڑا بطور تکبر[۱] گھسیٹے، اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر عنایت نہیں فرمائے گا۔ (صحیحین)

[۱] خُیَلاء خاء پر پیش، یاء پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، تکبر، سرکشی، مَخِیلَۃ میم پر زبر، خاء کے نیچے زیر اور یاء ساکن، کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

۴۱۲۲ / ۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَجُرُّ اِزَارَهٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِهٖ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حال میں کہ ایک شخص ازراہِ تکبر اپنی چادر گھسیٹ رہا تھا اسے زمین میں دھنسا دیا گیا، پس وہ زمین میں نیچے جا رہا ہے[۱]

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ ۔۔۔ قیامت کے دن تک۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) ۔۔۔ (بخاری)

لہ جَلْجَلَۃ "اضطراب اور آواز کے ساتھ حرکت، ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اس امت کا فرد ہو کہ اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آئے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ شخص سابقہ امتوں میں سے ہو جو اس حال میں گرفتار ہوا۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اسی لیے امام بخاری اس حدیث کو بنی اسرائیل کے ذکر میں لائے ہیں۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ بعض شارحین نے کہا کہ اس سے مراد قارون ہے۔

۴۱۲۳/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو[لہ] وہ دوزخ کی آگ میں ہے۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) ۔۔۔ (بخاری)

لہ یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ:۔ خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے۔ اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیے جاتے ہیں۔ سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا دیہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلافِ سنت ہے۔ اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے۔ اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر عام ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لیے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لیے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے۔ تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔

۴۱۲۴
۱۲

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّاْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ اَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّآءَ اَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ كَاشِفًا عَنْ فَرْجِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے[1] یا ایک جوتے میں چلے[2] اور اس بات سے منع فرمایا کہ ایک کپڑے میں لپیٹ جائے[3] یا ایک کپڑے میں اکڑا دں بیٹھے[4] شرمگاہ کھولے ہوئے۔ (مسلم)

[1] کیونکہ یہ شیطان کی عادت ہے۔

[2] کیونکہ یہ وقار کے خلاف، قبیح اور لوگوں کی ہنسی کا باعث ہے اور جوتا بلند ہو تو پاؤں کے پھسلنے اور زمین پر گرنے کا سبب بھی بنے گا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جسم کے نچلے حصے کے بعض اعضاء میں بیماری کے پیدا ہونے کا سبب بھی بنتا ہے۔

[3] اشتمالِ صمّاء کا معنیٰ یہ ہے کہ اوڑھنے والی چادر اس طرح پہنی جائے کہ تمام جسم کو ڈھانپ لے، ہاتھ بھی اندر رہیں، کسی طرف سے کپڑا نہ اٹھائے تاکہ ہاتھ باہر نکالے جا سکیں، اس پہننے کو صمّاء اس لیے کہتے ہیں کہ تمام راستے اور سوراخ بند کر دیے جاتے ہیں۔ چنانچہ صخرۂ صمّاء اس سخت پتھر کو کہتے ہیں جس میں شگاف بالکل نہ ہو۔ صمم (ص۔م۔م) کے مادے میں بھاری اور بند ہونے کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ علامہ طیبی نے ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک اشتمالِ صمّاء یہ ہے کہ ایک کپڑے میں تمام جسم لپیٹ لیا جائے، دوسرا کپڑا پاس نہ ہو، پھر ایک جانب سے کپڑا اٹھا کر کندھے پر رکھ لے اور شرمگاہ برہنہ ہو جائے۔ امام ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ

اشتمالِ صمّاء نماز میں مکروہ ہے اور وہ یہ کہ تمام جسم ایک کپڑے میں لپیٹ لیا جائے اور ہاتھ نکالنے کے لیے بھی کوئی سوراخ نہ رہنے دیا جائے۔ امام محمد کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس نے تہبند نہ پہنا ہو، دیگر ائمہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

۴؎ احتباء یہ ہے کہ دونوں سُرینوں پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کر لے اور اپنی پشت اور گھٹنوں کے گرد کپڑا لپیٹ لے یا دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں کے گرد حلقہ بنا لے، اگر اس کے پاس صرف ایک چادر ہو اور اس طریقے سے بیٹھے تو لازماً ستر کھلا رہ جائے گا۔ اس بنا پر اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، اور اگر کشفِ عورت نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کعبہ مقدسہ کے سامنے بطورِ احتباء تشریف فرما ہوئے ہیں۔ چادر کے ساتھ بھی اور ہاتھوں کے ساتھ بھی، حرم شریف کے اندر اور باہر عربوں کے بیٹھنے کا عام طور پر یہی انداز ہے اور جس کپڑے کے ساتھ احتباء کیا جاتا ہے اسے حُبْوَہ کہتے ہیں حا پر پیش اور با ساکن۔ اور اگر ایک ہی چادر ہو لیکن اتنی وسیع ہو کر احتباء کرنے سے ستر نہ کھلے تو جائز ہے۔

۴۱۲۵ وَعَنْ عُمَرَ وَ اَنَسٍ وَّ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَ اَبِيْ اُمَامَةَ [۱۳] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْاٰخِرَةِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر، انس، ابن زبیر اور ابو امامہ [۱] رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔ [۲] (صحیحین)

۱؎ یہ حدیث چار صحابیوں سے مروی ہے۔ رضی اللہ عنہم

۲؎ (مرد کے لیے) ریشم کا پہننا حرام ہے، ہاں چار انگشت کے برابر جائز ہے، اسی طرح علاج کے لیے پہننا بھی جائز ہے۔ جیسے کہ عنقریب آئے گا۔

۴۱۲۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ [۱۴] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَّا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں صرف وہی ریشم پہنتا ہے جس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں [۱]۔ (صحیحین)

لہ یعنی جس کے لیے آخرت کی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ہے، یا آخرت کے عقیدے سے کوئی حصہ نہیں ہے یا آخرت میں ریشم پہننے کا کوئی حصہ نہیں ہے، جیسے کہ گزشتہ حدیث میں فرمایا کہ وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔

۴۱۲۷ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْرَبَ فِيْ اٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَ الذَّهَبِ وَ اَنْ نَاْكُلَ فِيْهَا وَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَ الدِّيْبَاجِ وَ اَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتن میں کھانے اور پینے۔ ریشم اور دیباج لہ کے پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

لہ ریشم کی ایک خاص اور معروف قسم (موٹا ریشم)

۴۱۲۸ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ سِيَرَاءُ فَبَعَثَ بِهَا اِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ لَمْ اَبْعَثْ بِهَا اِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا اِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا اِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار ریشمی چادروں کا جوڑا لہ بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے بھجوا دیا جو میں نے پہن لیا، میں نے آپ کے چہرۂ انور میں ناراضگی کے آثار محسوس کیے ۲ آپ نے فرمایا: ہم نے یہ جوڑا تمہیں پہننے کے لیے نہیں بھجوایا تھا بلکہ اس لیے بھجوایا کہ تم اسے پھاڑ کر عورتوں کے دوپٹے بنا دو۔ (صحیحین)

لہ حلہ تہبند اور اوپر لینے والی چادر کے جوڑے کو کہتے ہیں، سیراء سین کے نیچے زیر، یا پر زبر، اس کے بعد راء، آخر میں الف ممدودہ۔ دھاری دار چادر جس میں ریشم مکس ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ خالص ریشم ہوتا ہے تسییر کا معنی لغت میں عورت کا اپنی انگلیوں پر خضاب سے لکیریں بنانا ہے۔
۲ کیونکہ ظاہر یہ تھا کہ وہ جوڑا پہننے کے لیے بھجوایا گیا تھا۔

۳؎ شارحین نے فرمایا کہ ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نہ سوچا کہ یہ متقیوں کا لباس نہیں ہے چہ جائیکہ ان جیسی شخصیت پہن لے، اگرچہ خالص ریشم نہ ہو بلکہ مکس ہو، اس کے باوجود ایسی شخصیت کے پہننے کے لائق نہ تھا، لہٰذا اسے عورتوں میں تقسیم کر دینا چاہیے تھا۔

۴؎ ایک روایت میں بَیْنَ النِّسَاءِ کی جگہ بَیْنَ الْفَوَاطِمِ آیا ہے۔ فواطم جمع ہے۔ فاطمہ کی امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر میں کئی فاطمائیں جمع تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور لختِ جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۲) فاطمہ بنت اسد بن ہاشم، ابوطالب کی بیوی، حضرت علی، جعفر، اور عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور طالب کی والدہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میری ماں کے بعد ماں ہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں۔ (اسلام میں) وہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے ہاشمی مرد کے ہاشمی بچے جنے۔

(۳) فاطمہ بنت سید الشہداء امیر حمزہ بن عبدالمطلب۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

بعض شارحین نے کہا کہ تیسری فاطمہ، ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی صاحبزادی ہیں جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئی تھیں، پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت نبوت، سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عطا فرمایا زیادہ ظاہر اور زیادہ قریب ہے۔

۴۱۲۹/۱۷ وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَ السَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ فِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَنَّهٗ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ اِلَّا مَوْضِعَ اِصْبَعَيْنِ اَوْ ثَلٰثٍ اَوْ اَرْبَعٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا، مگر اتنا اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر بلند کیا۔

(صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا مگر دو یا تین یا چار انگلیوں کی مقدار۔

لہ ھکذا داتے) کے اضافے کی تعیین اور ریشم پہننے کی جائز مقدار بیان کرنے کے لیے ـــــــ یعنی اگر لباس میں اتنا ریشم ہو تو جائز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (مرد کے لیے) دو انگلی کی مقدار ریشم جائز ہے۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ بھی چار انگشت تک جائز ہے۔

ٹہ جابیہ پہلے جیم پھر با اس کے بعد یار، ملک شام کا ایک شہر۔

ٹہ ہو سکتا ہے کہ ایک وقت دو انگلی سے زیادہ ریشم کا استعمال جائز نہ ہو، بعد ازاں چار انگشت تک کی اجازت دے دی۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چار انگشت سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ احناف کا بھی یہی مذہب ہے اتنی مقدار سے مراد یہ ہے کہ ایک جگہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ تمام کپڑے سے اگر جمع کریں تو چار انگشت تک پہنچے۔

۴۱۳۰/۱۸ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَ فَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَ قَالَتْ هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَلْبَسُهَا وَ نَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جُبہ نکالا جسے طیالسہ کسروانیہ کہتے ہیں۔ اس کے گریبان پر ریشم لگا ہوا تھا اور اس کے دونوں دامنوں پر ریشم کی پٹی لگی ہوئی تھی اور کہنے لگیں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جُبہ ہے۔ حضرت عائشہ کے پاس تھا، جب ان کا وصال ہو گیا تو میں نے لے لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے۔ ہم اسے بیماروں کے لیے دھوتے ہیں اور ان کے لیے شفا طلب کرتے ہیں۔ (مسلم)

لہ طیالسۃ جمع ہے طیلسان کی جس کا معنیٰ چادر ہے۔ طیلسان لام پر زبر، بعض علماء نے کہا کہ لام پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، تالسان سے عربی بنایا ہوا لفظ ہے۔ بعض شارحین نے کہا بلکہ یہ طیلس کی جمع ہے اور یہ طیلسان میں ایک لغت ہے۔ یہ سیاہ اور گول جبہ ہوتا ہے جس کا تانا بانا دونوں اون کے ہوتے ہیں، کسروانیہ کسریٰ کی طرف نسبت ہے جس کے کاف پر زبر اور زیر پڑھ سکتے ہیں۔ کسریٰ خسرو سے عربی بنایا ہوا لفظ ہے، ایران کے بادشاہ کا لقب، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے کسروی کہتے ہیں اور کسروانی الف اور نون کی زیادتی کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔

ﮯ۲ لَبِنَۃٌ "لام کے نیچے زیر، با رساکن، کپڑے کا وہ ٹکڑا جو قمیص کے گریبان پر لگایا جاتا ہے۔

ﮯ۳ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس جُبّے کے دو دامن دیکھے ایک اگلا اور دوسرا پچھلا، جیسے کہ عادت ہے کہ بعض جُبّوں کے اگلے پچھلے ہر دامن میں شگاف ڈال دیتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہر دامن پر ریشمی پٹی لگی ہوئی تھی، اصل میں مکفوف کا معنیٰ ہے کنارے والی چیز، کُفَّۃ کاف پر پیش، کسی بھی چیز کا کنارہ، اگر مستطیل ہو تو اس کے کنارے کو کاف کے پیش کے ساتھ کُفَّۃ کہتے ہیں۔ اور اگر گول ہو تو کاف کی زیر کے ساتھ (کِفَّۃ) کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں ترازو کا کِفَّۃ اور اسے تو زبر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس جبے کے گریبان اور دامن پر ریشم کی پٹی لگا کر سلائی کی گئی تھی، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مکفوف کا یہی معنیٰ ہے۔ اگرچہ حدیث میں صرف دو دامنوں کے کنارے کا ذکر ہے۔

ﮯ۴ ظاہر یہ ہے کہ یہ جُبّہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وراثت میں ملا ہوگا کیونکہ دونوں آپس میں بہنیں ہیں، اور ان کے علاوہ حضرت عائشہ کا کوئی وارث نہ تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے دوسرے افراد حضرت عائشہ سے پہلے وصال فرما چکے تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

ﮯ۵ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے اس جُبّہ کو نکالنے اور لوگوں کو دکھانے کا مقصد تحدیث نعمت اور اس جُبّہ شریفہ کے ان کے پاس موجود ہونے کی برکت کا اظہار تھا۔ وہ بتانا چاہتی تھیں کہ اس کپڑے کا استعمال (مرد کے لیے بھی) جائز ہے جس کے کنارے پر ریشم سلا ہوا ہو، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا پہنا ہے۔

سوال:۔ دوسری فصل میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بحوالہ ابوداؤد آرہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم وہ قمیص نہیں پہنتے جس کے کناروں پر ریشم لگا ہوا ہو، حضرت اسماء کی روایت اس حدیث کے منافی ہے۔

اس اشکال کا جواب چند طرح سے دیا گیا ہے

۱۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ قمیص کے کنارے پر مقدار رخصت چار انگشت سے زیادہ ریشمی کپڑا لگا ہوا ہوگا۔ اور اس حدیث میں اس سے کم ہوگا۔

۲۔ حضرت عمران کی حدیث میں ورع اور تقویٰ کا بیان ہوگا۔ اور حضرت اسماء کی حدیث میں جواز اور اباحت کا بیان ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ قمیص میں رواج یہی ہے کہ جبّہ کی نسبت زیب و زینت زیادہ ہوتی ہے، یہ قول لائق توجہ نہیں ہے کہ ان میں سے ایک حدیث دوسری کے لیے ناسخ ہے، کیونکہ نسخ کا قول کرنے کے لیے تاریخ معلوم ہونی چاہیے جس سے پتا چلے کہ ناسخ، منسوخ سے موخر ہے، محض ظن و تخمین کی بنا پر نسخ کا قول نہیں کیا

جا سکتا، نیز حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جُبّہ نکال کر دکھایا جس سے ان کا مقصد جواز اور اباحت کا بیان کرنا تھا جیسے کہ شارحین نے بیان کیا، اگر جواز منسوخ ہوتا تو یہ استدلال جائز نہ ہوتا۔ ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ حضرت اسماء کو نسخ کا علم نہ تھا انہوں نے اپنے خیال کے مطابق جُبّہ مبارکہ دکھا دیا۔ یہ توجیہ بہت بعید ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محض تبرک کے اظہار کے لیے جُبّہ مبارکہ دکھایا تھا۔ یہ بیان کرنا مقصود نہ تھا کہ ایسا کپڑا پہننا جائز ہے، ہاں حضرت عمران کی حدیث کے منسوخ ہونے کا قول کیا جا سکتا ہے تاہم تاریخ معلوم ہونی چاہیے، اشکال کا جواب دینے کے لیے بطور احتمال کہا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں میں سے ایک حدیث منسوخ ہو۔

۴۱۳۱ / ۱۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور عبدالرحمان بن عوف[1] کو ریشم پہننے کی اجازت دی کیونکہ وہ کھجلی[2] میں مبتلا تھے (صحیحین)

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں حضرات نے جوں[3] کی شکایت کی تو آپ نے انہیں ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دی۔

۱؎ دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ یہ خارش جوں کی زیادتی کی بنا پر تھی جیسے کہ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

۳؎ قمل قاف پر زبر اور میم ساکن، جوں، اس کی جمع قُمَّل ہے۔ قاف پر پیش، زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ میم مشدد مضموم۔ یہ شکایت ان دونوں حضرات نے ایک غزوہ میں کی تھی ——— خیال رہے کہ خارش کا سبب چبھنے والے تیز بخارات ہیں، خشک خارش کا سبب جلے ہوئے صفرا کا خون میں مخلوط ہو جانا ہے اور تر خارش کا سبب بلغم شور (نمکین) کا خون میں مل جانا ہے۔ اکثر طور پر یہ نمکین، میٹھی چیزوں اور گرم سبزیوں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج طب کی کتابوں میں مذکور ہے، بعض اوقات جوؤں کی کثرت کی بنا پر بھی ہو جاتی ہے۔ شارحین کہتے ہیں کہ ان دونوں صحابیوں کو جوؤں کی زیادتی کی وجہ سے خارش تھی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس خارش کا علاج ریشمی کپڑے کے پہننے سے کیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ریشم کے خواص میں سے دل کو تقویت اور

فرحت دیتا ہے۔نیز سوداء اور اس سے پیدا ہونے والی بیماریوں کو دفع کرتا ہے اور یہ گرم تر ہے۔بعض اطباء کے مطابق معتدل ہے اس میں خشکی اور کھردرا پن بالکل نہیں ہوتا اس لیے خارش وغیرہ امراض کے لیے مفید ہوتا ہے، چونکہ ملائم ہوتا ہے اس لیے اس میں جوں نہیں ٹھہر سکتی، موجز میں ہے کہ ریشم گرم اور فرحت بخش ہے، اور اس کا پہننا جوں کو روکتا ہے، اس کی شرح میں ہے کہ ابن سینا اسے امراض قلب کی دواؤں میں لائے ہیں، یہ بھی کہا کہ ریشم درجۂ اول میں گرم خشک ہے، چونکہ گرم ہے اس لیے اس کی خاصیت لطیف بناتا ہے۔اور چونکہ خشک ہے اس لیے اس کی خاصیت خشک کرنا ہے۔صاحب تقویم نے کہا کہ گرم تر ہے، اور گمان یہ ہے کہ رطوبت اور یبوست کے اعتبار سے معتدل ہے۔چونکہ یہ جوہر روح کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتا ہے۔اس لیے قوی مفرحات میں سے ہے، جسم کو موٹا کرتا ہے، اس لیے نہیں کہ جسم اس سے غذا حاصل کرتا ہے بلکہ اس لیے کہ روح طبعی کو غذا میں تصرف کرنے میں قوی کرتا ہے۔(موجز کی) ایک دوسری شرح میں ہے کہ ریشم کے پہننے سے جوؤں کے پیدا ہونے والے انڈے بیکار ہو جائیں گے اور ان سے بچے پیدا نہیں ہوں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کا پہننا (مرد کے لیے) حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی حاجت یا مصلحت مثلاً خارش، جوں یا سردی اور گرمی ہو تو اس کا پہننا جائز ہے۔یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔امام مالک کے نزدیک بالکل جائز نہیں ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک جنگ میں ریشم اور دیبا کا پہننا جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ ہتھیار کی سختی کو دور کرنے والا اور دشمن کی نظر میں ہیبت قائم کرنے والا ہے۔اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ نہی مطلق وارد ہوئی ہے اور حاجت مکس کپڑے سے دور ہو جاتی ہے۔(مثلاً تانا ریشم ہو اور بانا سوتی ہو) صاحبین کہتے ہیں کہ خالص ریشم زیادہ دفع کرنے والا ہے۔

۴۳۲/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ اَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ اَحْرِقْهُمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ پر عصفر سے رنگے ہوئے دو (سرخ) کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کپڑے کافروں کے کپڑوں کی جنس سے ہیں[۱]۔ تم انہیں نہ پہنو، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ کیا انہیں دھو ڈالوں[۲]؟ فرمایا بلکہ انہیں جلا دو[۳]۔

(مسلم)

۱؎ اور ان کا پہننا کافروں کے لائق ہے۔

۲؎ حضرت عبداللہ بن عمرو نے عرض کیا کہ کیا ان کپڑوں کو دھو کر ان کا رنگ اتار دوں؟

۳؎ شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ان کپڑوں کو جلا دینے کا حکم دیا تو اس سے مراد شدید تاکید تھی کہ ان کپڑوں کو جیسے بھی ہو سکے بیع یا ہبہ کے ذریعے اپنی ملکیت سے نکال دو، اور اپنے آپ سے جدا کر دو، دھونے کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ عصفر سے رنگا ہوا کپڑا اگرچہ مردوں کے لیے حرام اور مکروہ ہے لیکن عورتوں کے لیے مکروہ نہیں ہے۔ لہٰذا کپڑوں کو دھو کر ان کا رنگ اتارنے میں مال کا ضائع کرنا ہے، اس لیے عورتوں کو دے دو۔ یا بیچ دو یا کسی کو ہبہ کر دو۔ تاکہ دوسری عورتیں ان سے نفع حاصل کریں، ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو نے ظاہر امر کے پیش نظر جا کر ان کپڑوں کو جلا دیا۔ دوسرے دن دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال بیان کی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے وہ کپڑے اپنے گھر والوں کو کیوں نہ پہنا دیے؟ کیونکہ یہ کپڑے عورتوں کو پہننا جائز ہے، اس روایت کے قرینہ کی بنا پر جلانے کو خلاف ظاہر پر محمول کیا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ جلانے کے حکم سے مراد بطور مبالغہ یہ ہے کہ اس رنگ کے آثار کو ختم کر دیا جائے، یہ مطلب روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔

تنبیہ:۔ عصفر کے رنگے ہوئے (سرخ) کپڑوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض انہیں مطلقاً حرام کہتے ہیں بعض مباح کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر کپڑا بننے کے بعد رنگ دیا گیا ہو تو حرام ہے۔ اور اگر کپڑا بننے سے پہلے رنگ دیا گیا ہو تو جائز ہے، بعض علماء نے کہا کہ اگر اس رنگ کی بو زائل ہو گئی ہو تو جائز ہے۔ ورنہ حرام ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ محافل اور مجالس میں اس کا پہننا مکروہ ہے اور اگر گھر میں پہنے تو جائز ہے، مذہب حنفی میں مختار یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اسے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ عصفر کے علاوہ اگر کسی چیز سے کپڑے کو سرخ رنگ دیا گیا ہو تو اس میں بھی اختلاف ہے۔ شیخ قاسم حنفی جو مصر کے اکابر علمائے متاخرین میں سے اور علامہ قسطلانی کے استاذ ہیں۔ انہوں نے تحقیق کی کہ حرمت رنگ کی بنا پر ہے، رنگنے کی بنا پر نہیں، لہٰذا ہر سرخ رنگ کا کپڑا (مرد کے لیے) مکروہ اور حرام ہوگا۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَائِشَةَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ فِيْ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث مناقب اہل بیت میں ذکر کریں گے جس کی ابتدا میں ہے کہ ایک صبح نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نکلے ۱؎

لہ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں اس حدیث کی ابتداء میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس حال میں کاشانۂ مبارکہ سے باہر آئے کہ آپ نے سیاہ بالوں کی منقش چادر (کمبلی) اوڑھی ہوئی تھی، مصابیح میں بھی اتنی ہی مقدار ہے، علامہ طیبی نے اسی کی شرح کی ہے، ہم نے بھی ان کی پیروی کی ہے لیکن اس حدیث کے آخر میں حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کے مناقب کا ذکر ہے، یہ حدیث مع ضمیمے کے مناقب اہل بیت میں بیان کی جائے گی۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۱۳۳ / ۲۱ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْقَمِیْصَ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ترین کپڑا قمیص تھی لہ

(ترمذی، ابوداؤد)

لہ کیونکہ اس میں زیب و زینت بھی زیادہ ہے اور وقار بھی، چونکہ قمیص نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی اس لیے اس میں کئی حکمتیں، اسرار اور انوار ہوں گے جو دوسرے کپڑوں میں نہیں ہوں گے، جیسے کہ دوسرے مستحبات کا بھی یہی حکم ہے۔

۴۱۳۴ / ۲۲ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ کَانَ کُمُّ قَمِیْصِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الرُّسْغِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کی آستین ہاتھ کے جوڑ تک تھیں لہ ۲

(ترمذی، ابوداؤد)

امام ترمذی نے فرمایا، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ صحابیہ ہیں۔ بڑی عقل مند اور دین میں بلند مرتبہ رکھتی تھیں، تبوک میں حاضر ہوئیں اور خیمے کی لکڑی کے ساتھ نو کافروں کو قتل کیا۔

۲ لہ بعض روایتوں میں انگلیوں کے سرے تک بھی آیا ہے، اگر آستین اس سے زیادہ لمبی ہوتی تو اسے کاٹ دیتے قاموس میں رسغ سین کے ساتھ ہے، اکثر اصول میں اسی طرح واقع ہے، بعض کتابوں میں صاد کے ساتھ (رصغ)

بھی لکھا ہوا ہے، سین کو صاد سے تبدیل کرنا ثابت شدہ امر ہے۔

۴۱۳۵/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسَ قَمِيْصًا بَدَاَ بِمَيَامِنِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب قمیص زیب تن فرماتے تو اس کی دائیں جانب سے ابتدا کرتے۔
(ترمذی)

۱؎ میامن جمع ہے "میمنہ" کی۔ اس کا معنیٰ ہے دائیں جانب، جمع کا لفظ اس لیے لایا گیا کہ قمیص کی دائیں جانب شامل ہے۔ آستین اور اس سے نچلے حصے کو۔

۴۱۳۶/۲۴ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِي النَّارِ قَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مومن کے تہبند باندھنے کا پسندیدہ طریقہ[۱] یہ ہے کہ پنڈلیوں کے نصف[۲] تک ہو، وہاں سے پنڈلیوں تک ہو تو حرج نہیں ہے اور جو اس سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں[۳] ہے، تین بار یہ ارشاد[۴] فرمایا اور اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو تہبند کو بطور تکبر گھسیٹے۔
(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ اِزْرَۃ ہمزے کے نیچے زیر، زا ساکن، یعنی تہبند پہننے کا طریقہ۔ اور اصل طریقہ۔

۲؎ انصاف، جمع کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ضروری نہیں کہ نصف حقیقی تک ہی ہو، وہ جگہیں جو اس کے قریب ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے، جیسے کہتے ہیں کتاب کے ابتدائی یا آخری حصے، اور مراد وہ متعدد حصے ہوتے ہیں جو کتاب کی ابتدا میں ہوں یا آخر میں۔ توسیع کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ پنڈلی کے نصف سے ٹخنے تک تہبند کے پہننے میں حرج نہیں ہے۔

۳؎ گزشتہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تہبند نصف پنڈلی سے ٹخنے کے درمیان ہونا چاہیے۔ پھر

مزید توسیع فرمائی کہ ٹخنے سے نیچے نہیں لٹکنا چاہیے۔

؎۴ ظاہر یہ ہے کہ ذٰلِکَ کا اشارہ اس ارشاد کی طرف ہے کہ جو ٹخنے سے نیچے ہو وہ آگ میں ہے، اس کے بعد تہدید اور توبیخ کے طور پر فرمایا: وَلَا يَنْظُرُ اللهُ (الحدیث) اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۱۳۷/۲۵ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْبَالُ فِي الْاِزَارِ وَالْقَمِيْصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّ مِنْهَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نیچے چھوڑنا، قمیص اور عمامہ میں ہے؎۲، جو شخص ان میں سے کسی چیز کو تکبر کے طور پر نیچے لٹکائے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت نہیں فرمائے گا؎۳

(نسائی۔ ابو داؤد، ابن ماجہ)

؎۱ حضرت سالم افاضل تابعین میں سے ہیں۔ اپنے نام کی طرح دین اور سنت پر قائم رہنے میں سالم تھے۔ ظالم حجاج کو اس سے مرعوب ہوئے بغیر حق بات کہہ دیتے تھے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔

؎۲ یعنی کپڑے کا لٹکانا جو حرام اور مکروہ ہے وہ صرف تہبند میں نہیں ہے جیسے کہ مشہور ہے بلکہ قمیص اور عمامہ میں بھی ہوتا ہے، تہبند میں تو بیان ہو چکا ہے، قمیص میں یہ ہے کہ آستین اور دامن حاجت کی مقدار سے زیادہ دراز ہو۔ عمامہ میں یہ ہے کہ شملہ تعداد میں زیادہ ہو اور مقدار میں زیادہ طویل ہو، جیسے کہ پہلی فصل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

؎۳ اس حدیث کے بارے میں بھی گفتگو فصل اول میں گزر چکی ہے۔

۴۱۳۸/۲۶ وَعَنْ اَبِيْ كَبْشَةَ قَالَ كَانَ كِمَامُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا

حضرت ابوکبشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔

(ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا: یہ

حَدِیْثٌ مُّنْکَرٌ) حدیث منکر ہے۔

لے اوپر کو اٹھی ہوئی نہ ہوتی تھیں ——— یاد رہے کہ اکثر شارحین نے کِمَام کاف کے نیچے زیر، کو کُمَّۃ، کاف پر پیش، کی جمع قرار دیا ہے، جیسے قِبَاب جمع ہے قُبَّۃ کی، کُمَّۃ پہلے حرف پر پیش، گول ٹوپی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح قاموس میں ہے، بُطْح بار پر پیش، طاء ساکن، اَبْطَح کی جمع ہے جس کا معنیٰ پلین اور رنگین زمین ہے، جسے بَطْحَاء بھی کہتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام کی ٹوپیاں گول، فراخ اور سر کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی تھیں لمبی اور اوپر کو اٹھی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ کُمّ بمعنیٰ آستین کی جمع ہے، جیسے قِفَاف پہلے حرف کے نیچے زیر، جمع ہے قُفّ کی پہلے حرف پر پیش، قُفّ بلند زمین قِفَاف پہلے حرف کے نیچے زیر، اس کی جمع، یعنی ان کی آستین وسیع و عریض ہوتی تھیں۔ بطحاء وسیع اور کشادہ زمین کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنی بھی صحیح ہے۔ البتہ اس جماعت نے اس معنیٰ کے مراد لینے پر جو دلیل دی ہے کہ صحابہ کرام ٹوپیاں کم ہی پہنتے تھے، وہ کمل نہیں ہے۔ کیونکہ جب ٹوپی کا پہننا اور اس کی فضیلت صحابہ کرام سے مروی ہے جیسے کہ حدیث میں آئے گا کہ ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان حد فاصل ہے تو ٹوپی کی بلندی اور پستی کا حال بیان کرنا چاہیے۔

۴۱۳۹/۲۷ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ ذَکَرَ الْاِزَارَ فَالْمَرْاَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُرْخِیْ شِبْرًا فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ عَنْھَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِیْدُ عَلَیْہِ۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَّ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ وَ النَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ اِذًا تَنْکَشِفُ۔ اَقْدَامُھُنَّ قَالَ فَیُرْخِیْنَ ذِرَاعًا لَا یَزِدْنَ عَلَیْہِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کا حکم بیان فرمایا[1] تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورت کیا کرے[2] فرمایا؛ ایک بالشت لٹکائے[3]۔ انہوں نے کہا تب تو برہنگی کا احتمال رہے گا[4]۔ فرمایا: پھر ایک ہاتھ زیادہ کرلے[5]، اس سے زیادہ نہ ہو[6] (امام مالک ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ[7]) امام ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تب تو ان کے پاؤں ننگے ہوں گے[8] فرمایا؛ پھر ایک ہاتھ لٹکا لیں۔ اس سے زیادہ نہ کریں۔

لے کہ لمبا نہیں ہونا چاہیے۔

۲ے یعنی اگر عورت تہبند لمبا نہ رکھے تو انکشاف عورت لازم آئے گا۔

۳ے یعنی مرد کے تہبند سے ایک بالشت لمبا رکھے۔

۴ے یعنی مرد کی نسبت اس کا تہبند لمبا بھی ہو تو برہنگی کا احتمال رہے گا۔ مثلاً پنڈلی کی لمبائی کی بنا پر۔

۵ے اگر ایک بالشت کی لمبائی اس کے لیے کافی نہ ہو تو تہبند ایک ہاتھ لمبا کرے۔

۶ے مثلاً اگر مرد کا تہبند نصف پنڈلی تک ہو تو جب ایک ہاتھ کپڑے کا اضافہ کیا تو لازمًا پردے کا فائدہ دے گا اس سے زیادہ لمبا رکھنا اسبال (بے فائدہ لٹکانے) کے زمرے میں آئے گا۔ اور اگر مرد کے تہبند کو آدھی پنڈلی سے نیچے تصور کریں تو عورت کے لیے ایک بالشت کا اضافہ کافی ہوگا۔ ایک ہاتھ کا اضافہ تو بہت ہی کافی ہوگا۔ لہٰذا اس سے زیادہ حرام ہوگا۔

۷ے ائمہ کی اس جماعت نے اس حدیث کو حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔

۸ے یعنی جب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عورت کی چادر مرد کی چادر سے ایک بالشت زیادہ ہو تو حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ تب بھی عورتوں کے پاؤں ننگے ہوں گے۔ جب کہ سابقہ روایت میں تھا کہ تب تو چادر ربھٹ جائے گی۔ اور عورت کی برہنگی کا باعث بنے گی۔

۴۱۴۰/۲۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ مُّزَيْنَةَ فَبَايَعُوْهُ فَإِنَّهُ لَمُطْلَقُ الْأَزْرَارِ فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِيْ جَيْبِ قَمِيْصِهٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

معاویہ بن قرہ[1] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مزینہ کی ایک جماعت کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھیوں نے آپ کی بیعت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ آپ کی قمیص کے گریبان میں داخل کر دیا اور مہر نبوت کو چھوا[2] (ابوداؤد)

۱ے معاویہ بن قرہ مزنی تابعی اور عالم تھے، جنگ جمل کے دن پیدا ہوئے، اپنے والد حضرت قرۃ بن ایاس رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی سے روایت کرتے ہیں جن کی کنیت ابو معاویہ ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور ان سے اُن کے صاحبزادے نے روایت کی۔

۲ے جو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھی ——— خیال رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان سینۂ مبارک پر تھا جیسے کہ بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، محدثین نے اس کی کافی تحقیق کی ہے یمن کی ابتدا سے لے کر آخر مغرب تک عرب کے تمام علاقوں میں اسلاف و اخلاف میں یہی مروف ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے کہا کہ بعض ایسے لوگ جو سنت کا علم نہیں رکھتے ان کا گمان ہے کہ قمیص کا گریبان سینے پر

رکھنا بدعت ہے (اھ) اور جب بعض عجمی علاقوں میں عورتوں نے سینے پر گریبان رکھنے کی عادت اپنائی تو بعض فقہاء نے عورتوں کی مشابہت کی بنا پر اسے مکروہ قرار دیا۔ لیکن بات وہ نہیں جو انہوں نے گمان کی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عادت نو پیدا ہے، اور اعتبار اصل کا ہے، عجمی مردوں میں جو معروف طریقہ ہے وہ عربوں کی عورتوں کی عادت ہے۔

مختصر یہ کہ تحقیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قمیص کا گریبان سینے پر تھا۔ تاہم اس حدیث کا اس امر پر دلالت کرنا جیسے کہ علامہ سیوطی نے کہا ہے غیر ظاہر ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بعض فقہاء کے قول کے مطابق بٹن کندھوں پر ہوں اور کھلے ہوئے بھی ہوں تو مہر نبوت کو چھونے کے لیے ہاتھ داخل کرنے کی حاجت نہیں ہوگی، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں مہر نبوت دکھائی دے رہی ہوگی اور ظاہر ہوگی اور اسے چھونا، ہاتھ داخل کیے بغیر آسان ہوگا۔

۴۱۲۱/۲۹ وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْبَسُوا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَ اَطْيَبُ وَ كَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سمرہ[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید کپڑے پہنو کیونکہ وہ بہت پاکیزہ بہت صاف اور بہت اچھے ہیں[2]۔ اور ان میں اپنے مردوں کو کفن پہناؤ۔

(امام احمد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت حسن بصری وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

[2] زیادہ پاکیزہ اس لیے کہ وہ جلد میلے ہو جاتے ہیں اس لیے زیادہ دھوئے جاتے ہیں۔ برخلاف رنگ دار کپڑوں کے کہ وہ میل خوردہ ہوتے ہیں۔ اس لیے دیر کے بعد دھوئے جاتے ہیں۔ اور بہت صاف اس لیے کہ وہ رنگوں کی آمیزش سے پاک ہوتے ہیں، اور اچھے اس لیے کہ طبیعت سلیمہ ان کی طرف میلان رکھتی ہے۔

۴۱۲۲/۳۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهٗ بَيْنَ كَتِفَيْهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا کنارا کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

(ترمذی) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ جسے عربی میں عذبہ (فارسی اور اردو میں شملہ) کہتے ہیں۔

۴۱۴۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے سر پر پگڑی باندھی تو اس کا کنارہ میرے آگے اور پیچھے لٹکایا۔[۱]

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

(ابوداؤد)

لہ یعنی ایک کونہ آگے اور دوسرا پیچھے لٹکایا۔

یاد رہے کہ عمامہ باندھنا سنت ہے، اور بہت سی حدیثیں اس کی فضیلت میں وارد ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا، عمامے کے بغیر ستر رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شملہ کا چھوڑنا افضل ہے، لیکن دائمی نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی شملہ چھوڑتے اور کبھی شملہ کے بغیر پگڑی باندھتے تھے۔ بعض اوقات گردن کے پیچھے چھوڑ دیتے اور کبھی ایک کنارہ پگڑی میں اڑس لیتے اور دوسرا کنارہ لٹکا دیتے اس سلسلے میں ہر قسم کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شملہ عموماً پشت کے پیچھے ہوتا تھا اور کبھی دائیں جانب، کبھی دو شملے ہوتے دونوں کندھوں کے درمیان، بائیں جانب شملے کا لٹکانا بدعت ہے، اسی طرح کہا گیا ہے، شملے کی کم از کم مقدار چار انگشت ہے اور عموماً ایک ہاتھ، نصف پشت سے زیادہ لمبا رکھنا بدعت ہے اور ممنوع اسبال اور اسراف میں داخل ہے۔ اور اگر فخر اور تکبر کے طور پر ہو تو حرام ہے، ورنہ مکروہ اور مخالف سنت، شارحین نے کہا ہے کہ صرف نماز کے وقت شملے کا لٹکانا بھی سنت کے موافق نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شملے کا چھوڑنا مستحب اور سنت غیر مؤکدہ ہے۔ اس کے ترک کرنے میں گناہ اور برائی نہیں ہے، اگرچہ اس کے رکھنے میں ثواب اور فضیلت ہے، اسے سنت مؤکدہ کہنا خلاف تحقیق ہے۔ کنز میں ہے کہ سیاہ عمامہ پہننا اور شملے کا کندھوں کے درمیان لٹکانا مستحب ہے۔ اسی طرح احناف کی دوسری کتابوں میں ہے۔

۴۱۴۴ وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا؛

فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَائِمِ)

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق۔ ٹوپیوں پر باندھے ہوئے عمامے ہیں[۲]۔ (ترمذی[۳]) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

۱؎ حضرت رکانہ راء پر پیش اور کاف مخفف، قرشی مطلبی صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ عرب کے مضبوط اور بہادر افراد میں سے تھے۔ ان کی حدیث اہل حجاز میں پائی جاتی ہے۔

۲؎ اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱- ہم ٹوپیوں پر دستار باندھتے ہیں اور مشرکین پگڑی کے بغیر صرف ٹوپی پہنتے ہیں۔

۲- ہم ٹوپی پر پگڑی باندھتے ہیں۔ اور وہ ٹوپی کے بغیر پگڑی باندھتے ہیں۔ شارحین نے کہا ہے کہ دوسرا معنی مراد ہے کیونکہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ مشرکین پگڑی باندھتے تھے۔ صرف ٹوپی کا پہننا واقع نہیں ہے۔

۳؎ مطلقاً پگڑی کی فضیلت میں بہت حدیثیں واقع ہوئی ہیں۔

۴۱۲۵ / ۳۳ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ اُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا اور ریشم ہماری امت کی عورتوں کے لیے حلال ہے۔ اور مردوں پر حرام ہے۔

(ترمذی، نسائی)

امام ترمذی نے فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۴۱۲۶ / ۳۴ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْ قَمِيْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کپڑے کی جنس کا نام لیتے، خواہ وہ عمامہ ہو، قمیص ہو یا چادر ہو[۱]۔ پھر فرماتے اے اللہ! تیرا شکر ہے[۲]۔ جس طرح تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کی بھلائی کا

اَسْاَلُكَ خَيْرَهٗ وَ خَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

سوال کرتا ہوں[3] اور اس چیز[4] کی بھلائی مانگتا ہوں جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس کیلئے یہ بنایا گیا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] یعنی فرماتے کہ یہ پگڑی ہے، قمیص ہے یا چادر ہے۔

[2] کہ تو نے مجھے یہ کپڑا مثلاً عمامہ یا قمیص پہنائی۔

[3] کہ خیریت کے ساتھ بدن پر رہے اور اسے کوئی شر یا آفت نہ پہنچے۔

[4] یعنی اس کا استعمال، امور خیر اور نیکیوں میں ہو۔

۴۱۷۴/۳۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَ لَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ بن انس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کھانا کھایا پھر کہا[2]، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا۔ اور میری طاقت و قوت[3] کے بغیر عطا کیا۔ اس کے گزشتہ گناہ[4] معاف کردیئے گئے۔

(ترمذی[5])

وَ زَادَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ هٰذَا وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَ لَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَا تَاَخَّرَ۔

امام ابوداؤد نے[6] یہ اضافہ کیا کہ جس نے کپڑا[7] پہنا۔ اور کہا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ اور میری طاقت و قوت کے بغیر مجھے عطا کیا تو اس کے اگلے پچھلے[8] گناہ معاف کر دیئے گئے۔

[1] حضرت معاذ بن انس انصاری صحابی ہیں۔ اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کی حدیث اہل بصرہ میں پائی جاتی ہیں۔

۵۲ اور ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

۵۳ حول کا معنی حرکت ہے یا حیلہ، قاموس میں اس کا معنی تصرف کی قدرت بھی بیان کیا، یہ تمام معنی قریب قریب ہیں۔ اور لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کی شرح میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵۴ یعنی صغیرہ گناہ۔

۵۵ کھانے کے شکر کی فضیلت میں۔

۵۶ لباس کے شکر کی فضیلت میں اضافہ کیا۔ اسی زیادتی کی بنا پر یہ حدیث اس باب میں لائی گئی ہے۔

۵۷ نیا کپڑا پہنا یا عام کپڑا مراد ہے نیا ہو یا پرانا۔

۵۸ لباس کے شکر کی فضیلت میں گزشتہ اور آئندہ دونوں گناہوں کا ذکر ہے۔ کھانے کے شکر کے بارے میں پچھلے گناہوں کا ذکر نہیں ہے۔ مصابیح کے بعض نسخوں میں بعد والے جملے کے قرینے اور اس پر قیاس کرتے ہوئے کھانے کے سلسلے میں بھی پچھلے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں بھی پچھلے گناہوں کا ذکر ہے۔ اور بعض نسخوں میں لکھ کر اوپر لکیر پھیر دی گئی ہے۔ علامہ سیوطی نے اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ اس میں یہ حدیث بھی لائے ہیں۔ طعام اور لباس دونوں کے شکر کے بارے میں اگلے پچھلے گناہوں کا ذکر ہے، صاحب سفر السعادۃ کسی جگہ بھی پچھلے گناہوں کا ذکر نہیں لائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۱۴۸ / ۲۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ اِنْ اَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ فَلْیَکْفِکِ مِنَ الدُّنْیَا کَزَادِ الرَّاکِبِ وَ اِیَّاکِ وَ مُجَالَسَۃَ الْاَغْنِیَاءِ وَ لَا تَسْتَخْلِقِیْ ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِیْہِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ وَ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تم ہمارے ساتھ ہی وابستگی[۱] چاہتی ہو تو تمہارے لیے دنیا سے، سوار کے زادِ راہ کی مقدار کافی ہے[۲] تم دولت مندوں کی ہم نشینی سے بچنا اور کپڑے کو پرانا قرار نہ دینا[۳]، یہاں تک کہ اسے پیوند لگاؤ۔

(ترمذی)

انہوں نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، اسے ہم صرف صالح بن حسان کی روایت سے جانتے ہیں۔ امام محمد بن اسماعیل

مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ

نے فرمایا: صالح بن حسان منکر الحدیث[۴] ہے۔

[۱] یعنی دنیا و آخرت میں۔

[۲] دنیا کی تھوڑی مقدار پر قناعت کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے، سوار کی تخصیص غالباً اس لیے کی گئی ہے کہ وہ تیز چلتا ہے اور جلد منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے تھوڑا سا زادِ راہ کافی ہو جاتا ہے۔ جب کہ پیدل کا سفر زیادہ وقت لیتا ہے اس لیے اسے زیادہ سفر خرچ کی حاجت ہوتی ہے۔

[۳] اور اسے پھینک نہ دینا۔

[۴] حدیث منکر کا معنی مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۴۱۴۹/۲۷ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں سنتے؟ کیا تم نہیں سنتے[۲]؟ کہ کپڑے کا پرانا ہونا ایمان سے ہے، بے شک کپڑے کا پرانا ہونا ایمان سے ہے[۳]۔ (ابوداؤد)

[۱] حضرت ابو امامہ کنیت اور ان کا نام ایاس بن ثعلبہ ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ شخصیت ہیں یہ بھی انصاری صحابی ہیں۔

[۲] یعنی سنو۔

[۳] یعنی زینت کا ترک کرنا اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے، آخرت اور اس کی زینت و زیبائش پر ایمان اور سامان دنیا کے حقیر اور فانی ہونے کا یقین اس کا باعث ہے ———— دو دفعہ فرمانا تاکید کے لیے ہے اور اس خیال کا دفع کرنا مقصود ہے جو انسانوں کے نفوس اور ان کی طبیعتوں میں مدح رچ بس چکا ہے۔

۴۱۵۰/۲۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنا[۱] اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن

اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔[۲]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ) (ترمذی، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] یعنی جو شخص تکبر اور بڑائی کے ارادے سے قیمتی کپڑا پہن کر چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے ذریعے لوگوں میں معزز اور مشہور بنائے۔

[۲] جس کے ذریعے اسے ذلیل اور رسوا کرے گا ______ ہو سکتا ہے کہ ثَوْبَ مَذَلَّۃٍ میں اضافت بیانیہ ہو۔ یعنی اسے بے عزتی اور ذلت کا حامل بنائے گا۔ اور لوگوں کی نظر میں خوار اور فقیر بنائے گا، بعض شارحین نے کہا کہ شہرت کے کپڑے سے مراد وہ بعض حرام کپڑے ہیں جن کا پہننا جائز نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ کپڑے مراد ہیں جو تکبر، بڑائی، فقراء کی تذلیل اور ان کے دل توڑنے کے لیے پہنے جائیں۔ بعض نے کہا وہ کپڑے مراد ہیں جو مسخرہ پن اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے پہنے جائیں، یا زہد اور پاک دامنی کے اظہار کے لیے پہنے جائیں، بعض نے کہا وہ اعمال مراد ہیں جو ریاکاری اور اپنے آپ کو مشہور کرنے کے لیے کئے جائیں، انہوں نے کہا کہ کپڑے کا اطلاق عمل پر عام ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ پہلا مطلب جو حدیث کی شرح میں بیان کیا گیا ہے زیادہ ظاہر اور سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

$\frac{۴۱۵۱}{۳۹}$ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے[۱]۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ) (احمد، ابوداؤد)

[۱] ان ہی میں شمار ہوتا ہے، تشبہ مطلق ہے جو اخلاق، اعمال اور لباس کو شامل ہے۔ خواہ اچھے لوگوں سے ہو یا برے لوگوں سے، اگر اخلاق و اعمال میں مشابہت ہو تو اس کا حکم ظاہر و باطن کو شامل ہے۔ اور اگر لباس میں ہو تو حکم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ عرف عام میں اس کا مطلب لباس میں مشابہت لیا جاتا ہے، اس لیے اس حدیث کو کتاب اللباس میں لائے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شے کے مشابہ کا حکم وہی ہے جو شے کا ہو۔ خواہ ظاہراً ہو یا باطناً"

$\frac{۴۱۵۲}{۴۰}$ وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ وَهْبٍ سوید بن وہب[۱]، صحابہ کرام کے بیٹوں میں سے

عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَبْنَاءِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ تَوَاضُعًا كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَ مَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَّجَهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ۔

ایک شخص سے[۱] اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے قدرت کے باوجود زیب وزینت کا کپڑا پہننا ترک کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ از راہ تواضع ترک کیا[۲]، تو اللہ تعالیٰ اسے عزت وکرامت کا حلّہ پہنائے گا[۳] اور جس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی عورت سے نکاح کیا[۴]۔ اللہ تعالیٰ اسے شاہی تاج پہنائے گا[۵]

(ابوداؤد)[۶] امام ترمذی نے حضرت معاذ بن انس سے اس حدیث کا وہ جملہ روایت کیا جو لباس سے متعلق ہے[۷]۔

[۱] سوید بن وہب تابعی ہیں۔

[۲] یعنی کپڑوں میں زہد، عاجزی اور شکست نفس کے لیے زیب وزینت کا لباس ترک کرتا ہے۔

[۳] یعنی جنت کے حلوں میں سے حلّہ جو اس کی عزت وکرامت کا سبب ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بزرگی اور عزت، دنیا وآخرت میں اس کے شامل حال کر دیتا ہے، اس حدیث کے مطابق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرماتا ہے۔

[۴] چنانچہ ایسی عورت سے نکاح کرتا ہے جو دولت، عزت اور کفاءت میں اس کے مرتبے کی نہیں ہے اور اس مقصد کے لیے نکاح کرتا ہے کہ نفس نفتنے سے بچ جائے۔ دین محفوظ رہے اور اولاد حاصل ہو جو نکاح کرنے کی حکمت کا اصل مقتضیٰ ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ تزوج سے مراد، کسی بھی جنس کا جوڑا صدقہ کرنا ہے، جس کی فضیلت ایک دوسری حدیث میں آئی ہے۔، جیسے کہ فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوڑا صدقہ کیا (الحدیث) صحابۂ کرام نے پوچھا کہ جوڑے سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دو گھوڑے، دو غلام یا دو اونٹ ——— زوج دو چیزوں کے مجموعے کو کہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو بھی زوج کہتے ہیں اس جگہ یہی معنی مراد ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تزوج جس معنی کے لحاظ سے بھی ہو تاج شاہی کی نوید کا موجب ہے۔

ف۵ یعنی جنت میں مملکت اور تخت وتاج والا ہوگا۔ یا بطور کنایہ دنیا وآخرت کی عزت وشرافت مراد ہے۔ چونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جوڑا خرچ کرکے ایک خاص انداز میں فقر وافلاس کا رنگ اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے سے کم مرتبہ عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے خاص جزا عطا فرمائی اور اسے بزرگی اور رفعت وسربلندی سے نوازا۔

ف۶ امام ابوداؤد نے یہ پوری حدیث حضرت سوید بن وہب سے روایت کی۔

ف۷ امام ترمذی نے حضرت معاذ بن انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف حدیث لباس روایت کی کہ جس نے قدرت کے باوجود فاخرانہ لباس کا پہننا ترک کیا (الحدیث) دوسرا حصہ جس میں کسی عورت سے محض رضائے الٰہی کے لیے نکاح کرنے کا ذکر ہے روایت نہیں کیا۔

۴۱۵۳ / ۴۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے ف۱

(ترمذی)

ف۱ یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو وہ پسند فرماتا کہ اس بندے کے احوال میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ اس طرح کہ اچھے پاک صاف اور نئے کپڑے حالات اور قدرت کے مطابق، مبالغہ اور فضول خرچی کے بغیر پہنے، نیت، نعمت کا ظاہر کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ہو، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو اور حاجت مند زکوٰۃ اور صدقات حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ تکبر اور غرور مقصود نہ ہو۔ ——— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت کا مخفی اور پوشیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔
گویا نعمت کی ناشکری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کسی انسان کو علم وفضل عطا کیا ہو اسے ظاہر کرنا چاہیے تاکہ لوگ اسے پہچانیں اور اس سے استفادہ کریں۔ اور وہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں) کے مصداق میں داخل ہو۔

۴۱۵۴ / ۴۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس

| | |
|---|---|
| وَسَلَّمَ زَآئِرًا فَرَاٰی رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُہٗ فَقَالَ مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَا یُسَکِّنُ بِہٖ رَأْسَہٗ وَرَاٰی رَجُلًا عَلَیْہِ ثِیَابٌ وَسِخَۃٌ فَقَالَ مَا کَانَ یَجِدُ ھٰذَا مَا یَغْسِلُ بِہٖ ثَوْبَہٗ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ) | ملاقات کے لیے تشریف لائے[۵۱]، آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے[۵۲] ہوتے تھے، آپ نے فرمایا[۵۳] کیا اس شخص کو کوئی ایسی چیز نہیں ملتی؟ جس کے ذریعے اپنے سر کی پراگندگی کو دور کرے[۵۴]، آپ نے ایک دوسرے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے میلے تھے فرمایا، کیا اس شخص کو وہ چیز نہیں ملتی؟ جس سے یہ اپنے کپڑے دھوئے[۵۵]۔ (احمد، نسائی) |

۵۱ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصار کو ان کی خصوصی فضیلت، محبت اور اخلاص کی بنا پر اعزاز و اکرام سے نوازتے تھے۔

۵۲ شعث عین کے نیچے زیر (بکھرے ہوتے بالوں والا)

۵۳ استفہام، تعجب اور اظہار ناپسندیدگی کے طور پر

۵۴ اور سر کو تیل لگاتے اور کنگھی کرے۔

۵۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن کی اصلاح اور کپڑوں کا صاف ستھرا رکھنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ اور اس کی خلاف ورزی ناپسند تھی۔ اچھے کپڑے پہننا اور شکل و صورت کا حسن وقار ہے اور آداب زندگی میں سے ہے۔

| | |
|---|---|
| ۴۱۵۵ / ۴۳ وَعَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِیْ اَلَکَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَیِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ کُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِیَ اللّٰہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَیْلِ وَ | حضرت ابوالاحوص[۵۶] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت میں نے گھٹیا قسم کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا، کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: کون سا مال؟ عرض کیا، ہر قسم کا مال، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائے، بکری۔ گھوڑے، اور غلام عطا کیے ہیں، فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا فرمایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی دی |

الرَّقِيْقِ قَالَ فَإِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ كَرَامَتِهٖ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَآئِيُّ وَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

ہوئی نعمت و کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

(امام احمد، نسائی)[۲]
شرح السنۃ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے جو مصابیح میں مذکور ہیں[۳]۔

ـــــــــــــــــــ

۱؎ ابو الاحوص تابعی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام عوف بن مالک بن نضلہ ہے نقطے والے ضاد کے ساتھ جشمی جیم پر پیش اور نقطوں والے شین پر زبر، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

۲؎ ان دونوں اماموں نے یہ حدیث مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

۳؎ مشکوٰۃ شریف اور مصابیح میں بیان کردہ حدیثوں کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں، لیکن مطلب دونوں کا ایک ہے، کپڑے کا پرانا ہونا اگرچہ محمود ہے اور افعالِ ایمان میں سے ہے، لیکن اس وقت جب کہ دنیا میں فقر و زہد اور تواضع و انکساری کی نیت سے ہو، اور اگر قدرت کے باوجود بخل اور خست کی بنا پر گھٹیا کپڑے پہنے جائیں تو ایسا کرنا قبیح اور مذموم ہے۔

۴۴۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَّ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص گزرا اس نے دو سرخ کپڑے[۱] پہن رکھے تھے، اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے اسے جواب نہیں دیا[۲]۔

(ترمذی، ابوداؤد)

ـــــــــــــــــــ

۱؎ اس حدیث میں مطلق سرخ کپڑوں کا ذکر ہے یہ بیان نہیں ہے کہ وہ کس عنصر سے رنگے ہوئے تھے۔

۲؎ یاد رہے کہ ریشم اور دیبا کے کپڑے پر بیٹھنا بھی پہننے کی طرح مکروہ ہے۔ امام محمد نے بیان کیا ہے کہ اس پر بیٹھنا مکروہ ہونے میں پہننے کی طرح نہیں ہے، یعنی دونوں مکروہ ہیں۔ لیکن پہننے میں زیادہ شدید کراہت ہے، لحاف کا استعمال بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا پہننا ہے، ہاں ریشم کے کپڑے (تکیے) پر ٹیک لگانا اور اس پر سونا امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ اسی طرح مطالب المومنین،

میں ہے[۱]

۴۱۵۷ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ وَلَا اَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا اَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ اَلَا وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَا لَوْنَ لَهٗ وَطِيْبُ النِّسَآءِ لَوْنٌ لَا رِيْحَ لَهٗ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی کے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم ارغوانی گدی[۱] پر سوار نہیں ہوتے۔ ہم عصفر سے رنگا ہوا کپڑا[۲] نہیں پہنتے، ہم ریشم کے حاشیے والی قمیض نہیں پہنتے[۳]، اور فرمایا: خبردار! مردوں کی خوشبو میں بو ہے رنگ نہیں[۴] اور عورتوں کی خوشبو میں رنگ ہے۔ بو نہیں ہے[۵]

(ابوداؤد)

[۱] اُرْجُوَان ہمزے اور جیم پر پیش اور راء ساکن، ارغوان کو عربی بنایا گیا تو اُرْجُوَان ہو گیا۔ مشہور سرخ پھول ہے۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ ایک درخت کا نام ہے جس کی کلی سرخ ہوتی ہے، ہر اس رنگ کا جو اس کے مشابہ ہو ارغوانی کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے کہا مراد یہ ہے کہ ہم سرخ کپڑے پر نہیں بیٹھتے۔ رکوب سے مراد بیٹھنا ہے، اکثر شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد سرخ مِیثَرہ ہے، مِیثَرہ میم کے نیچے زیر، یا ساکن، تین نقطوں والی ثاء پر زبر، تکیے یا گدے جیسی بچھانے والی چیز جس میں نرمی کے لیے روئی یا اون بھری گئی ہو۔ اسے گھوڑے کی زین یا اونٹ کے پالان پر رکھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے سرخ ریشم سے تیار کرتے ہیں، لغت میں وَثر اور وَثارہ نرمی کے معنی میں آتا ہے، وَثِیْر بروزنِ فعیل نرم گدے کے معنی میں آتا ہے، دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نَهٰى عَنْ مِيْثَرَةِ الْاُرْجُوَانِ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سرخ ارغوانی گدے پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ فضول خرچ اور متکبر عجمیوں کا طریقہ ہے، اس لیے شارحین نے کہا کہ اس جگہ جو لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ فرمایا ہے۔ تو اس سے وہی سرخ گدی مراد ہے اور لفظ لَا اَرْكَبُ (ہم سوار نہیں ہوتے) اس معنی کے مراد لینے کا قرینہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر گدی سرخ نہ ہو اور مقصود نرمی اور جسمانی راحت ہو تو جائز ہے، خصوصاً بعض بوڑھوں اور

---

[۱] یہ تفصیل غالباً آئندہ حدیث سے متعلق تھی جو کاتب کی غلطی سے اس حدیث کے ذیل میں لکھ دی گئی۔
۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

کمزوروں کے لیے۔
۲ سرخ یا زرد۔
۳ وہ قمیص جس کے گریبان، آستین اور دامن پر ریشم کی پٹی لگائی گئی ہو۔ یعنی اگر مقدار رخصت چار انگشت سے زیادہ ہو۔ فصل اول میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ کی حدیث میں اس مسئلے کی تفصیل گزر چکی ہے۔
۴ وہ خوشبو جسے مرد استعمال کریں اس میں بو ہو رنگ نہ ہو مثلاً گلاب، کستوری، کافور وغیرہ تاکہ زیب و زینت لازم آئے۔
۵ جیسے کہ مہندی، زعفران وغیرہ تاکہ اس کی خوشبو دوسروں تک نہ پہنچے اور مردوں کے لیے فتنے اور ابتلا کا سبب نہ بنے۔ اس مضمون کی حدیث باب الترجل کی دوسری فصل میں آئے گی۔ شمائل میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی چیز ہے جس کی بو ظاہر اور رنگ پوشیدہ ہو اور عورتوں کی خوشبو کا رنگ ظاہر اور بو پوشیدہ ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ بھی یہی مراد ہے، کیونکہ کوئی خوشبو، بغیر بو کے نہیں ہوتی لہٰذا خوشبو کے لیے بو کا ثابت کرنا بے فائدہ اور اس سے بو کی نفی غیر صحیح ہو گی۔

**۴۱۵۸** وَعَنْ اَبِیْ رَیْحَانَۃَ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَ الْوَشْمِ وَ النَّتْفِ وَ عَنْ مُکَامَعَۃِ الْمَرْءَۃِ الْمَرْاَۃَ بِغَیْرِ شِعَارٍ وَّ اَنْ یَّجْعَلَ الرَّجُلُ فِیْ اَسْفَلِ ثِیَابِہٖ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ اَوْ یَجْعَلَ عَلٰی مَنْکِبَیْہِ حَرِیْرًا مِثْلَ الْاَعَاجِمِ وَعَنِ النُّھْبٰی وَعَنْ رُکُوْبِ النُّمُوْرِ وَ لُبُوْسِ

حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا (۱) دانتوں کے باریک کرانے (۲) جسم کے گودنے (۳) سفید بال اکھیڑنے (۴) کپڑے کے بغیر مرد کے مرد کے ساتھ لیٹنے (۵) بے پردہ عورت کے عورت کے ساتھ لیٹنے (۶) عجمیوں کی طرح مرد کے اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگانے (۷) یا عجمیوں کی طرح اپنے کندھوں پر ریشم لگانے (۸) لوٹنے (۹) چیتوں کی کھالوں پر سوار ہونے سے اور (۱۰) حکمران کے علاوہ دوسرے لوگوں کے انگوٹھی پہننے سے۔

اَلْخَاتَمِ اِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ) (ابوداؤد، نسائی)

لہ حضرت ابو ریحانہ صحابی ہیں ان کا نام عبداللہ بن مطر سدی ازدی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

۲ہ وَشْر واؤ پر زبر، نقطوں والا شین ساکن، آخر میں راء دانتوں کا تیز کرنا اور ان کے کناروں کا باریک کرنا۔ بوڑھی عورتیں، جوانوں کی مشابہت کے لیے اس طرح کرتی تھیں، دوسرے پر اس عمل کے کرنے والی کو وَاشِرَۃٌ کہتے ہیں۔ اور دوسرے سے اپنے اوپر اس عمل کے کروانے والی کو مُؤتَشِرَۃٌ کہتے ہیں، اور دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔

۳ہ وَشْم واؤ پر زبر، شین ساکن اور آخر میں میم، جسم میں سوئی چبھو کر اس جگہ کو سرمے یا نیل سے بھرنا۔

۴ہ نَتْف سر یا داڑھی سے سفید بالوں کا اکھیڑنا، یا داڑھی اور ابرو کے بالوں کا زیب و زینت کے لیے اکھیڑنا، یا عورتوں کا اپنے چہروں سے بالوں کا اکھیڑنا، ممانعت کی وجہ پیدائشی صورت کو بگاڑنا اور ناروا تکلف کرنا ہے، عورتوں کے لیے زینت اگرچہ حلال ہے، لیکن ان تکلفات سے منع کیا گیا ہے، نتف کا معنی مصیبت کے وقت سر اور داڑھی کے بالوں کا نوچنا بھی بیان کیا گیا ہے۔

۵ہ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دوسرے کپڑوں کے نیچے پہنا جاتا ہے اور جسم کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

۶ہ اگر فتنے اور فساد کا خوف ہو تو اس کی قباحت خود بخود واضح ہے اور اگر خوف نہ ہو تو یہ طریقہ ترکِ ادب اور بے حیائی سے خالی نہیں ہے۔

۷ہ یعنی مردوں کے لیے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے۔ خواہ کپڑوں کے اوپر ہو یا نیچے، عجمیوں کی عادت ہے کہ کپڑوں کے نیچے مختصر سا ریشمی کپڑا پہنتے ہیں تاکہ جسم کو نرم رکھے، علامہ طیبی نے اس ارشاد کا اسی طرح مطلب بیان کیا ہے، لیکن انہوں نے کہا کہ لفظ یَجْعَلُ اور لفظ اَسْفَلَ اس معنی کے مناسب نہیں ہے، اگر یہ مطلب ہوتا تو اس طرح کہنا چاہیے تھا وَاَنْ یَلْبَسَ تَحْتَ الثِّیَابِ حَرِیْرًا (کپڑوں کے نیچے ریشم پہننے سے منع فرمایا) اس لیے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے نیچے اور اوپر ریشم لگانے سے منع فرمایا۔ (طیبی)

حاصل مطلب یہ ہوا کہ کپڑے کے نیچے ریشمی استر نہ لگائے، جیسے کہ ابرہ بنانا ممنوع ہے، فقہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ ریشم کا اس طرح پہننا مکروہ ہے کہ جسم کے ساتھ متصل ہو اور اگر کپڑوں کے اندر جسم کے ساتھ متصل سوتی کا کپڑا ہو اور اس کے اوپر ریشمی کپڑا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے بعض روایات میں ہے کہ لوگوں نے حضرت ابن عباس کو ریشمی جبہ پہنے ہوئے دیکھا، پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا، تم دیکھتے نہیں کہ جسم کے ساتھ متصل کیا ہے؟ اس جبے کے نیچے انہوں نے سوتی کپڑا پہنا ہوا تھا، صحیح یہ ہے

کہ ریشم کا پہننا مردوں کے لیے مطلقاً حرام ہے [1]، اسی طرح مطالب المؤمنین میں ہے۔

[8] حاشی میں لکھا ہے کہ ریشم کا وہ پھول مراد ہے جو مقدارِ رخصت سے زیادہ ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چادر کی طرح ریشمی کپڑا کندھوں پر فخر اور تکبر کے طور پر ڈالنا مراد ہو، یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ زنانہ کپڑا مراد ہو جو قبا (کوٹ وغیرہ) کے کندھوں پر سی دیا جاتا ہے جسے اس علاقے میں ابا قی کہتے ہیں۔

[9] کسی کا مال شرعی اجازت کے بغیر چھین لینے سے۔

[10] نُمُر (نمر) مشہور درندہ ہے جسے فارسی میں یوز (اور اردو میں چیتا) کہتے ہیں، چیتے کی کھال کو گھوڑے کی زین یا اونٹ کے پالان پر ڈال کر اس کے اوپر بیٹھتے ہیں، جمع کا صیغہ یا تو تعددِ افراد کی بنا پر لایا گیا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تغلیباً اس جیسے دوسرے درندے مثلاً شیر اور بھیڑیا وغیرہ مراد ہوں، یا چیتے کی متعدد کھالیں مراد ہوں، ممانعت کی وجہ زیب و زینت اور فخر و تکبر ہے، امام شافعی کے نزدیک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان جانوروں کے بال پلید ہوتے ہیں اور دباغت (کھال کے رنگنے) سے پاک نہیں ہوتے، چونکہ ان کا شکار مشکل ہوتا ہے اس لیے ان کی کھال ان کے مرنے کے بعد حاصل کی جاتی ہے۔ بعض حواشی میں رُکُوبِ نُمُور سے مراد چیتوں کی کھالوں پر بیٹھنا بیان کیا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ چارپایوں اور درندوں کی کھالوں پر بیٹھنا وحشت اور رقت کی پراگندگی کا باعث ہے، اسی طرح حضرت شیخ امام علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض رسائل میں بیان کیا۔

[11] لُبُوس، لام پر پیش، دُخُول کی طرح مصدر ہے ——— صاحبِ سلطنت، حکمران اور ایسے معاملے والا شخص جسے انگوٹھی کی حاجت ہو اسے اجازت ہے اور حاجت کے بغیر انگوٹھی پہننا مکروہ ہے کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی ہے، کیونکہ وہ محض زینت ہے، بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ابتدا میں تھی اس کے بعد منسوخ ہو گئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں صحابہ کرام نے انگوٹھی پہنی اور ان پر انکار نہیں کیا گیا۔

۴۱۵۹ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے [1]، قسی کپڑے [2] کے پہننے اور

---

[1] ہدایہ میں ہے کہ ریشم اور دیباج کا جنگ میں پہننا صاحبین کے نزدیک جائز اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور وہ کپڑا پہننا جائز ہے جس کا تانا ریشمی اور بانا سوتی یا اونی ہو اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ چار انگشت کی مقدار ریشمی پٹی کا استعمال بھی جائز ہے۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی

الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقِسِيِّ وَالْمَيَاثِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ وَقَالَ نَهٰى عَنِ الْمَيَاثِرِ الْاُرْجُوَانِ۔

گدّوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ) امام ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ارغوانی رنگ کے (سرخ) گدوں سے منع فرمایا۔

لہ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونے کی انگوٹھی تیار کی گئی، آپ نے ایک دن پہنی پھر پھینک دی اور اس کے پہننے سے منع فرمایا۔ سونے کی انگوٹھی کا پہننا چاروں اماموں کے نزدیک مکروہ (تحریمی) ہے، بعض صحابہ مثلاً حضرت طلحہ، حضرت سعد اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا پہننا نقل کیا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ ممانعت سے پہلے ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ ہدایہ میں ہے کہ اعتبار حلقے کا ہے نہ کہ نگینے کا، کیونکہ انگوٹھی کی حقیقت کا مدار حلقے پر ہے، اس کی تفصیل باب الخاتم میں آئے گی۔

۲ قسّی قاف پر زبر، زیر بھی آئی ہے، بے نقطہ سین مشدد، مصر کے علاقے میں ایک جگہ قَس کی طرف منسوب ہے بعض شروح میں لکھا ہے کہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ یہ کپڑا ریشمی ہو، علامہ طیبی نے کہا کہ یہ کپڑا کتان کا ہوتا ہے اور اس میں ریشم مکس ہوتا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا یہ مضلع کپڑا ہے جس میں سنگترے کی طرح ریشم ہوتا ہے۔ مضلّع ان کپڑوں کو کہتے ہیں جن میں پسلیوں کی طرح چوڑی پٹیاں ہوتی ہیں، یا کتان ہے جس میں ریشم مکس ہوتا ہے۔

۳ مَیاثر جمع ہے مِیثرۃ کی، چھوٹی گدی جو زین پر رکھی جاتی ہے جیسے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں واقع لَا اَرْكَبُ الْاُرْجُوَانَ کی تحقیق میں بیان کیا جاچکا ہے۔

۴ ان کی روایت میں مطلق میاثر کا ذکر ہے، لیکن وہ مقید (ارغوانی رنگ کے گدے پر) محمول ہے، جیسے کہ امام ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۱۶۰ / ۴۸ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ریشم اور چیتے کی کھالوں پر سوار نہ ہو۔ (ابوداؤد، نسائی)

لہ اس طرح کہ انہیں گھوڑے کی زین پر رکھ کر اس کے اوپر سوار ہو جاؤ۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ

بعض شارحین نے رکوب کا معنی بیٹھنا بیان کیا ہے۔

یاد رہے کہ خز نقطے والی خاء پر زبر اور زاء مشدد ہے۔ قاموس میں ہے کہ ایک مشہور کپڑے کا نام ہے۔ نہایہ میں ہے کہ گزشتہ زمانے میں خز ان کپڑوں کو کہتے تھے جن پر اُون اور ریشم سے کڑھائی کی ہوئی تھی، ایسا کپڑا پہننا جائز ہے، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایسا کپڑا پہنا ہے۔ لہٰذا اس کی ممانعت اس بنا پر ہوگی کہ اس کے استعمال میں عجمیوں کے ساتھ مشابہت ہوگی جو ایسا کپڑا تکبر اور بڑائی کے لیے زین پر ڈالتے ہیں شارحین نے کہا کہ اگر خز سے وہ کپڑا مراد ہو جو اس وقت مشہور ہے تو وہ تمام ریشم ہے اور مطلقاً حرام ہے۔ جس حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خز اور ریشم کو حلال قرار دیں گے اس میں خز کا یہی معنی مراد ہے محدثین فرماتے ہیں کہ کپڑے کی یہ قسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی، لہٰذا اس کی خبر امر غیبی کا بیان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ مطالب المؤمنین میں ہے کہ خز کے پہننے میں حرج نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خز ایک سمندری جانور ہے اس کے بالوں کو خز کہتے ہیں جو ریشم کی جنس سے نہیں ہے اور مردوں کے لیے صرف ریشم حرام ہے نہ کہ دوسرے کپڑے، اسی طرح محیط میں ہے۔ یہ بھی کہا کہ سید امام ناصر الدین نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس سمندری جانور کے بالوں سے تیار کیے جانے والے کپڑے کو کہتے تھے جسے ترکی میں قندز کہتے ہیں۔ البتہ ہمارے زمانے میں ریشم سے بناتے ہیں، لازمی بات ہے کہ حرام ہوگا۔ اسی طرح فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ (اھ)

نِمار نون کے نیچے زیر، بعض شارحین نے اسے نَمِرۃ کی جمع قرار دیا جس کا معنیٰ دھاریدار چادر ہے۔ لہٰذا اس کی ممانعت، کراہت تنزیہی کے طور پر ہوگی کہ لوگ اسے فخر و تکبر کے طور پر زین پر ڈالتے ہیں، اکثر شارحین کے نزدیک نِمار جمع ہے نَمِر کی جو مشہور درندے کا نام ہے، مراد اس کی کھالیں ہیں جو زین پر ڈالی جاتی ہیں، اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نَمِر کی جمع نُمُور ہے نہ کہ نِمار جیسے کہ گزشتہ حدیث میں گزرا ہے۔ وَعَنْ رُکُوْبِ النُّمُوْرِ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ نَمِر کی جمع جس طرح نُمُور آتی ہے اسی طرح نِمار بھی آتی ہے۔ اس حدیث میں بھی ایک روایت کے مطابق نِمار کی جگہ لفظ نُمُور آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ قاموس میں ہے اَلنَّمِرُ کَتِفٌ کی طرح، معروف درندہ ہے، اس کی جمع اَنْمُر، اَنْمار، نِمار اور نُمُور آتی ہے۔

۴۱۶۱ / ۴۴ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْمِیْثَرَۃِ الْحَمْرَاءِ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ گدے سے منع فرمایا۔ (شرح السنۃ)

له اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ میثرہ، سرخ کی قید سے مقید ہے معلوم ہوا کہ جہاں مطلق آیا ہے وہ بھی مقید پر محمول ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا۔

۴۱۶۲ وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ التَّیْمِیِّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثَوْبَانِ اَخْضَرَانِ وَلَہٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاہُ الشَّیْبُ وَ شَیْبُہٗ اَحْمَرُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِاَبِیْ دَاؤُدَ وَ ھُوَ ذُوْ وَفْرَةٍ وَّ بِھَا رَدْعٌ مِّنْ حِنَّاءٍ)۔

حضرت ابو رمثہ تیمی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس وقت دو سبز کپڑے[2] پہن رکھے تھے، آپ کے کچھ بال ایسے تھے جن پر سفیدی غالب تھی، اور وہ چند سفید بال سرخ تھے[3][4] (ترمذی) امام ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کی زلفیں کان کی لو تک تھیں اور ان میں مہندی کا رنگ تھا[5]۔

له حضرت ابو رمثہ تیمی را کے نیچے زیر، میم ساکن، پھر تین نقطے والی ثا، ر صحابی ہیں، ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے عمارہ کہا اور بعض نے رفاعہ بن یثربی بن عوف بیان کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حاضر ہوتے اور دونوں مشرف باسلام ہوئے۔ دونوں اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

۲ه یعنی سبز دھاریوں والے شارحین نے حدیث میں وارد ہونے والے سرخ اور سبز کپڑے کی اسی طرح تفسیر کی ہے۔ اگرچہ خالص سبز کپڑے کا پہننا بھی جائز ہے۔

۳ه سر اور داڑھی مبارک کے چند بال سفید تھے، حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر اقدس اور داڑھی میں صرف چودہ سفید بال شمار کیے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک بیس کے قریب سفید تھے۔ ایک روایت میں سترہ بھی آیا ہے۔

۴ه سرخ سے مراد یہ ہے کہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ جیسے کہ امام حاکم بھی حضرت ابو رمثہ کی روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ حضرت مصنف نے بھی امام ابو داؤد کی روایت کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

۵ه وَفْرَةٌ واؤ پر زبر، فا ساکن، کان کی لو تک پہنچنے والے بال ———— ردع را پر زبر،

دال ساکن۔ آخر میں بے نقطہ عین، آلودہ ہونا، قاموس میں ہے رَدَعَہٗ بِالشَّیْءِ فلاں شخص کو فلاں چیز کے ساتھ آلودہ کر دیا علامہ طیبی نے اس کی تفسیر رنگ کے ساتھ کی ہے، ایک روایت میں رَدْغٌ" نقطے والی غین کے ساتھ بھی آیا ہے، امام ترمذی، شمائل میں اسے اس طرح لائے ہیں جس سے راوی کے شک کا پتہ چلتا ہے۔ رَدْغٌ" دال ساکن، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں، سخت کیچڑ، بے نقطہ عین کے ساتھ رَدْعٌ روایت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ سرخی سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال خالص سفید نہ تھے بلکہ خضاب لگائے بغیر سرخی مائل تھے، جیسے کہ عام عادت ہے کہ بڑھاپے کی ابتدا بالوں کی سرخی سے ہوتی ہے، اس کے بعد خالص سفید ہو جاتے ہیں۔

محدثین اور فقہاء میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو رنگا ہے یا نہیں۔ اکثر محدثین اس کے قائل ہیں کہ نہیں رنگے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس حد کو نہیں پہنچی تھی کہ رنگنے کی حاجت ہوتی جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آپ سر مبارک پر تیل لگاتے تو سفیدی چھپ جاتی تھی ورنہ ظاہر ہو جاتی تھی، فقہاء کی کوشش یہ ہے کہ رنگنے کا استعمال ثابت کیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ہی چند سفیدی مائل بالوں کو رنگتے تھے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے قصداً نہ رنگے ہوں۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گاہے غسل، نظافت اور خوشبو کے لیے مہندی سر مبارک پر لگاتے تھے اور یہ بال اسی کی وجہ سے رنگین ہو جاتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بعض حضرات نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رنگے ہوئے بال مبارک دیکھے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں رنگا تھا بلکہ حضرت انس بطور تبرک اور احترام انہیں خوشبو لگاتے رہتے تھے، اسی بنا پر وہ یوں دکھائی دیتے تھے جیسے کہ رنگے ہوئے ہوں یا حضرت انس نے انہیں باقی رکھنے اور ان کی تقویت کے لیے خود رنگا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سرخ رنگ دیتے تھے اور کبھی زرد، اس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی شریف کو نظیف اور ستھرا رکھنے کے لیے مہندی یا زعفران سے دھویا کرتے تھے، بال مبارک سیاہ تھے جو رنگین نہیں ہوتے تھے، اسی طرح میں نے اپنے شیخ (عبدالوہاب متقی) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے۔ اور یہ عجیب نکتہ ہے۔

۴۲۳/۵۱ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ شَاکِیًا فَخَرَجَ یَتَوَکَّأُ عَلٰی اُسَامَۃَ وَعَلَیْہِ ثَوْبُ قِطْرٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی آپ حضرت اسامہ پر ٹیک لگا کر باہر تشریف لائے۔ آپ نے سرخ دھاری دار یمنی

قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

چادر زیب تن کی ہوئی تھی جس میں آپ لپٹے ہوئے تھے[2] پس آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی[3] (شرح السنۃ)

[1] قطریات کے نیچے زیر، طاء ساکن، یمن کی ایک خاص قسم کی نرم اور عمدہ چادر جس میں سرخ لکیریں ہوتی ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ کپڑوں کے جوڑے کو کہتے ہیں جو بحرین کی جانب سے لایا جاتا ہے۔ قطر، بحرین کا ایک گاؤں ہے۔

[2] حمائل کی طرح یعنی وہ چادر مُحرِم کی طرح دائیں بازو کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالی ہوتی تھی، بعض شارحین کہتے ہیں کہ توشح سے مراد صرف چادر کا جسم کے گرد لپیٹنا ہے۔ خاص طور پر حمائل کے انداز میں اوڑھنا مراد نہیں ہے۔

[3] یہ آخری نماز تھی جو حضرت ابوبکر صدیق، صحابۂ کرام کو پڑھا رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ کر امامت کرائی۔ جیسے کہ یہ واقعہ اپنی جگہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

۴۱۶۴ / ۵۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيظَانِ وَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا تُرِيدُ إِنَّمَا تُرِيدُ أَنْ تَذْهَبَ بِمَالِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے قطری کپڑے زیب تن کر رکھے تھے، اور جب آپ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو وہ کپڑے آپ پر بوجھل ہو جاتے[1]، شام سے فلاں یہودی کا کپڑا[2] آیا تو میں نے عرض کیا کتنا اچھا ہو؟ اگر آپ اس کے پاس کسی کو بھیج کر اس سے بوقت گنجائش ادائی کے وعدے پر دو کپڑے ادھار خرید لیں، آپ نے اسے پیغام بھیجا تو اس نے کہا کہ[3] مجھے آپ کا ارادہ معلوم ہے۔ آپ میرا مال مارنا چاہتے ہیں[4]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا[5]، اسے معلوم ہے کہ میں سب سے

اَتْقَاهُمْ وَ اَدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

زیادہ متقی اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔ (ترمذی، نسائی)

لـه اور آپ کو مشقت اٹھانا پڑتی۔

ـــه بز پہلے ایک نقطے والی بار پھر زا و مشدد، ان سلا کپڑا۔ اس (مردود) یہودی کا نام اس جگہ مذکور نہیں ہے۔

ـــه آپ نے کسی شخص کو یہودی کے پاس کپڑا خریدنے کے لیے بھیجا اور اسے کہا کہ گنجائش کے وقت قیمت ادا کر دی جائے گی۔

ـــه اس صحابی کو کہا جسے کپڑا خریدنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔

ـــه آپ چاہتے ہیں کہ ثمن ادا کرنے کے وعدہ پر میرا کپڑا لے جائیں اور بعد میں وعدہ پورا نہ کریں۔ بظاہر یہ خطاب اس صحابی سے ہے جو کپڑا خریدنے یہودی کے پاس گئے تھے، مگر درحقیقت یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے ——— بعض نسخوں میں یُرِیْدُ یار کے ساتھ ہے اور یہ ظاہر ہے (کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ وہ میرا مال مارنا چاہتے ہیں) چنانچہ صحابی نے واپس آکر یہودی کا جواب ناصواب بیان کیا۔

ـــه کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اس کا مال لے لوں اور ثمن ادا نہ کروں، وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے

ـــه تورات کے حوالے سے۔

ـــه آدَاهُمْ ہمزہ پر مدّ اور دال مخفف ——— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درشت قسم کا کپڑا پہن رکھا تھا جس سے آپ کی طبع لطیف کو تکلیف اور مشقت محسوس ہوتی تھی، آپ نے آسانی اور سہولت کے لیے عمدہ کپڑا ادھار خریدنے کا ارادہ کیا۔ نیز بدبخت یہودی کی بدبختی بھی معلوم ہوگئی کہ کس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے اور انہیں ذلیل کرے۔

۴۱۶۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيَّ ثَوْبٌ مَّصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَعَرَفْتُ مَا كَرِهَ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ مجھ پر کسم[1] سے رنگا ہوا گلابی کپڑا تھا، آپ نے فرمایا، یہ کیا ہے[2]؟ تو میں نے آپ کی ناپسندیدگی[3] کو پہچان لیا۔ چنانچہ میں نے جا کر

فَانْطَلَقْتُ فَاَحْرَقْتُهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا صَنَعْتَ بِثَوْبِكَ قُلْتُ اَحْرَقْتُهٗ قَالَ اَفَلَا كَسَوْتَهٗ بَعْضَ اَهْلِكَ فَاِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِهٖ لِلنِّسَآءِ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

اسے جلا دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے اپنے کپڑے کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اسے جلا دیا، فرمایا، تم نے وہ اپنے بعض[۴] اہل خانہ کو کیوں نہ پہنا دیا؟ کیونکہ اسے عورتوں کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ابوداؤد)

[۱] عصفر عین اور فار پر پیش اور صاد ساکن (کسم)

[۲] یہ تعجب اور انکار کے طور پر استفہام ہے۔

[۳] اس کپڑے کے پہننے سے۔

[۴] یعنی عورتوں کو۔

٤٢٦٦ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًی يَخْطُبُ عَلٰی بَغْلَةٍ وَ عَلَيْهِ بُرْدٌ اَحْمَرُ وَ عَلِیٌّ اَمَامَهٗ يُعَبِّرُ عَنْهُ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ہلال بن عامر[۱] اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منیٰ میں خچر[۲] پر سوار خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے سرخ دھاریوں والی چادر[۳] اوڑھ رکھی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے آگے کھڑے ہوئے آپ کی ترجمانی کر رہے تھے[۴]۔

(ابوداؤد)

[۱] ہلال بن عامر ثقہ تابعی ہیں اور اہلِ کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[۲] اور لوگوں کو احکام کی تعلیم دیتے ہوئے۔

[۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں جس جگہ بھی سرخ لباس کا ذکر ہے اس سے مراد سرخ دھاریوں والا کپڑا ہی ہے، یہ محدثین کی تحقیق ہے، بعض فقہاء کو اس جگہ وہم ہوا ہے کہ اس سے خالص سرخ کپڑا مراد ہے، حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔

[۴] اور آپ کا کلام دور کھڑے ہوئے لوگوں تک بلند آواز سے پہنچا رہے تھے جن تک ہجوم کی کثرت کی وجہ سے آپ کی آواز مبارک نہیں پہنچتی تھی، اسی طرح کہا گیا ہے، حق یہ ہے کہ آواز تو پہنچ رہی تھی، حضرت علی مرتضیٰ

رضی اللہ عنہ ان کو مطلب سمجھا رہے تھے۔

۴۱۶۷/۵۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیاہ چادر[۱] تیار کی گئی۔ آپ نے اسے زیب تن فرما لیا، جب آپ کو اس میں پسینہ آیا تو آپ نے اون کی بو محسوس کی اس لیے آپ نے اسے الگ کر دیا۔[۲] (ابوداؤد)

۱؎ اون سے۔

۲؎ طبیعت شریفہ کی نظافت اور کمالِ پاکیزگی کی بنا پر۔

۴۱۶۸/۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلَى قَدَمَيْهِ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ آپ چادر[۱] کو جسم کے گرد لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے، اس کا پھندنا[۲] آپ کے قدموں پر واقع تھا۔[۳] (ابوداؤد)

۱؎ یعنی وہ کپڑا جو آپ کے بدن پر مشتمل تھا، بعض شارحین نے شملہ کی تفسیر بُردہ (اوپر اوڑھنے والی چادر) سے کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ بردہ اوپر لینے والی چادر ہے اور شملہ وہ چادر ہے جس میں جسم لپیٹا جائے خواہ وہ اوپر لینے والی چادر ہو یا اس کے علاوہ، لہٰذا شملہ عام ہے۔ تہبند اور اوپر لینے والی چادر سے۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔ اِحتباء دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سُرین کے بل زمین پر بیٹھنا، احتباء کبھی دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی دونوں ہاتھوں کے ساتھ پنڈلیوں کے گرد حلقہ بنا لیا جاتا ہے اور کبھی چادر کے ساتھ، اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احتباء اوپر اوڑھنے والی چادر کے ساتھ تھا اور شملہ سے وہی مراد ہے۔

۲؎ صراح میں ہے هُدْبَه اور هُدُبَة ھا پر پیش، دال ساکن، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کپڑے کا کنارا اور اس کا ٹکڑا۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہیئت احتباء تشریف فرما تھے اور احتباء اپنے کپڑے کے ساتھ کیا ہوا تھا، محافل اور مجالس میں بیٹھنے کا یہ انداز عربوں میں معروف ہے۔ (ہمارے ہاں بھی دیہات میں یہ طریقہ مروج ہے ۱۲ ق)

۴۱۶۴ / ۵۷ وَعَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيفَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَأَعْطَانِي مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ أَحَدَهُمَا قَمِيصًا وَأَعْطِ الْآخَرَ امْرَأَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهِ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ وَأْمُرْ امْرَأَتَكَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت دحیہ بن خلیفہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں قباطی[2] کپڑے لائے گئے، آپ نے ان میں سے ایک کپڑا مجھے عنایت کیا اور فرمایا: اسے دو حصوں میں تقسیم کر لو[3]، ایک حصے کی قمیص بنوا لو اور دوسرا حصہ اپنی بیوی کو دے دو وہ اس کی اوڑھنی بنا لے[4]۔ جب انہوں[5] نے پشت پھیری تو آپ نے فرمایا۔ اپنی بیوی کو کہو کہ اس کے نیچے دوسرا کپڑا لگالے تاکہ اسے[6] ظاہر نہ کرے۔

(ابوداؤد)

سلہ دحیہ بن خلیفہ یہ وہی دحیہ کلبی ہیں جن کی صورت میں (بعض اوقات) حضرت جبرائیل علیہ السلام ہی آیا کرتے تھے۔

سلہ۲ قباطی کتان سے بنائے ہوئے باریک اور سفید کپڑے جو مصر میں تیار کیے جاتے تھے قباطی قاف پر زبر، طاء کے نیچے زیر اور یاء مشدد، جمع ہے قُبطیۃ کی قاف پر پیش اور باء ساکن منسوب ہے قبط کی طرف قاف کے نیچے زیر، یعنی اہل مصر، فرعون اسی قوم سے تھا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی کی طرف منسوب ہیں، قبط کے قاف کے نیچے اگرچہ زیر ہے لیکن قُبطیۃ جس کا معنی ہے وہ کپڑے، جو قبط کی طرف منسوب ہوں، اس کے قاف پر خلاف قیاس پیش ہے، کبھی زیر بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ان کپڑوں کی نسبت کے بارے میں ہے جو قبط کی طرف منسوب ہیں، آدمیوں کی نسبت کرتے وقت قیاس کے مطابق قاف کے نیچے زیر ہی ہے حضرت دحیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کپڑے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے۔

سلہ۳ صدع کا معنی ہے شیشے روزتن ایسی سخت چیز کو دو حصوں میں تقسیم کرنا۔ صاد پر زبر ہو تو یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے کپڑے کا ٹکڑا الگ کرنا، صاد کے نیچے زیر ہو تو یہ اسم ہے جس کا معنی ہے ٹکڑا، از باب فتح جیسے کرشق دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سلہ۴ اپنے سر کو ڈھانپنے کے لیے، تختمر کی راء پر رفع اور جزم پڑھنا دونوں صحیح ہیں۔

سلہ۵ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پلٹے یا خود حضرت دحیہ فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کلام میں یہ طریقہ بھی استعمال ہوتا ہے۔

۵۶ تاکہ وہ اوڑھنی باریک ہونے کی بنا پر اس کے بالوں اور چہرے کو منکشف نہ کرے، جیسے کہ اس کے نیچے جلد دکھائی دیتی ہے، تخفیف کی طرح لا تصفہا کو مرفوع اور مجزوم دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۴۱۷۰/۵۸ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَ هِيَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَيَّةً لَا لَيَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ وہ سر پر اوڑھنی لپیٹ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: ایک بل نہ کہ دو بل ۱؎۔ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی اپنے سر کے اوپر اور ٹھوڑی کے نیچے دو بل نہیں بلکہ ایک بل دو۔ اسی طرح علامہ طیبی نے اس کی تفسیر کی ہے ظاہر یہ ہے کہ سر پر کپڑا لپیٹنا مراد ہے، عرب عورتوں کی عادت یہ تھی کہ اوڑھنی پٹی کی طرح سر پر لپیٹ لیتی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ایک پیچ ہی کافی ہے۔ زیادہ نہ لپیٹے تاکہ فضول خرچی نہ ہو اور مردوں کی پگڑی کے مشابہ نہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مردانہ لباس پہننا اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے، جیسے کہ اس کے عکس کا بھی یہی حال ہے (یعنی مردوں کو زنانہ لباس پہننا اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا درست نہیں ہے ۱۲ ق)

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۱۷۱/۵۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ اِزَارِيْ اسْتِرْخَاءٌ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ارْفَعْ اِزَارَكَ فَرَفَعْتُهٗ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُّ فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاهَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِلٰى اَيْنَ قَالَ اَنْصَافِ السَّاقَيْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے اس حال میں گزرا کہ میرے تہبند میں درازی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ عبداللہ۔ اپنے تہبند کو اونچا کرو۔ میں نے اسے اونچا کیا۔ پھر فرمایا۔ مزید اونچا کرو۔ میں نے اور اونچا کر لیا اس کے بعد اس عمل ۱؎ کو طلب ہی کرتا رہا۔ کچھ لوگوں نے ۲؎ پوچھا کہاں تک؟ فرمایا نصف پنڈلیوں تک (مسلم)

۵۱ اور اس خصلت کو، یعنی تہبند اونچا کرنے کو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم فرمانے کے بعد۔
۵۲ جنہوں نے یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنی۔

۴۱۷۲/۶ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِیْ يَسْتَرْخِیْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

اُن ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ازراہ تکبر[۵۱] کپڑے کو کھینچا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا[۵۲]، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا تہبند نیچے ڈھلک جاتا ہے، جب تک کہ میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تم ازراہ تکبر یہ کام نہیں کرتے[۵۳]۔ (بخاری)

۵۱ صراح میں ہے خیلاء نقطے والی خاء پر پیش، اس کے نیچے زیر بھی آتی ہے، یاء پر زبر، آخر میں الف ممدودہ، تکبر، خال اور مخیلۃ میم پر زبر اور خاء کے نیچے زیر۔
۵۲ یہ وعید اور ڈرسن کر
۵۳ مکروہ اور حرام ہے کہ خود پسندی اور تکبر کے طور پر ایسا کیا جائے۔

۴۱۷۳/۶۱ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَاَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَاْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ اِزَارِهٖ مِنْ مُقَدَّمِهٖ عَلٰی ظَهْرِ قَدَمِهٖ وَ يَرْفَعُ مِنْ مُؤَخَّرِهٖ قُلْتُ لِمَ تَاْتَزِرُ هٰذِهِ الْاِزَارَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتَزِرُهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عکرمہ[۵۱] سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تہبند باندھتے ہوئے دیکھا وہ اپنی چادر کا اگلا کنارا پاؤں کی پشت پر رکھتے تھے اور پیچھے سے بلند کر لیتے تھے، میں نے کہا کہ آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اسی طرح باندھتے ہوئے دیکھا ہے[۵۲]۔ (ابوداؤد)

سلہ حضرت عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور کاتب تھے۔ نیز مکہ مکرمہ کے فقہا اور تابعین میں سے ایک تھے۔

سلہ اُزْرَۃ" تہبند باندھنے کا ایک طریقہ

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسبال سے بچنے کے لیے پیچھے سے چادر کا اونچا رکھنا کافی ہے۔

۴۳۱۷ ۶۲ وَعَنْ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْعَمَائِمِ فَإِنَّھَا سِیْمَاءُ الْمَلَائِکَۃِ وَارْخُوْا خَلْفَ ظُھُوْرِکُمْ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم عمامے ضرور باندھو، کیونکہ یہ فرشتوں کی نشانی ہیں سلہ۔ اور انہیں اپنی پشت کے پیچھے لٹکاؤ سلہ (امام بیہقی، شعب الایمان)

سلہ جیسے کہ بدر کے دن فرشتے پگڑیاں باندھ کر آئے۔ سیما، الف مقصورہ اور ممدودہ دونوں کے ساتھ آتا ہے۔

سلہ کیونکہ فرشتے بھی اسی حالت میں آتے تھے، بعض نسخوں میں ظُھُوْرِکُمْ (ظہور جمع کے صیغہ کے ساتھ) ہے اور یہ ظاہر ہے ——— پگڑی کی فضیلت میں بہت حدیثیں آئی ہیں، جن میں سے کچھ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں بیان کی ہیں سلہ

سلہ آج عوام تو عوام، علماء کرام بھی اس اہم سنت کے تارک ہیں، اور عوام میں سے کئی جاہل تو ایسے ہیں جو پگڑی باندھنے والوں کا مزاح اڑاتے ہیں، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے ایک سوال کے جواب میں عمامہ کی فضیلت میں بیس حدیثیں نقل کی ہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۷۶۔۸۰) تمہیدی سطور کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ عمامہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحد ضروریات دین تک پہنچا ہے، ولہذا علمائے کرام نے عمامہ تو عمامہ ارسال عذبہ یعنی شملہ چھوڑنا کہ اس کی فرع ہے اور سنت غیر موکدہ ہے، اس کے ساتھ استہزا کو کفر ٹھہرایا تو عمامہ کی سنت لازمہ دائمہ ہے، یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیا، اور حدیث آتی (آئندہ) رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر محمل کیا، علامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: اصلا مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے، اسی میں بعد ذکر بعض احادیث فضیلت عمامہ ہے، ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہوتی۔ بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

۴۱۷۵/۴۳ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ قَالَ يَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَّصْلُحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَكَفَّيْهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئیں کہ انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے، آپ نے چہرہ انور ان سے پھیر لیا، اور فرمایا: اسماء! بالتحقیق جب عورت حیض کو پہنچ جائے[۱] تو درست نہیں کہ اس کا کوئی عضو دیکھا جائے مگر یہ اور یہ، اور[۲] آپ نے چہرہ انور اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی بلوغ کے وقت کو پہنچ جاتے۔

[۲] هٰذَا وَ هٰذَا (یہ اور یہ) کا مشار الیہ بیان کرنے کے لیے ــــــ یہ خاتون کے لیے ستر عورت ہے، اور حجاب (پردہ) یہ ہے کہ گھر سے باہر مردوں کے سامنے نہ جائیں اگرچہ پوشیدہ ہوں، اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے خواص میں سے ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعضاء باریک کپڑوں میں دکھائی دیں تو وہ برہنہ کے حکم میں ہیں[۱]

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: اس سے دو مسئلے معلوم ہوتے ایک یہ کہ اگر باریک کپڑے میں سے جسم نظر آرہا ہو تو وہ ننگے جسم کے حکم میں ہے اس کو پہن کر نماز نہ ہوگی، دوسرے یہ کہ عورت کے ہاتھ کلائیوں تک اور چہرہ ستر نہیں، مگر اب اجنبی کو اس کا دیکھنا حرام ہے۔ یہ فرمان عالی پردہ فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ ۱۲ مرآۃ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اگرچہ بے ٹوپی ہو، ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور خالی ٹوپی خلاف سنت ہے۔ اور کچھ نہ کر نہ ہو کر وہ کافروں اور بعض بلاد کے بدمذہبوں کی وضع ہے ــــ اس کا انکار کس درجہ اشد و اکبر ہوگا! اس کا سنت متواترہ ہونا متواتر ہے اور سنت متواترہ کا استخفاف (توہین) کفر ہے (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۷۶، ۷۷ (طبع مبارکپور، ہند) (۱۲ قادری نقشبندی)

۴۱۷۶/۶۴ وَعَنْ اَبِیْ مَطَرٍ قَالَ اَنَّ عَلِیًّا اِشْتَرٰی ثَوْبًا بِثَلٰثَۃِ دَرَاھِمَ فَلَمَّا لَبِسَہٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِی النَّاسِ وَ اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ ثُمَّ قَالَ ھٰکَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابو مطر[1] سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین درہم[2] میں ایک کپڑا خریدا، جب اسے پہنا تو کہا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ لباس[3] عطا فرمایا جس کے ساتھ میں لوگوں میں زیب و زینت کرتا ہوں۔ اور اپنا ستر ڈھانپتا ہوں[4]، پھر فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا[5]۔

(امام احمد)

[1] ابو مطر تابعی ہیں، ان کا نام معلوم نہیں ہے، حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے حجاج بن ارطاۃ نے روایت کی اور ان کی توثیق کی۔

[2] ایک درہم تین ماشے چاندی سے کم ہوتا ہے (غیاث اللغات میں ہے کہ درہم ساڑھے تین ماشے کا ہوتا ہے ۱۲ قادری نقشبندی)۔

[3] ریاش راء کے نیچے زیر، ریش کی جمع، بمعنی زینت، یہ پرندے کے پر سے مستعار ہے جو اس کے لیے لباس بھی ہے اور زینت بھی (اصل میں ریش کا معنی پر ہے ۱۲ ق)

[4] یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا (الآیۃ)، ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے ستر ڈھانپتا ہے اور زینت ہے۔

[5] کپڑا پہننے کے بعد، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔

۴۱۷۷/۶۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثَوْبًا جَدِیْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ ثُمَّ قَالَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیا کپڑا پہنا تو کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں جمال حاصل کرتا ہوں، پھر کہنے لگے میں نے

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ ثُمَّ عَمَدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِىْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِىْ كَنَفِ اللّٰهِ وَ فِىْ حِفْظِ اللّٰهِ وَ فِىْ سِتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَّ مَيِّتًا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِىُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا اور کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور اپنی زندگی میں آرائش حاصل کرتا ہوں۔ پھر اس نے اپنے پرانے کپڑے کا قصد کیا اور اسے صدقہ کر دیا۔ تو وہ شخص زندہ اور مردہ اللہ تعالیٰ کی پناہ[1]، اس کی حفاظت اور اس کے پردے[2] میں ہوگا۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔)

۱ قاموس میں ہے کَنَفٌ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، پناہ، پردہ اور سایہ، وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے سائے میں ہوگا۔

۲ اس کی بخشش اور مغفرت کے پردے میں ہوگا، سِتر سین کے نیچے زیر، اسم ہے (بمعنی پردہ) اور سین پر زبر ہو تو مصدر ہے (اس کا معنی ڈھانپنا ہے) ——— زندگی میں نعمت کی شکر گزاری کی بنا پر اور مرنے کے بعد صدقے کے ثواب کی بنا پر۔

۴۲۷۸/۲۲ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِىْ عَلْقَمَةَ عَنْ اُمِّهٖ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى عَائِشَةَ وَ عَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَ كَسَتْهَا خِمَارًا كَثِيْفًا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت علقمہ بن ابو علقمہ[1] اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس حال میں داخل ہوئیں کہ انہوں باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہ نے وہ دوپٹہ پھاڑ دیا اور انہیں موٹا دوپٹہ پہنا دیا[2]۔

(امام مالک)

ف۱ علقمہ ابن ابو علقمہ مدنی تابعی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام، یہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد علقمہ بن قیس سے الگ شخصیت ہیں، وہ اکابر اور مشاہیر تابعین میں سے ہیں، مطلق علقمہ کہا جاتے تو وہی مراد ہوتے ہیں۔

ف۲ خمار پہلے حرف کے نیچے زیر، عورتوں کی اوڑھنی، دوپٹہ۔

۳۷۹/۶۷ وَعَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتْ اِرْفَعْ بَصَرَكَ اِلٰى جَارِيَتِيْ اُنْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهٰى اَنْ تَلْبَسَهٗ بِالْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِيْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَيَّ تَسْتَعِيْرُهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبدالواحد بن ایمن[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں[۲]، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے قطری کپڑے[۳] کی قمیص پہن رکھی تھی جس کی قیمت پانچ درہم تھی[۴]، انہوں نے فرمایا: میری کنیز کی طرف نگاہ اٹھاؤ اور اسے دیکھو کہ وہ اس کپڑے کو گھر میں[۵] پہننا معیوب جانتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں میری ایک قمیص اس کپڑے کی تھی[۶] مدینہ منورہ میں جو عورت بھی دلہن بنائی جاتی تھی[۷]۔ وہ کسی کو میرے پاس بھیج کر عاریۃً منگوا لیتی تھی[۸]۔

(بخاری)

ف۱ عبدالواحد بن ایمن کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ مخزومی ہیں، ابو عمرو کے اور بقول بعض ابن ابی عمرو کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے اپنے والد اور دیگر تابعین سے حدیث سنی۔

ف۲ یعنی حضرت ایمن

ف۳ یمن یا بحرین کا ایک قسم کا کپڑا ——— قاموس میں ہے کہ درع عورت کی قمیص کو کہتے ہیں۔ مغرب میں ہے کہ درع اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے۔

ف۴ یعنی معمولی قسم کا کپڑا تھا۔

ف۵ چڑ جائے کہ اسے پہن کر باہر جائے، تُزْهٰى صیغہ مجہول ہے، لیکن اس کا معنی معلوم والا ہے، بعض الفاظ کا استعمال اسی طرح آیا ہے۔ جیسے کہ نُتِجَتِ النَّاقَةُ لفظ مجہول کے ساتھ کہتے ہیں لیکن معنی معلوم

والا ہے، یعنی اونٹنی نے بچہ جنا۔

۶ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنے فقر، تنگدستی اور زہد کا حال بیان کیا کہ مری ایک قمیص قطری کپڑے کی تھی۔ علامہ طیبی نے کہا کہ منہا کی ضمیر ان کپڑوں کی جنس کی طرف ہے جن کی اہمیت اور قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

۷ تقیین کا معنی ہے گانے والی کنیز کا گانے کے آلات کا سنوارنا۔

۸ کپڑوں کی قلت کی بنا پر یا برکت حاصل کرنے کے لیے ۱۲ قادری نقشبندی)

۴۱۸۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءَ دِيْبَاجٍ أُهْدِيَ لَهٗ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهٗ فَأَرْسَلَ بِهٖ إِلٰى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ أَمْرًا وَأَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَا لِيْ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَهٗ تَلْبَسُهٗ إِنَّمَا أَعْطَيْتُكَهٗ تَبِيْعُهٗ فَبَاعَهٗ بِأَلْفَيْ دِرْهَمٍ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دن دیبا کی قبا زیب تن فرمائی جو آپ کو ہدیہ کے طور پر پیش کی گئی تھی، پھر آپ نے جلد اتار دی اور حضرت عمر کے پاس بھیج دی، عرض کیا گیا ۱ یا رسول اللہ! آپ نے کتنی جلدی اتار دی؟ فرمایا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے اس سے منع کیا ۲ حضرت عمر ۳ روتے ہوئے حاضر ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے ایک چیز ناپسند کی، اور مجھے عطا فرما دی، میرا کیا حال ہوگا ۴، فرمایا: ہم نے یہ قبا تمہیں پہننے کے لیے نہیں دی، تمہیں اس لیے دی ہے کہ اسے بیچ دو، چنانچہ انہوں نے دو ہزار درہم میں بیچ دی (مسلم)

۱ صحابہ کرام نے عرض کیا۔

۲ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممانعت سے پہلے ریشمی قبا پہنی تھی۔

۳ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سنا تو

۴ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں قبا پہننے کے لیے عنایت کی ہے، اور رو پڑے کہ جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے میں اسے کس طرح

پہن لوں؟) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی۔

۵ چونکہ قبا قیمتی تھی اسی لیے یہ حکم نہیں دیا کہ اس سے عورتوں کے کپڑے بنا دو، جیسے کہ دیگر مواقع پہ فرمایا۔

۴۱۸۱/۴۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمَتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَاَمَّا الْعَلَمُ وَسَدَى الثَّوْبِ فَلَا بَاْسَ بِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف خالص[۱] ریشم کے کپڑے سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے، لیکن نشان اور کپڑے کا تانا (ریشمی ہو تو) اس میں حرج نہیں ہے[۲]

(ابوداؤد)

۱ جس کا تانا بانا دونوں ریشمی ہوں، کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو ——— مُصْمَت میم پر پیش، صاد ساکن، دوسرے میم پر زبر، ایک قسم اور ایک رنگ کا کپڑا۔

۲ یاد رہے کہ جس کپڑے کا تانا اور بانا ریشم ہو (مرد کے لیے) اس کا پہننا حرام اور مکروہ ہے، ہاں بعض علماء کا ایک شاذ قول ہے (کہ اس کا پہننا جائز ہے) جس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ صاحبین کے نزدیک جنگ میں پہننا جائز ہے، جس کپڑے کا تانا ریشم اور بانا ریشمی نہ ہو وہ بالاتفاق جائز ہے اور اس کا عکس (بانا ریشم اور تانا غیر ریشم) بھی مکروہ ہے، ہاں جنگ میں جائز ہے، جنگ میں صاحبین کے نزدیک خالص ریشم بھی جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مخلوط جائز ہے، جس کا تانا ریشم اور بانا ریشم نہ ہو، اور جس کپڑے کا تانا ریشم ہو اور بانا ریشمی نہ ہو وہ بھی مطلقاً جائز ہے۔

۴۱۸۲/۵۰ وَعَنْ اَبِيْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ وَّ عَلَيْهِ مُطْرَفٌ مِّنْ خَزٍّ وَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ

حضرت ابو رجاء[۱] سے روایت ہے کہ ہمارے پاس حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں تشریف لائے کہ انہوں نے نقش و نگار والی اونی چادر[۲] اوڑھ رکھی تھی، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرماتے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے

عَلٰی عَبْدِہٖ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے ؎ (امام احمد)

؎۵۱ ابورجاء، راء اور جیم پر زبر، ان کا نام عمران بن تیم عطاردی ہے اور وہ ایسے تابعی ہیں، جنہوں نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا۔

؎۵۲ مطرف میم پر تینوں حرکتیں پڑھی جا سکتی ہیں، وہ کپڑا جس کے دونوں کناروں پر نقش و نگار اور پھول ہوں میم زائدہ، قاموس میں ہے، مطرف بروزن مکرم چار کونوں والی اونی چادر جس پر پھول ہوں۔

؎۵۳ اس کی شرح دوسری فصل، حضرت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے۔

۴۱۸۳/۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُلْ مَا شِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَاَتْكَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَّ مَخِيْلَةٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، جب تک کہ دو چیزیں تم سے جدا رہیں (۱) فضول خرچ (۲) تکبر ؎۔ امام بخاری نے یہ حدیث ایک باب کے عنوان میں ذکر کی ہے۔

؎۵ یعنی (حلال) کھانے اور لباس میں توسیع کے مکروہ ہونے کی وجہ فضول خرچی اور تکبر ہے، اور اگر یہ وجہ نہیں پائی گئی تو جائز ہے۔

۴۱۸۴/۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَّلَا مَخِيْلَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو، جب تک کہ فضول خرچی اور تکبر کی آمیزش نہ ہو۔ (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

۴۱۸۵/۳ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا زُرْتُمُ اللّٰهَ فِيْ قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

نے فرمایا: بہترین کپڑے جن کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں، اپنی قبروں اور مسجدوں میں حاضری دو سفید ہیں
(ابن ماجہ)

# بَابُ الْخَاتَمِ

## ۲۰۱۔ انگوٹھی کا بیان

انگوٹھی وغیرہ زیورات کا بیان، خاتم میں پانچ لغات ہیں (۱) تا پر زبر (۲) تا کے نیچے زیر، (۳) خاتام۔ (۴) خِیتام خا کے نیچے زیر (۵) خَتَم پہلے دونوں حرفوں پر زبر، بعض کتابوں میں خیتام اور خیتوم کا بھی اکثر ذکر کیا ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۱۸۶ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّ فِيْ رِوَايَةٍ وَّ جَعَلَهٗ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ وَّرِقٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَا يَنْقُشَنَّ اَحَدٌ

### پہلی فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں پہنی، پھر جدا کر دی، پھر چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ اس میں نقش کیا گیا محمد رسول اللہ، اور فرمایا کوئی شخص ہماری اس انگوٹھی کے

عَلٰی نَقْشِ خَاتِمِیْ هٰذَا وَ كَانَ اِذَا لَبِسَهٗ جَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ بَطْنَ كَفِّهٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نقش پر نقش نہ بنائے ۵۳، اور جب آپ انگوٹھی پہنتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کر لیتے تھے ۵۴۔
(صحیحین)

۵۱ وَرِق "را" کے نیچے زیر، اس پر زبر اور سکون بھی آیا ہے، مہر والے دراہم، اس جگہ چاندی مراد ہے۔

۵۲ نَقَشَ صیغہ معلوم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، چونکہ یہ متبرک کلمات تھے۔ اور تمام مسلمانوں کے درمیان مشترک، گمان تھا کہ تمام مسلمان ان کے نقش کرنے میں دلچسپی لیں گے، اس لیے منع فرمادیا۔

۵۳ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس جگہ لفظ علیٰ بمعنی مثل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص یہ کلمات اپنی مہر میں نہ لکھے، کیونکہ مہر کے نقش میں اشتراک، باعث فساد اور اہم مقاصد میں خلل پیدا ہونے کا ذریعہ ہے، خاتمی ھٰذا میں ھٰذا کا اشارہ یا تو نقش کی تعیین کی طرف ہے یا انگوٹھی کی طرف، مقصود اس انگوٹھی کی تعیین اور دوسروں کی انگوٹھیوں سے ممتاز کرنا ہے، تقیید مقصود نہیں ہے (تاکہ یہ مطلب سمجھا جائے کہ اس انگوٹھی کی مثل نقش نہ بناؤ چاہے ہماری کسی دوسری انگوٹھی کی مثل بنالو ۱۲ ق، ف) اور اگر انگوٹھی کے اس نقش کو خاص طور پر سلاطین اور ملوک کے نام ارسال کیے جانے والے مکاتیب کے لیے معین فرمایا ہوا ہو اور اس سلسلے میں کسی دوسری انگوٹھی کا نقش معتبر نہ ہو تو تقیید کا معنی بھی درست ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۴ نگینہ باہر کی طرف نہ رکھتے، کیونکہ یہ انداز خود پسندی اور زینت سے دور ہے (سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی نہ کہ زیب وزینت کے لیے ۱۲ ق، ن) مذہب حنفی میں یہی مختار ہے۔ جیسے کہ ہدایہ میں ہے، لیکن علامہ طیبی نے کہا کہ چونکہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا لہٰذا اگر نگینہ ہاتھ کی پشت کی طرف بھی رکھا جائے تو درست ہے اور سلف صالحین سے دونوں طرح منقول ہے۔

یاد رہے کہ حدیث کی ابتدا میں دو چیزوں کا ذکر ہے اور دونوں میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔

۱۔ سونے کی انگوٹھی کا پہننا، اس کی تبدیلی اسی حدیث میں مذکور ہوتی ہے۔

۲۔ دائیں ہاتھ میں پہننا، یہ طریقہ بھی بدل گیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری طریقہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ روایات مختلف ہیں۔ بعض احادیث سے دائیں ہاتھ میں اور بعض سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ثبوت ملتا ہے، اور تمام احادیث صحیح ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے اور کبھی دائیں ہاتھ میں (اھ) علامہ سیوطی نے شرح بخاری میں فرمایا کہ احادیث میں انگوٹھی کا دائیں ہاتھ

میں پہننا وارد ہے اور دیگر احادیث میں بائیں ہاتھ میں پہننے کا تذکرہ ہے۔ اور اسی پر عمل ہے، پہلا طریقہ منسوخ ہے چنانچہ امام بیہقی اور بغوی وغیرہ اسی کے قائل ہوئے ہیں، ابن عدی وغیرہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی، پھر اس میں تبدیلی کی اور اسے بائیں ہاتھ میں پہن لیا۔ امام نووی نے فرمایا: دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کے جائز ہونے پر اجماع ہے۔ نیز فرمایا کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہ ہے کہ یمنی ہاتھ زیادہ شرافت والا ہے۔ لہٰذا وہ زینت اور عزت کے زیادہ لائق ہوگا۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں کے لیے حرام ہے، لیکن عورتوں کے لیے حرام نہیں ہے، بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مردوں کا پہناوا ہے اور لباس میں عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت چاندی کی انگوٹھی پہنے تو اس چاہیے کہ اس کا رنگ زعفران وغیرہ سے تبدیل کرے، ہدایہ میں ہے کہ اس معاملے میں معتبر نگینہ نہیں بلکہ حلقہ ہے، کیونکہ انگوٹھی کی حقیقت کا دو چیزوں پر مشتمل ہونا بہت بعید ہے۔

۴۱۸۷/۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ریشمی اور سرخ لباس کے پہننے، سونے کی انگوٹھی پہننے[۵۱]، اور رکوع میں قرآن پاک پڑھنے[۵۲] سے منع فرمایا۔ (مسلم)

۵۱ اس کی شرح کتاب اللباس کی دوسری فصل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے تحت گزر چکی ہے۔

۵۲ اس کے دو مطلب ہیں۔

۱۔ رکوع میں تسبیح کی جگہ قرآن پاک کے پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ قراءت کی جگہ قیام ہے، اور رکوع تسبیح کی جگہ ہے۔

۲۔ اس بات سے منع کیا کہ جلدی میں قراءت مکمل کیے بغیر رکوع میں چلا جائے اور کچھ قراءت رکوع میں کرے، اسی طرح میں نے سنا کہ۔

۴۱۸۸/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَّقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، آپ نے وہ اتار کر دور پھینک دی اور فرمایا: تم میں سے ایک شخص جہنم کی آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے[۱]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد[۲] اس شخص کو کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی لے لو اور اس سے نفع حاصل کرو[۳] انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں اسے کبھی بھی نہیں لوں گا، جب کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے[۴]

(مسلم)

۵۱ اس ارشاد سے مقصود یا تو ممانعت ہے یا سونے کی انگوٹھی پہننے پر وعید اور تشدید ہے۔

۵۲ یعنی اس مجلس سے

۵۳ اسے بیچ کر اس کے ثمن سے فائدہ حاصل کرو یا تمہاری کوئی عورت اسے پہن لے گی۔

۵۴ کیونکہ جس چیز کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند اور مکروہ جانا ہے، آپ کی اجازت کے بغیر اس کے اٹھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے میں بھلائی نہیں ہوگی ۱۲ اچھا ہے کوئی فقیر اسے اٹھائے اور اس سے نفع حاصل کرے تاکہ مجھ سے سرزد ہونے والی کوتاہی کا کفارہ ادا ہو جائے۔

۴۱۸۹ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ فارس[۱]، شاہ روم[۲]، اور شاہ حبشہ[۳] کے نام فرمان لکھنے کا ارادہ کیا تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ[۴] مہر کے بغیر مکتوب کو قبول نہیں کرتے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَةً فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

عليہ وسلم کے حکم پر ایک انگوٹھی تیار کی گئی ۵۵ حلقہ چاندی کا تھا ۵۶، اس میں نقش کیا گیا۔ محمد رسول اللہ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلٰثَةَ اَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَّ رَسُوْلٌ سَطْرٌ وَّ اللّٰهُ سَطْرٌ۔

امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ انگوٹھی کے نقش کی تین سطریں تھیں۔ (۱) محمدؐ، (۲) رسول۔ (۳) اللہ ۵۷۔

۵۱ کِسریٰ کاف پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی جائز ہے۔ راء پر زبر، زیر کی طرف اس کا امالہ بھی آیا ہے فارس (ایران) کے بادشاہ کا لقب اور خسرو کا معرّب ہے۔

۵۲ قیصر شاہ روم کا لقب ہے۔

۵۳ نجاشی نون پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی جائز ہے، جیم مخفف، یاء مشدد، اسے مخفف ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض افاضل نے اسی طرح تصحیح کی ہے، شاہ حبشہ کا لقب، یاء کی تخفیف زیادہ مشہور ہے۔

۵۴ یعنی شاہانِ وقت

۵۵ صوغ پگھلی ہوئی چیز کو سانچے میں ڈالنا۔

۵۶ نگینے کے بارے میں بیان نہیں کیا صرف حلقے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، چونکہ حلقہ ہاتھ میں پہنا جاتا ہے اور وہ محل استبعاد ہے، بیان جواز کے لیے اس کا ذکر کر دیا گیا، بعض احادیث میں آیا ہے۔ کہ یہ نگینہ بھی چاندی کا تھا، اور بعض روایات میں ہے کہ اس میں حبشی نگینہ تھا۔ اس کا بیان احادیث میں بھی آئے گا۔

۵۷ سب سے نچلی سطر میں محمدؐ درمیانی سطر میں رسول اور اوپر والی سطر میں اللہ امام نووی نے لکھا ہے کہ پہلی سطر اللہ دوسری سطر رسول اور تیسری سطر میں محمد اس طرح۔ [اللہ / رسول / محمد] دائرے میں عبارت نیچے سے اوپر کی طرف پڑھی جاتی ہے ۱۲ (ق ن) بعض حواشی میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔ [محمد رسول اللہ] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی بابرکت انگوٹھی حضرت ابوبکر صدیق کے پاس ان کے بعد حضرت عمر فاروق کے پاس اور ان کے بعد حضرت عثمان غنی کے پاس رہی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عثمان غنی کی خلافت کے آخری دور میں ان کے خادم معیقیب سے اریس نامی کنوئیں میں گر گئی، بہت تلاش کی گئی مگر نہیں ملی، کہتے ہیں

کہ ان کے زمانے میں اس انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد ہی اختلاف و انتشار اور پریشانی پیدا ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی طرح اس انگوٹھی میں بھی ایک راز ودیعت کیا گیا تھا جس کی بنا پر وہ انگوٹھی اتفاق اور انتظام کا باعث تھی۔

۴۱۹۰/۵ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهُ مِنْ فِضَّةٍ وَ كَانَ فَصُّهُ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا۔ (بخاری)

۴۱۹۱/۶ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ فِيْهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنی، اس میں حبشی[۱] نگینہ تھا، آپ اس کے نگینے کو ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ (صحیحین)

[۱] نگینہ بایں معنی حبشہ کی طرف منسوب تھا کہ وہ جزع یا عقیق تھا جس کی کان یمن اور حبشہ میں ہے، یا کوئی دوسرا نگینہ تھا جو حبشہ میں ہوتا ہے، یا یمنی پتھر مراد ہے اور قرب کی بنا پر حبشہ کو یمن میں شمار کرتے ہیں یا وہ نگینہ حبشیوں کے رنگ کی طرح سیاہ تھا یا وہ حبشہ میں تیار کیا گیا تھا یا اس کا تیار کرنے والا حبشی تھا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار کے بارے میں آیا ہے کہ وہ حنفی تھی، یعنی اس کا بنانے والا بنو حنیفہ سے تھا، اس معنی کے اعتبار سے یہ حدیث، چاندی کا نگینہ ہونے کے منافی نہیں ہے، پہلا معنی مراد ہونے کی صورت پر اس حدیث کو انگوٹھیوں کے متعدد ہونے پر محمول کیا جائے گا۔

۴۱۹۲/۷ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهٖ وَ اَشَارَ اِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس انگلی میں تھی، حضرت انس نے بائیں ہاتھ کی چھنگلی کی طرف اشارہ کیا (مسلم)

۴۱۹۳/۸ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَخَتَّمَ فِيْ اِصْبَعِيْ هٰذِهٖ اَوْ هٰذِهٖ قَالَ فَاَوْمٰى اِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے اس انگلی یا اس انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی نے درمیانی اور اس کے ساتھ والی انگلی[۱] کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

[۱] یعنی انگشت شہادت، اسی طرح کہا گیا ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ قال کی ضمیر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف راجع ہو اور اَوْمیٰ (اشارہ کیا) کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف راجع ہو، پہلا احتمال زیادہ ظاہر ہے، بعض شارحین نے کہا کہ انگوٹھے اور چھنگلی کے ساتھ والی انگلی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحابۂ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے کوئی روایت نہیں آئی، اس سے ثابت ہوا کہ چھنگلی میں انگوٹھی پہننا مستحب ہے، اسی طرف ائمہ حنفیہ اور شافعیہ کا میلان ہے۔ یہ مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے تمام انگلیوں میں انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۱۹۴/۹ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهٖ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ)

حضرت عبداللہ بن جعفر[۱] رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابن ماجہ) امام ابوداؤد اور امام نسائی نے یہ حدیث حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی

[۱] حضرت عبداللہ بن جعفر صحابی تھے اور جود و سخاوت میں یکتائے روزگار تھے

۴۱۹۵/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَسَارِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (ابوداؤد)

۴۱۹۶/۱۱ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ حَرِيْرًا

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ریشمی

فَجَعَلَهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ فَاَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهٗ فِيْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

کپڑا پکڑا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا، اور سونا پکڑا، اسے اپنے بائیں ہاتھ میں رکھا پھر فرمایا، بے شک یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

۴۱۹۷ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چیتے کی کھالوں پر سوار ہونے سے منع فرمایا، نیز سونا پہننے سے منع فرمایا مگر یہ کہ ریزہ ریزہ کیا ہوا ہو[۱۲]۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱۲ مقطع اصل میں چھوٹے کپڑے اور ہر چھوٹی اور ناقص چیز کو کہتے ہیں، اس اعتبار سے شارحین نے اس کی تفسیر تھوڑی اور معمولی چیز کے ساتھ کی ہے، جیسے تلوار کا جوڑ، کمر بند کا حلقہ یا دانت اور ناک اور اس کی مثل، معمولی کی تفسیر اتنی مقدار کے ساتھ کی جس میں زکوٰۃ واجب نہ ہو، تھوڑی مقدار میں سونے کو حلال قرار دینا ایسے ہی ہے، جیسے تھوڑی مقدار مثلاً تین یا چار انگلی کے برابر ریشم کو حلال قرار دینا، جیسے کہ اس سے پہلے گزر گیا ہے، علامہ طیبی نے علامہ ابوسلیمان خطابی سے نقل کیا ہے کہ نہی سے استثناء عورتوں سے متعلق ہے نہ کہ مردوں سے یعنی سونا پہننے سے منع فرمایا، مگر یہ کہ عورتوں کے لیے ریزہ ریزہ حلال ہے، مردوں کے لیے اب بھی ممانعت اور کراہت والا حکم ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ یہ توجیہ عمدہ ہے لیکن الفاظ حدیث مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق کرنے کے متحمل نہیں ہیں جیسے کہ اس کے ساتھ ہی چیتوں کی کھالوں پر سوار ہونے کی ممانعت ہے (اور وہ مردوں اور عورتوں کو شامل ہے۔) (طیبی)

مخفی نہ رہے کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے استعمال سے عورتوں کو منع نہیں کیا گیا بلکہ صرف مردوں کو منع کیا گیا ہے، اس معنی کے مراد لینے پر ان احادیث کو قرینہ بنایا جائے تو بعید نہیں ہے مطالب المومنین میں ہدایہ اور کافی کے حوالے سے ہے کہ لگام، رکاب اور دمچی پر جب چاندی لگی ہوئی ہو، کپڑے میں سونے اور چاندی سے کتابت کی گئی ہو ان پر بیٹھنا، اور ایسی زین اور کرسی پر بیٹھنا جب کہ بیٹھنے اور ہاتھ سے پکڑنے کی جگہ چاندی نہ ہو، امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابو یوسف نے کہا کہ مکروہ ہے، امام محمد کا قول کبھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ اور کبھی

امام ابو یوسف کے ساتھ روایت کرتے ہیں، تلوار، مسجد، آئینے کے فریم میں چاندی لگانے، اور قرآن پاک سونے اور چاندی کے ساتھ مزین کرنے میں اسی طرح اختلاف ہے، اسی طرح اس کپڑے میں اختلاف ہے جس پر سونے چاندی سے کتابت کی گئی ہو، آئینے کے فریم سے مراد وہ ہے جو اس کے اردگرد ہوتا ہے، مٹھی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے، یہ اختلاف خالص سونے کے بارے میں ہے، اور اگر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو تو مکروہ نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک پٹکے میں سونے کا استعمال کرنا اور تلوار کا زیور بنانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ کام چاندی سے چل جاتا ہے سونے اور چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور چاندی کافی ہے۔

۴۱۹۸/۱۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ شَبَهٍ مَالِيْ اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ الْاَصْنَامِ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَآءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِّنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيْ اَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ اَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ اَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا جس نے پیتل[۱] کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، مجھے کیا ہے کہ میں تم سے بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں[۲]، انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، پھر حاضر ہوئے تو انہوں نے لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی، فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں تم پر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں انہوں نے اسے بھی پھینک دیا۔ اور عرض کیا یارسول اللہ! میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا، چاندی کی، اور پورے مثقال کی نہ بناؤ[۳] (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَقَدْ صَحَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصَّدَاقِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيْدٍ

امام محی السنہ نے فرمایا: حق مہر کے بارے میں حضرت سہل بن سعد سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا: تم تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو[۴]۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۵۱ عربی میں پیتل کو "شَبَہ" کہتے ہیں کیونکہ اس کا رنگ سونے کے مشابہ ہے۔
۵۲ بطور تعجب یہ ارشاد فرمایا ـــــــــ یہ اس لیے فرمایا کہ بت، پیتل کے بنائے جاتے تھے۔
۵۳ بلکہ اس سے کم وزن کی ہو، یہ احسن اور اولیٰ کا بیان ہے، کیونکہ سونے اور چاندی میں اصل حرمت اور کراہت ہے، لہٰذا (چاندی) ضرورت کی مقدار (ساڑھے چار ماشے) سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، اسی لیے دو یا زیادہ انگوٹھیاں پہننا مکروہ ہے، تاہم متعدد انگوٹھیاں بنانا مکروہ نہیں ہے جب کہ باری باری پہنی جائیں۔
۵۴ اس میں اشارہ ہے کہ انگوٹھی لوہے کی بھی ہوتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نہی تحریم کے لیے نہیں ہے، شارحین نے کہا ہے کہ یہ مہر کے لیے مال خرچ کرنے میں مبالغہ ہے اگرچہ معمولی چیز ہی ہو، جیسے کہ فرمایا کہ دو اگرچہ مٹی کی ایک مٹھی ہی ہو، لوہے کی انگوٹھی پہننے سے اگرچہ منع فرمایا ہے تاکہ وہ قیمتی اشیاء سے خارج نہیں ہوگی، لہٰذا اسے مہر میں دینے کا مطالبہ جائز ہوگا، علامہ طیبی نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت، حضرت سہل بن سعد کی (زیر بحث) حدیث کے بعد ہو اور اس کے بعد ہی از روئے سنت، ممانعت پختہ ہوگئی ہو، لہٰذا (جواز پر دلالت کرنے والی) یہ حدیث منسوخ ہوگی۔ حضرت سہیل بن سعد کی یہ حدیث باب المہر کی پہلی فصل میں گزر گئی ہے

| | |
|---|---|
| ۴۱۹۹/۱۴ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خِلَالٍ اَلصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخُلُوْقَ وَ تَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَ جَرَّ الْإِزَارِ | حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دس خصلتوں کو ناپسند فرماتے تھے (۱) زردی یعنی خلوق[۱] (۲) بالوں کو سفیدی میں تبدیل کرنے[۲] (۳) تہبند گھسیٹنے[۳] (۴) سونے کی انگوٹھی پہننے۔ |

ع۵ شاید اس فرمان عالی کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہے، ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صحابی سے یہ کیوں فرماتے کہ اپنی بننے والی عورت کے مہر کے لیے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کرلو، مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے اولاً تو اس لیے کہ اس فرمان عالی کے وقت لوہے، پیتل کی حرمت کے احکام اسلام میں نہیں آئے اور اگر مان لیا جائے کہ احکام آچکنے کے بعد کی یہ حدیث ہے تب بھی اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نہایت معمولی چیز ہی لے آ، جیسے کہا جاتا ہے کہ تم مجھے دو مٹھی بھر خاک ہی دے دو، اس کا مقصد یہ نہیں کہ خاک پھانکنا درست ہے، نیز وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا خول یا پانی تھا وہ انگوٹھی صرف مہر لگانے کی تھی پہننے کی نہ تھی، اگر پہنتے کی تھی تو لوہے کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے، یہ حدیث ان سب کی ناسخ ہے، دیکھو تفصیل کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، یہ ہی مقام ، مراۃ شرح مشکوٰۃ، از حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ۔

وَ التَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحَلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقٰى اِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَآءِ لِغَيْرِ مَحَلِّهٖ وَ فَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهٖ -

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

(۵) غیر کے لیے عورت کے زینت ظاہر کرنے[۴] (۶) نرد کھیلنے[۵] (۷) دم کرنے کو سوائے مُعَوِّذات کے[۶] (۸) تعویذ گلے میں ڈالنے[۷] (۹) غلط جگہ پانی گرانے[۸] اور (۱۰) بچے کے فساد کو[۹] اس حال میں کہ ان کو حرام قرار نہیں دیا[۱۰]۔

(ابوداؤد، نسائی)

[۱] خلوق خا پر زبر، لام پر پیش، آخر میں قاف، عربوں کے ہاں ایک جانی پہچانی خوشبو جس میں متعدد خوشبوئیں ڈالی جاتی ہیں، ان میں سے ایک زعفران ہے، اسی کی بنا پر اس خوشبو میں زردی ہوتی ہے، بعض احادیث سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے، نہی کی حدیثیں زیادہ ہیں، شارحین کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں جواز کی ناسخ ہیں، زعفران کے رنگ میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں جیسے کہ معصفر سے رنگے ہوئے (سرخ) کپڑے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض احادیث سے شادی کے موقع پر اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

[۲] خواہ سفید بالوں کو اکھیڑنے سے ہو یا خضاب کے ساتھ سیاہ کرنے سے، جب کہ مہندی کے ساتھ رنگنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس کے بارے میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، بالوں کے اکھیڑنے اور خضاب لگا کر سیاہ کرنے کے بارے میں بھی احادیث وارد ہیں، ہمارے مذہب میں سفید بالوں کا اکھیڑنا حرام اور مکروہ ہے، امام محمد سے ایک روایت ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مطالب المومنین میں ہے۔

[۳] تہبند کو مقررہ حد سے زیادہ لمبا رکھنا، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا (مرد ٹخنے سے اوپر رکھے اور عورت ٹخنے سے نیچے ۱۲ ق ن)

[۴] شوہر اور محرم کے غیر کے لیے عورت کے زینت ظاہر کرنے کو مکروہ جانتے ______ مَحِلّ حا کے نیچے زیر، حلت کی جگہ، یعنی ... ہونے کی جگہ کہ اس کا شوہر ہے یا محرم، ہو سکتا ہے کہ وقت کے معنی میں ہو، یہ وہ وقت ہے جب کہ وہ شوہر یا محرم کے ساتھ ہو، حا پر زبر بھی پڑھی گئی ہے (مَحَلّ) حلول سے مشتق ہے، مختصر یہ کہ وہ لوگ مراد ہیں جو اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں۔

عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر۔

[۵] کِعاب کاف کے نیچے زیر، جمع ہے کَعْبٌ کی پہلے حرف پر زبر، وہ مہرے جن کے ساتھ نرد کھیلتے ہیں

جیسے کہ (پانسہ پھینک کر) قرعہ ڈالتے ہیں، اکثر صحابہ کرام اور ان کے علاوہ علماء کے نزدیک نرد کا کھیلنا حرام ہے، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نرد کھیلنا مطلقاً حرام ہے، اسی طرح جوئے کے طور پر (دونوں طرف سے شرط لگا کر) شطرنج کا کھیلنا بھی حرام ہے، بغیر شرط کے کھیلنا مکروہ، اور وقت ضائع کرنے کا سبب ہے، بعض روایات سے شطرنج کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے۔

۵۶ رُقیٰ جمع ہے رُقْیَۃٌ کی راء پر پیش، اور قاف ساکن، دم کرنا، معوذات واؤ مشدد کے نیچے زیر، اس سے مراد سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہے، جمع کا صیغہ ایک سے زائد کے لیے لایا گیا ہے، یا کلمات اور آیات کے اعتبار سے ہے، بعض شارحین نے سورۃ الکافرون کو بھی معوذات میں اس اعتبار سے شمار کیا ہے کہ یہ سورۃ دین اسلام کے ماسوا ادیان سے براءت پر مشتمل ہے اور اس میں توحید باری تعالیٰ کا بیان ہے جو کفر و شرک کے شر سے پناہ مانگنے کے حکم میں ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے قرآن پاک کی وہ آیتیں مراد ہیں جو استعاذہ کے معنی پر مشتمل ہیں چاہے یہ سورتیں ہوں یا ان کے علاوہ، مختصر یہ کہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ دم کرنا جائز ہے اور اس کے ماسوا کے ساتھ حرام ہے خصوصاً ان الفاظ کے ساتھ جن کے معانی معلوم نہ ہوں کہ ان میں کفر کا خوف ہے (کیونکہ ہو سکتا ہے ان الفاظ کے معانی کفریہ ہوں ۱۲ ق ن)

۵۷ تمام جمع ہے تمیمہ کی، جیسے منکے اور ہڈیاں بچوں کے گلوں میں ڈال دی جاتی ہیں تاکہ انہیں نظر نہ لگ جائے، یہ جاہلیت کی خرافات ہیں، دین اسلام میں اس سے منع کیا گیا ہے، بعض شارحین نے تمائم سے مراد جاہلیت کے متعلق دم مراد لیے ہیں، قرآن پاک کی آیات اور دعاؤں کے تعویذات گلے میں ڈالنے کی سند موجود ہے، جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اس سے پہلے گزر گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں خوف وحشت اور بے خوابی کے دفع کرنے کے لیے یہ کلمات سکھائے تھے اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنَ میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب و عقاب، اس کے بندوں کے شر اور شیاطین کے حملوں سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی سمجھ دار اولاد کو یہ دعا یاد کراتے تھے اور بے سمجھ اولاد کے گلے میں کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے، اسی طرح حصن حصین میں ہے۔

۵۸ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ انزال کے وقت مادہ منویہ کو عورت کی شرمگاہ کے باہر گرایا جائے اس خوف سے کہ کہیں وہ حاملہ نہ ہو جائے۔ بِغَیْرِ مَحِلِّہٖ حاء کے نیچے زیر، اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس جگہ جو عزل کی جگہ نہیں ہے، عورت اگر آزاد ہے تو اس کی رضا کے بغیر عزل جائز نہیں ہے برخلاف کنیز کے کہ وہ محل عزل ہے اور اس سے عزل مکروہ نہیں ہے (عزل کا معنی یہ ہے کہ عورت کے حاملہ ہونے سے بچاؤ

کے لیے مادہ حیات باہر گرایا جائے ۱۲ (ق ن)

اس حدیث کے علاوہ بعض روایات میں آیا ہے وَعَزْلَ الْمَاءِ عَنْ مَحِلِّهٖ (پانی کو اس جگہ سے جدا کرنا) محلہ کی ضمیر پانی کی طرف راجع ہوگی ہے۔ اور محل سے مراد آزاد عورت کا اندام نہانی ہے۔

۹؎ اس سے مراد دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنا ہے، کیونکہ وہ حاملہ ہوجائے گی، اس لیے اس کے دودھ میں فساد پیدا ہوجائے گا جس سے بچے کو نقصان پہنچے گا اور وہ جسمانی طور پر کمزور ہوگا، دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کو غیل کہتے ہیں، نقطے والی غین پر زبر، اس کا ذکر کتاب النکاح کے باب المباشرۃ میں گزر چکا ہے۔

۱۰؎ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دس خصلتوں کو مکروہ قرار دیتے تھے، لیکن انہیں حرام قرار نہیں دیا، اکثر شارحین کہتے ہیں کہ یہ بچے کے فساد اور نقصان سے متعلق ہے، مطلب یہ ہوگا کہ آپ بچے کے نقصان اور دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ جماع کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے لیکن اسے حرام نہیں کیا۔ کیونکہ منکوحہ عورت سے جماع حلال ہے، اور محض فساد مذکور پر مشتمل، حمل کے احتمال کی بنا پر حرام نہیں ہوتا، اور اگر اس کا تعلق تمام مذکورہ خصلتوں کے ساتھ ہو تو لازم آئے گا کہ سونے کی انگوٹھی پہننا حرام نہ ہو بلکہ صرف مکروہ ہو، حالانکہ وہ بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا حکم طے پا چکا ہے اور معلوم ہے کہ وہ حرام ہے اور حرمت کی دلیل حدیث اور جماع ہے، لہٰذا وہ اس حکم سے خارج ہوگا۔

۴۲۰۰/۱۵ وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ مَوْلَاةً لَّهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَيْرِ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَفِيْ رِجْلِهَا اَجْرَاسٌ فَقَطَعَهَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ان کی آزاد کردہ ایک کنیز حضرت زبیر کی صاحبزادی کو لے کر اس حال میں حضرت عمر فاروق کے پاس گئی کہ اس بچی کی پاؤں میں جھانجر ۱؎ تھی، حضرت عمر فاروق نے اسے کاٹ دیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر جھانجھ ۲؎ کے ساتھ شیطان ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی ایسا زیور تھا جس کی ہیات اور آواز گھنٹی ایسی تھی، جیسے کہ بچیوں کے پاؤں میں باندھ دیتے ہیں۔

۲؎ جرس جیم پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی آئی ہے۔ اور را ساکن، آواز یا خفی آواز، اور اگر پہلے دونوں

حرفوں پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے وہ چیز (گھنگرو، گھنٹی) جو چارپایوں کی گردن، بچوں کے پاؤں یا ہاتھوں میں باندھی جاتی ہے، شیطان کی طرف اس کی نسبت اس لیے ہے کہ وہ مزمار کے حکم میں ہے، حدیث میں ہے۔ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا جَرَسٌ فرشتے اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتے جس میں گھنٹی ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دشمن کو خبردار اور آگاہ کر دیتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کو پسند فرماتے تھے کہ دشمن کے خبردار ہونے سے پہلے اچانک ان کے سر پہ پہنچ جائیں۔

۴۲۰۱/۱۶ وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْاَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ اِذْ دُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَا تُدْخِلْنَهَا عَلَيَّ اِلَّا اَنْ تُقَطِّعَنَّ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ جَرَسٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

عبدالرحمن بن حیان انصاری کی آزاد کردہ کنیز بنانہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھیں، کہ اچانک ان کے پاس ایک بچی لائی گئی جس پہ جھانجھن تھے اور وہ آواز کر رہے تھے، آپ نے فرمایا اسے ہرگز میرے پاس نہ لانا سوائے اس صورت کے کہ اس کے جھانجھن توڑ دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں گھنٹی (گھنگرو) ہو (ابوداؤد)

۱ عبدالرحمن بن حیان بے نقطہ حاء پر زبر، یا مشدد

۲ بنانہ باء پر پیش، نون مخفف، تابعیہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں، ان سے ابن جریج نے روایت کی۔

۳ جلاجل پہلے جیم پر زبر، دوسرے کے نیچے زیر، جمع ہے جلجل کی پہلے حرف پر پیش، اس کا معنی بھی گھنٹی اور گھنگرو ہے، اسی طرح قاموس میں ہے اور خود حدیث کے آئندہ جملے سے معلوم ہو رہا ہے۔

۴ وہ عورت جو اس بچی کو لائی ہے وہ اسے میرے پاس نہ لائے۔

۴۲۰۲/۱۷ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ اَنَّ جَدَّهٗ عَرْفَجَةَ بْنَ اَسْعَدَ قُطِعَ اَنْفُهٗ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ اَنْفًا مِّنْ وَّرِقٍ فَاَنْتَنَ

عبدالرحمن بن طرفہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عرفجہ بن اسعد کی ناک کُلاب کے دن کٹ گئی، انھوں نے چاندی کی ناک بنوالی تو اس میں بدبو پیدا ہو گئی

عَلَيْهِ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَّخِذَ اَنْفًا مِّنْ ذَهَبٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سونے کی ناک بنوا لو۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۵۱ عبدالرحمن بن طرفہ بے نقطہ طاء کے ساتھ، پہلے تینوں حرفوں پر زبر، تمیمی ہیں اور عطارد بن عوف کی نسبت سے عطاردی ہیں۔

۵۲ عرفجہ عین پر زبر، راء ساکن، فاء پر زبر، اس کے بعد جیم۔

۵۳ کُلاب کاف پر پیش، ایک جگہ کا نام ہے جہاں عرب کا مشہور واقعہ (جنگ) پیش آیا۔

۵۴ کہ اس میں بدبو پیدا نہیں ہوگی، اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء نے سونے کی ناک بنوانے اور سونے کی تار کے ساتھ دانتوں کے باندھنے کو جائز قرار دیا ہے، جیسے کہ حضرت معاویہ کی حدیث اِلَّا مُقَطَّعًا کی شرح میں گزر چکا ہے۔

۴۲۰۳/۱۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّحَلِّقَ حَبِيْبَهٗ حَلْقَةً مِّنْ نَّارٍ فَلْيُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِّنْ ذَهَبٍ وَّمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّطَوِّقَ حَبِيْبَهٗ طَوْقًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّمَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّسَوِّرَ حَبِيْبَهٗ سِوَارًا مِّنْ نَّارٍ فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَارًا مِّنْ ذَهَبٍ وَّلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا حلقہ[۱] پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا حلقہ پہنا دے[۲]، اور جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا طوق پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا طوق پہنا دے اور جو شخص اپنے پیارے کو آگ کا کنگن پہنانا پسند کرے وہ اسے سونے کا کنگن پہنا دے، لیکن تم چاندی کو لازم پکڑو[۳]۔ اور اس کے ساتھ کھیلو[۴]۔

(ابوداؤد)

ـلـہ ناک یا کان میں ــــــــ حلقہ بے نگینہ انگوٹھی کو کہتے ہیں، اہل تحقیق اس عادت کو کہتے ہیں جسے حلقہ کے ساتھ نشانی لگائی گئی ہو ــــــــ پیارے سے مراد لڑکا یا اندوج ہے۔

ـلـہ یعنی سونے کا حلقہ پہنانے کی سزا یہ ہے کہ اسے جہنم کی آگ کا حلقہ پہنایا جائے گا (یہ اس وقت ہے جب کہ وہ شخص جسے حلقہ پہنایا گیا ہے عاقل وبالغ ہو اور اس سے راضی ہو، چھوٹے بچے کو پہنایا گیا تو اس کا گناہ پہنانے والے کے سر ہے ۱۲ ق ن)

ـلـہ تم اگر زیور بنانا چاہو تو چاندی (کی انگوٹھی) بنالو۔

ـلـہ اس میں اشارہ ہے کہ زیب وزینت اور دنیا کے زیورات، لہو ولعب میں داخل ہیں، اگرچہ ان کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یا جب زیور والی عورتوں سے لہو ولعب کریں تو گویا یہ زیور سے کھیلنا ہے۔ (مرد کے لیے ساڑھے چار ماشے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے، عورت سونے چاندی کے کوئی سے زیورات بھی پہن سکتی ہے۔ (۱۲ ق ن)

۴۲۰۴/۱۹ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ یَزِیْدَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِّنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلَهٗ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ؛ جس عورت نے سونے کا ہار گلے میں ڈالا اس کے گلے میں قیامت کے دن اس جیسا آگ کا ہار ڈالا جائے گا، اور جس عورت نے اپنے کان میں سونے کی بالی[1] پہنی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس جیسی آگ کی بالی ڈالے گا[2] (ابوداؤد، نسائی)

ـلـہ خرص نقطے والی خاد پر پیش اور ر ا ساکن، وہ چھوٹا حلقہ جو کان میں ڈالا جاتا ہے، کان کے زیور کو خرص اور گردن کے زیور کو قلادہ کہا جاتا ہے۔

ـلـہ قلادہ (ہار) کے بارے میں مجہول کا صیغہ اور بالی کے بارے میں معلوم کا صیغہ استعمال کرنا ادھر (قُلِّدَتْ) اور ادھر جَعَلَ اللّٰہ بطور تفنن ہے، یا اس لیے کہ زینت اور اس کا اظہار کان میں زیادہ ہے لہٰذا

اس پر دیے جانے والے عذاب اور سزا کی نسبت اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی گرفت کی طرف زیادہ مناسب ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۰۵/۲۰ وَعَنْ اُخْتٍ لِحُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ اَمَالَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَا تُحَلِّيْنَ بِهٖ اَمَا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْكُنَّ اِمْرَاَةٌ تُحَلِّيْ ذَهَبًا تُظْهِرُهٗ اِلَّا عُذِّبَتْ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت حذیفہ کی بہن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! کیا تمہارے لیے چاندی میں وہ چیز کافی نہیں جس کے تم زیور بناؤ[۱]، خبردار! شان یہ ہے کہ تم میں سے جو عورت سونے کے زیور بنائے اور اسے ظاہر کرے[۲] اسے اس کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱؎ تُحَلِّیْنَ تاء پر پیش، حاء پر زبر، لام کے نیچے زیر، یعنی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم چاندی کے زیور بناؤ چاندی کی ترغیب دینے کے بعد سونے کے زیور بنانے پر وعید بیان فرمائی ہے۔ (جیسے کہ اگلے جملے میں فرمایا)

۲؎ اور اس کی نمائش کرے۔

اس ترجمے کے مطابق پہلا اَمَا استفہام اور نفی کے لیے ہے اور دوسرا حرف تنبیہ ہے اور اگر دونوں جگہ حرف تنبیہ ہو تو بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ ان احادیث میں عورتوں کے سونا پہننے پر وعید واقع ہوئی ہے اور چاندی کو جائز قرار دیا گیا ہے حالانکہ عورتوں کے لیے دونوں جائز ہیں، گویا کہ چاندی پر اکتفاء کرنے اور زیب و زینت میں غلو نہ کرنے کی راہنمائی کی گئی ہے، لہذا کراہت تنزیہی ہوگی، لیکن وعید اور تشدید اس توجیہ کے مناسب نہیں ہے، اس لیے بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ نہی اور ممانعت ابتداء میں تھی، اس کے بعد منسوخ ہو گئی، اس کی ناسخ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا اور ریشم عورتوں کے لیے حلال ہے، بعض نے کہا کہ یہ وعید اس جماعت پر ہے جو ان زیورات کی زکوۃ ادا نہیں کرتی، اس توجیہ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زکوۃ تو چاندی میں بھی واجب ہے لہذا اگر وعید زکوۃ نہ دینے کی بنا پر ہو تو خاص طور پر سونے کا ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ اور لٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ کے ساتھ چاندی کی اجازت کیوں ہے؟ علامہ طیبی نے کہا کہ جو زیور سونے کے بنائے جائیں اگر وہی زیور اسی حجم اور سائز میں چاندی کے بنائے جائیں تو چاندی کے زیور کا وزن سونے کے زیور کے آدھے وزن کے برابر یا اس کے قریب ہوگا، لہذا سونا نصاب کو پہنچ جائے گا اور چاندی نصاب کو نہیں پہنچے گی

اسی طرح علامہ طیبی نے کہا اور یہ بات محل غور ہے، یہ توجیہ اس بات کی فرع ہے کہ زیورات میں زکوۃ ہے، اس کی تحقیق و تفصیل کتاب الزکوۃ میں گزر گئی ہے (عورتوں کے استعمال کے زیورات میں احناف کے نزدیک زکوۃ ہے شافعیہ کے نزدیک نہیں ہے ۱۲ ق ن)

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۲۰۶ / ۲۱ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ اَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیور اور ریشم والوں کو[1] منع کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے اگر تم جنت کے زیور اور ریشم کو محبوب رکھتے ہو تو انہیں دنیا میں نہ پہنو۔ (نسائی)

[1] زیور اور ریشم کے پہننے سے۔

۴۲۰۷ / ۲۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا فَلَبِسَهٗ قَالَ شَغَلَنِيْ هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُ الْيَوْمَ اِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَاِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ اَلْقَاهُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی اور پہنی، فرمایا اس نے آج ہمیں مشغول رکھا اور تمہاری طرف توجہ دینے سے روک دیا[1]، ایک نظر اس کی طرف اور ایک نظر تمہاری طرف رہی[2]، پھر اسے الگ کر دیا۔ (نسائی)

[1] پورے اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ تمہارے باطن میں تصرف کرنے، تربیت اور احوال کی اصلاح کے لیے تمہارے حال کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا ——— اس کے بعد مشغولیت کے بیان کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

[2] یہ دراصل امت کو تنبیہ کرنے اور راہنمائی کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ پریشان خیالی اور پراگندگی کے اسباب سے بچا جائے ——— واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۴۲۰۸/۲۳ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ أَنَا أَكْرَهُ أَنْ يُلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَأَنَا أَكْرَهُهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ۔ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأِ)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں کہ لڑکوں کو کچھ سونا پہنایا جائے۔ کیونکہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا، چنانچہ میں اسے بڑے اور چھوٹے مردوں کے لیے مکروہ جانتا ہوں۔ (مؤطا امام مالک)

# بَابُ النِّعَالِ

## ۳۰۲۔ جوتوں کا بیان

پہننے کی چیزوں میں سے ایک جوتا ہے جو پاؤں میں پہنا جاتا ہے، نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے پاؤں کو زمین سے محفوظ رکھا جائے، اسی طرح قاموس میں ہے، اور وہ ہر قوم کے عرف کے مطابق جدا جدا ہے، اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک کا بیان مقصود ہے جو دیار عرب میں معروف ہے، اس کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، اس لیے جمع کا صیغہ لائے ہیں۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۲۰۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے جوتے پہنتے ہوئے دیکھا

لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ۔ جن میں بال نہیں تھے[1]۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

[1] یعنی ایسے چمڑے سے تیار کیے گئے جس کے بال مونڈ دیے گئے تھے اور صاف کر دیے گئے تھے۔

۴۲۱۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ نَعْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو فیتے[1] تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

[1] قبال قاف کے نیچے زیر، وہ فیتہ جو دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو فیتے تھے، ایک فیتہ انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان اور دوسرا چھنگلی کے ساتھ والی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان رکھتے، علامہ جزری نے تصحیح المصابیح میں اسی طرح ذکر کیا ہے، جیسے کہ سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعل مبارک اور اس کی تصویر کے بیان میں تحقیق کی ہے[1]،

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نعل مبارک کے نقشے کے فضائل میں اجلہ علمائے دین کے ارشادات نقل کرتے ہوئے رسالہ مبارکہ شفاء الوالہ میں فرماتے ہیں: ابوالحاکم بن عبدالرحمٰن بن علی بن عبدالرحمٰن الشہیر با بن المرحل کہ فضلائے مغاربہ سے ہیں، امام بقیۃ الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے تبصیر میں ان کا ذکر لکھا وصف نقشہ نعل مبارک میں ان کا قصیدۂ غرا شیخ ابن الحاج نے اپنی کتاب مذکور میں ذکر کیا، امام قسطلانی نے اسے مَا اَحْسَنَهَا کہا یعنی کیا خوب فرمایا، اس کی بعض ابیات کریمہ یہ ہیں (ترجمہ) اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر نعل پاک کو میں دوست رکھتا ہوں اور اسے دن رات بوسہ دیتا ہوں، اپنے سر اور منہ پر رکھتا، اور کبھی چومتا اور کبھی سینے سے لگاتا ہوں، میں اسے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے اقدس میں تصور کرتا ہوں، تو شدتِ صدق تصور سے گویا اپنی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھ لیتا ہوں، اس نقشہ پاک کو اپنے رخسارے پر رکھ جنبش دیتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا وہ اسے پہنے ہوئے میرے رخسارے پر چل رہے ہیں۔ آہ کون ایسی صورت کر دے کہ وہ پائے مبارک ستارگان آسمان ہشتم کے سروں پر بلند ہوئے، ان کی کفش مبارک چلنے میں میرے رخسارے پر پڑے۔ نیز امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابواسحاق ابراہیم بن الحاج فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ الشیخ ابوالقاسم بن محمد فرماتے ہیں: نقشہ نعل مبارک کی آزمائی ہوئی برکات سے ہے کہ جو شخص بہ نیت تبرک اسے اپنے پاس رکھے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یہ مطلب بغیر کسی ابہام اور اشکال کے واضح ہے، بعض شارحین کے بیان سے وہ مطلب سمجھا جاتا ہے جو اس کے مخالف ہے، ابہام سے خالی نہیں ہے، ہم نے اسے شرح (لمعات) میں بیان کیا ہے۔

۴۲۱۱/۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا يَقُوْلُ اسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک غزوہ میں فرماتے ہوئے سنا جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی[۱] کہ کثرت سے جوتے استعمال کرو۔ کیونکہ مرد جب تک جوتے پہنے رہتا ہے، سوار رہتا ہے[۲] (مسلم)

۱ے اور روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا۔
۲ے یعنی چلنے کی آسانی اور پاؤں کے آفتوں سے محفوظ رہنے میں سوار کے حکم میں ہوتا ہے۔
اس حدیث میں اس امر کی تعلیم ہے۔ کہ سفر میں جن چیزوں کی حاجت ہو ان کی تیاری کرنی چاہیے

۴۲۱۲/۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَءْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَاٰخِرَهُمَا تُنْزَعُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں پہنے[۱] اور جب اتارے تو پہلے بایاں اتارے[۲] تم چاہیے کہ پہننے میں دایاں پہلے ہو اور اتارنے میں بایاں[۳]۔
(صحیحین)

۱ے جوتے پہننے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے دائیں پاؤں میں پہنے پھر بائیں پاؤں میں۔
۲ے پھر دائیں جوتے کو اتارے ——— (آئندہ ارشاد) بیان کی زیادتی، مقصد کی وضاحت اور اس ادب کی شان کی اہمیت بیان کرنے اور اسے بجالانے کے لیے (فرمایا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) وہ ظالموں کے ظلم اور دشمنوں کے غلبہ سے امان پائے، اور وہ نقشہ مبارک ہر شیطان سرکش اور ہر حاسد کے چشم زخم سے اس کی پناہ ہو جائے اور زن حاملہ شدت درد زہ میں اگر اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے بعنایت الٰہی اس کا کام آسان ہو۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

۵۳ اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو کام شان اور فضیلت رکھتا ہو اس میں دائیں جانب سے ابتدا مستحب ہے اور جو ایسا کام نہیں ہے۔ اس میں بائیں جانب سے ابتدا ہونی چاہیے، ظاہر بات ہے کہ جوتوں کا پہننا مسجد میں داخل ہونے کی تمہید، اس کا وسیلہ اور دیگر اعمالِ خیر کا ذریعہ ہے جب کہ جوتا اتارنا اس طرح نہیں ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھا جائے اور باہر نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے، وضو خانے میں داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھے اور وہاں سے نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھے۔ اس مسئلے کی تفصیل کتاب الطہارۃ میں گزر گئی ہے۔

۴۲۱۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْشِىْ اَحَدُكُمْ فِىْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعًا اَوْ لِيَنْعَلْهُمَا جَمِيْعًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک شخص ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ یا تو دونوں کو اتار دے یا دونوں کو پہن لے[۱]۔ (صحیحین)

۱ یا تو دونوں جوتے اتار دے اور ننگے پاؤں چلے، یا دونوں جوتے پہن کر چلے، صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ ایسا کرنا وقار، مروت اور ادب کے خلاف ہے اور چلنے میں پاؤں کے پھسلنے کا سبب ہے۔ خصوصاً جب کہ جوتا بلند ہو اور زمین ناہموار ہو، کتاب اللباس کی پہلی فصل میں بھی اس مسئلے کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے، لِيُحْفِهِمَا اور لِيَنْعَلْهُمَا دونوں باب افعال اور باب علم سے روایت کیے گئے ہیں۔

۴۲۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهٖ فَلَا يَمْشِ فِىْ خُفٍّ وَّاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهٗ وَلَا يَمْشِىْ فِىْ خُفٍّ وَّاحِدٍ وَّلَا يَاْكُلْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَحْتَبِىْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفِ الصَّمَّآءَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ[۱] ٹوٹ جائے۔ تو وہ ایک جوتے میں نہ چلے، یہاں تک کہ تسمے کو درست کرے، چاہیے کہ ایک جوتے میں نہ چلے، بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، ایک کپڑے میں احتباء نہ کرے[۲]۔ اور ایک کپڑے میں نہ لپٹے[۳]۔ (مسلم)

؎۱ شِسْعٌ نقطے والی شین کے نیچے زیر اور سین ساکن، جوتے کا تسمہ۔
؎۲ ایک کپڑا اپنی کمر اور گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر نہ بیٹھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔
؎۳ اس طرح کہ ہاتھ بھی اندر ہوں اور ہاتھ باہر نکلنے کا راستہ نہ ہے، ان کلمات کے معانی تفصیلاً اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

۴۲۱۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جوتے کے دو تسمے تھے جن کی دو تہیں؎۱ تھیں؎۱ (ترمذی)

؎۱ مثنٰی "تثنیہ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، "ثنی" سے بھی پڑھا گیا ہے (مَثْنِيٌّ)

۴۲۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر جوتا پہنے؎۱ (ابو داؤد)، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

؎۱ شارحین نے فرمایا یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ کھڑے ہو کر جوتا پہننے میں مشقت لاحق ہو اور اس جوتے کے بارے میں ہے جس کے پہننے اور تسمہ باندھنے میں ہاتھ لگانے کی حاجت پیش آئے، مطلقاً منع نہیں ہے (چپل یا گرگابی کھڑے ہو کر بھی پہن سکتے ہیں ۱۲ اق ن)

۴۲۱۷ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَّاحِدَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ

حضرت قاسم بن محمد؎۱ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ بعض اوقات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جوتا پہن کر چلے؎۲۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ ایک جوتا پہن

وَّاحِدَةٍ۔ کر چلیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا اَصَحُّ) (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ زیادہ صحیح ہے[۳]۔

[۱] حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اکابر تابعین اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔

[۲] یہ حدیث اس حدیث کے مخالف ہے جس میں ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت ہے، ممانعت کی حدیث ابھی ابھی گزری ہے۔ علماء نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حال شاذ و نادر تھا اور گھر کے صحن میں تھا، گھر سے باہر نہ تھا اور اگر باہر بھی تھا یا جواز کے بیان کے لیے تھا تاکہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کام کا کرنا ہمارے لیے مکروہ تنزیہی ہے، وہ شارع علیہ السلام سے اصل جواز کے بیان کے لیے آیا ہے اور وہ آپ کے لیے مکروہ نہیں ہے، کیونکہ جواز کا بیان آپ پر واجب ہے۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اوقات بیان جواز کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ محدثین نے اس کی یہی وجہ بیان کی ہے اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے۔

[۳] حضرت عائشہ کے ایک جوتا پہن کر چلنے کی روایت زیادہ صحیح ہے اس روایت سے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک جوتا پہن کر چلنے کا ذکر ہے۔ ——— یعنی یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے اور موقوف کی سند زیادہ صحیح ہے۔

۴۲۱۸/۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ اَنْ يَّخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعَهُمَا بِجَنْبِهٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب ایک شخص بیٹھے تو جوتے اتار کر[۱] اپنے پہلو میں رکھ لے[۲]۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

[۱] یعنی چاہیے کہ جوتوں سمیت نہ بیٹھے بلکہ جوتے اتار کر بیٹھے کہ اسی میں ادب ہے[۲]۔

---

[۲] آج کل فیشن یہ ہے کہ کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور جوتے پہنے رکھتے ہیں۔ بلکہ جوتے پہنے ہوئے کھڑے ہو کر کھانا کھاتے ہیں، کاش ہماری قوم پر یہ راز منکشف ہو جائے کہ ہماری عزت سعادت اور کامیابی حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے اپنانے میں ہی ہے، غیروں کے طور طریقے اپنا کر ہم کبھی سربلند نہیں ہو سکتے۔
۱۲ شرف قادری نقشبندی

۵؎ یہ بھی سنت ہے۔

۴۲۱۹/۱۱ وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا)

ابن بریدہ؎۱ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نجاشی؎۲ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ اور سادہ؎۳ موزوں کا جوڑا بطور ہدیہ بھجوایا جو آپ نے پہنا۔

(ابن ماجہ) امام ترمذی نے یہ حدیث حضرت ابو بریدہ؎۴ سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کی اس میں اضافہ ہے کہ پھر آپ نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

۱؎ حضرت عبداللہ بن بریدہ بن حصیب، اسلمی، مرو کے قاضی اور وہاں کے گورنر تھے، حضرت سلیمان بن بریدہ کے بھائی، دونوں ثقہ ہیں اور عبداللہ زیادہ ثقہ ہیں۔

۲؎ حبشہ کے بادشاہ

۳؎ ساذج، سادہ کا معرب ہے۔

۴؎ امام ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن بریدہ سے روایت کی، ابن مضاف ہے بریدہ کی طرف

۵؎ اَب مضاف ہے بریدہ کی طرف، شمائل ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت دحیہ کلبی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں موزے بھجوائے، آپ نے پہن لیے اور یہ نہ پوچھا کہ ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال کے ہیں یا نہیں؟ آپ نے ظاہر پر عمل کیا اور تفتیش نہیں کی تاکہ لوگ ظاہر پر عمل کرنے کی تقلید کریں۔ موزوں پر مسح کرنے کے احکام کی تفصیل کتاب الطہارۃ میں گزر گئی ہے، اس جگہ صرف ان کے پہننے کا ذکر مقصود ہے۔

# بَابُ التَّرَجُّلِ
## کنگھی کرنے کا بیان

یہ باب کنگھی کرنے اور ان امور کے بیان میں ہے جو اس کے قائم مقام ہیں تَرَجُّل اور تَرْجِيل کا معنی ہے۔

بالوں کو پھیلانا، صاف ستھرا کرنا اور انہیں حسین بنانا اسی طرح نہایہ میں ہے، اس کا حاصل معنی کنگھی کرنا اور بالوں کی اصلاح ہے، اکثر "ترجیل" کا استعمال سر کے بارے میں آتا ہے، داڑھی کے لیے "تسریح" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس باب میں کنگھی کرنے کے علاوہ ان احادیث کا بھی ذکر ہے جن کا تعلق بالوں کی آرائش وغیرہ سے ہے، لہٰذا اگر حضرت مؤلف یوں کہتے: کنگھی کرنے اور اس جیسے امور کا بیان تو بہتر ہوتا، لیکن ان کی عادت ہے کہ ہر باب میں وہ احادیث لاتے ہیں جو اس باب سے مناسبت رکھتی ہوں، مناسبات کا عنوانِ باب میں ذکر نہیں کرتے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۲۲۰ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر کنگھی کیا کرتی تھی حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی[1] (صحیحین)

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ کو چھونا اور ہاتھ لگانا ممنوع نہیں ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ممنوع صرف مباشرت ہے۔

۴۲۲۱ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ چیزیں فطرت[1] سے ہیں (۱) ختنہ کرنا (۲) موئے زیر ناف مونڈنا (۳) مونچھیں تراشنا (۴) ناخن کاٹنا (۵) بغل کے بال اکھیڑنا۔ (صحیحین)

[1] لغت میں فطرت کا معنی ہے پھاڑنا، نئی چیز بنانا، اختراع۔ اس کا استعمال جبلت اور دین اسلام کے لیے بھی آیا ہے، اس حدیث میں شارحین نے اس کا معنی قدیم سنت بیان کیا ہے جسے انبیاء کرام نے اختیار کیا ہے۔ اور اس پر شریعتوں کا اتفاق ہے، اور ہمیں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے گویا وہ طبعی امر ہے جس پر لوگ پیدا کیے گئے ہیں، یہ حدیث کتاب کی ابتداء میں کتاب الطہارۃ کے باب مسواک میں گزر چکی ہے، اس جگہ دس چیزوں کا فطرت ہونا بیان کیا گیا ہے جب کہ اس جگہ پانچ چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ بھی حصر مراد

مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دس چیزیں فطری امور میں سے ہیں۔ اور اس جگہ پانچ چیزیں ہی بیان کی گئی ہیں۔

ف۲ اِبْطٌ ایک نقطے والی با کے نیچے زیر، اس کو ساکن بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض روایات میں جمع کا صیغہ آباط آیا ہے، مراد بغل کے بال ہیں۔ تمام امورِ فطرت کا بیان باب مسواک میں کیا جا چکا ہے، سوائے استحداد کے جو اس جگہ مذکور نہیں ہے، اس سے مراد زیر ناف لوہے کا استعمال ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موئے زیر ناف کا مونڈنا سنت ہے اور بغلوں کے بالوں کا اکھیڑنا سنت ہے، مونڈنا بھی اس کے قائم مقام ہے۔

۴۲۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَوْفِرُوا اللُّحٰى وَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَ اَعْفُوا اللُّحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو۔ داڑھیاں لمبی کرو[۱] اور مونچھیں پست کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں خوب نیچی کرو[۲] اور داڑھیاں بڑھاؤ[۳]۔ (صحیحین)

ف۱ یہ مشرکین کی مخالفت کے طریقے کا بیان ہے۔

ف۲ اِنْھَاکٌ کسی چیز میں مبالغہ کرنا، اس جگہ پست کرنے میں مبالغہ مراد ہے۔

ف۳

۴۲۲۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَنَتْفِ الْاِبِطِ وَ حَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے لیے مونچھوں کے تراشنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغل کے بالوں کے اکھیڑنے اور موئے زیر ناف مونڈنے کے لیے وقت مقرر کیا گیا ہم چالیس راتوں سے زیادہ ترک نہ کریں[۱]۔ (مسلم)

ف۱ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے لیے وقت مقرر فرمایا، کہ ان کاموں پر چالیس سے زیادہ دن نہیں گزرنے چاہئیں، اور افضل یہ ہے کہ چالیس دن سے پہلے کئے جائیں، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جمعہ کو مونچھیں اور ناخن کاٹتے تھے، موئے زیر ناف بیس دن میں صاف کرتے اور بغلوں کے بال چالیس دن

میں اکھیڑتے تھے، اس مقام کی شرح اور احکام کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۲۲۴/۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ (بالوں کو) نہیں رنگتے[۱] تو تم ان کی مخالفت کرو[۲]۔ (صحیحین)

۵۱ مراد خضاب ہے ـــــ یصبغون باء پر پیش، زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۵۲ اور خضاب لگاؤ لیکن سیاہ خضاب نہ ہو، سیاہ خضاب حرام ہے، اس مسئلے کی تفصیل آیندہ آئے گی، صحابہ کرام اور دیگر حضرات مہندی کا سرخ خضاب لگاتے تھے، کبھی زرد رنگ بھی لگاتے تھے۔ مہندی کے ساتھ رنگنے کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ مہندی کے ساتھ بالوں کا رنگنا مومنوں کی نشانی ہے اور اس کے جائز ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، بعض فقہاء نے اسے مردوں اور عورتوں کے لیے مستحب کہا ہے، اور اس کی فضیلت میں احادیث بھی لاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک محل طعن اور ضعیف ہیں، مجمع البحار میں ہے خضاب لگانے کا حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے بال خالص سفید ہوں، جیسے کہ آیندہ حدیث میں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حال آئے گا ہر شخص کے لیے حکم نہیں ہے چاہے اس کے دو بال ہی سفید ہوں، یہ بھی کہا کہ مختلف حالات کے اعتبار سے خضاب لگانے میں سلف کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے کہا کہ یہ اپنے علاقے کی عادت کے لحاظ سے ہے کیونکہ شہر والوں کے عرف سے نکلنا باعث شہرت ہے اور مکروہ، بعض علماء نے کہا کہ رنگ کرنے کی نسبت جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما، دل کش اور نورانی ہو اس کے لیے خضاب نہ لگانا اولیٰ اور احسن ہے، اور جس کے بالوں کی سفیدی بدنما اور قبیح ہو اس کے لیے رنگ کرنا اور بالوں کا عیب چھپانا بہتر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خضاب لگانے کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے اور آیندہ بھی آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔

۴۲۲۵/۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اُتِیَ بِاَبِیْ قُحَافَةَ یَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَ رَاْسُهٗ وَ لِحْیَتُهٗ كَالثَّغَامَةِ بَیَاضًا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ وَّ اجْتَنِبُوا السَّوَادَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ[۱] اس حال میں لائے گئے کہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفیدی میں ثغامہ[۲] (گھاس) کی طرح تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کسی چیز سے تبدیل کردو اور سیاہی سے بچو[۳]۔ (مسلم)

۱؎ ابو قحافہ قاف پر پیش، حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فتح مکہ کے دن اسلام لائے ان کا وصال حضرت ابو بکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں ۱۴ھ میں ستانوے سال کی عمر میں ہوا، حضرت ابو قحافہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: انہیں کیوں تکلیف دی، ہم خود شیخ کے پاس چلے جاتے۔

۲؎ ثغامہ تین نقطوں والی ثاء پر پیش، اس کے بعد نقطے والی غین، ایک گھاس ہے جس کی کلیاں اور دانے برف کی طرح سفید ہوتے ہیں، بالوں کی سفیدی کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ فارسی میں اسے درمنہ سفید کہتے ہیں۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانا مکروہ اور حرام ہے، دوسری حدیثیں بھی آئیں گی

مطالب المومنین میں ہے کہ دین کے دشمنوں کی نظر میں رعب اور دبدبے کے لیے نمازیوں کو سیاہ خضاب لگانا درست ہے، زیب وزینت اور عورتوں کی پسندیدگی کے لیے لگانا اکثر مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے، بعض فقہاء نے اسے بغیر کسی کراہت کے جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح محیط میں ہے، امام ابو یوسف سے ایک روایت میں آیا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے، مختار یہ ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ بالوں کی سفیدی نورِ الٰہی ہے اور نورِ الٰہی کو سیاہی کے ساتھ تبدیل کرنا مکروہ ہے۔ یہ امر پایۂ صحت کو پہنچا ہے کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہندی اور کتم کے ساتھ بال رنگتے تھے۔ کتم ایک گھاس ہے لیکن اس کا رنگ سیاہ نہیں ہے۔ بلکہ سیاہی مائل سرخ ہے، وہ جو صحابہ کرام سے منقول ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے، سیاہ خضاب کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گی، مختصر یہ کہ مہندی کے ساتھ بالوں کا رنگنا بالاتفاق جائز ہے۔ سیاہ خضاب کے بارے میں مختار یہ ہے کہ مکروہ اور حرام ہے، مرد کے لیے عذر کی بنا پر ہاتھوں اور پاؤں پر مہندی لگانے میں حرج نہیں ہے بغیر عذر کے مکروہ ہے۔

۴۲۲۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِيْمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيْهِ وَكَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُوْنَ اَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرُقُوْنَ رُءُوْسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهٗ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے جن میں آپ کو خاص حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اہل کتاب اپنے بال کھلے[۱] چھوڑتے تھے اور مشرکین مانگ نکالتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشانی کے بال کھلے چھوڑے۔ پھر بعد میں مانگ نکالی[۲]

(صحیحین)

لہ سدل سر کے بالوں کا کھلا چھوڑ دینا اور نیچے لٹکانا اور انہیں کسی طرف جمع نہ کرنا۔ فرق بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اور ہر حصے کو ایک جانب جمع کرنا، قاموس میں ہے کہ فرق سر کے بالوں کے درمیان نکالی جانے والی مانگ کو کہتے ہیں۔ یَسْدُلُوْنَ اور یَفْرُقُوْنَ۔ دونوں کے عین کلمہ پر پیش ہے اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ باب نَصَرَ اور ضَرَبَ سے۔

لہ۲ اہل کتاب اپنے بال کھلے چھوڑتے تھے، ان کی موافقت کے لیے مدینہ منورہ تشریف لانے کے ابتدائی دنوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بال کھلے چھوڑے۔ سدل اگرچہ سر کے اردگرد بالوں کے چھوڑنے کو کہتے ہیں اور پیشانی کے ساتھ اس کا خصوصی تعلق نہیں ہے۔ لیکن مانگ اور سول کے درمیان فرق پیشانی میں ظاہر ہوتا ہے، اس لیے پیشانی کی تخصیص کی گئی ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ اس جگہ سدل سے مراد بالوں کا پیشانی پر کھلا چھوڑنا ہے۔

لہ۳ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف بالوں کو کھلا چھوڑنا تھی، پھر مانگ نکالنا مقرر ہو گیا، اس لیے بعض حضرات کہتے ہیں کہ بالوں کو کھلا چھوڑنا منسوخ ہو گیا۔ اس لیے کہ ظاہر یہ ہے کہ مانگ نکالنے کی طرف رجوع، وحی کی بنا پر تھا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ جس امر کے بارے میں خاص حکم نہ دیا گیا ہو اس میں اہلِ کتاب کی موافقت کریں۔ لہٰذا ان کی مخالفت بھی حکم وارد ہونے کی بنا پر ہو گی۔ بعض علماء اصول اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک کہ ہمیں اس کی مخالفت کا حکم نہ دیا جائے لیکن ان ہی احکام میں جن میں تحریف اور تبدیلی کا علم نہ ہو، بعض شارحین کہتے ہیں کہ مانگ کا اختیار کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجتہادی فیصلہ تھا کہ اہل کتاب کی مخالفت کی جائے، ابتداءِ اسلام میں تالیفِ قلوب کے لیے ان کی موافقت کی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل کتاب اور ان کی تالیف قلبی سے بے نیاز کر دیا۔ اور آپ کو تمام ادیان پر غالب کر دیا تو آپ نے بعض امور میں ان کی مخالفت کی۔ یُحِبُّ مُوَافَقَتَهُمْ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے میں اختیار دیا گیا تھا، اگر حکم شرعی ہوتا تو لازم اور حتمی ہوتا، بعض احادیث میں آیا ہے کہ اگر بال بکھر جاتے تو آپ مانگ نکال لیتے ورنہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے، یعنی بال کھلے چھوڑنے اور مانگ نکالنے میں تکلف نہیں کرتے تھے اور انہیں ان کی حالت پر رہنے دیتے تھے، لہٰذا بال کھلے چھوڑنا اور مانگ نکالنا دونوں جائز ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ مانگ نکالنا افضل ہے ـــــــ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۲۲۷ ٨ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ قِيْلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ قَالَ

حضرت نافع، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قزع سے منع کرتے ہوئے سنا۔ حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ قزع

يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَ يُتْرَكُ الْبَعْضُ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَ أَلْحَقَ بَعْضُهُمُ التَّفْسِيْرَ بِالْحَدِيْثِ -

کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈ دیا جائے اور کچھ چھوڑ دیا جائے ۲ (صحیحین) بعض راویوں نے اس تفسیر کو حدیث میں شامل کیا ہے ۳

۱ قزع قاف اور زاء دونوں پر زبر، زاء ساکن بھی آئی ہے۔

۲ غالباً بچے کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر اس طرح بچوں ہی کا سر مونڈا جاتا ہے۔ ورنہ قزع (سر کے کچھ حصے کا مونڈنا اور باقی چھوڑ دینا، جس طرح آج کل بودے بنوائے جاتے ہیں یا تمام سر مونڈ دیا جاتا ہے اور چوٹی رہنے دیتے ہیں۔ اس میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔ ۱۲ ق ن) بچے، جوان اور بوڑھے سب کے لیے مکروہ ہے اسی لیے روایات فقہیہ میں مطلق (بچے کی قید کے بغیر) ذکر کیا ہے اور کہا کہ قزع متفرق جگہوں سے سر کا مونڈنا ہے، ممانعت کا تعلق بچے کے سرپرستوں کے فعل کے ساتھ ہے، جیسے کہ ایک دوسری حدیث سے پتا چلتا ہے، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ بغیر ضرورت کے متفرق جگہوں سے بالوں کا مونڈنا بالاتفاق مکروہ ہے، ضرورت یہ ہے کہ علاج معالجہ کے لیے ایسا کیا جائے، دیگر حضرات نے اس کا مکروہ تنزیہی ہونا بیان کیا ہے، متفرق جگہوں کا اعتبار اصل لغوی معنی کی بنا پر کیا گیا ہے کیونکہ قزع بادل کے متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں، سر کے مختلف حصوں کے بالوں کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اگرچہ قزع کی تفسیر میں واقع عبارت کے ظاہر سے سر کے مطلق بعض حصوں سے بالوں کا مونڈنا معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام شارحین نے متفرق جگہوں سے مونڈنے کی قید کا ذکر کیا ہے، فقہی روایات بھی اسی طرح آئی ہیں، کراہت کی وجہ کافروں کی مشابہت اور بدصورتی ہے۔

۳ قزع کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ سر کے کچھ حصے کا مونڈنا، بعض راویوں نے اس تفسیر کو اصل حدیث میں شامل کیا ہے اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے۔

۴۲۳۸ (۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَأْسِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ وَ قَالَ احْلِقُوْا كُلَّهُ أَوِ اتْرُكُوْا كُلَّهُ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا گیا تھا اور کچھ چھوڑ دیا گیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے سرپرستوں کو اس سے منع کیا اور فرمایا: تمام سر مونڈ دو یا تمام چھوڑ دو ۱ (مسلم)

ے بچہ اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اس کے سرپرست اس کے افعال اور احوال کے سلسلے میں امر اور نہی کے مکلف ہیں۔

۴۲۲۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)
۱۰

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث[1] مردوں اور مرد بننے والی عورتوں[2] پر لعنت فرمائی اور فرمایا، انہیں[3] اپنے گھروں سے نکال دو۔ (بخاری)

لے مخنث وہ مرد ہے جو لباس، مہندی سے ہاتھوں اور پاؤں کے رنگنے، گفتگو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہو، لغت میں خنث کا معنی ہے نرمی، لچک اور لپٹنا ہے، مخنث اعضاء کی لچک، نرمی اور ان کو بل دینے میں عورتوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قیاس یہ ہے کہ نون کے نیچے زیر ہو (مخنِث) لیکن مشہور زبر ہے۔ مخنث کی دو قسمیں ہیں (۱) پیدائشی طور پر عورتوں ایسی وضع قطع رکھتا ہو (۲) تکلف کے ساتھ ایسی وضع قطع اور حرکات کے ذریعے عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہو، لعنت اور مذمت اسی قسم سے متعلق ہے، پہلی قسم سے نہیں کہ وہ اختیار سے باہر ہے۔

ے وہ عورتیں جو ہیئت، لباس اور مردانہ کاموں کے ذریعے اپنے آپ کو مردوں کے مشابہ بنائیں۔

ے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر مخنثوں کی طرف راجع ہے، یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ یہ ضمیر مخنثوں اور مرد بننے والی عورتوں دونوں کی طرف راجع ہو کیونکہ ایسی عورتیں مردوں کے حکم میں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۳۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)
۱۱

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی[1] (بخاری)

لے مطلب وہی ہے جو گزشتہ حدیث کا ہے۔

۴۲۳۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ
۱۲

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاصِلَۃَ وَالْمُسْتَوْصِلَۃَ وَالْوَاشِمَۃَ وَ الْمُسْتَوْشِمَۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ بال ملانے والی اور ملوانے والی[1]، جسم گودنے والی اور گودوانے والی پر لعنت فرمائے[2] (صحیحین)

[1] وَاصِلَہ وہ عورت ہے جو اپنے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ پیوند کرے تاکہ زیادہ ہو جائیں، اور مُسْتَوْصِلَہ وہ عورت جو دوسری عورت کو حکم دے کہ میرے بالوں کے ساتھ دوسرے بال پیوند کر، دونوں کو دعائے لعنت کے ساتھ یاد فرمایا اور اللہ تعالےٰ کے قرب اور رضا کے مقام سے دور پھینک دیا، اس کی وجہ تغییر خلق اور مذموم تکلف کا ارتکاب ہے، جیسے کہ آئندہ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے، علماء نے بالوں کے ملانے یا بالوں کے علاوہ کسی چیز کے ملانے، اسی طرح انسانی یا غیر انسانی بالوں کے ملانے، شوہر یا آقا کی اجازت سے یا اجازت کے بغیر ملانے کی تفصیل بیان کی ہے بعض علماء کے نزدیک اُون اور دھجیوں کا بالوں میں ملانا جائز ہے، رہا بالوں کا ریشم وغیرہ سرخ چیز سے بالوں کا باندھنا جو بالوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی۔ بغیر کراہت کے جائز ہے۔ اسی طرح مجمع البحار میں ہے، جس عورت کا شوہر نہ ہو یا شوہر تو ہو مگر اس کی طرف سے اجازت نہ ہو تو اس کے لیے چہرے پر سُرخی لگانا اور بالوں کو رنگنا حرام ہے۔ شوہر کی اجازت سے ہو تو حرام نہیں ہے۔

[2] وَشم" کا معنیٰ ہے جسم میں سوئی وغیرہ چبھو کر اس میں سرمہ یا نیل بھر دینا، تاکہ رنگین نقش بن جائے، وَاشِمَہ وہ عورت ہے جو یہ کام کرے اور مُسْتَوْشِمَہ وہ عورت ہے جو یہ عمل طلب کرے اور کسی کو کہے کہ میرے جسم پر یہ عمل کر دے۔ بعض روایات میں "مُسْتَوْشِمَہ" کی جگہ "مُوْتَشِمَہ" آیا ہے۔

٢٢٣٢ (١٣) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاشِمَاتِ وَ الْمُسْتَوْشِمَاتِ وَ الْمُتَنَمِّصَاتِ وَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ فَجَاءَتْہُ امْرَأَۃٌ فَقَالَتْ اِنَّہٗ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ لَعَنْتَ کَیْتَ وَ کَیْتَ. فَقَالَ مَالِیْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ گودنے اور گودوانے والیوں، چہرے سے بال اکھیڑنے کا حکم دینے والیوں اور دانتوں کے درمیان تکلف سے حسن وجمال کے اظہار کے لیے فاصلہ پیدا کرنے والیوں پر لعنت فرمائے جو اللہ تعالےٰ کی تخلیق میں تبدیلی لانے والیاں ہیں۔ ایک عورت ان کے پاس آکر کہنے لگی کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے اس اس طرح عورتوں پر لعنت بھیجی ہے،

وَسَلَّمَ وَ مَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ أَمَا قَرَأْتِ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَإِنَّهٗ قَدْ نَهٰى عَنْهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہوں نے کہا مجھے کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ملعون ہیں، اس عورت نے کہا میں نے وہ پڑھا ہے جو دو تختیوں کے درمیان ہے[۴] میں نے تو اس میں وہ بات نہیں پائی جو آپ کہتے ہیں فرمایا، اگر تم نے اسے پڑھا ہوتا تو تم یہ بات ضرور پالیتیں، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ کہ جو کچھ تمہیں رسول دیں اسے اپناؤ اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ اس نے کہا: ہاں پڑھا ہے، فرمایا بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ افعال سے منع کیا ہے[۵]۔ (صحیحین)

[۱] ایسا کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر عورت کی داڑھی یا مونچھیں پیدا ہو جائیں تو ان کا مونڈنا حرام نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس روایت میں بال اکھیڑنے والی عورتوں کا ذکر نہیں ہے، صرف حکم دینے والیوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں ابن عباس کی حدیث آرہی ہے اس میں بال اکھیڑنے والیوں کا بھی ذکر ہے۔

[۲] فَلَجٌ فاء اور لام پر زبر، دو چیزوں کا درمیانی فرق اور فاصلہ، سامنے والے اور ان کے ساتھ والے دانتوں کے درمیانی فاصلے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ عربوں کے نزدیک ایسا کرنا محبوب اور اسباب حسن میں سے ہے اکثر کم عمر لڑکیوں کے دانتوں میں فاصلہ ہوتا ہے۔ جب عورت بوڑھی ہو جاتی ہے اور دانت بڑے ہو جاتے ہیں تو یہ فاصلہ کم ہو جاتا ہے پس تکلف کے ساتھ (دانت ریتی وغیرہ سے رگڑوا کر) فاصلہ پیدا کرتی ہے، حسن و جوانی کا مظاہرہ کرتی ہے اور جوان عورتوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے۔ تفعّل کا صیغہ تکلف کے لیے آتا ہے جیسے تکبّر اور تعظّم کا معنی یہ ہے کہ لوگ تکلف اور زور سے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ معنی ہے وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ کا، اس بیان کے مطابق لِلْحُسْنِ کا تعلق صرف مُتَفَلِّجَات سے ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تینوں سے متعلق ہو کیونکہ جسم کا گودنا اور چہرے کے بالوں کا دور کرنا بھی حسن و خوبی کے اظہار کے لیے ہوتا ہے، معنی کے پیش نظر یہ توجیہ زیادہ قریب اور زیادہ مناسب ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے، کیونکہ عموماً یہ افعال آرائش و زیبائش کے لیے ہوتے ہیں، اس کے بعد ان عورتوں کی وہ صفت بیان کی جو علتِ حکم پر دلالت کرتی ہے۔ اور لعنت کا سبب ہے۔ اَلْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ۔

[۳] کسی کے ناک، کان وغیرہ اعضاء کے کاٹنے اور داڑھی مونڈنے وغیرہ افعال کے حرام ہونے کی علت بھی

یہی ہے (اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر تبدیلی حرام ہو، کیونکہ یہ مستقل علت نہیں ہے، حرمت کی علت، شارع علیہ السلام کا منع کرنا ہے، لہٰذا خلاصہ یہ ہوا کہ شارع علیہ السلام نے بعض تبدیلیوں کو جائز قرار دیا (مثلاً ختنہ کرانا، ناخن کٹوانا، مونچھیں اور بال ترشوانا۔ ۱۲ مرآۃ) اور بعض کو حرام قرار دیا ہے۔ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات کہی تو ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی۔

؎۴ جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث اور قرآن کے حوالے سے دلیل دی اور حدیث کے موجود ہونے میں تو شبہ نہ تھا، البتہ قرآن پاک میں لعنت کا موجود ہونا بظاہر مستبعد معلوم ہوا تو اس عورت نے ایک سوال پیش کیا۔

؎۵ یعنی قرآن پاک، دو لوح (تختیوں) سے مراد، قرآن کریم کی دو طرفیں ہیں جنہیں دفتین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

؎۶ معانی میں پوری طرح غور و فکر کرکے ——— اس کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کا قرآن پاک میں موجود ثابت کیا اور اسے بطور استفہام بیان کیا، فرمایا، تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟

؎۷ اور اس پر عمل کرو۔

؎۸ لہٰذا ان افعال کی ممانعت، درحقیقت کتاب اللہ کی مدلول ہوگی، اس لیے ان افعال سے رک جانا اور انہیں ترک کرنا نصِ قرآن کے مطابق واجب ہوگا۔ اور ان کا ارتکاب سبب لعنت ہوگا۔

**۴۲۳۳** وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ [۱۲] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَّ نَهٰى عَنِ الْوَشْمِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آنکھ کی تاثیر حق ہے [۱]۔ اور جسم کے گودنے سے منع فرمایا [۲]۔ (بخاری)

؎۱ یعنی جسے نظر لگ جاتی ہے اس کو نظر کا نقصان پہنچانا برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے جادو کی طرح اس میں بھی یہ خاصیت رکھی ہے، اس معنی کی تفصیل و تحقیق ان شاء اللہ العزیز کتاب الطب والرقی میں آئے گی۔

؎۲ وشم کا معنی اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (جسم کا گودنا) علامہ طیبی نے فرمایا کہ جسم کے گودنے کی ممانعت کا ذکر نظر کے برحق ہونے کے ساتھ ان لوگوں پر رد کرنے کے لیے کیا ہے جو کہتے ہیں کہ جسم کا گودنا نظرِ بد کے اثر کو دفع کرتا ہے [۱]۔

---

؎۱ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ (فیصل آباد) فرمایا کرتے تھے کہ نظر برحق ہے (بقیہ صفحہ آئندہ)

۴۲۳۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)
۱۵

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چپکائے ہوئے دیکھا[1] (بخاری)

[1] ملبّد بار کے نیچے زیر، تلبید کا معنیٰ سر میں گوند اور شہد وغیرہ چپکانا ہے تاکہ بال بکھریں نے، جوئیں اور گرد و غبار سے محفوظ رہیں، اصل میں حالتِ احرام میں بال چپکائے جاتے ہیں۔ دیر تک احرام میں رہنے کے سبب بالوں کے الجھنے کا خطرہ ہوتا ہے، جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ ان چیزوں سے تحفظ کی خاطر بال چپکائے جاتے ہیں۔ اس لیے بعض شروح میں تلبید کے مفہوم میں وجود احرام کا اعتبار کیا ہے۔ اور کہا کہ تلبید کا معنیٰ یہ ہے کہ احرام کے وقت گوند وغیرہ کا سر پر لگالینا، قاموس میں ہے محرم کا کچھ گوند اپنے سر میں ڈال لینا تاکہ بال آپس میں چپک جائیں، اس میں شک نہیں ہے کہ غیر محرم بھی کسی ایسی غرض کے لیے بال چپکا سکتا ہے، اور ایسا کرنا جائز ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس ہیئت کے ساتھ حالتِ احرام میں دیکھا یا اس کے بغیر؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، بعض حواشی میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا اس باب میں ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حالتِ احرام کے بغیر بالوں کا چپکانا جائز ہے۔

۴۲۳۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)
۱۶

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو زعفران لگانے[1] سے منع فرمایا۔ (صحیحین)

[1] کپڑے، جسم یا سر پر، بعض روایات میں شادی کرنے والے کے لیے زعفران ملنے کا جواز آیا ہے، بعض صحابہ کرام سے خلوق کا استعمال منقول ہے جو زعفران پر مشتمل ہوتا ہے۔ انہوں نے ممانعت سے پہلے استعمال کیا ہوگا، جیسے کہ اس سے پہلے اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۴۲۳۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
۱۷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہترین خوشبو

(بقیہ صفحہ سابقہ) نظر اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی، ہمیں بھی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی نظر لگ گئی تھی، اسی لیے ایف اے کے امتحان کی تیاری چھوڑ کر بریلی شریف پہنچ گئے اور اپنے دور کے محدثِ اعظم بنے۔
(۱۲ ق نقشبندی)

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَطْيَبِ مَا يَجِدُ حَتّٰى اَجِدَ وَ بِيْصَ الطِّيْبِ وَ فِيْ رَاْسِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لگاتی تھی جو ہمیں میسر ہوتی تھی، یہاں تک کہ میں آپ کے سر اقدس اور داڑھی میں خوشبو کی چمک محسوس کرتی[1] (شیخین)

[1] یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی حالت کے بارے میں وارد ہوئی ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں احرام کے بعد آپ کے سر مبارک اور داڑھی میں خوشبو کی چمک محسوس کرتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ حالتِ احرام کے علاوہ بھی یہ واقعہ پیش آیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہوتی ہے کہ اس کا رنگ مخفی ہوتا ہے، چمک کے ظاہر ہونے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اس خوشبو کا رنگ ظاہر تھا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں وہ رنگ مراد ہے جس کے ظاہر ہونے میں زینت اور جمال ہو، مثلاً سرخ ہو یا زرد، اور جو ایسا نہ ہو مثلاً کستوری اور عنبر کے رنگ ایسا ہو تو وہ جائز ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے کہا (یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پانی کی چمک بھی دکھائی دیتی ہے، معلوم ہوا کہ چمک کے دکھائی دینے سے رنگ کا ظاہر ہونا لازم نہیں ہے۔ ۱۲ ق ن)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صندل ایسی خوشبو لگانا بھی جائز ہے۔ ہمارے علاقے میں ایک خوشبو عام ہے (جس کا نام حضرت شارح نے چودہ لکھا ہے) اگرچہ اس کے رنگ سے سیاہی ظاہر ہوتی ہے، اسے زیب و زینت اور جمال کے لیے استعمال کرتے ہیں، لہٰذا وہ بھی (مردوں کے لیے) جائز نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۳۷ / ۱۸ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اسْتَجْمَرَ اِسْتَجْمَرَ بِالْاُلُوَّةِ غَيْرِ مُطَرَّاةٍ وَ بِكَافُوْرٍ يَطْرَحُهٗ مَعَ الْاُلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب دھونی لیتے تو کسی چیز کی آمیزش کے بغیر لوبان سے دھونی لیتے[1] اور (کبھی) کافور کو لوبان کے ساتھ ڈالتے، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دھونی لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

[1] اس میں کستوری وغیرہ کوئی چیز نہ ملاتے بلکہ خالص لوبان سلگاتے، اُلُوَّۃ ہمزے پر زبر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لام پر پیش، واؤ مشدد پر زبر، اسے مخفف بھی پڑھ سکتے ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۲۳۸/۱۹ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ اَوْ يَاْخُذُ مِنْ شَارِبِهٖ وَ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ يَفْعَلُهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی مونچھیں تراشتے تھے (یا کہا کہ) لیتے تھے[۱] اور حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام بھی یہ کام کیا کرتے تھے[۲]

(ترمذی)

[۱] مونچھیں پست کرتے تھے۔ راوی کو شک ہے کہ یَقُصُّ فرمایا یا یَاْخُذُ۔

[۲] یعنی مونچھوں کا کاٹنا اور پست کرنا قدیم سنت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے تھے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی کیا کرتے تھے، جیسے کہ اس سے پہلے فطرت کی تفسیر میں بیان کیا گیا، صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یا تو ان کی عظمتِ شان کی بنا پر ہے یا اس لیے کہ اس شریعت کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے، جیسے کہ تیسری فصل کے آخر میں بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۲۳۹/۲۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَاْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت زید بن ارقم[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی مونچھوں میں سے کچھ نہ لے وہ ہم میں سے نہیں[۲]

(احمد، ترمذی، نسائی)

[۱] حضرت زید بن ارقم مشہور صحابی ہیں۔

[۲] وہ ہمارے طریقے اور ہماری سنت پر نہیں۔

۴۲۴۰/۲۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُوْلِهَا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی داڑھی کی چوڑائی اور لمبائی سے لیا کرتے تھے[۱]

(ترمذی)

| | |
|---|---|
| (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ) | انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ |

ل یعنی ہر طرف سے داڑھی مبارک کی اصلاح کیا کرتے تھے، لمبے اور باہر نکلنے والے بالوں کو کاٹ کر برابر کر دیا کرتے تھے، یہ ان احادیث کے مخالف نہیں ہے جن میں داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم ہے،[ل] کیونکہ ممانعت داڑھی

---

ل امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے رسالۂ مبارکہ لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحٰی میں اٹھارہ آیتوں، بہتر حدیثوں اور ساٹھ ارشاداتِ علماء سے داڑھی منڈانے کی مذمت وقباحت اور داڑھی بڑھانے کی اہمیت بیان کی، ایک جگہ فرماتے ہیں قال جل ثناءہ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا جو خلاف کرے رسول کا حق واضح ہونے پر اور چلے راہ مسلمانان کے سوا راہ، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور جہنم میں ڈالیں اور کیا بری پلٹنے کی جگہ، مسلم تو مسلم کفار تک جانتے ہیں کہ روز اول سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے، اہلِ بیت کرام صحابہ عظام وائمۂ اعلام اور ہر قرن وطبقہ کے اولیائے امت وعلمائے ملت، بلکہ قرونِ خیر میں تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے، یہاں تک کہ انا للہ وانا الیہ اگر خلقۃً کسی کی داڑھی نہ نکلتی اس پر سخت تاسف کرتا اور یہ ہر عیب سے بدتر عیب سمجھا جاتا، علمائے کرام علاماتِ قیامت میں گنا کرتے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ داڑھیاں منڈائیں، کتروائیں گے، اس پیشین گوئی کے مطابق یہ داڑھی منڈوں مخرشوں، مترشوں کی تراشیں خراشیں، کافروں، مشرکوں کی دیکھا دیکھی مدتہا مدت کے بعد مسلمانوں میں آئیں وہ بھی رند واوباش بد وضع لوگوں میں، پھر ان میں بھی جو ایمان سے حصہ رکھتے ہیں اب تک اپنی اس حرکت کو فسق اور معاصی وقبائح کے برا جانتے ہیں۔ اور طریقۂ اسلامی سے جدا سمجھتے بلکہ ان میں بعض خوش عقیدہ اپنے معظمین دینی کے سامنے جاتے لجاتے، انہیں منہ دکھاتے شرماتے ہیں، الحمد للہ! یہ ان کے ایمان کی بات ہے، شامتِ نفس سے گناہ کریں، لیکن اسے گناہ وقبیح جانیں، مگر چوری سرزوری والوں سے خدا کی پناہ کہ داڑھی رکھنے پر تعقبے الا کر شعائرِ اسلام کے ساتھ نفسِ اسلام وایمان بھی مونڈ کر پھینک دیں۔

اس جگہ چند امور لائق ترجمہ ہیں جو لمعۃ الضحٰی سے ملخص کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ا۔ مرد کا داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کا بدلنا ہے، شیطان نے کہا تھا وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (الآیۃ) میں تیرے بندوں کو حکم دوں گا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو تبدیل کریں گے۔ حدیث شریف میں بال نوچنے والیوں پر لعنت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے والیاں ہیں، یہی کیفیت داڑھی منڈانے والوں کی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیز کو تبدیل کرتے ہیں، شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں حدیث شریف اَلْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مثلہ اور داڑھی مونڈنے وغیرہ کے حرام ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

کے چھوٹی کرنے کی ہے، جیسے کہ عجمیوں کا طریقہ ہے، لمبائی سے برابر کرنے اور اصلاح کے لیے لینا اس کے منافی نہیں ہے، بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ایک مدت تک اس کی اصلاح نہ کی گئی اور اسے تراشا نہ گیا اور داڑھی لمبی ہو گئی ہو تو اب اسے چھوٹا کرنا درست نہ ہوگا جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

---

(بقیہ صفحہ سابقہ) ۲۔ امام بیہقی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک بڑا اور داڑھی شریف بڑی تھی، ضَخْمُ الْهَامَةِ عَظِيْمُ اللِّحْيَةِ اور جو کام سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی ترک نہ کیا ہو واجب ہوتا ہے۔ علامہ ابن ہمام، فتح القدیر باب الاذان میں فرماتے ہیں کہ عَدَمُ التَّرْكِ مَرَّةً دَلِيْلُ الْوُجُوْبِ کسی کام کا کبھی بھی ترک نہ کرنا واجب ہونے کی دلیل ہے، داڑھی کا منڈانا تو کجا مشت بھر سے کم کا کاٹنا بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۳۔ داڑھی بلاشبہ شعارِ اسلام ہے، سکھوں اور بعض یہودیوں کا داڑھی رکھنا، داڑھی کے شعارِ اسلام ہونے کے منافی نہیں ہے، حرم شریف کی طرف بھیجے جانے والے جانور (ہدایا) دین اسلام کے شعار ہیں حالانکہ مشرکین بھی اس فعل میں شریک ہوتے تھے اور جب داڑھی شعارِ اسلام ہے تو اس کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی نشانی اور اسے منڈانا حرام، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو حلال نہ ٹھہراؤ۔

۴۔ امام مالک واحمد و بخاری و مسلم و ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و طحاوی، حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَوْفُوا اللُّحٰى مشرکوں کے خلاف کرو، مونچھیں خوب پست اور داڑھیاں کثیر و وافر رکھو۔ یہ لفظ صحیحین کے ہیں صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ اِنْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللُّحٰى مونچھیں مٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ امام مسلم اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِاِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَاِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا مونچھیں خوب پست کرنے اور داڑھیوں کو معاف رکھنے کا۔ اس سلسلے میں احادیث میں مختلف الفاظ وارد ہیں۔ مجموعی طور پر یہ حدیث معنیً متواتر ہے۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہے، بشرطیکہ کوئی قرینہ صارفہ نہ پایا جائے۔ بلٰذا جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا جو ایک مشت سے چھوٹی کرتا ہے وہ تارک واجب ہے۔ فاسق معلن ہے۔ خصوصاً جب کہ اسے اس برے فعل پر اصرار بھی ہو، اصرار سے تو صغیرہ گناہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اگر پڑھ لی تو دوبارہ لوٹائی جائے۔

سوال: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشت بھر سے زائد داڑھی کا کاٹنا مروی ہے۔ بلٰذا داڑھی کے بڑھانے کا حکم منسوخ ہے۔

(بقیہ صفحہ آئندہ)

(بقیہ سابقہ) جواب۔ نسخ کا قول اس وقت کیا جاتا ہے۔ جب بظاہر متعارض دو حدیثوں میں تطبیق نہ دی جا سکے، حالانکہ اس جگہ تطبیق ظاہر ہے اور وہ یوں کہ صحابی کے عمل سے واضح ہو گیا کہ داڑھی کے بڑھانے کا حکم ایک مشت تک ہے، اس کے بعد کٹوا سکتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر المعنی قولی حدیث کے لیے صحابی کا عمل کیسے ناسخ ہو سکتا ہے؟ ناسخ تو قوت میں منسوخ کے پائے کا ہونا چاہیے، یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ عالم اسلام کے کسی مسلم عالم نے نسخ کا قول کیا ہے یا یہ ایجاد بندہ ہے؟

۵۔ داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے حَلْقُ الشَّعْرِ فِيْ حَقِّهَا مُثْلَةٌ كَحَلْقِ اللِّحْيَةِ فِيْ حَقِّ الرِّجَالِ، عورت کے سر کے بالوں کا مونڈنا اس کے لیے مثلہ ہے جیسے مرد کے لیے داڑھی کا مونڈنا مثلہ ہے، امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ مَثَّلَ بِالْحَيَوَانِ۔ اللہ کی لعنت اس پر جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے۔

۶۔ داڑھی منڈانا، عورت سے مشابہت اختیار کرنا ہے، عورت اور مرد کو لباس، وضع اور چال ڈھال میں بھی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ چہ جائیکہ صورت اور بدن میں مشابہت اختیار کرنا۔ امام ابو طالب مکی، قوت القلوب میں اور امام غزالی، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ داڑھی آفرینش مرد کی تکمیل ہے اور ظاہری صورت میں اسی کے ذریعے مرد عورتوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ داڑھی منڈا کر اس امتیاز کا خاتمہ اور عورتوں کے ساتھ مشابہت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ امام احمد، دارمی، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی وضع بنائیں۔

یہ فطری اور آفاقی ضابطہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے شعوری اور لاشعوری طور پر اسی کی شکل و صورت وضع قطع، لباس اور لب و لہجہ اختیار کرتا ہے، حیف ہے ہم پر کہ نعرہ تو یہ لگاتے ہیں کہ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی وضع قطع اپنانے کے لیے تیار نہیں، آپ کے حکم کی تعمیل کرنے پر تیار نہیں، بلکہ داڑھی منڈا کر ہم ایرانی مجوسیوں، یہودیوں، ہندوؤں، فرنگیوں اور عورتوں کی شکل و صورت اختیار کرتے ہیں، کیا یہی اہل محبت کا شیوہ ہے، یہی عشق کا رنگ ڈھنگ ہے؟

آج جب کہ داڑھی منڈے چہرے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور داڑھی رکھنے والوں کا تمسخر اڑایا جاتا ہے، کونی جگہ ہے؟ جہاں سنت مصطفٰے کو اعزاز و احترام میسر ہوتا ہو، صرف ایک مصلائے امامت تھا (بقیہ صفحہ آئندہ)

۴۲۴۱/۲۲ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلَيْهِ خَلُوْقًا فَقَالَ أَلَكَ امْرَأَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَا تَعُدْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت یعلی بن مرہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر خلوق[۲] نامی خوشبو دیکھی تو فرمایا کیا تمہاری بیوی ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا اسے دھو ڈالو، پھر دھو ڈالو، پھر ڈالو[۳] پھر نہ لگانا۔ (ترمذی، نسائی)

۱؎ حضرت یعلی بن مرہ میم پر پیش، را مشدد، صحابی ہیں، کوفہ یا بصرہ والوں میں شمار کیے جاتے ہیں، حدیبیہ خیبر اور فتح حنین میں حاضر ہوئے، کنگھی کرنے کے باب میں خلوق خوشبو کے دھونے کے بارے میں ان کی ایک حدیث ہے۔

۲؎ خلوق، زعفران اور اس کے علاوہ کئی خوشبوؤں کا مجموعہ اور مشہور خوشبو ہے۔ سرخ اور زرد رنگ اس پر غالب ہے۔

۳؎ یعنی تین بار دھو ڈالو، دھونے میں مبالغہ کرنے کا حکم دینا مقصود ہے، بیوی کے موجود ہونے کے بارے میں سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر بیوی موجود ہو اور اس نے خوشبو لگائی ہو، یا اس کے کپڑے یا بدن سے مرد کے کپڑے یا کسی عضو کو لگ جائے تو مرد معذور ہے، ہاں اگر خود قصداً استعمال کی ہو تو معذور نہ ہوگا اور ایسی خوشبو کا لگانا جائز نہ ہوگا، اسے دھو ڈالنا چاہیے۔ جیسے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو حکم دیا۔ اس سوال کی وجہ شارحین نے اسی طرح بیان کی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر عورت کے لیے لگائے تو معذور ہے، جیسے کہ ظاہر حدیث

---

(بقیہ صفحہ سابقہ) کہ اگر داڑھی منڈا یا مشت بھر سے چھوٹی داڑھی والا اس پر کھڑا ہوتا تو اسے منع کر دیا جاتا اور کہا جاتا کہ تم نماز نہیں پڑھا سکتے، لیکن آج زمرۂ علماء میں ہی بعض وہ حضرات موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ داڑھی رکھنا مستحب ہے لہٰذا امام بنانے کے لیے داڑھی منڈا بھی چل جائے گا اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لوٹانے کی بھی حاجت نہیں، راقم ان حضرات کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہے کہ داڑھی کے اعزاز کی ایک ہی جگہ تھی وہ بھی آپ نے اپنے ہی ہاتھوں ختم کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون والی اللہ المشتکیٰ علی غربۃ الاسلام واھلہ ۱۲ شرف قادری نقشبندی

سے وہم ہوتا ہے۔

۴۲۴۲ / ۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلٰوۃَ رَجُلٍ فِیْ جَسَدِہٖ شَیْءٌ مِّنْ خَلُوْقٍ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالےٰ اس مرد کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے جسم پر کچھ بھی خلوق نامی خوشبو لگی ہو۔[1]

(ابوداؤد)

[1] یہ خلوق کے استعمال پر تشدید اور زجر و توبیخ ہے۔

۴۲۴۳ / ۲۴ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ تَشَقَّقَتْ یَدَایَ فَخَلَّقُوْنِیْ[1] بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ وَقَالَ اِذْھَبْ فَاغْسِلْ ھٰذَا عَنْکَ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں سفر سے اس حال میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا کہ میرے دونوں ہاتھ پھٹے ہوئے تھے تو انہوں نے مجھے زعفران ملی ہوئی خلوق خوشبو لگا دی،[1] صبح کے وقت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا تو آپ نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا، جاؤ اسے اپنے آپ سے دھو ڈالو۔[2]

(ابوداؤد)

[1] فَخَلَّقُوْنِیْ لام مشدد۔ ہاتھوں کے شگافوں پر بقصد علاج خلوق نامی خوشبو لگا دی۔ زعفران ملی ہوئی خوشبو، یہ معنوی اعتبار سے خلوق کی تفسیر ہے۔ اگرچہ زعفران، خلوق کی جز بھی ہے، لیکن خاص طور پر زعفران کے ذکر میں، مکروہ کے ارتکاب کی طرف اشارہ ہے۔

[2] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشنیع اور توبیخ، ہاتھوں کے پھٹ جانے کے عذر پر اطلاع نہ ہونے کی بنا پر تھی یا اس لیے کہ خلوق کے استعمال کے لیے یہ عذر قابل قبول نہیں ہے۔

۴۲۴۴ / ۲۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طِیْبُ الرِّجَالِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کی خوشبو ایسی چیز

مَا ظَهَرَ رِيْحُهٗ وَخَفِيَ لَوْنُهٗ وَطِيْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِيَ رِيْحُهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

ہونی چاہیے جس کی بو ظاہر اور رنگ مخفی ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو مخفی ہو[1]

(ترمذی، نسائی)

[1] اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ رنگ مراد ہے جس میں زینت اور جمال ہو، مثلاً سرخ یا زرد ہو، شارحین فرماتے ہیں کہ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو گھر سے باہر جائے، اور اگر اپنے شوہر کے پاس خوشبو لگائے تو چاہے جس قسم کی بھی ہو جائز ہے۔

۴۲۴۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ[1] يَتَطَيَّبُ مِنْهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپی[1] تھی جس میں سے آپ خوشبو لگایا کرتے تھے۔

(ابو داؤد)

[1] سُکّۃ بے نقطہ سین پر پیش، کاف مشدد مفتوح، خوشبو کی ایک قسم کا نام ہے (لیکن اس جگہ وہ کپی یا ڈبیہ مراد ہے جس میں وہ خوشبو رکھی جاتی تھی، مِنْهَا ارشاد ہوا، جس میں مِنْ ابتدائیہ ہے۔ (۱۲ مرآۃ بحوالہ مرقاۃ)

مجمع البحار میں ہے کہ سکۃ معروف خوشبو ہے جس کے ساتھ دوسری خوشبوئیں ملائی جاتی ہیں۔ علامہ کرمانی سے نقل کیا کہ خوشبو والے منکوں کا ہار ہے، بعض حضرات نے کہا کہ وہ دھاگہ ہے جس میں خوشبودار منکے پروئے جاتے ہیں۔ قاموس میں اس کے بنانے کا طریقہ بیان کیا ہے جو ہم نے شرح (لمعات) میں نقل کیا ہے۔

۴۲۴۶ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهٖ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهٖ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَاَنَّ ثَوْبَهٗ ثَوْبُ زَيَّاتٍ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت سر کو تیل لگایا کرتے تھے اور کثرت سے داڑھی مبارک میں کنگھی کیا کرتے تھے[1] اور قناع[2] کا کثرت سے استعمال کیا کرتے تھے، گویا آپ کا کپڑا تیلی کا کپڑا ہو[3]

(شرح السنۃ)

[1] داڑھی میں کنگھی کرنا سنت ہے، بعض لوگ ہر وضو کے بعد التزاماً کنگھی کرتے ہیں، سنت میں اس کی صحیح اصل نہیں ہے۔

[2] قِناع قاف کے نیچے زیر۔

۳ؔ بکثرت تیل استعمال کرنے کی بنا پر آپ کا قناع ایسا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہوتا ہے۔ قناع سے مراد اوڑھنے والی چادر ہے جس کے ساتھ آپ سر اقدس ڈھانپتے تھے، وہ سر مبارک کی جگہ سے اس طرح ہو جاتی تھی جیسے تیلی کا کپڑا۔ بعض شارحین نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اس قناع سے مراد کپڑے کا وہ ٹکڑا ہے جسے آپ تیل لگانے کے بعد سر پر رکھتے تھے تاکہ عمامہ میلا نہ ہو، جیسے کہ اس سے پہلے میں نے کتاب اللباس میں بیان کیا، یہ وہم نہ کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کپڑے پہنتے تھے وہ میلے اور تیل سے آلودہ ہوتے تھے کیونکہ یہ مطلب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نظافت سے بعید ہے، آپ سفید کپڑے پسند فرماتے تھے۔

۴۲۴۷/۲۸ وَعَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا بِمَكَّةَ قَدْمَةً وَّلَهٗ اَرْبَعُ غَدَائِرَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہمارے ہاں اس حال میں تشریف لائے[2] کہ آپ کے چار گیسو[3] تھے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ)

لہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہمشیرہ۔

۲ؔ فتح مکہ کے دن

۳ؔ غدائر نقطے والی غین، بے نقطہ دال ــــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دن چار گندھے ہوئے گیسو تھے دو دائیں جانب اور دو بائیں جانب۔

۴۲۴۸/۲۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسَهٗ صَدَعْتُ فَرْقَهٗ عَنْ يَافُوْخِهٖ وَاَرْسَلْتُ نَاصِيَتَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک میں مانگ[1] نکالتی تو آپ کے سر اقدس کے درمیان[2] سے بال چیرتی تھی، اور آپ کی پیشانی کے بالوں کو آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی تھی[3] (ابوداؤد)

لہ فرق وہ لکیر ہے جو بالوں کے دو حصوں کے درمیان نکالی جاتی ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

۲ے یا فوخ وہ حصہ ہے جو بچے کے سر سے حرکت کرتا ہے (یعنی تالو) مطلب یہ ہے کہ مانگ کا ایک کنارہ اس جگہ سے ہوتا تھا اور دوسرا کنارہ پیشانی کے پاس، دونوں آنکھوں کے درمیانی حصے کے مقابل۔

۳ے یعنی پیشانی کی جانب والا مانگ کا کنارہ، دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کے مقابل اس طرح رکھتی تھی کہ پیشانی کے آدھے بال اس مانگ کی دائیں جانب اور آدھے اس کی بائیں جانب ہوتے تھے۔ علامہ طیبی نے حدیث کے اس جملے کا مطلب اسی طرح بیان کیا ہے، للہذا مانگ سیدھے راستے کی طرح ہوتی تھی، سر کے درمیان سے شروع ہو کر آنکھوں کے درمیانی حصے کے مقابل ختم ہو جاتی، اسی لیے قاموس میں اس کا معنی یہ بیان کیا وہ راستہ جو سر کے بالوں کے درمیان ہو۔

۴۲۴۹ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا، مگر کبھی کبھی۔[۱] (ترمذی، ابوداؤد نسائی)

لے چنانچہ ایک دن کنگھی کی جائے اور ایک دن نہ کی جائے ——— مطلب یہ ہے کہ ہر دن کنگھی کرنا اور اس کا اہتمام کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس طرح آرائش میں تکلف اور مبالغہ ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔ نہایہ میں ہے کہ غِبٌّ کا معنی ہے اونٹوں کا ایک دن پانی پر جانا اور ایک دن نہ جانا، اسی معنی سے یہ لفظ زیارت کے لیے نقل کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے زُرْ غِبًّا گاہے گاہے زیارت کیا کرو، اگرچہ چند دن کے بعد آئے، کہتے ہیں غَبَّ الرَّجُلُ جب کہ وہ چند دنوں کے بعد آئے، حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ ہر ہفتے میں آئے۔ قاموس میں ہے کہ زیارت کے بارے میں غِبٌّ کا معنی ہے ہر ہفتے میں آنا، تپ کے بارے میں کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک دن چھوڑ کر آتا ہے جیسے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں (قاموس) اسی طرح مریض کی عیادت اور گوشت کھانے کے بارے میں (یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک دن چھوڑ کر کھایا جائے، بعض علماء نے کہا کہ اونٹوں کو پانی پلانے کے سلسلے میں غِبٌّ کا معنی ہے۔ ایک دن چھوڑ کر پلانا، اس کے علاوہ دوسرے کاموں کے بارے میں استعمال کیا جائے تو معنی ہوگا ایک دن کام کرنا اور چند دن ترک کرنا اسی طرح مجمع البحار میں ہے۔

یاد رہے کہ ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت سر اور داڑھی میں کنگھی کرنے کو شامل ہے۔ للہذا بعض لوگ جو ہر وضو کے بعد کنگھی کرتے ہیں تو ان کا عمل سنت کے موافق نہ ہوگا، اسی طرح بیان کیا گیا ہے، لیکن بعض آثار و روایات میں آیا ہے کہ وضو کے بعد کنگھی کرنا، فقر کی نفی کرتا ہے۔ اسی طرح کتاب النورین فی اصلاح الدارین میں ہے، اگرچہ عام طور پر سر کے لیے

ترجُّل کا استعمال کیا جاتا ہے اور داڑھی کے لیے تسریح کا استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ہر وضو کے بعد داڑھی میں کنگھی کرنے کی ممانعت پر استدلال ضعیف ہوگا، لیکن ابو داؤد میں ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت لفظ امتشاط کے ساتھ آئی ہے اور لفظ امتشاط بلا شبہ سر اور داڑھی دونوں کو شامل ہے، اس سے پہلے شرح السنہ کے حوالے سے داڑھی میں کنگھی کرنے کی کثرت کا ذکر گزرا ہے۔ امام ترمذی، شمائل میں بھی یہ حدیث لائے ہیں۔ اس کا مطلب ہر دن کنگھی کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ کثرت کا مطلب حاجت کے وقت کنگھی کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر روز ہی کریں، اگر کہا جائے کہ احیاء العلوم میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز دو مرتبہ کنگھی کیا کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند نہیں ملی۔ یہ حدیث صرف امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کی ہے، ان کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کی۔ احیاء العلوم میں کئی ایسی روایات نقل کر دی گئی ہیں جن کی اصل ثابت نہیں ہے، اسی طرح علامہ ولی الدین عراقی سے نقل کیا گیا ہے، پھر ظاہر یہ ہے کہ ہر دن کنگھی کرنے کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں کا یہ حکم نہیں، کیونکہ عورتوں کے لیے آرائش اور زیبائش مکروہ نہیں ہے بعض علماء نے کہا کہ نہی سب کو شامل ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ نہی عورتوں کے لیے ہلکی ہوگی کیونکہ ان کی آرائش کا معاملہ وسیع ہے، بہر صورت نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۲۵۰ / ۳۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفُضَالَةَ ابْنِ عُبَيْدٍ مَالِيْ اَرَاكَ شَعِثًا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهٰنَا عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاِرْفَاهِ قَالَ مَا لِيْ لَا اَرٰى عَلَيْكَ حِذَاءً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اَنْ نَحْتَفِيَ اَحْيَانًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

عبداللہ بن بریدہ[1] سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت فضالہ بن عبید[2] رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟ میں آپ کے بال بکھرے ہوئے دیکھتا ہوں[3]، فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آسودگی[4] کی زیادتی سے منع فرماتے تھے۔ اس نے کہا کیا وجہ ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے جوتے[5] نہیں پہنے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم کبھی کبھی ننگے پاؤں رہا کریں[6]۔

(ابوداؤد)

[1] عبداللہ بن بریدہ بن حُصَیب حا پر پیش، صاد پر زبر، دونوں بے نقطہ، اسلمی مشہور تابعی ہیں۔
[2] فُضالہ بن عُبید انصاری صحابی ہیں، ان کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے ہے۔
[3] ایک شخص نے ان سے بطور تعجب اور انکار پوچھا کیا سبب ہے؟ کہ آپ نے بالوں میں کنگھی نہیں کی

اور ان کی اصلاح نہیں کی۔

۴ے اِرفاہ ہمزے کے نیچے زیر، اصل میں اس کا معنی اونٹ کا پانی میں آنا ہے جب اس کا جی چاہے خوش حالی، آسودگی اور عیش و عشرت کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تیل کا کثرت سے استعمال کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

۵ے حِفَا رَبے نقطہ حا کے نیچے زیر اور نقطے والا فال (جوتا) یعنی کیا وجہ ہے؟ کہ آپ ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔

۶ے تواضع، کسر نفسی اور شفقت کے نقطۂ نظر سے، نیز مجبوری کی حالت میں ننگے پاؤں رہنا آسان ہوگا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اگرچہ بالوں کو تیل لگاتے تھے کنگھی کرتے تھے، اسے پسند فرماتے تھے، اس کا حکم دیتے تھے اور اس کی رغبت دلاتے تھے، تاہم بعض زاہدوں اور ارباب ریاضت کو اس کے برخلاف بھی رکھتے تھے۔ اس کی تائید فرماتے تھے، بلکہ حکم بھی دیتے تھے،

خلاصہ یہ کہ خوشحالی اور عیش میں مبالغہ اور حد سے بڑھنا، تیل لگانے، کنگھی کرنے اور آرائش میں منہمک ہونا مکروہ ہے۔ جیسے کہ عجمیوں اور دولت مندوں کی عادت ہے۔ اس معاملے میں میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ طہارت، نظافت اور ظاہری حالت کی اصلاح کو ہی ترک کر دو، کیونکہ نظافت دین سے ہے، جیسے کہ حدیث میں ارشاد ہوا۔

۴۲۵۱/۳۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْیُكْرِمْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے بال ہوں[۱] اسے چاہیے کہ وہ ان کی عزت کرے[۲]

(ابو داؤد)

لے یعنی جو شخص بال رکھتا ہو۔

۲ے انہیں دھوتے، تیل لگاتے، کنگھی کرے اور صاف ستھرے رکھے، بکھرے اور الجھے ہوئے نہ چھوڑے کیونکہ صفائی اور اچھا دکھائی دینا محبوب اور مرغوب ہے۔

۴۲۵۲/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحْسَنَ مَا غُیِّرَ بِهِ الشَّیْبُ الْحِنَّاءُ وَ الْكَتَمُ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بہترین وہ چیز جس سے بالوں کی سفیدی کو تبدیل کیا جائے[۱] مہندی اور کتم ہے[۲]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(ترمذی، ابو داؤد نسائی)

سلہ اور انہیں رنگا جائے۔

سلہ کتم کاف پر زبر، تاء مخففہ، بعض علماء نے تاء مشدد بھی بیان کی ہے، زیادہ مشہور تخفیف ہی ہے۔ ایک گھاس جو وسمہ کے ساتھ ملا کر بالوں کے رنگنے کے کام آتی ہے، بعض حضرات نے کہا کہ کتم، وسمہ ہی ہے اسی طرح علامہ طیبی نے کہا۔ قاموس میں ہے کتم کاف متحرک کے ساتھ، کتمان پہلے حرف پر پیش، ایک گھاس جو مہندی میں ملائی جاتی ہے اور اس سے بال رنگے جاتے ہیں۔ اور وسمہ واؤ پر زبر، اس پر پیش بھی پڑھ سکتے ہیں، سین کے نیچے زیر یا ساکن وہی گھاس ہے، بعض علماء نے کہا کہ یمن میں ایک درخت ہے جس کے پتوں سے بال رنگے جاتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ وسمہ نیل کے پتے ہیں یا ایک بوٹی ہے جس کے پتوں سے خضاب لگایا جاتا ہے۔

اب حدیث سے مراد کیا ہے؟ مہندی اور کتم دونوں سے رنگنا یا دونوں میں سے کسی ایک سے، نہایہ میں ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مہندی کے بغیر صرف کتم کا استعمال مراد ہے، کیونکہ کتم کے ساتھ مہندی ملا کر استعمال کی جائے تو بال سیاہ ہو جائیں گے، سیاہ خضاب کی ممانعت درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ غالباً حدیث اس طرح ہے بِالْحِنَّاءِ اَوِالْكَتَمِ مہندی یا کتم سے، لفظ اَوْ کے ساتھ اختیار دینے کے لیے، لیکن مختلف سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی احادیث میں واؤ کے ساتھ عطف ہے نہ کہ او کے ساتھ (اھ) اور ہو سکتا ہے کہ واؤ بمعنی اَوْ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ بیان نہیں کیا کہ صرف کتم کے استعمال سے کونسا رنگ آتا ہے۔ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ صرف مہندی لگانے سے سرخ رنگ آتا ہے اور تنہا کتم کے استعمال سے نیلگوں رنگ آتا ہے۔ اور بعض شارحین سے سیاہی مائل کتم کے استعمال سے خالص سیاہ رنگ آتا ہے، اور مہندی کے ساتھ ملا کر استعمال سے سیاہی مائل پختہ سرخ رنگ آتا ہے، لہٰذا مہندی اور کتم ملا کر رنگنا مراد ہوگا، اسی طرح کہا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر کی روایت کے بعد آنے والی ابن عباس کی روایت اسی معنی میں صریح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۴۲۵۳ / ۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَا يَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو اس سلہ سیاہی کے ساتھ کبوتروں کے پوٹوں کی طرح بال رنگیں گے وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) (ابوداؤد، نسائی)

لہ حَذَا سے اشارہ، سیاہی کے حال کی تحقیر اور تقبیح کے لیے ہے، یا مطلب یہ ہے کہ سیاہی کی اس قسم سے رنگیں گے۔

۲ہ حوصلہ پرندے کا (پوٹا)، ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا معدہ، اس جگہ سینہ مراد ہے اور بعض کبوتروں کا سینہ خالص سیاہ ہوتا ہے۔

۳ہ خضاب لگانے والے۔ یہ سیاہ خضاب لگانے پر زجر و توبیخ میں مبالغہ ہے۔ بعض حواشی میں لکھا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اس کی خوشبو محسوس نہیں کریں گے اور اس سے لطف اندوز نہیں ہوں گے بعض علماء نے کہا کہ جنت کی خوشبو محشر کے میدانوں میں آئے گی، مسلمان اس سے محظوظ اور مسرور ہوں گے اور محشر کے میدانوں میں ٹھہرنے کی مشقت اور تکلیف سے محفوظ رہیں گے۔ یہ خضاب لگانے والے اس سے محروم رہیں گے لہ

۴۲۵۴ / ۳۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهٗ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالوں سے خالی جوتے لہ پہنتے تھے اور اپنی داڑھی ورس ۲ہ اور زعفران سے رنگتے تھے، ابن عمر بھی یہ کام کیا کرتے تھے۔ (نسائی)

لہ اَلسِّبْتِيَّة سین کے نیچے زیر، ایک نقطے والی بار ساکن۔ اگرچہ (اس دور میں) اکثر عربوں کی عادت یہ تھی کہ وہ بالوں والے جوتے پہنتے تھے، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رنگے ہوئے چمڑے کے جوتے پہنتے تھے جس کے بال زائل کردیے گئے ہوتے تھے۔

۲ہ وَرس واؤ پر زبر، را ساکن، زرد رنگ کی گھاس جو یمن میں ہوتی ہے اور اس سے بال رنگے جاتے ہیں۔

---

لہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے رسالہ مبارکہ حکُّ الْعَیْبِ عَنْ تَسْوِیْدِ الشَّیْبِ میں متعدد احادیث سے ثابت کیا ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ تحریمی اور حرام ہے۔ ۱۲ قادری نقشبندی۔

۳؎ یعنی داڑھی کو ورس اور زعفران سے رنگتے تھے، بہتر یہ ہے کہ دونوں کا موں سبتی جوتے پہننے اور بالوں کے رنگنے کے مجموع کی طرف اشارہ ہو، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے اور امام ترمذی، شمائل میں بھی لائے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو کہا گیا کہ میں دیکھتا ہوں آپ سبتی جوتے پہنتے ہیں جو دولت مندوں کا پہناوا ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبتی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا اس لیے میں ان کے پہننے کو محبوب رکھتا ہوں۔

اس سے پہلے ہم نے کتاب اللباس میں بیان کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا، آپ کے بالوں کی سفیدی اس حد کو نہیں پہنچی تھی کہ انہیں خضاب لگایا جاتا، صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو ہرگز نہیں رنگا، چونکہ آپ کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے تھے اس لیے بعض صحابہ کرام نے خیال کیا کہ آپ کے بال مبارک رنگے ہوئے ہیں (اھ) لہٰذا ورس اور زعفران سے داڑھی مبارک کو زرد کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ رنگنے کے لیے نہیں بلکہ بالوں کی صفائی اور نظافت کے لیے ورس اور زعفران ملتے تھے کیونکہ آپ کے بال مبارک سیاہ تھے اور سیاہ بال کسی دوسرے رنگ کو قبول نہیں کرتے، اس لیے تصفیر (زرد رنگ دینے) سے مراد زرد چیز کا استعمال ہوگا۔ رنگنا مراد نہیں ہے۔ ہاں بعض صحابہ کرام سے مروی ہے کہ وہ داڑھی کو زرد رنگ دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہی حضرات رنگتے ہوں گے جن کے بال سفید ہوں گے، اسی طرح میں نے اپنے شیخ (حضرت علی متقی) سے سنا، اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔ چنانچہ آئندہ حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۴۲۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ آخَرُ وَ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَ الْكَتَمِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ آخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ)
۳۶

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے مہندی سے بال رنگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ کتنا اچھا ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دوسرا شخص گزرا جس نے مہندی اور کتم سے بال رنگے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: یہ پہلے سے بہتر ہے۱؎، پھر ایک تیسرا شخص گزرا جس نے زرد رنگ لگایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ ان سب سے بہتر ہے۔
(ابو داؤد)

۱؎ یعنی صرف مہندی لگانے سے۔

۴۲۵۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ
۳۷ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوا الشَّیْبَ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْیَهُوْدِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِیُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالزُّبَیْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہودیوں کی مشابہت[۱] اختیار نہ کرو۔
(ترمذی) امام نسائی نے یہ حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت زبیر[۲] سے روایت کی۔

[۱] وَلَا تَشَبَّهُوْا تا اور شین پر زبر ———— یہودیوں کے مشابہ نہ بنو جو خضاب نہیں لگاتے۔
[۲] بعض نسخوں میں ابن زبیر ہے۔

۴۲۵۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ
۳۸ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْتِفُوا الشَّیْبَ فَاِنَّهٗ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَیْبَةً فِی الْاِسْلَامِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً وَّ كَفَّرَ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةً وَّ رَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم سفید بال نہ چنو کیونکہ سفیدی مسلمان کا نور[۱] ہے، جس شخص کے بال اسلام میں سفید ہو گئے، اللہ تعالٰی اس کے لیے اس سفیدی کی بدولت ایک نیکی لکھے گا اور اس کا ایک گناہ مٹا دے گا۔
(ابوداؤد)

[۱] کیونکہ بالوں کی سفیدی وقار ہے، جیسے تیسری فصل کے آخر میں آئے گا کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالوں کی سفیدی دیکھی اور عرض کیا میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ جواب آیا کہ یہ وقار ہے، انہوں نے عرض کیا رب کریم! وقار میں اضافہ فرما، وقار آدمی کو فسق و فجور اور گناہوں سے روکتا ہے، توبہ اور نیکیوں کا سبب بنتا ہے اور یہ نور کا سبب بنتا ہے جو محشر کے اندھیروں میں مومن کے آگے آگے دوڑے گا، جیسے کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں جانبوں میں دوڑے گا اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، اس توجیہ کے مطابق نور سے مراد قیامت کے دن کا نور ہے۔ جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں صراحۃً آیا ہے، اگر اس جگہ نورانیت سے مراد حلیہ کا حسن، صورت کا جمال، باطن کی صفائی اور سیرت کی درستی مراد لی جائے جو اس عالم میں بوڑھوں کو حاصل ہوتی ہے تو بھی بعید نہیں ہے، آخرت کی اچھی جزا اور جنت کا داخلہ جو اس پر مرتب ہوگا

وہاں جگہ ہے جیسے کہ آئندہ ارشاد میں اشارہ ہے۔

۴۲۵۸ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔
۳۹

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت کعب بن مرہ[۱] رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا، اس کے لیے بڑھاپا قیامت کے دن نور ہوگا۔[۲]

(ترمذی، نسائی)

[۱] حضرت کعب بن مرہ صحابی ہیں۔ شام کے علاقہ اردن کے رہنے والے تھے، وہیں ۹۵ھ میں وصال ہوا۔
[۲] اس کے لیے بڑھاپا روشنی کا سبب اور اس دن کی محنت ومشقت اور تاریکی سے نجات کا ذریعہ ہوگا، کیونکہ بڑھاپے میں آدمی توبہ کرتا ہے اور عبادات انجام دیتا ہے۔

اس جگہ ایک سوال اور اشکال ہے اور وہ یہ کہ جب بڑھاپا دنیا وآخرت میں نورانیت کا سبب ہے تو اسے چھپانا اور خضاب کے ذریعے تبدیل کرنا کیوں شروع ہوا؟ علماء فرماتے ہیں کہ یہ تبدیلی ایک دوسری دینی مصلحت کی بنا پر شروع ہوئی ہے، اور وہ ہے دشمنوں کو ذلیل کرنا اور اپنی قوت کا ظاہر کرنا، تاکہ وہ کمزور سمجھ کر دلیر نہ ہو جائیں، اگر کہا جائے کہ اس مصلحت کے لیے بالوں کا اکھیڑنا کیوں جائز نہیں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ سفید بالوں کا جڑ سے اکھیڑنا بالآخر بدصورتی کا سبب بن جائے گا، برخلاف خضاب کے کہ اس کے ذریعے بالوں کی رنگت تبدیل ہوگی، یہ فرق ہے خضاب لگانے اور بالوں کے اکھیڑنے میں، سفید بالوں کا چننا اگر زیب وزینت کے لیے اور تکلف کے ساتھ نہ ہو تو ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، لیکن مختار اس کے خلاف ہے۔

۴۲۵۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ۔
۴۰

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک برتن[۱] سے غسل کیا کرتے تھے، آپ کے بال جمہ سے اوپر اور وفرہ سے کم تھے[۲]

(ترمذی)

ـــہ اور وہ برتن میرے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان مشترک ہوتا تھا، یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جو کتاب الطہارۃ کے باب الغسل میں گزر گئی ہے۔

ـــہ یاد رہے کہ سر کے بالوں کے تین نام ہیں۔(۱) جُمّہ جیم پر پیش اور میم مشدد (۲) وفرہ واؤ پر زبر اور فا ساکن (۳) لِمّہ لام کے نیچے زیر اور میم مشدد۔ جمّہ وہ بال ہیں جو کندھوں تک ہوں، وفرہ وہ کان کے نرم حصّہ تک ہوں اور لمّہ وہ بال جو کانوں سے نیچے ہوں اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے ہوں، ان الفاظ کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک اس وقت جمہ سے اوپر تھے یعنی کندہوں تک پہنچے ہوئے نہیں تھے۔ اور وفرہ سے نیچے تھے یعنی کانوں سے نیچے پہنچے ہوئے تھے یعنی لمّہ تھے اور کانوں اور کندھوں کے درمیان تھے۔ کبھی جمہ مطلق بالوں کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ شمائل میں ہے تَضْرِبُ جُمَّتُہٗ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ آپ کے بال کان کے نرم حصے کو چھوتے تھے، قاموس میں ہے۔ اَلْجُمَّۃُ جیم پر پیش سر کے بالوں کا مجموعہ۔

۴۲۶۰ وَعَنِ ابْنِ الْحَنْظَلِیَّۃِ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَیْمُ الْاَسَدِیُّ لَوْ لَا طُوْلُ جُمَّتِہٖ وَاِسْبَالُ اِزَارِہٖ فَبَلَغَ ذٰلِكَ خُرَیْمًا فَاَخَذَ شَفْرَۃً فَقَطَعَ بِھَا جُمَّتَہٗ اِلٰی اُذُنَیْہِ وَرَفَعَ اِزَارَہٗ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْہِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابن الحنظلیہ ـــہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، خریم اسدی ـــہ اچھا مرد ہے۔ اگر ان کے بالوں کی لمبائی ـــہ اور چادر کو نیچے لٹکانا نہ ہوتا۔ یہ بات حضرت خریم کو پہنچی تو انہوں نے چھری لے کر اپنے بال کانوں تک کاٹ دیئے اور اپنی چادر آدھی پنڈلیوں تک اونچی کر لی۔ (ابوداؤد)

ـــہ ابن الحنظلیہ بے نقطہ حاء اور نقطے والی ظاء، ابوالحارث سھل بن ربیع صاحب فضیلت صحابی، بکثرت نماز پڑھتے اور ذکر کرتے، شام میں مقیم تھے، حنظلیہ ان کی والدہ یا دادی کا نام ہے۔

ـــہ خریم نقطے والی خاء پر پیش، راء پر زبر اور یاء ساکن اسدی۔ قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے، یہ بھی صحابی ہیں۔

ـــہ اگرچہ بالوں کی لمبائی مکروہ اور مذموم نہیں ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صحابی سے لمبے بالوں کی بنا پر ناپسندیدہ ناز نخرہ اور زینت محسوس کی ہو اور ان کے حال کی شکایت کی ہو ـــــــ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس

امر کی دلیل ہے کہ اگر غیر حاضر مسلمان بھائی کے کسی مکروہ وصف کا ذکر کیا جائے جس کا وہ مرتکب ہو، تاکہ وہ اس سے بھی باز آ جائے تو جائز ہے۔

۴۲۶۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِيْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَ يَاْخُذُهَا۔
۴۲

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے گیسو[1] تھے۔ میری والدہ نے کہا کہ میں انہیں نہیں کاٹوں گی[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کھینچتے تھے اور پکڑتے تھے[3]۔

(ابوداؤد)

۱ؔ ذوابۃ نقطے والے ذال پر پیش، گیسو۔

۲ؔ اس کے بعد نہ کاٹنے کی وجہ بیان کی۔

۳ؔ خوش طبعی اور انبساط کے طور پر، جیسے عموماً بچوں کے ساتھ ہنسی مزاح کرتے ہیں۔ بطور ترک ان گیسوؤں کو محفوظ رکھتی تھیں اور انہیں ملتی کرتی تھیں، ابھی ابھی جو جرہ کی لمبائی کا ناپسندیدہ ہونا، بیان ہوا ہے، اس کی کچھ اور وجہ ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔ یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے۔

۴۲۶۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْهَلَ اٰلَ جَعْفَرٍ ثَلٰثًا ثُمَّ اَتَاهُمْ فَقَالَ لَا تَبْكُوْا عَلٰى اَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ ادْعُوْا لِيْ بَنِيْ اَخِيْ فَجِيْءَ بِنَا كَاَنَّا اَفْرَاخٌ فَقَالَ ادْعُوْا لِيَ الْحَلَّاقَ فَاَمَرَهٗ فَحَلَقَ رُءُوْسَنَا۔
۴۳

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت عبداللہ بن جعفر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کی اولاد کو تین راتوں تک مہلت دی[2]، پھر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا[3]، پھر فرمایا میرے بھتیجوں کو میرے پاس بلاؤ، ہمیں آپ کے پاس اس حال میں لایا گیا گویا ہم چوزے ہوں[4]، فرمایا: میرے پاس حجام کو بلا کر لاؤ، آپ کے حکم پر اس نے ہمارے سر مونڈ دیئے[5]۔

(ابوداؤد، نسائی)

۱ؔ حضرت عبداللہ بن جعفر فضلائے صحابہ اور بنی ہاشم کے اشراف میں سے ہیں، جود و سخا میں بے مثال تھے۔

۵۲؎ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی اولاد کو تین راتوں تک مہلت دی، انہیں رونے دیا، اظہار غم کرنے دیا، اور ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔

۵۳؎ کیونکہ اظہار غم کی انتہا تین دن تک ہے۔

۵۴؎ اَفْرُخٌ ہمزے پر زبر، فا ساکن را پر پیش، فرخ کی جمع ہے، چوزہ، پرندے کا بچہ۔

۵۵؎ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان بچوں کے سر مونڈنے کا حکم اس لیے دیا کہ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت جعفر کی جدائی کے صدمے کی بنا پر بچوں کے سروں میں کنگھی نہیں کر سکیں گی اور انہیں دیکھ بھال کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔

۴۲۶۳ وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ الْاَنْصَارِيَّةِ اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْهِكِيْ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَحْظٰى لِلْمَرْاَةِ وَ اَحَبُّ اِلَى الْبَعْلِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ وَرَاوِيْهِ مَجْهُوْلٌ)

حضرت ام عطیہ انصاریہ[1] رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت ختنہ کیا کرتی تھی[2]۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کیا کرو[3]، کیونکہ یہ مبالغہ نہ کرنا عورت کو زیادہ خوش کرنے والا[4] ہے۔ اور شوہر کے نزدیک زیادہ پسندیدہ[5] ہے (ابوداؤد) انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس کا راوی مجہول ہے۔

۱؎ حضرت ام عطیہ انصاریہ اکابر صحابیات میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیا کرتی تھیں، بیماروں کی تیمارداری کرتیں۔ اور زخموں کا علاج کیا کرتی تھیں، حضرت انس بن سیرین ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا نام نسیبہ بنت کعب نون پر پیش، بے نقطہ سین پر زبر، یا ساکن، با پر زبر، ابن معین نے کہا کہ نون پر زبر اور سین کے نیچے زیر۔

۲؎ یعنی عورتوں کا۔

۳؎ اور گوشت جڑ سے نہ کاٹ دیا کرو۔ لَا تُنْهِكِيْ تا پر پیش، ہا کے نیچے زیر اور اس پر زبر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اِنْهَاكٌ اور نَهْكٌ دونوں سے روایت ہے، اس کا معنی ہے کاٹنے میں مبالغہ کرنا۔

۴؎ اور اس کے لیے زیادہ لذت بخش ہے۔

۵؎ یعنی اگر اس کے کاٹنے میں مبالغہ کریں تو مرد کم لطف اندوز ہوگا اور دیکھنے میں بھی وہ جگہ بھی قبیح معلوم ہوگی۔

۴۲۶۴ وَعَنْ كَرِيمَةَ بِنْتِ هُمَامٍ اَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَا بَأْسَ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُهٗ كَانَ حَبِيْبِيْ يَكْرَهُ رِيْحَهٗ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت کریمہ بنت ھمام[۵۱] سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مہندی کے خضاب[۵۲] کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: کوئی حرج نہیں[۵۳]، لیکن[۵۴] میں اسے ناپسند کرتی ہوں، میرے[۵۵] محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی بو کو ناپسند کرتے تھے[۵۶]۔
(ابوداؤد، نسائی)

۵۱ کریمہ بنت ھمام ہا پر پیش، میم مخفف (ھُمَام)، ہا پر زبر اور میم مشدد کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے (ہَمّام) تابعیہ ہیں اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔ ان کی حدیث اہل بصرہ میں ہے۔

۵۲ ظاہر یہ ہے کہ عورتوں کے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگانے کے بارے میں سوال کیا۔ جیسے روشن حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

۵۳ عورتیں لگا سکتی ہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر عورت شوہر کے لیے آرائش کی نیت سے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ جاندار چیزوں کی تصویریں نہ بنائی جائیں۔

۵۴ گویا اس عورت نے سوال کیا کہ پھر آپ کیوں نہیں لگاتیں؟

۵۵ مہندی کے ناپسند کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۵۶ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مہندی خوشبو نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوشبو پسند فرماتے تھے۔ اگر مہندی بھی خوشبو والی ہوتی تو اسے بھی پسند فرماتے، جب کہ احناف یہ کہتے ہیں کہ مہندی خوشبو ہے (لہٰذا احرام کی حالت میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے ۱۲ ق ن) اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو بے شک پسند تھی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر قسم کی خوشبو پسند ہو۔ نیز ہر قسم کی خوشبو کے پسند ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب خوشبوئیں ایک جیسی پسندیدہ ہوں، بعض خوشبوؤں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور بعض کو کم، گویا مطلب یہ ہے کہ مہندی کی خوشبو کو اتنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس سے محظوظ اور مسرور ہوتے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کا اہتمام نہیں کرتی تھیں۔

۴۲۶۵ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ فَقَالَ لَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ[۵۷] نے عرض کیا۔ اے اللہ کے نبی! مجھے بیعت کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نہیں

أُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِي كَفَّيْكِ فَكَأَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے ہاتھوں کو تبدیل کرو[۵۲] دونوں ہاتھ گویا درندے کے ہاتھ ہیں[۵۳] (ابوداؤد)

۵۱ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، حضرت ابوسفیان کی اہلیہ اور حضرت امیر معاویہ کی والدہ، فتح مکہ کے دن اپنے شوہر ابوسفیان کے بعد اسلام لائیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سابق نکاح پر برقرار رکھا، حضرت ہند نے اسلام لانے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! میرے نزدیک آپ کا چہرہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا اب میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب آپ کا چہرہ ہے اپہلے میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ آپ کا خیمہ تھا۔ اور اب یہ حال ہے کہ سب سے زیادہ محبوب آپ کا خیمہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا؛ وَاَیْضًا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے شارحین نے وَاَیْضًا کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔ (۱) جوں جوں ایمان تمہارے دل میں گھر کرتا جائے گا۔ تمہاری محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ (۲) میں بھی تمہاری نسبت اپنا حال اسی طرح محسوس کرتا ہوں کہ تم لوگ پہلے ناپسندیدہ تھے۔ اب مجھے تم لوگوں سے سخت محبت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم جنگ میں ہند نے سید الشہداء امیر حمزہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ مشہور واقعہ ہے۔

۵۲ یعنی مہندی لگاؤ۔

۵۳ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے ہاتھوں کو مہندی لگانا مستحب ہے اور اس کا ترک کرنا مکروہ ہے ہو سکتے ہیں کہ کراہت اور انکار کی وجہ مردوں کے ساتھ مشابہت ہے اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عورتوں کے لیے مردوں کی مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے، یہاں تک کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی مکروہ ہے۔ اور اگر پہنیں تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لیں۔

۴۳۶۲/۴۴ وَعَنْهَا قَالَتْ أَوْمَتِ امْرَأَةٌ مِّنْ وَّرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ مَا أَدْرِيْ أَيَدُ رَجُلٍ أَوْ يَدُ امْرَأَةٍ قَالَتْ بَلْ يَدُ امْرَأَةٍ قَالَ لَوْ كُنْتِ امْرَأَةً تَغَيَّرْتِ

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اشارہ کیا، اس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی جو کسی نے (ان کے ہاتھ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بھیجی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا[۵۴] اور فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا، اس نے کہا بلکہ یہ عورت کا ہاتھ ہے، آپ نے فرمایا: اگر تو عورت ہوتی[۵۵] تو اپنے ناخنوں کو تبدیل کر لیتی۔

أَظْفَارَكِ يَعْنِيْ بِالْحِنَّاءِ ۔ یعنی مہندی سے[3]

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ) (ابوداؤد، نسائی)

[1] اس کے ہاتھ کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور اس کے ہاتھ سے تحریر نہیں لی۔

[2] یعنی اگر تو عورتوں کی علامت کی رعایت کرنے والی اور ان کی عادت کو ملحوظ رکھنے والی ہوتی ۔

[3] اس میں عورتوں کے لیے مہندی لگانے کے استحباب کو تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مرد و زن کے (امتیازی) احوال کی رعایت کی مکمل تعلیم دی گئی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نگہداشت پر تنبیہ فرمائی ہے ۔

۴۲۶۷/۴۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بالوں کے ملانے والی اور ملوانے والی، بال اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی ۔ گودنے والی اور گدوانے والی[1] پر لعنت کی گئی جو کسی بیماری کے بغیر ایسا کرے ۔

(ابوداؤد)

[1] ان الفاظ کے معانی پہلی فصل میں بیان کیے گئے ہیں، اس جگہ نامصہ کا ذکر ہے جب کہ اس جگہ ذکر نہیں تھا، نامصہ کا معنی ہے چہرے سے بال اکھیڑنے والی، نیز اس جگہ کراہت کے ساتھ اپنے قول سے قید لگائی ہے کہ یہ کام بیماری کے بغیر ہوں یعنی کراہت اس صورت میں ہے کہ کوئی عذر اور بیماری نہ ہو، یہ قید اس جگہ بھی مراد ہے ۔

۴۲۶۸/۴۹ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس[1] پہنے اور اس عورت پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنے[2] ۔

(ابوداؤد)

[1] لِبْسَۃ لام کے نیچے زیر۔

[2] پس نہ تو مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں ۔ اور نہ عورتوں کے لیے جائز ہے کہ مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں ۔

۴۲۶۹ ۵۰ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ قِیْلَ لِعَآئِشَةَ اِنَّ امْرَاَةً تَلْبَسُ النَّعْلَ فَقَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَآءِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن ابی ملیکہ۵۱ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کیا گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں۵۲ پر لعنت فرمائی ہے۔ (ابوداؤد)

۵۱ ابن ابی ملیکہ میم پر پیش، لام پر زبر، یا ساکن، ان کی کنیت ابو محمد یا ابو بکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ تیمی قرشی ہے، بھینگے تھے، مشہور تابعین اور ان کے علماء میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن زبیر کے دور میں مکہ مکرمہ کے قاضی تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تیس صحابہ کرام سے ملاقات کی، حضرت عائشہ صدیقہ، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے تھے، ان سے ابن جریج اور دیگر بہت سے محدثین نے روایت کی، ۱۱۸ھ میں وصال ہوا۔

۵۲ چونکہ عورت کو مردانہ پن سے موصوف کیا اس لیے اَلرَّجُلَةَ کے آخر میں تاء لائی گئی ہے۔

۴۲۷۰ ۵۱ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ كَانَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِاِنْسَانٍ مِّنْ اَهْلِهٖ فَاطِمَةَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحًا اَوْ سِتْرًا عَلٰى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ اَنَّمَا مَنَعَهٗ اَنْ

حضرت ثوبان۵۳ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے گھر والوں میں سے جس آخری فرد سے ملاقات فرماتے وہ حضرت فاطمہ زہراء ہوتیں۵۴، اور (واپسی پر) سب سے پہلے حضرت فاطمہ زہراء کے پاس ہی تشریف لے جاتے، ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ نے اپنے دروازے پر ٹاٹ یا پردہ۵۵ لٹکایا ہوا تھا، اور حسنین کریمین کو چاندی کے دو کنگن۵۶ پہنا رکھے تھے، آپ تشریف لائے تو اندر داخل نہیں ہوئے۵۷، حضرت فاطمہ نے سمجھ لیا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس نے

يَدْخُلَ مَا رَاٰى فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَ فَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَ قَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيَانِ فَاَخَذَهُ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا ثَوْبَانُ اِذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى اٰلِ فُلَانٍ اِنَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ اَكْرَهُ اَنْ يَاكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِيْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اِشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِّنْ عَصَبٍ وَّ سِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ :

داخل ہونے سے روکا ہے، چنانچہ انہوں نے پردہ پھاڑ دیا اور دونوں بچوں[۷] کے کنگن اتار دیئے اور انہیں کاٹ دیا، دونوں بچے روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے دونوں بچوں سے وہ زیور[۸] لے لیے اور فرمایا: اے ثوبان! اسے آل فلاں[۹] کے پاس لے جاؤ، بے شک یہ میری اولاد ہیں، میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں کھائیں[۱۰] ثوبان! فاطمہ کے لیے عصب[۱۱] کا ایک ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ) (احمد، ابوداؤد)

۱ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام، مقرب بارگاہ اور دربار اقدس کے حاضر باش تھے۔

۲ یعنی سب کو الوداع کہہ کر حضرت فاطمہ زہرا کے پاس تشریف لاتے اور جو کچھ فرمانا ہوتا فرماتے، اور مناسب وصیت کرتے اور انہیں وداع کرتے۔

۳ مُسَحًّا میم کے نیچے زیر، ثاء۔ سِتْرًا پردہ، سین کے نیچے زیر، راوی کو شک ہے کہ مِسْحًا کہا یا سِتْرًا۔

۴ قُلْبَيْن قاف پر پیش اور لام ساکن، دو کنگن۔

۵ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں داخل نہیں ہوئے جیسے کہ آپ کا معمول تھا۔

۶ یعنی دروازے پر لٹکایا ہوا پردہ اور حسنین کریمین کو پہنائے گئے کنگن

۷ یعنی حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

۸ فَاَخَذَهُ مِنْهُمَا کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں (۱) حضرات حسنین کریمین کو پہنانے کی محبت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اثر انداز ہوئی (۲) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دونوں زیور حسنین کریمین سے لے لیے اور یہ معنی آئندہ عبارت

کے مناسب زیادہ ہے۔

۵۹؎ اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا نام لیا۔

۵۱۰؎ یعنی ہمیں ناپسند ہے کہ ہماری اولاد اچھے کھانوں سے لطف اندوز ہو اور عمدہ لباس پہنے گویا اکل طیبات کنایہ ہے لطف اندوز ہونے اور خوش حالی اختیار کرنے سے، بلکہ ہم ان کے لیے فقر و ریاضت پسند کرتے ہیں، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امر و نہی، وعدہ اور نصیحت میں سختی فرمائی اور حضرت فاطمہ زہرا کی شکستہ دلی اور شرمندگی کا خیال کیا اس لیے از راہ شفقت، محبت اور التفات فرمایا : ثوبان! فاطمہ کے لیے عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لو۔

۵۱۱؎ عصب عین پر زبر اور صاد ساکن، دونوں بے نقطہ ــــــــــ یاد رہے کہ عصب اور عاج کی تفسیر میں شارحین کا اختلاف ہے، عصب کا مشہور معنی جو لغت اور حدیث کی کتابوں میں ہے وہ یمنی چادر ہے جس کے دھاگے کو جمع کرکے گرہ لگادی جاتی ہے۔ پھر اسے رنگ دیا جاتا ہے، بننے کے بعد رنگین لہریں پیدا ہو جاتی ہیں، کیونکہ جس جگہ سختی سے گرہ لگائی جاتی ہے وہ جگہ سفید رہ جاتی ہے اور باقی جگہ رنگین ہوتی ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ عصب دھاری دار چادر کو کہتے ہیں، بہر صورت یہ یمن کی ایک قسم کی چادر ہوتی ہے۔ یہ معنی اس جگہ چنداں مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ قلادہ، گردن میں پہنے جانے والے زیور کو کہتے ہیں، چادر کے ہار کا کیا معنی ہوا؟

نہایہ میں علامہ خطابی سے نقل کیا ہے کہ اگر عصب یمنی کپڑوں کا نام ہے تو مجھے معلوم نہیں کہ کیا مطلب ہے؟ اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ کا قول نقل کیا کہ ہو سکتا ہے عصب کے صاد پر زبر ہو، جس کا معنی پٹھہ ہے اور ممکن ہے کہ بعض حیوانوں کے پٹھوں کو منکوں کی مثل کاٹتے ہوں۔ اور خشک ہونے کے بعد ان سے ہار بنائے جاتے ہوں، جب بعض حیوانوں کی ہڈیوں سے کنگن تیار کیے جا سکتے ہیں تو ان کے پٹھوں سے منکے کیوں نہیں بنائے جا سکتے؟

اس کے بعد خطابی نے کہا کہ میں نے بعض یمنیوں سے سنا کہ عصب، فرس فرعون نامی دریائی جانور کے دانتوں کو کہتے ہیں جن سے سفید منکے تراشے جاتے ہیں (اھ) یہ معنی اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس مقام کے بہت مناسب اور لائق ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہاتھی دانت کے کنگن خریدنے کا ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ عاج، ہاتھی کے دانتوں کو کہتے ہیں جو امام ابو حنیفہ کے نزدیک پاک ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک مردار کی ہڈی پاک ہے اور اس کی تجارت صحیح ہے کیونکہ موت کا اس میں اثر نہیں ہوتا۔ ہڈی ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ ہاں نجس العین کی ہڈی پاک نہیں ہوتی، ہاتھی احناف کے نزدیک نجس العین نہیں ہے۔ امام شافعی کے مشہور قول کے مطابق ہاتھی دانت پلید ہے اور اس کا استعمال اور اس کی تجارت صحیح نہیں ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ عاج ہاتھی دانت کا نام نہیں ہے، بلکہ بحری یا بری کچھوے کی پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں یا دریائی جانور کی پشت کی ہڈی کا نام ہے، اسے ذبل بھی کہتے ہیں، نقطے والے ذال پر زبر اور باء کے ساتھ، اس سے کنگن اور کنگھیاں تیار کرتے ہیں، اس حدیث میں اور ایک دوسری حدیث میں یہی

مراد ہے جس میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کنگھی مبارک عاج کی تھی، ہاتھی دانت کی نہ تھی جیسے کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ قاموس میں عاج کے دونوں معنی بیان کیے ہیں اور صحاح میں اس کا معنی ہاتھی کی ہڈی بیان کیا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

۴۲۷۱/۵۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ وَ زَعَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَ ثَلٰثَةً فِيْ هٰذِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اثمد[1] کا سرمہ لگاؤ، کیونکہ وہ[2] بینائی کو روشن کرتا ہے اور پلکوں[3] کے بالوں کو اگاتا ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سرمے دانی[4] تھی، جس سے ہر رات[5] تین سلائیاں سرمہ اس آنکھ میں اور تین اس آنکھ[6] میں لگایا کرتے تھے

(ترمذی)

[1] اثمد ہمزے کے نیچے زیر، تین نقطوں والی ثاء ساکن، میم کے نیچے زیر، پتھر کے سرمے کا نام کحل کاف پر پیش، بھی اثمد کا نام ہے، اسی طرح قاموس میں ہے۔

[2] اثمد یا اس کا آنکھوں میں لگانا

[3] جو آنکھوں کی زینت ہیں اور ان کی صحت کی علامت ہیں۔

[4] مُکْحُلَۃٌ میم پر پیش، کاف ساکن، حا پر پیش، لام پر زبر، سرمہ دانی۔

[5] سوتے وقت

[6] تین سلائیاں دائیں آنکھ میں اور تین بائیں آنکھ میں ———— سنن ابو داؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سوتے وقت کستوری سے معطر اثمد کے (آنکھوں میں) لگانے کا حکم دیا، یہ بھی آیا ہے کہ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں لگاتے، ابتدا دائیں آنکھ سے کرتے اور ختم بھی دائیں آنکھ پر کرتے، پہلے دو سلائیاں دائیں آنکھ میں، دو سلائیاں بائیں آنکھ میں اور آخر میں ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگاتے، اس جگہ دائیں آنکھ کی فضیلت کی رعایت ہے کہ اس میں تین سلائیاں لگاتے، نیز ابتدا بھی اسی سے کرتے اور انتہا بھی اسی پر کرتے، دونوں طریقوں میں طاق عدد اس حدیث کی تعمیل میں حاصل ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق سلائیاں لگائے، پہلے طریقے میں اس طرح کہ ہر آنکھ میں

تین تین سلائیاں لگائیں اور دوسرے طریقے میں اس طرح کہ مجموعی طور پر پانچ سلائیاں ہوئیں۔ اور اسی طرح سفر السعادۃ میں بھی ہے۔

۴۲۷۲/۵۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِثْمِدِ ثَلٰثًا فِيْ كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرَ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَإِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشَرَةَ وَيَوْمُ تِسْعَ عَشَرَةَ وَيَوْمُ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهِ مَا مَرَّ عَلَى الْمَلَإِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے اثمد کا سرمہ لگایا کرتے تھے، ہر آنکھ میں تین سلائیاں، ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین وہ چیز جسے تم بطور دوا استعمال کرو[۱] لیپ نسوار، پچھنے لگانا اور جلاب ہے اور بہترین وہ چیز جو تم آنکھوں میں لگاؤ اثمد ہے۔ کیونکہ وہ بینائی کو جلا بخشتا ہے، پلکوں کے بال اگاتا ہے، اور بہترین وہ دن جس میں تم سنگیاں لگواؤ سترہ[۱۷]، انیس[۱۹] اور اکیس[۲۱] تاریخ ہے[۲]، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب آسمانوں پر لے جایا گیا تو آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرے انہوں نے یہی کہا کہ آپ فصد اختیار کریں[۳]

(ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱ یہ چار چیزیں ہیں (۱) لَدُود لام پر زبر (۲) سعوط سین پر زبر (۳) حجامت حاء کے نیچے زیر (۴) مَشِی میم پر زبر نقطوں والے شین کے نیچے زیر اور یا مشدد لدود وہ دوا ہے جو پلائی جائے اور منہ میں ڈالی جائے۔ لدیدان، منہ کی دونوں

جانبیں بلکہ ہر چیز کی دو جانبوں کو کہتے ہیں۔ سعوط وہ دوائی ہے جو ناک میں ڈالی جائے (نسوار) حجامت خون نکالنا، محجم میم کے نیچے زیر، اسے مجمہ بھی کہتے ہیں وہ چیز جس کے ساتھ خون نکالا جاتا ہے، اور یہ جانور کے سینگ کی طرح کا ایک آلہ ہے، پہلے خون نکالنے کی جگہ پر پچھنے لگاتے ہیں پھر اس سینگ کو منہ میں رکھ کر (اور اس جگہ رکھ کر) چوستے ہیں، عربوں کا یہی طریقہ ہے، اس طرح خون نکالنا جائز ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ آلات کے ذریعے سے خون کا کم کرنا جیسے کہ ہمارے علاقوں میں رائج ہے اسی کے حکم میں داخل ہے، حاصل یہ ہے کہ حجامت کا معنی سنگی کے ذریعے خون نکالنا ہے اور یہ فصد (رگ کاٹنے) کے مقابل ہے۔ مُشِیّ" میم پر زبر، شین کے نیچے زیر اور یا مشدد، بروزن فعیل، جلاب آور دوا کو کہتے ہیں، یہ مشتق ہے مَشْیٌ" سے، جس کا معنی چلنا ہے، جلاب آور دوا بھی آدمی کو اٹھاتی ہے اور قضائے حاجت کے لیے لے جاتی ہے۔ مَشُوٌّ" عَدُوٌّ" کی طرح بروزن فعول اور مَشاءٌ" بروزن سماء بھی آتا ہے۔

۵۲ کیونکہ مہینے کی پہلی تاریخ سے لے کر پندرہ تاریخ تک خون بلکہ تمام رطوبتیں، زیادتی غلبے اور جوش میں ہوتی ہیں اور مہینے کے آخر میں نقصان، سردی اور پستی میں ہوتی ہیں، اس لیے مہینے کا درمیانی حصہ اعتدال کے زیادہ مناسب ہے، خصوصاً یہ تین دن (۱۷-۱۹-۲۱) سنگیاں لگوانے کے احکام کی تفصیل اور اس کے اوقات کی تعیین۔ مہینے کے دنوں اور ہفتوں کے اعتبار سے کتاب الطب والرقی میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۳ یہ حدیث بھی کتاب الطب والرقی میں آئے گی، اور اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امت کو سنگیاں لگوانے کا حکم دینا بھی مذکور ہے۔ اس حدیث کا مضمون بھی اس پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

۴۲۷۳ / ۵۴ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الرِّجَالَ وَ النِّسَآءَ عَنْ دُخُوْلِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ اَنْ يَّدْخُلُوْا بِالْمَيَازِرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حماموں میں داخل ہونے سے منع فرمایا، پھر مردوں کو اجازت دی اس شرط کے ساتھ کہ وہ تہبند[۵۵] پہن کر داخل ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۵۵ میزر میم کے نیچے زیر، تہبند۔

۴۲۷۴ / ۵۵ وَعَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ قَالَ قَدِمَ عَلٰى عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِّنْ اَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ

حضرت ابو الملیح[۵۶] سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حمص[۵۷] کی رہنے والی کچھ عورتیں آئیں، آپ نے کہا تم

اَیْنَ اَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّکُنَّ مِنَ الْکُوْرَۃِ الَّتِیْ تَدْخُلُ نِسَآءُ ھَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلٰی قَالَتْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَخْلَعُ امْرَاَۃٌ ثِیَابَھَا فِیْ غَیْرِ بَیْتِ زَوْجِھَا اِلَّا ھَتَکَتِ السِّتْرَ بَیْنَھَا وَ بَیْنَ رَبِّھَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ فِیْ غَیْرِ بَیْتِھَا اِلَّا ھَتَکَتْ سِتْرَھَا فِیْمَا بَیْنَھَا وَ بَیْنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

کہاں کی ہو؟ انہوں نے کہا شام کی، فرمایا غالبا تم اس شہر کی رہنے والی ہو جہاں کی عورتیں حماموں میں داخل ہوتی ہیں، انہوں نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کپڑے نہیں اتارتی مگر وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان پردہ پھاڑ دیتی ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

سلہ ابو الملیح ہذلی، بصری تابعی ہیں، ان کا نام عامر بن اسامہ یا زید بن اسامہ ہے ۱۲۰ھ میں وصال ہوا، ان کے والد حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔

سلہ حمص حا کے نیچے زیر، میم ساکن، مشہور شہر کا نام ہے، قاموس میں کہ حمص، شام کا ایک شہر ہے اور وہاں کے رہنے والے یمانیون ہیں۔

سلہ اور اس علاقہ سے تعلق رکھتی ہو۔

سلہ ستر سین کے نیچے زیر۔

سلہ بَیْنَھَا وَبَیْنَ رَبِّھَا کی جگہ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اللّٰہِ ہے، پردہ پھاڑنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے پہننے کے لیے لباس پیدا کیا ہے اور ستر کا حکم دیا ہے، اس لیے لباس کے اتارنے میں پردے کا پھاڑنا ہے اور حیا اور بندگی کے پردے کا اتار پھینکنا ہے۔

۴۲۷۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ لَکُمْ اَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِیْھَا بُیُوْتًا یُّقَالُ لَھَا الْحَمَّامَاتُ فَلَا یَدْخُلَنَّھَا الرِّجَالُ اِلَّا بِالْاُزُرِ وَامْنَعُوْھَا النِّسَآءَ اِلَّا مَرِیْضَۃً اَوْ نُفَسَآءَ۔

تمہارے لیے عجم کی زمین فتح کر دی جائے گی اور تم اس میں ایسے گھر پاؤ گے جنہیں حمام کہا جاتا ہے تو ان میں مرد ہرگز داخل نہ ہوں، مگر تہبندوں[۵۱] کے ساتھ اور عورتوں کو ان میں داخل ہونے سے منع کردو[۵۲]، مگر یہ کہ بیمار ہوں یا نفاس کی حالت میں ہوں[۵۳]۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

۵۱ اُلاُزُر ہمزے پر پیش اور زا ساکن، اِزار کی جمع، تہبند۔

۵۲ یعنی مطلقاً منع کرو خواہ تہبند کے ساتھ ہوں یا اس کے بغیر، کیونکہ عورتیں سر سے پاؤں تک عورت ہیں (تمام جسم پردے) میں ہونا چاہیے) مردوں کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے، ان کے لیے تہبند باندھنا کافی ہے۔

۵۳ یعنی عورتیں بیمار ہوں اور علاج معالجہ کے لیے حماموں میں جائیں، یا ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو اور وہ غسل جنابت کے لیے جائیں یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر جائیں (تو جائز ہے) عورتوں کا بغیر عذر کے حماموں میں جانا جائز نہیں ہے (حالت نفاس عورتوں میں کے لیے حمام میں جانا فائدہ بخش ہے ۱۲ ق ن)

۴۲۷۶ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُدْخِلُ حَلِیْلَتَہُ الْحَمَّامَ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْلِسْ عَلٰی مَائِدَۃٍ تُدَارُ عَلَیْھَا الْخَمْرُ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی بیوی کو حمام میں داخل نہ کرے[۵۴] اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) (ترمذی، نسائی)

۵ا خواہ تہبند کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

۵۲ یاد رہے کہ بعض کتب فقہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حمام میں داخل ہونے کا ذکر ہے، لیکن محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے، اس سلسلے میں جو حدیث وارد ہے وہ موضوع ہے، صحیح یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی حمام میں تشریف نہیں لے گئے، بلکہ آپ نے حمام دیکھا ہی نہیں ہے، مکہ معظمہ میں جو حمام النبی کے نام سے مشہور ہے وہ غالباً اس جگہ تعمیر کیا گیا ہے، جہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ غسل کیا تھا، یہ بھی احتمال ہے کہ وہ حمام النبی کے نام سے اس لیے مشہور ہو گیا ہو کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت کے قریب تعمیر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حمام کا ذکر احادیث میں واقع ہوا ہے جیسے کہ کتاب میں مذکور ہوا، اس کے علاوہ بھی دیگر حدیثیں وارد ہوئی ہیں، علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے طاؤس یمانی کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گھر سے گریز کرو کہ جسے حمام کہتے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس جگہ میل کچیل دور کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص وہاں جائے اسے چاہیے کہ پردے کا اہتمام کرے اور تہبند کے بغیر نہ جائے، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حمام وہ برا گھر ہے جہاں آوازیں بلند ہو جاتی ہیں اور ستر کھولے جاتے ہیں، یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ شہریوں نے حمام بنائے ہیں چاہیے کہ تم میں سے کوئی ان میں داخل نہ ہو، مگر تہبند کے ساتھ، اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرے جب تک باہر نہ آجائے، اور دو شخص ایک برتن سے غسل نہ کریں اور عورتیں حماموں میں نہ آئیں، مگر اس صورت میں کہ بیمار ہوں یا کوئی دوسری ضرورت ہو، نیز وہاں بے ریش لڑکے نہ ہوں، حمام میں قرآن پاک پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۲۷۷ / ۵۸ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ شِئْتُ اَنْ اَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَأْسِهٖ فَعَلْتُ قَالَ وَلَمْ يَخْتَضِبْ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَقَدِ اخْتَضَبَ

حضرت ثابت سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر میں چاہتا تو آپ کے سر مبارک کے سفید بال کو شمار کر لیتا، فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خضاب نہیں لگایا، ایک دوسری روایت

اَبُوْبَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہندی اور کتم کے ساتھ خضاب لگایا، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف مہندی سے خضاب لگایا۔ (صحیحین)

لہ حضرت ثابت بنانی اکابر علماء اور مشہور تابعین میں سے ہیں، بزرگ تھے اور بہترین لباس پہنتے تھے، کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ عبادت گزار نہ تھا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب تھے، اور چالیس تک ان کی خدمت میں رہے، حضرت انس نے فرمایا: کچھ لوگ بھلائی والے ہوتے ہیں اور ثابت بھلائی کی چابی ہیں۔

لہ۲ شَمَطَ پہلے دونوں حرفوں پر زبر، سفید بال جو سیاہ بالوں میں ہوں، اَشْمَطُ اس شخص کو کہتے ہیں، جس کے بال سیاہ اور سفید ہوں، مطلب یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معدودے چند بال سفید تھے، خضاب کی کیا ضرورت تھی۔

لہ۳ حضرت انس نے یا حضرت ثابت نے

۴۲۷۸ / ۵۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهٗ بِالصُّفْرَةِ حَتّٰى يَمْتَلِئَ ثِيَابُهٗ مِنَ الصُّفْرَةِ فَقِيْلَ لِمَ تَصْبَغُ بِالصُّفْرَةِ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبَغُ بِهَا وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْهَا وَقَدْ كَانَ يَصْبَغُ بِهَا ثِيَابَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى عِمَامَتَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو صفرہ[1] کے ساتھ رنگ دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے زردی سے بھر جاتے تھے، انہیں کہا گیا کہ آپ زرد رنگ کیوں دیتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زرد رنگ کے ساتھ رنگتے ہوئے دیکھا، اور آپ کو زردی سے زیادہ کوئی چیز پسند نہ تھی، اس کے ساتھ آپ اپنے تمام کپڑوں یہاں تک کہ پگڑی کو بھی رنگتے تھے[2]۔ (ابوداؤد، نسائی)

لہ صفرۃ ایک قسم کی خوشبو ہے جس میں زردی ہوتی ہے۔

لہ۲ شارحین کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابن عمر نے جو یہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفرۃ کے ساتھ رنگ کیا کرتے تھے اس سے کیا مراد ہے؟ بالوں کا رنگنا یا کپڑوں کا، کلام کی روش سے ظاہر یہ ہے کہ بالوں کا رنگنا مراد ہے، کیونکہ کپڑوں

کے رنگنے کا ذکر تو اس کے بعد کیا ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے مطلقاً بطور ابہام کپڑوں کے رنگنے کا ذکر کیا پھر تمام کپڑوں کے رنگنے کا ذکر کر دیا، بالوں کے رنگنے کا وہ قرینہ ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ آپ اپنی داڑھی مبارک ورس اور زعفران سے رنگا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا اس لیے کپڑوں کا رنگنا ہی مراد ہونا چاہیے، بالوں کا رنگنا اس تاویل کے ساتھ مراد ہو سکتا ہے جس کی طرف ہم نے اس سے پہلے اشارہ کیا ہے کہ رنگ کرنے سے مراد ملنا اور صفائی و نظافت کے ارادے سے (زعفران وغیرہ سے) دھونا مراد ہے۔

حضرت ابن عمر نے جو یہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تمام کپڑوں کو صفرت سے رنگ لیتے تھے، چونکہ صفرت سے مراد خوشبو کی ایک قسم ہے جس میں زردی ہوتی ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے، اس خوشبو سے خلوق مراد نہیں ہونا چاہیے جس میں زعفران ہوتا ہے، کیونکہ اس سے بعد میں کلی اجتناب معلوم ہو چکا ہے، اور اس شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا جس نے خلوق لگایا ہوا تھا، اور مبالغہ کے ساتھ اس کے دھونے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس شخص کی نماز قبول نہیں ہے جس کے جسم پر کچھ بھی خلوق لگا ہوا ہو، اس لیے ورس وغیرہ قسم کی گھاس مراد ہوگی، اور اگر اسے ممانعت سے پہلے زمانے پر محمول کریں اور اسے منسوخ قرار دیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ حضرت حسن بصری ایک وقت تک اپنی داڑھی کو صفرت کے ساتھ رنگا کرتے تھے پھر اسے ترک کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابو امامہ، حضرت جریر بن عبد اللہ اور مغیرہ بن شعبہ صفرت کے ساتھ رنگا کرتے تھے، حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ تم میں سے ایک شخص اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے نور کا ارادہ کرتا ہے، اسے دور کرتا ہے اور اس نور کو ڈھانپ دیتا ہے، ان کی مراد چہرے کے بال حد درجہ سفید تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خضاب کے بارے میں متقدمین میں بھی اختلاف تھا اگرچہ صفرت کے ساتھ ہو، حضرت سعید بن جبیر کی یہ بات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے جو ہم نے اس سے پہلے نقل کیا کہ خضاب اس شخص کے لیے ہے جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما اور نورانی نہ ہو، لیکن جس کے بالوں کی سفیدی خوشنما اور نورانی ہو اس کے لیے خضاب بہتر نہیں ہے، امام نووی سے منقول ہے کہ مختار یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض اوقات رنگ کیا اور اکثر اوقات اسے ترک کیا، ہر صحابی نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا۔ اور ہر صحابی اپنے بیان میں سچے تھے امام نووی نے فرمایا کہ احادیث صحیحہ کے درمیان تطبیق دینے کے لیے یہ تاویل ضروری ہے۔

۴۲۷۹ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعْرًا مِّنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے روایت ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگا ہوا بال مبارک

وَسَلَّمَ مَخْضُوبًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

نکال کر دکھایا۔[۲] (بخاری)

[۱] عثمان بن عبد اللہ بن موہب ہا پر زبر، ابو عبد اللہ الاعرج التیمی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام، عراق میں رہتے تھے، تابعین میں شمار ہوتے ہیں، ثقہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، جابر بن سمرہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے امام ابو حنیفہ اور ثوری روایت کرتے ہیں۔

[۲] جو حضرات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال رنگنے کا انکار کرتے ہیں وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بال مبارک کو رنگ دیا تھا تاکہ مضبوط اور مستحکم رہے، یا کثرت سے خوشبو استعمال کرنے کے سبب وہ رنگا ہوا دکھائی دیتا تھا، جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہم نے حضرت انس کے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگا ہوا بال دیکھا اس کی بھی یہی تاویل کی ہے۔

۴۲۸۰ / ۶۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوْا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَاَمَرَ بِهٖ فَنُفِيَ اِلَى النَّقِيْعِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَا تَقْتُلُهٗ فَقَالَ اِنِّیْ نُهِيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک مخنث[۱] لایا گیا جس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا کیا حال ہے[۲]؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے[۳]، آپ کے حکم پر اسے نقیع[۴] کی طرف نکال دیا گیا، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کیا آپ اسے قتل نہیں کر دیتے[۵]، فرمایا: مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے[۶]۔ (ابو داؤد)

[۱] مخنث اس مرد کو کہتے ہیں جو لباس اور حرکات و سکنات وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرے، نون پر زبر اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس مخنث کا ذکر کتاب النکاح کے اس باب میں گزر چکا ہے جس میں اس عورت کی طرف نظر کرنے کا بیان ہے جسے پیغام نکاح دیا گیا ہو۔

[۲] کہ یہ اس طرح کرتا ہے۔

۵۳ اور یہ مخنث ہے۔

۵۴ نقیع نون پر زبر، اس کے بعد قاف، مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام

۵۵ یعنی اگر آپ فرمائیں تو ہم اسے اس کے فسق و فساد کی بنا پر قتل کر دیں۔

۵۶ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ اسلام سے کنایہ ہے (یعنی مراد یہ ہے کہ مسلمان کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے) بعض حضرات کا قول کہ اگر کوئی مسلمان نماز ادا نہ کرے تو واجب القتل ہے ظاہر پر محمول ہے (یعنی وہ نماز نہ پڑھنے کی سزا ہی قتل تجویز کرتے ہیں ۱۲ اق ن)

۴۲۸۱ / ۶۲ وَعَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ جَعَلَ أَهْلُ مَكَّةَ يَأْتُوْنَهُ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُوْ لَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَيَمْسَحُ رُءُوْسَهُمْ فَجِيْءَ بِيْ إِلَيْهِ وَأَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ يَمَسَّنِيْ مِنْ أَجْلِ الْخَلُوْقِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ولید بن عقبہ[۱] سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو اہل مکہ اپنے بچے آپ کے پاس لانے لگے، آپ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور ان کے سروں[۲] پر ہاتھ پھیرتے، مجھے آپ کی خدمت میں اس حال میں لایا گیا کہ میرے جسم پر خلوق[۳] لگا ہوا تھا۔ تو آپ نے خلوق کی بنا پر مجھے نہیں چھوا۔ (ابوداؤد)

۵۱ ولید بن عقبہ عین پر پیش، قاف ساکن بن ابی معیط میم پر پیش، عین پر زبر، یا ساکن اور بے نقطہ طاء، قریشی اموی اور حضرت عثمان غنی کے ماں کی طرف سے بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام اروی تھا، ولید طلقا میں سے تھے (فتح مکہ کے موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو ۱۲ اق ن) فتح مکہ کے دن اسلام لائے، اس وقت بلوغ کے قریب پہنچے ہوئے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا، قریش کے جوانمردوں اور شعراء میں سے تھے پھر حضرت عثمان غنی نے شراب پینے پر انہیں حد لگائی اور کوفے کی گورنری سے معزول کر دیا، حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں فوت ہوئے۔

۵۲ ازراہ شفقت

۵۳ خلوق مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران کی آمیزش ہوتی ہے اور اس پر سرخی اور زردی غالب ہوتی ہے، جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔

۴۲۸۲ ۶۳ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ لِیْ جُمَّۃً فَاُرَجِّلُھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَکْرِمْھَا قَالَ فَکَانَ اَبُوْ قَتَادَۃَ رُبَّمَا دَھَّنَھَا فِی الْیَوْمِ مَرَّتَیْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَ اَکْرِمْھَا۔ (رَوَاہُ مَالِكٌ)

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے بال بہت ہیں کیا میں انہیں کنگھی کروں[۲]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور ان کی خدمت کرو، راوی[۳] کہتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ بسا اوقات دن میں دو مرتبہ بالوں کو تیل[۴] لگایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بنا پر کہ ہاں اور ان کی خدمت کیا کرو (امام مالک)

۱ؐ حضرت ابو قتادہ مشہور صحابی ہیں۔

۲ؐ اور ان کی اصلاح کی کوشش کیا کروں۔

۳ؐ جنہوں نے حضرت ابو قتادہ سے حدیث سنی

۴ؐ دَھَّنَھَا مشدد ——— اگرچہ بالوں کو تیل لگانے اور کنگھی کرنے میں مبالغہ محمود نہیں ہے لیکن حضرت ابو قتادہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی بنا پر ایسا کیا کرتے تھے۔ تیل لگانے اور کنگھی کرنے میں مبالغہ زیب وزینت میں محویت اور تکلف کی بنا پر ہے، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کو دیکھتے ہوئے اور تعمیل کے اہتمام کی بنا پر محمود ہے، جیسے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کے گیسو کو اس بنا پر دراز کیا کہ اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پکڑا کرتے تھے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۴۲۸۳ ۶۴ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِیْ اُخْتِی الْمُغِیْرَۃُ قَالَتْ وَ اَنْتَ یَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَّلَكَ

حضرت حجاج بن حسان[۱] سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، میری بہن مغیرہ نے مجھے بیان کیا کہ تم اس وقت کم عمر تھے[۲] اور تمہارے دو گیسو تھے۔ یا پیشانی پر دو جوڑے تھے[۳]

قَرْنَانِ اَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَ بَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ اَوْ قُصُّوْهُمَا فَاِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُوْدِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا، دعائے برکت دی اور فرمایا: ان دونوں کو مونڈ دو یا انہیں پست کر دو، کیونکہ یہ یہودیوں کی وضع ہے۔ (ابوداؤد)

لے حجاج بن حسان تابعی ہیں، بصریوں میں شمار کیے جاتے ہیں، صادق ہیں، امام احمد نے ایک بار فرمایا ثقہ ہیں دوسری بار کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، یحیٰی نے کہا صالح حدیث والے ہیں، حضرت انس بن مالک حضرت عکرمہ اور حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کرتے ہیں، ان سے یحیٰی بن سعید اور یزید بن ہارون روایت کرتے ہیں۔

ےہ یعنی مجھے اتنا یاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن حاضری کی کیفیت اور احوال کی تفصیل مجھے یاد نہیں، اس لیے میری بہن نے مجھے بیان کیا۔

ےۃ راوی کو شک ہے کہ قَرْنَانِ کہا یا قُصَّتَانِ، قُصَّۃٌ قاف پر پیش، بے نقطہ صاد، پیشانی کے بال جنہیں قصاص بھی کہتے ہیں۔

۴۲۸۴/۶۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَأْسَهَا۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کو سر کے بالوں کے مونڈنے سے منع فرمایا لے۔ (نسائی)

لے اگرچہ وہ احرام میں ہو، عورتوں پر (احرام سے فارغ ہونے پر) پورے کی مقدار میں بالوں کا کاٹنا واجب ہے۔

۴۲۸۵/۶۶ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَ اللِّحْيَةِ فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ

حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کے سر اور داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا، گویا اسے

يَأْمُرُهُ بِإِصْلَاحِ شَعْرِهِ وَ لِحْيَتِهِ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدُكُمْ وَ هُوَ ثَائِرُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ شَيْطَانٌ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

سر اور داڑھی کے بالوں کو درست کرنے کا حکم[۲] دے رہے ہیں۔ اس[۳] نے جا کر بال درست کیے پھر لوٹ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا یہ[۴] حال اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص اس حال میں آئے کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں، گویا کہ وہ شیطان ہے[۵]۔

(امام مالک[۶])

ف[۱] عطاء بن یسار مشہور تابعی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ف[۲] آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح اشارہ کیا جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ آپ اسے سر اور داڑھی کے بالوں کے درست کرنے اور سنوارنے کا حکم دے رہے ہیں، گویا آپ نے سر مبارک اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا، بالوں کو درست کیا اور اس طرح اس صحابی کو تنبیہ فرمائی کہ وہ بھی اسی طرح کریں۔

ف[۳] اس نے آپ کے اشارے کا مطلب سمجھا اور تعمیل کی (اللہ اللہ! وہ کتنے خوش قسمت لوگ تھے جو سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشاروں پر چلنا اپنے لیے دارین کی سعادت سمجھتے تھے ۱۲ ق ن)

ف[۴] یعنی سر اور داڑھی کے بالوں کا درست کرنا اور اس ہیئت کے ساتھ ہونا۔

ف[۵] یعنی بدصورت اور کریہ المنظر

ف[۶] حضرت عطاء چونکہ تابعی ہیں اس لیے یہ حدیث مرسل ہے۔

۴۲۸۶ / ۴۷ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ سَمِعَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا أُرَاهُ قَالَ أَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ

حضرت ابن مسیب[۱] سے روایت ہے، انہیں کہتے ہوئے سنا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک کو پسند فرماتا ہے، پاکیزہ ہے پاکیزگی[۲] کو پسند فرماتا ہے۔ کریم ہے کرم کو پسند کرتا ہے، بخشش کرنے والا ہے، بخشش کو پسند فرماتا ہے، تو[۳] تم بھی اپنی سب چیزوں کو پاکیزہ رکھو، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے فرمایا: پاکیزہ رکھو اپنے صحنوں کو[۴]

مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث مہاجر بن مسمار کے سامنے بیان کی تو انہوں نے کہا مجھے یہ حدیث عامر بن سعد نے والد سے انہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی طرح بیان کی ہے۔ مگر اس میں صراحۃً فرمایا کہ اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو (ترمذی)

۱ حضرت سعید بن مسیب بھی اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۲ صراح میں طیب کا معنی پاک اور نظیف کا معنی پاکیزہ بیان کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں معانی قریب اور مساوی ہیں، گویا پاک ہونے کا تعلق باطن کے ساتھ اور پاکیزگی کا تعلق ظاہر سے ہے۔ قاموس میں ہے کہ طیب کا معنی معروف ہے اور نظافۃ کا معنی صاف ستھرا ہونا ہے، ظاہر یہ ہے کہ اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ہم نے طیب کے معنی اور اللہ تعالیٰ کو اس کے ساتھ موصوف کرنے کے بارے میں نفیس کلام شرح میں نقل کیا ہے۔

۳ چونکہ اللہ تعالیٰ نظافت کو پسند فرماتا ہے اس لیے تم بھی ہر چیز کو صاف ستھرا رکھو۔

۴ یعنی تم اپنے گھروں اور صحنوں کو کوڑے کرکٹ سے پاک صاف رکھو۔

۵ جو اپنے صحنوں کو گندہ اور ناپاک رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ یہودی کوڑا اور گوبر اپنے گھروں کے دروازوں پر جمع کرتے ہیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ صحن کے پاکیزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جود و کرم اختیار کیا جائے، کیونکہ جب گھر اور اس کا صحن پاکیزہ ہوگا تو لوگوں اور مہمانوں کو وہاں آنے میں زیادہ دلچسپی ہوگی۔

۶ حضرت ابن مسیب سے اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے ان سے یہ حدیث سنی تو میں نے مہاجر بن مسمار سے بیان کی، جو کہ بزرگ تابعی اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے آزاد کردہ غلام تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا حضرت ابن مسیب کی روایت کردہ حدیث آپ کو بھی پہنچی ہے۔

۷ عامر بن سعد بن ابی وقاص ثقہ تابعی ہیں۔

۸ حضرت سعید بن مسیب کی روایت میں بطور گمان یہ بات کہی گئی تھی کہ تم اپنے صحنوں کو پاک رکھو جب کہ حضرت عامر بن سعد کی روایت میں ظن اور گمان کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۴۲۸۷/۶۸ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ كَانَ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام پہلے انسان تھے

الرَّحْمٰنِ اَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهٗ وَ اَوَّلَ النَّاسِ رَاَى الشَّيْبَ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا هٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى وَقَارٌ يَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

جنہوں نے مہمان کی مہمانی کی[۲]، پہلے پہل ختنہ کیا، پہلے مونچھیں تراشیں وہ پہلے انسان تھے جنہوں نے بالوں کی سفیدی دیکھی عرض[۳] کیا: میرے رب! یہ کیا ہے؟ رب کریم جل شانہ نے فرمایا: اے ابراہیم! یہ وقار ہے[۴]، انہوں نے عرض کیا۔ اے رب! میرے وقار میں اضافہ فرما[۵]۔

(امام مالک)

۱؎ یحییٰ بن سعید انصاری مدنی، ثقہ تابعی ہیں، صحابہ کرام اور تابعین سے روایت کرتے ہیں، بعض تابعین بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔

۲؎ یعنی رسم مہمانی کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔

۳؎ اچانک بالوں کی سفیدی دیکھی تو عرض کیا۔

۴؎ اے ابراہیم یہ بڑھاپا، حلم، وقار اور مذمہ داری کا باعث ہے جو لہو ولعب اور گناہوں کے ارتکاب سے بھی روکنے والا ہے۔

۵؎ علامہ سیوطی نے مؤطا کے حاشیہ میں کچھ مزید چیزیں بیان کی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیات سے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے پہل ناخن تراشے، سر میں مانگ نکالی، سب سے پہلے انہوں نے لوہا استعمال کیا یعنی موئے زیر ناف وغیرہ لوہے کے ساتھ صاف کیے اور مونڈے، سب سے پہلے شلوار پہنی، بالوں کی مہندی اور کتم کے ساتھ رنگا سب سے پہلے منبر پر خطبہ دیا، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا، میدان جنگ میں لشکر کو میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب میں تقسیم کیا، سب سے پہلے ملاقات کے وقت لوگوں سے معانقہ کیا۔ سب سے پہلے لپشا (سیرہ) پکایا اور کھلایا۔

# بَابُ التَّصَاوِيْرِ

## ۲۰۴۔ تصویروں کا بیان

تصاویر جمع ہے تصویر کی جس کا معنی صورت بنانا ہے، اس جگہ صورتیں مراد ہیں، صراح میں ہے، تصاویر لکڑی اور مٹی وغیرہ سے تیار کی ہوئی صورتیں ہیں[1]

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۴۲۸۸ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا تَصَاوِيْرُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ہی اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں تصویریں ہوں[2] (صحیحین)

ف۱ حضرت ابوطلحہ انصاری مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

ف۲ شارحین نے کہا ہے کہ وہ کتا اور تصویر مراد ہے جس کا رکھنا حرام ہے اور جو اس طرح نہیں ہے مثلاً شکار کے لیے رکھا گیا ہو، یا کھیتی اور بکریوں وغیرہ کی حفاظت کے لیے رکھا گیا ہو، یا ایسی تصویر ہو جو ذلیل ہو یا بستر اور تکیے وغیرہ پر ہو اور پامال کی جاتی ہو تو اس کا موجود ہونا فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع نہ ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم عام ہے اور گھر میں کتے اور

---

ف۱ حکیم الامت حضرت مفتی احمدیار خان نعیمی فرماتے ہیں، یہ جاندار کی حرام ہے بے جان کی جائز ہے۔ تصویریں مروجہ فوٹو، قلم کی تصویریں، مجسمے سب ہی داخل ہیں کہ غیر جاندار کے حلال ہیں۔ جاندار کے حرام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں تصاویر حرام نہ تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ جنات ان کے لیے محرابیں اور تصویریں بناتے تھے ۱۲ مرآۃ۔

تصویر کا موجود ہونا مطلقاً فرشتوں کے آنے سے مانع ہے، اگرچہ ایسی صورت میں ہو کہ اس کا محفوظ رکھنا حرام نہ ہو، کیونکہ اس باب میں وارد ہونے والی حدیثیں مطلق ہیں اور اس قید کے ساتھ مقید نہیں ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ محافظ اور نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں، کیونکہ محافظ اور کراما کاتبین کسی حال میں بھی جدا نہیں ہوتے۔

۴۲۸۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَّاجِمًا وَ قَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَّلْقَانِيَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِيْ اَمَ وَ اللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ ثُمَّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَّهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَآءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَّنِيْ اَنْ تَلْقَانِي الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّلَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَ يَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غمگین[۱] حالت میں صبح کی اور فرمایا،[۲] جبرائیل امین نے آج رات مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ ملے نہیں، یاد رہے[۳] خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی[۴]، پھر[۵] آپ کو کتے کے بچے[۶] کا خیال آیا۔ جو آپ کے خیمے کے نیچے تھا، آپ نے حکم دیا تو اسے نکال دیا گیا، پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اس جگہ پانی چھڑک[۷] دیا۔ شام کے وقت حضرت جبرائیل نے آپ سے ملاقات کی، آپ نے فرمایا: تم نے گزشتہ رات[۸] مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے کہا[۹] جی ہاں! لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو[۱۰] اور نہ اس گھر میں جہاں تصویر ہو، اس دن[۱۱] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کی تو کتوں کے قتل کرنے کا حکم دے دیا، یہاں تک کہ آپ چھوٹے[۱۲] باغ کے کتے کے قتل کا حکم دیتے تھے اور بڑے باغ[۱۳] کے کتے کو چھوڑ دیتے تھے۔

(مسلم)

۵۱ حضرت میمونہ امہات المومنین میں سے ہیں اور ابن عباس کی خالہ ہیں۔

۵۲ صراح میں ہے وُجُوم کا معنی ہے، غم و غصہ سے خاموش ہونا۔

۵۳ دل گرفتہ ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت میمونہ یا کسی دوسری ام المومنین کو خطاب کرتے ہوئے یا اپنے دل میں اپنے آپ سے بطور تعجب و حیرت کہا۔

۵۴ اَمَ حرف تنبیہ ہے، اصل میں اَمَا تھا الف حذف کر دیا گیا جیسے لِمَ اور بِمَ میں مَا استفہامیہ کا الف حذف کر دیا جاتا ہے۔

۵۵ ہاں کوئی سبب یا عذر ہو تو الگ بات ہے، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی، اور اب کیوں کی۔

۵۶ جب اس کے سبب میں غور کیا تو۔

۵۷ قاموس میں ہے جَرْوٌ جیم پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، کتے کا بچہ اور شیر کا بچہ۔

۵۸ اصل میں فسطاط خیمے کا نام ہے جو سفر میں ہوتا ہے، اس جگہ پردہ مراد ہے جو گھر میں ہوتا ہے، جیسے خانہ عروسی اور اس کی مثل، اسی طرح کہا گیا ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں چارپائی کے نیچے تھا، اور آپ کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھیں۔

۵۹ جس جگہ کتے کا بچہ بیٹھا ہوا تھا اسے دھو ڈالا۔

۵۱۰ عربی زبان میں اگر زوال سے پہلے گزشتہ رات کا ذکر کیا جائے تو اللیلۃ کہتے ہیں، جیسے کہ حدیث کی ابتدا میں فرمایا: وَعَدَنِیْ اَنْ تَلْقَانِیْ اللَّیْلَۃَ اور اگر زوال کے بعد ذکر کریں تو اَلْبَارِحَۃ کہتے ہیں، جیسے کہ اس جگہ فرمایا۔

۵۱۱ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب میں اپنی تقصیر کا عذر بیان کرتے ہوئے۔

۵۱۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کتے کا موجود ہونا، فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے اگرچہ ایسی صورت میں ہو کہ اس کا رکھنا حرام نہ ہو، کیونکہ کتے کے اس بچے کا گھر میں پوشیدہ ہونا اور اس کا خیال نہ رہنا اس کی موجودگی کا واضح عذر ہے اس کے باوجود حضرت جبرائیل علیہ السلام نہ آئے۔

۵۱۳ جب آپ نے جبرائیل علیہ السلام کی یہ بات سنی

۵۱۴ جس میں کتے کے موجود ہونے اور اس کی حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی

۵۱۵ جس میں حفاظت اور پاسبانی کی زیادہ حاجت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتے کا موجود ہونا، فرشتوں کے داخلے سے مانع نہیں ہے جس کے رکھنے کی حاجت ہو۔

۴۲۹۰ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکُنْ یَتْرُکُ فِیْ بَیْتِہٖ شَیْئًا فِیْہِ تَصَالِیْبُ اِلَّا نَقَضَہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایسی چیز[۵۱] کو اپنے گھر میں توڑے بغیر نہیں چھوڑتے تھے جس میں تصویریں[۵۲] ہوں۔ (بخاری)

۵۱ خواہ وہ برتن ہو یا کپڑا وغیرہ

۵۲ تصالیب جمع ہے تصلب کی، جس کا معنی ہے صلیب کی تصویر، صلیب مجوسیوں کی خاص نشانی ہے، ایک لکڑی کو دوسری پر اس طرح رکھتے ہیں کہ ایک دوسری کو قطع کرتے ہوئے گزر جائے۔ اس شخص کی طرح جسے سولی پر لٹکا دیا گیا ہو، اس کی اصل یہ ہے کہ عیسائی گمان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا تھا، پھر وہ اکثر چیزوں میں اس شکل کی رعایت کرتے ہیں، اسے گردن میں لٹکاتے ہیں[۵۱] اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس عجیب صورت کو مستحضر کرنا اور اس پر حسرت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، ثَوْبٌ مُّصَلَّبٌ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں صلیب کی تصویر بنی ہوئی ہو، شارحین نے کہا کہ اس جگہ مطلق تصویریں (جانداروں کی جنہیں بطور احترام رکھا گیا ہو ۱۲ ق ن) مراد ہیں۔

۴۲۹۱ وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَۃً فِیْهَا تَصَاوِیْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَلَمْ یَدْخُلْ فَعَرَفَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْکَرَاهِیَۃَ قَالَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلٰی رَسُوْلِہٖ مَا

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ[۱] خریدا جس میں تصویریں تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اندر[۲] تشریف نہیں لائے، حضرت عائشہ نے آپ کے چہرے میں ناپسندیدگی کو پہچان[۳] لیا، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ میں

۵۱ عیسائی تو اپنی گردن میں لٹکائی اس لیے پہنتے ہیں کہ یہ صلیب کا نشان ہے، مسلمان کس خوشی میں پہنتے ہیں؟ افسوس صد افسوس! ہم نے غلامی رسول کا پٹا اپنی گردن سے اتار دیا، داڑھی ہم نے منڈوا دی پگڑی کا پہننا ہم نے ترک کر دیا اور عیسائیوں کی مذہبی نشانی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، اس کے باوجود ہمارا نعرہ ہے۔ غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے۔
۱۲ اشرف قادری نقشبندی

ذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَ تَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَ قَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِىْ فِيْهِ الصُّوَرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے کیا گناہ کیا ہے[۴]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس تکیے کا کیا حال ہے[۵]؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے خریدا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں کے بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا[۶] جو تصویریں تم نے بنائی ہیں انہیں زندہ کرو[۷] اور فرمایا[۸]: جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے[۹]۔ (صحیحین)

۱ نُمْرُقَۃٌ نون اور را پر پیش، دونوں کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں، بعض حواشی میں علامہ سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ نون اور را پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، اس کا معنی تکیہ ہے، اس کی جمع نَمَارِقُ ہے، جیسے قرآن مجید میں آیا ہے۔ وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ (اور برابر برابر بچھے ہوئے قالین)

۲ جہاں تصویروں والا تکیہ تھا

۳ بعض نسخوں میں ہے فَعَرَفْتُ تا پر پیش، صیغہ واحد متکلم، یعنی حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا کہ میں نے اس تکیے کی موجودگی کی بنا پر آپ کے چہرۂ انور میں ناخوشی کے اثرات پہچان لیے۔

۴ اور مجھ سے کونسی کوتاہی واقع ہوئی ہے، کہ آپ اندر تشریف نہیں لاتے۔ شعر

آخر اے آہوئے مشکیں کہ رمیدی از ما
چہ خطا رفت وچہ کردیم وچہ دیدی از ما

اے کستوری والے ہرن! جو تو ہم سے دور ہو گیا ہے آخر کیا غلطی ہوئی؟ ہم نے کیا کیا؟ اور تم نے ہم سے کیا دیکھا!

۵ اور تم اسے کہاں سے لائی ہو۔

۵۶ امر تعجیزی کے طور پر (بطور زجر انہیں ایسے کام کا حکم دیا جائے گا جسے وہ نہ کر سکیں گے ۱۲ ق ن)

۵۷ اور ان سے جان ڈالو

۵۸ تصویر بنانے کی قباحت بیان فرمانے کے بعد اس کے استعمال اور گھر میں بحفاظت رکھنے کی مذمت کے طور پر فرمایا۔

۵۹ اور اپنے انوار و برکات سے گھر والوں کو محروم رکھتے ہیں ــــــــ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تصویریں جن کا گھر میں موجود ہونا اگرچہ حرام نہ ہو تاہم ان کا موجود ہونا فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے۔ امام محی الدین نووی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اگرچہ تکیہ وغیرہ کی تصویریں حرام نہیں ہوتیں، اسی طرح علامہ طیبی نے بھی بیان کیا ہے۔

۴۲۹۲ ۵ وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِى الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے برآمدے۱ پر ایک پردہ بنایا جس میں تصویریں تھیں۲ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پھاڑ دیا، حضرت عائشہ نے اس سے دو تکیے بنا لیے، وہ گھر میں ہوتے تھے۔ جن پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھتے تھے۳۔ (صحیحین)

۵۱ جو ان کے گھر کے آگے تھا، بعض شارحین نے کہا کہ سہوہ وہ چھوٹا سا کمرہ ہے جو زمین کی گہرائی میں ہو اور اس کی چھت اونچی ہو، خزانے کے مشابہ، جس میں ساز و سامان رکھا جاتا ہے۔

۵۲ اس تصویروں والے کپڑے سے جسے پردہ بنایا ہوا تھا۔

۵۳ بظاہر یہ حدیث گزشتہ حدیث کے منافی ہے۔ کیونکہ حدیث سابق سے معلوم ہوا کہ تکیے پر بنی ہوئی تصویر فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہے اگرچہ حرام نہیں ہے، لہٰذا دو تکیوں کا گھر میں رکھنا کس بنا پر ہو گا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تصویریں ایسی نہ تھیں جو کہ حرام ہیں یعنی جانوروں کی تصویریں نہ تھیں، پردے کو پھاڑنے کی وجہ آئندہ حدیث سے معلوم ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو کپڑے سے ڈھانپیں اور اگر بالفرض وہ حرام تصویریں تھیں تو ان کے سر کاٹ دیئے گئے تھے، بعض شارحین نے کہا کہ ہتک کا معنی کاٹنا اور ان تصویروں کا مٹانا ہے جو اس کپڑے میں تھیں، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

۴۲۹۳ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَأْمُرْنَا اَنْ نَّكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہاد میں تشریف لے گئے میں نے ایک باریک چادر[51] لی اور اسے دروازے پر ڈال دیا، جب آپ تشریف لائے[52] تو وہ چادر دیکھی۔ آپ نے اسے کھینچ لیا، یہاں تک کہ اسے پھاڑ دیا[53]، پھر فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں[54] اور مٹی کو کپڑا پہنائیں[55]

(صحیحین)

[51] نمطٌ نون اور میم پر زبر، لطیف قسم کی ایک چادر جس کے ریشے باریک ہوتے ہیں، اسے کجاوے پر ڈالتے ہیں اور بطور پردہ بھی استعمال کرتے ہیں، اس کی جمع اَنْمَاطٌ ہے۔

[52] جب آپ سفر سے واپس آئے اور میرے ہاں تشریف لائے۔

[53] جس کے ساتھ میں نے دروازے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

[54] بعض شارحین نے کہا کہ اس چادر میں بالوں والے گھوڑوں کی تصویریں تھیں، آپ نے ان تصویروں کو تلف کر دیا اور مٹا دیا، لیکن حدیث کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے منع کرنا اور اسے پھاڑنا تصویر کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ درو دیوار کو کپڑے سے ڈھانپنے کو ناپسند کرنے کی بنا پر تھا، جیسے کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

[55] علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا نہ ہونا ممانعت پر دلالت نہیں کرتا، اس کے باوجود آپ نے اسے تبدیل کر دیا، اسے پھاڑ دیا۔ اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس میں آپ کے اہل بیت کے درع و تقویٰ میں عظیم مقام کا لحاظ تھا، اس حدیث میں تکیوں کے بنانے کا ذکر نہیں ہے۔

۴۲۹۴ وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سخت ترین عذاب والے وہ لوگ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہیں[56]

(صحیحین)

لہ یعنی تصویر بنانے والے جو تصویر بناتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے صورت پیدا کی ہے، اس لیے انہیں عذاب دے گا کہ وہ ان میں جان کیوں نہیں ڈالتے۔

۴۲۹۵ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِىْ فَلْيَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِيَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِيْرَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو میرے پیدا کرنے کی طرح بنائے گا[۱]، یہ لوگ چھوٹی چیونٹی تو پیدا کر دیں[۲]۔ ایک دانہ یا ایک جو ہی پیدا کر دیں[۳] (صحیحین)

لہ یعنی میری طرح صورت اور پیکر بناتا ہے۔ یہ درحقیقت پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے اجزاء اور مواد کو جمع کرکے ایک صورت بناتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ میں نے بنایا ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ پیدا کرنے کا دعوٰی کریں۔ (یہ حدیث اور اس کی شرح بت سازی سے متعلق ہے ۱۲ ق ن)

۲ہ چھوٹی چیونٹی عدم سے وجود میں لائے یا ذرے سے مراد غبار کی وہ چھوٹی سی جز ہے جو دیوار کے سوراخ میں سے آنے والی دھوپ میں دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے ہوا کے ذرات کا وجود صرف وہی ہے۔ اور وجود وہی پر حقیقۃً پیدا کرنے کا اطلاق نہیں ہوتا، الّا یہ کہ مبالغہ مقصود ہو۔

۳ہ یہ تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔ عرف میں اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ ایک دانے کا ذکر قلت کے بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا کہ حبہ سے مراد وہ سرخ دانہ ہو جو وزن میں طسوج سے آدھا ہوتا ہے، اور جو بھی وزن کا نام ہے جو حبہ مذکورہ سے کم ہوتا ہے، حبہ کا معنی کسی چیز کا ٹکڑا بھی آتا ہے۔ جیسے کہ قاموس میں بیان کیا گیا۔

۴۲۹۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ سخت عذاب والے تصویریں بنانے والے ہیں[۱] (صحیحین)

لے یعنی تصویریں بنانے والے بھی اس جماعت میں شامل ہوں گے جسے سب سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں کلمہ من بھی آیا ہے (مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ) جو بعضیت پر دلالت کرتا ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ وہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو بت بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کی جائے، اور ایسا شخص کافر ہے، لہٰذا اگر اسے سخت ترین عذاب دیا جائے تو بعید نہ ہوگا، بعض حضرات نے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشابہت اور اس کے مقابلے کے ارادے سے تصویر بنائے وہ بھی کافر ہے اور اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔ اور جو اس ارادے کے بغیر تصویر بنائے وہ کافر نہیں ہے فاسق ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو دیگر گناہوں کے مرتکب کا ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ جانداروں کی تصویریں مراد ہیں نہ کہ درختوں اور ان جیسی بے جان چیزوں کی لے معروف یہی ہے کہ جانداروں کی تصویریں بنانے والے کو مصور کہا جاتا ہے بے جان چیزوں کی تصویریں بنانے والے کو نقاش کہا جاتا ہے۔

حضرت مجاہد (جلیل القدر تابعی) پھل دار درخت کی تصویر کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، محققین کے نزدیک تصویر سازی کا پورا عمل ہی کراہت سے خالی نہیں ہے اور لہو و لعب اور لایعنی کاموں میں داخل ہے۔

۴۲۹۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهٗ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر تصویر بنانے والا آگ میں ہے اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک شخص پیدا کیا جائے گا جو اسے جہنم میں عذاب دے گا لے ابن عباس نے فرمایا، اگر تم ضرور ہی تصویر بنانے والے ہو تو درخت اور کسی بھی بے جان چیز کی تصویر بنالو۔ (بخاری و مسلم)

لے اصول کے اکثر نسخوں میں نفساً زبر کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یجعل صیغہ معلوم ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لیے

---

لے حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، خیال رہے کہ غیر جاندار چیزوں میں بندے کے کسب کو دخل ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ باغ میرا لگایا ہوا ہے یہ کھیت میرا اگایا ہوا ہے۔ مگر جاندار چیز میں کسی کے کسب کو دخل نہیں، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چڑیا میری بنائی ہے۔ اس لیے جاندار کی تصویر سازی جرم ہے غیر جاندار کی نہیں ۱۲ مرآۃ بحوالہ مرقاۃ۔

ایک شخص کو پیدا کرتا ہے۔

۲ بچیوں کے کھیلنے کے لیے کپڑے کی دھجیوں سے گڑیاں بنانے کی اجازت ہے۔ لیکن امام مالک کے نزدیک مردوں کے لیے ان کا خریدنا مکروہ ہے، بعض علماء نے کہا کہ ان کے بنانے کا جواز منسوخ ہے۔

۴۲۹۸ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَ لَنْ يَّفْعَلَ وَ مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَّ هُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَ كُلِّفَ اَنْ يَّنْفُخَ فِيْهَا وَ لَيْسَ بِنَافِخٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ایسے خواب کا دعوےٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھا[۱] اسے دو جو کے درمیان گرہ لگانے کی تکلیف[۲] دی جائے گی۔ اور وہ نہ لگا سکے گا[۳] اور جو شخص کسی قوم کی بات کان لگا کر سنے[۴] حالانکہ وہ لوگ اسے[۵] ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں[۶] قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں سیسہ[۷] ڈالا جائے گا اور جس نے تصویر بنائی اسے عذاب دیا جائے گا۔ اور تکلیف دی جائے گی کہ اس میں جان ڈالے، مگر نہ ڈال سکے گا[۸]۔ (بخاری)

۱ خواب کے بارے میں جھوٹا دعویٰ کرے۔ حُلُم حا پر پیش اور لام ساکن، اس پر پیش بھی آیا ہے وہ چیز جسے کوئی شخص خواب میں دیکھے۔

۲ اس کے عجز اور بے بسی کو ظاہر کرنے کے ارادے سے۔

۳ یعنی اسے عذاب دیں گے اور حکم دیں گے کہ دو جو کو پیوند لگا کر انہیں ایک بنا دے اور جب اس طرح نہ کر سکے گا تو اسے پھر عذاب دیں گے، اور وہ شخص مسلسل عذاب میں رہے گا، جھوٹا خواب بیان کرنے اور دو جو کے جوڑنے میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح اس نے جھوٹ کے ذریعے مختلف باتوں کو جمع کر دیا ہے اور ان کے درمیان پیوند لگا دیا ہے۔ اسی طرح اسے کہا جائے گا دو جو آپس میں جوڑ دے۔ جھوٹا خواب بیان کرنا بھی اگرچہ جھوٹ ہی کی قسم ہے لیکن اس پر شدید عذاب اس لیے ہے کہ خواب کا تعلق عالم غیب سے ہے اور سچا خواب نبوت کی ایک جزء ہے اور وحی کا حکم رکھتا ہے۔ گویا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے بارے

میں جھوٹ بولتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ سخت ترین قسم کا جھوٹ ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ وعید اس شخص کے بارے میں ہے جو نبوت یا ولایت کا دعوٰی کرتا ہے اور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اوامر و نواہی اور علوم و حقائق وارد ہوتے ہیں، جیسے کہ بعض جھوٹے دعویداروں کا وطیرہ ہے۔

۵۴ اور کوشش کرے کہ ان کی بات سن لوں اور جان لوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

۵۵ اس شخص کو اور اس شخص کے ان کی باتیں سننے کو۔

۵۶ تاکہ وہ شخص نزدیک نہ آئے اور ان کی باتیں نہ سنے۔

۵۷ قاموس میں ہے آنُک مدودالا ہمزہ نون پر پیش، سیسہ سفید (قلعی) یا سیاہ یا خالص، مجمع البحار میں آنک کی تفسیر سیسے کے ساتھ کی ہے، سفید، سیاہ اور خالص میں تردید کی ہے۔

۵۸ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس وقت تک عذاب برداشت کرے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

۴۲۹۹ (۱۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيْرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِيْ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَّ دَمِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرد شیر[۱] کھیل کھیلے گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لیا ہے[۲]۔ (مسلم)

۱ نردشیر ایک کھیل نرد کا نام ہے اور عربی بنایا ہوا لفظ ہے، فارس کے ایک بادشاہ اردشیر بن بابک کی اختراع ہے اسی لیے اس کھیل کو نردشیر کہتے ہیں، اسی طرح قاموس میں ہے

۲ بعض روایات میں ہے۔ فَكَاَنَّمَا غَمَسَ گویا اس نے اپنا ہاتھ ڈبو دیا ہے، اس ارشاد میں اس کھیل کی قباحت اور شناعت بطور تمثیل بیان کی گئی ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے دل اس سے متنفر ہوں۔ یاد رہے کہ نرد کے ساتھ کھیلنا مطلقاً حرام ہے۔ البتہ بعض حضرات کے نزدیک شطرنج کھیلنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے (۱) جوئے کی شرط نہ ہو (۲) نماز کو اس کے وقت سے موخر نہ کیا جائے (۳) زبان کو لغو اور فحش گفتگو سے پاک رکھا جائے احناف کے نزدیک شطرنج کھیلنا مطلقاً مکروہ اور حرام ہے کیونکہ وہ لہو و لعب کے زمرے میں آتا ہے اور اس میں وقت کا ضیاع ہے، امام شافعی کے نزدیک شطرنج کھیلنا مباح ہے، لیکن اسے معمول بنا لینا سخت کراہت کے ساتھ مکروہ ہے، اسی طرح مطالب المومنین میں کوالہ امام غزالی ہے۔

# اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۳۰۰/۱۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ
قَالَ اَتَیْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ
یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَكُوْنَ دَخَلْتُ
اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ عَلَى الْبَابِ
تَمَاثِیْلُ وَكَانَ فِی الْبَیْتِ
قِرَامُ سِتْرٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ
وَكَانَ فِی الْبَیْتِ كَلْبٌ
فَمُرْ بِرَاْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ
عَلٰى بَابِ الْبَیْتِ فَیُقْطَعُ
فَیَصِیْرُ كَهَیْئَةِ الشَّجَرَةِ
وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْیُقْطَعْ
فَلْیُجْعَلْ وِسَادَتَیْنِ مَنْبُوْذَتَیْنِ
تُوْطَاٰنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ
فَلْیُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

## دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل امین تشریف لائے، انہوں نے کہا کہ میں گزشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا تو مجھے داخل ہونے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں رنگین اور منقش کپڑے کا پردہ بنایا گیا تھا۔ اس میں تصویریں تھیں۔ اور گھر میں کتا تھا۔ گھر کے دروازے پر جو تصویر ہے۔ آپ حکم دیجئے کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہو جائے[۱]، پردے کے بارے میں حکم دیجئے کہ اسے قطع کرکے دو تکیے بنادیئے جائیں جو زمین پر پھینکے گئے ہوں[۲] روندے جائیں[۳]، حکم دیجئے کہ کتے کو نکال دیا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ہی کیا۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۱ یعنی اس تصویر کی شکل وصورت برقرار نہ رہے فیقطع اور فیصیر کو رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۲ بیٹھنے اور ٹیک لگانے کے لیے تکئے کو منبذہ بھی کہتے ہیں میم کے نیچے زیر، کیونکہ اسے گھر میں ڈال دیا جاتا ہے، یہ مشتق ہے نبذ سے جس کا معنی پھینکنا اور ڈال دینا ہے۔

۳ اور استعمال کیے جائیں۔

۴۳۰۱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَ أُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَ لِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَّ كُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ بِالْمُصَوِّرِيْنَ۔
۱۴

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن آگ کا ایک ٹکڑا باہر آئے گا[۵۱]، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی۔ دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور زبان ہوگی جو گفتگو کرے گی، وہ زبان کہے گی کہ مجھے تین قسم کے افراد پر مقرر کیا گیا[۵۲]۔ (۱) ہر متکبر سرکش معاند پر[۵۳] (۲) ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کو مانے[۵۴] اور (۳) تصویر بنانے والوں پر[۵۵]۔

(ترمذی)

۵۱ یعنی آگ کا ایک ٹکڑا جدا ہو کر باہر گر پڑے گا۔

۵۲ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے مقرر کیا ہے کہ تین قسم کے افراد کو عذاب دوں اور جلاؤں۔

۵۳ جو علم کے باوجود حق کو قبول نہ کرے اور راہ راست پر نہ چلے

۵۴ شرک اختیار کرے اور دوسرے خدا کی طرف متوجہ ہو

۵۵ کہ وہ بھی ایک قسم کے شرک کے مرتکب ہیں۔

۴۳۰۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَ الْمَيْسِرَ وَ الْكُوْبَةَ وَ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ۔
۱۵

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوئے اور ڈھول[۵۶] کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کہا گیا ہے کہ کُوبَۃٌ ڈھول ہے۔

(شعب الایمان، امام بیہقی)

۵۶ کوبۃ کاف پر پیش، یعنی لہو و لعب کا ڈھول۔

۵۲ کوبہ کی تفسیر میں تین قول ہیں (۱) شطرنج (۲) ڈھول (۳) بربط اسی طرح نہایہ میں ہے، شرح جامع الاصول میں کہا وہ ڈھول جس کے دو سر ہوتے ہیں، حضرت مؤلف نے حدیث کے بعض راویوں سے نقل کیا کہ کُوبَۃ کا معنی ڈھول ہے، یعنی لہو و لعب کا ڈھول، نہ کہ غازیوں کا ڈھول۔

۴۳۰۳/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَيْرَاءِ وَالْغُبَيْرَاءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ السُّكُرْكَةُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شراب، جوئے، ڈھول اور غبیرا سے منع فرمایا، غبیراء وہ شراب ہے جو حبشی جوار سے بناتے تھے، اسے سُکرکہ کہا جاتا ہے۔

(ابوداؤد)

۱؎ غبیرا نقطے والی غین پر پیش، با پر زبر یا ساکن، را کے بعد الف ممدودہ۔

۲؎ ذُرَۃ ذال پر پیش، را مخفف پر زبر، با جرے (جوار) کا دانہ۔

۳؎ سُکرکہ بے نقطہ سین اور پہلے کاف پر پیش، را ساکن، اسے غبیرا اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں کدورت اور کثافت ہوتی ہے۔

۴۳۰۴/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرد شیر کے ساتھ کھیلا اس نے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

(احمد، ابوداؤد)

۴۳۰۵/۱۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَتْبَعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَيْطَانٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا، فرمایا: وہ مرد شیطان ہے جو

يَتْبَعُ شَيْطَانَةً۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

شیطان کا پیچھا کر رہا ہے[2]۔
(احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، شعب الایمان، امام بیہقی)

[1] اس طرح کہ کبوتر پرواز کر رہا تھا اور وہ شخص اس کے پیچھے زمین پر جا رہا تھا۔

[2] اس شخص کو اس لیے شیطان کہا کہ وہ کھیل رہا تھا اور بے مقصد وقت ضائع کر رہا تھا اور کبوتر کو بھی شیطان کہا کہ وہ کھیل اور لہو و لعب کا باعث بنا تھا، اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دین و دنیا کے کاموں سے روک دیا تھا۔ شَيْطَانَةً میں تاءِ تانیث لفظ حَمَامَةً کی رعایت کی بنا پر ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبوتر کے ساتھ کھیلنا حرام ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ انڈے اور بچے حاصل کرنے کے لیے کبوتروں کا پالنا اور ان کے ذریعے پیغام پہنچانا بغیر کراہت کے جائز ہے، رہا ان کے ساتھ کھیلنا تو صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے اور اگر اس کے ساتھ جوا بھی شامل ہو تو اس کی گواہی رد کی جائے گی، مطالب المومنین میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک کبوتر کے ساتھ کھیلنا مکروہ تنزیہی ہے[1]۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۳۰۶/۱۹ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّيْ

سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر تھا کہ اچانک ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا اے ابن عباس! میں ایسا شخص

[1] آج کل نہایت بدترین اسم سننے میں آئی ہے اور وہ یہ کہ کبوتروں کو نشے کے ٹیکے لگا کر اڑا دیا جاتا ہے اعلانیہ پر شرطیں لگائی جاتی ہیں، پھر گھنٹوں بلکہ پہروں کے حساب سے کبھی بیٹھ کر اور کبھی لیٹ کر ان کی نگرانی کی جاتی ہے، یہاں تک کہ کبوتر بے بس ہو کر زمین پر گر جاتے ہیں، جس کا کبوتر پہلے گر جائے وہ ہار جاتا ہے، یہ اسم بد مکروہ اور حرام ہے کہ اس میں نہ صرف کبوتر کے ساتھ کھیلنا ہے بلکہ جوا بھی شامل ہے۔ وقت کا بے تحاشا ضیاع ہے۔ ذکر الٰہی اور نماز سے غفلت ہے اور کبوتروں کو اذیت دینا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّيْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهٗ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہوں کہ میری معیشت میرے ہاتھ کی کاریگری سے ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔[۲] ابن عباس نے فرمایا: میں تجھے صرف وہ حدیث بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے سنی ہے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تصویر بنائی، اللہ تعالٰے اسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے، اور وہ ہرگز اس میں روح نہ پھونک سکے گا۔[۳] وہ شخص بری طرح ہانپنے لگا[۴] اور اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔[۵] ابن عباس نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اگر تو تصویریں ہی بنانا چاہتا ہے تو تو اس درخت اور ہر اس چیز کی تصویر بنا جس میں روح نہیں ہے۔[۶] (بخاری)

[۱] سعید بن ابی الحسن ثقہ تابعین میں سے ہیں، حضرت حسن بصری کے بھائی اور حضرت زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے والد کی کنیت ابوالحسن اور نام یسار ہے۔

[۲] یعنی میں کیا کام کروں؟ شارع علیہ السلام نے اس پیشے کو حرام قرار دیا ہے اور مجھے اس کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا، کیا ضرورت کی بنا پر یہ پیشہ اختیار کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس نے دیکھا کہ اس شخص کا تعلق اس پیشے کے ساتھ شدید ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ منع کرنے سے باز نہ آئے اس لیے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔

[۳] اور اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

[۴] رَبْوَۃ را پر زبر، با ساکن، سانس کا بلند ہونا اور چڑھنا، اصل میں یہ لفظ گھوڑے کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جب دوڑنے اور ڈرنے کی بنا پر اس کا سانس چڑھنے لگتا ہے۔ فارسی میں اسے تواسہ اور اردو میں سانس

کہتے ہیں۔

۵ تصویر بنانے کے پیشے پر اس عذاب کے مرتب ہونے اور اس وعید کو سن کر۔
۶ یعنی حیوانات کے علاوہ اشیاء کی تصویریں بناؤ۔

۴۳۰۷ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَآئِهٖ كَنِيْسَةً يُّقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَ أُمُّ حَبِيْبَةَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيْرَ فِيْهَا فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ أُولٰٓئِكَ إِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰٓئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طبیعت مبارکہ ناساز ہوئی تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جسے ماریہ[1] کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ، حبشہ کی سرزمین میں گئی تھیں[2]، ان دونوں نے اس کے حسن اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، حضور نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: وہ لوگ[3] جب ان میں نیک آدمی مرجاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے ہیں، پھر اس میں وہ تصویریں[4] بناتے ہیں، وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی مخلوق میں بدترین ہیں[5]۔ (صحیحین)

۱ ماریہ راء کے نیچے زیر، یاء مخفف۔ کنیسۃ کاف پر زبر، نون کے نیچے زیر، یاء ساکن اور بے نقطہ سین، یہود و نصاریٰ کی عبادت کی جگہ، یہ کنشت کا معرب ہے اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا، قاموس میں ہے کنیسہ یہود و نصاریٰ یا کفار کی عبادت کی جگہ، علامہ کرمانی نے کہا مشہور یہ ہے کہ کنیسہ یہودیوں کا ہے اور بیعہ باء کے نیچے زیر اور یاء ساکن، نصاریٰ کے لیے ہے، لیکن لغت میں کنیسہ، نصاریٰ کے عبادت خانے کو بھی کہتے ہیں، جوہری نے کنیسہ اور بیعہ دونوں کو نصاریٰ کے لیے قرار دیا ہے۔

---

۱ سبحان اللہ! وہ کیسے مقدس لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث سن کر کانپ جاتے تھے۔ آج تصویریں بنانے والوں کو درجنوں حدیثیں سنا دیجیے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناسازی طبع کے دوران حکایات وواقعات کا سلسلہ شروع ہوا جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحب علالت کا دل مصروف رہے، بعض امہات المومنین یعنی حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ میں سے کسی ایک نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا، جیسے کہ آئندہ جملے سے معلوم ہوتا ہے۔

۲؎ جہاں کے رہنے والے نصاریٰ تھے۔

۳؎ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ سے یہ تذکرہ سنا تو

۴؎ یعنی اہل حبشہ یا نصاریٰ اُولٰئِكَ کے کاف پر زبر اور زیر دونوں پڑھنا جائز ہیں۔ شارحین نے زیر کو صحیح قرار دیا ہے اور ظاہر بھی یہی ہے، کیونکہ خطاب عورتوں سے ہے، اسی طرح لفظ تِلْكِ میں ہے (یعنی کاف کے نیچے زیر پڑھی جائے ۱۲ ق ن)

۵؎ اہل قبور کی۔

۶؎ اس کی کئی وجوہ ہیں (۱) تصویریں بنانا (۲) قبر پر مسجد بنانا (۳) قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا، جیسے کہ دوسری حدیثوں میں آیا ہے۔

۴۳۰۸/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا أَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ أَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَّمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو شہید کیا۱؎، یا کسی نبی نے اسے قتل کیا۲؎ یا اس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا اور تصویریں بنانے والے اور وہ عالم جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہیں کیا۳؎ (بیہقی)

۱؎ کیونکہ کسی بھی شخص کا اللہ تعالےٰ کے نبی کو شہید کرنا یقیناً ناحق ہی ہوگا۔

۲؎ اللہ تعالےٰ کے نبی کا کسی شخص کو قتل کرنا ضرور برحق ہوگا اور وہ شخص یقیناً واجب القتل ہی ہوگا۔ علامہ طیبی نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اسے فی سبیل اللہ قتل کیا ہو جیسے کہ دوسری روایت میں صراحۃً آیا ہے، کیونکہ وہ شخص نبی کے قتل کرنے کے درپے تھا، فی سبیل اللہ کی قید لگا لینے سے وہ شخص خارج ہوگیا جسے حد یا قصاص کے طور پر قتل

کیا ہو۔

۳؎ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس علم سے جو فائدہ نہ دے۔

۴۳۰۹ / ۲۲ وَعَنْ عَلِيٍّ اِنَّهٗ يَقُوْلُ الشِّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِمِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ شطرنج[1] عجمیوں کا جوا ہے[2]۔ (بیہقی)

۱؎ شطرنج نقطوں والے شین کے نیچے زیر، ایک لغت میں بے نقطہ سین کے ساتھ ہے۔

۲؎ عربوں کے علاوہ لوگوں کو عجمی کہتے ہیں، اُعْجَم اور اَعْجَمی اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح گفتگو نہ کر سکے اگرچہ وہ عرب ہی ہو، اس کی جمع اَعَاجِم ہے، اس جگہ اَعَاجِم سے مراد عجمی لوگ ہیں، کیونکہ فصیح گفتگو پر قادر نہ ہونا عموماً غیر عرب میں پایا جاتا ہے۔

۴۳۱۰ / ۲۳ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا مُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ لَا يَلْعَبُ بِالشِّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

ابن شہاب زہری[1] روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری[2] رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ شطرنج کے ساتھ وہی کھیلے گا جو گنہگار بدکردار ہو۔ (بیہقی)

۱؎ ابن شہاب زہری مشہور تابعی ہیں۔

۲؎ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

۴۳۱۱ / ۲۴ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشِّطْرَنْجِ فَقَالَ هِيَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْبَاطِلَ (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

انہی سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے شطرنج کے کھیل کے بارے میں پوچھا گیا[1] تو انہوں نے فرمایا: یہ باطل میں سے ہے[2] اور اللہ تعالیٰ باطل کو محبوب نہیں رکھتا۔ (یہ چاروں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں۔)

۱؎ کہ اس کا کیا حکم ہے؟

۲؎ اور خلافِ حق ہے۔

۳؎ راقم سطور (حضرت شیخ محقق قدس سرہ) کو واضح طور پر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے

کہ اللہ تعالٰے باطل کو مبغوض رکھتا ہے، اللہ تعالٰے جس چیز کو دوست نہیں رکھتا اہل محبت کے نزدیک وہ مبغوض ہے، اگرچہ عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اسے محبوب نہیں رکھتا اور یہ مبغوض ہونے سے عام ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

۴۳۱۲/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ دَارَ قَوْمٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَدُوْنَهُمْ دَارٌ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَاْتِيْ دَارَ فُلَانٍ وَّلَا تَاْتِيْ دَارَنَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِيْ دَارِكُمْ كَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِيْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّنَّوْرُ سَبُعٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی ایک جماعت کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، ان سے پہلے ایک گھر تھا (ان کے ہاں تشریف نہ لے جاتے) یہ بات ان پر گراں گزری، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتا[1] ہے، انہوں نے عرض کیا کہ اُن کے گھر میں بلی[2] ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: بلی درندہ ہے[3]

(دارقطنی)

[1] اس قوم کے گھر میں تشریف نہ لے جانے کا عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے گھر میں کُتا ہے اور تمہارا گھر فرشتوں کی آمد کی برکت سے خالی اور محروم ہے۔

[2] وہ بھی کُتے کی طرح درندے کی قسم ہے، کُتے اور بلی میں کیا فرق ہے؟

[3] لیکن وہ نجاست اور شیطنت نہیں رکھتی جو فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہو، برخلاف کتے کے کہ وہ پلید ہے اور اس میں شیطنت والی کچھ صفت ہے جو فرشتہ ہونے کی ضد ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ اس عبارت کو استفہام انکاری پر محمول کیا جائے (یعنی کیا تمہارے خیال میں وہ درندہ ہے؟) اس صورت میں بلی، درندے کی جنس سے نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

# کتاب الطّبّ والرُّقٰی[1]

## ۲۰۔ دواؤں اور دعاؤں کا بیان

طب پہلے حرف پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں، علاج کرنا، فارسی میں پچشکی اور طبیب کو پچشک کہتے ہیں، طبّ طاء پر زبر طبیب اور ہر وہ شخص جو اپنے فن میں ماہر ہو، مُتَطَبِّبْ علم طب پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا جو ابھی ماہر نہیں ہوا، طِبّ طاء کے نیچے زیر، جادو کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مَطْبُوْبٌ وہ شخص جس پر جادو کیا گیا ہو، طب دو قسم کی ہے۔ (۱) جسمانی (۲) نفسانی۔ طب جسمانی میں صحت کی حفاظت اور مرض کے دفعیہ کے ساتھ بدن کا علاج کیا جاتا ہے، طب نفسانی میں ردی اور مہلک اخلاق کو زائل کر کے نفس کا علاج کیا جاتا ہے۔ دوائیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں (۱) جسمیہ طبعیہ مفردہ (۲) مرکبہ (جیسے معجون اور مختلف سفوف وغیرہ) روحانی اور ربانی دوا قرآن پاک ہے اور وہ چیز جو اس کے معنیٰ میں ہے (احادیث مبارکہ اور ارشادات علماء و اولیاء ۱۲ ق ن)۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم امت کا علاج طبعی دواؤں سے بھی کرتے تھے اور روحانی دواؤں سے بھی۔

رُقیٰ جمع ہے رُقیۃ کی راء پر پیش، قاف ساکن، یاء مخفف، عربی میں عُوْذَۃٌ کہتے ہیں، فارسی میں افسوں (اور اردو میں جھاڑ پھونک) کہتے ہیں، قرآن پاک اور اللہ تعالےٰ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ دم کرنا بالاتفاق جائز ہے، ان کے علاوہ ایسے کلمات جن کے معانی معلوم ہوں اور دین و شریعت کے مخالف نہ ہوں ان کے ساتھ دم کرنا بھی جائز ہے اور اگر ایسے کلمات نہ ہوں تو ان کے ساتھ دم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر وہ کلمات قابل وثوق ہوں اور روایت صحیحہ سے ثابت ہوں تو ان کے ساتھ دم کرنا جائز ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص دم کرنے کے لیے ایسے کلمات پڑھ رہا تھا جن کا معنیٰ اسے معلوم نہ تھا، اہل کتاب میں سے ایک شخص وہاں حاضر تھا اور ہنس رہا تھا، اس نے کہا کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے؟ کہ خدا اور رسول (جل و علا و صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کو گالی دے رہا ہے ——— وہ جو اصحاب تکسیر اور عملیات والے بخور جلاتے ہیں، مختلف رنگ استعمال کرتے ہیں اور ساعتوں کا لحاظ کرتے ہیں اصحاب دیانت و تقویٰ کے نزدیک مکروہ اور حرام[1] ہے، اسی طرح علماء نے کہا ہے۔

---

[1] اللہ تعالےٰ نے مختلف اوقات کو خاص فضیلت دی ہے مثلاً ماہِ رمضان، عشرۂ ذی الحجہ، لیلۃ القدر اور شب برات وغیرہ لہٰذا اگر کوئی شخص اوراد و وظائف کے ساعتوں کا لحاظ کرتا ہے اور اس دوران خوشبو یا بخور کا اہتمام کرتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

# اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

# پہلی فصل

۴۳۱۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَآءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً۔
۱

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی نازل کی ہے اس کے لیے شفا بھی نازل کی ہے۔ [۱]

(بخاری)

[۱] یعنی وہ دوا جو اس بیماری سے شفا دے۔

۴۳۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّآءِ بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔
۲

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بیماری کے لیے دوا ہے، تو جب دوا بیماری کو پہنچائی جائے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے بیمار تندرست ہو جائے گا۔ [۱]

(مسلم)

[۱] یعنی دوا، شفاء کے لیے علت نہیں ہے، شفاء اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے، اللہ تعالیٰ نے دوا کو شفاء کا عادی سبب بنایا ہے۔ بَرَءَ راء پر زبر ہے۔ شارحین نے کہا ہے کہ اہل حجاز راء کے نیچے زیر اور اس پر پیش پڑھتے ہیں۔

۴۳۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلشِّفَآءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِیْ شَرْطَةِ مِحْجَمٍ اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَیَّةٍ
۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شفا تین چیزوں میں ہے (۱) خون نکالنے کے نشتر [۱] (۲) شہد کے گھونٹ اور (۳) آگ کے داغ لگانے میں اور میں اپنی امت کو

(بقیہ صفحہ سابقہ) تو اس کے مکروہ اور حرام ہونے کی کوئی واضح وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۲ اشرف قادری نقشبندی۔

بِنَارٍ وَّ اَنَا اَنْهٰى اُمَّتِىْ عَنِ الْكَيِّ۔ | داغ لگانے سے منع کرتا ہوں ؎۲

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ) | (بخاری)

؎۱ مِحْجَم میم کے نیچے زیر، حا ساکن اور جیم پر زبر، وہ آلہ جس کے ساتھ خون چوستے ہیں اور سنگی والا خون اس میں واقع ہوتا ہے، جیسے کدو اور سینگ، اس جگہ وہ آلہ مراد ہے جس کے ساتھ زخم لگایا جاتا ہے، شرط پہلے حرف پر زبر، سنگی لگانے کی جگہ پر نشتر مارنا تاکہ خون نکلے، اور اسے مِشْرَط کہتے ہیں، میم کے نیچے زیر، یعنی نشتر۔

؎۲ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اس حدیث میں تمام امراضِ مادیہ کے علاج کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ مادی امراض یا تو خونی ہوتی ہیں یا صفراوی، بلغمی اور سوداوی، اگر خونی بیماری ہے تو اس کا علاج خون کا نکالنا ہے، باقی تین قسموں کا علاج جلاب کے ساتھ ہے، شہد سے جلاب آور دواؤں کی طرف اشارہ ہے، مِحجم کا اشارہ فصد اور سنگی لگانے کی طرف ہے، آگ کے ساتھ داغ لگانے میں تنبیہ ہے اس حالت پر جب کہ طبیب علاج معالجہ سے بے بس ہو جائے، کیونکہ داغ لگانے سے وہ موذی خلط دفع ہو جائے گی جس کا علاج داغ لگانے کے علاوہ کوئی نہیں ہے اس لیے اطبا نے کہا ہے کہ آخری علاج، آگ کا داغ لگانا ہے (سفر السعادۃ)

داغ لگانے کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ عرب اسے عظیم الشان علاج مانتے تھے، وہ کہتے تھے کہ داغ لگانے سے کہ بیماری کا مادہ یقینی طور پر ختم ہو جاتا ہے، اگر داغ نہ لگایا گیا تو وہ مادہ مہلک ثابت ہوگا۔ ان میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ آخری دوا آگ کا داغ لگانا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تاکہ لوگ شرکِ خفی میں واقع نہ ہو جائیں۔ یہ نہی تنزیہی ہے، اگر کوئی داغ لگائے اور شفا کی امید اللہ تعالٰی سے رکھے تو جائز ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ داغ لگانے کی ممانعت، خطرے اور تردد کی جگہ میں ہے، یعنی اس صورت میں ممانعت ہے جب کہ داغ لگانے میں ہلاکت اور زخم کے سرایت کر جانے کا خوف ہو، اور فائدے کا وثوق نہ ہو۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آگ سے داغ لگانے کے بارے میں مختلف احادیث و اخبار آئی ہیں۔ بعض احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، مثلاً وہ احادیث جن میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو داغ لگایا، یہ حدیثیں اسی کتاب میں آرہی ہیں، بعض حدیثوں سے ممانعت معلوم ہوتی ہے جیسے کہ یہ حدیث اور وہ حدیث جسے امام ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داغ لگانے سے منع فرماتے تھے۔ پھر ہم مبتلا ہوتے اور ہم نے داغ لگایا لیکن ہم نے کامیابی و کامرانی نہ پائی، امام مسلم حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں فرشتوں کا سلام سنا کرتا تھا، جب میں نے داغ لگایا تو اس سے محروم ہو گیا، چنانچہ میں نے توبہ کی تو وہ پہلے والا حال لوٹ آیا

بعض احادیث میں آیا ہے کہ میں داغ لگانے کو محبوب نہیں رکھتا، ایک حدیث میں اس کے ترک کرنے کی تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے، شارحین نے ان احادیث میں یوں تطبیق دی ہے کہ داغ لگانا اصل جواز پر دلالت کرتا ہے اور اس فعل سے محبت کا نہ ہونا اس کے ممنوع ہونے پر دلالت نہیں کرتا، ترک کی مدح و ثنا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ترک کرنا اولیٰ ہے۔ باقی رہی ممانعت تو وہ چند صورتوں پر محمول ہے (۱) مرض بالشت نہ ہو بلکہ اسے اختیاری طور پر اپنایا جائے (۲) مرض کے دفع کرنے کے لیے اس کی حاجت نہ ہو بلکہ دوسرا علاج بھی میسر ہو۔ (۳) جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا کہ اس کے ارتکاب سے شرکِ خفی میں واقع ہونے کا خطرہ ہو۔ بعض شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو داغ لگانے کا حکم اس لیے دیا کہ عضو کٹ گیا تھا اور زخم بگڑ چکا تھا اور اس صورت میں صحت کا حصول یقینی تھا، بہر حال کسی عضو کو جلانا اور اسے داغ لگانا مکروہ ہے، ہاں اگر داغ لگانا ضروری ہو اور طبیب حاذق کا فیصلہ ہو کہ صرف داغ لگانا ہی علاج ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت مؤلف نے جب یہ حدیث بیان کی جس میں امت کو داغ لگانے سے منع کیا گیا ہے تو اس کے بعد وہ حدیثیں بھی لائے ہیں جو جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۳۱۶ / ۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِیَ أُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَکْحَلِهٖ فَکَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضرت ابی کی رگ جان[۱] پر تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس زخم کو داغ لگایا[۲] (مسلم)

[۱] اَکحل وہ رگ ہے جو کلائی اور بازو کے جوڑ میں ہوتی ہے، عموماً اسی کا فصد کھولا جاتا ہے اسے عرقِ حیات (رگِ جاں) اور نہرِ حیات کہتے ہیں، عوام الناس اسے رگِ ہفت اندام (سات اعضاء کی رگ) کہتے ہیں، ہر عضو میں اس کا الگ حصہ اور الگ نام ہے، ہاتھ میں اسے اکحل، ران میں نسا، نون پر زبر، مشہور بیماری عرق النساء کی نسبت اسی کی طرف ہے، پشت میں ابہر کہتے ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسی رگ میں تیر لگا اور اس سے خون جاری ہو گیا۔

[۲] تو خون رک گیا۔ کَوَاہُ واؤ مخفف کے ساتھ۔

۴۳۱۷ / ۵ وَعَنْهُ قَالَ رُمِیَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فِیْ اَکْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرِمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِیَةَ۔

ان ہی سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ جان میں تیر[۱] لگا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیر کے پھل[۲] سے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس زخم کو داغ لگایا پھر وہ سوج گیا تو آپ نے اسے دوبارہ داغ لگایا۔

لے اسی جنگ (غزوۂ احزاب) میں۔
۲ے مشقص میم کے نیچے زیر، شین ساکن، قاف پر زبر، صراح میں ہے مشقص کا معنی ہے لمبا اور چوڑا تیر۔

۴۳۱۸ وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب کے پاس ایک طبیب بھیجا جس نے ان کی ایک رگ کاٹ دی، پھر حضرت اُبَی کی رگ پر داغ لگایا۔لے (مسلم)

لے حدیث صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی رگ جاں پر داغ لگایا، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شوکہ نامی بیماری کے سبب داغ لگایا (جس میں پہلے چہرہ پھر سارا جسم سُرخ ہو جاتا ہے) جیسے کہ دوسری فصل میں آئے گا۔

۴۳۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَآءِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَلسَّامُ الْمَوْتُ وَ الْحَبَّةُ السَّوْدَآءُ الشُّوْنِيْزُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔ابن شہاب زہری نے فرمایا: سام کا معنی موت اور اَلْحَبَّةُ السَّوْدَاء کلونجی ہے۔لے (صحیحین)

لے شُوْنِیز شین پر زبر یا پیش، اسے شینیز، شونوز اور شہنیز بھی کہا جاتا ہے۔اسی طرح قاموس میں ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: اگرچہ لفظِ حدیث عام ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کی شفاء ہے، لیکن یہ اس بیماری کے ساتھ خاص ہے جو رطوبت اور بلغم سے پیدا ہو، کیونکہ کلونجی گرم خشک ہے لہٰذا یہ ان بیماریوں کو دور کرے گی جو اس کی ضد ہیں (یعنی جو سردی اور تری کی پیداوار ہیں) بعض علماء نے کہا کہ یہ حدیث عموم پر محمول ہے اور کلونجی ہر مرکب دوا میں شامل کی جا سکتی ہے۔علامہ کرمانی نے کہا کہ عموم متعین ہے کیونکہ موت کا استثناء کیا گیا ہے، صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اکابر کی ایک جماعت تمام امراض میں کلونجی کا استعمال کرتی تھی اور بعض حضرات ہر بیماری میں شہد استعمال

کرتے تھے اور حسن اعتقاد کی برکت سے وہ بیماریاں دور ہو جاتی تھیں۔

۴۳۲۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِیْ اسْتَطْلَقَ بَطْنُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْقِہٖ عَسَلًا فَسَقَاہُ ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَہٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَآءَ الرَّابِعَۃَ فَقَالَ اسْقِہٖ عَسَلًا فَقَالَ لَقَدْ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰہُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ فَسَقَاہُ فَبَرِءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے[1]، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: اسے شہد پلاؤ، اُس نے شہد پلایا، پھر آکر کہنے لگا میں نے اسے پلایا لیکن شہد نے اس کے دست مزید بڑھا دیے ہیں آپ نے اسے تین مرتبہ یہی فرمایا[2] پھر وہ چوتھی مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ اُس نے کہا میں نے اسے شہد پلایا لیکن اُس نے تو اس کا پیٹ اور جاری کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰے نے سچ فرمایا[3] اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا[4] چنانچہ اسے شہد پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا[5] (صحیحین)

[1] ایک روایت میں ہے یَشْتَکِیْ بَطْنُہٗ اسے پیٹ کی بیماری ہے ——— اِشْتِکَاءٌ، شِکَایَۃٌ، شَکْوٌ اور شَکْوٰی کا معنیٰ بیماری ہے۔

[2] یعنی ہر دفعہ فرماتے کہ اسے شہد پلاؤ، وہ انہیں شہد پلاتے اور دستوں میں مزید اضافہ ہو جاتا، وہ آکر عرض کرتے کہ میں نے شہد پلایا مگر پیٹ کے چلنے میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

[3] یعنی اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد سچا ہے کہ فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ (شہد میں لوگوں کے لیے شفاء ہے) اکثر شارحین نے اسی طرح کہا ہے، بعض شارحین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ اس کے پیٹ کا علاج شہد پلانا ہے اور اسی میں اس کے لیے شفاء ہے، کہتے ہیں کہ یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شہد میں ہر بیماری کی شفاء ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔

۴ کہ اس نے غلطی کی اور شفاء کو قبول نہیں کیا، عرب غلطی کی جگہ جھوٹ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ غلط بات سننے پر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے کان نے جھوٹ کہا، یعنی اس نے خطا کی اور جو کچھ سنا اسے صحیح طور پر نہیں سمجھا، امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نور وحی کے ذریعے معلوم کر لیا کہ اس شخص کے پیٹ کے جاری ہونے میں شہد کا فائدہ ظاہر ہو کر رہے گا، جب وہ فوری طور پر ظاہر نہ ہوا تو فرمایا کہ پیٹ یا پیٹ والے کو فائدہ نہیں ہوا تو اس نے جھوٹ کہا، اس لحاظ سے اس پر جھوٹ کا اطلاق کیا۔

۵ یاد رہے کہ اس صورت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہد پلانے کا حکم دینے میں بعض لوگوں کو تردد اور حیرت لاحق ہے، کیونکہ شہد تو خود جلاب آور ہے اور پیٹ کو جاری کرنے والا ہے، لہٰذا دست کو روکنے کے لیے اس شخص کو شہد پلانے کا حکم دینا طبی مذہب کے خلاف ہے، اس لیے جب بھی اسے شہد پلایا گیا پیٹ زیادہ چلنے لگا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت اور آپ کے معجزہ کے ظہور کے طور پر خاص اس شخص کو شفاء حاصل ہو گئی ہو، دوسرے لوگوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (کہ انہیں بھی شہد پلانے سے دست رک جائیں گے) اگرچہ اہل ایمان کے لیے یہ بھی اچھا راستہ ہے، لیکن تحقیق اور نظر غائر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس صورت میں شہد پلانے کا حکم اطباء کے مذہب کے موافق اور کمال مہارت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اس شخص کو بدہضمی اور فاسد مادوں کی زیادتی کی وجہ سے دست آ رہے تھے کیونکہ شہد ان فاسد مادوں کے نکالنے کا سبب تھا اس لیے شہد پلانا اطباء کے مذہب کے مطابق ہوگا، کہتے ہیں کہ بار بار شہد پلانے کے حکم میں لطیف نکتہ ہے، کیونکہ دوا کی مقدار اتنی ہونی چاہیے جو بیماری کی حالت کے موافق ہو، اگر دوا اس مقدار سے کم ہو تو بیماری کو مکمل طور پر دور نہ کر سکے گی، اور اگر اس مقدار سے زیادہ دے دی گئی۔ تو قوی کو کمزور اور بیماری کو زیادہ کر دے گی، چونکہ ہر دفعہ اتنا شہد نہیں پلایا گیا جو بیماری کا مقابلہ کر سکتا اس لیے لازمی نتیجہ یہ نکلنا کہ دست زیادہ ہو جاتے، دوبارہ شہد پلانے کا حکم دیا تاکہ اس کی ضروری مقدار پوری ہو جائے، اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ کہا، پیٹ کے جھوٹ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں فاسد مادے زیادہ ہیں، اور جب آخری بار اتنی مقدار میں شہد پلایا گیا جو فاسد مواد نکالنے اور بیماری کے دور کرنے کے لیے کافی ثابت ہوا تو بالآخر اس کا فائدہ ظاہر ہو گیا۔

صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ طب نبوی کی اطباء کی طب سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ طب نبوی قطعی اور یقینی طور پر فائدہ مند ہے، کیونکہ یہ طب وحی الٰہی، مشکوٰۃ نبوت اور کمال عقل سے صادر ہے، جب کہ دوسروں کی طب عموماً تیزی فکر، ظن اور تجربہ سے ماخوذ ہے۔ جس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور اس سے خطرات بھی پیدا ہو سکتے ہیں، جس شخص کو طب نبوی سے فائدہ نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں یقین کر لینا چاہیے کہ یہ اس کے ایمان کی کمزوری کا شاخسانہ ہے۔ جو شخص صدق دل اور پاکیزہ عقیدے کے ساتھ آپ کے فرمان پر عمل کرے گا اسے ضرور فائدہ ہوگا، جیسے کہ قرآن کریم سینوں اور دلوں کی شفاء ہے جو شخص اسے اخلاص اور قبول کے ساتھ حاصل نہ کرے گا اس کی بیماری کی زیادتی کا سبب اور اس کے لیے وبال بن جائے گا، اس لیے بعض شارحین نے اس شخص کے پیٹ کے جھوٹ کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس کی نیت سچی نہ تھی اور خالص اعتقاد

نہ تھا (اور جب اسے خلوص اعتقاد میسر آیا تو شفا بھی حاصل ہو گئی ا ن ن) فافہم و باللہ التوفیق۔

۴۳۲۱
۹
وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہترین وہ چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو پچھنے لگانا اور قسط بحری[1] ہے۔ (صحیحین)

[1] قسط قاف پر پیش اور بے نقطہ سین ساکن مشہور دوائی ہے، سمندری نباتات کی جڑ ہے، خوشبو ہے، نفاس والی عورتیں اس کی دھونی لیتی ہیں، اس کے بہت فائدے ہیں، بند حیض اور پیشاب کو کھولتی ہے، زہروں کو دفع کرتی ہے، جماع کی شہوت کو برانگیختہ کرتی ہے، اس کے پینے سے پیٹ کے کیڑے ہلاک ہو جاتے ہیں، بعض بخاروں کو دور کرتی ہے، اس کی لیپ کرنے سے چہرے کے سیاہ داغ اور کیل دور ہو جاتے ہیں، اس کی دھونی زکام، جاڑے اور وبا کو فائدہ دیتی ہے، اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں جو طب کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، غالباً اسی بنا پر اسے بہترین دواؤں میں سے قرار دیا گیا ہے قسط کی دو قسمیں ہیں (۱) بحری (۲) ہندی، قسط بحری سفید ہے اور وہ ہندی سے بہتر ہے، اسے عربی بھی کہا جاتا ہے، روایات میں قسط ہندی بھی آیا ہے جس کی تفسیر عود ہندی سے کی گئی ہے، کُسط کاف کے ساتھ بھی کہتے ہیں، قسط کی نسبت ظفار کی طرف بھی کی جاتی ہے، ظفار سمندر کے کنارے یمن کا ایک شہر ہے جو ہندوستان کے قریب ہے، ہند ہی سے قسط وہاں لے جائی جاتی ہے۔

۴۳۲۲
۱۰
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی[1] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بچوں کے گلے آجائیں[2] تو تم انہیں دبا کر عذاب نہ دو تم قسط اختیار کرو[3]۔ (صحیحین)

[1] حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

[2] عُذْرَۃٌ بے نقطہ عین پر پیش، نقطے والا ذال ساکن، اس کے بعد راء، یہ ایک بیماری ہے جو خون کے جوش کی بنا پر بچوں کے گلے میں پیدا ہو جاتی ہے، دائیاں بچوں کے تالو کو انگوٹھے سے اس سختی سے دباتی ہیں کہ اس جگہ سے خون نکل آتا ہے (ظاہر ہے کہ یہ عمل بچے کے لئے بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ بچوں کے گلے آجائیں تو (ان کے تالو کو) دبا کر انہیں عذاب نہ دو۔

؎۵ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تشریف لائے تو اُن کے پاس ایک بچہ دیکھا جس کی ناک سے خون جاری تھا، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا یہ اسے گلے پڑے ہوئے ہیں یا اس کے سر میں درد ہے، فرمایا: تم پر افسوس! تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، جس عورت کے بچے کے گلے آجائیں یا اس کے سر میں درد ہو تو چاہیے کہ عود ہندی لے اور اسے (پیس کر) پانی میں حل کرے اور بچے کی ناک میں ٹپکائے اسی طرح کیا گیا بچہ تندرست ہو گیا، ناک میں دوا ٹپکانے کو سعوط کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ مریض کو پشت کے بل لٹا دیا جائے سر نیچا کر دیا جائے اور دوا کو پانی کی طرح رقیق کرکے ناک میں ٹپکا دیا جائے تاکہ دماغ تک پہنچ جائے، دوائی جب دماغ تک پہنچے گی تو چھینک کے ذریعے بخارات باہر نکل جائیں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سعوط کے ذریعے علاج کی تعریف کی ہے اور خود بھی اسے استعمال میں لاتے تھے، بعض اطباء نے گلے پڑ جانے کا علاج عود ہندی سے بعید قرار دیا ہے، انہوں نے کہا کہ عود ہندی گرم ہے، اور گرمی کے سبب سے ہی بچوں کو گلے پڑتے ہیں خصوصاً حجاز میں کہ وہ علاقہ ہی گرم ہے۔ علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ گلے پڑنے کا سبب وہ خون ہوتا ہے جس پر بلغم غالب ہوتی ہے لہٰذا عود ہندی کے ساتھ علاج اس کے موافق ہوگا کیونکہ قسط (عود ہندی) خشک کرنے والی ہے (بلغم کو خشک کر دے گی) اور عضو کو تقویت دیتی ہے کبھی دوا اپنی خاصیت کی بنا پر فائدہ دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ از قبیل معجزات ہو۔

۴۳۲۳ وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَا تَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعِلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِّنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اُم قیس رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم گلے آنے سے اپنی اولاد کو کیوں دباتی ہو؟[1] تم عود ہندی کو اختیار کرو، کیونکہ اس میں سات شفائیں ہیں ان میں سے ایک ذات الجنب[2] (نمونیا) ہے گلے آنے سے یہ دوا ناک میں ڈالی جائے[3] اور ذات الجنب ہو تو منہ میں ٹپکائی جائے۔ ([illegible])

؎۱ دغر بے نقطہ دال، نقطے والی غین، گلے آنے پر انگلی سے تالو کو دبانا، یا حلق پھیرنا گزشتہ حدیث میں دبانے سے منع فرمایا، اس حدیث میں بھی بطور انکار فرمایا کہ کیوں دباتی ہو اور بچوں کے گلوں کو نیچے کرتی ہو۔

عَلاق عین پر زبر، بعض نسخوں میں اس کے نیچے زیر اور اس کے اوپر پیش بھی لکھا ہے، بعض نسخوں میں بجائے العُلُق بھی آتا ہے، اس کا معنی وہی ہے جو ابھی دغر کا بیان ہوا ہے، بعض روایات میں اِعلاق ہے ہمزہ کے نیچے زیر، باب افعال سے کہتے ہیں کہ یہ روایت

زیادہ بہتر اور موزوں ہے پہلی روایت بخاری اور مسلم میں آئی ہے اور دوسری روایت صرف مسلم میں آئی ہے اس کے باوجود دوسری روایت کے زیادہ مشہور ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے، اعلاق کا معنی وہی علاج ہے جو اس سے پہلے بیان ہوا، بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس اعلاق کا معنی ہے علوق کا دور کرنا اور زائل کرنا، علوق کا معنی ہے مصیبت اور حادثہ اور اگر اعلاق کا معنی عَلَق کا ازالہ کیا جائے اور عَلَق کا معنی ہے منجمد خون تو اس کی بھی گنجائش ہے ——— تالو کے دبانے سے منع کرنے کے بعد خود اس کا علاج تجویز فرمایا: ۔ (جیسے کہ اس کے بعد ارشاد ہے ۔

۲؎ یعنی سات بیماریوں کے لیے شفا ہے ۔

۳؎ ذات الجنب، یہ سینے کے اطراف میں گرمی کی بنا پر پیدا ہونے والا ورم ہے، یہ ورم باطنی پٹھوں اور اس پردے میں ہوتا ہے جو غذا اور سانس کے آلات کے درمیان حائل ہوتا ہے، یہ اس ورم کا خاص نام ہے یہ بڑی سخت اور خوفناک قسم ہے، یا بیرونی اور ظاہری پٹھوں یا بیرونی پردے اور جلد میں ورم پیدا ہوتا ہے[۱] ذات الجنب کی بنا پر لاحق ہونے والے عوارض یہ ہیں گرمی کا بخار، کھانسی، ضیق النفس (سانس کا پھولنا) اتنا شدید درد جیسے کوئی سوئی چبھو رہا ہو، پیاس، ذہنی اختلاط، یہ بیماری نہایت سخت اور مہلک بیماریوں میں سے ہے، اس کا علاج دقت سے خالی نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا علاج قسط بحری سے تجویز فرمایا، دوسری فصل میں امام ترمذی کی روایت کردہ حضرت زید بن ارقم کی حدیث آئے گی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا علاج قسط بحری اور زیتون کے ساتھ کیا ۔

مخفی نہ رہے کہ قسط بحری کے فوائد بہت ہیں، جیسے کہ ان میں سے کچھ بیان کیے گئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے سات کی طرف اشارہ فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سات سے زیادہ فوائد نہ ہوں، ہو سکتا ہے کہ سات بڑے اور اہم فائدے ہوں۔ اسی لیے خاص طور پر ذات الجنب کا ذکر فرمایا جو کہ شدید اور مہلک بیماری ہے، بعض شارحین نے کہا ہے اس جگہ سات سے مراد کثرت ہے، خاص عدد مراد نہیں ہے کلام عرب میں ستر کی طرح سات بھی کثرت کے لیے مستعمل ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم ——— اس کے بعد قسط بحری کے ساتھ ذات الجنب اور گلے آنے کے علاج میں فرق بیان فرمایا ۔

۴۳۲۴ (۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ ۔

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بخار دوزخ کی بھڑاس سے ہے ۔[۱] لہذا اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو[۲]

[۱] غیاث اللغات میں ہے ذات الجنب جیم پر زبر اور نون ساکن، یہ حجاب میں پیدا ہونے والا ورم ہے، اور حجاب، دل اور معدے کے درمیان ایک پردہ ہے یہ ورم کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ہوتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ درد کے ساتھ ساتھ بخار اور ضیق النفس ہوتا ہے ۔ ۱۲ شرف قادری نقشبندی ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ بخار کی گرمی کو دوزخ کی آگ سے تشبیہ دینا مقصود ہے، یعنی بخار اس کی نشانی اور اس کا نمونہ ہے، بعض حضرات کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے جیسے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جہنم کی آگ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گرمی کی شدت کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بعض نے بعض کو کھا لیا ہے تو اسے سانس لینے کی اجازت دی گئی، گرمیوں کی تپش اسی کا اثر ہے اور اسی لیے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ بخار کی تپش بھی اسی کا اثر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؎ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرو ——— ابردوھا کو دو طرح پڑھا گیا ہے (۱) ہمزہ وصلی اور راء کے پیش کے ساتھ، باب نصر سے (اُبْرُدُوْھَا) (۲) ہمزہ قطعی اور راء کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا ہے، (اَبْرِدُوْھَا) علامہ طیبی نے جوہری سے نقل کیا ہے کہ یہ ضعیف لغت ہے۔

یاد رہے کہ یہ علاج بھی طبیبوں کی عقل کے حساب سے باہر دکھائی دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ بخار کا مریض اگر ٹھنڈا پانی استعمال کرے تو اسے نقصان پہنچے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب، اہل حجاز کے ساتھ مخصوص ہے اور اکثر اور اغلب اوقات کے لحاظ سے ہے، کیونکہ انہیں عام طور پر جو بخار آتا ہے وہ روزانہ چڑھنے والا بخار ہوتا ہے جو سورج کی سخت گرمی یا گرم دوا کے استعمال یا بہت تیز حرکت یا غصے یا بیداری کی بنا پر ہوتا تھا اور اس پر شک نہیں کہ صفراوی بخار کے لیے پانی کی ٹھنڈک پہنچانا فائدہ مند ہے۔

البتہ اس سے اختلاف ہے کہ پانی سے ٹھنڈا کرنے کی یہی صورت ہے کہ مریض کو پانی پلایا جائے یا غسل کرنے کو بھی شامل ہے بعض محدثین کہتے ہیں کہ پینے اور غسل کرنے دونوں کو شامل ہے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو تپ آجائے تو اس پر تین رات سحری کے وقت پانی ڈالا جائے، ایک دوسری حدیث مسند امام احمد میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخار ہوتا تو پانی کا مشکیزہ طلب فرماتے، پانی سر مبارک پر ڈالتے اور غسل فرماتے۔ جامع ترمذی میں ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو تپ آجائے اور تپ نہیں ہے مگر آگ کا ایک ٹکڑا، تو چاہیے کہ اسے ٹھنڈے پانی سے ٹھنڈا کرے، اور چاہیے کہ چلتی ہوئی نہر کے پاس جائے اور فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے پانی کے چلنے کی جانب کا استقبال کرے (یعنی جدھر سے پانی آرہا ہو اس طرف منہ کرکے کھڑا ہو جائے ۲ ا ق ن) اور بسم اللہ پڑھ کر کہے یا اللہ! اپنے بندے کو شفا عطا فرما اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچا کر دکھا، یعنی اس علاج کے سلسلے میں جو آپ نے فرمایا ہے اور چلتے ہوئے پانی میں تین بار غوطہ لگائے، تین دن تک یہی عمل کرے (الحدیث) ان احادیث سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنا غسل کو بھی شامل ہے، اور چونکہ اس جگہ صفراوی بخار مراد ہے جو گرم مزاج والوں کو حرارت کی شدت کے اعتبار سے لاحق ہوتا ہے تو اسے ٹھنڈا کرنے میں بھی شدت ہو گی۔

علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صفراوی بخار کو ٹھنڈا پانی پلا کر اور مریض کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جائے، بخار کا یہ علاج نہایت فائدہ مند ہے، آگ کو بجھانے اور اس کے شعلے کو سرد کرنے کے لیے یہ زود اثر عمل ہے، حکم

یہی ہے کہ پانی سے بخار کی شدت کو کم کیا جائے اور اسے ٹھنڈا کیا جائے، اطبا اس بات کے قائل ہیں کہ صفراوی بخار کے مریض کو ٹھنڈا یخ پانی اور برف پلائی جائے اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی سے دھوئے جائیں (آج کل جب بخار ہو تو ڈاکٹر دودھ سوڈا پلانے اور برف کی پٹیاں ماتھے اور ہاتھ پاؤں پر رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں ۱۲ ق ن) حضرت اسماء یا حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تپ کی ایک مریضہ کو دیکھا تو انہوں نے اس کے پہلو میں ٹھنڈا پانی انڈیل دیا، اور یہ حدیث بیان کی، حضرت عائشہ اور دیگر صحابیات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد کو زیادہ جانتی ہیں، امام احمد کی روایت کردہ حدیث[1] مذکور کا جواب دیتے ہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اسی لیے اس کے آخر میں فرمایا کہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان سچ کر دکھا (طیبی)

پانی کے چھڑکنے سے صراحتہً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشکیزے کے پانی سے غسل کیا، یہ روایت پہلے گزر چکی ہے، یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہوگی[2] انصاف یہ ہے کہ جب ٹھنڈے یخ پانی اور برف کے پانی کا پلانا اور ہاتھ پاؤں کا دھونا علاج ہے، تو حرارت کے زیادہ شدید ہو جانے کی صورت میں غسل بھی درست اور علاج ہو تو کیا حرج ہے؟ تحقیق و تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ دھوپ کی تمازت سے پیدا ہونے والے صفراوی بخار کے لیے ٹھنڈے پانی سے نہانا مفید ہے۔

۲۳۲۵
۱۳
وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم کرنے کی اجازت دی، نظر بد، ڈنک[1] اور اندھوریوں[2] سے۔ (مسلم)

[1] حُمَۃٌ بے نقطہ حا پر پیش، میم مخفف، زہریلا ڈنک، اس سے مراد بچھو کا ڈنک ہے، سانپ کا ڈسنا اس کے حکم میں ہے، بعض روایات میں ڈنک کے مقابل ڈسنے کا ذکر ہے۔

[2] نَمْلَۃٌ پہلو اور جسم کے دوسرے حصوں پر نکلنے والی پھنسیاں (چھپاکی) چونکہ یہ چیونٹیوں کی طرح انہی کی رفتار کے ساتھ جسم پر

---

[1] ممکن ہے علامہ طیبی نے یہ حدیث امام احمد کے حوالے سے نقل کی ہو، حضرت شیخ محقق ت عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے تو یہ حدیث جامع ترمذی کے حوالے سے بیان کی ہے، جیسے کہ ابھی چند سطور پہلے گزری ہیں، چونکہ علامہ طیبی نے صفراوی بخار کے مریض کو پانی پلانے اور اس کے ہاتھ پاؤں دھونے کا ذکر کیا ہے اس لیے انہیں تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ۱۲ ق ن۔

[2] حالانکہ حضرت شیخ محقق قدس سرہ امام احمد کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشکیزے کے پانی سے غسل کرنے کی تصریح نقل کر چکے ہیں پھر خصوصیت قرار دینے کی کیا وجہ ہے ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

پھیل جاتی ہیں اس مشابہت کی بنا پر انہیں نَمْلَۃ کہا گیا ہے (نَمْلَۃ چیونٹی کو کہتے ہیں)

یاد رہے کہ تمام بیماریوں اور تکلیفوں میں دم کرنا جائز ہے، ان تین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، خاص طور پر ان عوارض کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری بیماریوں کی نسبت ان تین میں دم زیادہ مناسب اور مفید ہے، بعض روایات میں حصر بھی آیا ہے کہ دم نہیں ہے مگر ان تین چیزوں میں اس کا محمل بھی یہی تاویل ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے چونکہ جاہلیت کے الفاظ سے دم کیا جاتا تھا اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم کرنے سے منع فرمایا تھا، بعد ازاں ان تین چیزوں میں دم کرنے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ یہ دم بڑا اہم تھا اور لوگوں کو اس کا فائدہ بہت تھا، پھر مطلقاً اجازت دے دی (بشرطیکہ اس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں اور نہ ہی ایسے کلمات ہوں جن کا معنیٰ نامعلوم ہو، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا ۱۲ قادری)

۴۳۲۶/۱۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نظرِ بد سے دم کروائیں[1]

(صحیحین)

[1] اس صورت میں نَسْتَرْقِیَ نون کے ساتھ ہے صیغہ متکلم مع الغیر معلوم اَنْ یُسْتَرْقٰی یاء کے ساتھ صیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے، یعنی حکم دیا کہ نظرِ بد سے دم کیا جائے۔ غالباً امر اباحت مراد ہے یعنی دم کرنے اور کرانے کی اجازت ہے۔

گزشتہ حدیث میں تین چیزوں کے خصوصی طور پر ذکر کرنے کی جو وجہ ہے وہی اس حدیث میں خاص طور پر نظرِ بد کے ذکر کی ہے۔

۴۳۲۷/۱۵ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِهَا جَارِيَةً فِيْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِيْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک کنیز دیکھی جس کے چہرے پر زردی[1] چھائی ہوئی تھی، فرمایا: اسے دم کراؤ کیونکہ اسے نظر لگی ہوئی ہے[2]

(صحیحین)

[1] سَفْعَۃٌ بے نقطہ سین پر زبر، فاء ساکن اور بے نقطہ عین ——— چہرے کی زردی جو کہ نظرِ بد کی علامت تھی سَفْعَۃٌ کے کئی معانی ہیں (۱) علامت (۲) مارنا (۳) تھپڑ مارنا (۴) نظرِ بد (۵) آگ اور لو کا چہرے کو جھلسا دینا۔ سُفْعَۃٌ سین پر پیش، چہرے کی سرخی مائل سیاہی، راوی نے جو زردی کے ساتھ تفسیر کی ہے تو یہ علامت والے معنی کے مناسب ہے، یا انہوں نے مارنے یا تھپڑ یا نظرِ بد کے اثر کے

ساتھ تفسیر کی ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔

۲؎ تاکہ اس کی بیماری دور ہو۔

۳؎ ظاہر حدیث مطلق ہے کہ اس لونڈی پر جن کی نظر کا اثر تھا یا انسان کی نظر کا، لیکن شارحین نے اس کی تفسیر جن کی نظر سے کی ہے اور کہتے ہیں کہ جنات کی نظر انسان کی نظر سے زیادہ تیز ہے، بعض حواشی میں تردد کا اظہار کیا ہے کہ جن کی نظر تھی یا انسان کی، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے، وہاں ایک بچہ تھا اس کے بارے میں کہا گیا کہ اسے نظر لگ گئی ہے فرمایا: اسے نظر بد کا دم کیوں نہیں کرتے؟

۴۳۲۸ / ۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَآءَ اٰلُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَقَالَ اعْرِضُوْهَا فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَرٰى بِهَا بَاْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دم پھونک سے منع فرمایا، تو عمرو بن حزم کے گھر والوں نے آ کر عرض کیا[1] یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک دم تھا جس کے ساتھ ہم بچھو کے ڈنک سے دم کرتے تھے، آپ نے تو دم پھونک سے منع فرما دیا ہے، فرمایا: اسے پیش کرو، انہوں نے پیش کیا[2] تو فرمایا: ہم اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے،[3] تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع دے سکے وہ اسے نفع دے[4] (مسلم)

۱؎ ان کا کام ہی دم پھونک تھا۔

۲؎ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے ساتھ دم کرنا درست ہے یا نہیں۔

۳؎ انہیں اجازت دے دی اور فرمایا۔

۴؎ جس طرح بھی ہو سکے خواہ دم کے ذریعے ہو یا اس کے علاوہ، بشرطیکہ اس میں شرعی ممانعت نہ پائی جائے۔

۴۳۲۹ / ۱۷ وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا

حضرت عوف بن مالک اشجعی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دور جاہلیت

نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں دم کیا کرتے تھے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! دم کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے[۲]؟ فرمایا: تم اپنے دم ہمارے سامنے پیش کرو[۳] دم پھونک میں حرج نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو[۴] (مسلم)

[۱] حضرت عوف بن مالک اشجعی صحابی ہیں، وہ پہلے پہل خیبر میں حاضر ہوئے فتح مکہ کے دن بنو اشجع کا جھنڈا ان کے پاس تھا، شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۳ھ میں رحلت ہوئی۔

[۲] کہ ہم دم کریں یا نہ؟

[۳] تاکہ ہم دیکھیں کہ ان کے معنی کیا ہیں؟ تاہم قاعدہ کلیہ یہ ہے (جو اس کے بعد بیان فرمایا)

[۴] جب تک کہ اس میں ایسی چیز نہ ہو جس سے شرک و کفر لازم آئے، یعنی جنوں اور شیطانوں کے نام نہ ہوں، اور اس کے معانی سے کفر لازم نہ آئے، اسی لیے کہتے ہیں جس کا معنی معلوم نہ ہو اس کے ساتھ دم نہیں کرسکتے، ہاں اگر وہ کلمات شارع علیہ السلام سے نقل صحیح کے ساتھ منقول ہوں تو ان کے ساتھ دم کرسکتے ہیں)

علماء کرام کہتے ہیں کہ جنوں کو چونکہ طبعی طور پر انسانوں سے دشمنی ہے اس لیے شیاطین کے ساتھ ان کی دوستی ہے، جب شیاطین کے ناموں سے دم وغیرہ کیا جائے تو جنات ان کی تعمیل کرتے ہیں اور اپنی جگہ سے باہر چلے جاتے ہیں، یہی حال سانپ کے ڈسے ہوئے آدمی کا ہے، کیونکہ یہ بھی بعض اوقات جن کا اثر ہوتا ہے، جن سانپ کی صورت میں آکر ڈس لیتا ہے، جب شیطانوں کے نام پر مشتمل منتر پڑھا جاتا ہے تو زہر انسانی جسم سے نکل جاتا ہے، اور اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اگر خاص طور پر قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے بغیر دم کیا جائے تو مکروہ ہے، مختصر یہ کہ علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بغیر دم کرنا مکروہ ہے، سب سے بڑا دم قرآن کریم ہے، اور اس میں سے افضل سورۂ فاتحہ، معوذتین (آخری دو سورتیں) آیۃ الکرسی اور وہ آیات ہیں جو استعاذہ کے معنیٰ (اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے) اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینے والے کلمات پر مشتمل وہ دعائیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں، وہ دعائیں احادیث صحیحہ میں ثابت ہیں اور کتب حدیث میں مذکور ہیں، ان میں سے کچھ دعائیں کتاب سفر السعادۃ میں لائے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی کی نظر اپنے مال، بیٹے یا کسی بھی پسندیدہ چیز پر پڑے تو اسے کہنا چاہیے مَا شَاءَ اللهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا، نہیں ہے طاقت مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک خوبصورت لڑکے کو دیکھا تو فرمایا کہ اسکی

ٹھوڑی پر سیاہی لگا دو تاکہ اسے بھی نظر نہ لگے، حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ اس میں حرج نہیں کہ قرآن پاک لکھا جائے اور اسے دھو کر پانی بیمار کو پلایا جائے، اس سے مراد مطلق قرآن (قرآن پاک کی کوئی سی آیت) ہے۔ یا وہ آیات جو شفاء کے معانی پر مشتمل ہیں یا وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہیں اور یہی (آخری احتمال) زیادہ مناسب ہے، مشہور دم آیات شفاء ہیں۔

شیخ امام ابوالقاسم قشیری سے منقول ہے کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہوگیا، یہاں تک کہ وہ موت کے دہانے پر پہنچ گیا، اس کی حالت بڑی نازک ہوگئی، مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے آپ کی بارگاہ میں بیٹے کی حالتِ زار عرض کی تو فرمایا: تم آیاتِ شفاء سے کیوں دور ہو؟ بیدار ہونے پر میں نے قرآن پاک پر آیات شفاء تلاش کیں، جو مجھے چھ مقامات پر ملیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱- وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (۹/۱۴) اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔

۲- وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) اور دلوں کی صحت

۳- يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۱۶/۶۹) اس (شہد کی مکھی) کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز، رنگ برنگ نکلتی ہے، جس میں لوگوں کی تندرستی ہے۔

۴- وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷/۸۲) اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

۵- وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (۲۶/۸۰) اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

۶- قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ (۴۱/۴۴) تم فرماؤ وہ (قرآن شریف) ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

میں نے یہ آیات لکھیں اور انہیں پانی میں دھو کر اپنے بیٹے کو پلایا تو وہ اسی وقت تندرست ہوگیا، جیسے اس کے پاؤں سے بیڑی کھول دی گئی ہو، اسی طرح مواہب لدنیہ میں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) اور ہم قرآن میں وہ چیز اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے، قاضی بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں آیاتِ شفاء کی طرف اشارہ کیا ہے، سعد چلپی نے حاشیہ بیضاوی میں آیات مذکورہ کا تعین کیا ہے اور استاد ابوالقاسم قشیری کا واقعہ نقل کیا ہے، یہ بھی بیان کیا کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا، مذکورہ آیات کے بیمار پر پڑھنے اور چینی کے برتن میں لکھ کر اسے پانی سے دھونے اور اس پانی کے مریض کو پلانے کا ذکر بھی کیا، شیخ تاج الدین سبکی سے نقل کیا کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو بیمار کی صحت کے لیے یہ آیات لکھتے تھے، راقم الحروف[۱] نے

---

۱ حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ۔

بھی حضرت شیخ عبد الوہاب متقی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بیماروں کے لیے اس عمل کا مشاہدہ کیا۔۔۔ رہی یہ بات کہ اس سے پہلے جو حصے نقل کیے گئے ہیں وہ آیات کے اجزاء ہیں، یہی لکھے جائیں یا پوری آیات لکھی جائیں؛ تو جو کچھ دیکھنے میں آیا ہے وہ ان ہی اجزاء کا لکھنا ہے۔

۴۲۳۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا۔
۱۸

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر حق ہے[1] اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جا سکتی[2] تو نظر سبقت لے جاتی[3] اگر تم سے (اعضاء کے) دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو دو[4]

(مسلم)

[1] نظر کا لگنا اور آدمی اور ہر اس چیز پر اثر انداز ہونا جسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقع اور حق ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت بعض نفوس میں رکھی ہے جیسے کہ جادو میں تاثیر رکھی ہے۔ اور عادت الٰہیہ کے مطابق نظر اس چیز کے نقصان اور ہلاکت کا سبب بنا دی ہے۔

[2] بعض روایات میں ہے لَوْ کَانَ اگر کوئی چیز تقدیر الٰہی سے سبقت لے جا سکتی ہے اور اس پر غلبہ پا سکتی۔

[3] ایک روایت میں ہے کہ لَسَبَقَتْهُ تو نظر تقدیر پر سبقت لے جاتی اور اسے تبدیل کر دیتی، نظر کی تاثیر کی شدت اور اشیاء میں تیزی کے ساتھ اس کے اثر انداز ہونے کے بطور مبالغہ بیان کیا گیا ہے۔

[4] لوگوں کی عادت تھی کہ جس کی نظر لگی ہو اسے کہا جاتا کہ وہ ہاتھ پاؤں اور اپنا ستر دھوئے اور جسے نظر لگی ہوتی اس پر وہ پانی ڈال دیتے اور اسے شفا کا سبب جانتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بارے میں اجازت عطا فرمائی[1] اشیاء میں جو خاصیتیں رکھی گئی ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا کم از کم حاصل ہونے والا فائدہ یقینی ہے

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عوام میں مشہور ٹوٹکے اگر خلاف شرع نہ ہوں تو ان کا بند کرنا ضروری نہیں، دیکھو نظر والے کے ہاتھ پاؤں دھو کر منظور کو چھینٹا مارنا عرب میں مروج تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا، ہمارے ہاں تھوڑی سی آٹے کی بھوسی یعنی سرخ مرچیں منظور پر سات بار گھما کر سر سے پاؤں تک پھر آگ میں ڈال دیتے اگر نظر ہوتی ہے تو جس نہیں اٹھتی اور رب تعالیٰ شفا دیتا ہے، جیسے دواؤں میں نقل کی ضرورت نہیں تجربہ کافی ہے، ایسے ہی دعاؤں اور ایسے ٹوٹکوں میں نقل ضروری نہیں خلاف شرع نہ ہوں تو درست ہیں اگرچہ ماثورہ دعائیں افضل ہیں ۱۲ مرآۃ۔

کر وہم دور ہو جاتا ہے ، وہ امور تو بہر حال ثابت ہیں جنہیں شارع علیہ السلام کی تائید و تجویز حاصل ہے ــــ اعضاء کے دھونے کا طریقہ دوسری فصل کے آخر میں حضرت ابو امامہ کی حدیث میں آ جائے گا۔

اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ نظر بد کی حقیقت اور اس کی کیفیت کیا ہے ؟ جمہور علماء اہلِ حق اس امر کے قائل ہیں کہ جن اشیاء کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے خواہ وہ جان ہو، مال ہو یا کوئی دوسری چیز اسے نظر کا لگنا اور نظر کا نقصان پہنچانا ثابت اور برحق ہے ، اگر معتزلہ وغیرہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں، جیسے کہ دعا اور صدقے کی تاثیر کا انکار کرتے ہیں کہ تقدیر میں جو کچھ فیصلہ ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا کسی دوسری چیز کا اس میں دخل نہیں ہے، یہ نہیں جانتے کہ تقدیر، عالم اسباب کے منافی نہیں ہے ، جیسے کہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت ہو چکی ہے ، نظر کی تاثیر اور اس کے سبب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت اس میں رکھی ہے اور اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس میں پیدا فرمائی ہے اور اسے سبب بنایا ہے جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے اَلْعَیْنُ حَقٌّ نظر برحق ہے ، یعنی یہ امر ممکن ہے اور جب شارع علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے تو اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے ۔

علمائے دین نے نظر کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کی ہے کہ وہ کس طرح لگتی ہے اور کس طرح نقصان پہنچاتی ہے بعض نظر والوں سے منقول ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ سے حرارت نکل رہی ہے ، بعض علماء نے کہا ہے کہ نظر والے کی آنکھ سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے ، جس سے درمیانی ہوا متکیف ہو جاتی ہے ، وہ ہوا منظور کے جسم سے لگتی ہے تو اس کی ہلاکت اور فساد کا سبب بن جاتی ہے جیسے کہ سانپ اور بچھو کی زہر، ڈسے ہوئے آدمی تک پہنچ کر اسے نقصان پہنچاتی ہے ، کچھ سانپوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صرف ان کے دیکھنے سے زہر پہنچ جاتا ہے اور ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے ۔ مختصر یہ کہ نظر والے کی طرف سے تیر ایسی چیز منظور کی طرف جاتی ہے ، اگر حفاظت کرنے والی کوئی چیز درمیان میں مانع نہ ہو تو پہنچتی ہے اور اثر انداز ہوتی ہے ، اگر درمیان میں حرز، تعویذ اور دعا ایسا مانع موجود ہو تو اثر نہیں کرتی اور اگر حفاظت کرنے والی چیز سخت اور طاقتور ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ نظر والے کی طرف پلٹ جائے ، جیسے کہ ڈھال اگر سخت اور مضبوط ہو تو تیر مارنے والے کی طرف بھی پلٹ جاتا ہے ، جیسے کچھ لوگوں میں نظر بد کی قوت اور خاصیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح با کمال نفوس کو اس کے دفع کرنے کی قوت بھی دی ہوئی ہے ۔ بعض اہلِ علم نے کہا کہ کسی بھی چیز کو نظر اس وقت لگتی ہے جب وہ کمال کو پہنچ جائے ہر (ممکن کے) کمال کے پیچھے نقص اور زوال ہے ، چونکہ نظر لگنے کے بعد تقدیر ظاہر ہوتی ہے اس لئے نظر کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے [1]

---

[1] محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ (فیصل آباد) فرمایا کرتے تھے کہ بری نظر بھی لگتی ہے اور اچھی نظر بھی، باقی حاشیہ آئندہ صفحہ

# اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۳۳۱ / ۱۹ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَآءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَآءً غَيْرَ دَآءٍ وَّاحِدٍ اَلْهَرَمُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت اسامہ بن شریک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہم دوا استعمال کریں[2]؟ فرمایا: ہاں! اے اللہ کے بندو! دوا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں رکھی[3] مگر اس کے لیے شفاء رکھی ہے[4] سوائے ایک بیماری کے بڑھاپا ہے[5]۔ (امام احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[1] اسامہ بن شریک لفظوں والے شین پر زبر، رار کے نیچے زبر، صحابی ہیں اہل کوفہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔

[2] کیا ہم طب کا اعتبار کریں اور علاج معالجہ کریں؛ یا اسے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔

[3] اور پیدا نہیں کی۔

[4] جو اس بیماری کے لیے شفاء کا سبب ہے۔

[5] اور وہ لاعلاج مرض ہے۔

۴۳۳۲ / ۲۰ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی

حضرت عقبہ بن عامر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ ہمیں بھی حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہ کی نظر لگ گئی تھی چنانچہ ہم سکول کالج چھوڑ کر بریلی شریف پہنچ گئے اور علوم دینیہ حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے (اھ) شیخ المشائخ مرشد نا و مرشد العصر حضرت اخندزادہ سیف الرحمن صاحب مدظلہ تعالیٰ پیر ارچی کی نگاہ کیمیا اثر کی بدولت لاکھوں افراد ذکر و فکر کی کیفیات سے سرشار اور اتباع شریعت کا پیکر بن چکے ہیں، تین ہزار سے زیادہ افراد وہ ہیں جو سلسلہ نقشبندیہ کے سلوک کا نصاب طے کر کے اجازت و خلافت سے سرشار ہو چکے ہیں اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دے رہے ہیں ایسے حضرات بھی بکثرت ہیں جنہوں نے سلاسل اربعہ کا سلوک مکمل کر کے سند خلافت حاصل کی ہے (محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی)

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُمْ وَ يَسْقِيْهِمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے ۳؎ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ عقبہ بن عامر مشہور صحابی ہیں، ان کے احوال کئی بار لکھے جا چکے ہیں،

۲؎ مشروب (پانی وغیرہ) کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کھانے کے تابع ہیں۔

۳؎ یعنی اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرماتا ہے اور اس چیز کے ساتھ امداد دیتا ہے جو کھانے اور پانی کی طرح تقویت دیتی ہے، قوت و طاقت کا برقرار رہنا کھانے پینے سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے، خلاصہ یہ کہ نفس انسانی ایسی چیز کے ساتھ مصروف ہے کہ اسے کھانے کی حاجت نہیں ہے، اگر حسب معمول حرارت غریزی کے ذریعے جسم کی ردی رطوبتوں کو زائل کردے تو وہی کافی ہے۔

۴۳۳۳ (۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوٰى اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لالی کی بیماری ۱؎ کی بنا پر حضرت اسعد بن زرارہ کو داغ دیا۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ یہ ایک بیماری ہے جس میں (پہلے تو چہرہ سرخ ہوتا ہے پھر) تمام جسم پر سرخی پھیل جاتی ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس بیماری کی بنا پر کس جگہ داغ لگایا گیا۔

۴۳۳۴ (۲۲) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ.

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ذات الجنب (نمونیہ) کا قسط بحری اور زیتون سے علاج کریں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

(ترمذی)

۴۳۳۵ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔ ۲۳

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذات الجنب کے علاج کے طور پر زیتون اور ورس[1] کی تعریف فرماتے تھے۔

(ترمذی)

[1] ورس واؤ پر زبر، را ساکن، زعفران ایسی زرد گھاس جس کے ساتھ رنگ دیتے ہیں ــ ظاہر یہ ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ نمونے کا علاج بطور خوراک ہوگا۔

۴۳۳۶ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ الشِّفَآءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا۔ ۲۴

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حضرت اسماء بنت عمیس[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب لیتی ہو؟[2] انہوں نے عرض کیا شبرم[3] سے فرمایا: گرم ہے، گرم ہے[4] پھر میں نے سنا[5] سے جلاب لیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی چیز میں موت سے شفا ہوتی تو سنا میں ہوتی[6]

(ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] اسماء بنت عمیس عین پر پیش، میم پر زبر تصغیر، خوب رو اور دانشور خاتون (صحابیہ) پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، بعد ازاں حضرت ابو بکر صدیق کے عقد میں آئیں، ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کی رفیقۂ حیات رہیں، اور ان کے شکم سے تینوں صحابہ کرام کے صاحبزادے پیدا ہوئے۔

[2] مَشِیٌّ میم پر زبر، شین کے نیچے زیر اور یا مشدد، فَعِیْلٌ جلاب لانے والی دوا

کو کہتے ہیں ۔ مَشْیٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ راستے پر چلنا ہے ، جلاب آور دوا انسان کو قضائے حاجت کیلئے چلنے پر مجبور کر دیتی ہے ۔

؎۳ شبرم نقطے والے شین پر پیش ، باء ساکن اور راء پر پیش ، جلاب آور گھاس ، بعض علماء نے کہا کہ وہ ایک دانہ ہے جسے پکایا جاتا ہے اور اس کا پانی پیا جاتا ہے ، سفر السعادۃ میں ہے کہ حجاز کی معروف گھاس جس کا چھلکا اور جڑ کام آتی ہے ۔

؎۴ حَارٌّ جَارٌّ یہ از قبیل اتباع ہے جس کا معنی یہ ہے کہ با معنی لفظ کے بعد اس کے ساتھ ملتا جلتا کوئی لفظ مبالغہ کے لیے لایا جاتا ہے جیسے حَسَن بَسَن (اور روٹی شوٹی) بعض شارحین نے دونوں کو حاء کے ساتھ پڑھا ہے ۔ بہر صورت معنی یہ ہے کہ شبرم بہت گرم ہے ، کہتے ہیں کہ چوتھے درجے میں گرم ہے ، اطباء نے خطرے اور جلابوں کی کثرت کی بنا پر اس کے استعمال سے منع کیا ہے ۔

؎۵ سنا سین پر زبر آخر میں الف مقصورہ ، بعض نے الف ممدودہ بھی پڑھا ہے ، خطۂ حجاز میں پیدا ہونیوالی ایک بوٹی ہے ، اس کی بہترین قسم سنا مکی ہے ، یہ عمدہ قسم کی دوا ہے جس میں نقصان کا کوئی خوف نہیں ہے ، اعتدال کے قریب اور درجہ اول میں گرم ہے ، صفراء ، سوداء اور بلغم کو جلاب کے ذریعے خارج کر دیتی ہے ، دل کو تقویت دیتی ہے ، سوداوی وسوسوں کو دور کرنے میں فائدہ دیتی ہے ۔

؎۶ یعنی مردے کو زندہ کر دیتی ہے یا جو اسے کھاتا کبھی نہ مرتا ۔

؎۷ سنا کی تعریف اور مختلف بیماریوں سے اس کے شفاء دینے کا بطور مبالغہ بیان ہے ، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس میں شفاء ہے سوائے موت کے ۔

۴۳۳۷/۲۵ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا نازل؎۱ کی ہے اور ہر بیماری کے لیے دوا مقرر کی ہے ، تو تم دوا دارو کرو؎۲ لیکن حرام؎۳ چیز سے دوا نہ کرو؎۴

؎۱ یعنی پیدا کی ہے ۔

؎۲ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تمہیں شفاء دیگا ۔

۳؎ جو تم پر حرام ہے، مثلاً شراب، خنزیر وغیرہ۔

۴؎ یاد رہے کہ حرام چیزوں سے مطلقاً اور شراب سے خصوصاً علاج کی ممانعت کے بارے میں متعدد حدیثیں آئی ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو اس نے تم پر حرام کی ہے، جب حضرت طارق جعفی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شراب بنانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے انہیں منع فرمایا: انہوں نے عرض کیا کہ میں دوا کے لیے بناتا ہوں تو فرمایا: وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص شراب سے علاج کرے اللہ تعالیٰ اسے شفاء نہ دے، بعض محققین اسلامی اطباء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شراب کے بارے میں فرمایا ہے وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اس میں لوگوں کے فائدے ہیں تو اس سے مراد بدنی منفعت اور جسمانی صحت نہیں ہے، بلکہ طبیعت کا وہ سرور اور نشاط ہے جو اس کے پینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بالآخر بدن کے لیے نقصان دہ اور مہلک ہے، جیسے کہ شراب کے عادیوں کے حال سے ظاہر ہوتا ہے (اھ) یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اطباء کا قول تنزل پر مبنی ہے، ورنہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ (پلیدی ہے شیطان کے عمل سے اس سے بچو) سے منسوخ ہے، فقہ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر حاذق اطباء اس امر پر متفق ہو جائیں کہ اس بیماری کا علاج سوائے اس دوا کے کوئی نہیں ہے تو اس کے ساتھ علاج جائز ہے، لیکن مخفی نہ رہے کہ حاذق اطباء کا موجود ہونا اور ان کا متفق ہونا کہ علاج ایک ہی دوا میں منحصر ہے بہت ہی مشکل ہے۔

۴۲۳۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِیْثِ۔ [۲۶] (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پلید[۱] دوا سے منع فرمایا: (امام احمد، ابو داؤد، ترمذی ابن ماجہ)

۱؎ جو پلید اور حرام ہو، یا خبیث سے مراد بدذائقہ اور بدبودار دوا ہے، جس کے استعمال سے طبیعت متنفر ہو، ایسی دوا بھی اچھی نہیں ہے، اس میں فائدہ کم ہے اور طبیعت اسے قبول نہیں کرتی، اس صورت میں نہی تنزیہی ہوگی۔

۴۲۳۹ وَعَنْ سَلْمٰى خَادِمَةِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [۲۷]

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خادمہ سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

قَالَتْ مَا كَانَ اَحَدٌ يَشْتَكِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا فِيْ رَاْسِهٖ اِلَّا قَالَ اِحْتَجِمْ وَلَا وَجَعًا فِيْ رِجْلَيْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا۔

کہ جو شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سر درد کی شکایت کرتا تو آپ اسے فرماتے پچھنے لگواؤ[۲] اور جو شخص پاؤں میں درد کی شکایت کرتا اسے فرماتے پاؤں کو[۳] خضاب لگاؤ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

[۱] حضرت سلمٰی دراصل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں وہ، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع کی بیوی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی دایہ اور (جلیل القدر صحابیہ) تھیں۔

[۲] اور خون نکلواؤ۔

[۳] مہندی سے۔

۴۳۴۰ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِيْ اَنْ اَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ۔

۲۸

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی زخم[۱] یا خراش[۲] ہوتی تو مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی لگا دوں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

[۱] پہلے حرف پر پیش یا زبر، زخم، قَرْحٌ کا بھی یہی معنیٰ ہے، مصدر کے معنی (زخم لگانے) میں بھی آتا ہے، بعض علماء نے کہا کہ قَرْحٌ حجاز کی لغت ہے، بعض کہتے ہیں کہ پہلے حرف پر پیش ہو (قُرْحٌ) تو اسم ہے (بمعنی زخم) اور زبر ہو تو مصدر ہے (اس کا معنی ہے زخم لگانا)

[۲] نون پر زبر، کاف ساکن، رنج و مصیبت، اس جگہ وہ کسی عضو پر لگنے والا زخم مراد ہے اور قرحہ سے مراد وہ پھوڑا پھنسی ہے جو خون کے جوش وغیرہ کی بنا پر نمودار ہوتا ہے، مجمع البحار میں ہے نَکْبٌ نون پر

زبر اور کاف ساکن، تھریا کانٹے سے پیدا ہونے والا زخم۔

۴۳۴۱/۲۹ وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْتَجِمُ عَلٰى هَامَتِهٖ وَبَيْنَ كَتِفَيْهِ وَيَقُوْلُ مَنْ اَهْرَاقَ مِنْ هٰذِهِ الدِّمَاءِ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ لَّا يَتَدَاوٰى بِشَیْءٍ لِّشَیْءٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو کبشہ[۱] انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر کی مانگ پر اور کندھوں کے درمیان پچھنے لگایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے ان خونوں[۲] سے گرایا اسے کچھ نقصان نہیں کہ کسی دوا سے کسی بیماری کے لیے علاج نہ کرے۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

[۱] ابُو کَبْشَہ، کاف پر زبر، ایک نقطے والی با ساکن، اس کے بعد نقطوں والی شین۔ اَلْاَنْمَارِی ہمزے پر زبر اور نون ساکن، صحابی ہیں، شام میں قیام پذیر ہوئے۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ اعضاء کے خون مراد ہیں، یا مطلق خون مراد ہے، چاہے کسی بھی عضو کے ہوں۔

۴۳۴۲/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلٰى وَرِكِهٖ مِنْ وَّثْاءٍ كَانَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ران کے اوپر[۱] پچھنے لگوائے۔ کیونکہ وہاں ٹیس[۲] لگی ہے۔ (ابو داؤد)

[۱] واؤ پر زبر، را کے نیچے زیر، ران کا بالائی حصہ۔

[۲] واؤ پر زبر تین نقطوں والی ثا ساکن، اس کے بعد ہمزہ، کسی عضو کی توڑ سے بغیر لاحق ہونیوالی تکلیف اور ٹیس، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا۔

۴۳۴۳/۳۱ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةٍ اُسْرِیَ بِهٖ اَنَّهٗ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ

لَوْ يَمُرُّ عَلٰى مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا اَمَرُوْهُ مُرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

آپ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرے انہوں نے کہا[1] کہ آپ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیں[2] (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچایا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ حجامت سے مراد خون نکالنا ہے جو فصد وغیرہ کو شامل ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف اَلشِّفَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ شَرْطَۃِ کی شرح میں بیان کیا گیا ہے، بعض شارحین نے فصد کے مقابل قرار دیا ہے اور کہا کہ حجامت کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ حجامت جلد کے اطراف سے خون نکالتی ہے، تمام اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ گرم علاقوں میں فصد کی نسبت حجامت افضل ہے، کیونکہ ان کا خون پتلا اور پختہ ہوتا ہے اور بدن کی سطح پر آجاتا ہے جو فصد سے نہیں بلکہ حجامت سے نکلتا ہے، فصد بدن کی گہرائی کے لیے مفید ہوتا ہے اور ٹھنڈے علاقوں کے مناسب ہوتا ہے، غالباً امت سے مراد عرب لیے گئے ہیں کیونکہ اس وقت افراد امت میں سے وہی موجود تھے، یا آپ کی امت سے مراد آپ کی قوم لی گئی ہے، علامہ طیبی نے فرمایا: فرشتوں نے حجامت کے بارے میں مبالغہ کیا اس کی ایک وجہ تو مشہور ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کے جسمانی فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ خون، فوائد حیوانیہ کی بنیاد ہے، جب خون بدن میں کم ہوگا تو مکاشفات غیبیہ سے مانع فوائد نفسانیہ بھی کمزور ہو جائیں گی (طیبی) اس وجہ سے مطلقاً خون نکالنے کا فائدہ معلوم ہوتا ہے، ہم نے ابتداء میں جو وجہ بیان کی ہے اس سے خصوصی طور پر حجامت کا فائدہ معلوم ہوتا ہے۔

۴۳۴۴ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ طَبِيْبًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضِفْدَعٍ يَجْعَلُهَا فِيْ دَوَآءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبد الرحمن بن عثمان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک دوا میں مینڈک ڈالنے کے بارے میں پوچھا[2] تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے[3]

عَنْ قَتْلِهَا۔ سے منع فرمایا:

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱؎ عبدالرحمن بن عثمان بن عبیداللہ بن تیمی، حضرت طلحہ بن عبیداللہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں حضرت عبدالرحمن ان کے بھتیجے اور صحابی ہیں، بیعت رضوان کے دن اسلام لائے، بعض محدثین نے کہا کہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، حضرت ابن زبیر کے ساتھ ایک ہی دن شہید ہوئے۔

۲؎ کہ درست ہے یا نہیں؛ ضِفْدَعٌ ضاد کے نیچے زیر، دال کے نیچے زیر یا اس پر زبر، قاموس میں ہے کہ زِبْرِجٌ، جَعْفَرٌ، جُنْدُبٌ اور دِرْهَمٌ کے وزن پر آیا ہے۔

۳؎ اور دوا میں اس کے استعمال کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ حرام کے ساتھ دوا ممنوع ہے۔ کتب حدیث میں اسے حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے باب میں لائے ہیں، یہ مطلب نہیں کہ مینڈک کا قتل بالذات ممنوع ہے، اسے بطور دوا استعمال کرنے کو قتل کرنا لازم ہے، دوا کے لیے حلال جانور کا قتل ممنوع نہیں ہے، لہٰذا اس کے قتل کی ممانعت سے یہ ہے کہ اس کا دوا میں استعمال ممنوع ہے۔

۴۳۴۵ / ۳۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَ الْكَاهِلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ زَادَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ كَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَ تِسْعَ عَشَرَةَ وَ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گردن کی دونوں جانب کی رگوں اور دونوں کندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے۔ (ابوداؤد) امام ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا کہ آپ سترہ (۱۷)، انیس (۱۹) اور اکیس (۲۱) تاریخ کو پچھنے لگواتے تھے۔

۴۳۴۶ / ۳۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَ تِسْعَ عَشَرَةَ وَ اِحْدٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سترہ (۱۷)، انیس (۱۹) اور اکیس (۲۱) تاریخ کو پچھنے لگوانا پسند فرماتے

وَ عِشْرِيْنَ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

تھے۔

(شرح السنۃ)

۴۲۴۷/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعِ عَشْرَةَ وَ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ كَانَ شِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سترہ[17]، انیس[19] اور اکیس[21] تاریخ کو پچھنے لگوائے تو پچھنے لگوانا ہر بیماری سے شفاء کا سبب ہوگا۔[1]

(ابوداؤد)

[1] اطباء کہتے ہیں کہ مہینے کی ابتداء میں خون جوش اور غلبے میں ہوتا ہے، جب نکلے گا تو کثرت سے نکلے گا۔ مہینے کے آخر میں اس کا جوش کم ہوتا ہے۔ اور کم نکلے گا، اس لیے مہینے کا درمیان اس کیلئے زیادہ مناسب اور مصلحت کے زیادہ موافق ہوگا، طاق تاریخوں کی رعایت بھی ہوگی، حضرت مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے جب وہ حدیثیں بیان کیں جن میں مہینے کی تاریخوں کا ذکر ہے تو اس کے بعد وہ حدیث لائے ہیں جس میں اس امر کا بیان ہے کہ پچھنے لگوانے کے لیے ہفتے کا کون سا دن موزوں تر ہے۔

۴۲۴۸/۲۶ وَعَنْ كُبْشَةَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَتْ اَنَّ اَبَاهَا كَانَ يَنْهٰى اَهْلَهٗ عَنِ الْحِجَامَةِ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَ يَزْعَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ يَوْمُ الدَّمِ وَ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَرْقَاُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت کبشہ[1] بنت ابی بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد اپنے گھر والوں کو بدھ کے دن پچھنے لگوانے سے منع کرتے تھے۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ بدھ کا دن خون کا دن ہے اور اس میں ایک گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا۔[2]

(ابوداؤد)

[1] کُبْشَۃ مشکوٰۃ شریف میں اسی طرح واقع ہوا ہے، ایک نقطے والی بار ساکن اور نقطوں والا شین، شارحین کہتے ہیں کہ صحیح کَیِّسَۃ ہے یار مشدد مکسور اور بے نقطہ سین کے ساتھ۔

۲؎ اس لیے اگر اس دن خون نکالا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی ساعت میں نکالا جائے اور انجام کار ہلاکت ہو۔

۴۳۴۹ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ أَوْ يَوْمَ السَّبْتِ فَأَصَابَهُ وَضَحٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ قَدْ أُسْنِدَ وَلَا يَصِحُّ)

امام زہری[1] مرسلاً نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے بدھ یا ہفتے کو پچھنے لگوائے اور اسے برص[2] کی بیماری لاحق ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

(امام احمد، ابو داؤد) امام ابو داؤد نے کہا یہ حدیث سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

۱؎ امام زہری مشہور تابعی ہیں (مرسل وہ حدیث ہے جسے تابعی صحابی کا ذکر کیے بغیر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرے ۱۲ ق ن)

۲؎ وَضَح واؤ پر زبر اور نقطے والا ضاد، برص (جسم پر سفید سفید داغ پڑ جاتے ہیں ۱۲ ق ن)

۴۳۵۰ وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ أَوِ اطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ أَوِ الْأَرْبَعَاءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ فِي الْوَضَحِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ان ہی سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہفتے یا بدھ کو پچھنے لگوائے یا کسی عضو پر لیپ کیا تو وہ برص کے لاحق ہونے پر اپنے آپ کو ہی ملامت کرے[1]

(شرح السنۃ)

۱؎ تنبیہ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ پچھنے لگوانے اور اس کے لئے بعض دنوں کی بجائے دوسرے بعض دنوں کے اختیار کرنے کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی، اس سلسلے میں جو کچھ ثابت ہے وہ ہے مُرْ اُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ اپنی امت کو حجامت کا حکم دیں، اور صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ اگر کسی چیز میں شفا ہے تو وہ سنگی لگانے والے کے نشتر میں یا شہد کے گھونٹ میں یا آگ سے داغ لگانے

ہیں، یہ حدیث اس لیے پہلے گزر چکی ہے اور اسی جگہ اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

۴۳۵۱
۳۹
وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِ اللهِ الْاَغْنِيَآءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَآئِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانِ الْيَهُوْدِيِّ فَاِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ اِنَّمَا ذٰلِكِ عَمَلُ الشَّيْطٰنِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَاِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكِ اَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ نے میری گردن میں دھاگہ دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ دھاگہ ہے جس میں میرے لیے دم کیا گیا ہے، فرماتی ہیں انہوں نے اسے پکڑ کر کاٹ دیا، پھر فرمایا: اے آل عبد اللہ! تم شرک سے بے نیاز ہو[2] میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دم[3]، تعویذات[4] اور جادو[5] شرک ہے میں نے کہا کہ آپ اس طرح کیوں کہتے ہیں[6]؟ میری آنکھ بہتی تھی[7] اور میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی، جب وہ اسے دم کرتا تھا تو ٹھہر جاتی تھی[8] حضرت عبد اللہ نے فرمایا: یہ[9] یہ شیطان کا کام تھا، وہ اپنے ہاتھ سے آنکھ کو دبا[10] دیتا تھا، جب دم کیا جاتا تھا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا لیتا تھا[11]، تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ کہہ لیتیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اے انسانوں کے رب بیماری دور

اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

کردے اور شفاء دے[۱] تو ہی شفا دینے والا ہے، شفا صرف تیری ہی ہے، وہ شفا دے جو بیماری نہ چھوڑے[۲] (ابوداؤد)

[۱] حضرت زینب اپنے شوہر عبد اللہ بن مسعود کی طرح بارگاہ نبوت کی مقرب اور مقبول تھیں

[۲] اور تمہیں بیماریوں اور تکلیفوں کے دور کرنے میں ان افعال کی حاجت نہیں ہے جو مشرک کرتے ہیں، اور جو شرک پر مشتمل ہیں، کیونکہ اس وقت دور جاہلیت کے دم مشہور تھے جو شرک پر مشتمل تھے نیز ان امور کا سہارا لینا اس بات کی علامت ہے کہ ان کی تاثیر کو مانا جا رہا ہے جو شرک تک پہنچانے والا ہے۔

[۳] دم پھونک جو دور جاہلیت میں کیے جاتے تھے انہیں ان کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہوئے اختیار نہ کیا جائے۔

[۴] تمائم جمع ہے تمیمۃ کی، ان منکوں کو کہتے ہیں جنہیں عورتیں اپنی اولاد اور اپنے گلے میں ڈالتی ہیں اور عقیدہ رکھتی ہیں کہ یہ نظر بد کے اثر کو دور کرتے ہیں۔

تعویذ کے گلے میں ڈالنے اور بازو پر باندھنے میں بعض علماء کو کلام ہے، لیکن حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بے خوابی کے دور کرنے کے لیے ان کو دعا سکھائی تھی، انہوں نے اپنے بڑے بچوں کو دعا سکھائی اور چھوٹے بچوں کے گلے میں لکھ کر ڈال دی، شرف آفتاب وغیرہ کے وقت تکسیر اور چلوں کے جو نقش بنا لیے جاتے ہیں، وہ بھی مکروہ ہیں، مردوں کے لیے چاندی کے تعویذ اور (ساڑھے چار ماشے سے زیادہ وزن کی) چاندی کی انگوٹھی حرام ہے۔

[۵] اَلتِّوَلَۃِ تاء کے زیر، واؤ اور لام پر زبر، یہ جادو کی ایک قسم، جو میاں بیوی کی محبت کے لیے دھاگے[۱] یا کاغذ میں کرتے ہیں، یہ سب مشرکین کے کام ہیں اور شرک کی ایک قسم پر مشتمل ہیں۔

---

[۱] حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں: یہاں دھاگہ سے مراد گنڈے کا نیلا دھاگہ ہے جس پر جادوگر جادو کا دم کر کے مریض کو پہناتے ہیں، چونکہ ان کے دم میں مشرکانہ الفاظ ہوتے ہیں، بتوں کا توسل وغیرہ اس لیے آپ نے اس گنڈے کے پہننے کو شرک قرار دیا، لہٰذا حضرات صوفیائے کرام کے گنڈے جس میں قرآنی آیات یا ماثورہ دعائیں پڑھ کر دم کر کے گرہ لگاتے ہیں بالکل جائز ہیں۔ ۱۲ مرآۃ۔

۶؎ اور ان کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

۷؎ تُقْذَفُ صیغہ مجہول کے ساتھ یعنی باہر پھینکی جاتی تھی درد کی شدت کی وجہ سے یا لفظ معلوم کے ساتھ آنکھ آنسو اور میل باہر پھینکتی ہے۔

۸؎ اور اس کی درد ختم ہو جاتی تھی۔

۹؎ یعنی آنکھ کا دکھنا اور یہودی کے دم سے آرام کا ملنا کار شیطان ہے۔

۱۰؎ دراصل نخس کا معنیٰ ہے دفع کرنا، حرکت اور چوپائے کو لکڑی چبھونا، از باب فتح یفتح

۱۱؎ شیطان آنکھ کی درد دور کر دیتا تھا یا شیطان آنکھ سے ہٹ جاتا تھا، کفّ کا معنیٰ ہے روکنا اور رُکنا۔

۱۲؎ پہلے جملے کی تاکید ہے۔

۱۳؎ سَقَامُ سین پر زبر، اور سَقَم سین پر زبر، یا پیش جیسے حَزَن اور حُزن، بیماری

۴۳۵۲/۴۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نُشرہ[۱۵] کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ شیطان کے کام سے ہے (ابوداؤد)

۱۵؎ نشرہ نون پر پیش اور نقطوں والا شین ساکن، ایک قسم کا دم جو اس شخص کو کیا جاتا ہے جس پر جن کا سایہ ہو، جادو کے باب میں بھی آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سے دم کیا کرتے تھے قاموس میں ہے النُّشْرَۃ نون پر پیش ایک دم جس سے پاگل اور بیمار کا علاج کیا جاتا ہے۔ صراح میں ہے تَنْشِیْر کا معنیٰ ہے دم کرنا اور نشرہ تعویذ کو کہتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ نشرہ کا حاصل معنیٰ دم اور تعویذ ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس دم کو عمل شیطان سے قرار دیا ہے وہ دم ہوگا جو اعمال جاہلیت سے ہو اور بتوں اور شیطانوں کے ناموں پر مشتمل ہو یا عبرانی زبان میں ہو جس کا معنیٰ معلوم نہ ہو وہ دم مراد نہیں جو قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے ہو۔

۴۳۵۳/۴۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً

حضرت عبداللہ بن عمرو[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں ہمیں اس کی پروا نہیں ہے اگر ہم تریاق[۲] پی لیں یا تعویذ[۳] گلے میں ڈالیں

اَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ ۔ یا ہم اپنی طرف سے شعر کہیں ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

۵۱ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں عمر ہے عین کے پیش کے ساتھ، بعض شارحین نے کہا کہ صحیح عمرو ہے واؤ کے ساتھ جیسے کہ جامع الاصول میں ہے

۵۲ تریاق مشہور یہ ہے کہ تا کے نیچے زیر ہے، بعض نے پیش بھی بیان کیا ہے، مشہور مرکب دوا کا نام ہے جو زہروں اور دیگر بیماریوں کے لیے مفید ہے ۔

۵۳ اور ان کا ہار الیں، مراد جاہلیت کے تعویذ ہیں۔ مثلاً منکے، درندوں کے ناخن اور ان کی ہڈیاں، جو تعویذ قرآن پاک اور اللہ تعالیٰ کے اسماء پر مشتمل ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں ان سے تعلق اور برکت حاصل کرنا مستحب ہے ۔

۵۴ یعنی قصد اور ارادے سے شعر کہیں: یہ دوسری بات ہے کہ قصد اور اختیار کے بغیر زبان مبارک سے کلام موزوں صادر ہو جائے۔ اور یہ نہ تو شعر کہنے میں داخل ہے اور نہ ہی مذموم ہے عرف اور اصطلاح میں بھی اسے شعر نہیں کہا جاتا اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (اور ہم نے انہیں ملکہ شعر گوئی نہیں دیا اور نہ ہی وہ ان کے لائق ہے) کے مخالف بھی نہیں ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ خود شعر کہنا مراد ہو، دوسرے کے شعر کا پڑھنا مراد نہ ہو، عبارت سے یہ معنی متبادر الی الفہم ہے۔

جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لبید کا یہ قول پڑھا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (سنو! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے) بعض شارحین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت شعر پڑھنے کی صورت میں آپ سے کلام موزوں صادر نہیں ہوتا تھا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء کا ارتکاب مذموم اور قبیح ہے، یعنی اگر ہم سے ان میں سے کوئی چیز صادر ہوتی تو ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوتے جو شرعیات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں! اور وہ جائز اور ناجائز کو بھی نہیں دیکھتے، مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی کام کا کرنا اس شخص کا وطیرہ ہے جو بے قید ہے اور ناجائز کاموں کے کرنے میں بے پرواہ ہے۔ تریاق تو اس لیے کہ اس میں سانپ کا گوشت اور شراب ڈالی جاتی ہے۔ اور اگر بالفرض تریاق کی کوئی قسم ایسی ہو کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ڈالی جاتی ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں ہے ۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث کے اطلاق پر عمل کرنے کا تقاضا یہ ہے اسے بھی تعویذ کرنا بہتر ہے۔ تعویذ کا

گلے میں ڈالنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے پہلے بیان ہو چکا کہ اہل جاہلیت کے تعویذات مراد ہیں، باقی رہا شعر تو ممنوع اور مذموم وہی شعر ہے جو جھوٹا اور لایعنی ہو، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر سے منزہ اور معصوم رکھا ہے اس لیے آپ کے حق میں مطلق شعر کہنا عیب اور وبال میں داخل ہے۔ یہ کمال سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اگر مطلق تریاق اور مطلق تعویذ مراد ہو تو یہ بعید نہیں ہے کہ خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توکل کا بیان مقصود ہو، یا توکل اختیار کرنے، علاج نہ کرنے اور لایعنی حیلوں کے ترک کرنے پر تنبیہ مقصود ہو، اور ان لوگوں کا حال بیان کرنا مطلوب ہو جیسے کہ آئندہ دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۴۳۵۴ / ۴۲ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے آگ سے داغ لگایا، یا دم کروایا تو وہ توکل سے بیزار ہوا[1]۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

[1] اس حدیث سے واضح طور پر یہ سمجھ آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بوقت حاجت داغ لگانا اور دم کروانا اگرچہ جائز ہے، لیکن مقام توکل اس سے بلند ہے جیسے کہ توکل والوں کے بارے میں وارد حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس حدیث میں ہے کہ توکل والے وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کرواتے، آگ سے داغ نہیں لگواتے اور اپنا کام اپنے رب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور اگر موثر اور علت حقیقی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ داغ لگانے اور دم کروانے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام اسباب اور علاجوں کو شامل ہے، داغ لگانے کے بارے میں تفصیل اور اس سلسلے میں وارد احادیث کے درمیان تطبیق اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۴۳۵۵ / ۴۳ وَعَنْ عِيْسَى ابْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ تَمِيْمَةً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عیسیٰ بن حمزہ[1] سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عکیم[2] کے پاس گیا، ان کے جسم پر لال لال پھیلی ہوئی تھی، میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھتے؟ انہوں نے فرمایا: ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُّكِلَ اِلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

نے کوئی چیز باندھی[3] وہ اس کے سپرد کیا جائے گا[4]۔ (ابوداؤد)

[1] عیسیٰ بن حمزہ تابعی ہیں

[2] عبداللہ بن عکیم بلفظ تصغیر، مخضرمین میں سے ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، ان سے نہ تو زیارت ثابت ہے اور نہ ہی روایت۔

[3] جس نے کسی دوا وغیرہ سے تعلق رکھا اور عقیدہ یہ رکھا کہ شفا اس سے ہے۔

[4] یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایت و امداد سے محروم کیا جائے گا، اور وہ ہرگز شفا اور کامیابی نہ پا سکے گا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہ تو نفع دیتی ہے اور نہ ہی نقصان، مقصد توکل کی رغبت دلانا اور اس پر ابھارنا ہے۔

۴۳۵۶ / ۴۴ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ بُرَيْدَةَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، دم نہیں ہے مگر نظر بد یا زہریلے جانور[1] کے ڈنک کے سبب۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت بریدہ سے روایت کی

[1] مثلاً بچھو وغیرہ

۴۳۵۷ / ۴۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْيَةَ اِلَّا مِنْ عَيْنٍ اَوْ حُمَةٍ اَوْ دَمٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جھاڑ پھونک نہیں ہے مگر نظر بد، یا زہریلے ڈنک یا خون سے[1]۔ (ابوداؤد)

[1] اس حدیث میں اضافہ ہے "یا خون سے"، شارحین نے کہا کہ اس سے مراد نکسیر ہے، اور اگر اس سے

عام خونی بیماریاں مراد لی جائیں خواہ وہ خون کے جاری ہونے کا سبب ہوں یا خون کے فساد کا تو بھی درست معلوم ہوتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام ابوداؤد کی ایک روایت میں اِلَّا فِیْ عَیْنٍ کی جگہ اِلَّا فِیْ نَفْسٍ آیا ہے۔ شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد نظر ہی ہے۔ اَوْ دَمٍ کی جگہ اَوْ لَدْغَۃٍ آیا ہے جس کا معنی دانتوں سے کاٹنا ہے جیسے کہ سانپ وغیرہ کاٹتے ہیں، جھاڑ پھونک دونوں بیماریوں میں فائدہ دیتا ہے جیسے سر درد اور دانتوں کے درد میں فائدہ دیتا ہے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے، صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ کی طبیعت مبارکہ ناساز تھی، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام سے دم کرتا ہوں ہر اس بیماری سے جو آپ کو تکلیف دے، اس حدیث میں جو (تین چیزوں میں) حصر کیا گیا ہے تو اس سے مراد مبالغہ ہے، مطلب یہ ہے کہ دوسری تکلیفوں کی نسبت ان تین چیزوں میں دم کرنا بہتر اور زیادہ مفید ہے، نیز لوگوں میں مشہور و معروف ہے۔

۴۴۵۸/۴۹ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرَعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهٗ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا[۱] سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! حضرت جعفر کی اولاد کو جلد نظر لگ جاتی ہے کیا میں ان کے لیے دم کرواؤں[۲]؟ فرمایا: ہاں[۳] کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کرتی تو نظر سبقت کرتی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

---

[۱] حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں — تُسْرَعُ تا پر پیش، راء کے نیچے زیر، صیغہ معلوم کے ساتھ یعنی انہیں نظر جلد لگ جاتی ہے، تسرع راء کی زبر کے ساتھ صیغہ مجہول بھی پڑھا گیا ہے یعنی انہیں جلد نظر لگائی جاتی ہے۔

[۲] دم کروالو کہ نظر بہت موثر ہوتی ہے۔

۴۴۵۹/۵۰ وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ

حضرت شفا بنت عبداللہ[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت میں حضرت حفصہ کے پاس تھی، فرمایا: کیا تم انہیں[۲] نملہ[۳]

اَلَا تُعَلِّمِیْنَ هٰذِهٖ رُقْیَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِهَا الْكِتَابَةَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کا دم نہیں سکھاتیں؟ جس طرح تم نے انہیں لکھنا سکھایا ہے [4]۔ (ابو داؤد)

[1] حضرت شِفا نقطوں والے شین کے نیچے زیر بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خالد، قرشیہ عدویہ ہیں۔ ان کا نام لیلیٰ ہے اور شفا ان کا لقب ہے جو مشہور ہوگیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے اور ان کے گھر میں آرام فرماتے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تہبند اور بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے ان کے پاس تھا جو مروان بن حکم نے ان کی اولاد سے حاصل کر لیا تھا۔ ان سے ایک جماعت نے حدیث روایت کی، حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انہیں میں سے ہیں۔ حضرت شفا، بڑی صاحب عقل و فضیلت خاتون تھیں، ہجرت سے پہلے اسلام لائیں اور پہلے پہل ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں۔

[2] حضرت حفصہ کو

[3] نملہ پھنسیاں ہوتی ہیں جو آدمی کے پہلو میں نکلتی ہیں اور بہت تکلیف دیتی ہیں، مریض یوں محسوس کرتا ہے جیسے چیونٹیاں چل رہی ہوں، یہ شفا بنت عبداللہ، مکہ مکرمہ میں اس بیماری کا دم کیا کرتی تھیں، جب یہ مسلمان ہوگئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئیں تو کہنے لگیں یا رسول اللہ! میں دور جاہلیت میں نملہ کا دم کیا کرتی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، چنانچہ انہوں نے پیش کیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے درست قرار دیا اور فرمایا: حفصہ کو یہ دم سکھاؤ۔

[4] بعض شارحین کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں حضرت حفصہ پر تعریض تھی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا راز افشا کر دیا تھا جیسے کہ اس کا واقعہ سورۂ مریم کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے، نملہ کے دم سے مراد وہ کلمات ہیں جو لوگوں میں اس نام سے مشہور تھے، اور عرب کی عورتیں اسے نملہ کا دم کہتی تھیں، وہ حق نہیں جو بظاہر سمجھ میں آتا ہے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اَلْعُرُوْسُ تَنْتَعِلُ وَتَخْتَضِبُ وَتَكْتَحِلُ وَكُلُّ شَيْءٍ تَفْتَعِلُ اَنْ لَا تَعْصِيَ الرَّجُلَ

ان کلمات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو بجاتی ہے اور مرد کی نافرمانی کے سوا ہر کام کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ پر تعریض کی اور حکم کی خلاف ورزی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنے پر تنبیہ فرمائی۔ علامہ طیبی نے علامہ تورپشتی سے یہ توجیہ نقل کی، جو کچھ انہوں نے نقل کیا اگر وہ صحیح ہے تو یہ توجیہ اچھی ہے، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ نملہ کے دم کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو ممنوع ہے، پھر اس کے سکھانے کا حکم کس طرح دیا!

باقی رہا عورتوں کو لکھائی سکھانا تو ایک دوسری حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ، اس حدیث سے لکھائی سکھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو، بعض علماء نے فرمایا کہ بعض احکام وفضائل کے ساتھ خاص ہیں، لکھنے کی ممانعت عام عورتوں کے لیے ہے کہ ان میں فتنے کا خطرہ ہے، جب کہ امہات المومنین میں ایسا نہیں ہے[1]

۴۳۶۰ / ۴۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَاٰی عَامِرُ بْنُ رَبِيْعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَا جِلْدَ مُخَبَّاَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَاُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِیْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَاللّٰهِ مَا يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَ بْنَ رَبِيْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف[1] سے روایت ہے کہ عامر بن ربیعہ[2] نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے ہوئے دیکھا[3] اور کہا کہ میں نے آج کی طرح (کسی کی جلد) نہیں دیکھی[4]، نہ ہی کسی کنواری پردہ نشین کی ایسی جلد دیکھی[5]، ابوامامہ کہتے ہیں کہ سہل زمین پر گر پڑے[6]، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی گئی اور عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا آپ کو سہل بن حنیف کے علاج میں دلچسپی ہے؟ خدا کی قسم! وہ تو اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتے، راوی کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کیا اس کے لیے تم کسی پر تہمت لگاتے ہو؟ کہا کہ ہم عامر بن ربیعہ پر تہمت لگاتے ہیں[7] راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عامر کو بلایا اور ان پر ناراضگی کا اظہار کیا[8] اور فرمایا: تم میں سے ایک آدمی اپنے بھائی کو کیوں

---

[1] فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ نوریہ میں ج ۳ ص ۱۷۴ سے ۴۸۵ تک نہایت تحقیق اور تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عورتوں کو لکھنے کی تعلیم دینا دوسرے علوم کی طرح جائز ومستحسن بلکہ ضروری ہے، بپیش نظر حدیث مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۲، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶، مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۷ اور سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹ کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام ذہبی نے صراحۃً اس کی تقریر وتائید فرمائی اور ابوداؤد نے اس پر سکوت فرمایا جو حسب القاعدہ تحسین ہے تو اس جلیل القدر حدیث سے ثابت ہوا کہ تعلیم کتابت بلا کراہت جائز بلکہ مطلوب ہے آخر میں فرماتے ہیں اجازت صرف کتابت اور تعلیم کتابت کی ہے کالج وغیرہ کا دھندا اور بے پردگی یا نا جائز خط وکتابت بچیاں ضائع ہونے سے بچ جائیں۔ نقشبندی

عَلَيْهِ وَ قَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ أَلَّا بَرَّكْتَ عَلَيْهِ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَّجْهَهٗ وَ يَدَيْهِ وَ مِرْفَقَيْهِ وَ رُكْبَتَيْهِ وَ أَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَ دَاخِلَةَ إِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ بَأْسٌ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ إِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ تَوَضَّأْ لَهٗ فَتَوَضَّأَ لَهٗ)

قتل کرتا ہے[۲]، تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی[۳]، تم اس کے لیے دھوؤ[۴]، تو عامر نے ان کے لیے اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ اور کہنیاں، دونوں گھٹنے، پاؤں کے اطراف اور تہبند کا اندرونی حصہ[۵] ایک پیالے میں دھویا[۶] پھر وہ پانی سہل پر ڈالا گیا تو وہ لوگوں کے ساتھ اس حال میں چل دیے کہ انہیں کچھ بھی تکلیف نہ تھی[۷]۔

(شرح السنۃ، امام مالک)

امام مالک کی روایت میں ہے کہ فرمایا[۸]: بے شک نظر حق ہے، تم اس کے لیے وضو کرو[۹]۔ چنانچہ انہوں نے وضو کیا[۱۰]۔

۱ ابو امامہ بن سہل بن حنیف بے نقطہ حاء پر پیش اور نون پر زبر، انصاری ہیں، ان کا نام سعد بن سہل ہے اور وہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کی ولادت، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے ہوئی کم عمری کی بنا پر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں سنی، اسی لیے محدثین نے ان کا ذکر صحابہ کرام سے بعد آنے والی جماعت میں کیا ہے لیکن ابن عبدالبر نے ان کا ذکر صحابۂ کرام میں کیا ہے اس کے بعد کہا کہ وہ اکابر علماء اور بہترین تابعین میں سے ہیں، اپنے والد اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث سنی۔

۲ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، انہوں نے دو ہجرتیں (حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف) کیں، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے اسلام لائے۔

۳ ان کے جسم کے حسن کو گہری نظر سے دیکھا اور پسند کیا۔

۴ یعنی میں نے کسی مرد اور عورت کی جلد اتنی حسین اور لطیف نہیں دیکھی جتنی کہ سہل بن حنیف کے اعضاء کی جلد ہے۔

۵ مُخَبَّأَۃ میم پر پیش، نقطے والی خاء پر زبر اور باء مشدد، اس کے بعد ہمزہ، پردہ دار لڑکی جس کی

ابھی شادی نہ ہوئی ہو، کیونکہ وہ اپنی حفاظت کی زیادہ کوشش سے کرتی ہے اور اس کی جلد بھی نرم و نازک ہوتی ہے۔

۵۶ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہ جب حضرت عامر بن ربیعہ نے یہ بات کہی اور ان کی نظر لگ گئی۔

۵۷ فَلُبِطَ صیغہ مجہول کے ساتھ، یعنی اسی وقت سہل بن حنیف زمین پر گر پڑے لبط اونٹ کا چلتے وقت ہاتھ پاؤں زمین پر مارنا۔

۵۸ اور حضرت سہل کے زمین پر گرنے اور نظر لگنے کی اطلاع دی گئی۔

۵۹ کیا تمہارا گمان ہے کہ انہیں کسی نے نظر لگا دی ہے۔

۶۰ کہ انہوں نے حضرت سہل کو نظر لگائی ہے۔

۶۱ حضرت سہل کو نظر لگانے پر

۶۲ اور اسے نظر کیوں لگاتا ہے! پھر حضرت ربیعہ کو مخاطب کرکے فرمایا۔

۶۳ یعنی اگر تمہیں ان کا جسم اچھا لگا ہی تھا یا تمہاری تکلیف وہ نظر ان پر پڑ ہی گئی تھی تو تم نے ان کے لیے دعا برکت کیوں نہ کی؟ اور کیوں نہ کہا کہ یا اللہ! اس کے جسم میں برکت عطا فرما۔

۶۴ تم سہل کے لیے اپنے اعضاء دھوؤ اور پانی ان پر ڈالو۔

۶۵ یعنی عضو تناسل، رانوں اور سرین کو دھویا، بعض شارحین کہتے ہیں کہ تہبند کے اندرونی حصے سے مراد تہبند کا وہ کنارا ہے جو دائیں جانب جسم کے ساتھ متصل ہے۔

۶۶ یعنی حضرت عامر نے مذکورہ اعضاء کو دھویا اور پانی پیالے میں جمع کر لیا۔

۶۷ یعنی اسی وقت تندرست ہوگئے اور چلے گئے، اعضاء کے دھونے کے بارے میں تفصیل ہے جو سفر السعادۃ اور اس کی شرح میں بیان کی گئی ہے۔

۶۸ حضرت عامر کو بلانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۶۹ یعنی اپنے وضو کے اعضاء کو دھو کر پانی سہل پر ڈالو

۷۰ یاد رہے کہ یہ علاج، ان اسرار اور حکمتوں کے زمرے میں آتے ہیں جن کے سمجھنے سے عقل عاجز ہے مالکیہ کے عظیم عالم، قاضی ابو بکر بن العربی نے فرمایا کہ اگر کوئی شریعت کا ماننے والا اس جگہ توقف کرے تو اسے کہا جائے کہ یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں اور اگر کوئی فلسفے کا مارا ہوا توقف کرے تو اس کے الزام کا رد زیادہ آسان ہے، کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک کبھی دوا اپنی قوت اور کیفیت کی بنا پر اثر کرتی ہے اور کبھی اپنی خاصیت کی بنا پر، اس کی وجہ کا جاننا ممکن نہیں ہے، یعنی اس کی صورت نوعیہ کا مقتضا اسی طرح واقع ہوا ہے جیسے کہ مقناطیس

اور کہربا کے کھینچنے کے بارے میں کہتے ہیں یہ بھی اسی قبیلے سے ہے۔

۴۳۶۱/۴۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَآنِّ وَ عَيْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَ بِهِمَا وَ تَرَكَ مَا سِوَاهُمَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ حَسَنٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پناہ[۵۱] مانگتے تھے جنات[۵۲] اور انسانوں کی نظر بد[۵۳] سے حتی کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس[۵۴] نازل ہوئیں۔ ان دو سورتوں کے نازل ہونے کے بعد یہی سورتیں پڑھتے اور باقی کو چھوڑ دیا[۵۵]۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن بھی ہے اور غریب بھی۔

۵۱ اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات اور کلمات کی پناہ مانگتے تھے۔

۵۲ جانّ۔ جن کا اسم جمع ہے جیسے عربی میں رہط اور قوم آدمیوں کا اسم جمع ہے اور جان جنوں کے جد اعظم کو کہتے ہیں جیسے آدم انسانوں کے جد اعظم ہیں، اور جان شیطان کے معنی میں بھی آیا ہے۔

۵۳ آدمیوں کی نظر کو فارسی میں چشم زخم اور چشم زخم (نظر بد) کہتے ہیں۔

۵۴ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو معوذتین کہتے ہیں کیونکہ۔

۵۵ ان سورتوں کے نازل ہونے سے پہلے جو معوذات پڑھتے تھے وہ چھوڑ دیئے اس بات سے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یہ دو سورتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہودیوں کے جادو کے سبب نازل ہوئیں جیسے کہ اس کی تفصیل کتاب المعجزات میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۳۶۲/۵۰ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رُئِيَ فِيْكُمُ الْمُغَرِّبُوْنَ قُلْتُ وَمَا الْمُغَرِّبُوْنَ قَالَ الَّذِيْنَ يَشْتَرِكُ فِيْهِمُ الْجِنُّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کیا تم میں مغربون[۱] دیکھے گئے ہیں؟ میں نے پوچھا کہ مغربون کون ہیں[۲]؟ تو آپ نے فرمایا وہ لوگ جن میں جن شراکت رکھتے ہیں[۳]۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ خَیْرَ مَا تَدَاوَیْتُمْ فِیْ بَابِ التَّرَجُّلِ) (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث خیرما تداویتم کنگھی کرنے کے باب میں بیان کی گئی ہے۔

ے۱ مغربون برار مشدد کے نیچے زیر، مختق ہے تغریب سے نقطے والی غین کے ساتھ۔

ے۲ یعنی مُغَرِّبُوْن کس جنس سے ہیں؛ ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ے۳ اس حدیث کی تفسیر چند وجہ سے کی گئی ہے۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عورتوں سے مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے انسانوں کی اولاد اور ان کے نسب سے جن کی مشارکت مراد ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ جب ایک شخص اپنی عورتوں سے مباشرت کرے تو چاہیے کہ شیطان کے شر سے پناہ مانگے اور کہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے یعنی اولاد اس سے شیطان کو دور رکھ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرے گا اور اس دعا کو نہیں پڑھے گا اور غفلت کے ساتھ مباشرت کرے گا تو شیطان راہ پائے گا اور اس مباشرت میں شریک ہوگا اور جو بیٹا پیدا ہوگا وہ بے ہدایت ہوگا اور شیطان کا اس میں حصہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے جو شیطان کو یہ ارشاد فرمایا ہے وَشَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (اور ان کے ساتھ اموال اور اولاد میں شرکت کر) اس کا اسی طرف اشارہ ہے اس جگہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کونسا شخص ہوگا جو اس وقت ہوشیار اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ مشغول ہوگا تاکہ اولاد شیطان کی شرکت سے محفوظ رہے یہی وجہ ہے کہ آج کی اولاد میں فساد پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے پس "مُغَرِّبُوْن" کا معنی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کرتے ہیں اور مباشرت کے وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور رکھتے ہیں یا اولاد کو اپنی جنس سے دور کرتے ہیں اور اجنبی رشتے کو نسبت میں لاتے ہیں یا بعید نسبت کی مداخلت کی وجہ سے نسب کو دور پھینکتے ہیں اصل میں غریب کا مادہ دوری کے معنی میں آتا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ انسانوں میں شیطان کی شرکت سے مراد، شیطان کا انہیں زنا کا حکم دینا ہے یَاْمُرُهُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (شیطان انہیں برے اور ناپسندیدہ کاموں کا حکم دیتا ہے) اور زنا نسب میں اجنبی رگ اور نسبت بعیدہ کے شامل کرنے کا سبب ہے پس مُغَرِّبُوْن سے مراد زناکار ہیں جو اجنبی اور بعید رگ کو نسبت میں لاتے ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ انسانوں میں جن کی شرکت سے مراد انسانی عورتوں سے جن کا زنا ہے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض

عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے جن شوہر کی طرح معاشرت کرتا ہے اور جیسے کہ مشہور ہے کہ جن کسی عورت پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی اسے اپنی من پسند جگہ پر لے جاتا ہے، کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جن کے جماع کرنے سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی لکھا ہے کہ احناف کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوتا۔ جن اور انسان کے درمیان نکاح کے بارے میں بھی مسائل لکھے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی نے کسی عالم سے نقل کیا ہے کہ ایک جن کسی لڑکی پر عاشق تھا ایک دن اس نے ہمارے پاس فریاد کی کہ میں اس لڑکی سے کب تک زنا کرتا رہوں گا، میرا اس کے ساتھ نکاح کر دو، انسان کے جنات کی عورت کے ساتھ جماع کے بارے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ تفاسیر میں آیا ہے کہ ملکہ بلقیس کی والدہ جنات میں سے تھی اور ان کا باپ انسان تھا۔ علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف اِلْتِقَاطُ دُرَرِ الْمُرْجَانِ فِی اَحْکَامِ الْجَانّ میں اس سلسلے کے عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس معنی کے لحاظ سے مغربون کا معنی بیان نہیں کیا گیا اور یہ نہیں بتایا کہ ان کی مذمت کی وجہ کیا ہے ؟ یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنے آپ کو یا اپنی عورتوں کو پاکیزگی سے دور رکھتے ہیں اور جنات وشیطانوں سے پناہ مانگنے کے لیے قرآن پاک کی تلاوت، دعاؤں اور اذکار کے پڑھنے میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں انسان میں جنوں کے اثر و نفوذ اور تصرف سے مانع ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ مغربون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے جنات دوست ہیں وہ انہیں کہانت قسم کی جھوٹی سچی خبریں پہنچاتے ہیں، یہ لوگ قباحتوں اور شرارتوں میں ان جنات کے ساتھی ہیں اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو ایمان واسلام کے مقام اور احوال کی سلامتی سے دور پھینک دیتے ہیں۔ زیادہ مناسب اور زیادہ واضح پہلی وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۵؎ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث مصابیح میں کتاب الطب والرقی کی دوسری فصل میں ذکر کی گئی تھی اور مصنف اسے کنگھی کرنے کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے بطور معذرت کہتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے خَیْرُ مَا تَدَاوَیْتُمْ ہم کنگھی کرنے کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ کے زیادہ مناسب تھی۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۳۶۳ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِعْدَةُ حَوْضُ
۱۵

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: معدہ[1] بدن کا حوض[2] ہے اور

الْبَدَنِ وَ الْعُرُوْقُ اِلَيْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمَعِدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَّةِ وَ اِذَا فَسَدَتِ الْمَعِدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسَّقَمِ۔

رگیں اس کی طرف آنے والی ہیں[۳] جب معدہ صحیح ہو تو[۴] رگیں[۵] صحت لے کر لوٹتی ہیں اور جب معدہ بگڑ جاتے[۶] تو رگیں بیماری لے کر جاتی ہیں[۷]۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ) (بیہقی)

[۱] معدہ کا تلفظ کئی طرح ہے (۱) میم پر زبر، عین کے نیچے زیر (۲) میم کے نیچے زیر اور عین ساکن (مِعدہ) (۳) میم پر زبر اور عین ساکن (مَعدہ) (۴) دونوں کے نیچے زیر (مِعِدہ) انسان کے کھانے اور پانی کے جمع ہونے کی جگہ، جیسے کہ گائے اور بکری کی اوجھڑی ہوتی ہے۔

[۲] معدے کی حیثیت جسم کی نسبت سے وہی ہے جو حوض کی درخت کی نسبت سے ہوتی ہے۔

[۳] انسان کے پیٹ میں پائی جانے والی رگیں، اعضاء سے معدے کی طرف آتی ہیں، اور اس سے وابستہ ہیں، جیسے پانی پینے کے لیے حوض پر آئے، ورود کا معنی ہے پانی پینے کے لیے حوض پر آنا، جیسے کہ صدور کا معنی ہے پانی پی کر لوٹنا۔

[۴] اور اس نے اچھا کھانا حاصل کیا ہو۔

[۵] تو رگیں معدے سے اعضاء کی طرف عمدہ رطوبتیں اور صالح غذا لے کر لوٹتی ہیں، جو بدن کی صحت اور طاقت کا سبب بنتی ہیں۔

[۶] اور اس نے ردی اور فاسد غذا حاصل کی ہو۔

[۷] تو رگیں اعضاء کی طرف ردی اور فاسد رطوبتیں لے کر جاتی ہیں جو بدن کی بیماری اور کمزوری کا سبب بنتی ہیں، جیسے کہ درخت کی جڑیں اور ریشے، حوض کی طرف جا کر رطوبتوں کو جذب کرتے ہیں، اگر پانی صاف اور میٹھا ہو تو درخت کی سرسبزی، تازگی اور نشوونما کا سبب بنے گا اور اگر پانی گدلا اور نمکین ہو تو درخت کے خشک، پژمردہ اور کمزور ہونے کا سبب بنے گا، جیسے کہ حضرت مصنف نے بیان کیا ہے یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے، محدثین نے اس کے صحیح اور مرفوع ہونے میں کلام کیا ہے، بعض کے نزدیک موضوعات میں سے ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔ شرح میں ہم نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

۴۳۶۴/۵۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُّصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهٗ اَوْ نَبِيًّا وَّغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَّمَآءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَآءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلَى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَ يَمْسَحُهَا وَ يُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) ۵۱ سورت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے زمین پر ہاتھ رکھا تو ایک بچھو نے آپ کو ڈس لیا۔ آپ نے اسے اپنے جوتے سے پکڑا اور ہلاک کر دیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے کہ وہ نہ تو نماز پڑھنے والے کو چھوڑتا ہے اور نہ اس کے غیر کو، یا فرمایا: نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو، پھر آپ نے نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور انگلی کے اس حصے پر ٹپکانے لگے جہاں بچھو نے کاٹا تھا، ساتھ ہی انگلی پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور معوذتین کے ساتھ اس پر دم کر رہے تھے (امام بیہقی، شعب الایمان)

۵۲ یہ دونوں حدیثیں امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہیں، لیکن پہلی حدیث کے صحیح ہونے میں کلام ہے جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔

۴۳۶۵/۵۳ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِّنْ مَّآءٍ وَّكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے روایت ہے کہ مجھے میرے گھر والوں نے پانی کا ایک پیالہ دے کر حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا، اور عادت یہ تھی کہ جب کسی آدمی کو نظر لگ جاتی یا کوئی چیز لاحق

شَیْءٌ بَعَثَ اِلَیْھَا مِخْضَبَۃً فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ کَانَتْ تُمْسِکُہٗ فِیْ جُلْجُلٍ مِّنْ فِضَّۃٍ فَخَضْخَضَتْہُ لَہٗ فَشَرِبَ مِنْہُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِی الْجُلْجُلِ فَرَاَیْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرَآءَ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

ہو جاتی تو وہ ان کے پاس لگن ۵۳ بھیجتا تھا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال مبارک نکالتیں ۵۴، جو انہوں نے چاندی کی کپی ۵۵ میں محفوظ کر رکھے تھے، وہ اس شخص کے لیے لگن ہلا دیتی تھیں ۵۶ تو وہ شخص پانی پی لیتا تھا، راوی ۵۷ کہتے ہیں کہ میں نے کپی میں جھانکا تو میں نے چند سرخ ۵۸ بال دیکھے۔

(بخاری)

۵۱ عثمان بن عبد اللہ بن موہب ہا پر زبر، حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے آزاد کردہ غلام، ثقہ تابعی ہیں۔

۵۲ راوی کو شک ہے کہ عین کہا یا اس کی جگہ شیءٌ کہا، یہ بھی احتمال ہے کہ او شی راوی کا شک نہ ہو، مطلب یہ ہو کہ جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی اور چیز لاحق ہو جاتی۔

۵۳ مِخْضَبَۃ میم کے نیچے زیر، نقطے والی خا ساکن، نقطے والے ضاد پر زبر، وہ لگن جس میں کپڑے دھوتے ہیں اسے مرکن بھی کہتے ہیں، یعنی پانی کا برتن بھیجتا تھا۔

۵۴ اور اس برتن میں ڈال دیتیں

۵۵ جُلْجُل دونوں جیموں پر پیش، اصل میں اس چھوٹی گھنٹی کو کہتے ہیں جو جانور کے گلے میں لٹکائی جاتی ہے اس جگہ گھنٹی کی ہم شکل ڈبیہ مراد ہے۔

۵۶ یعنی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کے لگن میں بال مبارک ڈال کر اسے ہلا دیتی تھیں، تاکہ ان سے کچھ حصہ جدا ہو کر پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائے یا اس لیے کہ پانی ان مقدس بالوں سے چھو جائے ۱۲ ق ن) اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جائے۔

۵۷ حضرت عثمان بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کپی میں جھانک کر دیکھا تاکہ معلوم کروں کہ اس میں کیا ہے اور اس کی صفات معلوم کروں۔

۵۸ بالوں کی سرخی یا تو اس لیے تھی کہ وہ پہلے ہی رنگے ہوئے تھے، یا حضرت ام سلمہ نے انہیں رنگ دیا تھا تاکہ مضبوط اور دیرپا ہو جائیں، یا اس لیے کہ انہیں سرخ رنگ کی خوشبو لگائی گئی تھی، جیسے کہ اس کی تاویل باب خضاب

میں گزر گئی ہے۔

۴۳۶۶/۵۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ جُدَرِيُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَآءُهَا شِفَآءٌ لِّلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَآءٌ مِّنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاَخَذْتُ ثَلَاثَةَ اَكْمُؤٍ اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ وَجَعَلْتُ مَآءَهُنَّ فِیْ قَارُوْرَةٍ وَكَحَلْتُ بِهٖ جَارِيَةً لِّیْ عَمْشَآءَ فَبَرِئَتْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کھمبی[1] زمین کی چیچک ہے[2]، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھمبی، مَنّ سے ہے[3]۔ اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے عجوہ (کھجور) جنت سے ہے[4] اور وہ زہر سے شفا ہے[5]۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں[6] کہ میں نے تین، یا پانچ یا سات کھمبیاں[7] لے کر نچوڑیں اور ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا، اور اپنی کمزور بینائی والی کنیز کی آنکھوں میں بطور سرمہ لگایا[8] تو وہ تندرست ہو گئی[9]۔ (ترمذی) انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

[1] اَلْكَمْاَةُ کاف پر زبر، میم ساکن اور ہمزے پر زبر (کھمبی) اسے زمین کی چربی اور جن کی ٹوپی کہتے ہیں ہمارے علاقے میں اسے سانپ کی چھتری کہتے ہیں کتاب الاطعمہ کی پہلی فصل میں اس کا معنی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ —— غالباً نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا اور صحابہ کرام نے اس کی برائی بیان کرتے ہوئے کہا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے۔

[2] کھمبی کو بچوں کے جسم پر نکلنے والی چیچک سے تشبیہ دی، یعنی جس طرح چیچک کی صورت میں خونی اور بلغمی ردی مادے ہوتے ہیں جو بچوں کی جلد سے باہر نکل آتے ہیں، اسی طرح کھمبی بھی ان مادوں کا مجموعہ ہے جنہیں زمین باہر نکال دیتی ہے۔ لہٰذا وہ گویا زمین کی چیچک ہے۔

[3] اسے مذمت کے دائرے سے نکال کر اس کی تعریف اور اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کھمبی اللہ تعالٰی کے عطیات میں سے ہے جو انسانوں کو بطور احسان عطا فرمائی ہے، بندوں کے کاشت کرنے اور پانی دینے کی تکلیف اٹھانے

کے بغیر زمین سے نمودار ہوتی ہے انسان کی خوراک بن جاتی ہے۔
اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر نازل ہونے والا من مراد ہو جو سلوٰی کے ساتھ نازل ہوتا تھا تو کھمبی کو اس کی تشبیہ دینا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح اس قوم کے لیے من آسمان سے نازل ہوتا تھا یہ بھی تمہارے لیے زمین سے اگتی ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ (اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے) میں کلام ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ پانی دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو شفا ہے یا تنہا ہی استعمال کیا جائے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ سرمہ، توتیا اور اس قسم کی دوسری دوائیں ساتھ ملا کر استعمال کی جائیں جو آنکھوں میں ڈالی جاتی ہیں، کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ تنہا اس کا استعمال آنکھ کو تکلیف دیتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے تنہا اس کا استعمال کرنا ثابت ہوتا ہے۔ امام نووی نے بیان کیا کہ میں نے اپنے زمانے کے بعض مشائخ کو دیکھا جن کی بینائی بالکل زائل ہو چکی تھی، حدیث پر اعتقاد اور اس سے برکت حاصل کرنے کی بدولت انہیں صرف کھمبی کے پانی کے آنکھوں میں لگانے سے کامل شفا مل گئی، بعض محدثین نے کہا کہ اگر اس کا استعمال آنکھ کی گرمی دور کرنے کے لیے ہے تو تنہا ہی اس کا استعمال مفید ہے اور اگر کوئی دوسری خرابی ہے تو اسے دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حدیث مطلق ہے اسے دوسری دواؤں کے ساتھ مخلوط کرنے سے مقید کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان کردہ قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ؔ۵۴ کھجور کی ایک قسم عجوہ جنت سے ہے جو وہاں سے دنیا میں لائی گئی ہے یا اس کی تعریف مقصود ہے کہ گویا وہ جنت سے آئی ہوئی ہے۔

ؔ۵۵ اس کی شرح بھی کتاب الاطعمہ کی پہلی فصل میں گزر گئی ہے۔

ؔ۵۶ یہ بیان کرنے کے لیے کہ کھمبی آنکھ کے لیے شفا ہے، اس سلسلے میں انہوں نے اپنا تجربہ بھی بیان کیا۔

ؔ۵۷ أَكْمُؤٌ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا ـــــ تین یا پانچ یا سات، یہ یا تو حضرت ابوہریرہ سے حدیث کے روایت کرنے والے کو شک ہے یا خود حضرت ابوہریرہ کو شک ہے، یہ واقعہ بیان کرتے وقت انہیں تعداد یاد نہیں رہی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ بہر صورت انہوں نے طاق عدد میں کھمبیاں لیں۔

ؔ۵۸ جس کی آنکھ سے پانی بہتا رہتا تھا۔

ؔ۵۹ اس کی بینائی تیز ہو گئی اور آنکھ کی بیماری جاتی رہی۔

۴۳۶۷/۵۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلَاثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيْمٌ مِنَ الْبَلَاءِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ)

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہر مہینے میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹا اسے بڑی چیز لاحق نہ ہو گی جو کہ بلا ہے[۱]۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

[۱] یا یہ مطلب ہے کہ اسے چھوٹی بلا تو کجا بڑی بلا بھی لاحق نہ ہو گی۔ یعنی شہد کی برکت اور اس کی خاصیت کی بنا پر چھوٹی بلا تو کیا بڑی بلا بھی دفع ہو جائے گی۔

اچھی طرح غور کیجئے۔ صاحب سفر السعادۃ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر روز پانی ملے ہوئے شہد کا ایک پیالہ گھونٹ گھونٹ نوش فرماتے تھے (اھ) کہتے ہیں کہ شہد میں پانی ملا کر پینا صحت کی حفاظت کا ضامن ہے، لیکن اسے فاضل اطباء ہی جانتے ہیں۔ کیونکہ ناشتے کے بعد شہد کا چاٹنا بلغم کو دور کرتا ہے، معدے کو صاف کرتا ہے، لیس دار اور زائد مادوں کو دور کرتا ہے، معدے کو حد اعتدال تک گرم کرتا ہے، سدے خارج کرتا ہے، پانی ٹھنڈا اور تر ہے جو حرارت کو جمع کرتا ہے اور جسمانی صحت کی حفاظت کرتا ہے، انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر صبح ٹھنڈے پانی میں شہد ملا کر ایک پیالہ نوش فرماتے پھر جب کھانے کی طلب ہوتی تو جو کچھ حاضر ہوتا اس میں سے تناول فرما لیتے۔

۴۳۶۸/۵۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَآءَيْنِ الْعَسَلِ وَالْقُرْاٰنِ رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْخَبَرَ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دو شفاؤں، شہد اور قرآن کو لازم پکڑو[۱]، ان دونوں حدیثوں کو امام ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں امام بیہقی نے روایت کیا ہے، امام بیہقی نے کہا صحیح یہ ہے کہ دوسری حدیث[۲] ابن مسعود پر موقوف ہے۔

۵۔ شہد شفا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق فِیْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اور قرآن پاک بھی شفا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هُدًى وَّشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ہدایت ہے اور سینوں کی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ لیکن شہد جسمانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور قرآن شریف ظاہر و باطن کے لیے شفا ہے اسی لیے فرمایا: ہدایت اور شفا ہے ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ شہد کے بارے میں فرمایا کہ اس میں شفا ہے اور قرآن پاک کو عین شفا قرار دیا۔

۲۔ جس میں ہے کہ تم دو شفاؤں کو لازم پکڑو، یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

۴۳۶۹ وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰى هَامَتِهٖ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَيْرِ سَمٍّ كَذٰلِكَ فِیْ يَافُوْخِیْ فَذَهَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّیْ حَتّٰى كُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فِی الصَّلٰوةِ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زہریلی بکری کی وجہ سے اپنی کھوپڑی پر سنگی لگوائی، معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہر کے بغیر اسی طرح سنگی لگوائی سر کے درمیان تو میرے حافظے کی عمدگی جاتی رہی یہاں تک کہ نماز میں مجھے سورۂ فاتحہ بتائی جاتی تھی۔

(رزین)

۱۔ حضرت ابو کبشہ انماری صحابی ہیں، ان کی حدیث، کھوپڑی پر سنگی لگوانے کی دوسری فصل میں گزر گئی ہے۔

۲۔ زہریلی بکری کا گوشت کھانے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف پیدا ہو گئی تھی، اس لیے آپ نے سنگی لگوائی، یہ واقعہ مشہور ہے (خیبر کی ایک یہودی عورت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کھلا دیا تھا، حضور نے اپنی ذات کا اس سے انتقام نہ لیا بلکہ معاف فرما دیا ۱۲ قادری)

۳۔ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں۔

؎ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لگائی تھی اور سر کے درمیان سے خون نکلوایا تھا یا یہ تاکید ہے ان کے اس قول کی کہ بغیر زہر کے سنگی لگائی۔

؎۵۵ یافوخ سر کا درمیانہ حصہ، کھوپڑی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

؎۵۶ سر کے درمیانے حصے سے خون نکالنے کی وجہ سے۔

؎۵۷ انتہائی مبالغے کے ساتھ حافظے کے زائل ہونے کا بیان ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کی بنا پر سر سے خون نکالنے کی حاجت پیش آجاتی ہے ایسی بیماریوں کے بغیر سر سے خون نکالا جائے تو حافظے کے لیے نقصان دہ ہے۔

۴۳۷۰ / ۵۸ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا نَافِعُ يَتَبَيَّغُ بِيَ الدَّمُ فَأْتِنِيْ لِحَجَّامٍ وَ اجْعَلْهُ شَابًّا وَلَا تَجْعَلْهُ شَيْخًا وَّ لَا صَبِيًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحِجَامَةُ عَلَى الرِّيْقِ اَمْثَلُ وَ هِيَ تَزِيْدُ فِي الْعَقْلِ وَ تَزِيْدُ فِي الْحِفْظِ وَ تَزِيْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ كَانَ مُحْتَجِمًا فَيَوْمَ الْخَمِيْسِ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ وَ اجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ وَ احْتَجِمُوْا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ وَ اجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ

حضرت نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اے نافع! میرا خون کھولتا ہے؎۱، تم میرے پاس فصد کرنے والے کو لاؤ لیکن وہ جوان ہو؎۲، بوڑھا یا بچہ نہ ہو، فرماتے ہیں حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ناشتے پر؎۳ فصد زیادہ بہتر ہے اور وہ عقل میں اضافہ حافظے میں زیادتی کرتی ہے، اور حافظے والے کا حافظہ بڑھاتی ہے، تو جو شخص فصد لینا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جمعرات کو لے، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو فصد سے بچو، پیر اور منگل کے دن فصد لو اور بدھ کے دن فصد سے بچو۔ کیوں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام

الْاَرْبِعَاءِ فَاِنَّهُ الْيَوْمُ الَّذِيْ اُصِيْبَ بِهٖ اَيُّوْبُ فِي الْبَلَاءِ وَمَا يَبْدُوْ جُذَامٌ وَّلَا بَرَصٌ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ لَيْلَةَ الْاَرْبِعَاءِ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

بلا میں مبتلا کیے گئے[۵۵]۔ کوڑھ یا برص کی بیماری بدھ کے دن یا اس کی رات کو ہی شروع ہوتی ہے[۵۶]۔

(ابن ماجہ)

[۵۱] مجھ پر خون کا اس حد تک غلبہ ہے کہ وہ جوش مارتا ہے جیسے پانی چشمے میں کھولتا ہے۔

[۵۲] یعنی طاقت ور ہونا چاہیے جو قوت کے ساتھ خون کھینچ اور نکال سکے۔

[۵۳] (عَلَی الرِّیْقِ کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ نہار منہ اور خالی پیٹ فصد لیا جائے اور یہی مناسب ہے آج کل اپریشن سے پہلے فاقہ کرایا جاتا ہے ۱۲ ق ن)۔

[۵۴] کیونکہ یہ دن نحوست اور بلا کا دن ہے۔

[۵۵] تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد بھی بدھ کے دن ہلاک کی گئی اور اس دن کو دائمی نحوست والا دن کہا گیا۔

[۵۶] یعنی کوڑھ اور سفید داغوں کی بیماری بدھ کے دن یا اس کی رات کو فصد لینے سے ہوتی ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ حصر اکثر اوقات کے اعتبار سے اور بطریق مبالغہ ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت کبشہ بنت ابی بکرہ کی حدیث دوسری فصل میں گزر گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منگل کے دن فصد لینا اچھا نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کے خلاف ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر حضرت کبشہ کی حدیث صحیح ہو تو اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ منگل کے دن فصد لیا جائے جب کہ وہ مہینے کا سترہ تاریخ کو واقع ہو جیسے کہ آیندہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۴۳۷۱/۵۹ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَامَةُ يَوْمَ الثُّلٰثَآءِ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَآءٌ لِدَآءِ السَّنَةِ (رَوَاهُ حَرْبُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینے کی سترہ تاریخ، منگل کے دن فصد لینا پورے سال کی بیماری کی دوا ہے، اس حدیث کو امام احمد بن حنبل

اَلْكِرْمَانِيُّ صَاحِبُ أَحْمَدَ وَ لَيْسَ إِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَ رَوٰى رَزِيْنٌ نَحْوَهٗ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ.

کے ساتھی حرب بن اسماعیل نے روایت کیا، اس کی سند قوی نہیں ہے[51]، اسی طرح منتقی[52] میں ہے، امام رزین نے یہ حدیث اسی طرح روایت کی[53]

۵۱ کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔

۵۲ امام ابن جارود کی تصنیف ہے۔

۵۳ بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ۔

# بَابُ الْفَالِ وَالطِّيَرَةِ

## ۳۰۵- اچھی اور بری فال کا بیان

فال ہمزے کے ساتھ، لیکن زبان زدِ عام بغیر ہمزے کے ہے، عام طور پر اس کا استعمال اچھائی میں ہوتا ہے مثلاً ایک بیمار کے بارے میں اندیشہ ہو کہ وہ صحت مند ہو گا یا نہیں، اس حال میں وہ کسی کو کہتے ہوئے سنے یَا سَالِمُ (اے سلامتی والے!) یا کسی چیز کو تلاش کرنے والا کسی کو کہتے ہوئے سنے یَا وَاجِدُ (اے پانے والے!) یہ اچھی فال ہے) بعض اوقات برائی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں اچھی فال اور بری فال، طِیَرَۃٌ طا کے نیچے زیر، یا پر زبر تَطَیُّرٌ کا ہم معنی مصدر ہے جیسے تخیر سے خِیَرَۃٌ کہتے ہیں، ان دو لفظوں کے علاوہ اس وزن پر کوئی مصدر نہیں آیا، اس کا استعمال بری فال میں ہی ہوتا ہے، بعض اوقات طیرہ کا استعمال مطلق فال میں بھی آتا ہے خواہ اچھی ہو یا بری، اسی طرح کہا گیا ہے، اچھی فال لینا لائق تعریف اور سنت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھی فال خصوصاً انسانوں اور مقامات کے ناموں سے بہت لیتے تھے، بری فال لینا ممنوع اور مذموم ہے تطیّر کی اصل اور وجہ تسمیہ یہ ہے

کہ عربوں میں شگون لینے کا رواج تھا. مثلاً جب کسی کام کا ارادہ کرتے یا کسی جگہ جانا چاہتے تو پرندے یا ہرن کو اس کی جگہ سے بھگاتے، اگر وہ دائیں جانب بھاگتا تو اسے مبارک خیال کرتے اور اس سے اچھی فال لیتے اور اس کام کے لیے روانہ ہو جاتے اور اگر وہ بائیں جانب چلا جاتا تو اس کام کو منحوس تصور کرتے اور اسے چھوڑ دیتے، شکار کے دائیں طرف سے آنے کو سُنُوح اور بائیں طرف سے آنے کو بُرُوح کہتے ہیں، وہ لوگ سنوح کو با برکت اور بروح کو منحوس خیال کرتے تھے، سوانح اور بوارح سے فال لینے کا کئی عبارتوں میں ذکر ہے اس کا یہی مطلب ہے اچھی فال لینے کی تعریف اور بری فال لینے کی مذمت میں نکتہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی سے اچھائی کی امید رکھنا، اس کی رحمت اور اس کے فضل کا امیدوار ہونا ہر حال بہتر ہے. اگرچہ خطا ہو اور غلط ثابت ہو، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ سے امید کا منقطع کرنا، بری بات سوچنا اور ناامید ہونا شرعی اور عقلی اعتبار سے مذموم ہے حالانکہ ہونا تو وہی کچھ ہے جو اس ذات کریم کو منظور ہوگا، یہ ہے فال اور طیرہ کی تحقیق، حضرت مصنف اس باب میں دوسری حدیثیں مثلاً عدولی، ہامہ اور صفر کے بارے میں بھی لائے ہیں جو بدفالی کے معنی میں ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۴۳۲۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طِيَرَةَ وَ خَيْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَ مَا الْفَالُ قَالَ اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بری فال کچھ چیز نہیں ہے[۱]، بہترین چیز فال ہے[۲] صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ فال کیا ہے؟ فرمایا وہ اچھا کلمہ ہے جسے تم میں سے کوئی شخص سنے[۳]
(صحیحین)

[۱] بدشگون لینے کا فائدہ حاصل کرنے اور نقصان کے دور کرنے میں کچھ دخل نہیں ہے، اس کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے اور اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا. شارع علیہ السلام نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اسے دخل نہیں دیا، بدفالی کی نفی اور اس کی ممانعت کے بعد فال کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ بہترین چیز فال ہے۔

[۲] خَيْرُهَا الْفَالُ یہ ضمیر طیرہ کی طرف راجع ہے، یعنی بہترین طیرہ اچھی فال لینا ہے اس جگہ طیرہ مطلق فال لینے کے معنی میں ہے، اس جگہ اشکال یہ ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی فال لینا بہت بہتر ہے اور بری فال

لینا بھی بہتر ہے، حالانکہ بری فال میں قطعاً بہتری نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ لفظ خیر بہت بہتر کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صرف بہتر کے معنی میں ہے، جیسے کہتے ہیں وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ آخرت بہتر ہے اور اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَيْرٌ جنت والے بہتر ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام، عربوں کے عقیدے پر مبنی ہے کیونکہ وہ بدفالی میں بھی بہتری کا عقیدہ رکھتے تھے، تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض بدفالی بہتر ہو تو نیک فال لینا اس سے بھی بہتر ہے۔

۲ اور اس سے اچھی فال لے، مثلاً کسی چیز کو تلاش کرنے والا سنے یَا وَاجِدُ اے پانے والے، یا گم کردہ راہ سنے یَا رَاشِدُ اے ہدایت پانے والے۔

۴۳۷۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری اڑ کر نہیں لگتی[1]، بدفالی[2]، پرندہ[3] اور صفر[4] کچھ نہیں ہے، اور کوڑھی سے اس طرح بھاگ جس طرح تو شیر سے بھاگتا ہے[5]۔
(البخاری)

۱ یہ ثابت نہیں ہے کہ بیماری ایک شخص سے اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہے، دور جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص بیمار کے پاس بیٹھے یا اس کے ساتھ مل کر کھائے تو مریض کی بیماری اسے لگ جاتی ہے، کہتے ہیں کہ اطباء کے خیال میں سات بیماریاں متعدی ہیں۔

(۱) جذام، کوڑھ (۲) خارش (۳) چیچک (۴) موتی جھیرہ۔ (۵) منہ یا بغل کی بدبو (۶) آشوب چشم (۷) وبائی بیماری (ہیضہ وغیرہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی نفی کی اور اسے باطل قرار دیا، یعنی بیماری ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف سرایت نہیں کرتی، بلکہ جس طرح قادر مطلق نے ایک شخص کو بیمار کیا اسی طرح اس نے دوسرے کو بیمار کر دیا دسرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو یہ نظریہ سکھایا ہے کہ ہر چیز میں موثر حقیقی اللہ تعالٰی ہی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ غلط ہے کہ بیماری خود بخود کسی کو لگ جاتی ہے جیسے بھی بیماری لگی ہے۔ اللہ تعالٰی کے ارادے اور اس کی مشیت سے ہے خواہ وہ پہلا شخص ہو یا دوسرا تیسرا یہ ممکن ہے کہ ایک بیمار کے آس پاس کی فضا مکدر اور خراب ہو جائے، اس سے اللہ تعالٰی کی مشیت کے تحت دوسرا شخص بھی بیمار ہو جائے ۱۲ ق ن)

۵۲ وَلَا طِيَرَةَ بدفالی کچھ نہیں، اس کا معنی اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

۵۳ وَلَا هَامَةَ میم مخفف، بعض نے اسے مشدد (هَامَّة) پڑھا ہے، اصل میں اس کا معنی سر ہے، اس جگہ پرندہ مراد ہے، جو عربوں کے گمان کے مطابق میت کی ہڈیوں سے پیدا ہو کر اڑ جاتا ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ مقتول کے سر سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے، وہ ہمیشہ پکار پکار کر کہتا ہے مجھے پانی دو، مجھے پانی دو، یہاں تک کہ مقتول کا قاتل قتل کیا جائے، بعض عرب یہ کہتے تھے کہ مقتول کی روح پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور فریاد کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ قاتل سے انتقام لے لے، جب انتقام لے لیتی ہے تو اڑ کر چلی جاتی ہے، صدی بھی اسی کا نام ہے، شارع علیہ السلام نے اس تصور کو بھی باطل کر دیا اور فرمایا کہ یہ کچھ نہیں ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ہامہ سے مراد الّو ہے جو کسی کے مکان پر گر کر آواز نکالتا ہے، اور اس کی موت اور ہلاکت کی خبر دیتا ہے اور یہ طیرہ میں داخل ہے، مختار پہلا قول ہی ہے۔

۵۴ اس جگہ بہت اقوال ہیں، بعض شارحین کے نزدیک مشہور مہینہ مراد ہے جو محرم کے بعد آتا ہے عوام الناس اسے بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وقت قرار دیتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے، اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے، بعض کے نزدیک پیٹ میں پایا جانے والا سانپ مراد ہے جو عربوں کے خیال کے مطابق بھوک کے وقت تکلیف اور ایذا دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھوک کے وقت جو تکلیف لاحق ہوتی ہے وہ اسی کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ ایک شخص سے دوسرے کی طرف سرایت کر جاتا ہے، امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ پیٹ کے کیڑے ہوتے ہیں جو بھوک کے وقت کاٹتے ہیں، بعض اوقات انسان کا جسم دکھنے لگتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب باطل ہے۔

بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد نسی ہے یعنی محرم کو صفر کی جگہ رکھنا اور اسے شہر حرام (عزت والا مہینہ) قرار دینا، جیسے کہ آیت کریمہ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ کی تفسیر میں مراد ہے اس کی حقیقت اپنی جگہ پر بیان کی گئی ہے۔

۵۵ بیماری کے (از خود) متعدی ہونے کی نفی کے باوجود فرمایا کہ کوڑھی سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، متعدی ہونے کی نفی اور کوڑھی سے بھاگنے کے حکم میں تطبیق، ہم فصل کے آخر میں بیان کریں گے۔

۳۴۲ / ۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا

ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری کا خود بخود دوسرے کو لگ جانا، پرندہ اور

صَفَرَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا بَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَلَ الْاَوَّلَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صفر کچھ نہیں ہے، ایک[51] بدوی نے عرض کیا یارسول اللہ! اونٹوں کا کیا حال ہے؟ اونٹ ریت میں الگ ہوتے ہیں تو ہرنوں کی طرح[52] ہوتے ہیں، ان میں خارش زدہ اونٹ شامل ہو جاتا ہے تو انہیں بھی خارش میں مبتلا کر دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا[53]: تو پہلے اونٹ کو کس نے خارش میں مبتلا کیا؟[54] (بخاری)

۵۱ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ اشیاء کی نفی کی، تو اعرابی نے سوال کیا کیونکہ اس کا تجربہ اس کے خلاف تھا۔

۵۲ تندرستی اور جلد کی صفائی میں

۵۳ اعرابی کے بیان کا رد کرتے ہوئے اور اسے باطل قرار دیتے ہوئے۔

۵۴ اسے کہاں سے خارش لگ گئی ——— غالباً پہلے اونٹ سے مراد وہ اونٹ ہے جسے سب سے پہلے خارش ہوئی، کیونکہ اگر وہ اونٹ مراد ہوتا ہے جس کے واسطے سے دوسرے اونٹوں کو خارش لاحق ہوئی ہے تو ممکن تھا وہ اعرابی کہہ دیتا کہ اسے کسی دوسرے اونٹ سے یہ بیماری لگی ہے اور اس کے ذریعے دوسروں تک پہنچتی ہے، کہنا پڑے گا کہ سب سے پہلے جس اونٹ کو خارش لاحق ہوئی اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی لاحق ہوئی تھی، تو دوسرے اونٹوں کے بارے میں بھی یہ کہنا پڑے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے۔

۴۳۷۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بیماری کا از خود متعدی ہونا، اُلّو، چاند کی منزل اور صفر[55] کچھ نہیں ہے۔ (مسلم)

۵۵ نَوء کے علاوہ باقی الفاظ کے معانی اس سے پہلے بیان کیے جا چکے ہیں، نَوء نون پر زبر، واؤ ساکن اور

آخر میں ہمزہ، اس کی جمع اَنْوَاءٌ ہے جس کا معنی منازل قمر ہے، چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں، آیۂ کریمہ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کی ہیں، اس کا اشارہ انہیں منازل کی طرف قرار دیتے ہیں، عرب، بارش کے نازل ہونے کی نسبت چاند کی طرف کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بارش کے نازل ہونے کی علت اور اس میں موثر چاند کا ان منزلوں میں سے بعض میں نازل ہونا ہے، شارع علیہ السلام نے اس تصور کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ بارش محض تقدیر الٰہی کی بنا پر نازل ہوتی ہے نہ کہ کسی دوسری چیز کی وجہ سے، چاند کے موثر اور علت ہونے کے عقیدے کا رد کیا گیا ہے، لیکن اگر اسے بایں معنی سبب مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بارش برساتا ہے۔ وقت علت نہیں ہے وہ قادر ہے چاہے تو اس وقت سے پہلے یا بعد بارش برسا سکتا ہے اور اگر چاہے تو اس وقت بھی بھیج سکتا ہے۔ جیسے کہ باقی اسباب عادیہ کا حکم ہے، تو یہ عقیدہ باطل اور کفر نہیں ہوگا، امام نووی نے فرمایا: اس کے باوجود مکروہ ہے کیونکہ یہ کفر کی علامت ہے اور اس سے علت ہونے کا گمان ہوتا ہے، علامہ طیبی نے کہا کہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ حکم بارش کے آنے اور اس جیسے دیگر امور کے بارے میں ہے جن کا دخل اور سبب عادی ہونا اس جگہ (سرزمین ہند میں) تجربے سے معلوم ہوا ہے، لیکن بندوں کے دیگر اعمال کی سعادت اور نحوست کا حکم کرنا جیسے کہ نجومی کرتے ہیں شریعت اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے واللہ تعالیٰ اعلم

۴۳۷۶/۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا عَدْوٰى وَلَا صَفَرَ وَلَا غُوْلَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیماری کا خود بخود متعدی ہونا، صفرا اور بھوت[1] کچھ نہیں ہے۔

(مسلم)

[1] غُول نقطے والی غین پر پیش، واؤ ساکن، اس کی جمع غیلان، نہایہ میں ہے کہ جنات اور شیطانوں کی جنس سے ایک مخلوق ہے، عربوں کا گمان تھا کہ بھوت جنگلوں میں مختلف صورتوں میں انسانوں کو دکھائی دیتے ہیں انہیں گمراہ کرتے ہیں اور ہلاک کر دیتے ہیں، شارع علیہ السلام نے اس کی نفی کی ہے، شارحین کہتے ہیں کہ بھوت (سرکش جن) کے وجود کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے اور انسانوں کو ہلاک کرنے کی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر انہیں لوگوں کو گمراہ کرنے اور ہلاک کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ صرف فریب کاری اور خیالی طور پر مختلف شکلیں دکھاتے ہیں، بعض شارحین نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھوت کی نفی سے مراد یہ ہو کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی انہیں ظاہر ہونے، گمراہ کرنے اور ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہو، جیسے شیاطین کو آسمان کے قریب جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے سے منع کر دیا گیا تھا۔

۴۳۷۷ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ثقیف[۵۱] کے وفد میں ایک شخص کوڑھی تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پیغام بھیجا[۵۲] کہ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے، لہٰذا تم واپس چلے جاؤ[۵۳] (مسلم)

۵۱ ایک جگہ کا نام جہاں کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا (قبیلے کا بھی نام ہے حجاج اسی قبیلے سے تھا ۱۲ ق ن)۔

۵۲ کہ تم لوگوں کی مجلس میں نہ آؤ، جہاں ہو وہیں رہو۔

۵۳ تمہیں ظاہری اور صوری بیعت کی حاجت نہیں ہے، اس حدیث سے کوڑھی سے دور ہونا اور اس کی صحبت سے اجتناب معلوم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے حدیث گزر چکی ہے کوڑھی سے اسی طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوڑھی سے دور رہنا چاہیے جب کہ ایک دوسری حدیث میں ہے لَا عَدْوٰی (بیماری خود متعدی نہیں ہوتی) ان احادیث میں تطبیق کے سلسلے میں علماء کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اکثر اس بات کے قائل ہیں بیماری کے متعدی ہونے کی مطلقاً نفی کرنا مقصود ہے، جیسے کہ ظاہر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ متعدی ہونے کی نفی سے مراد یہ ہے کہ بیماری موثر حقیقی نہیں ہے جیسے کہ حکمت طبیعیہ کے ماہرین، متعدی ہونے کی علتوں کو قطعی طور پر موثر مانتے ہیں، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقیقت حال پر تنبیہ کرتے ہوئے بتایا کہ صورت حال اس طرح نہیں ہے جس طرح ان کا گمان ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ اگرچہ ہے تو بیہودہ نہیں کوڑھی سے دور بھاگنے کا حکم دے کر بتا دیا کہ اس مرض والے سے میل جول اور قرب، اس بیماری کے پیدا ہونے کے اسباب میں سے ہے، اسباب کی رعایت کے پیش نظر اس سے دور رہنا لازم ہے، جیسے کہ جھکی ہوئی دیوار اور عیب والی کشتی سے بچا جاتا ہے، یہ تطبیق شیخ ابن صلاح کے دیگر علماء کے نزدیک مختار ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیماریاں طبعی طور پر از خود بخود متعدی نہیں ہیں، ہاں اللہ تعالیٰ نے ان بیماریوں میں مبتلا لوگوں سے میل جول کو متعدی ہونے کا سبب بنایا ہے، بعض اوقات بیماری متعدی نہیں بھی ہوتی، جیسے کہ باقی اسباب عادیہ کا حکم ہے لہٰذا متعدی ہونے کی نفی اور دور رہنے کا حکم دونوں باتیں درست ہیں۔

علامہ تورپشتی نے کہا کہ یہ قول میرے نزدیک مختار اور اولیٰ ہے، اور احادیث میں تطبیق کا ذریعہ ہے پہلے قول کی بنا پر طبی اصول کا معطل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ شریعت انہیں باطل کرنے کے لیے وارد نہیں ہوئی، بلکہ انہیں ثابت کیا ہے اور برقرار رکھا ہے، (ابن صلاح کے) اس قول کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ارشادوں میں مطابقت ہو جاتی ہے۔

(۱) ثقیف کے کوڑھی کو فرمایا: ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے تم واپس چلے جاؤ۔

(۲) ایک دوسرے کوڑھی کو فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔ پہلے فرمان میں اسباب کی رعایت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے فرمان میں مقام توکل کی طرف راہنمائی ہے جو ترک اسباب کا باعث ہے پہلے ارشاد میں امت کو تعلیم دی گئی ہے اور ان کمزور لوگوں کو رخصت دی گئی ہے جو ابھی مقام صدق میں ثابت قدم نہیں ہوئے۔ دوسرا ارشاد خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام کو ظاہر کرتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں فرمایا کہ تطبیق کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ متعدی ہونے کی نفی اپنے عموم اور اطلاق پر واقع ہے، اور ان بیماریوں میں مبتلا لوگوں سے میل جول متعدی ہونے کا ہرگز سبب نہیں ہے، لیکن کوڑھی سے دور بھاگنے کا حکم از قبیل سد ذرائع ہے، تاکہ کوئی شخص شرک کے جال میں نہ پھنس جائے، یعنی اگر کسی نے کوڑھی سے میل جول رکھا اور اچانک تقدیر الٰہی سے کوڑھ کے مرض میں پھنس گیا تو وہ یہ عقیدہ نہ رکھے کہ میل جول رکھنے کی وجہ سے یہ بیماری لاحق ہوئی ہے، اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا تاکہ اس وہم میں نہ واقع ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود کوڑھی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، کیونکہ آپ حقیقی توکل کے مقام پر فائز تھے اور آپ کے دل اقدس میں غلط وہم کا گزر نہیں ہو سکتا تھا۔ دور بھاگنے کا حکم اس شخص کے لیے جو اپنے اندر صدق و یقین نہیں پاتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ بیماری لاحق ہو جائے تو وہ شرک خفی میں مبتلا ہو جائے (اھ)

علامہ کرمانی نے فرمایا کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی، اس ارشاد سے کوڑھ مستثنیٰ ہے۔ امام نووی نے فرمایا: کہ کوڑھ کی ایسی بدبو ہے کہ جو شخص کوڑھی کے ساتھ کھائے پیئے۔ ایک ساتھ بیٹھے، صحبت کرے اسے بھی بیمار کر دیتی ہے لہٰذا یہ طب سے متعلق ہے یہ متعدی ہونا نہیں ہے، جیسے کہ برا کھانا اور بدبو نقصان دیتی ہے: اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے ——— یہ ہے اس مسئلے میں علماء کرام کا کلام ———

واللہ تعالیٰ اعلم

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۳۷۸ — عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ — حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ وَ كَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اچھی فال[۱] لیا کرتے تھے، بری فال نہیں لیتے تھے، اور اچھا نام پسند کرتے تھے[۲]۔

(شرح السنۃ[۳])

[۱] انسانوں، مقامات اور دوسری چیزوں کے ناموں سے اچھی فال لیتے تھے، احادیث میں اس کا ذکر کثرت سے ہے، لیکن بری فال نہیں لیتے تھے، اچھی فال کو پسند کرنے اور بری فال کو پسند نہ کرنے کی وجہ پہلی فصل میں فال اور تطیر کا معنی بیان کرتے ہوئے بیان کر دی گئی ہے۔

[۲] مثلاً اگر کسی شخص کا نام برا ہوتا تو اسے تبدیل کر دیتے اور اچھا نام رکھ دیتے، یہ بھی ایک قسم کی نیک نامی ہے، اچھا نام جمال کا زیور، کمال کا تتمہ اور ذکر جمیل میں داخل ہے جیسے کہ اچھی نام والے کو اچھی صفت سے موصوف کر دیا ہو، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھے نام کی اچھے اخلاق سے موصوف ہونے اور اچھے افعال کے صادر ہونے میں تاثیر ہوتی ہے۔

جیسے کہ بعض شارحین نے دعویٰ کیا ہے، اس مسئلے کی تفصیل صراط مستقیم سفر السعادۃ کی شرح میں بیان کی گئی ہے، وہاں دیکھی جائے۔

[۳] امام احمد اپنی مسند میں بھی لائے ہیں۔

۴۳۷۹ وَعَنْ قَطَنِ ابْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

قطن بن قبیصہ[۱] اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پرندے اڑانا[۲]، کنکر پھینکنا اور بدفالی مشرکوں کے افعال ہیں[۳]۔

(ابوداؤد)

[۱] قطن قاف پر اور بے نقطہ طا پر زبر اور آخر میں نون بن قبیصہ قاف پر زبر، باء کے نیچے زیر، یاء ساکن صاد بے نقطہ ——— قطن تابعی ہیں، اہل بصرہ میں شمار کیے جاتے ہیں، سجستان اور اسبہان کے گورنر تھے ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے، امام نسائی نے فرمایا: ان میں کوئی عیب نہیں ہے، امام ابوداؤد اور نسائی نے ان سے ایک ایک حدیث روایت کی ہے۔

۵۲ اَلْعِیَافَۃُ بے نقطہ عین کے نیچے زیر، یا کے نیچے دو نقطے، اس کے بعد فا، عیافت اس طریقے سے پرندوں کا اڑانا جس کا ذکر پہلی فصل میں تطیر کا معنی بیان کرتے ہوئے کیا جا چکا ہے، پرندوں کے ناموں، ان کی آوازوں اور صفات سے فال لینا، اس سلسلے میں عربوں کے قصے، حکایات اور واقعات بکثرت ہیں، طرق بے نقطہ طا پر زبر را ساکن اور آخر میں قاف، کنکر پھینکنا جیسے کہ عرب عورتوں کی فال کے سلسلے میں عادت ہے بعض شارحین نے کہا اس سے مراد ریت میں لکیر کھینچنا ہے، جیسے کہ رمل والوں کا طریقہ ہے، قاموس میں ہے کہ طرق کا معنی ہے کاہنوں کا کنکر پھینکنا۔ مجمع البحار میں ہے کہ طرق کہانت کا ایک طریقہ ہے، جیسے کہ نجومی اور رمل والے دل کی بات وغیرہ معلوم کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

۵۳ جبت جیم کے نیچے زیر، ایک نقطے والی با ساکن، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ چیز جس کی عادت کی جائے، یعنی شرک کا سبب اور مشرکوں کے کاموں میں سے ہے، بعض شارحین نے جبت کی تفسیر جادو اور کہانت سے کی ہے، کہانت کا معنی آئندہ باب میں بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بعض شارحین نے کہا کہ جبت جادوگر کو کہتے ہیں، اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ یہ جادوگروں اور بدکاروں کا عمل ہے۔

۴۳۸۰/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَہٗ ثَلٰثًا وَّمَا مِنَّآ اِلَّا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْھِبُہٗ بِالتَّوَکُّلِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ) فَقَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِیْلَ یَقُوْلُ کَانَ سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ یَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ وَمَا مِنَّآ اِلَّا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْھِبُہٗ بِالتَّوَکُّلِ۔ ھٰذَا عِنْدِیْ اَقُوْلُ ابْنِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بری فال لینا شرک ہے[۵۴]، یہ بات تین دفعہ فرمائی، اور ہم میں سے کوئی شخص نہیں ہے مگر (اس کے دل میں بری فال سے تردد پیدا ہوتا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اس خیال کو دور کر دیتا ہے[۵۵] (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذی نے فرمایا میں نے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ سلیمان بن حرب[۵۶] اس حدیث کے بارے میں فرماتے تھے کہ میرے نزدیک آخری جملہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا الخ ابن مسعود

مسعود ۔

کا قول ہے ۵۰۔

۵۱ مشرکوں کا عمل ہے اور شرک خفی کا موجب ہے اور اگر جزم کے ساتھ عقیدہ رکھے کہ ضرور اس طرح ہو جائے گا تو بے شک کفر ہے ۔

۵۲ یعنی اگر بتقاضائے بشریت دل میں شک یا وہم پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اس کام کے لیے چلا جائے اور وہم کی پیروی نہ کرے ۔

۵۳ امام بخاری کے استاذ۔

۵۴ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، اور حق یہ ہے کہ اسی طرح ہونا چاہیے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارباب یقین کے سردار ہیں اور تمام اصحاب توکل و تمکین سے افضل و اعلیٰ ہیں، آپ کے دل اقدس میں اس قسم کا تردد کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اگر بالفرض نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا فرمان ہو تو از راہ تواضع اپنے بلند مقام سے نیچے آ کر امت کے حال پر تنبیہ اور ان کی تعلیم کے لیے اس طرح فرمایا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۳۸۱ (۱) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَهَا مَعَهٗ فِي الْقَصْعَةِ وَ قَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَ تَوَكُّلًا عَلَيْهِ ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کوڑھی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اسے پیالے میں رکھا اور فرمایا: ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں کھاؤ[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] اس میں اشارہ ہے کہ یقین اور اطمینان کے حاصل ہونے کے بعد کوڑھی سے گریز لازم نہیں ہے جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۴۳۸۲ (۱۱) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَلَا عَدْوٰى وَ لَا طِيَرَةَ وَ اِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ

حضرت سعد بن مالک[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اُلّو، بیماری کا خود بخود متعدی ہوتا اور نحوست کچھ نہیں ہے، اور اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست ہے

فَفِي الدَّارِ وَ الْفَرَسِ وَ الْمَرْأَةِ۔ تو گھر، گھوڑے اور عورت میں ہے[۲]۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ) (ابوداؤد)

[۱] سعد بن مالک، مشہور اور کثیر الحدیث صحابی حضرت ابوسعید خدری کا نام ہے، ان کے والد کا نام مالک بن سنان ہے، وہ بھی صحابی ہیں، خُدرہ خاندان پر پیش، انصار کی ایک شاخ ہے، حضرت ابوسعید خدری بیعت رضوان میں شامل تھے، پہلے پہل غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معیت میں بارہ غزوات میں حاضر ہوئے، ان سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، ۷۴ھ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

[۲] یاد رہے کہ طیرہ کے بارے میں مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض احادیث سے طیرہ (بدفالی) کی تاثیر کی نفی اور اس کا عقیدہ رکھنے اور اعتبار کرنے سے مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں بعض حدیثوں میں عورت اور چارپائے میں اس کا ثبوت صیغہ جزم کے ساتھ ملتا ہے، جیسے کہ بخاری اور مسلم میں ہے کہ نحوست تین ہی چیزوں میں ہے گھوڑے، عورت اور گھر میں، ایک روایت میں ہے منزل اور خادم میں نحوست ہے، کہیں لفظ شرط کے ساتھ ہے جیسے اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں ہے، بعض احادیث سے دیگر امور کی طرح ان امور میں بھی نحوست کے ثابت ہونے کا انکار ہے، جیسے کہ ابن ابی ملیکہ کی حدیث میں بروایت ابن عباس آیا ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ان امور میں نحوست کا عقیدہ اہل جاہلیت میں پایا جاتا ہے، جیسے کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آیا ہے۔

ان احادیث میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ بالذات تاثیر کے عقیدے کی نفی ہے اور یہ عقیدہ امور جاہلیت میں سے ہے، تمام اشیاء میں مؤثر اللہ تعالیٰ ہے اور تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور اس کی تقدیر سے ہیں، اشیاء مذکورہ میں نحوست کا اثبات اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق ہے کہ اس نے پیدا کی ہے اور اس نے ان چیزوں کو سبب عادی بنایا ہے، ان اشیاء کو بعض احوال اور خصوصیات سے خاص کرنے کی حکمت شارع علیہ السلام ہی جانتے ہیں، پس نفی، ذاتی تاثیر کی ہے اور اثبات سبب عادی کے طور پر ہے جیسے کہ مرض کے متعدی ہونے اور کوڑھ کے بارے میں اہل علم نے کہا ہے، بعض شارحین نے فرمایا، مطلب یہ ہے کہ کسی چیز میں نحوست نہیں ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ ثابت ہے تو ان چیزوں کے بارے میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان میں ثابت ہو جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر سبقت کرتی، یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے، قاضی عیاض کے کلام سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے، وہ لَاطِيَرَةَ کی شرح میں کہتے ہیں

کہ اس شرط (اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی) سے معلوم ہوتا ہے کہ بدفالی کی نحوست ان چیزوں میں نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کسی چیز میں ثابت ہوتی تو ان چیزوں میں ہوتی، کیونکہ ان چیزوں میں اس کی قابلیت زیادہ ہے لیکن ان چیزوں میں تو وہ ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کا کہیں وجود نہیں ہے (اھ) بعض شارحین نے کہا کہ عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ شوہر سے موافقت نہ رکھتی ہو، اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو، اور وہ شوہر کی فرمانبردار نہ ہو، یا بدصورت ہو، گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو، ہمسائے برے ہوں اور اس جگہ کی ہوا خراب ہو، گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہو اور وہ غرض اور مصلحت کے موافق نہ ہو، اسی معنی میں خادم کی نحوست ہے یا نحوست سے مراد شرعاً یا طبعاً ناپسندیدہ ہونا ہے، اس اعتبار سے نحوست اور بدفالی کی نفی عموم اور حقیقت پر محمول ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۳۸۳/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعْجِبُهٗ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ اَنْ یَّسْمَعَ یَارَاشِدُ یَا نَجِیْحُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کام کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کو یہ بات پسند تھی کہ یَارَاشِدُ یَا نَجِیْحُ ایسے الفاظ اور نام سنیں[1]۔ (ترمذی)

[1] جن کا معنی ہے اے صاحب رشد و ہدایت اور اے کامیاب و کامران (کیونکہ آپ نیک فالی پسند فرماتے تھے)۔

۴۳۸۴/۱۳ وَعَنْ بُرَیْدَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَطَیَّرُ مِنْ شَیْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَاَلَ عَنِ اسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهٗ اِسْمُهٗ فَرِحَ بِهٖ وَرُءِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِنْ کَرِهَ اِسْمَهٗ رُءِیَ کَرَاهِیَةُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهٖ وَاِذَا دَخَلَ

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے برا شگون نہیں لیتے تھے[1]، جب آپ کسی کو عامل بنا کر بھیجتے تو اس کا نام پوچھتے، اس کا نام پسند آتا تو اس سے خوش ہوتے، اور اس کی خوشی آپ کے چہرۂ انور میں دکھائی دیتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو اس کی ناپسندیدگی آپ کے چہرۂ اقدس میں

قَرْيَةً سَأَلَ عَنْ إِسْمِهَا فَإِنْ أَعْجَبَهُ إِسْمُهَا فَرِحَ بِذَالِكَ وَ رُئِيَ بِشْرُ ذَالِكَ فِي وَجْهِهِ وَ إِنْ كَرِهَ إِسْمَهَا رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذَالِكَ فِي وَجْهِهِ۔

دیکھی جاتی، جب آپ کسی گاؤں میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے، اگر اس کا نام پسند ہوتا تو اس سے خوش ہوتے اور اس کی خوشی آپ کے رخ انور میں دیکھی جاتی اور اگر اس کا نام ناپسند ہوتا تو آپ کے رخ پر نور میں ناپسندیدگی دیکھی جاتی

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

لے حضرت بریدہ اسلمی مشہور صحابی ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
لے۲ اس کے باوجود
لے۳ یہ بدفالی نہیں ہے، کیونکہ اس ناخوشی کی بنا پر آپ جس کام کا ارادہ رکھتے تھے اسے ترک نہیں کرتے تھے، اس کے باوجود ناپسندیدگی اور نام کی کراہت کا اثر آپ کے روئے اقدس میں ظاہر ہوتا تھا، اس لیے کہ نیک فالی اور بدفالی سے قطع نظر اچھائی اور برائی کا اثر، خوشی اور ناخوشی میں طبعی ہے۔

۴۳۸۵ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّا كُنَّا فِي دَارٍ كَثُرَ فِيْهَا عَدَدُنَا وَ أَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا إِلَى دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا وَ أَمْوَالُنَا فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ. ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم ایک حویلی میں تھے جس میں ہماری تعداد بھی زیادہ تھی اور اموال بھی بکثرت تھے، پھر ہم ایک دوسری حویلی میں منتقل ہو گئے جس میں ہماری تعداد اور ہمارے اموال کم ہو گئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس حویلی کو چھوڑ دو لے اس حال میں کہ وہ قبیح ہے۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) (ابوداؤد)

لے یہ بدفالی کی بنا پر نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ یہ نقصان اور یہ خرابی اس مکان میں رہنے کی بنا پر ہے تو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو تا کہ وہم کی بنیاد ختم ہو جائے اور وہ لوگ شرک خفی کے چکر میں نہ پڑیں، بعض علماء نے کوڑھی سے بھاگنے کی جو توجیہ بیان کی ہے یہ توجیہ اس کے موافق ہے، بعض محدثین نے جو کہا کہ ان اشیاء میں نحوست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کراہت اور ناپسندیدگی ہے تو یہ توجیہ اس

کے بھی مطابق ہے، جو حضرات خاص طور پر ان اشیاء کو سبب عادی قرار دیتے ہیں تو ان کے مطابق کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

۴۳۸۶/۱۵ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَحِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَ بْنَ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَنَا أَرْضٌ يُقَالُ لَهَا أَبْيَنُ وَ هِيَ أَرْضُ رِيْفِنَا وَ مِيْرَتِنَا وَ إِنَّ وَبَاءَهَا شَدِيْدٌ فَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَإِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

یحیی بن عبداللہ بن بحیر[۱] فرماتے ہیں مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے فروہ ابن مسیک[۲] کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے پاس ایک زمین ہے جسے اَبْیَن[۳] کہا جاتا ہے یہ ہمارے باغ اور کھیتی کی زمین ہے[۴]، اس کی وبا سخت ہے[۵]۔ فرمایا: اسے چھوڑ دو[۶]، کیونکہ قرف[۷] سے ہلاکت پیدا ہوتی ہے۔

(ابوداؤد)

۱؎ یحیی بن عبداللہ بن بحیر ایک نقطے والی بار پر زبر بے نقطہ حاء کے نیچے زیر، یار ساکن، اور آخر میں رار، یعنی تابعی اور ثقہ واعظ ہیں، بعض نے کہا کہ مستور الحال ہیں۔

۲؎ فروہ بن مسیک میم پر پیش، سین پر زبر، یار ساکن، صحابی ہیں، ان کا تعلق یمن سے تھا، سنہ ۹ھ اور بقول بعض سنہ ۱۰ھ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر کوفہ چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کرلی، کوفہ کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے، بہترین شاعر تھے، امام شعبی اور محدثین کی ایک جماعت نے ان سے حدیث روایت کی۔

۳؎ اَبْیَن ہمزے پر زبر، بار ساکن اور یار پر زبر کہتے ہیں کہ اُبْیَن ایک شخص کا نام تھا مشہور شہر عدن اس کی طرف منسوب تھا، اسی لیے اس شہر کو عدن اُبْیَن کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی وہ ایسی زمین ہے جہاں دوسری جگہوں سے غلہ لایا جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس جگہ سے دوسری جگہوں پر غلہ لے جایا جاتا ہے۔ ریف رار کے نیچے زیر، یار ساکن، وہ زمین جہاں کھیتی اور چارہ ہو میرۃ میم کے نیچے زیر، یار ساکن، غلہ جو جانور پر لادا جائے، اِمْتِیَار لاد کر لانا۔

۵؎ کیونکہ وہاں کی ہوا میں فساد ہے اور وہ انسانی طبیعت کے ناموافق ہے۔

۵۶ اور اپنے آپ سے جدا کر دو۔

۵۷ قَرَف قاف اور را پر زبر، وبا سے میل جول، اختلاط، قرب، صراح میں ہے قرف پہلے دونوں حرفوں پر زبر بیماری کا نزدیک آنا قاموس میں ہے القرف پہلے حرف کی حرکت کے ساتھ ہی، وبار متعدی بیماری اور بیمار کر دینے والی زمینوں کے قریب ہونا۔ علامہ طیبی نے کہا کہ یہ بیماری اڑ کر لگنے کی بات نہیں ہے بلکہ از قبیل طب اور علاج ہے، کیونکہ اچھی اور موافق ہوا بدن کی صحت کے لیے معاون ہے اور ہوا کی خرابی اور ناموافقت، بیماریوں اور ہلاکت کا باعث ہے۔

ہو سکتا ہے کہ وبا اور طاعون سے بھاگنے والے اس حدیث کے مضمون سے استدلال کریں، کہ اس شخص نے اس زمین میں پائی جانے والی وبار کی شکایت کی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دو اور وہاں سے چلے جاؤ، کیونکہ بیماری اور وبا سے اختلاط ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اس زمین میں وبا کے واقع ہونے کی شکایت کی، اسے منحوس اور ناپسندیدہ قرار دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے حال کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے اور اس کے شرک خفی کے حکم میں واقع ہونے کے خوف کے تحت اس جگہ سے نکلنے اور وہاں رہائش کے ترک کرنے کی اجازت دے دی ایسا نہیں تھا کہ اس جگہ وبا واقع ہو گئی اور اس کے واقع ہونے کے بعد وہاں سے فرار کی اجازت عطا فرمائی، گفتگو اس میں ہے، طریقہ یہ ہے کہ بلا کے واقع ہونے سے پہلے اس سے اجتناب کیا جائے، اور واقع ہونے کے بعد صبر و رضا کا مظاہرہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی جائے گڑگڑایا جائے، اسی کا حکم دیا گیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین اور دوسری کتابوں میں وارد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وبا سے بھاگنا ممنوع ہے، صبر اور ثابت قدمی کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی رغبت دلائی گئی ہے، نیز یہ حدیث سنن ابو داؤد میں ہے اور یہ صحیحین کی حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی، کہتے ہیں کہ فروہ بن مسیک سے صرف ایک دو حدیثیں مروی ہیں اور وہ بھی ایک مجہول راوی سے سنی ہیں جس کا نام معلوم نہیں ہے، پھر یحییٰ بن عبداللہ بن بحیر میں بھی اختلاف ہے کہ وہ ثقہ ہے یا نہیں، بعض شارحین نے وبا اور طاعون میں فرق کیا ہے۔ اگرچہ صحیح یہ ہے کہ وبا اور طاعون سے مراد ایک ہی ہے یعنی عام بلا اور موت جیسے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، کہ تم عام حملے کے وقت نہ بھاگنا اور جب لوگوں کو موت آ لے اور تم ان میں ہو تو ثابت قدم رہنا۔ حضرت جابر اور حضرت عائشہ کی حدیث میں طاعون سے بھاگنے کو عام حملے سے بھاگنے سے تشبیہ دی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بے شک وبا سے بھاگنا ممنوع اور گناہ ہے، اگر پختہ عقیدہ رکھے کہ صبر کیا تو ضرور مر جاؤں گا اور اگر بھاگ گیا تو ضرور بچ جاؤں گا تو کافر ہو جائے گا اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو گنہگار ہو گا۔ گھر میں آگ لگ

جاتے اور زلزلے کے وقت گھر سے باہر نکلنے پر اس کا قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس قیاس کے خلاف نص وارد ہے، نیز زلزلے کے سبب مکان کے گرنے اور آگ لگنے کی صورت میں ہلاکت غالب بلکہ عادۃً یقینی ہے جب کہ وبا سے فرار اختیار نہ کرنے کی صورت میں موت مشکوک اور موہوم ہے (لہٰذا قیاس درست نہیں) اگر کہا جائے کہ فضیلت، عزیمت اور توکل صبر میں ہے اور باہر نکلنا مباح ہے اور اس کی رخصت ہے تو میں کہتا ہوں کہ عام حملے سے بھاگنے کے ساتھ تشبیہ اور وعید کا وارد ہونا اس کے منافی ہے، کیونکہ عام حملے سے بھاگنا بالاتفاق ممنوع اور گناہ کبیرہ ہے، اس کے ساتھ تشبیہ کا تقاضا برابری ہے یا اس سے کچھ کم ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جہاں وبا پھیل چکی ہو وہاں نہ جاؤ، یہ مطلب نہیں کہ جہاں وبا پھیل جائے وہاں نہ ٹھہرو، اگر کہا جائے کہ تقدیر پر توکل اور رضا دونوں صورتوں میں ہے یعنی جہاں وبا ہے اس جگہ رہنے اور وہاں سے چلے جانے میں، اس کا جواب یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مقابل یہ بات باطل ہے اور لائق سماع نہیں ہے، حکم یہ ہے کہ جہاں وبا واقع ہو نہ تو اس جگہ سے نکلے اور نہ اس جگہ جائے عقل کا اس مسئلے میں دخل نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۳۸۷/۱۶ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ لَا يَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ مُرْسَلًا)

حضرت عروہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس فال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اچھی فال[۱] نیک فال ہے اور چاہیے کہ فال کسی مسلمان کو نہ روکے، جب تم میں سے ایک شخص کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھے[۲] تو کہے اے اللہ! نیکیوں کو تو ہی لاتا ہے اور برائیوں کو تو ہی دفع کرتا ہے، برائی سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی طاقت، اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہے یہ حدیث امام ابوداؤد نے مرسلاً روایت کی۔

[۱] یہ کلام اس بات پر مبنی ہے کہ طیرہ کا اطلاق اچھی اور بری دونوں فالوں پر ہوتا ہے جیسے کہ پہلی فصل کی پہلی حدیث میں گزرا ہے کہ خَیْرُھَا الْفَالُ طیرہ کی بہترین قسم نیک فال ہے اس حدیث کے تحت جو سوال و جواب بیان ہوا ہے وہ اس جگہ بھی جاری ہے۔

[۲] اس کام سے جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے۔

۵۳ یعنی ایسی چیز دیکھے جس سے بری فال نکلتی ہو اور دل میں برا وسوسہ پیدا ہوتا ہو۔
۵۴ کیونکہ عروہ بن عامر تابعی ہیں۔

# بَابُ الْکَهَانَةِ

## ۳۰۶۔ کہانت کا بیان

علامہ کرمانی نے کہا کہانت پہلے حرف پر زبر اور زیر پڑھ سکتے ہیں، صراح میں ہے کاہن فال بیان کرنے والا، قاموس میں ہے کہانت پہلے حرف پر زبر فال بیان کرنا، پہلے حرف کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی ہے فال گوئی کا پیشہ، اس کی جمع "کُهَّانٌ" اور "کَهَنَةٌ" ہے، علامہ طیبی نے کہا؛ کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ زمانے میں پیدا ہونے والے امور اور حوادث کی خبر دے اور مخفی اسرار کی معرفت کا دعوی کرے، عرب میں بہت سے کاہن تھے، ان میں سے کچھ کے قبضے میں جنات تھے جو آسمانوں کے قریب جاکر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے اور آکر کاہنوں کو بتادیتے تھے جیسے کہ احادیث میں آئے گا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جوہر روح کا تعلق جنات اور شیاطین ایسی ارواح خبیثہ سے قائم ہو جاتا ہے ان کے ذریعے جھوٹی اور گمراہ کن باتیں حاصل کی جاتی ہیں، کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جو افعال، اقوال اور احوال کو علامات اور اسباب و مقدمات قرار دے کر مطلب تک رسائی حاصل کرتے تھے، ان کا خصوصی نام عراف تھا، مثلاً علامات کے ذریعے یہ معلوم کرتے تھے کہ چوری کی گئی چیز کس جگہ ہے اور گم شدہ فرد کہاں ہے، جیسے کہ رمل والے معلوم کرتے ہیں، بعض اوقات کاہن کا استعمال عام معنیٰ میں ہوتا ہے جو عراف اور نجومی کو شامل ہوتا ہے، یہ افعال حرام ہیں، ان کے معاوضے میں مال لینا بھی حرام ہے، لینے اور دینے والے دونوں گنہگار ہیں، محتسب پر لازم ہے کہ انہیں روکے اور سزا دے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۴۳۸۸ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ — حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُهٗ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَ مِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم کچھ کام دور جاہلیت میں کیا کرتے تھے[۲]، ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے[۳]، فرمایا[۴]: تم کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو، کہتے ہیں میں نے عرض کیا[۵] کہ ہم برا شگون لیتے تھے، فرمایا: برا شگون ایسی چیز ہے جسے تم میں سے ایک شخص اپنے دل میں پاتا ہے[۶] تو وہ ہرگز تمہیں روک نہ دے[۷]، انہوں نے کہا میں نے عرض کیا کہ[۸] ہم میں سے کچھ لوگ (زمین پر) لکیریں کھینچتے ہیں[۹]۔ فرمایا انبیاء کرام میں سے ایک نبی[۱۰] لکیر کھینچا کرتے تھے، تو جس کی لکیر ان کی لکیر کے موافق ہوگی[۱۱] تو وہ شخص درست ہے۔ (مسلم)

لہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں، مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے، ان سے ابو سلمہ اور عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں۔

۵۲ ان میں سے ایک یہ ہے کہ۔

۵۳ اور ان سے مختلف کاموں اور خبروں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔

۵۴ جب تم ایمان لاچکے ہو تو۔

۵۵ ان کاموں میں سے دوسرا کام یہ ہے۔

۵۶ برا شگون لینا اور اس کے پیچھے جانا وہم، خلجان اور وسوسہ ہے جسے تم میں سے ایک آدمی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔

۵۷ تمہیں اس کام سے روک نہ دے جس کا تم نے ارادہ کیا اور جسے شروع کیا ہے۔

۵۸ ہم جاہلیت میں جو کام کیا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ

۵۹ اس سے مراد وہ لکیریں ہیں جو رمل کے ماہرین مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو معلوم کرنے کے لیے کھینچتے ہیں فال نکالتے ہیں اور اس کے ذریعے احوال معلوم کرکے حکم لگاتے ہیں۔

۱۰ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت ادریس علیہ السلام

مراد ہیں۔

۵۱۱ یعنی درست اور صحیح ہو اور مقصود تک پہنچانے والی ہو۔

۵۱۲ اور اگر ان کی لکیروں کے مطابق نہ ہو تو وہ خطا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اتفاقاً حاصل ہونے والی وہ موافقت مطلوب اور محمود ہے، جیسے کہتے ہیں کہ اگر اس طرح ہو تو ٹھیک ورنہ ضائع اور بیکار ہے، اس جگہ صراحۃً منع نہیں فرمایا، بلکہ ایسے امر پر معلق کر دیا جس کے موجود ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس نبی کی لکیروں کی موافقت، چونکہ اس موافقت کا علم مفقود و معدوم ہے لہٰذا اس زمانے میں اس پر عمل کرنا حرام اور ممنوع ہے مطلب یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ نبی بھی اسی طرح لکیریں کھینچتے تھے اور عمل کرتے تھے، اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب مالا یجوز من العمل فی الصلوٰۃ میں گزر گئی ہے۔

۴۳۸۹ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ إِنَّهُمْ لَيْسُوْا بِشَيْءٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ أَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ أُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں دریافت کیا[۱] تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کچھ نہیں[۲]، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ![۳] بعض اوقات وہ ایک چیز کی خبر دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بات سچ سے ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے[۴] اور اسے اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے[۵] جیسے مرغی چوگا دیتے وقت آواز نکالتی ہے[۶]، تو کاہن اس میں سو سے زیادہ جھوٹی باتیں (اپنے پاس سے) شامل کر دیتے ہیں[۷]۔

(صحیحین)

۵۱ کہ ان کی بات درست اور قابل اعتماد ہوتی ہے یا نہیں؟

۵۲ کہ ان کی باتوں پر اعتماد کیا جا سکے۔

۵۳ آپ فرماتے ہیں کہ ان کی بات قابل اعتبار نہیں ہوتی حالانکہ وہ بعض اوقات سچی خبر دیتے ہیں

۵۴ بعض روایات میں مِنَ الْحَقِّ کی جگہ مِنَ الْجِنِّ آیا ہے، اس روایت میں لفظ الْجِنِّیُّ نہیں ہے۔

۵۵ فَیَقُرُّھَا یا پر زبر، قاف پر پیش، یعنی جن وہ بات اپنے دوست کاہن کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ جس کا یہ جن تابع ہوتا ہے، ایک روایت میں یُقِرُّھَا یا پر پیش قاف کے نیچے زیر کے ساتھ بھی آیا ہے۔ پہلی روایت قَرَّ الدَّجَاجَۃِ کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۶ اور دوسری مرغیوں کو چوگا دینے کے لیے بلاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے بھی وہی مرغی کی آواز ہے جس میں تکرار ہو اور اگر تکرار کے بغیر ہو تو اس آواز کو قُرٌّ کہتے ہیں۔ بعض روایات میں دال کی جگہ زار کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی شیشی ہے، یعنی جس طرح شیشی ہلانے اور اس میں سے کسی چیز کے انڈیلنے سے آواز پیدا ہوتی ہے یا جس طرح شیشے کے ظرف میں پانی یا عرق گلاب ڈالتے وقت اس پاس بیٹھ جاتے ہیں اور اس میں سے آواز پیدا ہوتی ہے، بعض شارحین نے زجاجہ والی روایت کو ترجیح دی ہے اور قرینہ کے طور پر وہ روایت پیش کی ہے جس میں آیا ہے فَیَقْذِفُھَا کَقَرَّۃِ الدُّجَاجَۃِ جیسے بوتل آواز نکالتی ہے، بعض شارحین نے کہا کہ دَجَاجَہ والی روایت صحیح ہے اور زُجَاجَہ والی روایت میں تبدیلی واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض شارحین نے تَقُرُّ قاف کے پیش کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی ہے راز کا پوشیدہ طور پر بیان کرنا، جیسے کہتے ہیں وَقَرَّ الْخَبَرَ فِیْ اُذُنِہٖ فلاں کے کان میں رازداری سے بات کہی، بعض یَقِرُّ قاف کی زیر سے پڑھتے ہیں جس کا معنی امانت رکھنا ہے۔ مختصر یہ کہ جن عالم ملکوت سے کوئی بات سن کر کاہنوں کے کان میں ڈال دیتا ہے۔

۵۷ جھوٹ کی کثرت بطور مبالغہ بیان کی گئی ہے، لہٰذا ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کَذْبَۃٌ کاف پر زبر اور ذال کے نیچے زیر۔ کاف کے نیچے زیر اور ذال ساکن دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔

۴۳۹۰ وَعَنْھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ

انہی سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتے عنان یعنی بادل

تَنْزِلُ فِی الْعَنَانِ وَ ھُوَ السَّحَابُ فَتَذْکُرُ الْاَمْرَ قُضِیَ فِی السَّمَآءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّیٰطِیْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهٗ فَتُوْحِیْهِ اِلَی الْكُهَّانِ فَیَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كِذْبَةٍ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

میں اترتے ہیں اور ان کاموں کا ذکر کرتے ہیں جن کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہے۔ شیاطین چوری چھپے وہ بات سن لیتے ہیں[۳]، اور کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں[۴] تو وہ اپنے پاس سو جھوٹی باتیں اس بات کے ساتھ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔

(بخاری)

[۱] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

[۲] عنان عین پر زبر، اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں ——— راوی نے خود اس کی تفسیر کردی کہ اس سے مراد بادل ہے۔ قاموس میں ہے عنان پہلے حرف پر زبر، بادل جو پانی محفوظ رکھتا ہے بعض عین کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی وہ چیز ہے جو آسمان کی طرف دیکھنے سے نظر آئے۔ بعض علماء نے عنان عین پر زبر ہو تو اس کا بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرشتے جب آسمانی فضا کی طرف نیچے آتے ہیں۔

[۳] جو پہلے آسمان کے نیچے تک پرواز کر سکتے ہیں، اس سے قبل آسمان پر جا سکتے تھے لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد روک دیے گئے۔

[۴] وحی مخفی کلام کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے وحی کا معنی ہے اشارہ، دل میں پیغام کا ڈالنا اور وہ بات جو پوشیدہ طور پر دوسرے تک پہنچائی جائے۔

۴۳۹۱ وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَّمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص عراف[۱] کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس کی چالیس (دنوں اور) راتوں کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔

(مسلم)

[۱] عراف وہ شخص جو چھپی ہوئی باتوں کی خبر دے، شارحین نے کہا کہ اس جگہ کاہن اور نجومی کو شامل ہے۔

۵۲ جو امور غیب سے ہو۔
۵۳ یہ اس کا انتہائی نقصان اور خسارہ ہے کہ اس کی افضل ترین عبادت اور اس کا اعلیٰ عمل، نماز ضائع اور مردود قرار پاتا ہے، یا مطلب یہ ہے کہ جب نماز قبول نہیں ہوگی تو دوسرے اعمال بطریق اولیٰ مقبول نہیں ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ اگر چہ وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس پر قضا واجب نہیں ہوگی لیکن اسے ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح شارحین نے بیان کیا ہے، حدیث میں اگر چہ خالص طور پر رات کا ذکر ہے لیکن مراد دن اور رات دونوں ہیں اس طرح عموماً ہوتا ہے کہ رات یا دن میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے دوسرا بالتبع مراد ہوتا ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ رات کی نماز یعنی تہجد مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ اس پر کامل ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ لہٰذا عرف سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا فضائل میں نقصان کا موجب ہوگا، فرائض کے ضائع ہونے کا سبب نہ ہوگا، یہ وجہ اسی وقت کاتب حروف (شیخ محقق) کے دل میں ڈالی گئی ہے۔

۴۳۹۲ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ جب آپ پلٹے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے دو قسم کے لوگوں نے صبح کی ایک وہ جو مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور دوسرا کافر ہونے والا، جس شخص نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش دی گئی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے اور جس نے کہا کہ ہمیں چاند کی ایسی ایسی منزلوں کی تاثیر سے بارش دی گئی ہے تو وہ میرا منکر اور ستاروں پر

بِأنْكُوكَبٍ۔ ایمان لانے والا ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

؁۱ حضرت زید بن خالد جہنی مشہور صحابی ہیں۔

؁۲ اثر ہمزے کے نیچے زیر اور ثا ساکن، یا ہمزہ اور ثا دونوں پر زبر۔

؁۳ یہ اشارہ ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کی طرف، یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج کر گویا اشارہ کیا ہے کہ بندے شکر نعمت اور کفران نعمت میں مختلف ہیں اسی طرح بعض مقام توحید و ایمان میں ثابت قدم ہیں اور بعض کفر و شرک کے چکر میں مبتلا ہیں۔

۴۲۹۳ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يُنْزِلُ اللهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ مُطِرْنَا بِكَوْكَبِ كَذَا وَ كَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو بھی برکت اتاری ہے لوگوں کی ایک جماعت اس کے سبب کافر ہوگئی، اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے؁۱ تو وہ لوگ کہتے ہیں ہمیں فلاں فلاں ستارے کے سبب بارش دی گئی ہے؁۲۔

(مسلم)

؁۱ محدثین نے ینزل کو باب افعال سے صحیح قرار دیا ہے۔

؁۲ ظاہر یہ ہے کہ برکت سے مراد بارش ہے اور یہ ارشاد یُنَزِّلُ اللهُ الْغَيْثَ اس کا بیان ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد عام ہو اور بارش کا نازل کرنا بطور مثال اس کے ایک فرد کا ذکر ہو۔ یاد رہے کہ ان کلمات کے کہنے والے کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے، اور حق یہ ہے کہ اگر ستاروں کے موثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے کہے تو کافر ہے، اور اگر اس عقیدے سے نہ کہے بلکہ مراد یہ ہو کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو کفر نہ ہوگا لیکن مکروہ ہوگا کیونکہ ایسے کلمات ایک صورت میں ایمان اور دوسری صورت میں کفر ہیں نیز یہ جاہلیت کا شعار ہیں، اس وقت کفر سے مراد کفران نعمت ہوگا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۳۹۴ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علم نجوم کا ایک حصہ حاصل کیا اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کیا[۱]، جتنا زیادہ علم نجوم حاصل کیا اتنا ہی جادو زیادہ حاصل کیا[۲] (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ علم نجوم کی برائی اور قباحت بیان کرنے کے لیے اسے جادو سے تشبیہ دی، گویا اس کا عامل جادوگروں اور کاہنوں میں سے ہے جو برے کام کرتا ہے اور غیب کی خبریں دیتا ہے۔

۲؎ بعض حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے، یعنی ابن عباس نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نجوم کی برائی اور قباحت بیان کرنے میں میری روایت کی نسبت اضافہ فرمایا تھا جسے میں نے مکمل طور پر بیان نہیں کیا۔

۴۳۹۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتٰی اِمْرَاَتَہٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰی اِمْرَاَتَہٗ فِیْ دُبُرِھَا فَقَدْ بَرِیَٔ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کاہن کے پاس آئے[۱] اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا اپنی بیوی کے پاس حالت حیض[۲] میں آئے یا اپنی بیوی کے ساتھ غیر فطری فعل کرے تو وہ اس چیز[۳] سے بری ہو گیا جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے (احمد، ابوداؤد)

۱؎ اور اس سے امور غیبیہ کے بارے میں دریافت کرے اور کاہن اسے جواب دے۔

۲؎ حائض خاص طور پر عورتوں کی صفت ہے اس میں تاء کا ترک کرنا (اور حائضہ کی بجائے حائض کہنا جائز ہے) جیسے طالق، حامل اور مرضع، ہم نے یہ مسئلہ شرح (لمعات) میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۵۳ یعنی قرآن، دین اور شریعت سے، یہ اس صورت میں ہے کہ ان کاموں کو حلال جانتے یا یہ مطلب ہے کہ گویا وہ دین سے بری ہو گیا، یا یہ ان اعمال شنیعہ کے کرنے پر تغلیظ اور تشدید ہے۔

۴۳۹۶/۹ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰئِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلٰى مَنْ تَحْتَهُ حَتّٰى يُلْقِيَهَا عَلٰى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی کام کا حکم دیتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خوف کی بنا پر اپنے بازو (آسمان پر) مارتے ہیں[1]، گویا اللہ تعالیٰ کا کلام[2] ایک زنجیر ہے جو صاف پتھر پر کھینچی گئی ہے، جب ان کے دلوں سے ہیبت دور کی جاتی ہے[3] تو کہتے ہیں[4] کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ مقربین فرشتے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بارے میں[5] کہتے ہیں کہ وہ حق ہے، اور وہ بلند اور بزرگ ہے، ان باتوں کو چوری چھپے سننے والے[6] سن لیتے ہیں، وہ چوری سننے والے اس طرح ہیں، بعض بعض کے اوپر، سفیان نے اپنے ہاتھ سے کیفیت بیان کی[7]۔ اسے بائیں جانب جھکایا اور اس کی انگلیوں کو ایک دوسری سے جدا کیا، تو وہ چوری سننے والا ایک بات سن لیتا ہے اور اپنے نیچے والے کی طرف القا کرتا ہے وہ اپنے ماتحت کو بتاتا ہے یہاں تک کہ اسے جادوگر یا کاہن[8] کی زبان پر ڈال دیتا ہے، بہت دفعہ اس کے بتانے سے پہلے اسے شہاب لگ جاتا ہے[9] بعض اوقات شہاب لگنے سے پہلے وہ بتا دیتا ہے، پس وہ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے تو کہا جاتا ہے[10] کہ کیا اس نے

| | |
|---|---|
| كَذَا وَ كَذَا فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِیْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ۔ | فلاں فلاں دن، فلاں فلاں بات نہیں کہی تھی؟ چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی بات کی بنا پر اس کی تصدیق کی جاتی ہے[۱۲]۔ |
| (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) | (بخاری) |

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت اور ہیبت کی بنا پر ڈرتے ہیں اور لرزہ براندام ہو جاتے ہیں خُضْعَانٌ خا پر پیش، مصدر ہے غفران کے وزن پر۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے احکام کے خوف اور ہیبت کی بنا پر، ایک روایت میں خا کے نیچے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ خُضَّعًا خا پر پیش اور ضاد مشدد بھی آیا ہے، یہ خاضع کی جمع ہے جیسے رَاکِعٌ اور ساجِدٌ کی جمع رُکَّعٌ اور سُجَّدٌ ہے۔ یعنی اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت سے ڈر رہے ہوتے ہیں۔

[۲] اللہ تعالیٰ کا کلام خفی، دقیق، غیر واضح، سمجھنے اور سننے میں مشکل ہونے میں اس زنجیر کی طرح ہے جو ملائم پتھر پر کھینچی جائے۔ یہ انداز بیان اسی طرح جو ہے حدیث وحی میں واقع ہوا ہے کہ کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی تھی اور یہ مجھ پر وحی کی تمام قسموں میں سب سے سخت تھی، پس وہ حالت مجھ سے دور کر دی گئی اس حال میں کہ جو کچھ میرے دل پر بطور وحی نازل کیا گیا وہ مجھے محفوظ ہو گیا تھا۔

[۳] فُزِّعَ زا مشدد، صیغہ مجہول، اس جگہ صیغہ تفعیل کشف اور ازالے کے لیے ہے جیسے تقشیر کا معنی ہے چھلکے کا دور کرنا

[۴] وہ فرشتے جو کمال قرب اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مراد کے سمجھنے تک نہیں پہنچے، مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کیا اور کیا حکم دیا؟

[۵] یا لِلَّذِی کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے حق ہے اَلْحَقُّ مرفوع ہے۔ اسے منصوب بھی پڑھا گیا ہے اس کی وجہ شرح میں بیان کی گئی ہے۔

[۶] قول کی حقانیت کو مؤکد طریقے پر بیان کیا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں فرشتوں سے اسی طرح آیا ہے۔

[۷] یعنی جنات اور شیاطین، وہ چوری چھپے فرشتوں کی آوازوں کی طرف کان لگا دیتے ہیں اور ان کی باتیں چرا لیتے ہیں ـــــــ اس کے بعد راوی نے ان چوروں کے کھڑے ہونے کی کیفیت بیان کی کہ فضائے آسمانی میں ایک جماعت دوسری جماعت کے اوپر کھڑی ہو جاتی ہے۔

[۸] ان کے ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہونے کی کیفیت بیان کی۔

۹ راوی کو شک ہے، یا ساحر سے مراد نجومی ہے، جیسے کہ حدیث شریف میں ہے جس شخص نے نجوم کا کچھ علم حاصل کیا، اس صورت میں اگر راوی کو شک نہ ہو تو بھی درست ہے، علامہ طیبی کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۱۰ بسا اوقات آگ کا شعلہ ستارے سے جدا ہو جاتا ہے اور شیاطین کے بھگانے اور چوری سننے والوں کو جلانے کے لیے گرتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ چوری سننے والا شہاب کو پا لیتا ہے شہاب مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۱۱ یعنی کاہن کی تصدیق کرنے والا اور اس پر عقیدہ رکھنے والا کہتا ہے یا وہ شخص جو اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اس کا انکار کرتا ہے۔

۱۲ جس کی بنا پر وہ سچا ہو چکا ہوتا ہے، اور اس کے سو جھوٹوں پر توجہ نہیں دیتا، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کے باطن میں کجی اور گمراہی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ منجمین اگرچہ سو دفعہ جھوٹے ثابت ہو چکے ہوں، ایک بار ان کی بات سچی نکل آئے دنیادار دنیا کی انتہائی محبت اور دل میں پائی جانے والی کجی کی بنا پر ان کے بڑے معتقد اور محب ہوتے ہیں۔

۴۳۹۷ / ۱۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّھُمْ بَیْنَھُمْ جُلُوْسٌ لَیْلَۃً مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُمِیَ بِنَجْمٍ وَ اسْتَنَارَ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا رُمِیَ بِمِثْلِ ھٰذَا قَالُوا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ کُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّیْلَۃَ رَجُلٌ عَظِیْمٌ وَّ مَاتَ رَجُلٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی نے خبر دی کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارا ٹوٹا اور روشنی ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: جب ایسا ستارا ٹوٹتا تھا تو تم جاہلیت میں کیا کہا کرتے تھے[۱]؟ صحابہ کرام نے عرض کیا! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی عظیم شخص پیدا ہوا ہے اور کوئی عظیم شخص مر گیا ہے[۲]

عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَآءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَآءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَيَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ وَيُرْمَوْنَ فَمَا جَآءُوْا بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَّلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے مرنے اور جینے پر تارا نہیں ٹوٹتا؎، لیکن ہمارا رب جس کا نام برکت والا ہے جب کسی کام کا حکم دیتا ہے تو حاملین عرش فرشتے تسبیح کرتے ہیں کہ پھر ان کے قریبی آسمان والے تسبیح کرتے ہیں، یہاں تک کہ تسبیح اس قریبی آسمان تک پہنچ جاتی ہے، پھر حاملین عرش کے قریب والے ان سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں۔ پھر آسمانوں والے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ اس قریبی آسمان تک خبر پہنچ جاتی ہے۔ جنات؎ ان سنی ہوئی باتوں کو اچک لیتے ہیں اور اپنے دوستوں؎ تک پہنچا دیتے ہیں، ان جنوں کو شعلے مارے جاتے ہیں؎، کاہن اس کے مطابق جو خبر دیتے ہیں وہ حق ہوتی ہے، لیکن وہ کاہن جھوٹ؎ بولتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

۵۱ کہ یہ کیا ہے؟ اور کس لیے ہے؟۔

۵۲ یعنی ہم ستارہ ٹوٹنے کو کسی عظیم چیز مثلاً کسی بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کی علامت ہی سمجھتے تھے۔

۵۳ یعنی تم غلطی پر تھے۔

۵۴ اور اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ــــــــــ ان فرشتوں کے بارے میں آیا ہے کہ ان کی تعداد آٹھ ہے، اور وہ اتنے بڑے ہیں کہ ان کے نرم گوش اور کندھے کے درمیان دو ہزار سال اور ایک روایت کے مطابق سات ہزار سال کی مسافت ہے، العظمۃ للہ۔

۵۵ جو اس آسمان کے نیچے پہنچ کر جمع ہو چکے ہوتے ہیں۔

۵۶ کاہنوں تک

۵۷ ستاروں کے مارے جانے کا سبب یہ ہے، وہ سبب نہیں جو تم سمجھتے ہو کہ کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا مر گیا ہے۔

۵۸ قرف تہمت لگانا اور مقارنت ناجائز ملاوٹ کرنا۔

۴۳۹۸ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلٰثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيٰطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا وَمَنْ تَاَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ اَخْطَاَ وَاَضَاعَ نَصِيْبَهٗ وَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْلَمُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا وَفِيْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ وَّتَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْهِ وَمَا لَا عِلْمَ لَهٗ بِهٖ وَمَا عَجَزَ عَنْ عِلْمِهِ الْاَنْبِيَاءُ وَالْمَلٰئِكَةُ وَعَنِ الرَّبِيْعِ مِثْلُهٗ وَزَادَ وَاللهِ مَا جَعَلَ اللهُ فِيْ نَجْمٍ حَيٰوةَ اَحَدٍ وَّلَا رِزْقَهٗ وَلَا

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین فائدوں کے لیے پیدا کیا[۵۹] (۱) انہیں آسمان کی زینت بنایا[۶۰] (۲) انہیں شیطانوں کے مارنے کے لیے بنایا[۶۱] (۳) انہیں علامات بنایا تاکہ ان کے ذریعے راستہ معلوم کیا جائے[۶۲]۔ تو جس نے ان کے بارے میں کچھ اور بیان کیا اس نے خطا کی[۶۳]، اپنا حصہ ضائع کیا اور بتکلف اپنے ذمہ وہ چیز لی جسے نہیں جانتا[۶۴] امام بخاری نے یہ حدیث تعلیقاً[۶۵] بیان کی، امام رزین کی روایت میں ہے کہ ایسی چیز کا تکلف کیا جو بے مقصد ہے اسے اس چیز کا کچھ علم نہیں[۶۶] اور اس کے علم سے انبیاء اور فرشتے[۶۷] عاجز ہیں۔ ربیع سے اس کی مثل مروی ہے، انہوں نے اتنا زیادہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ستارے میں نہ تو کسی کی زندگی اور موت

مَوْتِہٖ وَ اِنَّمَا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَ یَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ۔ رکھی ہے اور نہ ہی رزق رکھا ہے، فقط یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔ اور ستاروں کا بہانہ بناتے ہیں۔

۵۱ حضرت قتادہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ اکثر طور پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

۵۲ یعنی ان کے پیدا کرنے میں اہم فائدے تین ہیں جن سے اہل دین و معرفت فائدہ حاصل کرتے ہیں جیسے کہ کتاب اللہ میں ان کا بیان ہے، ورنہ اشیاء اور خصوصاً ان اجسام کے پیدا کرنے کے فوائد کا احاطہ کون کر سکتا ہے! غالباً غلط راستہ بند کرنا مقصود ہے، تاکہ لوگ نجومیوں کے بیان کے مطابق کائنات میں پیدا ہونے والی چیزوں میں دلچسپی نہ لیں اور جان لیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بغیر کسی واسطے کے معرضِ وجود میں آتی ہیں اور اگر (بالفرض) ان ستاروں کا دخل ہو بھی سہی تو ان کی طرف نسبت کرنا ایمان، توحید اور سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہے اس میں شک نہیں کہ موسموں کے بدلنے بارشوں کے واقع ہونے، پھلوں کے پکنے اور ایسے ہی دیگر امور میں ان اجسام فلکیہ (چاند سورج اور ستاروں) کا دخل بطور سبب ہے اور یہ عادت الٰہیہ ہے۔ لیکن ان کا اعتبار کرنا اور ساعتوں اور احکام کے اختیار کرنے میں ان پر اعتماد کرنا اور ان میں سعادت اور نحوست کا عقیدہ رکھنا اسلام اور توحید کے طریقے کے خلاف ہے، اگر ان کو موثر مانا جائے تو یہ کفر ہے ورنہ حرام یا مکروہ ہے۔

۵۳ کہ ان کے دیکھتے ہیں سوائے تعجب اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہ تعجب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی کاریگری پر استدلال کا باعث بنتا ہے۔

۵۴ جو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تاکہ چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سنیں۔

۵۵ سمندر اور خشکی کے راستوں میں۔

۵۶ سلامتی اور درستی کے راستے سے بھٹک گیا۔

۵۷ عمر کا۔

۵۸ یعنی اصلی کام تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت ہے، نفس کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا ہے، جبکہ ان امور کا جاننا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی اس کی حاجت ہے لہٰذا ان علوم کے حاصل کرنے میں تکلف کرنا اور محنت و مشقت اٹھانا عمر کو ضائع کرنا ہے۔

۵۹ تعلیق کا مطلب ہے سند کا ابتداء سے حذف کرنا۔ امام بخاری کی عادت ہے کہ صحیح بخاری کے ابواب کے تراجم (عنوانات) میں احادیث اور آثار کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی سند حذف کر دیتے ہیں، حضرت قتادہ کا یہ قول بھی

اسی طرح بیان کیا ہے۔

ھ۱۰ اور اسے حاصل کرنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔

ھ۱۱ اور اسے کما حقہ جانا نہیں جا سکتا۔

ھ۱۲ انبیاء اور فرشتے بھی اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے، حالانکہ وہ خلاصہ موجودات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اجسام کے پیدا کرنے میں بہت گہرے راز اور علوم ہیں، منع اس لیے کیا گیا کہ ان کی حقیقت تک رسائی بہت مشکل اور دشوار ہے جیسے کہ قرآن پاک کے متشابہات کا یہی حال ہے قرآن کریم علم و معرفت کا آسمان ہے، روشنی اور چمکتی ہوئی آیات پر مشتمل ہے جن تک پہنچنے اور ان کے مطالب و معانی پر آگاہ ہونے کا راستہ واضح ہے جیسے کہ ستاروں کے پیدا کرنے کے تین فائدوں کا جاننا واضح ہے قرآن کریم دوسری متشابہ آیات پر بھی مشتمل ہے جن کے معانی کی حقیقت تک رسائی میسر نہیں ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ اس کے مطلب کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے

اسی طرح آسمانی اجسام کے پیدا کرنے میں جو دقیق حکمتیں اور واقعی علوم ودیعت کیے گئے ہیں ان کی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا، آیت کریمہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اسے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ باطل اور بے کار پیدا نہیں کیا، اس میں اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں غور و فکر کرنے اور ان کی حقیقتوں کی تہہ تک رسائی سے عاجزی کے اقرار کے بعد عارف کا صرف اتنا حصہ ہے کہ اجمالی طور پر جان لے کہ اس جگہ حکمتیں اور حقانیت کے راز ودیعت کیے گئے ہیں، ان اشیاء کے خیمۂ وجود کے گرد عبث اور بطلان کا گزر بھی نہیں ہو سکتا، اس کا اعتراف کرے، حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے سپرد کرے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے تقدس اور جلالت کا بیان کرے اور قہر کی آگ اور عذاب سے پناہ مانگے جو اذیت، دوری اور حجاب کا سبب ہے، ایمان اور رسولوں کی پیروی پر سختی سے قائم رہے تاکہ اجابت، قبولیت اور قرب و وصول کے مقام پر فائز ہو کر دوری اور حجاب کے عذاب سے نجات پائے اور یہ مسلمانوں کا راستہ ہے، یا اللہ! ہمیں بھی یہ راستہ نصیب فرما۔

۴۳۹۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِّنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ
۱۲

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے علم نجوم کا ایک باب اس مقصد کے ماسوا کے لیے حاصل کیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے تو بے شک

شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ الْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَّ الْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَّ السَّاحِرُ كَافِرٌ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

اس نے جادو کا ایک شعبہ حاصل کیا، نجومی کاہن ہے[۵۲] اور کاہن جادوگر ہے[۵۳] اور جادوگر کافر ہے[۵۴]۔ (رزین)

۵۱ مقصود وہ تین چیزیں ہیں جن کا ذکر گزشتہ حدیث میں ہوا ہے۔

۵۲ نجومی کاہن کے حکم میں ہے کہ وہ علامتوں اور نشانیوں کی بنا پر غیب کی خبر دیتا ہے۔

۵۳ کاہن جادوگر کے حکم میں ہے جو عجیب وغریب اور قبیح افعال کا ارتکاب کرتا ہے، اور ان کے ذریعے مخلوق کو نقصان پہنچاتا ہے۔

۵۴ جو شخص جادو کا عمل کرے اور اس پر عقیدہ رکھے کافر ہے، حاصل یہ ہے کہ نجوم، کہانت اور جادو ایک ہی وادی سے تعلق رکھتے ہیں، کافروں اور بے دینوں کے افعال ہیں۔

۴۳۴/۱۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَمْسَكَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ عِبَادِهٖ خَمْسَ سِنِيْنَ ثُمَّ اَرْسَلَهٗ لَاَصْبَحَتْ طَآئِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ كَافِرِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سُقِيْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ پانچ سال تک (مثلاً) اپنے بندوں سے بارش روک دے، پھر بارش عطا فرمائے تو لوگوں کی ایک جماعت (جو نجوم کی دلدادہ ہے) کافر ہو جائے گی، وہ کہیں گے ہمیں چاند کی ایک منزل کی بدولت بارش دی گئی ہے جس کا نام مجدح ہے[۵۵] (نسائی)

۵۵ مجدح میم کے نیچے زیر، جیم ساکن اور دال پر زبر، عربوں کے نزدیک یہ چاند کی ایک منزل ہے جو لازمی طور پر بارش کا سبب بنتی ہے اور کبھی خطا نہیں جاتی، قاموس میں مجدح چاند کی ایک منزل ہے یا ایک چھوٹا ستارہ ہے۔ دبران (چاند کی منزل کا نام) اور ثریا کے درمیان ہے مجدح اصل میں ایسی لکڑی کا نام ہے جس کے مختلف کونے ہوں، چاند کی یہ منزل بھی مجدح کی شکل کی طرح تین ستارے ہیں، یہ کوتاہ نظر نہیں جانتے کہ مجدح (چاند کی منزل) تو ہمیشہ ہوتی ہے، پھر ان پانچ سالوں میں بارش کیوں نہیں ہوئی؟ معلوم ہوا کہ بارش کا برسانا محض قدرت الٰہیہ کی بنا پر ہے، لیکن لوگ شرک وکفر اور نجوم کے اس قدر گرویدہ ہیں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ نو پیدا امور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔

# کتاب الرُّؤیا

## خوابوں کا بیان

رؤیا دراصل مصدر ہے اور رویت کے معنی میں ہے بعد ازاں ان چیزوں اور صورتوں کا نام قرار پایا جو کچھ خواب میں دیکھی جاتی ہیں قاموس میں ہے الرؤیا ما رأیتہ فی منامک، رویا وہ چیز ہے جسے تم خواب میں دیکھتے ہو، پہلے را، پھر ہمزہ اس کے بعد الف مقصورہ بعض اوقات ہمزے کو تخفیف کے لیے واو سے تبدیل کر دیتے ہیں۔

خواب کی حقیقت کے بارے میں ارباب دانش کا اختلاف ہے اس اشکال کی بنا پر جو اس جگہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نیند ادراک کی ضد ہے لہٰذا خواب میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ کیا ہے اکثر متکلمین اشاعرہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقی ادراک نہیں ہے بلکہ باطل خیال ہے معتزلہ کے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھنے کے لیے کچھ شرطیں ہیں جیسے سامنے ہونا۔ آنکھ سے شعاع کا نکلنا اور درمیان میں شفاف ہوا کا ہونا وغیرہ نیند میں ان میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہوتی اس لیے نیند میں دیکھی جانے والی چیزیں فاسد خیال اور باطل وہم ہیں۔ اشاعرہ کے نزدیک سبب یہ ہے کہ نیند اور علم دو متضاد چیزیں ہیں اور خوابیدہ شخص میں ادراک کا پیدا کرنا عادت الٰہی نہیں ہے اس لیے جو کچھ خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقی ادراک نہیں بلکہ باطل خیال ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خواب کی کوئی حقیقت نہیں اور تعبیر کے ساتھ یا تعبیر کے بغیر اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے باطل ہونے سے مراد یہی ہونا چاہیے کہ ادراک حقیقی نہیں بلکہ اس کے مشابہ ہے کیونکہ پاکیزہ خوابوں کی درستی اور حقانیت پر اہل حق کا اجماع ہے گویا وہ فرماتے ہیں کہ خواب حقیقی ادراک نہیں بلکہ محض خیال ہے لیکن اس کے باوجود خواب کا ثبوت اور اس کی تعبیر موجود ہے۔

خواب کو باطل خیال کہنے سے خیال محض کہنا زیادہ بہتر ہے فَتَدَبَّر (خواب اچھی طرح غور کرو) استاد ابو اسحاق اسفرائنی اشعری کہتے ہیں کہ خواب بلاشبہ حقیقی ادراک ہے اس لیے کہ آدمی جس چیز کا ادراک بیداری میں کرتا ہے اور جس چیز کا ادراک نیند میں کرتا ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے اگر خوابیدہ شخص کے ادراک پر شبہہ کیا جائے تو بیدار شخص کا ادراک بھی مشکوک ہو جائے گا اور یہ تو ایک ظاہر چیز کا انکار ہو جائے گا۔

استاد ابو اسحاق نیند اور علم کے درمیان تضاد کو تسلیم کرتے ہیں تاہم وہ کہتے ہیں کہ نیند انسان کے بعض اجزاء کے ساتھ اور ادراک بعض دیگر اجزاء سے متعلق ہے اس طرح دو متضاد چیزوں کا ایک ہی جگہ جمع ہونا لازمی نہیں آتا مواقف اور اس کی شرح میں اسی طرح ہے، علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوابیدہ شخص کے دل میں علوم اور ادراکات کا پیدا کرنا خواب کی حقیقت ہے کیونکہ وہ بیدار شخص کے دل میں علوم و ادراکات پیدا کرتا ہے وہ خوابیدہ شخص کے دل میں بھی پیدا فرما سکتا ہے، نہ تو بیداری ان علوم و ادراکات کا سبب ہے اور نہ ہی نیند ان علوم و ادرکات میں رکاوٹ ہے، خوابیدہ شخص میں ان ادراکات کا پیدا کرنا بعض دیگر امور کی علامت ہے جو مذکورہ شخص کو کسی اور حال میں پیش آتے ہیں اور اس خواب کی تعبیر بن جاتے ہیں جیسے بادل بارش کے موجود ہونے کی علامت ہے (اھ)۔

اس قول کے مطابق خواب حقیقی ادراک ہے اس طرح خواب اور ادراک کے درمیان تضاد باقی نہیں رہتا فلاسفہ کے نزدیک خوابوں کا وجود حواس باطنہ کی تحقیق پر موقوف ہے اور یہ کتاب ان کے بیان کی جگہ نہیں ہے۔ مختصر انداز میں اس جگہ یہی بیان کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کے باطن میں ایک قوت ہے جو مختلف صورتوں اور معانی کو جمع کرتی ہے اور اسے قوت متصرفہ کہتے ہیں اگر معانی میں تصرف کرے اور انہیں ترتیب دے تو اسے قوت متفکرہ کہتے ہیں۔ اور اگر صورتوں میں تصرف کرے تو اسے قوت متخیلہ کہتے ہیں۔ یہ قوت خواب اور بیداری دونوں حالتوں میں مصروف رہتی ہے، نفس ناطقہ (نفس انسانی) کا عالم ملکوت کے ساتھ روحانی اور معنوی تعلق ہے اور تمام کائنات کی ازل سے ابد تک کی صورتیں عالم ملکوت کے جواہر مجردہ (فرشتوں) میں محفوظ ہیں۔ اس لیے جب نفس انسانی خواب کی حالت میں اپنے بدن کے انتظام اور عالم جسمانی کے مشغلوں سے فارغ ہوتا ہے تو ان جواہر عالیہ (فرشتوں) کے ساتھ روحانی تعلق کے سبب ان جواہر عالیہ میں مرتسم صورتیں نفس ناطقہ میں نقش ہو جاتی ہیں اور نفس ناطقہ سے یہ صورتیں حس مشترک میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اور قوت متخیلہ حس مشترک سے یہ صورتیں لے کر جوڑ توڑ کرتی ہے خیال کبھی اس صورت کے مشابہ کوئی لباس پہنا دیتا ہے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسے خواب میں مروارید کی صورت کو انار کے دانوں کا لباس دے دیتا ہے اور کبھی اس صورت کو متضاد لباس بھی مہیا کر دیتا ہے۔ جیسے خواب میں خوشی کو رونے کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ ایسی خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے بعض اوقات خواب میں بغیر تبدیلی اور بغیر تلبیس کے بھی صورت نظر آتی ہے ایسی خواب کے لیے تعبیر کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جو کچھ خواب میں دیکھا ہو وہی بیداری میں وقوع پذیر ہو جاتا ہے اور بعض اوقات قوت متخیلہ وہ صورتیں لے لیتی ہے جو بیداری کی حالت میں خیال میں محفوظ ہوتی ہیں۔ لہٰذا اکثر اوقات آدمی خواب میں وہی کچھ دیکھتا ہے جیسے وہ بیداری میں سوچتا ہے اور جس کے خیال میں محو رہتا ہے اور بعض اوقات کچھ بیماریوں کی وجہ سے بھی صورتیں دکھائی

دیتی ہیں جیسے کہ دموی مزاج والا شخص خواب میں سرخ رنگ دیکھتا ہے اور صفراوی مزاج والا شخص آگ دیکھتا ہے اور سوداوی مزاج والا پہاڑ اور دریا دیکھتا ہے اور بلغمی مزاج والا خواب میں پانی اور سفید رنگ دیکھتا ہے موخر الذکر دونوں صورتوں میں خوابوں کا اعتبار نہیں اور ان کی تعبیر بھی نہیں اور ایسی خوابوں کو جھوٹی خوابیں کہا جاتا ہے، اس جگہ عالم مثال کے قائل صوفیہ کی ایک دوسری تحقیق ہے جو اپنی جگہ بیان کی گئی ہے، میرے لخت جگر نور الحق نے اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جو نہایت معقول، مدلل اور واضح ہے، اللہ تعالیٰ اسے مرتبہ یقین واستقامت پر فائز فرمائے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۴۲۴۰ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَزَادَ مَالِكٌ بِرِوَايَةِ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نبوت[51] سے بشارتوں[52] کے سوا کچھ باقی نہیں رہا صحابہ نے عرض کیا کیسی بشارتیں؟ آپ نے فرمایا: اچھی خوابیں[53]۔ (بخاری[54])

امام مالک نے عطا بن یسار سے مزید بھی روایت کیا ہے[55]، وہ خوابیں جو مومن نیند میں دیکھے یا اس کے لیے دیکھی جائیں[56]۔

۵۱ نبوت سے مراد مقام نبوت کے آثار ہیں اور اس مقام کے سبب غیب کی جو خبریں اور احوال جانے جاتے ہیں۔

۵۲ مُبَشِّرَات میم پر پیش اور شد والے شین کے نیچے زیر یعنی خواب دیکھنے والے کو بشارت دینے والی خوابیں، بِشَارَت: ب پر پیش اور ب کے نیچے زیر کے ساتھ خوشخبری کے معنی میں ہے (صحاح) لفظ بشارت اکثر خیر میں استعمال ہوتا ہے بعض اوقات شر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے (طیبی) صاحب صحاح کا کہنا ہے کہ بشارت کا مطلقاً استعمال اچھائی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ برائی کے لیے استعمال کرتے ہوئے شر کی قید لگا دی جاتی ہے جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے) میں استعمال ہوا ہے بعض مفسرین کہتے ہیں

کہ یہ بطور استہزا ہے اور بشرہ بار پر زبر، اس کے بعد پیش انسان کی جلد کا حصہ جو بالوں میں پنہاں نہ ہو، جیسے چہرہ وغیرہ، چونکہ اچھی خبر کا اثر چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اس لیے اسے بشارت کہتے ہیں۔

۵۳ رؤیا کا اطلاق اکثر نیک خوابوں پر ہوتا ہے اور بری خواب کو حُلُم" (حا پر پیش کے ساتھ) کہتے ہیں جیسے کہ آئندہ معلوم ہو جائے گا لیکن یہ تخصیص صرف اصطلاح شرع میں ہے لغت میں رویا کا استعمال مطلق خوابوں کے لیے ہے، اس جگہ بھی اسی معنی میں ہے۔ اگر رویا نیک خواب کا نام ہے تو اس کے ساتھ "صالحہ" کی قید مزید وضاحت اور بیان کے لیے ہے یا "صالحہ" بمعنی صادقہ کے ہے یعنی سچی اور واقع کے مطابق خوابیں اقربا کا پہلا معنی مبشرات (یعنی بشارتیں) اگرچہ زیادہ واضح اور مناسب ہے جو کہ اکثر اوقات یا ہمیشہ اچھی اور خوش کن خوابوں کا معنی دیتا ہے اگرچہ اس میں سچائی بھی معتبر ہے جیسے کہ علامہ طیبی نے کہا لیکن حدیث کا سیاق لفظ رویا کے دوسرے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی مطلق خواب) کیونکہ نبوت میں سچی خبر کا اعتبار ہے خواہ وہ خوشخبری دے یا ڈر سنائے اس صورت میں ان خبروں پر مبشرات کا اطلاق تغلیباً کیا گیا ہے یا مبشرات کا استعمال مطلق خبروں کے معنی میں کیا گیا ہے۔

۵۴ یعنی یہاں تک جتنی حدیث ذکر ہوئی امام بخاری نے اتنی ہی روایت کی ہے۔

۵۵ امام مالک نے مالک بن یسار سے روایت کرتے ہوئے آنے والی عبارت کا اضافہ کیا۔

۵۶ یعنی دوسرا مسلمان اس کے لیے دیکھے۔

| | |
|---|---|
| ۴۴۰۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) | حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سچی خوابیں[1] نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں[2]۔ (صحیحین) |

۱ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں رویا صالحہ سے مراد سچی خواب ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، سچی خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

۲ اس حدیث میں چند وجہ سے اشکال ہے۔

(۱) نبوت کی جز نبوت کے ساتھ ہو گی، اس لیے غیر نبی کو سچے خواب نہیں آنے چاہیں حالانکہ سچے خواب غیر نبی

کو بھی دکھائی دیتے ہیں۔

(۲) نبوت تو ایک نسبت اور معنوی چیز ہے سچے خوابوں کے نبوت کی خبر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۳) سچی خوابیں اور انبیاء کی دیگر صفات اور ان کے حالات نبوت کے نتائج اور آثار نہ کہ اس کے اجزاء تو کیا وجہ ہے کہ خوابوں کو نبوت کی جز کہا گیا ہے۔

(۴) نبوت کا دور تو ختم ہو گیا لیکن سچی خوابیں موجود ہیں، پس خوابوں کو نبوت کے بغیر کس طرح نبوت کی جز قرار دے سکیں گے۔

(۵) نبوت کے چھیالیس جز کر کے خوابوں کا ایک جز شمار کرنے کی وجہ کیا ہے؟

**پہلے اشکال کا جواب:۔**

پہلے اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نبوت کی خبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سچے خواب انبیاء کے لیے نبوت کا جز ہیں کیونکہ انہیں خواب میں وحی کی جاتی ہے لیکن یہ جواب ایک دوسری حدیث سے ٹوٹ جاتا ہے

(مومن کا خواب چھیالیسواں حصہ ہے)۔

**دوسرے اور تیسرے اشکال کا جواب:۔**

مراد یہ ہے کہ سچی خوابیں علوم نبوت بلکہ علوم نبوت کے وسائل کے اجزاء میں سے ہیں اور علم نبوت باقی ہے۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبوت کا دور ختم ہوا اور بشارتیں باقی ہیں اور وہ سچی خوابیں ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نبوت کے موافق سچی خوابیں آتی ہیں یہ مطلب نہیں کہ اچھی خوابیں نبوت کا حقیقی جز ہیں اور نبوت کے بعد باقی ہیں۔

**چوتھے اشکال کا جواب؛**

جزو بغیر کل کے پائی جاتی ہے لیکن اس حالت میں اسے اس کل کی جز سابقہ حالت کی وجہ سے کہا جائے گا اسی طرح بعض علماء کی عبارت ہے، ظاہر طور پر مراد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو نبوت عطا فرماتا ہے، اسی طرح سچی خوابیں عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے علوم عطا فرما کر انفرادیت بخشتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں اس جگہ نبوت کا معنی انباء ہے یعنی خوابیں، سچی خبریں ہیں جن میں جھوٹ نہیں ہے حدیثوں میں اسی معنی کی تصریح بھی آئی ہے۔ یہ معنی بھی جز ہونے سے مناسبت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے ثابت کرتا ہے علاوہ ازیں حدیث میں مذکور عدد سے اس تقریر کی مناسبت نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں حدیث کے ظاہری معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، نبوت کی جز نبوت نہیں ہے لہٰذا نبوت کا دور ختم ہو جانے کے بعد اس کے چھیالیسویں حصے کا موجود ہونا ناممکن نہیں ہے یہ وہ گفتگو ہے جو محدثین نے اس جگہ کی ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ جزئیت سے مراد اس کی وہ حقیقت نہیں ہے جو اہل منطق و فلسفہ کے ہاں معروف ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سچی خوابیں انبیا علیہم السلام کے عوارض اور صفات میں سے ہیں اور انبیاء کی صفات ان کے بعد غیر انبیاء میں بھی موجود ہوتی ہیں اور غیر انبیاء ان سے موصوف ہوتے ہیں سچی خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دینے کا مقصد ایسی خوابوں کی مدح اور ان کا بلند درجہ بیان کرنا ہے یعنی اگرچہ سچی خواب دیکھنے والا شخص نبی نہیں لیکن یہ سچی خواب عالم نبوت کا پرتو اور عکس ہے اور اس جہاں کے مشابہ ہے جیسے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ خوب روشن راستہ، علم، ذمہ داری اور میانہ روی نبوت سے ہیں بلکہ تمام صفات کمال کی اصل نبوت ہی ہے سب سے اچھی خوابوں کا خاص طور پر ذکر کرنا ان کے خصوصی امتیاز کو ظاہر کرنے کے لیے ہے بے شک یہ صفات غیر انبیاء میں موجود ہوتی ہیں کیونکہ ولایت نبوت ہی کا سایہ ہے اور جو کچھ نبوت میں ہے اس کا عکس ولایت میں بھی ہوگا۔

**پانچویں اشکال کا جواب:۔**

نبوت کے چھیالیس اجزا بنانے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ نبوت کا عرصہ تیئیس سال ہے اور وحی کی ابتدا سچی خوابوں سے ہوئی تھی اور یہ سچی خوابیں آپ نے چھ ماہ دیکھی تھیں اور چھ ماہ کی تیئیس سال کے ساتھ نسبت وہی ہے جو ایک چھیالیس میں ہے کی ہے علماء میں یہی بات مشہور ہے لیکن علامہ توربشتی کہتے ہیں وحی کا عرصہ تیئیس سال تسلیم شدہ ہے اختلاف کے باوجود یہ عرصہ کئی روایات میں مذکور ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مشہور اور مختار روایت کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مکہ میں قیام کا عرصہ تیرہ سال تھا۔ اور ایک دوسری روایت میں دس سال اور پندرہ سال بھی ہے لیکن خوابوں کا عرصہ چھ ماہ تھا یہ بات کہنے والے شخص نے کسی نص اور روایت سے مدد لیے بغیر ہی اپنے دل میں اندازہ لگایا ہے (توربشتی) حاصل گفتگو یہ ہے کہ خوابوں کی مدت کے متعلق چھ ماہ کا اندازہ درست نہیں اور یہ اندازہ بے سند اور بے بنیاد ہے، ہاں محدثین کا مذہب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھ ماہ کی مدت میں مرتبہ نبوت کے ساتھ مخصوص تھے اور اپنے نفس شریف کی تہذیب پر مامور تھے، بعد ازاں دعوت و تبلیغ پر مامور ہوئے، محدثین کے نزدیک رسالت کا یہی معنی ہے، ان کے مذہب کے مطابق نبی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دعوت دینے والا اور مبلغ بھی ہو بلکہ اگر اس نبی کی طرف خاص کر ان کی ذات کے بارے میں وحی نازل کی جائے تو یہی کافی ہے جیسے اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے، پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس عرصے میں وحی خواب کے ذریعے تھی تو نبوت کے ابتدائی چھ ماہ کو سچے خوابوں کا عرصہ کہنے والوں کی بات درست ہو جائے گی، اور ان ہی کا مذہب اس جگہ موضوع سخن ہے۔ امام محی الدین نووی نے بھی شرح مسلم میں اس بات کو نشانہ تنقید بناتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے، اس عدد (چھیالیسویں حصے) کو علم نبوت کے سپرد کرنا ہی درست ہے، کیونکہ ایسے علوم انبیاء کے خواص میں سے ہیں، قیاس اور

عقل و فہم کے پیمانوں سے ان علوم کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، ہر جگہ اعداد کا یہی حکم ہے، مثلاً رکعتوں اور تسبیحات وغیرہ کی تعداد۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سچا خواب نبوت کے پینتالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، ایک اور روایت میں ہے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ پینتالیس اجزاء والی روایت کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت تریسٹھویں سال کے درمیان ہوئی اور چالیسویں حصے والی روایت کی توضیح یہ ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساٹھ ۶۰ سال کی عمر والی روایت پر مبنی ہے (یعنی ساٹھ سال عمر شریف ہو تو اعلان نبوت کے بعد کا عرصہ بیس سال ہوا اور اس کا چالیسواں حصہ چھ ماہ ہوئے ۱۲ ق ن) لیکن راجح پہلی روایت ہی ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ سچے خواب نبوت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہیں، اس ارشاد میں مبالغہ کے ساتھ خوابوں کا نبوت سے کم درجہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

## تنبیہ :۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ وحی کے کئی مرتبے ہیں، ان میں سے ایک مرتبہ سچے خوابوں کا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ حقانیت اور ظہور میں سپیدۂ سحر کی طرح ظاہر ہو جاتا۔

بعض اوقات حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے دل اقدس میں القاء کر دیتے تھے باوجودیکہ آپ انہیں دیکھتے نہ تھے، جیسے کہ ارشاد فرمایا: روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ اپنا پورا رزق وصول نہیں کر لیتا، لہٰذا تقویٰ اختیار کرو، اور حسن طلب اختیار کرو، کبھی فرشتہ انسانی صورت میں آکر آپ سے گفتگو کرتا کبھی حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں کبھی کسی دوسری صورت میں، کبھی گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی آتی اور یہ پوری طرح متمیز نہیں ہوتی تھی، یہ وحی کی سخت ترین قسم تھی یہاں تک کہ اونٹنی اس کے بوجھ سے بیٹھ جاتی، کبھی حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی خاص صورت میں دیکھتے جس کے چھ سو بازو ہوتے ایسا صرف دو بار ہوا، وحی کی ایک قسم وہ تھی جو شب معراج ساتوں آسمانوں سے پرے واقع ہوئی اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں، بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح جبریل علیہ السلام کے واسطے کے بغیر آپ سے کلام کیا، اس طرح سات بار ہوا، بعض علماء نے آٹھویں مرتبہ کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا بے حجابانہ اور ظاہر و باطن کلام ہے، شیخ ولی الدین ابو عراقی نے کہا کہ یہ وہی حال ہے جو شب معراج حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دخل کے بغیر تھا، یہاں حضرات کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ بعض علماء نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا اضافہ

کیا ہے جیسے کہ امام زہری کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہترین صفت میں جلوہ فرمایا اور فرمایا: اے محمد! جانتے ہو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس چیز میں جھگڑا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابتدائے کتاب میں فضل المساجد میں گزر گئی ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ جب یہ حال نیند میں ہے تو یہ صورت، خواب میں داخل ہوگی، بعض علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجتہاد کو بھی وحی کی ایک صورت قرار دیا ہے، آپ کو اجتہاد قطعی طور پر درست ہے اور خطا کا احتمال نہیں رکھتا یہ اس وحی سے الگ ہے جس میں فرشتے کے دل میں پھونکنے کا ذکر ہے جیسے پہلی قسم میں بیان ہوا، مختصر یہ کہ یہ وحی کے مختلف طریقے ہیں جو اہل علم نے بیان کیے ہیں، بعض علماء نے چھیالیس قسموں کا ذکر کیا ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ اکثر اقسام کا تعدد، حامل وحی کی صفات کے تعدد کے اعتبار سے ہے، مجموعی طور پر یہ قسمیں، مذکورہ اقسام میں داخل اور ان کی طرف راجع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴۴۰۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا[۱]۔ (صحیحین)

[۱] اور اپنے آپ کو میری صورت میں نہیں دکھا سکتا۔ یعنی شیطان کی یہ مجال نہیں ہے کہ کسی کے خواب میں آئے اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں، اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولے۔

[۲] بعض محققین نے کہا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے شیطان ایک صورت میں ظاہر ہو اور دروغ گوئی کرتے ہوئے دیکھنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں ہرگز نہیں آسکتا اور آپ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ہدایت ہیں اور شیطان مظہر ضلالت ہے، ہدایت اور ضلالت میں تضاد ہے، اللہ تعالیٰ مطلق ہے، ہدایت عینیہ گمراہ کرنے اور دیگر صفات متضادہ کا جامع ہے، نیز مخلوق کی طرف سے الٰہ ہونے کا دعویٰ واضح طور پر باطل ہے اور محل اشتباہ نہیں ہے، برخلاف دعوائے نبوت کے (کہ وہ محل اشتباہ ہے) لہٰذا اگر کوئی شخص الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس سے خرق عادت امور کا صدور متصور ہے اور اگر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے تو اس سے معجزہ

ظاہر نہیں ہوسکتا۔

۴۴۰۴ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھے دیکھا اس نے صحیح دیکھا۔[1]

[1] اس کا دیکھنا حق اور ثابت ہے یا یہ مطلب کہ اس نے ثابت اور محقق چیز کو دیکھا (یعنی الحق صفت ہے مفعول مطلق کی یا مفعول بہ کی ۱۲ ق ن)۔

یاد رہے کہ متعدد سندوں اور مختلف الفاظ سے مروی ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے برحق دیکھا اور آپ ہی کو دیکھا، آپ کے دربارِ عزت و حقانیت کے گرد جھوٹ اور باطل کا گزر نہیں ہے، شیطان جو خواب اور بیداری میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے پر قادر ہے اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت میں نمودار ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی صورت میں ظاہر ہو اور ازراہ دروغ گوئی دیکھنے والے کے خیال میں ڈالے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ اسی طرح جاری ہے۔ علماء نے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم آپ کے ماسوا میں جاری نہیں ہے۔

ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی مخصوص شکل و صورت میں دیکھا، بعض نے توسیع کی ہے اور کہا ہے کہ جس نے آپ کو کسی بھی صورت میں دیکھا خواہ وہ جوانی کی ہو یا آخری عمر کی، بعض حضرات نے دائرہ تنگ کر دیا اور کہا اس صورت کا دیکھنا ضروری ہے جو آخری عمر میں تھی اور جس صورت میں آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے سفید بالوں کی تعداد کا بھی اعتبار کیا۔ دنیا سے تشریف لے جاتے وقت آپ کے سفید بالوں کی تعداد بیس تک نہیں پہنچی تھی۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص امام محمد بن سیرین کے پاس آکر خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ بیان کرتا تو امام اس سے پوچھتے کہ تم نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس صورت میں دیکھا؟ جب وہ آپ کی مخصوص شکل و صورت بیان نہ کرتا تو اسے کہتے جاؤ تم نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی، کہتے ہیں کہ ابن سیرین کے اس اثر کی سند درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے، امام حاکم راوی ہیں کہ عاصم بن کلیب روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بتایا کہ میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

انہوں نے فرمایا: بتاؤ تم نے کس صورت میں زیارت کی؟ میں نے بتایا کہ امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صورت میں آپ کی زیارت کی، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے، ابن عباس نے فرمایا: صحیح ہے تم نے بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ اس حدیث کی سند بھی عمدہ ہے۔ اگرچہ ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خواب میں مجھے دیکھا تحقیق اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ میں ہر صورت میں دیکھا جاتا ہوں، لیکن کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ مخصوص حلیہ مبارکہ اور معلوم صفات کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا حقیقۃً آپ ہی کا دیکھنا اور آپ ہی کی ذات کریمہ کا ادراک ہے، ان صفات معلومہ کے بغیر دیکھنا مثال کا دیکھنا ہے۔ دونوں خوابیں برحق ہیں، ان میں سے کوئی خواب بھی شیطانی نہیں ہے اور شیطان کو اس صورت میں آنے کی قدرت نہیں ہے، لیکن پہلی صورت (صفات معلومہ کے ساتھ دیکھنا) حق ہے اور حقیقت ہے۔ اور دوسری صورت حق ہے لیکن تمثیل اور تاویل ہے، پہلی خواب محتاج تعبیر نہیں ہے کیونکہ اس میں تلبیس اور خیالی صورت پیش کرنے کا دخل نہیں ہے، دوسری خواب تعبیر کی محتاج ہے جیسے خواب کی حقیقت کی تحقیق میں بیان کیا گیا، پس فَقَدْ رَاٰنِیْ یا فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ کا معنی یہ ہوگا کہ جس صورت میں بھی دیکھے حق ہے، اور حق کی طرف سے ہے باطل نہیں اور نہ ہی شیطان کی طرف سے ہے، امام محی الدین نووی نے فرمایا کہ یہ قول بھی ضعیف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس نے درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے خواہ آپ کی معروف صفت دیکھی یا اس کے علاوہ صفت دیکھی، صفات کے اختلاف سے ذات مختلف نہیں ہو جاتی، جیسے کہ زمان و مکان کی تبدیلی سے ذات میں تبدیلی نہیں آتی، لہٰذا ہر لباس اور ہر صفت میں وہی ذات ہی دیکھی گئی ہے، صفات، ذات کا پردہ ہیں، بے شک جیسے دیکھا گیا ہے وہ ذات ہی ہے۔

اس جگہ امام غزالی کی تحقیق ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی حقیقت اس کی روح مجرد اور نفس ناطقہ ہے۔ بدن آلہ ہے، اس کا دیکھنا اس حقیقت کے دیکھنے کا ذریعہ، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھے دیکھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا جسم دیکھا، بلکہ اس نے مثال کو دیکھا، وہ مثال ایک آلہ ہے جو حقیقت کے دیکھنے کا ذریعہ ہے، بیداری میں جسم کا دیکھنا بھی نفس انسانی کے دیکھنے کا ذریعہ ہے آلہ کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی خیالی نفس انسانی مثال خیالی اور مثال مشخص سے الگ چیز ہے۔ لہٰذا دیکھنے والے نے جو شکل و صورت دیکھی ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس کی مثال ہے جو محل نبوت ہے، آپ کی روح یا آپ کی ذات مبارک نہیں ہے۔ یہی صورت اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے کی ہے، وہ ذات کریمہ شکل و صورت سے منزہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کو محسوس اور نورانی امثال یا حسین صورتوں کے ذریعے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ اگر ان صورتوں میں اس حقیقت معنوی کے جمال کا آئینہ بننے کی صلاحیت ہو، جو نہ تو صورت رکھتی ہے اور نہ شکل اور رنگ، یہ مثال معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اور دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے، یہ مطلب نہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو دیکھا کیونکہ اس کی ذات اس امر سے بلند ہے کہ کوئی اسے خواب یا بیداری میں دیکھے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہے۔ آپ کی ذات پاک نورانی روح اور شکل وصورت سے منزہ ہے، لیکن ظاہری حیات مبارکہ میں آپ کا بدن تھا جس سے روح مقدس متعلق تھی، وہ بدن روح کے ادراک کے لیے واسطہ ہوتا تھا، جب وہ بدن مقدس روضۂ مبارکہ کے سپرد کر دیا گیا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا تو خواب میں ابدان آپ کی روح مبارک کے لیے واسطہ اور محض آلات بنتے ہیں، پس نہ تو روح دیکھی جاتی ہے اور نہ ہی وہ معین بدن شریف دیکھا جاتا ہے جو مدینہ منورہ میں روضہ اقدس میں مستور اور جلوہ فرما ہے، کیونکہ ایک مکان میں موجود ایک شخص کا ایک زمانے میں متعدد اور مختلف صفات سے متصف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، ہاں مثالی اجسام ہوں تو ایسا ہو سکتا ہے لہٰذا خوابوں میں روح مقدسہ کی مثالوں کا دکھائی دینا حق ہے، اس میں بطلان کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ خلاصہ ہے امام غزالی کے کلام کا۔

اس تحقیق کے مطابق حقیقت حال ایک ہے اور جائے اختلاف باقی نہیں رہی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت دیکھی گئی ہے، لیکن مثال کے واسطے سے، باوجودیکہ ذات پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھی گئی ہے اور وہ ایک ذات ہے لیکن مثالوں کا اختلاف اس لیے ہے کہ دیکھنے والوں کے دلوں کے آئینوں کے حالات کا بھی دخل ہے، اسی بنا پر دکھائی دینے والی صورتوں اور شکلوں میں حسن وجمال کے اعتبار سے فرق اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

جیسے کہ مختلف آئینوں میں صورتیں بھی مختلف دکھائی دیتی ہیں، لہٰذا جس نے آپ کو اچھی صورت میں دیکھا اس کا دین بھی اچھا ہے، اور جس نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا اس کے دین و ایمان میں نقصان پایا جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص نے بڑھاپے کی عمر میں دیکھا اور ایک نے جوان دیکھا، ایک نے آپ کو راضی دیکھا اور ایک نے ناراض، ایک نے روتے ہوئے دیکھا اور ایک نے ہنستے ہوئے، ایک نے خوش دیکھا اور ایک نے ناخوش، یہ سب دیکھنے والے کے احوال کے مختلف ہونے کی بنا پر ہے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرنا دیکھنے والے کے باطن کے احوال کی شناخت کا معیار ہے، سالکوں کے لیے یہ مفید ضابطہ ہے جس کے ذریعے وہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کے باطن کے احوال کہاں تک پہنچے ہیں؟ اور ان کا مقام کیا ہے تاکہ ان کا علاج کریں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ شفاف آئینہ ہیں جس میں تمام لوگ اپنے حال کی صورت دیکھتے ہیں۔

اس بیان سے بعض عرفاء کے اس قول کا مطلب معلوم ہو جاتا ہے کہ میں نے ستر مرتبہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، مجھے یقین ہو گیا کہ ہر دفعہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے، اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت محض ایک خیال ہے، اور ہر شخص اپنا خیال دیکھتا ہے بلکہ جسے دیکھا گیا ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی حقیقت ہی ہے، لیکن وہ حقیقت دیکھنے والے کے احوال کی پہچان کا معیار ہے اور اس میں دیکھنے والے کا بھی دخل ہے۔ اسی ضابطے کے مطابق بعض ارباب تمکین نے کہا ہے کہ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو ارشاد سنا جائے اسے سنت ثابتہ پر پیش کرنا چاہیے اگر موافق ہے تو حق ہے اور اگر مخالف ہے تو سننے والے کی سماعت کے خلل کا نتیجہ ہے، پس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت اور جو کچھ آپ نے دیکھا یا سنا گیا ہے حق اور حقیقت ہے، اختلاف اور فرق دیکھنے والے کے اعتبار سے ہے۔

میں نے جلیل القدر شیخ علامہ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مغرب کے ایک درویش نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں، انہوں نے اشکال کو زائل کرنے کے لیے اس وقت کے مشائخ سے استفتاء کیا کہ حقیقت حال کیا ہے؟ ہر بزرگ نے اس کا ایک محمل تاویل بیان کی، مدینہ منورہ میں اس دور کے مشہور مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے ان کا نام شیخ محمد بن عراق تھا، صاحب استقامت اور شریعت کے بڑے پیروکار تھے۔ جب ان کے سامنے استفتاء پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا: بات وہ نہیں ہے جو اس نے سنی ہے، اس شخص کی سماعت میں خلل تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، شراب نہ پیو، اس نے نہ پیو کی جگہ پیو سنا۔

رہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بیداری میں زیارت کرنا تو بعض محدثین نے کہا کہ یہ کسی صحابی یا تابعی سے منقول نہیں ہے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فراق میں چھ مہینے تک سخت غمگین رہیں، یہاں تک کہ جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، وہ روضۂ مبارکہ کے قریب ہی رہتی تھیں، کسی نے نقل نہیں کیا کہ اس مدت میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو، ہاں اس سلسلے میں بعض اولیاء کرام کے واقعات مروی ہیں اور درجۂ صحت کو پہنچے ہوئے ہیں، مشائخ کرام کے اس قسم کے واقعات بہت ہیں اور حد تواتر کے قریب پہنچے ہوئے ہیں۔ اس حال کا منکر، اولیاء کرام کی کرامات کو مانتا ہے یا نہیں، اگر نہیں مانتا تو وہ اس لائق ہی نہیں کہ اس کے ساتھ بحث کی جائے کیونکہ وہ ایسی چیز کا منکر ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے، اور اگر مانتا ہے تو یہ زیارت بھی از قبیل کرامات ہے تو انکار کیوں ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی اپنی تصنیف المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں کہ ارباب قلوب بیداری میں فرشتوں اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں اور ان کے کلمات سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں، مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالے میں لکھا کہ شیخ ابو العباس قسطلانی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا: احمد! اللہ تعالیٰ تمہارا ہاتھ پکڑے، شیخ ابو المسعود کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا کرتے تھے، قطب الوقت ابو الحسن شاذلی کے بارے میں بیان کیا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: علی! اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے پاک کرو، سید نور الدین یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے قبر شریف کے اندر سے جواب سنا: تم پر سلام ہو میرے بیٹے! شیخ ابو العباس مرسی سے روایت ہے کہ اگر ایک لمحے کے لیے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کا جمال مجھ سے پوشیدہ ہو جائے تو اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں، کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ بھی ایک مثال اور صورت ہے اگرچہ بیداری میں ہے لیکن وہ غائب نہیں ہوتی، لیکن اس زیارت سے دیکھنے والا صحابی نہیں بنتا اور احکام شرعیہ کے ثبوت کے لیے دوسرے شخص کے نزدیک یہ زیارت حجت نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

صاحب بہجۃ الاسرار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں جس میں صرف دو واسطے ہیں کہ ایک دن غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرسی پر بیٹھے ہوئے وعظ کہہ رہے تھے، قریباً دس ہزار افراد مجلس وعظ میں حاضر تھے، شیخ علی بن ہیتی، حضرت شیخ کی کرسی کے پائے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، شیخ علی بن ہیتی کو نیند آگئی، حضرت شیخ عبد القادر نے حاضرین کو خاموشی کا حکم دیا، سب لوگ خاموش ہو گئے، حالت یہ تھی سانس لینے کی آوازوں کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا، حضرت شیخ عبد القادر کرسی سے نیچے اترے اور شیخ علی ہیتی کے سامنے باادب کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے، شیخ علی بیدار ہوئے تو حضرت شیخ نے کہا تمہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا: اسی لیے میں تمہارے سامنے باادب کھڑا تھا، تمہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا نصیحت کی؟ کہنے لگے کہ آپ کی مجلس میں باقاعدہ حاضری دیا کروں، شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا حضرت شیخ عبد القادر نے بیداری میں دیکھا روایت کرتے ہیں کہ اس دن مردانِ خدا میں سے سات افراد اس دنیا سے چلے گئے رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

۴۴۰۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَ لَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطٰنُ بِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فرمایا: جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا اور شیطان ہماری صورت میں نہیں آسکتا۔[1] (صحیحین)

[1] یعنی نہ خواب میں اور نہ بیداری میں۔

اس حدیث کے بھی مختلف مطالب اور تاویلات ہیں۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اس خواب کی تاویل و تصدیق، اس کی صحت کے آثار اور حقانیت کے انوار بیداری میں اس دنیا میں دیکھے گا۔

۲۔ آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا، اس توجیہ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آخرت میں تو تمام امت، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال کا دیدار کرے گی، خواب میں زیارت کرنے والوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زیارت سے مراد نمایاں خصوصیت ہے ایسے لوگوں کو ترقی درجات و مراتب کی خاص شفاعت اور تقرب حاصل ہوگا جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوگا جنہیں اس دنیا میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا، بعض علماء نے فرمایا: ہوسکتا ہے امت کے بعض گناہگاروں اور غفلت کے قیدیوں کو آخرت میں ایک وقت تک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم کرکے مبتلائے عذاب رکھیں، اس لیے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں ہمارے دیدار کی سعادت سے مشرف ہوا وہ اس عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا۔

۳۔ مطلب یہ ہے کہ گویا اس نے بیداری میں ہماری زیارت کی، یعنی جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ اس طرح ہے کہ گویا اس نے بیداری میں زیارت کی ہے، کسی شک اور شبہے کے بغیر زیارت کی صحت اور حقانیت بیان کرنا مقصود ہے، فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ (وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا) سے یہ مطلب لینا بہت بعید ہے۔

۴۔ یہ بشارت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانِ مبارک کے ان لوگوں کے لیے ہے جو غائبانہ ایمان لائے اور خواب میں جمال اقدس کے دیدار سے مشرف ہوئے، بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے سے پہلے انہیں شرف صحابیت کا امیدوار بنادیا اور انہیں خوشخبری دی کہ بیداری میں ہجرت کی توفیق پاکر حقیقی زیارت اور واقعی صحابیت سے مشرف ہوں گے۔

بعض ارباب معرفت کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جمال نبوی کا دیدار کرنے والے خوش بختوں کے لیے بشارت ہے

کہ جسمانی کدورتوں کے اٹھ جانے اور جسمانی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس مقام کو پہنچ جائیں گے کہ بحالت بیداری کشف اور مشاہدے میں اس سعادت کو حاصل کریں گے، جیسے کہ خاص اولیا اللہ کو یہ فیروز بختی حاصل ہوتی ہے۔ اگر بعض سچے مومنوں اور مخلص محبین کو بھی اس میں داخل قرار دیا جائے جو آخری دم تک اس سعادت کے امیدوار رہتے ہیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ اس مطلب کے مطابق یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، بیدار ہونے کے بعد اس حدیث کے مطلب میں غور و فکر کرتے رہے اور بیداری میں اس نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے کے امیدوار رہے، پھر ایک ام المومنین، غالباً اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے انہیں دیکھنے کے لیے آئینہ لا کر دیا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چہرہ دیکھا کرتے تھے، ابن عباس نے آئینے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ دیکھی۔ انہیں اپنی صورت دکھائی نہ دی۔

شیخ ابن ابی حمزہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا کہ بیداری میں اس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت مراد ہے اگر ممکن ہو، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ اس حدیث کا بعید ترین محمل ہے، اور معاملہ اسی طرح ہے۔

۴۴۰۶ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَ الْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهٖ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ وَ اِذَا رَاٰى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ وَ مِنْ شَرِّهٖ وَ لْيَتْفُلْ ثَلٰثًا وَّ لَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی خوابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بری خوابیں شیطان کی طرف سے ہیں، جب تم میں سے ایک شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو کسی ایسے شخص ہی کو بیان کرے جسے دوست رکھتا ہو، اور جب ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس کے اور شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ بائیں جانب تین بار تھوکے اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرے تو وہ بری خواب اسے نقصان نہ دے گی (صحیحین)

ـــہ۱ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کی علامت ہیں۔

ـــہ۲ بری اور جھوٹی خوابوں کو اضغاث احلام کہتے ہیں وہ شیطان کی خواہش اور رضا کے مطابق واقع ہوتی ہیں اگرچہ دونوں خوابوں کا پیدا کرنا اور اظہار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق ہی سے ہے، حاصل یہ ہے کہ اچھی خوابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے اشارہ ہیں، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا گمان رکھے، کثرت سے شکر ادا کرے اور مزید شوق و طلب حاصل کرے نا پسندیدہ اور جھوٹی خوابیں شیطان دکھاتا ہے تاکہ مسلمان کو غمگین بدگمان اور راہ حق میں چلنے سے سست کرے، اس کے بعد اس خواب کے نقصان کے دفعیہ کا علاج اور شر شیطان سے محفوظ رہنے کا طریقہ بیان فرمایا۔

ـــہ۳ اس کی وجہ دوسری فصل کی پہلی حدیث میں آرہی ہے، اس حدیث میں فَلَا یُحَدِّثْ رفع اور جزم دونوں کے ساتھ مروی ہے۔

ـــہ۴ اور اس خواب سے نقصان اور ضرر کا خطرہ محسوس کرے۔

ـــہ۵ شیطان کے دفع کرنے کے ارادے سے۔

۴۴۰۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلٰثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ ثَلٰثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوکے[۱]، تین بار شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور جس پہلو پر لیٹا ہوا ہو اسے بھی بدل لے۔

(مسلم)

ـــہ۱ اس حدیث میں بصاق کا ذکر ہے، بُصَاق تَفَل سے زیادہ ہے، تفل کا معنی ہے تھوک کا منہ سے نکالنا اور بصق کا معنی ہے منہ کے اندرونی حصے سے تھوک کا باہر نکالنا یہاں تک کہ حلق سے بھی کچھ چیز باہر آئے، بصاق وہ چیز جو باہر آئے، اسے بزاق زاد کے ساتھ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد تفل کا مرتبہ ہے اس کے بعد نفث ہے جس کا معنی ہے ہونٹوں سے پھونک مارنا جس کے ساتھ تھوک کے کچھ چھینٹے بھی ہوں، اس کے بعد نفخ ہے جس کا معنی پھونک مارنا ہے۔ ——— مسلم شریف کی ایک روایت میں فَلْيَنْفُثْ بھی آیا ہے، اس

حدیث میں بائیں جانب کا ذکر ہے، گزشتہ حدیث میں مطلقاً تھوکنے کا ذکر ہے، بائیں جانب گھٹیا، خسیس اور شر کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر شیطان کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے، اس حدیث میں پہلو بدلنے کے حکم کا بھی اضافہ ہے۔

ک۵ اس خواب کو دیکھنے کے وقت جس پہلو پر لیٹا ہوا تھا اسے بدل لے، حال کی تبدیلی میں اس کا بھی دخل ہے۔

۴۲۰۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ فَاِنَّهُ لَا يَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ وَ اَنَا اَقُوْلُ الرُّءْيَا ثَلَاثٌ حَدِيْثُ النَّفْسِ وَ تَخْوِيْفُ الشَّيْطٰنِ وَ بُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلَا يَقُصُّهٗ عَلٰى اَحَدٍ وَّلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَ كَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِى النَّوْمِ وَ يُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَ يُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِى الدِّيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو قریب نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹا ہو[۱]، مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے[۲] اور جو نبوت کا حصہ ہو وہ جھوٹا نہیں ہوتا[۳]، محمد بن سیرین نے کہا میں کہتا ہوں[۴] خواب تین قسم کے ہیں[۵]۔ (۱) نفس کے خیالات[۶] (۲) شیطان کا ڈراوا[۷] (۳) اللہ تعالے کی طرف سے بشارت[۸]۔ جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے وہ کسی کو نہ بتائے[۹] کھڑا ہو کر نماز پڑھے[۱۰]، راوی کہتے ہیں کہ ابن سیرین (یا ابوہریرہ) خواب میں طوق دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے[۱۱] اور بیڑی کو پسند کرتے تھے[۱۲] کہا جاتا ہے بیڑی دین میں ثابت قدمی کا نشان ہے۔ (صحیحین)

قَالَ الْبُخَارِيُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَ يُوْنُسُ وَ هُشَيْمٌ وَ اَبُوْ

امام بخاری نے فرمایا: اس حدیث کو قتادہ، یونس، ہشیم اور ابو ہلال نے

هٰذَا لِ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ قَالَ يُوْنُسُ لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَيْدِ وَ قَالَ مُسْلِمٌ لَا اَدْرِيْ هُوَ فِي الْحَدِيْثِ اَمْ قَالَهٗ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَ اَدْرَجَ فِي الْحَدِيْثِ قَوْلَهٗ وَ اَكْرَهُ الْغُلَّ اِلٰى تَمَامِ الْكَلَامِ

ابن سیرین سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا، یونس کہتے ہیں میرے خیال میں بیڑی سے متعلق حدیث نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے[لہ]، امام مسلم نے فرمایا[۵]: میں نہیں جانتا کہ یہ حدیث میں ہے یا ابن سیرین نے کہا ایک روایت[لہ] میں اس کی مثل ہے اور حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ میں طوق کو ناپسند کرتا ہوں آخر حدیث تک

سلہ اس حدیث کی شرح چند طریقوں سے کی گئی ہے۔

۱۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد آخری زمانہ اور قیامت کا قرب ہے، ایک دوسری حدیث میں صراحۃً آیا ہے کہ زمانے کے آخر میں قریب نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹا ہو، میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ موت کے قریب کا زمانہ مراد ہے۔

۲۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد دن اور رات کا برابر ہونا ہے، کیونکہ اس زمانے میں انسانی مزاج بہت صحیح اور معتدل ہوتا ہے، لہٰذا خواب زیادہ درست اور غلط سے زیادہ دور ہوگا۔

۳۔ زمانے کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ سال مہینے کی طرح، مہینہ ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن گھنٹے کی طرح گزر جائے گا، کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کے عدل اور خوشحالی کا زمانہ ہے۔ کیونکہ عیش اور کامرانی کا زمانہ خواہ کتنا ہی طویل ہو مختصر معلوم ہوتا ہے اور غم و مشقت کا زمانہ کتنا ہی مختصر ہو دراز معلوم ہوتا ہے، جیسے کہا گیا ہے کہ وصال کا ایک سال ایک گھڑی ہے اور فراق کی ایک گھڑی ایک سال ہے، امام مہدی کے زمانے میں بھی خواب صحیح دکھائی دیں گے اور درست واقع ہوں گے کیونکہ وہ سچائی اور صداقت کا زمانہ ہوگا، حدیث میں ہے کہ جو شخص جتنا سچا ہوگا اس کا خواب اتنا ہی درست ہوگا۔

۴۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ کنایہ ہے عمر کے مختصر ہونے اور برکت کی قلت سے، یا یہ مراد ہے کہ زمانے والے شر اور فساد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، یا زمانے کے اجزاء شر میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے

یا حکومتوں کے دن جلد گزر جائیں گے اور وہ جلد جلد ختم ہو جائیں گی۔ اس کے بعد مومن کے خواب کی سچائی اور اس کی تعریف بیان کی ہے۔

۵۲ اس کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۳ مخفی نہ رہے کہ سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کے قریب ہونے کے وقت خواب کا سچ ہونا ایمان کی قوت اور اس کے کمال کی بنا پر ہوگا جو خواب کے سچ ہونے کا سبب ہے، لہذا بعض شارحین کا زمانے کے قریب ہونے کی یہ توجیہ کرنا کہ زمانے کے اجزا شر اور فساد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے نقل کیا مناسب نہیں ہے، ممکن ہے کہ اس وقت خوابوں کا سچا ہونا کسی ایسی خاصیت کی بنا پر ہو جس کا علم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہ ہو۔

چونکہ حدیث پاک سے خواب کا سچ ہونا اور اس کی تعریف معلوم ہو گئی ہے اس لیے اس کے اقسام بیان کرنے کے لیے امام ابن سیرین کا کلام لائے ہیں۔ نیز اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر خواب صحیح، قابل تعبیر اور لائق اعتبار نہیں ہوتا، وہی خواب معتبر ہوتا ہے جو بشارت ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو آگاہ کرنے کے لیے ہو۔

۵۴ اور جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسے روایت کرتا ہوں۔

۵۵ بعض روایات میں ثلثہ تاء کے ساتھ ہے یعنی خواب تین خصلتیں ہیں یا تین قسم ہیں۔

۵۶ مثلاً ایک شخص کسی کام، فن یا کسی بات میں معروف تھا وہ کام یا بات اس کے ذہن میں اس طرح بیٹھ گئی کہ خواب میں بھی وہی دکھائی دی، قوت متخیلہ اسے ترتیب دے دیتی ہے۔

۵۷ شیطان انسانوں کا دشمن ہے، اسی دشمنی کے تحت وہ انسان کو غم واندوہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے شیطان اپنی حرکتوں کے ذریعے انسان کو پریشان کرتا ہے مشقت میں ڈالتا ہے، احتلام کا باعث ہوتا ہے جس کی بنا پر غسل ضروری ہو جاتا، کبھی نماز کے قضا یا لیٹ ہونے کا سبب بنتا ہے ـــــــــ یہ دونوں قسمیں قابل اعتبار ہیں اور نہ ہی لائق تعبیر۔

۵۸ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو آگاہ کرنے کے لیے ہے تاکہ بندہ اس کے ذریعے خوش ہو جائے طلب حق میں مستعد ہو جائے، حسن ظن اور ا۔۔ پیدا ہو جائے۔

۵۹ کیونکہ جب اس کا اعتبار نہیں اور تعبیر بھی نہیں تو اسے بیان کرنا عبث اور لایعنی ہے، نیز جب کہنے والا اور سننے والا اس کی بری تعبیر سوچے گا اور بیان کرے گا تو توہمات اور وسوسے پیدا ہوں گے۔ اور بری فال لی جائے گی کسی واقعے کے پیش آنے میں تعبیر کا بھی دخل ہے جیسے کہ اس کے بعد آئے گا۔

۶۰ تاکہ نماز کی برکت اور نورانیت کے طفیل، پیدا ہونے والا شر اور نقصان کا وہم اور پیدا شدہ وحشت

اور کدورت دور ہو جائے۔

۵۱۱ شارحین نے قال کی ضمیر کے بارے میں چند احتمال بیان کیے ہیں۔

۱۔ یہ ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہے، جیسے کہ سابقہ عبارت قال محمد بن سیرین سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں کَانَ یَکْرَہُ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوگی۔ معنی یہ ہوگا: ابن سیرین نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طوق کو ناپسند رکھتے ہوئے، غل نقطے والی غین پر پیش، طوق، یعنی کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کے گلے میں طوق ڈالا ہوا ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خواب کو ناپسند رکھتے تھے، کیونکہ یہ دوزخیوں کی صفت ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے
(جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے)۔

۲۔ قال کی ضمیر ابن سیرین کی طرف اور کَانَ یَکْرَہُ کی ضمیر حضرت ابوہریرہ کی طرف راجع ہو جن سے ابن سیرین روایت کر رہے ہیں اور ان کے مشہور راویوں میں سے ہیں، یعنی ابن سیرین نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ خواب میں طوق کے دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے، لازمی بات ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہوگی یا اپنے اجتہاد سے بیان کی ہوگی۔

۳۔ قال کی ضمیر ابن سیرین کے راوی کی طرف راجع ہو اور کان یکرہ کی ضمیر ابن سیرین کی طرف راجع ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے کہا کہ ابن سیرین طوق کے دیکھنے کو ناپسند رکھتے تھے یہ احتمال اس اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تعبیر کی نسبت ابن سیرین کی طرف کی گئی ہے اور وہ خوابوں کی تاویل اور تعبیر میں مشہور ہیں۔

۵۱۲ امام بخاری کی روایت میں صیغہ جمع کے ساتھ وَیُعْجِبُهُمْ مروی ہے، (سابقہ تین احتمالات میں سے) پہلے احتمال کے مطابق جمع کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف راجع ہوگی، دوسرے احتمال کے مطابق حضرت ابوہریرہ اور ان کے متبعین کی طرف اور تیسرے احتمال کے مطابق ابن سیرین اور ان کے ہم عصر ماہرین تعبیر کی طرف راجع ہوگی، یعنی اگر کوئی شخص خواب میں اپنے پاؤں میں بیڑی دیکھے تو اسے پسند کرتے تھے کہ یہ جرائم اور گناہوں سے باز رہنے اور اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی علامت ہے، جیسے کہ اس کے بعد فرمایا کہ ماہرین تعبیر کہتے ہیں۔ کہ بیڑی دین میں ثابت قدمی ہے، یہ تعبیر دین والوں اور اطاعت گزاروں کی نسبت سے ہے، کہتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار، قیدی، مسافر یا غمزدہ دیکھے کہ میرے پاؤں میں بیڑی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اسی حال اور اسی کام میں برقرار رہے گا جس میں وہ ہے، اسی طرح علامہ طیبی نے کہا، اسی طرح دیکھنے کے اعتبار سے تعبیر مختلف ہوتی ہے، مثلاً اگر کوئی تاجر خواب میں دیکھے کہ وہ مال ومتاع جمع کرکے کشتی میں بیٹھا ہوا ہے اور ہوائے موافق چل رہی ہے تو

یہ تجارت میں فائدے اور سلامتی کی علامت ہے، اور اگر یہی خواب طریقت کا کوئی سالک دیکھے تو یہ اتباع شریعت اور مقام حقیقت تک پہنچنے کی علامت ہے۔

۵۱۳ حضرت قتادہ، بصرہ کے تابعین کے تیسرے درجے سے تعلق رکھتے ہیں اور مشہور ہیں، یونس بن عبید بصری اور عبدالقیس کے مولیٰ ہیں، حضرت حسن بصری اور ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں، ان سے سفیان ثوری اور شعبہ روایت کرتے ہیں، یونس نام کے کئی راوی ہیں، ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ وہ یونس مراد ہے جو ابن سیرین سے روایت کرنے میں مشہور ہیں۔ ہشیم ہا پر پیش بن بشیر سلمی واسطی ہیں، بغداد کے حافظ، ثقہ امام اور مدلس ہیں، واسطی اور بقول بعض بخاری الاصل ہیں، ابن مہدی نے کہا کہ وہ شعبہ اور سفیان سے روایت کرنے والے حدیث کے بڑے حافظ تھے۔ ابو ہلال بھی تابعی ہیں اور ابو قتادہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سب حضرات، حضرت ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔

۵۱۴ حدیث کا وہ حصہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ انہیں بیڑی پسند تھی اور بیڑی دین میں ثابت قدمی ہے وہ حصہ نہیں جس میں طوق سے ناپسندیدگی ظاہر کی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ بیڑی سے متعلق حصہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، نہ کہ حضرت ابوہریرہ یا ابن سیرین کا، حاصل مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث کو ابن سیرین نے حضرت ابوہریرہ اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا، اسی طرح اس حدیث کے بارے میں امام بخاری نے بیان کیا

۵۱۵ امام مسلم نے ابن سیرین کے شاگرد کا یہ قول نقل کیا کہ بیڑی سے متعلق یہ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے یا ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔

۵۱۶ یہ روایت بھی امام مسلم کی ہے، اور یہ اضافہ بھی انہوں نے روایت کیا ہے۔ کہ ابن سیرین یا حضرت ابوہریرہ نے اپنے اس قول کا اضافہ کیا، مطلب یہ ہے کہ بیڑی اور طوق کے بارے میں تمام گفتگو ابن سیرین کی ہے یا حضرت ابوہریرہ کی، محدثین کی اصطلاح میں ادراج کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے درمیان راوی اپنا کلام ذکر کر دیتا ہے، امام بخاری اور مسلم کے اقوال کے بیان سے قال اور کان یکرہ کی ضمیروں کی حقیقت حال بھی ظاہر ہو گئی کہ کان یکرہ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت ابوہریرہ یا ابن سیرین کی طرف اور قال کی ضمیر ان کے شاگرد راوی کی طرف راجع ہے ۱۲ ق ن)۔

۴۴۰۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ

كَاَنَّ رَاْسِیْ قُطِعَ قَالَ فَضَحِكَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِذَا لَعِبَ الشَّیْطَانُ بِاَحَدِكُمْ فِیْ مَنَامِہٖ فَلَا یُحَدِّثْ بِہٖ لِلنَّاسِ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: جب شیطان خواب میں تم میں سے کسی ایک سے کھیلے تو چاہیے کہ کسی کو نہ بتائے لہ۔

(مسلم)

لہ یعنی تمہارا یہ خواب کچھ نہیں ہے بلکہ لا یعنی قسم کا ہے، یہ ان خوابوں میں سے ہے جن میں شیطان آدمی سے کھیلتا ہے تاکہ وہ پریشان ہو جائے، ایسے خواب چھپانے چاہئیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کیے جائیں علامہ طیبی کہتے ہیں کہ غالباً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وحی یا قرائن سے جان لیا کہ یہ لا یعنی خواب ہے اور شیطان کا کھیل ہے، اگرچہ ماہرین تعبیر کے نزدیک اس کی کئی تعبیریں ہیں، مثلاً نعمت کا زائل ہونا، قوم کا جدا ہونا اور حال کی تبدیلی جیسے کہ معبرین نے بیان کیا ہے۔

۴۴۱۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ ذَاتَ لَیْلَۃٍ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ كَاَنَّا فِیْ دَارِ عُقْبَۃَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِیْنَا بِرُطَبٍ مِّنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَۃَ لَنَا فِی الدُّنْیَا وَالْعَاقِبَۃَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ دِیْنَنَا قَدْ طَابَ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک رات ہم نے خواب میں دیکھا جیسے ہم عقبہ ابن رافع کے گھر میں ہیں لہ ہمارے پاس رطب ابن طاب نامی تر کھجوریں لائی گئیں، ہم نے اس کی تعبیر نکالی کہ دنیا میں ہمارے لیے بلندی آخرت میں اچھی عاقبت ہے اور ہمارا دین پسندیدہ اور میٹھا ہے۔

(مسلم)

لہ ہم اور ہمارے صحابہ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں، جو قریشی صحابی اور حضرت عمرو بن عاص کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے، حضرت عمرو بن عاص نے انہیں مغرب کے علاقے میں بھیج دیا تھا سنہ ۶۳ھ

میں افریقہ میں شہید ہوئے۔

۵۲ ابن طاب، مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کی طرف ان کھجوروں کی نسبت کی گئی ہے وجہ یہ تھی کہ اس نے ان کھجوروں کے پودے لگائے تھے، یا انہیں پسند کیا اور کھایا تھا، ان کھجوروں کو رطب ابن طاب اور عذق ابن طاب بھی کہتے ہیں، عین کے نیچے زیر اور ذال ساکن، عذق کا معنی ہے کھجور کا گچھا، انہیں تمر ابن طاب بھی کہتے ہیں۔

۵۳ رافع کے لفظ سے رفعت اور عقبہ سے عاقبت لی۔

۵۴ دلوں میں گھر کر چکا ہے اور اس کے اختیار کرنے میں تلخی نہیں رہی، علامہ طیبی نے کہا کہ اس دین کے احکام مقرر ہو چکے ہیں اور اس کے قواعد تیار ہو چکے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے قَدْ اَطَبَ وَطَابَ یہ لفظ رطب ابن طاب سے لیا۔

یاد رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ناموں سے نیک فالی اور تاویل کے طور پر معانی اخذ کرتے تھے، یہ بات خواب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بیداری میں بھی ناموں سے اچھی فال لیتے تھے، جیسے کہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر میں بریدہ اسلمی کو سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ راستے میں دیکھا۔ قریش نے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرفتار کرنے کے لیے مقرر کیا تھا اور سو اونٹ دینے کا وعدہ کیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا بریدہ، آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: قَدْ بَرَدَ اَمْرُنَا تحقیق ہمارے کام میں خوشی اور ٹھنڈک پیدا ہو گئی ہے، پھر پوچھا تمہارا نسب کیا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اسلمی ہوں، فرمایا: حَصَلَ السَّلَامَۃُ لَنَا ہمارے لیے سلامتی حاصل ہو گئی ہے، پھر پوچھا: قبیلہ اسلم کی کس شاخ سے ہو؟ عرض کیا بنی سہم سے فرمایا: قَدْ اَصَبْتَ سَھْمَکَ تم نے اپنا حصہ پا لیا، حضرت بریدہ اسلام لے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ چلے گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

| | |
|---|---|
| ۴۲۱۱ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُهَاجِرُ مِنْ مَّكَّةَ اِلٰی اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِیْ اِلٰی اَنَّهَا الْیَمَامَةُ اَوْ هَجَرُ | حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے خواب میں دیکھا کہ ہم مکہ مکرمہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہے ہیں[۱]، ہمارا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ[۲] یا ہجر[۳] ہے، پس |

فَاِذَا هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَثْرِبُ وَ رَاَيْتُ فِيْ رُؤْيَايَ هٰذِهٖ اِنِّيْ هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَ مَا اُصِيْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰى فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَ اِجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ .
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ تو مدینہ منورہ تھا جس کا پرانا نام یثرب ہے، ہم نے اپنے اسی خواب میں دیکھا کہ ہم نے تلوار کو حرکت دی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، یہ وہ تکلیف تھی جو اہل ایمان کو احد کے دن پہنچی، پھر ہم نے دوبارہ تلوار کو حرکت دی تو وہ بہترین حالت کی طرف لوٹ گئی، یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فتح تھی اور اہل ایمان کا اجتماع تھا۔
(صحیحین)

۵۱ حضرت ابو موسیٰ اشعری اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

۵۲ یہ ابتدائی دنوں کی بات ہے جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مقام ہجرت کی تعیین کی گئی، اس وقت آپ نے ایسی جگہ دیکھی جس کے بارے میں اشتباہ اور احتمال تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے، اس کے بعد مدینہ منورہ متعین ہوگیا جسے دور جاہلیت میں یثرب اور قریۃ ذات النخیل (کھجوروں والا گاؤں) کہتے تھے، مدینہ منورہ کے علاوہ حجاز میں کئی جگہیں تھیں جہاں کھجوروں کے درخت تھے، اس لیے فرمایا کہ ابتداً ایک ایسی جگہ دکھائی گئی جہاں کھجوریں کثرت سے ہیں اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ اس کی طرف ہجرت کرکے جا رہے ہیں۔

۵۳ یمامہ یا پر زبر، میم مخفف، ایک شہر کا نام جہاں حجاز کے تمام شہروں کی نسبت کھجوریں زیادہ ہوتی ہیں، یہ شہر مدینہ منورہ سے نچلی جانب، مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف بصرہ اور کوفہ سے اٹھارہ مرحلے کے فاصلے پر واقع ہے، اس جگہ کے رہنے والے کو یمامی کہتے ہیں، مسیلمہ کذاب لعنہ اللہ تعالیٰ علیہ اسی جگہ رہتا تھا، یمامہ دراصل ایک نیلی گوں آنکھوں والی لڑکی کا نام تھا، اس کی نظر اتنی تیز تھی کہ تین دن کی مسافت پر آنے والے سوار کو دیکھ لیتی تھی، یہ تمام شہر اسی کی طرف منسوب ہیں، اور اسی کے نام سے موسوم ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دار ہجرت کی نشانی، کثیر کھجوریں دیکھ کر تعبیر یہ نکالی کہ وہ یمامہ ہے

۵۴ ایک دوسرا شہر جس کا نام ہجر ہے، ہا اور جیم دونوں پر زبر، یہ اس شہر کا نام ہے جو قرمہ سے ایک دن اور رات کے فاصلے پر واقع ہے، یہ بحرین کے تمام علاقے کا نام ہے حدیث قلتین میں جو من قلال ہجر واقع ہے تو یہی ہجر مراد ہے، مراح میں ہے، ہجر ایک شہر کا نام ہے جس کی طرف کھجوروں کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ بھی شبہ ہوا کہ

شاید جائے ہجرت یہی ہو۔

۵ۡ جب علامات واضح ہو گئیں تو اشتباہ اور اشتراک زائل ہو گیا اور واضح ہو گیا کہ وہ جگہ جس طرف آپ نے (خواب میں) ہجرت کی وہ مدینہ منورہ ہے، جس کا پرانا نام یثرب بروزن مسجد ہے، کہتے ہیں کہ یثرب، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک شخص کا نام ہے، جب ان کی اولاد بکھری تو وہ اس جگہ پہ آکر مقیم ہو گئے۔

بعض علماء روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کو یثرب نہیں کہنا چاہیے، امام بخاری اپنی تاریخ میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ایک بار یثرب کہے اسے چاہیے کہ تلافی کے طور پر دس بار مدینہ کہے، امام احمد اور ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں کہ جو شخص مدینہ منورہ کو یثرب کہے اسے استغفار کرنا چاہیے اس کا نام طابہ ہے طابہ، اس سلسلے میں دوسری روایات بھی آئی ہیں، کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یثرب مشتق ہے ثرب سے جس کا معنی فساد ہے، یا تثریب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مواخذہ اور عقاب ہے، یا یہ وجہ ہے کہ اصل میں یہ ایک کافر کا نام تھا، لہٰذا اس مقدس جگہ کا نام نہ رکھنا چاہیے جو کفر کی میل کچیل سے پاک ہے، قرآن پاک میں جو واقع ہے یَآ اَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ تو یہ منافقوں کی زبان سے واقع ہوا ہے، بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کا نام یثرب واقع ہوا ہے، محدثین کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سے پہلے کی بات ہے، اس حدیث میں بھی یہی بات ہو سکتی ہے، یا اس لیے کہ یہ ہجرت کے وقت کی بات ہے اور ابھی اس کا یہی نام تھا اس لیے اسی کا ذکر کر دیا گیا، بعض محدثین نے کہا کہ یثرب کا استعمال بیان جواز کے لیے ہے اور نہی تنزیہی ہے۔

اس شہر مبارک کے بہت سے نام ہیں، جذب القلوب الی دیار المحبوب اس بلدہ طیبہ کے احوال کے موضوع پر حضرت شیخ محقق کی تصنیف لطیف ۱۲ (ق ن) ہے، اس میں ہم نے کچھ نام ذکر کیے ہیں، لغت میں مدینہ گھروں کے اس مجموعے کو کہتے ہیں۔ جو عمارات کی کثرت کے اعتبار سے گاؤں سے بڑا ہو اور مصر (شہر) کے مقام کو نہ پہنچا ہو، سب سے کم تر قریہ (گاؤں) ہے اور سب سے بڑا مصر ہے، مدینہ اور بلد دونوں کے درمیان ہے، بعض علماء نے مصر اور مدینہ کو ایک درجے میں رکھا ہے، اب المدینۃ الف لام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ کا نام بن چکا ہے، اگر مطلق مدینہ کا ذکر کریں تو یہی مقدس شہر مراد لیا جاتا ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدنی کہتے ہیں، کسی دوسرے مدینہ کی طرف نسبت ہو تو مدینی کہتے ہیں، قرآن مجید میں یہ نام چند جگہ واقع ہے، تورات میں بھی اس کا ذکر ہے اسے شرف بخشنے والی ہستی پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

۶ۡ تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر یہ تھی کہ اہل ایمان کو جنگ احد کے دن غم واندوہ لاحق ہوا اور تکلیف برداشت کرنا پڑی۔

۵ تلوار کے درست ہونے کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن فتح عطا فرمائی اور مسلمان پھر سے مجتمع ہو گئے وہ ابتداء "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مرکز کو چھوڑ بیٹھے اور مال غنیمت کے پیچھے چلے گئے، اس لیے ان میں افراتفری پھیل گئی اور ستر صحابہ کرام شہید ہو گئے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احد کے بعد حاصل ہونے والی فتوح مراد ہوں، پہلا مطلب زیادہ واضح ہے ——— نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلوار کی تعبیر مومنوں سے بیان کی، تلوار کے ٹوٹنے کی تعبیر مسلمانوں کی وقتی شکست اور تلوار کے دوبارہ درست ہونے کی تعبیر مسلمانوں کے مجتمع ہونے سے نکالی، کیونکہ انسان کے مددگار اس کی تلوار کی طرح ہیں، انسان تلوار کے ذریعے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے اور ان پر غالب آتا ہے، یہ تعبیر وہ تھی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل اقدس میں القا کی گئی اگرچہ تلوار کی دوسری تعبیریں بھی ہیں، مثلاً اولاد، بھائی، بیوی، زبان اور اقتدار وغیرہ جیسے علامہ طیبی نے بیان کیا یہ تعبیریں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعبیر کے منافی نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ یہ خواب اگر غزوہ احد سے کچھ پہلے ہے تو ہجرت کے سابقہ احوال اب پھر دکھائے گئے ہیں۔ اور اگر یہ خواب ہجرت کی ابتداء میں تھا تو بعد میں آنے والے حالات دکھائے گئے، غزوہ احد کے حال کے ساتھ تعبیر کیوں خاص کی گئی؟ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کے بتانے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔

۴۴۱۲/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ اُتِيْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِیْ كَفِّیْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَیَّ فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَنْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِیْ رِوَايَةٍ يُقَالُ اَحَدُهُمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم سو رہے تھے کہ ہمارے پاس زمین کے خزانے لائے گئے[۱]، اور سونے کے دو کنگن ہمارے ہاتھ میں رکھ دیئے گئے[۲]، جو ہمیں گراں گزرے[۳]، ہمیں وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مارو[۴]، ہم نے انہیں پھونک ماری تو وہ دونوں جاتے رہے[۵]، ہم نے ان کی تعبیر[۶] ان دو جھوٹوں سے کی[۷] جن کے درمیان ہم موجود ہیں[۸] ایک صنعاء کا ہے[۹] اور دوسرا یمامہ کا[۱۰] (صحیحین) ایک روایت میں ہے کہا جاتا ہے کہ

مُسَيْلَمَةُ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنْسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَذَكَرَ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ.

ان میں سے ایک مسیلمہ ہے یمامہ کا رہنے والا اور دوسرا عنسی ہے صنعاء کا[۵۹]، مجھے[۶۰] یہ روایت صحیحین میں نہیں ملی، لیکن صاحب جامع الاصول نے امام ترمذی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

۵۱ زمین کے خزانے، مملوکہ اشیاء اور اموال ہمارے پاس لائے گئے، یعنی یہ سب تمہارے ہیں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے دین اور ملت کا تمام دنیا میں پھیلاؤ ہوگا۔

۵۲ کفی محدثین نے اسے صیغہ مفرد کے ساتھ پڑھا ہے، کاف پر زبر، فاء کے نیچے زیر، اور یاء ساکن علامہ طیبی نے کہا۔

ظاہر یہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ ہو فاء پر زبر اور یاء مشدد، جیسے کہ دوسری روایت میں آیا ہے فی یَدَیَّ امام نووی نے تصریح کی ہے کہ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفی بھی تثنیہ کا صیغہ ہو غالباً سونے کے دو کنگن دکھانا دنیا کی زیب و زینت اور اس کی نمائش میں انہماک کے اعتبار سے تھا اور ناپسندیدگی کی شدت اس اعتبار سے تھی کہ ان کی تعبیر دو کذابوں سے کی گئی۔

۵۳ کیونکہ مرد کے لیے سونا پہننا مکروہ ہے۔

۵۴ تاکہ یہ غائب ہو جائیں۔

۵۵ معدوم ہو گئے اور اڑ گئے، اس میں ان دو کذابوں کے حقیر ہونے کی طرف اشارہ تھا اور یہ کہ ان کے قدم نہیں جمیں گے، جیسے کہ کسی ہلکی پھلکی چیز کو پھونک ماری جائے تو وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے اور زائل ہو جاتی رہتی ہے۔

۵۶ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دو کنگن جو ہمارے ہاتھوں میں دیئے گئے ان کا موجود رہنا ہم پر گراں گزرا اور ہمیں وحی کی گئی کہ ہم انہیں پھونک ماریں، ہم نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے، اس کی تعبیر ہم نے دو کذابوں سے کی۔

۵۷ جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

۵۸ اور مسند رسالت پر فائز ہیں۔

۵۹ صنعاء یمن کا ایک شہر ہے، وہاں کا مدعی نبوت اسود عنسی تھا عین پر زبر، نون ساکن اور سین کے نیچے زیر اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے آخری زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت فیروز دیلمی نے

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض وصال کے دنوں میں اس جھوٹے کو قتل کیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس واقع کی اطلاع دی اور فرمایا، فَازَ فَیْرُوْزُ (فیروز کامیاب ہوا)

۵۱۰ یمامہ خطۂ حجاز کے چند شہروں کا نام ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، اس جگہ کے مدعی نبوت کا نام مَسْلَمہ تھا لعنۃ اللہ تعالیٰ علیہ میم پر زبر، سین ساکن، لام پر زبر ہے بن ثمامہ تین نقطوں والی ثاء پر پیش مسلمانوں نے اس کا نام صیغہ تصغیر کے ساتھ مسیلمہ رکھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں وحشی بن حرب کے ہاتھوں قتل ہوا، اس کا واقعہ مشہور ہے۔ دو کنگنوں کی تعبیر دو کذابوں سے نکالی گئی ہے، اصل علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے، تعبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کنگن ہتھکڑی کے مشابہ ہیں جیسے کہ بیڑی پاؤں میں ہوتی ہے، ہتھکڑی کے ہوتے ہوئے جیسے چاہیے اس طرح ہاتھ پکڑنے، کام کرنے اور تصرف پر قادر نہیں ہوتا وہ دو کذاب جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملے کے مخالف تھے اس رکاوٹ کے مشابہ ہوں گے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی وہ کذاب آپ کے عمل اور تصرف کو رد کرنے والے ہوں گے، گویا کہ وہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور آپ کو کام نہیں کرنے دیتے، اس مناسبت کی وجہ سے آپ نے سونے کے دو کنگن جو دیکھے تو ان کی تعبیر دو کذابوں سے بیان کی، اسی طرح شارحین نے کہا ہے، ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تعبیر اور تاویل اس وحی اور الہام کی بنا پر کی جو آپ کے دل میں القاء ہوا، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے اشارہ کیا، محض مذکورہ مناسبت کی بنا پر یہ تعبیر نہیں کی، در حقیقت خواب کی تعبیر و تاویل اہل کشف کے لیے ہے جو آنے والے واقعے کو جان لیتے ہیں محض مناسبت اور مشابہت کی بنا پر نہیں ہوتی جیسے کہ ماہرین تعبیر ظاہر کرتے ہیں اور یہ امر مخفی نہیں ہے۔

۵۱۱ اسی طرح مصابیح میں ہے

۵۱۲ صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت صحیحین میں نہیں ملی، حالانکہ پہلی فصل میں ان ہی کی روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

۴۲۱۳ ۱۳ وَعَنْ اُمِّ الْعَلَآءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَاَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يُجْرٰى

حضرت ام العلاء انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے خواب میں عثمان بن مظعون کا بہتا ہوا چشمہ دیکھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: وہ چشمہ ان کے عمل کی صورت ہے جو ان کے لیے جاری کیا جاتا ہے

لہٗ - (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری)

۱؎ حضرت عثمان بن مظعون ارباب فضیلت مہاجرین صحابہ میں سے تھے، سب سے پہلے مہاجر تھے جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور جنت البقیع میں دفن کیا، اور بنفس نفیس بھاری پتھر لا کر ان کی قبر پر رکھا، ان کے بہت سے فضائل ہیں۔

۲؎ یعنی ان کا ثواب ان کے بعد دائم و باقی ہے، ایجری صیغہ معلوم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔

## حکایت:-

میں نے یگانہ روزگار، جلیل القدر شیخ عبدالوہاب متقی سے سنا کہ میں نے اپنے شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس چھوٹے بڑے کئی حوض، اور چھوٹی بڑی نہریں جاری ہیں، شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ ان حوضوں کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ وہ جامع صغیر ہے یہ جامع کبیر ہے، یہ ہماری فلاں کتاب ہے اور یہ فلاں رسالہ ہے، اسی طرح اپنی کتابوں، رسائل اور تصنیفات کا نام لیتے جاتے تھے جو انہوں نے علوم دینیہ میں لکھی تھیں۔

۴۴۱۴ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا قَالَ فَإِنْ رَأَى أَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ هَلْ رَأَى مِنْكُمْ أَحَدٌ رُؤْيَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ فَأَخَذَا بِيَدَيَّ فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى أَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ فَإِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَّرَجُلٌ قَائِمٌ

حضرت سمرہ بن جندب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ جب نماز پڑھ لیتے[۲] تو ہماری طرف رخ انور پھیر لیتے[۳]، اور فرماتے: آج رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کر دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا فرماتے[۴]، ایک دن ہم سے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، فرمایا: لیکن میں نے آج رات دیکھا کہ دو شخص ہمارے پاس آئے، انہوں نے ہمارے دونوں ہاتھ پکڑے۔

بِيَدِهٖ كَلُّوْبٌ مِّنْ حَدِيْدٍ
يُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهٖ فَيَشُقُّهٗ
حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ يَفْعَلُ
بِشِدْقِهِ الْاٰخَرِ مِثْلَ ذٰلِكَ
وَ يَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذَا
فَيَعُوْدُ . فَيَصْنَعُ مِثْلَهٗ
قُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ اِنْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا
عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى
قَفَاهُ وَ رَجُلٌ قَائِمٌ
عَلٰى رَأْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْ
صَخْرَةٍ يَشْدَخُ بِهٖ رَأْسَهٗ
فَاِذَا ضَرَبَهٗ . تَدَهْدَهَ
الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ
لِيَاْخُذَهٗ فَلَا يَرْجِعُ اِلٰى
هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَأْسُهٗ
وَ عَادَ رَأْسُهٗ كَمَا كَانَ
فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ فَقُلْتُ
مَا هٰذَا قَالَ اِنْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا
اِلٰى ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ
اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَ اَسْفَلُهٗ
وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ
فَاِذَا ارْتَفَعَتْ اِرْتَفَعُوْا
حَتّٰى كَادَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہمیں ایک پاکیزہ خطے میں لے گئے
اچانک دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور
ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا
کانٹا ہے، وہ بیٹھنے والے کے جبڑے میں
کانٹا داخل کرتا ہے اور اسے چیرتے ہوئے
اس شخص کی گدی تک پہنچ جاتا ہے، پھر وہ
اس کے دوسرے جبڑے کے ساتھ یہی عمل کرتا
ہے، اتنے میں پہلا جبڑا درست ہو جاتا ہے
وہ پھر اس کے ساتھ وہی عمل دہراتا ہے
ہم نے کہا یہ کیا ہے، ان دونوں نے کہا
آگے چلئے! ہم چل دیئے یہاں تک کہ ایک
شخص کے پاس پہنچے جو اپنی گدی کے بل لیٹا
ہوا ہے۔ ایک دوسرا شخص اس کے سر پر پتھر
لیے کھڑا ہے جس کے ساتھ اس کا سر پھوڑ
رہا ہے، جب اسے مارتا ہے تو پتھر
لڑھک جاتا ہے، وہ پتھر لینے کے لیے جاتا
ہے تو اس کی واپسی تک پہلے شخص کا سر
جڑ جاتا ہے اور اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے
وہ واپس آ کر پھر اسے مارتا ہے، ہم
نے کہا یہ کیا ہے؛ دونوں نے کہا آپ آگے
چلئے، ہم چل پڑے یہاں تک کہ ہم تنور
ایسے سوراخ تک پہنچے جو اوپر سے
تنگ اور نیچے سے فراخ تھا، اس کے
نیچے آگ جل رہی تھی کچھ لوگ اس آگ میں جل
رہے تھے، جب آگ بلند ہوتی تو وہ بھی بلند

وَ اِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَ فِيْهَا رِجَالٌ وَّ نِسَآءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ وَ عَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَآءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَآءَ فِيْهَا شَجَرَةٌ عَظِيْمَةٌ وَّ فِيْ اَصْلِهَا شَيْخٌ وَّ صِبْيَانٌ وَّ اِذَا رَجُلٌ قَرِيْبٌ مِّنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُّوْقِدُهَا فَصَعِدَ بِيَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا وَّسْطَ الشَّجَرَةِ لَمْ

ہو جاتے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس سے نکل جائیں، اور جب شعلے زرد ہوتے تو وہ اس اس میں لوٹ جاتے، اس[17] میں مرد عورتیں سب ننگے تھے، ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلئے، ہم چل دیے حتیٰ کہ خون کی ایک نہر پر پہنچ گئے، اس کے درمیان[18] ایک شخص کھڑا ہوا تھا، اور نہر کے کنارے ایک دوسرا شخص تھا جس کے سامنے پتھر تھے، جو شخص نہر میں کھڑا ہوا تھا وہ آگے بڑھا، جب اس نے نکلنے کا ارادہ کیا تو باہر والے نے اس کے منہ میں پتھر مارا اور اسے اس کی جگہ واپس بھیج دیا، تو جب بھی وہ نکلنے کے لیے آگے بڑھتا یہ اس کے منہ پر پتھر مارتا تو وہ لوٹ جاتا، ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا آگے چلئے، ہم چل دیئے یہاں تک کہ ہم ایک سرسبز باغ تک پہنچے، جس میں ایک بڑا درخت تھا، درخت کی جڑ کے پاس ایک بزرگ تھا اور بچے، اچانک دیکھا کہ درخت کے پاس ایک شخص تھا۔ اس کے آگے آگ تھی جسے وہ جلا رہا تھا، وہ دونوں ہمیں لے کر درخت پر چڑھ گئے اور مجھے ایک گھر میں لے گئے جو درخت کے درمیان تھا، اس سے زیادہ خوبصورت گھر ہم نے نہیں دیکھا، اس میں بوڑھے، جوان[19]، عورتیں اور بچے ہر قسم کے لوگ تھے، پھر انہوں نے

أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا فِيْهَا
رِجَالٌ شُيُوْخٌ وَّ شَبَابٌ وَّ
نِسَآءٌ وَّ صِبْيَانٌ ثُمَّ أَخْرَجَانِيْ
مِنْهَا فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ
فَأَدْخَلَانِيْ دَارًا هِيَ أَحْسَنُ
وَ أَفْضَلُ مِنْهَا فِيْهَا
شُيُوْخٌ وَّ شَبَابٌ فَقُلْتُ
لَهُمَا إِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَانِيْ
اللَّيْلَةَ فَأَخْبِرَانِيْ عَمَّا
رَأَيْتُ قَالَا نَعَمْ أَمَّا الرَّجُلُ
الَّذِيْ رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ
فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكِذْبَةِ
فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ
الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ مَا
تَرٰى إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ
الَّذِيْ رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ
فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ
فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَ لَمْ
يَعْمَلْ بِمَا فِيْهِ بِالنَّهَارِ
يُفْعَلُ بِهِ مَا رَأَيْتَ إِلٰى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالَّذِيْ رَأَيْتَهُ
فِي الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ
وَ الَّذِيْ رَأَيْتَهُ فِي النَّهْرِ
اٰكِلُ الرِّبٰوا وَ الشَّيْخُ الَّذِيْ
رَأَيْتَهُ فِيْ أَصْلِ الشَّجَرَةِ

ہمیں اس گھر سے نکالا اور ہمیں اس درخت
کے اوپر ایک گھر میں لے گئے جو پہلے سے
بھی زیادہ حسین اور بہتر تھا، اس میں بوڑھے
اور جوان تھے[۲۰]، ہم نے انہیں کہا کہ تم نے ہمیں
ساری رات پھرایا ہے، ہم نے جو کچھ دیکھا
ہے اس کے بارے میں بتاؤ تو سہی، انہوں
نے کہا ہاں اب بتاتے ہیں، آپ نے جس
شخص کو دیکھا ہے کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا
ہے وہ جھوٹا ہے، وہ جھوٹی بات بیان
کرتا جو اس سے حاصل کی جاتی ہے یہاں تک
کہ وہ آفاق عالم تک پہنچ جاتی ہے[۲۱]، جو
عمل آپ نے دیکھا ہے وہ اس کے ساتھ قیامت
تک کیا جاتا رہے گا۔ وہ شخص کہ جس کا سر
پھوڑا جا رہا ہے وہ ایسا شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے اسے قرآن کی تعلیم دی[۲۲] تو وہ
قرآن سے اعراض کر کے رات کو سو رہا[۲۳]
اور دن کے وقت اس کے احکام پر عمل نہ
کیا[۲۴]، جو عمل آپ نے دیکھا ہے اس کے ساتھ
قیامت تک کیا جاتا رہے گا[۲۵]۔

جن لوگوں کو آپ نے

اِبْرَاهِيْمُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَ الَّذِيْ يُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلٰى الَّتِيْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَآءِ وَ اَنَا جِبْرَئِيْلُ وَ هٰذَا مِيْكَائِيْلُ فَارْفَعْ رَأْسَكَ فَرَفَعْتُ رَأْسِيْ وَ اِذَا فَوْقِيْ مِثْلُ السَّحَابِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مِثْلَ فِي الرَّبَابَةِ الْبَيْضَآءِ قَالَا ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِيْ اَدْخُلْ مَنْزِلِيْ قَالَا اِنَّهٗ بَقِيَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَاِذَا اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَيْتَ بِمَنْزِلِكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ فِيْ بَابِ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ۔

تنور جیسے سوراخ میں دیکھا ہے وہ زناکار[26] ہیں، جس شخص کو آپ نے نہر میں دیکھا ہے[27] وہ سود کھانے والا ہے[28]، وہ بزرگ جن کو آپ نے درخت کی جڑ کے پاس دیکھا ہے وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ان کے اردگرد جو بچے ہیں وہ لوگوں کی اولاد ہیں، جو آگ جلا رہے تھے وہ جہنم کی آگ کے داروغہ مالک ہیں جس گھر میں آپ پہلے داخل ہوئے تھے وہ عامۃ المسلمین کا دار ہے[29]، اور یہ دار[30]، شہدا کا دار ہے، میں[31] جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں آپ اپنا سر اٹھائیں، ہم نے سر اٹھایا تو اچانک دیکھا کہ ہمارے اوپر بادل ایسی چیز ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ تہ بہ تہ سفید بادل[32]، انہوں نے کہا یہ آپ کی جگہ ہے[33]۔ ہم نے کہا: ہمیں چھوڑو کہ ہم اپنی منزل میں جائیں، انہوں نے کہا ابھی آپ کی عمر باقی ہے جسے آپ نے مکمل نہیں کیا۔ اگر آپ اپنی عمر مکمل کر چکے ہوتے تو اپنی منزل میں داخل ہو سکتے تھے (بخاری) مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خواب دیکھنے کی حدیث جسے حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا ہے۔ باب حرم المدینہ میں بیان کی گئی ہے۔

ف۱ حضرت سمرہ بن جندب جلیل القدر صحابی، بکثرت روایت کرنے والے حافظ الحدیث، ان میں سے حضرت حسن بصری، ابن سیرین، شعبہ وغیرہم نے روایت کی، بصرہ میں ۵۹ھ اور بقول بعض ۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

ف۲ یعنی صبح کی نماز۔

۵۳ اقبال کا معنیٰ رخ کا پھیرنا اور توجہ ہے، بوجہٖ اس کی تاکید ہے، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور آنکھ سے دیکھا، اس جگہ سے قبلہ شریف کی طرف پشت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے[۱] اگرچہ صبح کے وقت، علمی مجلس میں ہو، صاحب عوارف نے مبالغہ کے ساتھ وصیت کی ہے کہ صبح کے وقت نماز کے بعد قبلہ شریف کی طرف پشت نہ کرے، اگر نیند غلبہ کرے تو پشت کی طرف لیٹ جائے کہ قبلہ رخ ہونا باطن کو منور کرتا ہے، ان کا یہ فرمان اس صورت کے علاوہ سے متعلق ہوگا جو حدیث میں آئی ہے۔

۵۴ اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کے دل میں القاء فرماتا اور آپ کی زبان پر جاری فرماتا خواب کی تعبیر کے سلسلے میں ارشاد فرماتے۔

۵۵ بعض حواشی میں لکھا ہے کہ سرزمین شام مراد ہے، لیکن تنکر سے ظاہر یہ ہے کہ مطلق پاکیزہ زمین مراد ہے۔

۵۶ کلّوب کاف پر زبر، لام مضموم مشدد، بڑے سر والا لوہا جس کے ساتھ کسی چیز کو کھینچا جاتا ہے، جسے فارسی میں انبورہ (اور اردو میں کانٹا) کہتے ہیں۔

۵۷ شدق شین کے نیچے زیر اور دال ساکن، جبڑا۔

۵۸ یعنی اس کانٹے کے ساتھ دوسرے جبڑے کو گدی تک چیر دیتا ہے۔

۵۹ یعنی ہر دفعہ اس کے جبڑے کو چیرتا ہے، اور جب وہ جڑ جاتا ہے تو پھر اسے چیرتا ہے، اسی طرح ہر بار کرتا ہے۔

۵۱۰ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم نے ان دو شخصوں سے پوچھا کہ یہ کیسا عمل ہے؟ جو یہ شخص انجام دے رہا ہے۔

۵۱۱ یعنی ابھی نہ پوچھئے، آگے چلئے، ابھی تو اور بہت سے عجائب دیکھنا ہیں، اس کی تعبیر معلوم ہو جائے گی

۵۱۲ فِہْر فار کے نیچے زیر، ہا ساکن، ایسا پتھر جس سے مٹھی بھر جائے، مطلق پتھر ——— اَو صَخْرَۃ

---

[۱] سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہ عالیہ میں سلام عرض کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے والے عامۃ المسلمین کو نجدی شرطے زبردستی مجبور کرتے ہیں کہ قبلہ رخ ہو کر دعا مانگو، حالانکہ دعا مانگنے کے لیے قبلہ رخ ہونا کوئی ضروری نہیں ہے، حیف ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف پشت کرنے کو روا رکھتے ہیں اور قبلہ کی طرف پشت کر کے دعا مانگنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ خطیب جمعہ کے دن قبلہ کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھتا ہے اور مسجدوں کے امام عام طور پر دائیں جانب رخ کر کے دعا مانگتے ہیں، ان سے کیوں تقاضا نہیں کیا جاتا کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھو اور دعا مانگو ۱۲ شرف قادری نقشبندی۔

راوی کو شک ہے (کہ کونسا لفظ استعمال فرمایا)

۱۳؎ گدی کے بل لیٹے ہوئے شخص کا سر پھوڑ رہا ہے۔

۱۴؎ تاکہ لا کر پتھر اسے مارے۔

۱۵؎ ثقب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، قاف ساکن، ایک دوسری روایت میں ہے نَقَب نون پر زبر، دونوں کا معنی سوراخ ہے، صراح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معنی مطلق سوراخ ہے، قاموس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا معنی وہ سوراخ ہے جو آر پار ہو جائے، حواشی میں مُغرِب کے حوالے سے لکھا ہے ثقب تین نقطوں والی ثاء پر زبر، وہ سوراخ جو پار ہو جائے، اس کا استعمال چھوٹے سوراخ کے لیے ہوتا ہے، نون کے ساتھ نقب حائط (دیوار کا سوراخ) بڑا ہوتا ہے (اھ) اس کلام سے معلوم ہوتا ثقب تنگ سوراخ ہوتا ہے، جب کہ اسے تنور سے تشبیہ دی گئی ہے، اس لیے نون (نقب) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ——— تنور نون مشدد، اس کے بعد تنور کے ساتھ تشبیہ کی وجہ بیان کی۔

۱۶؎ جیسے تنور کی شکل ہوتی ہے۔

۱۷؎ آگ میں یا تنور میں۔

۱۸؎ وسط سین کی زبر کو بھی صحیح قرار دیا گیا ہے، اس کا معنی ہے درمیان، سین کا ساکن ہونا زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے، یعنی نہر کے درمیان

۱۹؎ شَبَاب شین پر زبر، باء مخفف، شَابٌّ (جوان) کی جمع، جوانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۲۰؎ اس جگہ عورتوں اور بچوں کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ اس خواب کی تعبیر سے معلوم ہو جائے گی۔

۲۱؎ تُحمل اور تُبلغ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

۲۲؎ اللہ نے تعلیم قرآن کی توفیق عطا فرمائی۔

۲۳؎ اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل ادا نہ کیے۔

۲۴؎ قرآن پر عمل تو دن رات کیا جاتا ہے، رات کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بھی قرآن پاک پر عمل ہے لیکن رات کے وقت کی سنت اس کی تلاوت کا عمل ہے، اس لیے رات کو تلاوت کے ساتھ مخصوص کیا اور قرآن پاک کے اوامر اور نواہی پر عمل کرنے کو عمومی حالات کے اعتبار سے دن سے متعلق کر دیا۔

۲۵؎ یہ شخص جو رات کے وقت قرآن پاک کی تلاوت سے اعراض کرتا تھا اور دن کے وقت اس پر عمل نہیں کرتا تھا، جو سزا آپ نے دیکھی ہے وہ اسے قیامت تک دی جاتی رہے گی۔ تلاوت کا ترک کرنا، خواب غفلت میں محو رہنا اور عمل کا ترک کرنا جس میں نماز اور سربسجود ہونا شامل ہے ان امور کا سر توڑنے کے ساتھ مناسبت

ظاہر ہے۔

۵۲۶ جو شہوت کی آگ جلاتے تھے اور اس کی گرمی میں جلتے تھے۔

۵۲۷ جس کے منہ میں نہر سے باہر کھڑا ہونے والا پتھر مار رہا ہے۔

۵۲۸ جو سود کی جگہ منہ میں پتھر مروا رہا ہے اور عذاب جھیل رہا ہے۔

۵۲۹ یعنی بہشت ہے جس میں تمام مخلوق ہوگی۔

۵۳۰ دوسرا دار جس میں آپ داخل ہوئے اور جو پہلے بہت اچھا تھا وہ شہیدوں اور خواص کا دار ہے۔

۵۳۱ وہ دو حضرات جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور آپ کو عجائب دکھا رہے تھے۔

۵۳۲ رَبَابَۃ "را" پر زبر، پہلی بار مخفف، دوسری بار پر زبر، آخر میں تا دتہ بہ تہ جمے ہوئے بادل بعض حضرات نے بیضا کی قید بھی لگائی ہے، اس صورت میں لفظ بیضا تاکید کے لیے ہوگا یعنی سفید بہت ہی سفید۔

۵۳۳ جو آپ نے سفید بادل کی طرح دیکھی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۷۱۵/۱۵ عَنْ اَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ وَ هِيَ عَلٰى رِجْلِ طَآئِرٍ مَّا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا فَاِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ وَ اَحْسِبُهٗ قَالَ لَا تُحَدِّثْ اِلَّا حَبِيْبًا اَوْ لَبِيْبًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ

حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے، اور خواب پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک دیکھنے والا اسے بیان نہ کرے، جب اسے بیان کر دے تو وہ گر جاتا ہے، راوی کہتے ہیں، میرا گمان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صرف کسی دوست کو بتاؤ یا دانا کو۔

(ترمذی)

امام ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ فرمایا:

اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَآئِرٍ مَّا لَمْ تُعَبَّرْ فَاِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَ اَحْسِبُهٗ قَالَ لَا تَقُصَّهَا اِلَّا عَلٰى وَآدٍّ اَوْ ذِىْ رَاْيٍ۔

خواب ایک پرندے کے پاؤں پر ہے جب تک اس کی تعبیر بیان نہ کی جائے، اور جب تعبیر بیان کی جائے تو گر جاتا ہے، راوی کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ فرمایا: تم صرف کسی محبت والے کو بتاؤ یا صاحب دانش کو۔[۴]

ﷺ[۱] ابو رزین را پر زبر، زا کے نیچے زیر العقیلی عین پر پیش، قاف پر زبر، ان کا نام لقیط ہے لام پر زبر مشہور صحابی ہیں اور اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔

ﷺ[۲] یعنی گرنے والا اور قرار نہ پانے والا ہے، جب تک بیان نہ کر دیا جائے، وہ پرندے کے پاؤں پر ہے یہ کنایہ ہے گرنے اور قرار نہ پانے سے، جو چیز قرار نہ پائے اور گرنے والی ہو عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پرندے کے پاؤں پر ہے، چونکہ پرندہ اکثر اوقات ٹھہرتا نہیں ہے اور ہر وقت پرواز اور حرکت میں رہتا ہے لہٰذا جو چیز اس کے پاؤں پر ہوگی وہ بھی قرار نہیں پائے گی، اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک خواب کسی کو نہ بتایا جائے اور دل میں پوشیدہ رہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی وہ واقع ہوتا ہے۔

ﷺ[۳] جب خواب دیکھنے والا کسی کو بیان کر دے اور وہ اس کی تعبیر بتا دے تو وہ اس تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے، اس لیے بیان نہیں کرنا چاہیے، یہ برے خواب کے بارے میں ہے جس کے واقع ہونے سے ڈرتا ہو اور نقصان کا خطرہ رکھتا ہو، جیسے کہ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

ﷺ[۴] بعض نسخوں میں ہے لَا تُحَدِّثْ بِهَا وہ خواب بیان نہ کر مگر کسی ایسے دوست کو جو خیر خواہ ہو اور تجھ سے اچھی سوچ والا ہو، تاکہ وہ خواب کو اچھائی پر محمول کرے اور اچھی تعبیر بتائے، برخلاف دشمن کے کہ اس کی دشمنی اور اس کا حسد ناپسندیدہ اور بری تعبیر بیان کرنے کا باعث ہوگا اور تعبیر اسی طرح واقع ہوگی، یا کسی دانشور کو بتائے جو غور و فکر کی قوت سے اس خواب کو اچھی جانب پر محمول کرے پسندیدہ تعبیر بتائے اور نقصان کے وہم کو دور کرے۔

لفظ اَوْ یا تو راوی کے شک کی بنا پر ہے کہ اِلَّا حَبِيْبًا فرمایا یا لفظ اَوْ تقسیم کے لیے ہے، تو اس جگہ چند قسمیں متصور ہیں کہ وہ شخص دونوں صفتوں کا جامع ہو یا دونوں سے خالی ہو، ان کا حکم تو ظاہر ہے اور اگر اس میں ان دونوں میں سے ایک صفت ہو تو اسے خواب کا بتانا مفید نہ ہوگا، پس مطلب یہ ہوگا کہ ایسے دوست کو بتائے جس کی دوستی یقینی ہو، تاکہ دوستی کے تعلق کی بنا پر خواب کو اچھائی پر محمول کرے، اور اگر اس کی دوستی اور دشمنی کچھ بھی

معلوم نہ ہو تو وہ شخص دانا ہونا چاہیے تاکہ دانش و فکر کے نددسے اچھی تعبیر بتائے، لیکن اگر دشمنی کا یقین ہو تو دانائی کچھ فائدہ نہ دے گی، یہ توجیہ تکلف اور دقت سے خالی نہیں ہے، ساوی کے شک پر محمول کرنا زیادہ ظاہر اور مختاط طریقہ ہے، اس پر محمول کریں تو دونوں میں سے ایک صفت کا اعتبار کیا جا سکتا ہے اگرچہ دوسری صفت نہ پائی جائے۔

۵۵ اس روایت کا مطلب بھی وہی ہے جو پہلی روایت کا ہے۔ تاہم پہلی روایت میں واقع ہونے کو بیان کرنے پر مرتب کیا گیا ہے اور اس روایت میں تعبیر پر، ظاہر یہ ہے کہ پہلی صورت میں بھی تعبیر معتبر ہے، حدیث شریف میں ہے کہ صرف کسی دوست کو بتاؤ یا دانا کو اس سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں حَبِیْب کی جگہ وَادِّ فرمایا، وُدّ اور محبت کا ایک ہی معنی ہے، لَبِیْب اور ذی رای کا معنی بھی ایک ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ خواب پہلی تعبیر بتانے والے کے لیے ہے۔ اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے، مثلاً خواب کی تعبیریں دو یا اس سے زیادہ احتمال ہوں، جب ایک شخص کے سامنے بیان کیا اور اس نے ان احتمالات میں سے ایک کے مطابق تعبیر بیان کی، پھر دوسرے نے دوسرے احتمال کے مطابق تعبیر نکالی تو پہلے شخص کی تعبیر ہی معتبر ہو گی، دوسرے کی تعبیر ساقط ہو گی ——— اس جگہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام اشیاء قضاء و قدر کے مطابق واقع ہوتی ہیں تو خواب کے چھپانے کا تعبیر کے ساقط ہونے میں کیا اثر ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی قضاء و قدر کے تحت ہے، دعا، صدقہ اور باقی اسباب کا جو حکم ہے وہی اس کا ہے۔

$\frac{۴۴۱۶}{۱۶}$ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَّرَقَةَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ اِنَّهُ كَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰكِنْ مَّاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ وَّ لَوْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ورقہ کے بارے میں پوچھا گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کے ظہور سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہمیں سفید کپڑوں میں ملبوس دکھائے گئے اور اگر وہ اہل نار میں سے ہوتے تو ان کا لباس اس سے مختلف ہوتا۔

غَيْرُ ذٰلِكَ ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) (امام احمد، ترمذی)

۵۱ ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی، ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد کے چچا زاد بھائی تھے، انہوں نے دور جاہلیت میں نصاریٰ کا دین سیکھا اور انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا، عبادت گزار تھے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے تھے، وہ معمر تھے اور آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، وحی کے ابتدائی دنوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے پاس لے گئیں اور انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حال کی سچائی کی بشارت دی اور آپ کی تصدیق کی، یہ واقعہ مشہور ہے، اسد الغابہ میں ان کا ذکر صحابۂ کرام میں کیا ہے اور ان کے اسلام کے بارے میں علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور بعینہ یہ حدیث نقل کی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ حدیث صحابہ کرام سے سن کر روایت کی ہوگی، کیونکہ حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ کی زندگی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں تھیں۔

۵۲ حضرت خدیجہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچا زاد بھائی کے حال کی رعایت کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بین بین ایک بات کہی جس کے پہلے حصے سے ان کے ایمان کا اشارہ ملتا ہے، حضرت خدیجہ نے کہا کہ انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور کہا تھا کہ آپ نے جس فرشتے کو دیکھا ہے یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوا کرتا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر میں آپ کے ظہور اور غلبے کے وقت تک زندہ رہا تو آپ کی زبردست تائید و حمایت کروں گا، دوسرے حصے سے ان کے ایمان میں تردد کا پتا چلتا ہے، اس بنا پر کہ شاید انہوں نے جو یہ بات کہی تھی حق ہو گی اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہو گی یا نہیں اسی لیے کہا کہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ آپ کے ظاہر اور غالب ہونے سے پہلے فوت ہو گئے تھے اور انہیں آپ کے دین اور شریعت پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

۵۳ ان کے ایمان کو برقرار رکھا۔

۵۴ اس حدیث سے حضرت ورقہ بن نوفل کے ایمان کا پتا چلتا ہے اور اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے حال نبوت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے، اگر نبوت سے پہلے تصدیق کرتے تو اختلاف کی گنجائش تھی، نبوت کے بعد تصدیق کرنے کے باوجود اختلاف کرنا عجیب ہے۔

۴۶۱۷ وَعَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي خُزَيْمَةَ أَنَّهُ رَأَى فِيمَا

حضرت ابن خزیمہ بن ثابت [۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے چچا ابو خزیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے

يَرَى النَّائِمُ اَنَّهٗ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاضْطَجَعَ لَهٗ وَ قَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خواب بیان کیا تو آپ لیٹ گئے[2] اور فرمایا اپنے خواب کو سچا کر لو[3]۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کیا[4]۔ (شرح السنۃ)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ بَكْرٍ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ۔

حضرت ابو بکر صدیق کی حدیث جس کی ابتدا میں ہے کہ گویا آسمان سے ترازو اترا ہم حضرت ابو بکر اور عمر کے مناقب کے باب میں بیان کریں گے۔

[1] ابن خزیمہ بن ثابت مشہور انصاری صحابی ہیں، جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے، جب حضرت عمار بن یاسر شہید ہو گئے تو انہوں نے جنگ میں بھرپور حصہ لیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ابن خزیمہ کا نام عبداللہ ہے یا عمارہ۔ ابو خزیمہ بھی انصاری صحابی ہیں لیکن ان کا خزیمہ کا بھائی ہونا معلوم نہیں حتیٰ کہ وہ ابن خزیمہ کے چچا ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

[2] حضرت ابو خزیمہ کی پاسداری کے لیے تاکہ وہ آپ کی پیشانی پر سجدہ کر لیں۔

[3] اور ہماری پیشانی پر سجدہ کر لو۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداری میں خواب پر عمل کرنا مستحب ہے، بشرطیکہ وہ از قبیل اطاعت ہو مثلاً کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے روزہ رکھا ہے، یا نماز ادا کی ہے یا صدقہ کیا ہے یا کسی مرد صالح کی زیارت کی ہے وغیر ذالک، اسی طرح علامہ طیبی نے فرمایا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۴۱۸/۱۸ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَصْحَابِهٖ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر اپنے صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے

هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنْ
رُؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ
شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاِنَّهٗ
قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ
اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا
ابْتَعَثَانِيْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيْ
انْطَلِقْ وَاِنِّيْ انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا
وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ
فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ بِطُوْلِهٖ
وَفِيْهِ زِيَادَةٌ لَيْسَتْ فِي
الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِيَ
قَوْلُهٗ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ
مُّعْتِمَةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
نَوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ
ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ
لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهٗ طُوْلًا
فِي السَّمَآءِ وَاِذَا حَوْلَ
الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ
رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا
مَا هٰذَا وَمَا هٰؤُلَآءِ قَالَ
قَالَا لِيْ انْطَلِقْ انْطَلِقْ
فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى
رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ
رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا
وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا

جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو منظور
ہوتا وہ اپنا خواب بیان کرتا، ایک صبح
ہمیں بیان فرمایا کہ آج رات ہمارے پاس دو
شخص آئے، انہوں نے ہمیں اٹھایا اور کہا
چلئے! ہم ان کے ساتھ چل پڑے، حضرت
سمرہ نے پہلی فصل میں بیان کی گئی طویل حدیث[1]
جیسی حدیث بیان کی، اس حدیث میں کچھ
اضافہ ہے جو حدیث مذکور میں نہیں ہے[2]
اور وہ یہ کہ ہم انتہائی سرسبز[3] باغ میں پہنچے
جس میں بہار کا ہر قسم کا شگوفہ تھا، اچانک
کیا دیکھا کہ باغ کے درمیان ایک طویل
قامت شخص ہے جس کا قد اوپر کی جانب اتنا
بلند ہے کہ قریب ہے کہ ہم اس کا سر نہ
دیکھ سکیں، اس شخص کے گرد بہت سے ایسے
بچے ہیں جنہیں ہم نے ضرور[4] دیکھا ہے، ہم
نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ یہ باغ کیا ہے
اور یہ لوگ کون ہیں! ان دونوں نے ہمیں
کہا چلئے چلئے، ہم چل دیئے اور ایک بڑے
باغ کے پاس پہنچے جس سے بڑا اور زیادہ
حسین باغ ہم نے کبھی نہیں دیکھا، انہوں نے
ہمیں کہا اس باغ کے اوپر چلئے، ہم اوپر چڑھے
تو ایک شہر تک پہنچ گئے جس میں ایک اینٹ[5]
سونے کی اور ایک چاندی کی لگی ہوئی ہے، ہم
شہر کے دروازے تک پہنچے اور دروازہ کھولنے
کے لیے کہا۔ دروازہ تو ہمارے لیے کھول

لِيْ اِرْقَ فِيْهَا قَالَ
فَارْتَقَيْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى
مَدِيْنَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنٍ ذَهَبٍ
وَّ لَبِنٍ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ
الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ
لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا
رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ
كَاَحْسَنِ مَآ اَنْتَ رَآءٍ وَّ
شَطْرٌ مِّنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا
اَنْتَ رَآءٍ قَالَ قَالَا لَهُمُ
اذْهَبُوْا فَقَعُوْا فِيْ ذٰلِكَ
النَّهْرِ قَالَ فَاِذَا نَهْرٌ مُّعْتَرِضٌ
يَّجْرِيْ كَاَنَّ مَآءَهُ الْمَحْضُ
فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا
فِيْهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ
ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْٓءُ عَنْهُمْ
فَصَارُوْا فِيْٓ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ
وَّ ذَكَرَ فِيْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ
الزِّيَادَةِ وَ اَمَّا الرَّجُلُ
الطَّوِيْلُ الَّذِيْ فِي الرَّوْضَةِ
فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ وَ اَمَّا
الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ
فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَّاتَ عَلَى
الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ
الْمُسْلِمِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

دیا گیا، اس میں ہمیں ایسے لوگ ملے جن
کا آدھا جسم اتنا خوبصورت جتنا تم نے حسین
سے حسین کوئی جسم دیکھا ہوگا اور آدھا
جسم اتنا بدصورت جتنا تم نے زیادہ سے زیادہ
کوئی بدصورت دیکھا ہوگا، ان دونوں نے ان
لوگوں کو کہا جاؤ اور اس نہر میں کود جاؤ
اچانک کیا دیکھا کہ وہاں ایک نہر حائل ہے
جو بہہ رہی ہے، اس کا پانی دودھ کی
طرح سفید تھا، ان لوگوں نے جا کر اس
نہر میں چھلانگ لگا دی، پھر واپس
آئے تو ان کی بدصورتی زائل ہو چکی
تھی اور وہ انتہائی خوب صورت ہو
چکے تھے، اس زیادتی کی تفسیر
کرتے ہوئے بیان کیا کہ باغ
میں جو دراز قامت شخصیت تھی
وہ ابراہیم علیہ السلام تھے، ان
کے اردگرد جو بچے تھے تو یہ
وہ نومولود بچے تھے جو
فطرت پر مر گئے تھے، بعض
مسلمانوں نے عرض کیا کہ
یا رسول اللہ! کیا مشرکوں کے
بچے بھی ان میں ہیں؟ فرمایا:
ہاں! مشرکوں کے بچے بھی ان
میں ہیں، رہے وہ لوگ جن
کا آدھا جسم خوب صورت اور

| | |
|---|---|
| وَ اَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَ اَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّ شَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ | آدھا بدصورت تھا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اچھے اور برے اعمال کو مخلوط کیا تھا، اللہ تعالےٰ نے انہیں معاف کردیا ہے ۵۔ |
| (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) | (بخاری) |

۵۱ وہ حدیث بھی حضرت سمرہ کی روایت کردہ ہے۔

۵۲ تیسری فصل میں جو حدیث بیان کی ہے (یعنی پیش نظر حدیث) اس میں کچھ اضافہ ہے جو پہلی فصل میں بیان کی گئی حدیث میں نہیں ہے اس جگہ وہی اضافہ بیان کیا جا رہا ہے، باقی حدیث تو پہلی فصل میں بیان کی جا چکی ہے ۱۲ (ق ن)۔

۵۳ مُعتِمَۃ میم پر پیش، عین ساکن، تاء کے نیچے زیر اور میم مخفف، عَتَمَۃ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ سخت اندھیرا ہے، باغ کو اندھیرے سے اس لیے موصوف کیا کہ سبزہ جب گہرا ہو تو سیاہ دکھائی دیتا ہے بعض شارحین نے مُعَتَّمَۃ پڑھا ہے تاء پر زیر اور میم مشدد۔

۵۴ لفظ قَطُّ اس جگہ مثبت کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے، نحویوں نے اسے نفی کی تاکید کے لیے خاص کیا ہے، جیسے مَارَأَیْتُہٗ قَطُّ میں نے اسے ہرگز نہیں دیکھا، یوں نہیں کہا جاتا، رَأَیْتُہٗ قَطُّ میں نے اسے ضرور دیکھا ہے، تحقیق یہ ہے کہ دوسری حدیثوں میں قَطُّ اثبات میں بھی واقع ہوا ہے، بعض متاخرین نے اس قاعدے کو تبدیل کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اثبات میں تاکید کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے کہ ابن مالک نے تسہیل میں بیان کیا ہے۔

۵۵ لَبَن لام پر زبر اور ایک نقطے والی باء کے نیچے زیر، لَبِن بھی کہتے ہیں لام کے نیچے زیر اور باء ساکن اس کا واحد لَبِنَۃ ہے۔

ف۵۶ اس اضافے کی تفسیر بیان کی جو اس حدیث میں موجود ہے اور پہلی فصل کی حدیث میں نہیں ہے
ف۵۷ یعنی فطرت اسلام جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔
ف۵۸ جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ انہوں نے جمع کیا اچھے عمل اور دوسرے برے عمل کو، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے۔

۴۴۱۹/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرَى اَنْ يُّرِيَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت بڑا جھوٹ یہ ہے ایک شخص اپنی دونوں آنکھوں کو وہ کچھ دکھائے جو انہوں نے نہیں دیکھا۔ف۱ (بخاری)

ف۱ یعنی اپنی آنکھوں پر بہتان باندھے کہ انہوں نے فلاں چیز دیکھی ہے، حالانکہ انہوں نے وہ چیز نہیں دیکھی، مطلب یہ ہے کہ جھوٹا خواب بیان کرے، کیونکہ خواب، وحی کے معنیٰ میں ہے، پس گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو خواب دکھاتا ہے۔

۴۴۲۰/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نہایت سچا خواب وہ ہوتا ہے جو سحری کے اوقات میں دیکھا جائے۔ف۱ (ترمذی، دارمی)

ف۱ کیونکہ یہ خوش بختی اور قبولیت کا وقت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

# كِتَابُ الْآدَابِ

## ۲۲ - آداب کا بیان

علامہ طیبی نے فرمایا کہ ادب کا اطلاق ہر اس مستحسن جدو جہد پر ہوتا ہے جسے انسان، کسی فضیلت کے حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے، کلمہ ادب کی اصل ترکیب جمع کرنے اور کسی شخص کو کسی چیز کے لیے بلانے پر مشتمل ہے اور اس معنی کے اعتبار سے ادب کا معنیٰ لوگوں کو کھانے پر بلانا اور جمع کرنا بھی لیا گیا ہے۔ اور وہ کھانا جو شادی یا دعوت کے لیے تیار کیا گیا ہوا سے "مَأْدُبَة" کہتے ہیں۔ ادب کا جو پہلا معنی بیان ہوا ہے وہ بھی مجازی طور پر جمع کرنے اور بلانے کے معنی پر مشتمل ہے صراح میں ہے کہ ادب پہلے دونوں حرفوں پر زبر، لغت، نگہداشت اور ہر چیز کی حد کو کہتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ادب اچھے قول وفعل کے استعمال کا نام ہے اور یہ بھی کہا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اچھے اخلاق پر عمل پیرا ہونا ادب ہے، بعض نے کہا نیکیوں پر گامزن رہنا ادب ہے، بعض نے کہا کہ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کا نام ادب ہے، مجمع البحار میں ہے کہ ادب حسن اخلاق ہے اور حق یہ ہے کہ ادب اخلاق واعمال دونوں کو شامل ہے۔

# بَابُ السَّلَامِ

## سلام کا بیان

سلام اسم مصدر ہے تسلیم کا، اس کا معنی ہے سلامتی، خامیوں اور عیبوں سے پاک ہونا اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم بھی ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تسلیم بھی سلام کا نام ہے، عیب اور نقص سے سلامتی کے اعتبار سے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال پر آگاہ ہے اس لیے تو غافل مت رہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم تجھ پر ہے یعنی تو اس کی نگہبانی میں ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے، اکثر علماء نے سَلَامٌ عَلَیْکَ کا معنی یہ کہا ہے کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے اور مجھے اپنی طرف سے سلامت رکھ۔ سَلَامٌ سِلْمٌ سے مشتق ہے جس کا معنی مصالحت ہے۔ یعنی میری طرف سے تو مامون ہے اور مجھے بھی امن میں رکھ۔ سلام کا طریقہ ابتدائے اسلام میں کافر اور مسلمان میں فرق کرنے کے لیے شروع کیا گیا تھا۔ تاکہ کوئی ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کرے گویا یہ مسلمان ہونے کا اعلان تھا۔ بعد میں یہ طریقہ باقاعدہ جاری ہو گیا۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۴۲۱
۱
عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِكَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ

### پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو کو اپنی صورت[1] پر پیدا کیا، ان کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی، جب ان کو پیدا کیا تو انہیں حکم دیا کہ جاؤ اور اس جماعت[2] کو سلام کہو، وہ چند فرشتے بیٹھے ہوئے تھے اور سنو کہ (وہ جواب میں) کیا سلام کہتے ہیں[3]

مَا يُحِيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَ تَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالُوا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ اٰدَمَ وَ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا لَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتّٰى الْاٰنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہے، حضرت آدم نے جا کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ فرمایا: انہوں نے وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کا اضافہ کیا۔ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی صورت میں ہوگا اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا، آدم علیہ السلام کے بعد اب تک مخلوق کا قد گھٹتا رہا ہے۔

(صحیحین)

۵۱ علماء نے اس حدیث کے معنی میں اختلاف کیا ہے بعض اس کی تاویل نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث احادیثِ صفات میں سے ہے اس لیے اس کی تاویل نہ کرنا ہی بہتر ہے اس جیسی مثالوں میں سلف صالحین کا مسلک بھی یہی ہے۔ کچھ علماء اس کی تاویل کرتے ہیں، مشہور تاویل یہ ہے کہ صورت، صفت کے معنی میں ہے جیسے کہتے ہیں کہ صورت مسئلہ یہ ہے اور صورت حال یہ ہے اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا کیا اور ان کو اپنی صفات کریمہ کا پرتو بنایا ہے۔ اور ان کو حیّ، عالم، قادر، مرید، متکلم، سمیع اور بصیر بنایا ہے، یا پھر یہ اضافت عظمت و شرافت کے ظاہر کرنے کے لیے ہے جیسے کہ روح اللہ اور بیت اللہ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خوبصورت اور لطیف صورت پر پیدا کیا، ان کی صورت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی لطافت اور اسرار پر مشتمل تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "صورتہ" میں ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بغیر کسی مخلوق کے واسطے کے پیدا فرمایا، ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے ساتھ اور عام انسانوں کی طرح نہیں کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر لوتھڑا اس کے بعد جنین اور اس کے بعد بچہ اور اس کے بعد مکمل مرد بنتا ہے۔

یا آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت پر پیدا کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی مخصوص صورت پر پیدا کیا اور ایسی جامع صورت میں پیدا کیا کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کی مثال حضرت آدم کی صورت میں نہ پائی جاتی ہو اسی لیے آپ کو عالم صغیر (چھوٹا جہان) کہا جاتا ہے اس معنی کی صورت میں بھی لفظ صورت بمعنی صفت ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص صفت اور خاص حال پر پیدا کیا کبھی علم کے ساتھ موصوف کبھی عدم علم کے ساتھ، کسی وقت لغزش کے ساتھ اور کسی زمانے میں

برگزیدگی کے ساتھ یا صورت کا معنیٰ ان کی عظمت کا معاملہ ہے کہ ان کو مسجود، ملائکہ، مالک حیوانات اور کائنات کا مسخر کرنے والا بنایا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ (صورتہ کی) ضمیر بھائی یا غلام کی طرف راجع ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے، کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو مارے تو اس کے چہرے پر نہ مارے دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کے چہرے پر مار رہا ہے تو آپ نے اسے فرمایا کہ اس کے چہرے پر مت مارو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا اس لیے یہ چہرہ مکرم اور معظم ہے گویا آپ نے فرمایا یہ غلام حضرت آدم کی اولاد سے ہے اس لیے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جو کہ انسان کا معزز ترین عضو ہے اور اکثر حواس بھی اسی میں ہیں، ان دونوں حدیثوں کو ضعیف اور کمزور قرار دیا گیا ہے باوجودیکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ "خُلِقَ آدَمُ عَلٰی صُوْرَۃِ الرَّحْمٰنِ" حضرت آدم رحمٰن کی صورت پر پیدا کیے گئے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صُوْرَتِہٖ "میں موجود ضمیر کے مرجع کے بارے میں دوسرے قول کی تائید سرکار کا یہ فرمان کرتا ہے۔
حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔

۵۲ ذِرَاعٌ۔ ذال کے نیچے زیر ہے کہنی سے ہاتھ تک کے درمیانی حصے کو ذراع کہتے ہیں۔ مِرْفَقٌ (کہنی) میم کے نیچے زیر اور فا پر زبر ہے اگر اس کا برعکس (مَرْفِق) تو بازو کا جوڑ مراد ہوگا۔ قاموس میں اسی طرح ہے یہ آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کرنے کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں انہیں اسی صورت میں پیدا فرمایا اور اسی مقدار میں لمبے قد کے ساتھ، اگر ضمیر کو آدم علیہ السلام کی طرف راجع قرار دیا جائے اور اگر ضمیر بھائی کی طرف راجع ہو تو ضمیر اور مرجع ضمیر میں کوئی ربط نہیں مگر صرف بیان واقع ہے۔ اور حضرت آدم کے قد کی لمبائی کا خصوصی طور سے بیان انسانوں میں اس مقدار کا قد متعارف نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور باقی صفات کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ باقی صفات اجمالاً معلوم ہو ہی جائیں گی۔

۵۳ نَفَرٌ (گروہ)، لغت میں نفر مردوں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو تین سے دس افراد پر مشتمل ہو، یہاں بھی یہی مراد ہے اور فرشتے جو بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد بھی تین سے دس تک تھی، نفر سے مطلقاً جماعت بھی مراد لی گئی ہے اگرچہ دس سے زیادہ ہوں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۴ یُحَیُّوْنَکَ : (آپ کو سلام کرتے ہیں) اکثر نسخوں میں حا پر زبر اور یا پر شد ہے اور تحیہ سے مشتق ہے، لیکن بعض دیگر نسخوں میں اس کی بجائے یُجِیْبُوْنَکَ جیم کے نیچے زیر اور شروع میں پیش کے ساتھ ہے اور یہ "جواب" سے مشتق ہے، تحیت دراصل حیات سے مشتق ہے جس کا معنی زندہ کرنا ہے اور اسی لیے حَیَّاکَ اللہُ کہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ و سلامت رکھے اور تحیت سلامتی، ملک اور بقا کے معنی میں بھی آتا ہے اور اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ میں یہی معنی مراد ہے ۔

۵ہ ذُرِّیَّتُ (اولاد) یہ کلمہ ذَرٌّ سے مشتق ہے پھیلانے اور پراگندہ کرنے کے معنی میں ہے اور چیونٹی کو ذَرَّۃٌ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے ۔

۶ہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا راوی نے ۔

۷ہ فَزَادُوْہُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے سلام کے جواب میں فرشتوں نے لفظ ورحمۃ اللہ بڑھادیا اور فضیلت یہ ہے کہ اگر ایک کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ تو دوسرا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ جواب میں کہے اور اگر سلام میں وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ بھی کہا جائے تو جواب میں دوسرا آدمی وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ وَمَغْفِرَتُہٗ بھی آیا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے جواب میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کہنا بھی درست ہے چنانچہ اس عبارت اور وَعَلَیْکَ السَّلَامُ میں کچھ فرق نہیں ہے ۔

۸ہ جو بلندی قامت اور حسن و جمال حضرت آدم کا ہے جنتی اس کے ساتھ مزین ہو کر جنت میں آئے گا لیکن دوزخی بدترین صورت میں ہوں گے. چنانچہ ان میں سے ایک کے دانت پہاڑ کے برابر ہوں گے ۔

۹ہ فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ ، عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی حضرت آدم ساٹھ ہاتھ لمبے قد کے تھے اور اب مخلوق کے قد گھٹتے جا رہے ہیں اور جب یہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے قد حضرت آدم کے قد کے برابر ہو جائیں گے ۔

۴۳۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ[1] رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کونسا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کھانا کھلاؤ[2]، اور سلام دو جسے تم جانتے ہو اور جسے نہیں جانتے ۔

(صحیحین)

۱ہ مسلمانی کے آداب اور عادتوں میں سے کون سی عادت اور کونسا ادب زیادہ فضیلت والا ہے ۔

۲ہ اس میں سخاوت اور تواضع کی طرف اشارہ ہے جو صفات حمیدہ اور عمدہ عادتیں ہیں اور مخلوق خدا کے ساتھ

معاملے میں ان کو ملحوظ رکھنا واجب ہے طیبی نے کہا ہے کہ ان دو اوصاف کی تخصیص سوال کرنے والے کے حال کے مطابق تھی اور اسی لیے سائل کو خطاب کے صیغے سے مخاطب کیا شاید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سائل میں ان دو اوصاف کے برعکس میلان پایا اور ان کے اس میلان کے آثار کا ازالہ نہایت ضروری تھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری احادیث میں بعض دیگر صفات کو اسلام کی افضل عادات میں شمار کیا ہے جیسے رات کے اس حصے میں نماز ادا کرنا جب لوگ نیند میں ہوں، ہمسائے اور مہمان کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی عزت کرنا وغیرہ یعنی ہر کسی کے لیے جو کچھ مناسب سمجھا اور اس کے حال کے مطابق پایا اسے انہی صفات کی ترغیب دی۔

۵۳ تُقْرِئُ تا پر پیش اِقْرَاءٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پڑھا، تا پہ زبر بھی پڑھی گئی ہے، یہ قرارت سے مشتق ہے، اس کا معنی ظاہر اور واضح ہے، اس کے باوجود تا پہ پیش پڑھنا زیادہ صحیح اور زیادہ فصیح ہے۔ اقرا کا معنی سلام پڑھنا ذرا مبہم ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ سلام کرنے والا سلام کا باعث بنتا ہے کیونکہ جسے سلام کہا گیا ہے اس کی طرف سے سلام کے جواب کا سبب بنتا ہے۔ گویا اس سے سلام کہلوا رہا ہے، اگر سلام قلم سے لکھا گیا ہو تو اقرا مناسب ہے کیونکہ جس کو سلام لکھا ہے سلام لکھنے والا اس سے سلام پڑھوا رہا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلام حقوق اسلام میں سے ہے دوستی اور شناسائی کا ہی حق نہیں ہے اور اسی طرح عیادت اور اس جیسی دوسری صفات جو آئندہ حدیث میں آرہی ہیں وہ بھی حقوقِ اسلام میں سے ہیں۔

۴۴۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَ يُجِيْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهٗ وَ يُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَ يَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں[۱]، اگر مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے اور اگر مر جائے تو جنازے کو آئے اگر دعوت کرے تو حاضر[۲] ہو اگر اسے ملے تو سلام[۳] کرے، اگر چھینکے تو جواب دے، غائب ہو یا حاضر تو اس کی خیر[۴] خواہی کرے (میں نے یہ روایت نہ بخاری مسلم میں پائی اور نہ ہی حمیدی کی کتاب میں لیکن صاحب جامع نے نسائی کے حوالے سے اسے

الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ۔ ذکر کیا ہے۔

سے ۱ اگرچہ چھ خصلتیں واجب نہیں ہیں لیکن تاکید میں مبالغہ کے لیے صیغہ وجوب (علی) استعمال بھی کیا گیا ہے۔

سے ۲ عیادت: عود سے مشتق ہے جس کا معنی واپس ہونا اور پلٹنا ہے، کیونکہ عیادت کرنے والا مریض کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے قریب جاتا ہے، یا یہ معنی ہے کہ عیادت کرنے والا پلٹ کر بار بار عیادت کرتا ہے۔

سے ۳ بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو مثلاً کسی بدعت کا ارتکاب یا تفاخر اور نمود و نمائش پائی جائے۔

سے ۴ یہاں سلام کے جواب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ سلام کا جواب لازم اور واجب ہے۔

سے ۵ جب چھینکنے والا مسلمان الحمدللہ کہے اسے جواب دو (یَرْحَمُکَ اللہ) اگر چھینکنے والا الحمدللہ نہیں کہتا تو جواب دینا ضروری نہیں اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

تشمیت۔ شین اور سین کے ساتھ چھینک کا جواب دینے کے معنیٰ میں ہے اور باب العطاس میں اس لفظ اور چھینک کے احکام کی تحقیق آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ۔

سے ۶ یعنی اگر مسلمان بھائی غائب ہو اس کی غیبت نہ کرے اور اگر موجود ہو تو خوشامد اور منافقت نہ کرے اور ہر مسلمان بھائی کے سامنے اور پس پشت خیر خواہ رہے یہاں نصیحت کا معنی خیر کا ارادہ ہے دراصل لغت میں نصیحت کا معنی خلوص آتا ہے اس کی مزید تحقیق آئندہ اوراق میں آئے گی۔

سے ۷ امام حمیدی کی کتاب کا نام الجمع بین الصحیحین ہے۔

۴۴۲۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت تک جنت میں نہ جا سکو گے جب تک مومن نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں بنو گے[۱] جب تک آپس میں محبت نہ بڑھاؤ، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں[۲]، جس کے کرنے سے باہم محبت بڑھے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو[۳] (مسلم)

سے ۱ یعنی کامل مسلمان اس وقت تک نہیں بنو گے جب تک تم خدا کے لیے باہم محبت نہیں رکھو گے بعض نسخوں

میں لَاتُؤْمِنُوْنَ آیا ہے اور قاعدہ کے موافق بھی یہی ہے حَتّٰی تُؤْمِنُوْا سے موافقت اور مشابہت کے لیے یہاں بھی وَلَا تُؤْمِنُوْا استعمال ہوا ہے۔

۵۲ باہمی محبت کے حصول کے لیے فرمایا: کیا ایسی چیز نہ بتاؤں! جسے کرنے سے تمہارے درمیان محبت بڑھے اور وہ صفت یہ ہے۔

۵۳ سلام پھیلانے سے مراد یہی ہے کہ اپنے اور بیگانے کو سلام کرو یا اس کا مطلب سلام کو ظاہر کرنا اور اس طرح بلند آواز سے کہنا کہ سلام اس کو سنائی دے۔ جیسے سلام کیا گیا ہے کیونکہ یہ دوستی اور محبت پیدا کرنے کا سبب ہے۔

۴۴۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَ الْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَ الْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواری کرنے والا چلنے والے کو سلام کرے اور چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں [۱] (صحیحین)

[۱] آئندہ حدیث بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے۔

۴۴۲۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَ الْمَآرُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَ الْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو سلام کرے، گزرنے والے بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں [۱] (بخاری)

[۱] شارحین فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دو مسلمان ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجائیں اور اگر ایک مسلمان دوسرے کے پاس حاضر ہو تو سلام میں پہل کرنا باہر سے آنے والے کے لیے ضروری ہوگا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا قلیل گروہ ہو یا کثیر۔

۴۴۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چند بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان بچوں کو سلام فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اہل جہاں پر انتہائی شفقت و کرم ہے اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے اور مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔

۴۴۲۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَ لَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرو اور جب ان میں سے کسی کے ساتھ راستے میں ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف چلنے پر مجبور کر دو۲؎ (مسلم)

۱؎ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں پر سلام میں پہل مت کرو اور اگر وہ سلام میں پہل کریں تو جیسا سلام کریں ویسا ہی انہیں لوٹا دو، علماء فرماتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سلام کے جواب میں وعلیک سے زیادہ نہ کہا جائے اور کافروں کو سلام کے جواب میں ہداک اللہ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت نصیب فرمائے) بھی کہنا چاہیے اور بعض علماء نے یہودیوں اور عیسائیوں کو ضرورت یا حاجت (تالیف قلب) کے وقت سلام کہنا درست اور جائز قرار دیا ہے، بدعتیوں اور فاسقوں کا بھی یہی حکم ہے۔

۲؎ یعنی ان پر اسلام کی عزت اور شوکت کے اظہار کے لیے غلبہ قائم رکھو یا اس سے ایک طرف چلنے کے بارے میں حکم دینا مراد ہے۔

۴۴۲۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ اَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَ عَلَيْكَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی تمہیں سلام کہتے ہیں تو وہ السام علیکم کہتے ہیں، تم بھی صرف وعلیک کہہ دیا کرو۔ (صحیحین)

سلہ یہودی سلام کی بجائے مسلمانوں کو اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں اور سام کا معنی موت ہے یہ ان کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور ان کے خبث باطن کی وجہ سے ہے اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر وہ تمہیں اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَیْکَ کہہ دو تاکہ جو کچھ انہوں نے کہا انہیں پر لوٹ جائے اور ان کو وَعَلَیْکَ السَّلَامُ نہ کہو۔

۴۴۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَ عَلَيْكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں اہل کتاب سلام کہیں تو تم صرف وَعَلَیْکُمْ کہہ دو۔ (صحیحین)

سلہ اس روایت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فَقُوْلُوْا وَعَلَیْکُمْ تم کہہ دو اور تم سب پر جمع کے صیغہ کے ساتھ جب کہ پہلی حدیث میں فعل اور عَلَیْکَ دونوں واحد کے صیغے میں روایات میں وَعَلَیْکَ اور وَعَلَیْکُمْ واؤ کے ساتھ اور بغیر واؤ کے (علیک، علیکم) دونوں طرح آیا ہے۔

موطا کی روایت میں علیک بغیر واؤ کے ہے اور اسی طرح دار قطنی میں بھی ہے علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ علیک اور علیکم بغیر واؤ کے ہی کہا جائے تاکہ جو کچھ یہودیوں نے کہا ہے اس میں جواب دینے والا بھی شریک نہ ہو جائے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ موت تو یہودیوں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور بعض دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ واؤ یہاں مشارکت کے لیے نہیں ہے بلکہ نیا کلام شروع کرنے کے لیے ہے مراد یہ ہے اور تم پر وہ کچھ جس کے تم مستحق ہو، چونکہ روایت دونوں طریقوں سے ہے اس لیے صحیح یہی ہے کہ دونوں طریقوں سے جواب دینا درست ہے۔

۴۴۳۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمْ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہودیوں کے ایک گروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باریابی کی اجازت چاہی انہوں نے کہا اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ[1] (تم پر ہلاکت ہو) میں نے انہیں جواب[2] دیا تم پر ہلاکت اور لعنت ہو[3]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ مہربان

يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَ عَلَيْكُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَتْ اِنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَ لَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَ اِيَّاكِ وَ الْعُنْفَ وَ الْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا تَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ.

ہے ہر کام میں نرمی[۴] پسند فرماتا ہے، میں نے کہا آپ نے نہیں سنا یہودیوں نے کیا کہا ہے[۵]! آپ نے فرمایا میں نے بھی وعلیکم کہہ دیا ہے[۶]

(صحیحین)

اور دوسری روایت میں بغیر واؤ کے علیکم ہے[۷] امام بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا انہوں نے کہا السَّامُ علیکم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم پر بھی، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تم پر خدا کا غضب، اس کی لعنت اور ہلاکت ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عائشہ ٹھہرو نرمی اختیار کرو سختی اور بدگوئی سے بچو[۸] حضرت عائشہ نے کہا آپ نے سنا نہیں؟ یہودیوں نے کیا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میں نے کہا تم نے نہیں سنا؟ میں نے یہودیوں کا کلام، انہی پر لوٹا دیا[۹] مجھ پر ان کی بددعا قبول نہیں ہوگی لیکن ان کے خلاف میری دعا قبول ہوگی امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا تم بدگوئی مت کرو[۱۰] اللہ تعالیٰ فحش گوئی کی عادت اور بتکلف فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا۔

ف۱ شقی القلب یہودیوں نے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ میں جمع کی ضمیر لاکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اہل بیت کے لیے بددعا کا ارادہ کیا تھا اگرچہ سلام کے لیے ضمیر جمع اس ارادے کے بغیر بھی آتی ہے۔

ف۲ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بددعا کو ان یہودیوں کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

ف۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ہلاکت کے ساتھ یہودیوں کو ڈانٹنے اور ان پر سختی کے لیے لعنت کا اضافہ کیا، یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر آیا ہے۔

ف۴ صراح میں ہے رفق نرمی ہے سختی کے برعکس اور قاموس میں رفق لطف کو کہتے ہیں۔

ف۵ یعنی یہودیوں نے تو بددعا دی ہے یہ تو اس لائق ہیں کہ ان سے سختی اور درشتی سے پیش آؤں یہ یہودی تو خود ملعون ہیں۔

ف۶ میں نے بھی کہہ دیا ہے ہلاکت تم پر بھی ہو یا یہ کہ لعنت و نفرین تم پر ہو جس کے تم مستحق ہو۔

ف۷ ایک دوسری روایت میں صرف علیکم ہے واؤ کا ذکر نہیں ہے گزشتہ حدیث میں واؤ کا ذکر کرنے یا نہ کرنے کی تحقیق کی جا چکی ہے۔

ف۸ سختی اور گفتگو میں حد سے تجاوز کرنے سے بچو فحش فاحش گناہوں میں جو سخت بری چیز ہو اسے فحش کہتے ہیں اس جگہ گفتگو میں سختی کی زیادتی مراد ہے۔

ف۹ یعنی جو دعائے بد انہوں نے مجھ پر کی میں نے وعلیکم کہہ کر انہیں پر لوٹا دی۔

ف۱۰ یعنی درشت گو مت بنو اور درشت گوئی میں حد سے تجاوز کرنے والی نہ بنو۔

ف۱۱ فحش وہ ہے جو بے تکلف سرزد ہو اور تفحش یہ ہے کہ تکلف کے ساتھ فحش گوئی کی جائے۔

۴۴۳۲ / ۱۲ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ أَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مخلوط مجلس کے قریب سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا۔ف۱ (بخاری و مسلم)

ف۱ اس مخلوط مجلس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ارادہ کرکے سلام فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اگر ایسی جماعت بیٹھی ہو جن میں کچھ سلام کے مستحق ہوں اور کچھ سلام کے مستحق نہ ہوں جیسے کافروں اور بدعتیوں کی جماعت تو اس جماعت کو کوئی بھی مسلمان سلام کے مستحقین کا ارادہ کر کے سلام کہہ سکتا ہے علماء فرماتے ہیں مسلمان کو ایسی جماعت کو سلام کہنے کا اختیار ہے السلام علیکم کہے یا اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (جس نے ہدایت کی پیروی کی اس پر سلامتی ہو) اور اہل کتاب کو خط میں اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ہی لکھا جائے۔

اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ (بت پرست) اگر مشرکین کا بیان ہے تو درست ہے، کیونکہ یہودی مشرکین اور بت پرستوں میں شامل نہیں ہیں اور اگر مشرکین کا بیان نہیں ہے تو ان کے مقابل عَبَدَۃُ الْاَوْثَانِ کا لانا درست نہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مشرکین سے مراد کافر ہوں جیسے آیہ کریمہ میں ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (۴۸۔النساء۴) بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے (ترجمہ کنز الایمان) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَالْیَھُوْدِ کا عطف عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ کی بجائے مشرکین پر ہے اور عَبَدَۃِ الْاَوْثَانِ مشرکین کا بیان ہے کیونکہ تمام مشرکین عرب بت پرست تھے اور عبادت میں مشرک تھے۔

۴۴۳۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْھَا قَالَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)
۱۳

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں[۱] میں بیٹھنے سے بچو صحابہ کرام نے عرض کیا ہمیں راستوں میں بیٹھنا پڑتا ہے وہاں بیٹھ کر ہم بات چیت کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا اگر راستوں میں بیٹھنا ہی ہے[۲] تو راستے کو اس کا حق دو صحابہ کرام نے پوچھا۔ یا رسول اللہ راستے کا کیا حق ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر کو جھکانا، گزرگاہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا[۳]، سلام کا جواب دینا[۴] نیکی کا حکم دینا اور برائی سے بھی منع کرنا[۵]۔ (صحیحین)

۵۱ طُرُقَاتٌ: طا اور را پر پیش
۵۲ مجلس: لام پر زبر علامہ کرمانی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اسی طرح شرح ابن الملک میں بیٹھنے کے معنی میں ہے بہ زبر جمال الدین محدث کے نسخہ میں لام کے نیچے زیر ہے یعنی اگر تم راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں رہ سکتے تو بیٹھو (لیکن ایک شرط کے ساتھ)۔

۵۳ یعنی راستے میں بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑنے سے آنکھ کو روکا جائے۔
۵۴ راستے میں پڑے ہوئے پتھر اور غلاظت کو دور کرنا جو گزرنے والوں کو پریشان کرتے ہیں۔
۵۵ آپ نے سلام کا جواب دینا فرمایا ہے۔ سلام دینا نہیں فرمایا کیونکہ سنت یہ ہے کہ پیادہ شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے جیسا کہ گزر چکا ہے۔
۵۶ شرع میں جس کی تعریف کی گئی اس کا حکم دینا اور جس چیز سے منع کیا گیا اور شریعت میں اس کا جواز بیان نہیں کیا گیا ایسی چیز سے منع کرنا۔

۴۴۳۴/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَ اِرْشَادُ السَّبِیْلِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَقِیْبَ حَدِیْثِ الْخُدْرِیِّ هٰكَذَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم نے اس واقعہ میں فرمایا اور راستہ دکھانا۔
امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت کے بعد ان کلمات کا ذکر کیا[۱]۔

۱ اس واقعہ میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو راستے میں بیٹھنے سے منع فرمایا جب انہوں نے اپنی مجبوری بیان کی تو ان کو فرمایا کہ راستے کو اس کا حق دو اور پھر راستے کے حقوق بیان فرمائے ایک دوسری روایت میں فرمایا مسافروں کو راستہ بتانا جو نہیں جانتے کہ یہ راستہ کدھر جاتا ہے۔

۴۴۳۵/۱۵ وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَ تُغِیْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَ تَهْدُوا الضَّالَّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَقِیْبَ حَدِیْثِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ هٰكَذَا وَ لَمْ اَجِدْهُمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی[۱] ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرو[۲] راہ بھولنے والے کو راستہ بتاؤ۔ یہ روایت ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کی ہے اور میں نے ان حدیثوں کو بخاری[۳] و مسلم میں نہیں پایا۔

ل۵ قصہ مذکورہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث روایت کی ہے۔

ل۵۲ مظلوم اور پریشان حال کی فریاد رسی کرو۔

ل۵۳ بھولے ہوئے کو راستہ بتلانا عمومی راہنمائی سے اہم ہے۔

ل۵۴ حالانکہ مصابیح کی فصل اوّل میں ان دونوں حدیثوں کا ذکر آیا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۴۳۶/۱۶ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَ يُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَ يُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَ يَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ وَ يَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَ يُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں (۱) ملاقات کے وقت سلام کرے (۲) اس کی دعوت قبول کرے (۳) جب وہ چھینکے تو یرحمک اللہ کہے (۴) بیمار ہو تو عیادت کرے (۵) جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے[۱] ساتھ جائے اور (۶) اس کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے[۲] (ترمذی، دارمی)

ل۵ جنازے کے ساتھ جانا چونکہ نماز جنازہ بعد میں ہوتی ہے لہٰذا نماز کا ذکر از خود ہو گیا یا یہاں سنن و آداب کا ذکر مقصود ہے اس لیے نماز کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نماز جنازہ فرض ہے اور اس کی ادائیگی بہرصورت لازم ہوتی ہے اگرچہ بطور فرض کفایہ ہے۔

ل۵۲ خواہ اس خیر کا تعلق دنیا سے ہو یا آخرت سے۔

۴۴۳۷/۱۷ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے "السلام علیکم" کہا آپ نے اس کے

عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

سلام کا جواب دیا وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا "دس"[1]، پھر دوسرا شخص آیا اس نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے اس کا جواب دیا وہ بھی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا "بیس"[2] پھر تیسرا شخص آیا اس نے اضافہ کرتے ہوئے یوں سلام عرض کیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے جواب عنایت فرمایا جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا تیس۔

(ترمذی، ابوداؤد)

[1] یعنی اس طرح سلام کہنے والے کے لیے دس نیکیاں ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص ایک نیکی بجالاتا ہے اس کے لیے اس کی دس مثلیں ہیں۔

[2] السلام علیکم پر دس نیکیاں ہیں تو اب "ورحمۃ اللہ" کے اضافے کے ساتھ بیس ہوں گی کیونکہ اب نیکیاں دو ہوں گی۔

[3] اسی طرح "وبرکاتہ" کے اضافے سے نیکیاں تیس ہو جائیں گی۔

[4] یہ گفتگو سلام دینے والے کے بارے میں تھی اگر سلام کہنے والے نے السلام علیکم کہا اور جواب دینے والے نے ورحمۃ اللہ کہا یا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور جواب دینے والے نے وبرکاتہ کہا تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی بیس اور تیس نیکیاں حاصل ہوں گے اسی طرح "ومغفرتہ" کے الفاظ بھی اگلی حدیث میں آئے ہیں لہٰذا ان کا حکم بھی یہی ہے۔

۴۴۳۸ / ۱۸ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَ زَادَ ثُمَّ اَتٰى اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ وَ مَغْفِرَتُهٗ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَ

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ حدیث کا معنی روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ پھر چوتھا شخص آیا اس نے یوں عرض کیا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ"، آپ نے فرمایا "چالیس" اور فرمایا اسی طرح فضائل

قَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ۔ ... ہوتے ہیں ۵۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ) (ابوداؤد شریف)

۵۱ یہ جہنی صحابی ہیں اور اہل مصر میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۵۲ معنا روایت کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ مختلف مگر دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

۵۳ یہاں چار نیکیاں ہوئیں ایک سلام اور تین اس پر اضافات رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ۔

۵۴ آپ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا کہ یہ زائد عمل پر اجر بھی زائد ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ "مغفرتہ" پر اضافہ کی صورت میں اجر میں اضافہ ہوگا کیونکہ اس سے زائد الفاظ کسی حدیث میں نہیں آئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۵ فائدہ :۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ ان الفاظ سے سلام کہنا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" افضل ہے اگرچہ جس کو سلام کہا جارہا ہے وہ تنہا ہو پھر بھی ضمیر جمع کی لائی جائے گی اور جواب دینے والا بھی جمع کا لفظ لائے اور علیکم کے ساتھ واو بڑھائے۔ کم از کم سلام "السلام علیکم" ہے۔ اگر "السلام علیک" یا "سلام علیک" کہہ دیا تو یہ بھی کافی ہے۔ کم از کم جواب سلام "علیک السلام" اور "علیکم السلام" ہے اگر واو کو حذف کر دیا جائے تو بھی جواب درست ہوگا اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر جواب میں صرف "علیکم" کہا تو جواب نہیں کہلائے گا اگر "وعلیکم" کہا تو اس میں علماء کی دو رائیں ہیں۔

۴۴۹/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَامِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام کہنے میں ابتداء کرے ۱۔

(مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)

۱ یہ اس وقت ہے جب راستے میں ملاقات ہو کیونکہ ایسے موقعہ پر سلام کہنا دونوں کا برابر حق ہے۔ ان میں سے جو سبقت لے جائے گا اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی لیکن اگر ایک آدمی بیٹھا تھا دوسرا اس کے پاس آتا ہے تو اب سلام کہنا اس آنے والے کا حق ہے اب اگر وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے حق کو ادا کرنے میں سبقت لے جاتا ہے تو اسے یہ فضیلت حاصل ہوگی اور اگر بیٹھنے والے نے ابتدا کر دی تو فضیلت اس کے لیے ہوگی۔

۲ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تین چیزیں آپس میں محبت و پیار کرنے کا ذریعہ ہیں ایک یہ کہ ملاقات کے وقت سلام میں ابتدا کرنا دوسرا یہ کہ اس نام سے بلانا جسے دوسرا پسند کرتا ہو تیسرا مجلس میں

آنے پر جگہ دینا۔

۴۴۴۰ وَعَنْ جَرِيرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت جریر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کی جماعت کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام فرمایا[2]۔ (مسند احمد)

ف[1] یہ جریر بن عبداللہ بجلی مشہور صحابی ہیں نہایت خوبصورت اور خوش اخلاق تھے۔

ف[2] اجنبی عورتوں کو سلام کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس کسی قسم کے فتنہ سے بالاتر ہے لیکن یہ عمل آپ کے علاوہ کسی کے لیے مناسب نہیں لہٰذا کسی مرد کا غیر محرم عورت یا کسی عورت کا غیر محرم مرد پر سلام مکروہ ہے ہاں اگر عورت ایسی عمر کو پہنچ چکی ہو کہ وہاں فتنہ کا ڈر نہ ہو تو پھر کراہت نہیں۔

۴۴۴۱ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَ يُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَرُدَّ اَحَدُهُمْ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَرْفُوْعًا) وَ رَوٰى اَبُوْ دَاؤُدَ وَ قَالَ رَفَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ شَيْخُ اَبِيْ دَاؤُدَ)

سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جماعت جب گزرے تو اس میں سے ایک کا سلام کہنا تمام کی طرف سے کافی ہوگا اور بیٹھنے والوں میں سے ایک کا جواب دینا ان تمام کی طرف سے کافی ہوگا[1]، (امام بیہقی، شعب الایمان میں اسے مرفوعاً روایت کیا[2] امام ابوداؤد نے روایت کرکے کہا کہ میرے شیخ حسن بن علی نے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔

ف[1] سلام کہنے کا سنت ہونا اور اس کے جواب کا فرض ہونا دونوں بطور کفایہ ہیں اس لیے اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کہہ دیا یا ایک نے جواب دے دیا تو باقی سے ساقط ہوجائے گا لیکن اگر ہر کوئی یہ عمل کرے تو افضل ہے۔

ف[2] امام بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔

ف[3] حاصل یہ ہے کہ امام بیہقی نے اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی قرار دیا مگر امام ابوداؤد نے دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک وہ سند جس میں آپ کے شیخ حسن بن علی ہیں اس کے مطابق یہ رحمت دوجہاں صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور دوسری سند کے مطابق یہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

۴۴۴۲ ۲۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ إِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)

حضرت عمرو بن شعیب کے والد گرامی نے ان کے جد امجد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غیر سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں تم نہ یہود کی مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی یہود کا سلام انگلیوں سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ ہے۔

(ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے)۔

۴۴۴۳ ۲۳ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهٗ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جب کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کہے اگر پھر دونوں کے درمیان درخت، دیوار یا پتھر حائل ہو جائے پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کہے۔[۱]

(ابوداؤد)

[۱] جب اتنی سی مفارقت اور جدائی کے بعد سلام کا حکم ہے تو اس سے زائد پر بطریق اولیٰ ہوگا، اس حدیث میں سلام کے مستحب ہونے اور اس کے بجالانے پر کامل طور پر متوجہ کیا گیا ہے۔

۴۴۴۴ ۲۴ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ بَيْتًا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اس کے رہنے والوں

فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِهٖ وَ اِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَھْلَهٗ بِسَلَامٍ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا)

کو سلام کہو اور جب نکلو تو ان کے پاس سلام بطور ودیعت رکھو[۲]۔

(بیہقی نے اسے شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا)۔

[۱] یہ مشہور تابعی ہیں۔ نابینا اور حافظ تھے جو کچھ سنتے اسے یاد رکھتے تھے۔

[۲] جب واپسی پر سلام دیا تو گویا خیر و برکت ان کے پاس بطور امانت رکھی جو اب سے آخرت میں حاصل ہوگی یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے پاس جاتے وقت امانت رکھتا ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں تاکہ وہ ان کی طرف رجوع کرکے اپنی امانت حاصل کریں جیسا کہ دیگر امانتیں واپس لی جاتی ہیں اس میں اس بات کی نیک فالی ہے کہ سلامتی سے واپس آؤ اور خیر و برکت حاصل کرو۔

۴۴۴۵ / ۲۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَھْلِكَ فَسَلِّمْ یَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَیْكَ وَ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹے! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کہو یہ تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے برکت ہوگا[۱]۔

(ترمذی)

[۱] روایات میں ہے کہ جب گھر میں آؤ تو اہل خانہ کو سلام کرو اور اگر خالی گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہنا چاہیے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ (ہم پر اور اللہ کے صالحین بندوں پر سلام ہو) تاکہ وہاں موجود فرشتوں کو سلام ہو جائے۔

۴۴۴۶ / ۲۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ مُنْكَرٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہے۔

(اسے ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث منکر ہے)۔

۴۴۴۷ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَّ اَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دور جاہلیت میں کہا کرتے تھے اللہ تعالیٰ تیرے ذریعے آنکھیں ٹھنڈی کرے[1] تو اچھی طرح صبح کرے[2] جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔[3] (ابوداؤد)

۱ انعم، نعومۃ سے مشتق ہے اس کا معنی نرمی، تازگی اور اچھائی ہے اس عبارت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ با سببیہ ہو اللہ تعالیٰ تیرے آرام اور بہتر زندگی کے سبب دوستوں کی آنکھوں کو اس طرح ٹھنڈا کرے کہ وہ دیکھنے سے خوش ہو جائیں دوسرا یہ کہ "با" یہاں زائدہ ہو تو معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس طرح خوشی عطا فرمائے کہ تیری آنکھیں اسے دیکھ کر خوش ہوں۔

۲ یعنی اچھی ہو تیری صبح یا تو صبح کے وقت خوش ہو اس سے بہتر زندگی اور فراغت مراد ہے، وقت صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ اکثر طور پر ڈاکے وغیرہ صبح کے وقت ہی پڑتے تھے پہلا لفظ اَنْعَمَ ماضی کا صیغہ ہے اور دوسرا انعام سے مشتق امر کا صیغہ ہے۔

۳ ہر قوم میں بادشاہوں اور بڑے لوگوں کے لیے آداب بجا لانے کا ایک طریقہ تھا عربوں کے دو محاورات کا ابھی ذکر ہوا عجمی لوگ کہتے تھے "زہ ہزار سال" اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ کے ذریعے اسی بات کی تعلیم دی گئی کہ تمام تحیات و تعظیمات فقط اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کے سوا ان کا کوئی مستحق نہیں اسی وجہ سے لفظ التحیات جمع لایا گیا تاکہ تمام تعظیموں کو شامل ہو جائے۔

۴۴۴۸ وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ اِذْ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ بَعَثَنِيْ اَبِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتِهِ فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ اَبِيْ يُقْرِئُكَ

حضرت غالب کہتے ہیں کہ ہم امام حسن بصری کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا مجھے میرے والد نے میرے دادا کے حوالے سے بیان کیا کہ مجھے میرے والد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا اور کہا کہ حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا فرماتے ہیں میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد آپ کی خدمت میں سلام عرض کر رہے ہیں

السَّلَامَ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَبِيْكَ السَّلَامُ۔ — آپ نے فرمایا تم پر اور تمہارے والد پر سلام ہو۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱؎ غالب بن قطان، بصرہ کے رہنے والے تھے، انہیں امام نسائی نے ثقہ، امام احمد نے تاکید کے ساتھ ثقہ اور امام یحیٰی نے صدوق صالح کہا ہے، انہوں نے امام حسن بصری اور سعید بن جبیر سے اور ان سے شعبہ اور عمر نے روایت کی ہے۔

۲؎ اس حدیث سے واضح ہے کہ جب کوئی کسی دوسرے کا سلام پہنچائے تو سنت یہ ہے کہ بھیجنے والے اور پہنچانے والے دونوں پر سلام ان الفاظ سے کہا جائے۔ تجھ پر اور فلاں پر سلام ہو۔

۴۴۴۹/۲۹ وَعَنِ ابْنِ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِيَّ كَانَ عَامِلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلَيْهِ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ۔ — حضرت ابن العلا حضرمی سے روایت ہے کہ علاء حضرمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گورنر تھے اور وہ جب بھی آپ کی طرف خط لکھتے تو اپنے نام سے ابتدا کرتے تھے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابوداؤد)

۱؎ اس جگہ نسخے مختلف ہیں بعض میں اسی طرح ہے جس طرح مذکور ہے بعض میں عَنْ اَبِی الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِیْ اَنَّ الْعَلَاءَ الْحَضْرَمِی تقریب میں ہے کہ علاء ابن حضرمی عظیم صحابی اور بنو امیہ کے حلیف تھے۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا گورنر مقرر کیا، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں بھی وہاں کے گورنر رہے ابن العلاء بن الحضرمی طبقہ ثالثہ میں سے مقبول ہیں، میرا گمان ہے کہ ان کا نام عبد اللہ ہے۔

۲؎ حضور علیہ السلام کا عمل مبارک بھی یہی تھا جب آپ کسی کو خط لکھتے تو ابتداً اپنا اسم گرامی لکھتے اس کے بعد اگر مکتوب الیہ مسلمان ہوتا تو اس کے لیے سلام لکھتے اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو عموماً یہ لکھتے سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى " ہرقل کی طرف بھی ایسے ہی لکھا تھا، اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سلام کا مقدمہ ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا اسی طرح مابعد متصلاً آنے والی احوال کتابت سے متعلقہ تین احادیث کا معاملہ بھی یہی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات سلام تحریراً بھی کیا جاتا ہے، حضرت مصنف کا طریقہ یہی ہے کہ وہ فصل کے آخر میں موضوع کے مناسب اور متعلق احادیث کا ذکر کر دیتے ہیں۔

۴۴۵۰/۳۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَتَبَ اَحَدُکُمْ کِتَابًا فَلْیُتَرِّبْہُ فَاِنَّہٗ اَنْجَحُ لِلْحَاجَۃِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی خط لکھے تو اس پر مٹی چھڑک[۱] دے کیونکہ یہ ضرورت کو[۲] بہت پورا کرنے والی ہے۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث منکر ہے)۔

ف۱ یا مراد یہ ہے کہ اس خط کو مٹی پر ڈال دیا جائے۔

ف۲ یہ ایسی خاصیت ہے جس کے علم کا شارع کے بغیر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی نور نبوت کے علاوہ اسے کوئی جان سکتا ہے۔ بعض اہل معرفت نے دوسرے معنی کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ خط اور تحریر کو خاک پر ڈالنا اس بات کی علامت ہے کہ حصول مقصد اس تحریر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی وجہ سے ہے۔ بعض تقریب سے مراد مکتوب الیہ کے لیے کاملاً تواضع وانکساری مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں "فلیترِّبہٗ" کی ضمیر کا مرجع اَحَدُکُمْ ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب کی طرف۔ بھی سامع ہو پہلے دونوں معنوں کے اعتبار سے ضمیر کا کتاب کی طرف راجع کرنا متعین ہے اور پہلے دونوں معنی ہی زیادہ مناسب ہیں۔

صراح میں ہے اِتْرَابٌ، تَتْرِیْبٌ خاک آلودہ کرنا، کسی چیز پر خاک ڈالنا۔ بعض روایات میں اَتْرِبُوْا الْکِتَابَ فَاِنَّہٗ اَنْجَحُ لِلْمُرَادِ کے کلمات بھی آئے ہیں قاموس میں ہے کہ اَتْرَبَہٗ وَتَرَّبَہٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس نے کسی چیز پر مٹی ڈالی ہو نہایہ میں اِتْرَابٌ کا معنی خط پر مٹی ڈالنا بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۵۱/۳۱ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ یَدَیْہِ کَاتِبٌ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰی اُذُنِکَ فَاِنَّہٗ اَذْکَرُ لِلْمَآلِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ ضُعْفٌ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ کے پاس کاتب تھا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا[۱] کہ قلم اپنے کان[۲] پر رکھو کیونکہ یہ انجام کو بہت یاد دلانے[۳] والا ہے۔ (امام ترمذی نے اسے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے)

۱ؔ اس کاتب سے۔
۲ؔ ایک روایت میں واحد کی بجائے تثنیہ علی اُذُنَیکَ ہے۔
۳ؔ بیان مقاصد و مطالب کے لیے بہتر عبارت کا انتخاب مراد ہے۔ یہ ایسی خاصیت ہے جس کا علم صرف شارع علیہ السلام کو ہی ہے شیخ طیبی فرماتے ہیں کہ قلم زبان کا حکم رکھتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (قلم بھی ایک زبان ہے) اور زبان ترجمان دل ہوتی ہے، محل سماعت کان پر زبان قلم رکھنے کی وجہ سے کان دل کے قریب ہو جائیں گے اور ارباب دل عبارات اور فنون کلام میں سے جس کا ارادہ کرے گا اس کو سن سکیں گے۔ یہ گفتگو محض ایک تخیل اور نحوی نکتہ ہے جو مناسبت کے طور پر انہوں نے بیان کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۴ؔ محدثین کے ہاں مشہور یہی ہے کہ حدیث غریب وہ ہوتی ہے جسے ایک راوی نے ایک سے بیان کیا ہو اور یہ بات مسلم ہے کہ غرابت صحت کے منافی نہیں اس لیے انہوں نے کہا کہ اس کی سند میں ضعف ہے بعض علماء کے نزدیک غریب بمعنی شاذ ہے کہ یہ روایت ثقہ کی روایت کے مخالف ہے۔

۴۴۵۲ وَعَنْهُ ۱ؔ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْیَانِیَّةَ وَ فِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَتَعَلَّمَ کِتَابَ یَهُوْدَ وَ قَالَ اِنِّیْ مَا اٰمَنُ یَهُوْدَ عَلٰی کِتَابٍ قَالَ مَرَّبِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰی تَعَلَّمْتُ فَکَانَ اِذَا کَتَبَ اِلٰی یَهُوْدَ کَتَبْتُ وَ اِذَا کَتَبُوْا اِلَیْهِ قَرَأْتُ لَهٗ کِتَابَهُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

انہی ۱ؔ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سریانی ۲ؔ زبان سیکھنے کا حکم دیا دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہود کی خط و کتابت سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا میں کسی یہودی کی تحریر پر مطمئن نہیں ہوں کہتے ہیں کہ ابھی نصف ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے اسے ۳ؔ سیکھ لیا اب جب حضور نے یہود کی طرف خط لکھنا ہوتا تو میں لکھتا اور جب یہود آپ کی طرف خط لکھتے تو میں ان کا خط آپ کی خدمت میں پڑھتا۔
(ترمذی شریف)

۱ؔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
۲ؔ تورات اسی زبان میں تھی، یہود یہی بولتے اور اسی میں لکھتے تھے۔
۳ؔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس خط و کتابت پر کسی یہودی کو مقرر کیا گیا تو ممکن ہے وہ ہماری

طرف سے خط میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دے اور جب یہود کی طرف سے خط آئے تو پڑھتے ہوئے زیادتی یا کمی کر دے۔ کمی یا زیادتی کر دے۔

۵۴؎ یہود کی زبان اور ان کی خط وکتابت کا طریقہ۔

۴۴۵۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْتَهٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَاَ لَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)
۳۳

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی کسی مجلس میں جائے تو سلام کہے اگر بیٹھنا چاہے۱؎ تو بیٹھ جائے پھر جب وہاں سے واپس لوٹے تو سلام۲؎ کرے کیونکہ پہلا سلام دوسرے سے زیادہ حق دار نہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

۵۱؎ اگر مجلس اچھی ہو۔

۵۲؎ مجلس میں آتے اور جاتے دونوں وقت سلام سنت ہے۔

۵۳؎ سلام ہر دفعہ سنت اور اس کا جواب بھی ہر دفعہ واجب ہے۔

۴۴۵۴ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا خَیْرَ فِیْ جُلُوْسٍ فِی الطُّرُقَاتِ اِلَّا لِمَنْ هَدَی السَّبِیْلَ وَرَدَّ التَّحِیَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَ وَاَعَانَ عَلَی الْحَمُوْلَةِ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ) وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ جُرَیٍّ فِیْ بَابِ فَضْلِ الصَّدَقَةِ۔
۳۴

انہی سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں میں بیٹھنے میں بھلائی نہیں مگر وہ شخص جو راستہ بتائے سلام کا جواب دے، نگاہ نیچی رکھے اور سوار کرنے میں۱؎ بھی مدد دے۔ (شرح السنۃ) اور حدیث ابو جری۲؎ باب فضل الصدقہ میں بیان کر دی۳؎ گئی ہے۔

۵۱؎ حمولہ حا پر زبر کی صورت میں اس سے مراد ہر وہ سواری ہے جس پر بوجھ لادا جائے مثلاً اونٹ، گدھا اور پیش کی صورت میں اس کا معنی بوجھ ہے اب بوجھ اٹھانے والے کے بوجھ میں مدد کرنا ہی

مراد ہوگا۔

۵۲ جُرَی۔ جیم پر پیش، را پر زبر اور یا پر شد ہے۔

۵۳ کیونکہ اس میں بھی سلام کا ذکر ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۴۵۵ / ۳۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَ نَفَخَ فِیْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ یَا اٰدَمُ اِذْهَبْ اِلٰی اُولٰٓئِكَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلٰی مَلَإٍ مِّنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ قَالُوْا عَلَیْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِیَّتُكَ وَ تَحِیَّةُ بَنِیْكَ بَیْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللّٰهُ وَ یَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اِخْتَرْ اَیَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اِخْتَرْتُ یَمِیْنَ رَبِّیْ وَ كِلْتَا یَدَیْ رَبِّیْ یَمِیْنٌ مُّبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِیْهَا اٰدَمُ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اور اللہ کے حکم سے اس کی حمد و ثنا[۵۴] کی رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا یَرْحَمُکَ اللّٰہُ اور فرمایا فرشتوں[۵۵] کی اس بیٹھی ہوئی جماعت کے پاس جاکر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہو جب انہوں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا تو فرشتوں نے عَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہا پھر بارگاہ خداوندی[۵۶] لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں دستِ قدرت بند[۵۷] تھے ان دونوں[۵۸] میں سے جس کو چاہو اختیار کرلو عرض کیا میں نے اپنے رب کا داہنا ہاتھ اختیار کیا جبکہ اس کے دونوں ہاتھ مبارک[۵۹] ہیں جب اسے کھولا تو اس میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی

وَ ذُرِّيَّتَهٗ فَقَالَ اَیْ رَبِّ
مَا هٰؤُلَاۤءِ قَالَ هٰؤُلَاۤءِ
ذُرِّيَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ
مَكْتُوْبٌ عُمْرُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ
فَاِذَا فِيْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَئُهُمْ
اَوْ مِنْ اَضْوَئِهِمْ قَالَ
يَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ
اِبْنُكَ دَاوٗدَ قَدْ كَتَبْتُ
لَهٗ عُمْرَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً
قَالَ يَا رَبِّ زِدْ فِیْ عُمْرِهٖ
قَالَ ذٰلِكَ الَّذِیْ كَتَبْتُ لَهٗ
قَالَ اَیْ رَبِّ فَاِنِّیْ قَدْ
جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمْرِیْ سِتِّيْنَ
سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَ ذَاكَ
قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَا
شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا
وَ كَانَ اٰدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ
مَلَكُ الْمَوْتِ قَالَ لَهٗ اٰدَمُ
قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِیْ
اَلْفُ سَنَةٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ
جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوٗدَ سِتِّيْنَ
سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ
وَ نَسِیَ وَ نَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ
قَالَ فَمِنْ يَوْمَئِذٍ اُمِرَ
بِالْكِتَابِ وَ الشُّهُوْدِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

عرض کیا اے میرے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے اس وقت ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان عمر لکھی ہوئی تھی ان میں سے ایک نہایت ہی روشن چہرے والے تھے یا چمکداروں میں سے ایک تھے عرض کیا یارب یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تمہارا بیٹا داود ہے میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے عرض کیا یارب اس کی عمر میں اضافہ فرما، فرمایا: میں نے ان کے لیے یہ ہی لکھی ہے عرض کیا یارب میں نے اپنی عمر کے ساٹھ سال انہیں دیئے فرمایا تمہاری مرضی راوی کہتے ہیں حضرت آدم جنت میں رہے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر وہاں سے اتارے گئے۔ حضرت آدم اپنی عمر گنتے تھے، جب ملک الموت ان کے پاس آئے تو اس سے فرمایا، تو نے جلدی کی ہے میری عمر تو ہزار سال لکھی گئی تھی عرض کیا ہاں لیکن آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو ساٹھ سال دے دیے تھے۔ حضرت آدم نے انکار فرمایا تو ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے وہ بھول گئے تھے تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے راوی کہتے ہیں اسی روز سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ترمذی)

۵۱؎ یہ جو حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کی یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ایک عظیم عمل ہے جو اس کی طرف سے دی جانے والی آسانی کے بغیر آسان نہیں۔

۵۲؎ اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کو چھینک کا ادب سکھایا ہے اور اس کے ساتھ ہی سلام کی بھی تعلیم دی۔

۵۳؎ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں ملائکہ کی تعیین ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو اور آپ نے اس کے ذریعے "اُولٰئِكَ الْمَلَائِكَۃ" کے مصداق کا تعین فرمایا ہو۔

مَلَأ قوم کے ان اشراف اور صاحب فضل لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کی طرف تمام معاملات میں قوم رجوع کرتی ہو۔

۵۴؎ وہ جگہ مراد ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔

۵۵؎ جس طرح ہاتھ بند کر کے اس میں کوئی چیز پوشیدہ کی جاتی ہے۔

۵۶؎ یعنی وہ چیز جو دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک میں ہے۔

۵۷؎ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا کلام ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کے لیے ہاتھ کا اطلاق از قبیل متشابہات ہے، اسی طرح اس کے دونوں ہاتھوں کا داہنا ہونا بھی متشابہ ہے اس کی تشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ید بمعنی ہاتھ ثابت نہیں بلکہ بمعنی صفت ثابت ہے اور یہ جملہ اسی بات سے کنایہ ہے کہ اس کے لیے ہاتھ ثابت نہیں اگر ہاتھ ہوتا تو اس میں دایاں اور بایاں بھی ہوتا۔ کلام کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد خیر و برکت ہے کیونکہ یہ یَدَیْمُنٰی کو لازم ہے اور یُمْنٰی کا مادہ یمن ہے جس کا معنی برکت ہے۔

۲۔ بایاں ہاتھ طاقت اور گرفت میں کمزور ہوتا ہے دونوں ہاتھوں کو دایاں قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کاملہ ہیں اور وہ ناقص صفات سے پاک ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر اور اس بات کو بیان کرنا ہے کہ جو بھی اس کی طرف سے ہو وہ فضل و نعمت ہی ہے خواہ وہ لطف ہو یا قہر کیونکہ جب انہوں نے یہ کہا کہ میں نے داہنا پسند کیا، تو وہم ہو سکتا تھا کہ صفات لطیفہ کو صفات قہریہ پر ترجیح دے رہے ہیں اس لیے کہا کہ میرے رب کے دونوں ہاتھ مبارک ہیں، اس طرح اس وہم کا ازالہ ہو گیا اور اپنے اختیار سے دست بردار ہو گئے۔

۴۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے احسان و فضل اور جود و کرم کی کثرت و عنایت بیان کرنا ہے کیونکہ عربوں کے

تین محاورات ہیں۔ اگر کوئی شخص نفع ہی پہنچائے تو اسے کہتے ہیں کہ دونوں ہاتھ مبارک ہیں اگر کوئی ضرر و نقصان دے تو اسے کہتے ہیں کہ اس کا نصیب بائیں ہاتھ میں ہے اور جو نہ نفع دے اور نہ نقصان اس کے بارے میں کہتے ہیں فلاں نہ دایاں ہاتھ رکھتا ہے اور نہ بایاں۔

۵۔ یہاں یدٌ سے مراد قدرت و نعمت ہے کیونکہ ان دونوں پر عرب یَدٌ کا اطلاق کرتے ہیں۔ اگر یدٌ سے مراد قدرت ہو تو معنی ہوگا کہ ہدایت و ایمان، گمراہی و کفر کی تخلیق اس کے قبضہ میں ہے اور اگر مراد نعمت ہو تو معنی ہوگا اہل ہدایت پر اس کا لطف و کرم اور اہل کفر پر قہر و غضب یہ تمام عدل و حکمت ہے کیونکہ وہ غالب و مالک اور علیم و کلیم ہے اور وہ اس سے مطلع ہے جس سے غیر آگاہ نہیں اس آیت مبارکہ میں یہی ارشاد ہے يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

ش۵ راوی کو شک ہے کہ یا تو فرمایا کہ ان کے درمیان ایک نہایت ہی خوبصورت مرد تھا یا فرمایا کہ ان میں خوبصورت ترین لوگوں کی ایک جماعت تھی اور یہ ایک مرد اس جماعت میں سے تھا۔

۵۹ اگر دوسرا جملہ ہو تو پھر اشکال وارد نہیں ہوتا مگر پہلی صورت میں یہ اشکال ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت داؤد بقیہ تمام انبیاء سے افضل ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ روشن ہونے سے مراد تمام صفات کمال میں افضل ہونا نہیں ہے بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ظہور و نور میں دیگر انبیاء سے جو امتیاز تھا اس کو حضرت آدم پر ظاہر کیا گیا تاکہ ان کی عمر کے بارے یہی سوال ہوسکے اور اس پر اور انکار کا واقعہ بھی مترتب ہو جائے جس طرح ہر نبی کو ایک مخصوص امتیاز حاصل ہوتا ہے اس طرح ممکن ہے کہ اس جہان میں یا اس جہان میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام روشن اور چمکدار ہونے میں دیگر انبیاء سے ممتاز ہوں اور اس سے بقیہ تمام انبیاء پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ حضرت آدم نے تمام انبیاء کو دیکھا اور پھر ان میں سے حضرت داؤد کو ممتاز جان کر سوال کیا ہو بلکہ ممکن ہے اتفاقاً ان پر نظر پڑی ہو اور ان کی عمر کے بارے میں سوال کر دیا ہو

جن الفاظ سے یہ حدیث باب ایمان بالقدر میں گزری ہے وہ اسی بات کی تائید کرتے ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت میں سے ہر آدمی کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی پس حضرت آدم نے ان میں سے ایک مرد کو دیکھا تو آپ کو اس کا نور بہت بھا گیا۔

۵۱۰ جو لکھی ہے وہی رہے گی دوسری عمر نہیں مل سکتی۔

۵۱۱ آپ کو اختیار ہے اگر آپ اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دینا چاہتے ہیں تو دیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۵۱۲ یہاں تک کہ آپ کی عمر نو سو چالیس سال تک پہنچ گئی۔

۵۱۳ اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جو آپ نے ملک الموت کو کہے کہ میری عمر تو ہزار سال لکھی گئی ہے تو نے جلدی کی اور آپ کا یہ قول درست ہے اس میں آپ نے اس بات کی ہرگز تصریح نہیں کی کہ میں نے ساٹھ سال نہیں دیئے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے قصداً اور صراحۃً جھوٹ کا صدور نہیں ہو سکتا ہاں یہاں بطور تعریض انکار ہے اور اسی طرح کی باتیں بعض انبیاء سے صادر ہوئی ہیں یا میرے نزدیک یہ انکار بطور نسیان ہے جو انبیاء سے ممکن ہے۔

۵۱۴ انکار کی کیفیت آدمی کی طبیعت میں اس وقت سے ہے جب سے حضرت آدم سے صادر ہوئی ہاں ان سے بطور تعریض و نسیان ہوا اور دیگر لوگوں سے قصداً اور صراحۃً

۵۱۵ انہیں درخت کے قریب جانے سے منع کیا تھا تو آپ بھول گئے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بیان فرمایا فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (پس آدم بھول گئے اور ہم نے ان کے لیے عزم نہ پایا)

۵۱۶ ان کی طبیعتوں میں نسیان کی کیفیت اسی وقت سے پیدا ہوئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد حدیث میں مذکورہ واقعہ ہی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا تھا کہ آپ کا انکار قصداً نہ تھا بلکہ نسیاناً تھا۔

۵۱۷ معاملات کو تحریر میں لانا اور ان پر گواہ مقرر کرنا مراد ہے۔

۴۴۵۶ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہمیں سلام دیا۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

۵۱ یہ انصاریہ سے صحابیہ ہیں۔

۵۲ حالانکہ میں ان عورتوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

۵۳ یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ فصل ثانی میں روایت احمد از جریر کے تحت گزر چکا ہے

۴۴۵۷ وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ كَانَ يَأْتِيْ ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْا مَعَهٗ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ

حضرت طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ابن عمر کے پاس آتے اور صبح کے وقت ابن عمر کے ساتھ بازار جاتے فرماتے ہیں جب ہم بازار میں پہنچتے تو ابن عمر ہر ایک کو سلام کہتے خواہ وہ معمولی دکاندار

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سَقَّاطٍ وَلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَّلَا مِسْكِيْنٍ وَّلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِىْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهٗ وَ مَا تَصْنَعُ فِى السُّوْقِ وَ اَنْتَ تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَ تَسْاَلُ عَنِ السِّلَعِ وَ لَا تَسُوْمُهَا وَ لَا تَجْلِسُ فِىْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ وَقَالَ فَقَالَ لِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَا اَبَا بَطْنٍ قَالَ وَ كَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ اَجَلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

ہو یا بڑا[1] تاجر یا مسکین[2] طفیل کہتے ہیں ایک دن میں ابن عمر کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے بازار جانے کے لیے کہا میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جاکر کیا کرتے ہیں ؟ نہ خرید و فروخت کرتے ہیں نہ سامان کے بارے دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ کسی بازار کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اس لیے آپ یہاں ہی بیٹھ کر ہمارے ساتھ باتیں کریں مجھے عبداللہ بن عمر فرمانے لگے اے پیٹ والے حضرت طفیل کا پیٹ بڑا تھا ہم بازار اس لیے جاتے ہیں کہ جو بھی ہمیں ملے ہم اس کو سلام کہیں۔

(امام مالک، بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)۔

ف۱ ان کی کنیت ابو بطن ہے تابعی عزیز الحدیث ہیں ان کی احادیث اہل حجاز میں مقبول ہیں ابن سعد نے ان کی توثیق کی ہے۔

ف۲ سَقَّط قاف پر حرکت ہے معمولی سامان کو کہتے ہیں اور اس کے بیچنے والے کو سقاط یا سقطی کہا جاتا ہے۔

ف۳ بیعۃ" با پر زبر اور زیر دونوں پر بھی جا سکتی ہیں۔

ف۴ فقیر نے یہی عمل سید احمد مدنی کا دیکھا جو مدینہ طیبہ کے اکابر اور صاحب تاریخ مدینہ امام سمہودی کی

اولاد میں سے تھے، مکہ معظمہ کے شرفاء بھی موسم حج میں ایسے ہی کرتے ہیں کہ بازار میں دائیں اور بائیں ہر ایک کو سلام کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ حکمران جب جمعہ کے دن نکلتا تھا تو اس کا بھی یہی معمول تھا۔

۴۴۵۸/۳۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِیْ حَائِطِیْ عَذْقٌ وَّ اِنَّهٗ قَدْ اٰذَانِیْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِیْ عَذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِیْ قَالَ لَا قَالَ فَبِعْنِیْهِ بِعَذْقٍ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَیْتُ الَّذِیْ هُوَ اَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّا الَّذِیْ یَبْخَلُ بِالسَّلَامِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں شخص کی کھجور کا درخت[1] میرے باغ میں ہے اور اس نے بہت دکھ دیا[2] ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف پیغام بھیجا کر مجھے یہ درخت فروخت کر دے اس شخص نے انکار کر دیا فرمایا مجھے ہبہ[3] کر دے اس نے انکار کر دیا فرمایا میرے ہاتھ جنت کے[4] درخت کے عوض فروخت کر دے اس نے انکار کر دیا آپ نے فرمایا میں نے تجھ سے بڑھ کر بخیل شخص نہیں دیکھا سوائے اس شخص کے جو سلام[5] میں بخل کرے۔ (مسند احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے)۔

[1] عذق اگر عین پر زبر پڑھیں تو اس سے مراد کھجور کا درخت اور اگر زیر پڑھیں تو اس سے کھجور کی شاخ مراد ہوتی ہے۔

[2] یہ شخص وقت اور بے وقت باغ میں آتا ہے (جس سے میرے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

[3] اگر تو میرے ہاتھ بیچنے سے عار محسوس کرتا ہے تو مجھے ہبہ کر دے۔

[4] یہ آپ نے اسے ثواب آخرت کے حوالے سے ترغیب دی۔

[5] جو تھوڑے سے عمل سے عظیم ثواب حاصل نہیں کرتا۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے سفارش تھی، حکم نہ تھا ورنہ وہ شخص حکم کی مخالفت کس طرح کرتا اھ

یہ شخص تھا کیونکہ آپ نے ثواب آخرت کے حوالے سے بھی ترغیب دی (اگر وہ کافر ہو جاتا تو ایسا ممکن نہ تھا)۔ ہاں اس شخص کا دل سختی اور درشتی سے خالی نہ تھا۔

۴۴۵۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيْئٌ مِنَ الْكِبْرِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)
۴۹

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام میں ابتدا کرنے والا تکبر سے دور ہو جاتا ہے۔

(اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)۔

فائدہ

(۱) سلام کہنا سنت اور اس کا جواب فرض ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی جماعت کے پاس سے گزرا اور اس نے سلام کہا تو ان پر اس کا جواب لازم ہے

(۳) اگر وہ اسی مجلس میں دوبارہ آیا اور سلام کیا اب جواب واجب نہیں ہاں مستحب ہے۔

(۴) سلام اور اس کے جواب کے لیے جمع کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تاکہ اس آدمی کے ساتھ جو فرشتے ہیں ان پر بھی سلام ہو جائے۔

(۵) فقیہ ابو جعفر نے امام ابو یوسف کے ایک شاگرد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب وہ بازار جاتے تو السلام علیکم کے بجائے سلام اللہ علیکم کہتے ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا سلام ایک تحفہ ہے جس کو قبول کرنا فرض اور نص قرآن سے ثابت ہے جب وہ میرے سلام کا جواب نہیں دیں گے تو مجھ پر امر بالمعروف لازم ہو جائے گا اور سلام اللہ علیکم دعا ہے اگر وہ جواب نہیں دیں گے تو کوئی بات نہیں کیونکہ جواب ان پر لازم نہیں اسی طرح مجھ پر امر بالمعروف بھی لازم نہ آئے گا اس لیے میں سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ کہتا ہوں۔

(۶) اگر ایسے شخص کو سلام کیا جس کو جانتا نہ تھا پھر اس کا کافر ہونا واضح ہو گیا تو اس سے اپنا سلام واپس لے لے اور یہ کہے کہ میں تیرے کفر کی تحقیر کی وجہ سے سلام واپس لے رہا ہوں۔

(۷) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کو سلام نہ کہا جائے اگر کسی نے کہہ دیا تو بعض علماء کی رائے کے مطابق اس کا جواب واجب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان سے جواب واجب نہیں بلکہ ہاتھ یا دل سے جواب دے دیا جائے اور بعض کا قول یہ ہے کہ زبان و دل کو تلاوت ہی مشغول رکھے اور سلام کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۸) وقت خطبہ سلام کا جواب بالاتفاق نہیں دیا جائے گا۔ وقت اذان و اقامت اور مذاکرہ علم بھی اس حکم

میں ہے۔

۹۔ اگر تلاوت کرنے والے نے جواب دے دیا تو وہ اب تلاوت نئے سرے سے شروع کرے گا یعنی تعوذ دوبارہ پڑھے گا۔

۱۰۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سرخ لباس پہنے حاضر ہوا اس نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ جو شخص کسی غیر مشروع کام میں مشغول و مصروف ہو وہ جواب سلام کا مستحق نہیں ہوتا، شطرنج کھیلنے والے کا بھی یہی حکم ہے بعض روایات میں ہے کہ اسے سلام کہا جائے تاکہ وہ کچھ دیر کے لیے اس غلط کام سے باز رہے اور ذکر میں مشغول ہو جائے اور اگر اسے بطور زجر بلند آواز سے کہا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۱۱۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ السلام علیکم کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال سے آگاہ ہے کہ عبادت گزار ہے یا معصیت میں مبتلا ہے، لہٰذا یہ نصیحت ہے اور فاسق نصیحت کا زیادہ حق دار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲۔ اگر حمام میں جائے تو برہنہ آدمی کو سلام نہ کہے۔

---

# بَابُ الْاِسْتِئْذَانِ

## ۳۰۸۔ اجازت طلب کرنے کے بیان

استیذان، اجازت طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اذن علم کے معنی میں آتا ہے مثلاً جب کسی چیز کو جان لیا جائے تو کہا جاتا ہے اَذِنَ بِالشَّیْءِ اور اباحت کے معنی میں بھی مستعمل ہے مثلاً اَذِنَ لَہٗ فِی الشَّیْءِ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ شے کسی دوسرے کے لیے مباح کر دی گئی ہو (القاموس) یہاں دونوں معانی درست ہیں کیونکہ جو شخص کسی دروازے پر اذن طلب کرتا ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ جان لے کہ گھر میں کوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا وہ اندر آنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اجازت طلب کرنا مستحب ہے، اسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے سنت یہ ہے کہ سلام اور اجازت دونوں کو اکٹھا کیا جائے صحیح یہ ہے کہ سلام کو اجازت پر مقدم کیا جائے احادیث

میں اس کی تصریح ہے۔

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۴۲۶۰ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْ مُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ فَسَلَّمْتُ ثَلٰثًا فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَاْتِیَنَا فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰی بَابِكَ ثَلٰثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَیَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَاْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ فَلْیَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰی عُمَرَ فَشَهِدْتُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

## پہلی فصل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ[1] ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت عمر نے ایک آدمی کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا میں ان کے دروازے پر آیا تین دفعہ سلام[2] کیا مجھے جواب[3] نہ دیا گیا تو میں واپس آگیا حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا میرے[4] پاس آنے سے تجھے کس نے روکا؟ میں نے عرض کیا میں حاضر ہوا تھا تین دفعہ میں نے آپ کے دروازے پر سلام کہا آپ نے جواب نہ دیا تو میں واپس[5] ہو گیا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب تم میں سے کوئی تین دفعہ اجازت مانگے اور اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے، حضرت عمر نے فرمایا اس پر گواہ[6] پیش کرو حضرت ابو سعید[7] کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ساتھ حضرت عمر کے پاس جا کر گواہی[8] دی۔

(بخاری ومسلم)

ف۱ یہ ابو موسیٰ اشعری ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ف۲ اجازت کے ارادے سے تین دفعہ سلام کیا۔

ف۳ سلام کا جواب اور اجازت نہ ملی

ف۴ آپ نے بعد میں بطور زجر فرمایا۔

ف۵ دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کرنے کی حدیث ہے۔

۶ اس بات پر کہ یہ بات تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور وہ گواہی دے کہ میں نے بھی یہ حدیث آپ سے سنی تھی۔

۷ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ میرے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ تو نے بھی یہ حدیث اپنے آقا علیہ السلام سے سن رکھی ہے لہٰذا میرے ساتھ چل کر حضرت عمر کے پاس گواہی دو۔

۸ میں نے یہ گواہی دی کہ یہ سچ کہتے ہیں واقعۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا۔

۹ یہ گواہی اس احتیاط کے پیش نظر طلب کی گئی تاکہ بیان حدیث میں لوگ احتیاط سے کام لیں اور خلفاء امراء کی اطاعت میں سستی نہ کریں ورنہ متفقہ طور پر خبر اور مقبول ہے، خصوصاً ابوموسیٰ اشعری جیسے لوگوں کو جو کبار صحابہ میں سے ہیں۔

۴۴۶۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَيَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْتَمِعَ سَوَادِيْ حَتّٰى اَنْهٰكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تمہارے لیے میرے پاس آنے کے لیے اتنی اجازت کافی ہے کہ پردہ[۱] اٹھاؤ اور میری آہستہ گفتگو بھی سن لیا کرو[۲] یہاں تک کہ میں تمہیں منع کروں[۳]۔ (مسلم)

۱ میرے حجرہ انور کا پردہ اٹھاؤ، آپ کے گھر پر چٹائی کا پردہ ہوتا تھا۔

۲ سوادسین کے نیچے زیر، خفیہ بات کو کہتے ہیں، اگر پردہ اٹھانے کے بعد دیکھو کہ میں کسی شخص کے ساتھ آہستہ گفتگو کر رہا ہوں تو بھی آجائیں۔ اس سے زائد کوئی اذن طلب کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں خفیہ گفتگو کہتے ہیں مبالغہ ہے یعنی اگر میں کسی کے ساتھ کوئی خصوصی اور اہم بات کر رہا ہوں تو آپ آسکتے ہیں تو جب بات ہی خفیہ نہ ہو تو بطریق اولی اجازت ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ جب تم محسوس کرو کہ میں گھر میں موجود ہوں تو تمہیں آنے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ کوئی اور اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

۳ یہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے پیارے صحابی پر کمال درجہ کی شفقت ہے گویا قرب اور محترم ہونے میں وہ آپ کے اہل کی طرح ہیں جب آنا چاہیں آسکتے ہیں لیکن یہ اجازت اس وقت ہے جب امہات المومنین حاضر نہ ہوں خصوصاً پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد۔

۴۴۶۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد گرامی[۱] کے قرض کے سلسلہ میں

فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس حاضر ہوا میں نے دروازے پر دستک دی فرمایا کون ! میں نے عرض کیا "میں" آپ نے فرمایا : میں میں گویا اسے آپ نے ناپسند[٥٣] فرمایا

(صحیحین)

٥١ آپ کے والد گرامی کا نام حضرت عبد اللہ انصاری ہے آپ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

٥٢ ان کے قرض کا معاملہ یہ تھا کہ قبل از شہادت اپنے ذمہ جو قرض تھا اسے وہ ادا نہ کر پائے تھے اب قرض خواہ حضرت جابر سے قرض طلب کر کے ان کو تنگ کرتے تھے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس لیے حاضر ہوئے تاکہ آپ سے اس سلسلہ میں اعانت و امداد طلب کریں، آپ ان قرض خواہوں سے سفارش فرمائیں تاکہ وہ مجھے مہلت دیں پھر اس کے بعد آقا کریم نے بصورت معجزہ ان کی تھوڑی سی کھجوروں کو وہ برکت عطا کی کہ تمام قرض ادا ہو گئے اور ادائیگی کے بعد بھی کھجوریں اسی طرح باقی رہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان سے کچھ لیا ہی نہیں گیا، اسی واقعہ کی طرف یہ اشارہ ہے۔

٥٣ ناپسند جاننے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں آدمی کا تعین نہیں ہوتا بلکہ ابہام رہتا ہے اس لیے آنے والے کو اپنا نام، کنیت یا لقب ذکر کرنا چاہیے تاکہ گھر والے اس کا تعین کر سکیں۔ بعض اوقات اگرچہ آواز سے بھی تعین ہو جاتا ہے مگر آپ نے ناپسند فرماتے ہوئے حضرت جابر کو اس سے بہتر کی تعلیم دی، اور آپ نے "انا" کا لفظ دوبارہ استعمال فرمایا اس میں تاکید ہے اور اسی تکرار ہی سے ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اجازت طلب کرنے کے لیے سلام نہیں دیا حالانکہ وہ سنت ہے۔ بعض صوفیا کا قول ہے کہ لفظ "انا" کا زبان پہ لانا ہی مکروہ ہے کیونکہ اس میں انانیت پائی جاتی ہے لیکن ان کا قول علی العموم صحیح نہیں ہاں اس صورت میں درست ہے جب کوئی بطور تکبر، نفسانیت اور انانیت یہ کلمہ کہے حسنہ احادیث میں کثرت کے ساتھ یہ لفظ مستعمل ہے مثلاً پیچھے گزرا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آج کس نے مریض کی عیادت کی؟ ابو بکر صدیق نے عرض کیا "انا"، پھر آپ نے پوچھا آج روزہ کس نے رکھا؟ انہوں نے عرض کیا "انا"، بلکہ بعض اوقات صحابہ دین کی عزت کی خاطر قیام تفاخر میں ایسا کہہ دیا کرتے تھے، ان کے پیش صحیح دینی غرض ہوتی تھی۔

٢٤٦٣ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِيْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَا هِرٍّ اِلْحَقْ بِاَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَيَّ فَاَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا فَاَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

داخل[1] ہوا آپ نے دودھ کا پیالہ پایا فرمایا: ابوہریرہ اصحاب صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس بلا کر لاؤ میں ان کے پاس گیا اور ان کو بلا کر لایا وہ حاضر ہوئے اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تو وہ اندر داخل ہوئے[2]۔ (بخاری)

[1] گھر میں۔

[2] حدیث میں ہے کہ اس وقت موجود تمام صحابہ نے جی بھر کر دودھ پیا مگر وہ پیالہ ختم نہ ہوا[1]۔
علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ کسی کو طلب کرنے سے اجازت لینا ساقط نہیں ہو جاتا اس صورت میں جب کہ آنے والا منصلاً آ جائے لیکن یہ اس وقت ہے جب قاصد ساتھ نہ ہو اگر ساتھ ہو تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں رہتی جیسا کہ دوسری فصل میں آرہا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں ممکن ہے کہ حضرت ابوہریرہ ان کے ساتھ نہ آئے ہوں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۴۶۴ عَنْ كَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ ۵ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْ جِدَايَةٍ وَّضَغَابِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَى الْوَادِيْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ

حضرت کلدہ[1] بن حنبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ[2] نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں دودھ یا ہرن کا بچہ اور ککڑیاں بھیجیں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وادی کے بالائی حصہ میں تھے راوی کہتے ہیں کہ میں اندر داخل ہوا نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی آپ نے فرمایا

---

[1] امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری نے کیا خوب کہا ہے۔
کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر! جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

واپس لوٹ جاؤ سلام کہو اور پھر داخل ہو۔
(ترمذی، ابوداؤد)

ف۱ کلدۃ، کاف، لام، دال سب پر زبر ہے یہ صفوان بن امیہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔

ف۲ صفوان بن امیہ قریشی ہیں، فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، مولفۃ القلوب میں سے تھے حضور علیہ السلام نے انہیں مال غنیمت میں سے اتنا دیا کہ وہ پکار اٹھے کہ اللہ تعالٰی کے رسول نے عطا میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اس کے بعد مسلمان ہو گئے، ان کا والد امیہ بن خلف بدر کے دن مشرکین قریش میں سے تھا اور وہیں قتل ہوا۔

ف۳ جدایۃ، جیم پر زبر سا اور زیر دونوں پڑھے جا سکتے ہیں، ہرن کے چھ یا سات ماہ کے بچے کو کہتے ہیں چنانچہ بھیڑوں میں سے چھ ماہ کے بچے کو جدی کہا جاتا ہے، صراح میں ہے کہ "جدایہ"، جیم پر زیر اور زبر دونوں جائز ہیں

ف۴ ضغابیس یہ ضغبوس کی جمع ہے صراح میں ہے کہ ضاد اور غین دونوں پر پیش ہے اس کا معنی چھوٹی اور نرم ککڑی کے ہیں، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ہی پسند تھیں۔

ف۵ اس وقت آپ مکہ کی بالائی جانب یعنی مُعَلّا میں تھے۔

ف۶ سلام اور اجازت طلب کرنے کی تعلیم دینے کے لیے فرمایا۔

۴۲۶۵/۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَجَآءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَهٗ اِذْنٌ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی۱ کو بلایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو یہ ہی اس کے لیے اجازت۲ ہے۔
(ابوداؤد)

وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ قَالَ رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَی الرَّجُلِ اِذْنُهٗ ۔

ان کی ایک دوسری۳ روایت میں ہے آدمی کا دوسرے آدمی کی طرف قاصد بھیجنا اس کی اجازت ہوتی ہے۔

ف۱ جب کسی کو قاصد کے ذریعے بلایا جائے۔

ف۲ اب اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

۵۳ امام ابوداؤد کی دوسری روایت مراد ہے۔

۴۴۶۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتٰى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْأَيْمَنِ أَوِ الْأَيْسَرِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ أَنَّ الدُّوْرَ لَمْ تَكُنْ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے دروازے پر تشریف لے جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر السلام علیکم، السلام علیکم کہتے ہیں اس لیے تھا کہ ان دنوں گھروں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔

(ابوداؤد)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ۔

اور حضرت انس کی وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا اسے باب الضیافت میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۴۶۷ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَأْذِنُ عَلٰى أُمِّيْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی والدہ سے اجازت لیا کروں! فرمایا ہاں اس نے عرض کیا میں گھر میں ان کے ساتھ رہتا ہوں[۱] فرمایا؛ اس سے داخلہ کی اجازت لو[۲] عرض کیا میں ان

وَسَلَّمَ اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لَا قَالَ فَاسْتَأْذِنْ عَلَيْهَا۔

کا خدمت گار[۴] ہوں فرمایا اس سے اجازت مانگو کیا تم اسے ننگی حالت[۵] میں دیکھنا پسند کرو گے؟ عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا اس سے داخلہ کی اجازت لو۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا) (امام مالک نے اسے مرسلاً[۶] روایت کیا ہے)

[۱] عطاء بن یسار مشہور تابعی اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] ان کا خیال تھا کہ شاید گاہے گاہے آنے والے شخص اور بیگانے کے لیے اجازت لینا ضروری ہوتی ہے۔

[۳] آپ نے واضح فرما دیا کہ اجازت لینا صرف بیگانے کے ساتھ مخصوص نہیں۔

[۴] میں شب و روز ان کے پاس رہتا ہوں اگر ہر وقت اجازت لینا ضروری ہے تو میں خدمت کیسے کر سکوں گا۔

[۵] اگر تو بغیر اجازت اچانک آ جائے تو ممکن ہے کہ وہ برہنہ ہو اس لیے اجازت لیا کرو۔

[۶] کیونکہ عطاء بن یسار سے مروی ہے اور وہ تابعی ہیں۔

۴۴۶۸ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ لِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَ مُدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ اِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِيْ۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میری ایک حاضری رات کو اور ایک دن کو ہوا کرتی تھی، جب میں رات کو آپ کے گھر میں داخل ہوتا تو آپ کھنکار[۱] دیتے۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) (نسائی شریف)

[۱] مجھے داخلہ کی اجازت عنایت فرمانے کے لیے ایسا کرتے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھنکارنا رات کو اجازت داخلہ کی علامت ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ میں جب رات کو حاضری کے لیے جاتا اور آپ کھنکارتے تو میں واپس ہو جاتا تھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ کھنکارنا عدم اجازت ہے تطبیق یوں ہے کہ قرینہ حال اس بات کا

کا تعین کرے گا کہ کس وقت اجازت اور کس وقت عدم اجازت کی علامت ہے۔ بعض لوگوں نے حدیث مذکور میں کھنکارنے کو عدم اجازت پر محمول کیا ہے لیکن واضح یہی ہے کہ یہاں اذن واجازت کے لیے ہے۔

۴۴۶۹/۱۰ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَأْ بِالسَّلَامِ۔
(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو داخل کی اجازت نہ دو جو سلام سے ابتداء نہ کرے۔
(بیہقی شعب الایمان)

# بَابُ الْمُصَافَحَۃِ وَالْمُعَانَقَۃِ

## مصافحہ اور معانقہ کا بیان

مُصَافَحَۃ اور تصافح ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے کو کہتے ہیں، لغت میں صفح کا معنی چوڑائی ہے، چہرے اور تلوار کی چوڑائی کو صفح کہا جاتا ہے۔ مصافحہ میں ایک شخص کی ہتھیلی کا عرض دوسرے کی ہتیلی سے مس کرتا ہے، صفائح دروازے کے تختوں کو کہتے ہیں (صراح) ملاقات کے وقت مصافحہ سنت ہے یہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہیے نماز کے بعد یا نماز جمعہ جو مصافحہ کیا جاتا ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اس وقت کو مصافحہ کے لیے مخصوص کرنا بدعت ہے لیکن مطلقاً مصافحہ سنت ہے تو بعض اوقات سنت ہوا اور بعض اوقات بدعت جوان خاتون کے ساتھ مصافحہ حرام اور ایسی بوڑھی عورت کے ساتھ جو جائے شہرت نہ ہو مصافحے میں کوئی حرج نہیں۔

روایات میں ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جن بوڑھی خواتین کے لیے ان کے جانوروں کا دودھ دوہتے تھے ان سے مصافحہ کرتے تھے، ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ انہوں نے مکہ شریف میں ایک بوڑھی خاتون کو اپنی بیماری میں خدمت کے لیے متعین کیا، اسی طرح اگر مرد بوڑھا اور فتنہ شہوت سے امن میں ہو تو اس کے لیے جوان خاتون سے مصافحہ جائز ہے ایسا لڑکا جو خوب رو ہو اس کے ساتھ مصافحہ

درست نہیں، جس کی طرف نظر کرنا حرام ہوا سے چھونا بھی حرام ہوتا ہے بلکہ چھونے کی حرکت دیکھنے سے زیادہ سخت ہے (اسی طرح مطالب المومنین میں ہے (صلوٰۃ مسعودی میں ہے کہ سلام دیتے وقت ہاتھ سے ہاتھ اسی طرح ملانا کہ دونوں کی ہتھیلیاں ملیں یہ سنت ہے، انگلیاں پکڑنا بدعت ہے، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو معانقہ جائز ہے، خصوصاً سفر کی واپسی پر جس طرح حدیث میں حضرت جعفر بن ابی طالب کے بارے میں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ہاتھ منہ اور آنکھیں چومنا اور معانقہ مکروہ ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ معانقہ سے منع کیا گیا ہے۔

فصل اول میں حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرہی ہے انہوں نے جو روایت کیا ہے وہ اسی سے پہلے کا معاملہ ہے، شیخ ابو منصور ماتریدی نے احادیث میں یوں تطبیق دی ہے جو معانقہ شہوت کی وجہ سے ہو وہ مکروہ ہے اور جو بوجہ شرافت و نیکی ہو وہ جائز ہے، علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب جسم ننگا ہو اگر قمیص یا جبہ وغیرہ پہنا ہوا ہے تو پھر معانقہ میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے (اسی طرح کافی میں ہے، متقی عالم کے ہاتھ کا بوسہ لینا جائز بلکہ بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ چومنا یہ کوئی معنی نہیں رکھتا یہ جہالت اور ناپسندیدہ ہے۔ امراء اور مشائخ کے سامنے زمین کا بوسہ لینا حرام ہے، ایسا کرنے والا اور اس سے راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہوں گے (کذافی الکافی)

فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی بادشاہ، امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دیا یا سجدہ کیا اگر بطور سلام و تحیہ ہے تو اس سے کافر نہیں ہوگا لیکن گناہ گار اور کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا ہو جائے گا اور اگر بطور عبادت سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا اگر کوئی نیت بھی نہ تھی تو ایسی صورت میں اکثر علماء کے نزدیک وہ کافر ہوگا اور زمین کو بوسہ دینا اس پر رخسار اور پیشانی رکھنے سے کم درجہ سخت ہے، اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ میں ہے اگر کسی عالم، سلطان یا زاہد کے ہاتھ کو علم، انصاف اور عزت دین کی وجہ سے بوسہ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر اس سے کوئی دنیوی غرض تھی تو یہ مکروہ تحریمہ ہے، بعض احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کو بوسہ دیا تھا فصل ثانی میں وفد عبدالقیس کے واقعہ میں یہ بات آرہی ہے، بچے کے بوسہ اگرچہ غیر کا بیٹا ہو جائز ہے اور بچے کے بوسہ دینا سنت ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بوسہ کی پانچ اقسام ہیں ایک بوسہ محبت یہ والدین کا اولاد کے رخسار پر بوسہ دینا ہے دوسرا بوسہ رحمت، یہ اولاد کا والدین کے سر کا بوسہ لینا ہے تیسرا بوسہ شہوت یہ بوسہ مرد کا ہے اپنی بیوی کے منہ پر چوتھا بوسہ تحیہ یہ وہ بوسہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے کے ہاتھ پر لیتا ہے پانچواں بوسہ وہ ہے جو بہن اپنے بھائی کی پیشانی کا لے۔

بعض علماء کے نزدیک مردوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ اور چہرے کا بوسہ لینا مکروہ ہے، بعض کے نزدیک

چھوٹے بچے کا بوسہ لینا واجب ہے، حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ زہراء کے سر پر بوسہ دیتے اور فرماتے مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے، جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے سیدہ فاطمہ کے گھر آتے انہیں سینے سے لگاتے اور ان کے سر پر بوسہ دیتے۔ واللہ اعلم

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۴۷۰ / ۱ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ (بخاری)

۴۴۷۱ / ۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ ابْنُ حَابِسٍ قَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِيْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن بن علی کو چوما اس وقت آپ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے تھے انہوں نے عرض کیا میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے انہیں کبھی نہیں چوما آپ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری ومسلم)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَثَمَّ لُكَعُ فِيْ بَابِ مُنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

اثم لکع والی حدیث ابوہریرہ ہم باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کریں گے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذُكِرَ حَدِيْثُ أُمِّ هَانِئٍ فِيْ بَابِ الْأَمَانِ۔

ان شاء اللہ اور حدیث ام ہانی پیچھے باب الامان میں بھی آچکی ہے۔

۵۱ یہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر وفد بنو تمیم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، قبل از اسلام بھی نہایت شریف شخص تھے۔

۵۲ جو مخلوق خدا پر رحمت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نہیں کرتا۔

۵۳ اس حدیث کا ذکر یہاں اس لیے کر دیا گیا ہے کہ بوسے کو معانقہ کے ساتھ اہم مناسبت ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

## دوسری فصل

۴۴۷۲ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَتَفَرَّقَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ قَالَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی دو مسلمان نہیں جو آپس میں ملیں مصافحہ کریں مگر ان کے جدا ہونے سے پہلے دونوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں۔ مصافحہ کریں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور اس سے معافی مانگیں تو دونوں کو بخش دیا جائے۔

۴۴۷۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقٰى أَخَاهُ أَوْ صَدِيْقَهٗ أَيَنْحَنِيْ لَهٗ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَلْتَزِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَأْخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهٗ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے آگے جھکے؟ فرمایا نہیں عرض کیا کیا اس سے لپٹ جائے، اور اسے چومے؟ فرمایا نہیں عرض کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرے؟ فرمایا ہاں۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

ؔ۱ انحنا سر اور پشت کے جھکانے کو کہا جاتا ہے، اسی طرح بعض حواشی میں ہے علامہ طیبی نے امام محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ پشت کا جھکانا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے اگرچہ بہت سے لوگ جو اہل علم و فضل ہیں ایسا کرتے ہیں لیکن ان کے عمل کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا مطالب المومنین میں شیخ ابو منصور سے منقول ہے اگر کسی کے سامنے زمین پر بوسہ دیا یا پشت جھکادی یا سرنگوں کر دیا تو کافر نہیں بلکہ گناہ گار ہوگا کیونکہ یہاں مقصود تعظیم تھی عبادت نہ تھی، بعض مشائخ اس معاملہ میں بہت سخت ہیں ان کی رائے میں سر جھکانا انسان کو کفر کے قریب کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ؔ۲ جو لوگ بوسہ اور معانقہ کو مکروہ جانتے ہیں وہ اسی حدیث میں استدلال کرتے ہیں جس طرح کہ ہم نے امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ سے پیچھے نقل کیا تھا، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ مکروہ تب ہے جب اس سے خوشامد اور چاپلوسی مقصد ہو۔ باقی کسی کو الوداع کہتے وقت اور سفر سے واپس آنے پر، یا کافی دیر کے بعد ملاقات ہونے پر یا اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کے غلبے کے موقع پر بوسہ دینا جائز ہے، بوسہ دے تو منہ پر بوسہ نہ دے بلکہ ہاتھ یا پیشانی پر دے اور کسی عالم دین، زاہد یا بڑی عمر والے کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔

۴۶۷۴/۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُکُمْ یَدَہٗ عَلٰی جَبْھَتِہٖ اَوْ عَلٰی یَدِہٖ فَیَسْاَلُہٗ کَیْفَ ھُوَ وَ تَمَامُ تَحِیَّاتِکُمْ بَیْنَکُمُ الْمُصَافَحَۃُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ ضَعَّفَہٗ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مریض کی کامل عیادت یہ ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا ہاتھ اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر رکھے پھر پوچھے کہ وہ کیسا ہے؟ اور تمہارے درمیان کامل تحیۃ مصافحہ ؔ۱ ہے۔ (احمد، ترمذی نے ضعیف کہا ہے)۔

ؔ۱ یعنی جب سلام کرو تو مصافحہ بھی کرو تاکہ سلام مکمل ہو جائے۔

۴۶۷۵/۶ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَۃَ الْمَدِیْنَۃَ

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت زید بن حارثہ ؔ۱ جب

وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَاہُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرْیَانًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ وَ اللّٰہِ مَا رَاَیْتُہٗ عُرْیَانًا قَبْلَہٗ وَ لَا بَعْدَہٗ فَاعْتَنَقَہٗ وَ قَبَّلَہٗ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

مدینہ طیبہ آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف فرما تھے وہ آپ کے پاس آئے انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ (اوپر والی چادر اوڑھے بغیر) اور کپڑا کھینچتے[۵۲] ہوئے ان کی طرف بڑھے بخدا میں نے کبھی آپ کو برہنہ نہیں دیکھا نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد، آپ نے انہیں گلے لگالیا[۵۳]، اور انہیں چوما۔ (ترمذی)

ؔ۵۱ یہ حضور علیہ السلام کے نہایت ہی مقبول و مقرب تھے ابتداء میں آپ کو حضور کا منہ بولا بیٹا بھی کہا جاتا تھا۔

ؔ۵۲ یہ شدت فرحت و خوشی کی وجہ سے تھا۔

ؔ۵۳ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کبھی ایسے حال میں برہنہ (اوپر والی چادر لیے بغیر) اور اس قدر شوق کے ساتھ کسی کا استقبال کرتے ہوئے نہیں دیکھا سیدہ عائشہ کا یہ قول کہ میرے گھر میں تھے اس سے مقصود یا تو بیان واقع ہے یا مقصود مبالغہ ہے کہ آپ اتنے خوش ہوئے کہ میرے خلوت خانہ سے اس جلدی کے ساتھ آپ باہر تشریف لائے۔

ؔ۵۴ یہ حدیث اور حدیث جعفر بن ابی طالب دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ معانقہ اور بوسہ جائز ہیں اور مختار بھی یہی ہے اور سفر سے واپسی کے موقع پر معانقہ اور بوسہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

۴۴۷۶ وَعَنْ اَیُّوْبَ بْنِ بُشَیْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَۃَ اَنَّہٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَافِحُکُمْ اِذَا لَقِیْتُمُوْہُ قَالَ مَا لَقِیْتُہٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِیْ وَ بَعَثَ اِلَیَّ ذَاتَ یَوْمٍ وَلَمْ اَکُنْ فِیْ

حضرت ایوب بن بشیر، قبیلہ عنزہ کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا آپ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتے تو حضور آپ سے مصافحہ کیا کرتے تھے فرمایا ہاں جب بھی میں آپ سے ملا آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا، ایک دن آپ نے پیغام بھیجا، لیکن میں گھر پر نہ تھا جب گھر آیا تب مجھے اطلاع[۵۵] دی گئی

اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهٗ وَ هُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَ اَجْوَدَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

بیں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ایک تخت پر تشریف فرما تھے آپ نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا یہ معانقہ بہت[۳] اچھا اور بہت[۴] اچھا تھا۔

(ابوداؤد[۵] شریف)

۱ بُشیر با پیش، شین پر زبر اور یا ساکن ہے یہ بصرہ کے رہنے والے اور قبیلہ عدو سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ مجہول ہیں۔

۲ مجھے اطلاع دی گئی کہ تجھے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاد فرمایا ہے۔

۳ یہ معانقہ دوسروں کے معانقہ سے بہتر تھا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصافحہ سے بڑھ کر تھا کیونکہ اس میں فیضان، ایصال ذوق، راحت وسکون اس سے بڑھ کر میسر آیا

۴ تکرار، تاکید اور پختگی کے لیے ہے۔

۵ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معانقہ اظہار محبت وشفقت کے لیے سفر سے واپسی کے علاوہ بھی جائز ہے۔

۴۴۷۷ وَعَنْ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جِئْتُهٗ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر[۱] ہوا تو آپ نے فرمایا، مہاجر سوار خوش آمدید[۲]۔

(ترمذی شریف)

۱ بیعت اسلام کے لیے۔

۲ رَحُبَ۔ کشادہ جگہ کو کہتے ہیں، یہ ایسے کلمات ہیں جو خوشی وفرحت کے موقع پر کہے جاتے ہیں، امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع میں حضرت مصعب بن عبد اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو ان کی طرف استقبال کے لیے بڑھے، گلے لگایا اور فرمایا اے ہجرت کرنے والے خوش آمدید، عکرمہ بن ابی جہل حضور علیہ السلام کے ساتھ اپنے باپ کی وجہ سے شدید عداوت رکھتا تھا، مشہور شہسوار تھا فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن چلا گیا بعد میں ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث حضور کی خدمت اقدس میں آئیں اسلام لائیں اور

مخلص ترین مسلمان بن گئیں اور اپنے خاوند کے لیے حضور سے تمام غلطیوں پر معافی مانگ لی آپ نے ان کو پناہ دے دی ان کے بہت سے مناقب و فضائل ہیں اس حدیث کو یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ خوش آمدید کہنے کو مصافحہ کے ساتھ مناسبت ہے۔

۴۶۷۸ وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ وَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْنِيْ قَالَ اصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَّلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهٖ فَاحْتَضَنَهٗ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُّ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

انصار کے ایک شخص حضرت اسید بن حضیر انصاری[۵۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، راوی کہتے ہیں کہ وہ قوم سے بات چیت کر رہے تھے اور ان کی طبیعت میں مزاح[۵۲] تھا اس لیے وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ پر چھڑی[۵۳] لگائی، انہوں نے عرض کیا مجھے آپ قصاص دیجئے[۵۴] فرمایا: قصاص لے لو عرض کیا آپ نے قمیص پہنی ہوئی ہے میرے جسم پر قمیص[۵۵] نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک قمیص اٹھا دی تو وہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گئے اور آپ کی کوکھ مبارک کے بوسے لینے شروع کر دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ[۵۶] میرا یہی مقصد تھا۔

(ابوداؤد)

۵۱ اسید بن حضیر دونوں تصغیر کے صیغے ہیں، انصار میں سے بہت بڑے فاضل اور نقباء میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ، مقام بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے، حضور علیہ السلام نے ان کے اور زید بن حارثہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔

۵۲ مزاح۔ میم کے نیچے زیر ہے اس کا معنی مذاق کرنا ہے میم پر پیش بھی پڑھا گیا ہے۔

۵۳ آپ نے بھی اس کے ساتھ خوش خلقی کا اظہار فرمایا، آپ کے اس عمل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے مزاح کرنا اور اس کا سننا جائز ہے، اپنے سے ادنیٰ کے ساتھ خوش ہو کر ملاقات کرنا اشراف کا طریقہ ہے۔

ف ۵۴ یعنی مجھے بھی اجازت دیں تاکہ میں بھی آپ کی کمر کو چھڑی لگا کر قصاص لے سکوں، اصبار، اصطبار قصاص لینے کے معنی میں آتا ہے۔

ف ۵۵ اگر میں قمیص کے باوجود قصاص لیتا ہوں تو اس میں برابری نہ ہو گی۔

ف ۵۶ میں قصاص نہیں بلکہ آپ کے جسم اطہر کا بوسہ لینا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو پوری فرمادی۔ دلِ عشاق حیلہ گر باشد، عاشقوں کا دل حیلے تلاش کرتا ہے۔

ف ۵۷ یاد رہے کہ مصابیح کی اس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ مزاح کرنے والے اور قصاص کا مطالبہ کرنے والے خود اسید بن حضیر تھے لیکن جامع الاصول کی روایت سے پتا چلتا ہے کہ وہ کوئی اور آدمی تھے اسید بن حضیر نے ان کا واقعہ بیان کیا ہے، علامہ طیبی نے مذکورہ حدیث کی توجیہ کرکے اسے دوسری روایت کے موافق بنانے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے ایسے تکلفات کا ارتکاب کیا ہے جس کی وجہ سے کلام اپنے ظاہری معنی سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ تکلف انہیں اس لیے کرنا پڑا کہ حضرت اسید بن حضیر عظیم اور نقباء صحابہ میں سے ہیں ان سے ایسی بات بعید ہے۔ واللہ اعلم

۴۴۷۹ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقّٰى جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهٗ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ ـ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ مُتَّصِلًا)

حضرت شعبی ف۱ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب سے ملے تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ ف۲ دیا۔ (ابو داود اور بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں مرسلاً روایت کیا مصابیح کے بعض نسخوں اور شرح السنۃ میں بیاضی ف۳ سے متصلاً مروی ہے۔

ف ۱ یہ تابعین میں سے ہیں۔

ف ۲ یہ وہی واقعہ ہے جو حبشہ سے واپسی کے موقع پر پیش آیا تھا جس طرح کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے یا ممکن ہے کوئی دوسرا موقع ہو۔

ف ۳ بیاضی، باء پر زبر، یاء مخفف اور نقطے والا ضاد یہ بیاضہ بن عامر کی طرف منسوب ہیں اور یہ حدیث اس لیے متصل ہے کہ یہ صحابی ہیں، جامع الاصول میں ہے کہ جب بیاضی کا ذکر بغیر نام لیے ہو تو اس سے مراد عبداللہ بن جابر بیاضی ہیں

ہوتے ہیں ابن مندہ سے مروی ہے کہ یافعی سے مراد وہ آدمی ہیں جن سے ابوادم التمارنے روایت کی اور امام مالک نے ان کی روایت باب الصلوٰۃ میں مسئلہ قرات بالجہر کے سلسلے میں موطا میں نقل کی اور ان کا نام عبداللہ بن جابر بیان کیا گیا ہے۔

۴۴۸۰ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ قِصَّتِہٖ رُجُوْعِہٖ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَۃِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَتَلَقَّانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِیْ ثُمَّ قَالَ مَا اَدْرِیْ اَنَا بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَ وَافَقَ ذٰلِكَ فَتْحَ خَیْبَرَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حبشہ[۱] سے واپسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حبشہ سے چلے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ پہنچے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ خیبر کی فتح سے زیادہ خوش ہوا ہوں یا جعفر کے آنے سے اور اتفاقاً[۲] یہ آمد[۳] فتح خیبر کے دن ہوئی تھی۔ شرح السنہ[۴]۔

[۱] ہجرت حبشہ سے واپسی کا موقع مراد ہے۔

[۲] یہ راوی کا کلام ہے جو حدیث کے سمجھنے میں معاون ہے۔

[۳] امام سمہودی نے تاریخ مدینہ وفاءالوفا باخبار دارالمصطفیٰ میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی کے شیخ حضرت سفیان بن عیینہ، امام مالک کے پاس آئے امام مالک نے معافحہ کیا اور فرمایا میں معانقہ بھی کرتا اگر بدعت نہ ہوتا سفیان کہنے لگے کہ مجھ سے اور آپ سے بہتر ذات نے معانقہ کیا ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر بن ابی طالب سے معانقہ فرمایا اور بوسہ دیا جب وہ حبشہ سے واپس آئے تھے، امام مالک نے فرمایا یہ جعفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ سفیان کہنے لگے نہیں یہ حکم عام ہے ہمارا اور حضرت جعفر کا ایک ہی حکم ہے، اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو مجھے اجازت دیں میں آپکی مجلس میں حدیث بیان کروں امام مالک نے فرمایا ہاں میں اجازت دیتا ہوں پھر سفیان نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی اور امام مالک خاموش رہے۔

۴۴۸۱ وَعَنْ زِرَاعٍ وَ کَانَ فِیْ وَفْدِ عَبْدِ الْقَیْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ فَجَعَلْنَا

حضرت زراع[۱] رضی اللہ عنہ جو وفد عبد القیس میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم شہر مدینہ پہنچے تو ہم جلدی جلدی سواریوں

نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ رِجْلَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

سے اترنے لگے اور ہم نے اپنے کریم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے[2]۔ (ابوداؤد شریف)

۵۱ زارع۔ فاعل کے وزن پر زراعت سے مشتق ہے۔

۵۲ اس حدیث نے واضح کردیا کہ پاؤں چومنا جائز ہے سابقاً ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا دوسری روایت میں ہے کہ وفد کے اکثر ارکان نے ایسی جلدی کا مظاہرہ کیا اگرچہ یہ شوق و محبت کی بنا پر تھا، ان میں سے ایک آدمی جس کا نام اشج تھا اس نے ایسا نہ کیا بلکہ پہلے وہ اپنی منزل اور رہائش گاہ پر گئے تازہ غسل کیا سفید کپڑے پہنے مسجد نبوی میں آکر دو نفل ادا کیے اور اس کے بعد بڑے ہی خضوع و خشوع اور اطمینان سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کی زیارت و محبت سے باریاب ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور اس ادب کو پسند فرمایا اور فرمایا: تم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، حلم اور وقار

۴۶۸۲ / ۱۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَّ هَدْيًا وَّ دَلًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَّ كَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَ اَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَ اَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہیئت[1]، عادت، صورت اور ایک روایت میں ہے بات[2] اور گفتگو میں حضور علیہ السلام سے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا جب آپ حضور علیہ السلام کی خدمت[3] میں آتیں آپ کھڑے ہو جاتے ان کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ[4] پر بٹھاتے اور جب آپ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ حضور علیہ السلام کا مبارک ہاتھ پکڑ کر چومتیں اور وہ آپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابوداؤد)

۵۱ سمت، سین پر زبر، میم ساکن، بہتر روش۔ ھدی سمت کے وزن پہ کبھی اچھی سیرت، جس طرح کہ خطبہ مسنونہ

میں ہے بہترین سیرت، سیرت محمد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ۔ دال پر زبر، لام مشدد معنی میں ھدیٰ کے قریب ہے ان دونوں سے سکون ووقار، صورت وسیرت اور شمائل مراد ہے (کذا فی الصراح) اس بیان سے واضح ہوگیا کہ یہ تینوں قریب المعنی ہیں۔ علامہ توریشتی کہتے ہیں کہ ہمت سے خشوع، خضوع اور تواضع، ھدی سے سکون ووقار اور دَلّ سے حسن خلق اور حسن کلام مراد ہے۔

۲؎ دونوں اگرچہ متحد المعنی ہیں لیکن علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ حدیث سے مراد بات اور گفتگو ہے اور کلام ہے اس کا طریقہ و روشن مراد ہے الغرض ان امور میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کے کوئی مشابہ نہ تھا۔

۳؎ اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ السلام کے ہاں مقام، محبت اور سیدہ فاطمہ کی آپ سے محبت اور ادب و احترام کا بیان ہے۔

۴؎ اپنی نشست گاہ خالی فرمادیتے اور سیدہ فاطمہ کو وہاں بٹھاتے رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۴۴۸۳/۱۴ وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ اَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَاِذَا عَآئِشَۃُ بِنْتُہٗ مُضْطَجِعَۃٌ قَدْ اَصَابَھَا حُمّٰی فَاَتَاھَا اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ کَیْفَ اَنْتِ یَا بُنَیَّۃُ وَقَبَّلَ خَدَّھَا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت براء[۱] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں آمد کے ابتدائی دنوں میں گیا[۲]، تو ان کی بیٹی سیدہ عائشہ لیٹی ہوئی تھیں، انہیں بخار تھا حضرت ابوبکر ان کے پاس آئے اور کہا بیٹی طبیعت کیسی ہے؟ اور ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔

(ابوداؤد شریف)

۱؎ یہ مشہور صحابی ہیں۔

۲؎ ان کے گھر میں ان کے ساتھ داخل ہوا۔

۴۴۸۴/۱۵ وَعَنْ عَآئِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِصَبِیٍّ فَقَبَّلَہٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّھُمْ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ وَ اِنَّھُمْ لَمِنْ رَیْحَانِ اللّٰہِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بچہ لایا گیا، آپ نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا: یہ بخیل[۱] اور بزدل[۲] بنانے والے ہیں اور یہ[۳] اللہ کے اعلیٰ[۴] و افضل رزق میں سے ہیں۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ) (شرح السنۃ)

لے جب بچے ہوں تو آدمی ان کے علاوہ مال خرچ نہیں کرتا بلکہ ان پر بھی کم خرچہ کرتا ہے کہیں یہ کسی کے محتاج نہ ہو جائیں۔

ل۲ یعنی وہ آدمی جہاد میں شرکت نہیں کرتا، کہیں وہ قتل اور اولاد بے کس نہ ہو جائے ان دونوں لفظوں (مَبْخَلَۃ، مَجْبَنَۃ) میں میم پر زبر اور بعد والا حرف ساکن ہے۔

ل۳ ایک اعتبار سے بچوں کی مذمت فرمائی تھی لیکن اس جملہ میں تعریف کی ہے۔

ل۴ یہ اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہیں جو اپنے خصوصی فضل سے عطا کرتا ہے، ریحان۔ روح سے مشتق ہے جس کا معنی عیش و عشرت ہے اور رزق اس کا سبب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ اس سے مراد رزق اور رحمت ہے یا ریحان سے مراد وہ پھول وغیرہ ہیں جن کو سونگھنے سے خوشبو آتی ہو۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۴۸۵ / ۱۶ عَنْ یَعْلٰی قَالَ اِنَّ حَسَنًا وَّ حُسَیْنًا اِسْتَبَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضَمَّہُمَا اِلَیْہِ وَ قَالَ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت یعلیٰ[1] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں دوڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کی طرف آئے تو آپ نے دونوں کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا اولاد بخیل[2] اور بزدل بنانے والی ہے۔

(مسند احمد)

لے اس نام کے دو راوی ہیں یعلیٰ بن امیہ اور یعلیٰ بن مرّہ دونوں صحابی ہیں، اس جگہ دونوں میں سے کوئی ایک مراد ہے لیکن مختار یہی ہے کہ پہلے مراد ہیں۔

ل۲ اس جگہ مقصد مذمت نہیں بلکہ بیان محبت و شفقت ہے ہاں ما سبق میں کراہت و مذمت تھی۔

۴۴۸۶ / ۱۷ وَعَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا یَذْھَبِ الْغِلُّ وَ تَھَادَوْا

حضرت عطا خراسانی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس میں مصافحہ کیا کرو کینہ[1] جاتا رہے گا ایک دوسرے کو ہدیے اور تحفے دیتے رہا کرو تم میں محبت پیدا ہو جائیگی

تَحَابُّوْا وَ تَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ۔ اور دشمنی جاتی رہے گی۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا) (امام مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے)

؎۱ یہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں اور ثقہ ہیں، یہ خراساں کے رہنے والے تھے والد کا نام ابو مسلم بلخی ہے ملک شام میں قیام پذیر ہوئے ان کی ولادت پچاس ہجری اور وصال ایک سو پینتیس ہجری کو ہوا ان سے امام مالک، امام اوزاعی نے روایت لی اور یہ صحابہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

۴۴۸۷/۱۸ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا قَبْلَ الْهَاجِرَةِ فَكَاَنَّمَا صَلَّاهُنَّ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَ الْمُسْلِمَانِ اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ اِلَّا سَقَطَ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دوپہر سے پہلے چار رکعات ادا کیں گویا اس نے لیلۃ القدر میں ادا کیں اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان جو گناہ؎ ہوتے ہیں وہ تمام جھڑ جاتے ہیں۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) (امام بیہقی، شعب الایمان)

؎۱ ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ مصافحہ تمام گناہوں کے جھڑ جانے کا سبب بنتا ہے علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ یہاں "ذنب" سے مراد کینہ و دشمنی ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں تھا کہ مصافحہ کینہ ختم کرنے کا ذریعہ ہے لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ مصافحہ اکثر طور پر دوست اور احباب کے درمیان ہوتا ہے خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کی شان میں نص قطعی وارد ہے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (وہ آپس میں رحیم ہیں) ہے اگر باقی ذنوب کے ضمن میں کینہ اور دشمنی بعض مقامات پر ساقط ہو جاتی ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

# بَابُ الْقِيَامِ

## ۳۱۰۔ تعظیم کیلئے کھڑے ہونے کا بیان

قیام سے مراد وہ متعارف قیام ہے جو مجلس میں کسی آنے والے شخص کے لیے کیا جاتا ہے۔ کیا یہ عمل زمانِ نبوت میں تھا یا نہیں؟

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ مجلس میں آنے والے شخص کے لیے قیام سنت ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ (اپنے سردار کے لیے اٹھو) اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

بعض کے نزدیک یہ مکروہ و بدعت اور ممنوع ہے جس طرح کہ حدیث انس سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام قیام صحابہ کو مکروہ و ناپسند فرماتے، حدیث ابو امامہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیام نہ کیا کرو کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت اور طریقہ ہے، اس مسئلہ پر شرح میں تفصیلی گفتگو آئے گی۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

### پہلی فصل

۴۴۸۸ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَۃَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِّنْہُ فَجَآءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ[۱] حضرت سعد کے حکم پر اترے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[۲] نے انہیں بلا بھیجا اور وہ آپ کے قریب تھے چنانچہ وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے اور جب مسجد کے قریب[۳] پہنچے تو آپ نے انصار کو فرمایا، اٹھو اپنے سردار

لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ. ۔۔۔ کی طرف۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَمَعْنَى الْحَدِيْثِ ۔۔۔ (بخاری و مسلم) (یہ طویل حدیث ۵۶ باب حکم

بِطُوْلِهٖ فِيْ بَابِ حُكْمِ الْاُسَرَاءِ. ۔۔۔ الاسرا میں گزر چکی ہے ۵۶)۔

۵۱ یہ یہود کا ایک قبیلہ تھا، نبی اکرم نے غزوہ خندق کے بعد پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا، یہودی قلعہ سے حضرت سعد کے حکم پر نیچے اترے، کیونکہ حضرت سعد قبیلہ اوس کے سربراہ تھے اور یہ لوگ ان کے حلیف تھے انہوں نے سوچا کہ شاید سعد ہمارے لیے بہتر فیصلہ کریں گے وہ نیچے آئے اور انہوں نے کہا ہمیں پناہ دے دو جو فیصلہ حضرت سعد بن معاذ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔

۵۲ تاکہ وہ بنو قریظہ کے بارے میں اپنا فیصلہ بتائیں۔

۵۳ وہ غزوۂ خندق میں زخمی ہوگئے تھے، ابھی زخم سے خون جاری تھا آپ کا پیغام پہنچا زخم باندھ کر چل پڑے۔

۵۴ ظاہراً مسجد سے مراد مسجد نبوی ہوتی ہے جو مدینہ طیبہ میں ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ آپ نے تو بنو قریظہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور وہ جگہ مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے، شاید یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہو جہاں آپ نے مدت قیام کے دوران نماز ادا فرمائی ہو لہٰذا مسجد سے معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ جائے نماز مراد ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں ان دنوں مسجد تعمیر کردی گئی ہو، اب جو وہاں مسجد ہے وہ بھی اسی جگہ پر ہے جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

۵۵ اس سے مراد قبیلہ اوس کے لوگ ہیں کیونکہ حضرت سعد انہیں کے سربراہ تھے۔

۵۶ اس سے متعلقہ مسائل پر وہاں ہی تفصیلی گفتگو کردی گئی ہے۔

۵۷ علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اہل علم و فضل کے لیے قیام جائز ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس قیام سے وہ قیام مراد نہیں جو مجلس میں آنے والے کے لیے بطور تعظیم و تکریم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے یہ کہتے ہوئے منع کیا گیا ہے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے اور حضور علیہ السلام نے تمام ظاہری حیات میں اسے ناپسند فرمایا، علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر یہ قیام مراد ہوتا تو قوموا الی سید کم کی جگہ قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ کے الفاظ ہوتے یہاں قیام سے مراد سواری سے اترنا میں مدد کرنا ہے تاکہ ان کے زخم سے خون بہنا شروع نہ ہو جائے، میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس جگہ قیام ان کی توقیر و تعظیم کے لیے ہو اور آپ نے تعظیم و تکریم کا حکم اس لیے دیا ہو کہ یہاں ان کے حکم کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے پس ان کی عظمت کا اظہار کیا جائے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے

اس لیے یہاں قیام کو بطور تعظیم ماننا مقام کے زیادہ لائق اور مناسب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ روایات میں جو یہ آیا ہے کہ حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی آمد کے موقع پر آپ کھڑے ہوئے یا عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ میرے لیے کھڑے ہوئے یہ تمام صحیح نہیں ان روایات کے ضعف کی وجہ سے ان سے استدلال درست نہیں، اور اگر یہ روایات ثابت بھی ہوں تو اس مقام پر رخصت ہوگی یہاں قیام وقت کا تقاضا ہو مثلاً عکرمہ سرداران قریش اور عدی، بنی طی کے سربراہ تھے آپ نے ان کے تالیف قلب کے لیے قیام مناسب سمجھا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی رئیس ہونے کی وجہ سے خواہش ہو اور آپ نے ان کے حال سے آگاہی کے بعد ایسا کیا ہو (کذا قال الطیبی) یہ بات مخفی نہ رہے کہ پیچھے گذرا ہے کہ حضور علیہ السلام سیدہ فاطمہ کی آمد اور سیدہ فاطمہ حضور علیہ السلام کی آمد کے موقع پر قیام کیا کرتے تھے اس کی یہ تاویل کرنا کہ یہ قیام بطور محبت تھا نہ کہ بطور تعظیم و توقیر نہایت ہی بعید ہے اور طیبی نے محی السنۃ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی بنا پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اہل علم و فضل کے لیے قیام جائز ہے۔

امام محی السنۃ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل فضل کی آمد پر ان کیلیے قیام مستحب ہے اور اس بارے میں احادیث موجود ہیں اور اس بارے میں صراحۃً منع پر کوئی حدیث نہیں، مطالب المومنین میں قنیہ سے منقول ہے کہ کسی آنے والے کے احترام میں قیام لذاتہ مکروہ نہیں ہے بلکہ محبت قیام مکروہ ہے یعنی اس شخص کے لیے جو اسے چاہتا ہو مکروہ ہے اگر وہ چاہتا نہیں تو اس کے لیے قیام مکروہ نہیں۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے قیام ممنوع ہوگا کہ وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھنے تک کھڑے رہیں۔

جس طرح کہ حدیث میں آیا ہے اور دنیادار کے لیے کسی دنیاوی غرض کے لیے قیام پر سخت وعید ہے اور یہ عمل انتہائی مکروہ ہے۔

۴۴۸۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ وہاں خود بیٹھ جائے ہاں جگہ دے دیا کرو اور جگہ دو[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] خود جگہ بنا دو تاکہ کسی کو اٹھانا نہ پڑے۔

ــ۲ــه بعض نسخوں میں ہے کہ وہ یہ کہے کہ جگہ دو اور جگہ وسیع کرو مگر اکثر صحیح نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

۴۴۹۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اگر اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے پھر واپس آجائے تو اس جگہ کا[1] وہی زیادہ حقدار ہے۔ (مسلم)

ــله اسے وہاں ہی بیٹھنا مناسب ہے اگر دوسرا وہاں بیٹھ گیا تو اسے اٹھا بھی سکتا ہے، علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ تب ہے جب واپسی کے ارادے سے اٹھا ہو مثلاً وضو کرنے یا کوئی اور ضروری کام تھا لیکن اگر وہ مجلس سے اٹھ کر کہیں دور کام کے لیے چلا جاتا ہے تو پھر وہ اس جگہ کا حق دار نہ ہوگا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۴۹۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ یَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْهِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِیَتِهٖ لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو حضور سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا وہ جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام کو ناپسند رکھتے ہیں[1]۔ (ترمذی نے اسے روایت کرکے کہا یہ حدیث صحیح ہے)۔

ــله علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ ناپسندیدگی کامل محبت، راسخ الفت، باطن کی صفائی اور تالیف قلوب کی بنا پر تھی یہ امور تکلف اور وحشت کے دور کرنے کا ذریعہ اتحاد اور یگانگت کے پائے جانے کے اسباب ہیں۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ قیام اور ترک قیام میں زمانہ احوال اور اشخاص کا اعتبار کیا جائے گا اسی لیے کسی جگہ قیام کیا ہے اور کسی جگہ نہیں کیا، اسی بیان سے مختلف احادیث میں تطبیق بھی ہوگی اور حدیث کا یہ جملہ کہ آپ سے بڑھ کر صحابہ کسی کو محبوب نہ سمجھتے تھے واضح کر رہا ہے کہ محبوب کی تعظیم و توقیر اور ہیبت و جلال تقاضائے محبت ہے اس کے باوجود حضور کی

ناپسندیدگی کی وجہ سے وہ کھڑے نہ ہوتے تاکہ آپ کی اطاعت و رضا حاصل ہو جائے، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اَلْاِطَاعَۃُ فَوْقَ الْاَدَبِ اطاعت کا درجہ ادب سے بلند ہے۔

اور بقول علامہ طیبی ان کا بیٹھنا ہی کمال محبت کا تقاضا تھا گویا یہ اب بعد کا جملہ کہ صحابہ آپ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے پہلے کلام کا ثمر اور نتیجہ ہے۔

۴۴۹۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔
۵

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ میرے لیے لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے[۱] ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ[۲] میں بنائے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ قیام مصدر برائے تاکید ہے یا یہ قائم کی جمع ہے۔

۲؎ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ قیام مکروہ و ممنوع ہے جو خود انسان کی خواہش ہو کہ لوگ میری تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اور یہ بطور تکبر ہو اور جہاں یہ چیزیں نہ ہوں وہاں قیام مکروہ نہ ہوگا۔

۴۴۹۳ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا۔
۶

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف لائے، ہم تمام آپ کے لیے کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا، تم اس طرح کھڑے نہ ہوا کرو جس طرح[۱] عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

(ابوداؤد)

۱؎ اصل قیام میں تشبیہ ہے یا اس کی اس کیفیت کا بیان ہے کہ ان میں سے کوئی بڑا آدمی آجاتا تو اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور اضطراب و پریشانی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور اس کی تعظیم کے لیے پاؤں پر کھڑے رہتے اس کی طرف آپ نے بعد کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے اس توجیہ سے واضح ہوا کہ اصل قیام منع نہیں بلکہ وہ قیام منع ہے جو بطور تعظیم و تکریم ہو (یعنی بڑا آدمی بیٹھا رہے اور عوام دست بستہ ہی کھڑے رہیں۔

۴۴۹۴ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ جَاءَنَا اَبُوْبَكْرَةَ فِيْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهٗ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَاَبٰى اَنْ يَجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ذَا وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهٗ بِثَوْبِ مَنْ لَمْ يَكْسُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سعید بن ابی الحسن[۱] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک گواہی میں حضرت ابوبکرہ[۲] ہمارے پاس آئے تو ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لیے جگہ خالی کر دی انہوں نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے[۳] اور آپ نے اس سے بھی منع کیا ہے کوئی اپنے ہاتھ ایسے کپڑے سے پونچھے جو اس نے دوسرے شخص کو نہیں پہنایا[۴]۔

(ابوداؤد شریف)

۱؎ یہ تابعی ثقہ اور امام حسن بصری کے بھائی ہیں، آپ کے والد گرامی کا نام ابوالحسن ہے ان کا وصال اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ایک سو نو ہجری میں ہوا، انہوں نے حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بھائی اور قتادہ نے روایت کی ہے۔

۲؎ ابوبکرہ نفیع بن حارث ثقفی، نون پر پیش۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

۳؎ ظاہر حدیث اس بات پر دال ہے کہ دونوں کا مجموعہ (قیام اور اس جگہ دوسرے شخص کا بیٹھنا) منع ہے یہ بھی ممکن ہے کہ مقصد محض قیام کا بیان ہو اور دوسرا اس پر خود بخود متفرع ہو جائے گا کیونکہ جب قیام منع ہے تو اس جگہ بیٹھنا بھی مکروہ ہوگا۔

۴؎ کھانے کے بعد ہاتھ بیگانے کے کپڑے کے ساتھ صاف نہ کیے جائیں، لیکن اگر بیٹے، خادم یا غلام کا کپڑا ہو جسے اس نے کپڑے دیئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۴۹۵ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَهٗ اَوْ بَعْضَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے اور اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور واپس آنے کا ارادہ فرماتے تو نعلین مبارک[۱] اور وہ چیز[۲] جو آپ پر ہوتی اسے چھوڑ

مَا يَكُوْنُ عَلَيْهِ فَيَعْرِفُ ذٰلِكَ أَصْحَابُهٗ فَيَثْبُتُوْنَ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ)

جاتے جس سے آپ کے صحابہ پہچان[۴] جاتے اور بیٹھے رہتے۔
(ابوداؤد شریف)

[۱] آپ ننگے پاؤں گھر تشریف لے جاتے۔
[۲] مثلاً چادر مبارک یا کوئی اور کپڑا۔
[۳] کہ آپ دوبارہ مجلس میں تشریف لائیں گے۔
[۴] متفرق نہ ہوتے بلکہ انتظار کرتے۔

۴۴۹۶/۹ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ بِاَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ دو اشخاص[۱] کے درمیان بغیر ان کی اجازت[۲] علیحدگی کرے
(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] تاکہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو جائے جو آپس میں علاقہ محبت و اخوت رکھتے ہوں۔
[۲] اگر ان دونوں میں علاقہ محبت کا علم ہو تو ان کے درمیان نہ بیٹھو اور اگر علاقۂ محبت معلوم نہ ہو تو پھر بھی بیٹھنے میں احتیاط کی جائے۔

۴۴۹۷/۱۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجْلِسْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ إِلَّا بِإِذْنِهِمَا۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔
(ابوداؤد شریف)

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۶۹۸ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِهٖ۔
(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما ہو کر گفتگو فرماتے جب آپ کھڑے ہوتے ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہم ملاحظہ کرتے کہ آپ بعض ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے گئے ہیں۔
(بیہقی)

۴۶۹۹ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَهٗ۔
(رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ)

حضرت واثلہ بن خطاب[1] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا حالانکہ آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ اس کی خاطر سمٹ کر بیٹھ گئے اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ جگہ کافی ہے آپ نے فرمایا مسلمان کا حق ہے کہ جب اسے اس کا بھائی دیکھے تو اس کے لیے کچھ سمٹ[2] کر بیٹھے۔
(بیہقی شریف)

[1] ان کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تعلق ہے قرشی و عدوی ہیں یہ صحابی ہیں اور دمشق میں قیام پذیر رہے۔ انہوں نے ایک ہی حدیث روایت کی ہے اور وہ یہی ہے۔
[2] خواہ، جگہ تنگ ہو یا نہ ہو، مسلمان کے احترام و اکرام کی خاطر ایسا اہتمام کرنا چاہیے۔

# بَابُ الْجُلُوْسِ وَالنَّوْمِ وَالْمَشْيِ

## ۱۳۱۔ بیٹھنے، سونے اور چلنے کا بیان

ان تینوں چیزوں کا ذکر عادت کے مطابق ہے کیونکہ آدمی کھانے وغیرہ کے لیے بیٹھتا ہے اس کے بعد سوتا ہے۔ اور پھر اٹھ کر مسجد وغیرہ کی طرف جاتا ہے، جلوس اور قعود کا ایک ہی معنی ہے، بعض ان کے درمیان فرق کرتے ہیں قعود اس بیٹھنے کو کہتے ہیں جو قیام کے بعد ہو اور جلوس اس بیٹھنے کو کہا جاتا ہے جو پہلو کے بل لیٹنے کے بعد یا سجدہ کے بعد ہو (کذا فی القاموس) اس مقام پر بڑی تفصیلی گفتگو ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے، نوم (نیند) پیٹ سے بخارات سر کی طرف جانے کی وجہ سے اعصاب میں جو سستی واقع ہوتی ہے اس سے قوائے مدرکہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اسے نوم کہا جاتا ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
### پہلی فصل

۴۲۵۰ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاۤءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صحن کعبہ میں اپنے ہاتھوں سے حلقہ باندھے ہوئے (بیٹھے) دیکھا۔

(بخاری شریف)

۵ے احتباء: اس سے مراد وہ بیٹھنا ہے جس میں دونوں گھٹنے کھڑے، پاؤں زمین پر اور دونوں بازوؤں سے ان کا حلقہ بنایا جائے خواہ سرین زمین پر ہو یا نہ، کبھی احتباء کپڑے چادر وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے اکثر اگھٹنوں اور کمر کے گرد لپیٹ لیا جاتا ہے اور کبھی دونوں ہاتھوں کے ساتھ، عرب اکثر طور پر اس طریقے پر بیٹھتے ہیں صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کو دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنائے ہوئے دیکھا ہے، کپڑے کے ساتھ بھی آپ کا یہ عمل منقول ہے۔

۴۷۵۰ وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا اِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عباد بن تمیم[۱] اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں گدی کے بل لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھا[۲] ہوا تھا۔ (صحیحین)

[۱] عباد عین پر زبر، باپر شد، یہ عباد بن تمیم بن زید بن عاصم تابعی، انصاری، مازنی مدنی، مشاہیر تابعین اور ان کے ثقہ میں سے ہیں ان کے چچا کا نام عبداللہ بن زید انصاری ہے۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں گدی کے بل لیٹنا جائز ہے بیان کیا گیا ہے کہ ایسا بعض اوقات تھکاوٹ دور کرنے اور طلب راحت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور آپ نے یہ عمل برائے تعلیم جواز فرمایا ورنہ آپ کی عمومی عادت کریمہ اس سے مختلف تھی۔

۴۷۵۰۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی اپنے ایک پاؤں کو اٹھا کر دوسرے پر رکھے جب کہ وہ چت لیٹا ہوا ہو۔ (مسلم)

۴۷۵۰۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی چت نہ لیٹے پھر اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھے[۱]۔ (مسلم)

[۱] یہ دونوں حدیثیں حدیث عباد بن تمیم کے منافی ہیں اور ان کے درمیان علماء نے تطبیق یوں بیان کی ہے کہ ایک پاؤں کا دوسرے پاؤں پر رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک یہ کہ دونوں ٹانگیں بچھائی ہوئی ہوں اور ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھ دے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس حالت میں شرمگاہ کا ننگا ہونا لازم نہیں آتا اور دوسرا طریقہ

یہ ہے ایک پنڈلی کھڑی کر لی جائے اور دوسرے زانوں کو اس پر رکھ لیا جائے یہ صورت ممنوع ہے لیکن یہ بھی تب منع ہے جب شرمگاہ کے ننگے ہونے کا خطرہ ہو اگر خطرہ نہیں مثلاً شلوار پہنی ہوئی ہے یا تہ بند دراز یا قمیص کا پہلو لیا ہے تو پھر بھی حرج نہیں، الغرض جواز اور عدم جواز کا مدار انکشاف شرمگاہ اور عدم انکشاف پر ہے۔

۴۵۰۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِيْ بُرْدَيْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهٗ خَسِفَ بِهِ الْاَرْضُ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی دو چادروں[۵۱] میں تکبر سے چل[۵۲] رہا تھا اور اس کے نفس نے اسے گھمنڈ میں مبتلا کردیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا[۵۳] ہی رہے گا[۵۴]۔ (صحیحین)

۵۱ دھاری دار کپڑوں میں گردن اکڑا کر چل رہا تھا۔

۵۲ وہ آدمی اس امت میں سے تھا یا سابقہ امتوں میں سے، بعض علماء کی رائے میں اس سے مراد قارون ہے یا ممکن ہے کہ یہ بطور فرض و تمثیل ہے تاکہ خوف اور ڈر پیدا ہو۔

۵۳ جلجل، آواز کے ساتھ حرکت کرنا، کہا جاتا ہے تجلاً جل دُف (دف کی آوازیں) اسی سے ہے۔

۵۴ اس حدیث نے واضح کردیا کہ رفتار میں تکبر، فخر و غرور اور اکڑ کر چلنا ناپسند ہے اور اس کا نتیجہ اور انجام نہایت ہی برا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنی پناہ عطا فرمائے رفتار کی دس اقسام ہیں عربی زبان میں ہر ایک کے لیے الگ نام ہے۔

شرح میں ہم نے انہیں ذکر کیا ہے، افضل و اکمل ان میں ہَوْن ہے ہا پر زبر اور واؤ ساکن ہے یعنی جس میں آہستگی کے ساتھ تمام جسم حرکت کرے، تھوڑی سی تیزی ہو یعنی اس میں مردانہ وقار ہو اور عاجزی کا اظہار ہو۔ نہ تو خشک لکڑی کی طرح چلے اور نہ ہی نہایت تیز جس میں اضطراب ہو کیونکہ یہ دونوں اقسام مذموم ہیں اور یہ دل کے مردہ ہونے سر میں غرور اور بے عقلی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کی صفت "ہون" کا ذکر کیا ہے اور اس کی تعریف کی ہے ارشاد ہے۔

وہ بڑے ہی آرام کے ساتھ بغیر تکبر اور بے افسردگی کے زمین پہ چلتے ہیں۔ اس کی تفصیل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک چال کے بیان میں شمائل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

۴۵۰۵ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَۃٍ عَلٰی یَسَارِہٖ۔

حضرت جابر بن سمرۃ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا[2]۔

(ترمذی شریف)

[1] یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص کی بہن کے بیٹے ہیں، ان کی والدہ کا نام خالدہ بنت ابی وقاص ہے۔

[2] تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا سنت ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اگر کوئی تمہیں تکیہ پیش کرے تو رد نہ کرو جس طرح کہ آپ نے خوشبو کے بارے میں فرمایا۔

۴۵۰۶ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ اِحْتَبٰی بِیَدَیْہِ۔ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتباء[1] کرتے۔

(رزین)

[1] اس کا معنی پیچھے بیان کیا جا چکا ہے (گھٹنوں کو پیٹ کے ساتھ لگا کر ان کے گرد دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنایا جائے ۱۲ قادری)۔

۴۵۰۷ وَعَنْ قَیْلَۃَ بِنْتِ مَخْرَمَۃَ اَنَّھَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَآءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت قیلہ بنت مخرمہ[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مسجد میں قرفصاء[2] کی حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا، کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کو عجز و نیاز[3] کی حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں خوف[4] سے کانپ اٹھی

(ابوداؤد شریف)

ــہ۱ قیلہ قاف پر زبر اور یا ساکن ہے یہ عنبر یہ تمیمہ ہیں، بنت مخرمہ میم پر زبر اور خا ساکن
ــہ۲ قُرفُصا۔ قاف پر پیش، را ساکن، فا پر پیش یا زیر، الف ممدودہ اور مقصورہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ قصر کی صورت میں قاف اور فا کے نیچے زیر ہوگی اور قاموس میں ہے کہ قاف اور فا پر تینوں حرکات آ سکتی ہیں، یہ بیٹھنے کی ایک قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سرین پر بیٹھ کر رانوں کو پیٹ کے ساتھ لگایا جائے اور دونوں ہاتھوں کے ساتھ حلقہ بنالیا جائے یا یہ کہ آدمی دونوں پنڈلیوں پر بوجھ ڈال کر بیٹھ جائے رانوں کو پیٹ سے ملائے اور دونوں ہاتھوں کو بغل میں اس طرح رکھے کہ دایاں ہاتھ بائیں بغل میں اور بایاں ہاتھ دائیں بغل میں ہو، یہ عرب کے چرواہوں، بادیہ نشینوں اور غریب لوگوں کے بیٹھنے کا طریقہ ہے اور وہ لوگ جو دل میں اپنی ذمہ داریوں کی فکر، اندیشہ اور خیال رکھتے ہوں ان کا بھی یہی طریقہ ہے، یا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کس مقام میں تھے کہ اس حالت میں بیٹھے تھے پس حضرت قیلہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

ــہ۳ انتہائی عاجزی، تواضع اور ذوق و حضور میں آپ تشریف فرما تھے۔
ــہ۴ فرق، فاء اور راء پر زبر ہے۔ میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔
ــہ۵ امام ترمذی نے شمائل میں بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

۴۵۰۸/۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب فجر کی نماز ادا کر لیتے تو اپنی جگہ پر چار زانو بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج ۱؎ خوب روشن ۲؎ ہو جاتا۔ (ابو داؤد)

ــہ۱ اس زردی سے جو سورج کو وقت طلوع غبار اور بخارات کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے۔
ــہ۲ حسنًا اس میں چند صورتیں ہیں درست یہ ہے کہ حاء اور سین پر زبر ہو طُلُوْعًا حَسَنًا (خوب چمکدار طلوع) یا حاء پر زبر سین ساکن اور ہمزہ ممدودہ یعنی فُعَلَاءَ کے وزن پر ہے اور بعض روایات میں "حِيْنًا"، ہے حاء کے نیچے زیر یا ساکن اس کا معنی زمانہ ہے (یہاں تک کہ سورج کے طلوع کو کچھ وقت گزر جاتا۔

۴۵۰۹/۱۰ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب

كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهٖ الْاَيْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰی كَفِّهٖ۔

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

رات کو دوران سفر کسی جگہ پڑاؤ[۱] فرماتے تو دائیں کروٹ لیٹتے اور جب صبح سے کچھ پہلے کسی جگہ اترتے تو اپنی کلائی کھڑی فرماتے اور اپنی مبارک ہتھیلی پر سر رکھتے۔

(شرح السنۃ)

۱ــہ تعریس، مسافر کا رات کے آخری حصہ میں آرام و نیند کے لیے پڑاؤ کرنا، آپ کی عادت کریمہ تھی اگر پڑاؤ کے وقت رات کافی ہوتی تو دائیں پہلو پہ آرام فرماتے تعریس کے علاوہ بھی آپ کا معمول یہی تھا اگر صبح قریب ہوتی تو ایک ہاتھ کھڑا کر کے سر اقدس ہتھیلی پر رکھتے یہ اس لیے تاکہ نیند غلبہ نہ کرے اور نماز فجر فوت نہ ہو جائے آخری صورت میں تو یہ بات واضح ہے۔ رہا معاملہ پہلی صورت کا تو وہاں دائیں پہلو پر لیٹنے سے نیند کم آتی ہے کیونکہ دل بائیں طرف ہے اور وہ معلق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا سکون و قرار کم ہو جاتا ہے اور اگر بائیں پہلو پر سویا جائے تو دل اپنے مقام پر رہا جس کی وجہ سے نیند خوب آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اطباء دائیں پہلو پر سونے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی غرض نیند سے آرام اور ہضم طعام ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں خوب حاصل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آرام و سکون کی وجہ سے حرارت باطن میں رک جاتی ہے جس کی وجہ سے کھانا جلدی ہضم ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے اگر رات کافی باقی ہوتی تو سر کے نیچے اینٹ رکھ لیتے اور اگر صبح قریب ہوتی تو ایک بازو کھڑا کر کے سر ہتھیلی پر رکھ لیتے تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہو جائے۔

۴۵۱۰/۱۱ وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِّمَّا يُوْضَعُ فِیْ قَبْرِهٖ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَاْسِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض اولاد[۱] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک اسی طرح کا تھا جیسا کہ آپ کی تربت[۲] میں بچھایا گیا اور مسجد آپ کے سر کی جانب ہوتی تھی۔

(ابوداؤد شریف)

۱ــہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سابقہ شوہر سے اولاد تھی ان میں بعض مثلاً حضرت عمر اور زینب نے حضور علیہ السلام کے پاس پرورش پائی ان میں سے کسی نے روایت کی ہے۔

۲ــہ حدیث میں ہے کہ وہ سرخ رنگ کا پرانا کمبل جو آپ نیند کے موقع پر نیچے بچھاتے تھے قبر انور میں بھی

وہی بچھایا گیا اور آپ کا جسد اطہر اس پر رکھا گیا، بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ آپ کا جسد اطہر اس کپڑے پر رکھا گیا جس کو نکالنا اضطراب کی وجہ سے صحابہ کرام کو یاد نہ رہا اور تدفین کے بعد قبر انور کو کھولنا مناسب نہ تھا یہ بھی روایات میں ہے کہ اس کمبل کا آپ کے نیچے بچھانا آپ کے غلام شقران کا (شین پر پیش اور قاف ساکن) صحابہ کی رائے کے بغیر عمل تھا اور انہوں نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے بعد کوئی اسے استعمال نہ کرے، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ میت کے نیچے کپڑا بچھانا مکروہ ہے۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ کے نیچے آپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے کپڑا بچھایا گیا تھا اور یہ آپ کی خصوصیت ہے، صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام نے قبر انور میں کچی اینٹیں لگاتے ہوئے کمبل مبارک باہر نکال لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم حاصل یہ ہے کہ راوی اس بات سے آگاہ کر رہے ہیں کہ آپ کا بستر اسی قسم کا تھا جو قبر میں بچھایا گیا، ظاہر یہ ہے کہ "یوضع" کی جگہ ماضی "وضع" ہونا چاہیے تھا مگر یہ روایت اس وقت کر رہے ہیں جب آپ کی تدفین ہو لی اس لیے مضارع کا لفظ استعمال کیا۔

۵۳ سر اقدس مسجد کی طرف کرتے، کیونکہ آپ رخ انور قبلہ کی طرف فرماتے تو سر اقدس مسجد کی جانب ہوتا آپ کی مسجد حجرہ انور کے دائیں جانب ہے اور حجرہ مسجد کے بائیں جانب، بعض حواشی میں ہے کہ آپ اپنی نماز ادا کرنے والی جگہ کے قریب آرام کرتے اس جگہ سے محبت اور رات کو قیام میں سہولت کے لیے ایسا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| ۴۵۱۱/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُّضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) | حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیٹ کے بل لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس لیٹنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔[۱] (ترمذی) |

۱ سونے کی چار قسمیں ہیں پہلی قسم پشت کے بل سونا، یہ اہل عرب کا سونا ہے کیونکہ وہ آسمان اور ستاروں میں نظر عبرت ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر استدلال کرتے ہیں دوسری قسم دائیں پہلو پر سونا ہے۔ یہ اہل عبادت کا سونا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بندہ رات کو قیام اور بارگاہ خداوندی میں نماز و طاعت کے لیے تیار رہتا ہے تیسری قسم بائیں پہلو پر سونا ہے اور یہ اہل راحت کا سونا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کھانا جلدی ہضم ہوتا ہے اور راحت و سکون خوب ملتا ہے چوتھی قسم منہ کے بل سونا ہے یہ اہل غفلت کا سونا ہے کہ سینہ اور چہرہ جو انسان کے افضل اعضاء میں سے ہیں ان کا نیچے ہونا اور طاعت باری کے علاوہ ان کا زمین پر رکھنا مناسب نہیں۔

۴۵۱۲/۱۳ وَعَنْ يَعِيشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا مُضْطَجِعٌ مِنَ السَّحَرِ عَلَى بَطْنِي إِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِي بِرِجْلِهِ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت یعیش[۱] بن طخفہ[۲] بن قیس غفاری اپنے والد گرامی سے جو اصحاب صفہ میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ میں سینے کی درد[۳] کی وجہ سے پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک مجھے کسی شخص نے اپنے پاؤں کے ساتھ ہلایا اور کہا کہ اس لیٹنے سے اللہ تعالیٰ[۴] ناراض ہوتا ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(ابوداؤد، ابن[۵] ماجہ)

۵۱ یعیش یا پر زبر، عین کے نیچے زیر دوسری یا ساکن ہے اور نقطوں والا شین۔

۵۲ طخفہ طا کے نیچے زیر خا ساکن، بعض کے نزدیک خا کی جگہ ھا ہے۔ (طہفہ) بعض کے نزدیک خا کی جگہ غین ہے (طغفہ)۔

۵۳ سحر، سین پر پیش، حا ساکن، یا سین پر زبر اور حا ساکن، یا سین اور حا دونوں پر زبر ہے، پھیپھڑا درد کے علاوہ اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو حلقوم اور مری میں اوپر کی جانب میں پھنس جائے اس جگہ سینے کا درد مراد ہے۔

۵۴ اس حدیث میں سابق حدیث کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کہ یہ عمل نہایت ناپسندیدہ ہے سابق حدیث میں گزرا کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی ناراض ہوتا ہے، یا اس حدیث میں بھی محبوب نہ ہونے سے مراد ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

۵۵ یہ مسلم ہے کہ ضرورت کی وجہ سے یہ عمل مباح ہو جاتا ہے، اگر آپ نے درد کے جانتے کے باوجود فرمایا ہے تو احتیاط میں مبالغہ کی تلقین ہے۔

۴۵۱۳/۱۴ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ

حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے گھر کی چھت پر رات گزارے جس پر

حِجَابٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَفِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ لِلْخَطَّابِيِّ حِجِيٌّ)

آڑ ۵۱ نہ ہو، ایک روایت کے مطابق کہ جس پر پتھر ۵۲ نہ ہو تو اس سے ذمہ داری ۵۳ ختم ہوگئی۔ (ابوداؤد اور معالم السنن للخطابی میں لفظ حجی ہے)۔

۵۱ جس کی منڈیر نہ ہو لوگ چھت پر دیوار بنا دیتے ہیں تاکہ پردہ رہے اور گرنے سے روک دے۔

۵۲ حجار، حجر کی جمع ہے حا کے نیچے زیر اس کا معنی رکاوٹ ہے مثلاً دیوار یا اس کی مثل کوئی اور شے۔

۵۳ یعنی وہ ذمہ اور عہد جو اللہ تعالیٰ نے بندے کی حفاظت کا لے رکھا ہے۔ کیونکہ اس نے بندے کی حفاظت کے لیے ملائکہ اور دیگر اسباب پیدا کیے ہیں اگر بندہ ان اسباب کو بروئے کار نہیں لاتا تو اس نے اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈال دیا اور اسی جگہ سویا جہاں سے انسان عادۃ گر کر ہلاک ہو جاتا ہے گویا بندے نے خود محافظت کا عہد ساقط کر دیا اور اپنے نفس کی حفاظت زائل کر کے اس شخص کے حکم میں ہو گیا جس کا خون ضائع ہے یعنی وہ ذمہ اور عصمت سے محروم ہو گیا جس کی وجہ سے اس کے خون کی ضمانت لازم آتی تھی۔

۵۴ امام خطابی کی کتاب معالم السنن میں "حجاب" کی جگہ حجی ہے حا کے نیچے زیر اور زبر دونوں درست ہیں دونوں الفاظ کا معنی پردہ ہی ہے اگر حجی کی حا کے نیچے زیر پڑھی جائے تو اس کا معنی عقل ہے پردے کو عقل اس لیے کہا ہے کہ چھت پر پردہ بنانا عقل مندی اور سمجھداری پر دلالت کرتا ہے یہاں مشبہ بہ ذکر کر کے مشبہ مراد لیا گیا ہے کیونکہ جس طرح عقل ناشائستہ کاموں میں رکاوٹ ہوتی ہے اس طرح چھت کا پردہ بھی زمین پر گرنے سے مانع ہوتا ہے، اگر حا پر زبر ہو تو اس کا معنی کنارہ ہے۔ اَحْجَاءُ الشَّئِ شے کی جوانب کو کہا جاتا ہے اور پردہ بھی چھت کی ایک جانب ہی ہوتا ہے۔ مذکورہ لفظ اس حدیث میں ان تینوں طریقوں سے مروی ہے لیکن آنے والی حدیث نشاندہی کرتی ہے کہ یہ لفظ حجار ہے۔

۴۵۱۴ / ۱۵ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس چھت پر نہ سوئے جس پر آڑ ۵۱ نہ ہو۔ (ترمذی)

۵۱ یعنی جس پر دیوار یا کوئی اور رکاوٹ نہ ہو۔

۴۵۱۵ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ شخص حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق لعنتی ہے جو حلقے کے درمیان بیٹھے۔[۱]
(ترمذی، ابوداؤد)

[۱] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مجلس میں آیا طریقہ یہ تھا کہ جہاں جگہ خالی تھی وہاں بیٹھ جاتا تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہوتی لیکن اس نے ایسا نہ کیا بلکہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا مجلس کے درمیان جاکر بیٹھ گیا یا یہ مطلب ہے کہ حلقے کے درمیان بیٹھ جاتا ہے تو لازماً بعض لوگوں کی طرف اس کی پشت ہوگی، بعض لوگ ان سے پوشیدہ ہو جائیں گے اور بعض کو اس سے اذیت و تکلیف لاحق ہوگی اور لوگوں کو بغیر کسی ضرورت کے پریشان کرنا لعنت و مذمت کا باعث ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ جب حلقے میں بیٹھنے والوں کو تکلیف ہوگی تو وہ اسے لعن طعن کریں گے، لیکن حدیث کے الفاظ "مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ" اس شرح کی اجازت نہیں دیتے اس لیے کہ یہ لعنت و مذمت نفس الامر ہے خواہ لوگ لعنت کریں یا نہ کریں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے یہاں حلقہ کے درمیان بیٹھنے والے سے مراد مسخرہ ہے کیونکہ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا مذاق کر رہا ہے اور لوگ اس کے اردگرد بطور تمسخر کھڑے ہیں اور سنتے ہیں ایسے شخص کو ملعون کہا گیا ہے۔

۴۵۱۶ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر وہ مجلس ہے جس میں زیادہ وسعت[۱] ہو۔
(ابوداؤد)

[۱] وہ مجلس ایسی جگہ منعقد ہو جو فراخ و وسیع ہو اور اس میں تنگی نہ ہو اور لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔

۴۵۱۷ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِيْ اَرَاكُمْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ آپ کے صحابہ بیٹھے[۱] ہوئے تھے فرمایا[۲] کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں متفرق[۳] دیکھ

عِزِیْنَ۔ رہا ہوں۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ) (ابوداؤد)

لے الگ الگ حلقہ بنا کر۔

لے۲ بطور تعجب فرمایا۔

لے۳ تم ایک جگہ اکٹھے کیوں نہیں ہو؟ عزین، عزۃ کی جمع، زا پر شد نہیں، اس کا معنی جماعت ہے۔

لے۴ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفرق کو ناپسند فرمایا کیونکہ یہ وحشت افتراق اور دوری کا سبب ہے اور اکٹھے ہونے کی ترغیب دی کیونکہ یہی اجتماع و اتحاد کی علامت ہے۔

۴۵۱۸/۱۹ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الْفَيْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهٗ فِي الشَّمْسِ وَ بَعْضُهٗ فِي الظِّلِّ فَلْيَقُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سائے میں ہو پھر اس سے سایہ ہٹنے لگے لے جس سے اس کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں تو وہ وہاں سے اٹھ جائے۔

(ابوداؤد)۲

وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِي الْفَيْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْيَقُمْ فَاِنَّهٗ مَجْلِسُ الشَّيْطَانِ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ مَعْمَرٌ مَوْقُوْفًا)

شرح السنۃ میں ۳ انہی سے روایت ہے کہ فرمایا تم میں سے کوئی سایہ میں ہو اور سایہ اس سے ہٹ جائے تو وہاں سے اٹھ جائے کیونکہ وہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے، اسے معمر ۴ نے موقوفاً روایت کیا ہے۔

لے سایہ چھوٹا ہو جائے۔

لے۲ اس حدیث میں صرف اٹھ جانے کا حکم ہے حکمت کا بیان نہیں ہے۔

لے۳ اس میں اٹھ جانے کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے۔

لے۴ حضرت معمر نے اسے حضرت ابوہریرہ کا قول قرار دیا ہے اسے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان قرار نہیں دیا جس طرح کہ ابوداؤد نے کیا تھا لیکن یہ حدیث موقوف، حکم مرفوع میں ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ غیر قیاسی ہے۔ صحابی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنے بغیر یہ بات نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات ثابت ہے خصوصاً

جب کہ یہ روایت دوسری سند سے مرفوعاً مروی ہے، اور آپ کا فرمان "بعض حصہ دھوپ میں اور بعض حصہ سائے میں" دلالت کر رہا ہے کہ شیطان کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اور اگر تمام جسم دھوپ میں ہو تو اس کا معاملہ یہ نہیں۔ یہ ممنوع اور مکروہ ہے تو اس کی وجہ مجلس شیطان ہونا نہیں بلکہ انسان کا تکلیف اور مشقت میں پڑنا ہے تاہم موسم سرما میں آدمی دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے، لیکن نصف دھوپ اور نصف سایہ میں بیٹھنا مذکورہ حدیث کے پیش نظر ناپسند ہے، بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس صورت کو مجلس شیطان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ راضی اور خوش ہوتا ہے کہ مسلمان کسی نہ کسی تکلیف و مشقت میں گرفتار ہو جائے، یہ قابل توجہ نہیں کیونکہ یہ چیز ان رازوں میں سے ہے جن کا کشف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے، ایسے مقام پر سوائے تعلیم کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا صحابہ اور غیر صحابہ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے۔

۴۵۱۹ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ[۱] الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ طَرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت ابو اسید انصاری[۱] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ مسجد سے نکل رہے تھے، راستے میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو گیا، عورتوں سے فرمایا، تم پیچھے[۲] رہو، کہ تمہارے لیے راستے کے درمیان[۳] چلنا مناسب نہیں، راستے کے کنارے اختیار کرو، پھر عورتیں دیوار کے ساتھ چلتی تھیں یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار کے ساتھ[۴] الجھ جاتا ہے۔

(ابو داؤد، بیہقی، شعب الایمان)

۱۵ ابو اسید ہمزے پر پیش، سین پر زبر ہے، تقریب میں ہے کہ ہمزے پر زبر سین کے نیچے زیر صحیح ہے اسی طرح امام دار قطنی نے بیان کیا، ان کا نام مالک بن ربیعہ ہے یہ بدر، احد اور تمام مقامات پر حاضر ہوئے اصحاب بدر میں سے آخری وصال پانے والے ہیں۔

۲۵ ایک طرف ہو جاؤ۔

۳۵ تحققن، تا پر زبر، دوسرا قاف ساکن، حاق بمعنی درمیان سے مشتق، جمع مونث حاضر ہے۔

ٔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورتوں نے آپ کے حکم پر اتنی سختی سے پابندی کی۔

**۴۵۲۰** (۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّمْشِيَ يَعْنِي الرَّجُلَ بَيْنَ الْمَرْاَتَيْنِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان چلے لہ۔
(ابوداؤد)

لہ بَیْنَ الْمَرْاَتَیْنِ کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ مرد کو چاہیے کہ دو عورتوں کے درمیان سے نہ گزرے، راستے میں اکٹھے ہو کر گزرنا دوسرا معاملہ ہے، اگر مراد یہ ہوتا تو عبارت اَنْ یَّمْشِیَ مَعَ النِّسَاءِ، ہوتی اور وہ بھی خوف فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ اس لیے ممنوع ہے کہ اس صورت میں اختلاط و اجتماع زیادہ ہے اور یہ عمل حیا اور مروت سے بہت دور ہے شاید یہاں کوئی اور حکمت بھی ہو جس کا علم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے۔

**۴۵۲۱** (۲۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِيْ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) وَ ذُكِرَ حَدِيْثَا عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو فِيْ بَابِ الْقِيَامِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَلِيٍّ وَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْ بَابِ اَسْمَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ صِفَاتِهٖ اِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالٰى

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو ہر کوئی وہاں بیٹھتا جہاں مجلس ختم ہوتی۔
(ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عمرو کی دو لہ احادیث باب القیام میں گزر گئی ہیں اور حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ سے مروی احادیث ہم باب اسماء النبی وصفاتہ میں ذکر کریں گے ٹہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لہ وہ دو حدیثیں یہ ہیں ایک یہ کہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ دو کے درمیان تفریق کرے اور دوسری یہ کہ کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے مصابیح میں یہ احادیث باب القیام میں مکرر آئی ہیں، اگر کوئی اعتراض کرے کہ دوسری حدیث تو عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

لہٰذا یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو سے کس طرح مروی ہوئی جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی انتہا حضرت عبداللہ بن عمرو پر ہی ہوتی ہے سندیوں ہے عبداللہ بن عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص۔

۵۲ کیونکہ وہ دونوں حدیثیں حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا ان کا ذکر آپ کے شمائل مبارکہ میں ہی ہونا چاہیے جب کہ صاحب مصابیح نے وہ حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

۴۵۲۲ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَ قَدْ وَضَعْتُ يَدِيَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِيْ وَ اتَّكَأْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِيْ فَقَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عمرو بن شرید[1] اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے حالانکہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا[2] میرا بایاں ہاتھ پشت کے پیچھے تھا اور میں نے ہاتھ کی[3] ٹیک لگائی ہوئی تھی آپ نے فرمایا تم ان لوگوں کی طرح بیٹھتے ہو جن پر غضب کیا گیا ہے[4]۔

(ابو داؤد شریف)

۵۱ شرید، شین پر زبر، راء کے نیچے زیر، طائف کے رہنے والے، اور قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک حجازی ہیں۔ ثقہ تابعی ہیں، ابن عباس اور اپنے والد گرامی سے حدیث سنی۔

۵۲ اس کے بعد خود اپنے بیٹھنے کی حالت بیان کی۔

۵۳ میں نے ٹیک لگا رکھی تھی گوشت کے اس ٹکڑے پر جو انگوٹھے کی جڑ کے پاس ہے، صراح میں ہے کہ الیۃ دنبے کی سرین کو کہتے ہیں اور بڑی انگلی کی جڑ میں جو گوشت ہے اسے بھی کہا جاتا ہے۔

۵۴ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ان سے مراد یہود ہیں ان کا نام نہ لینے میں دو فائدے ہیں۔

۱۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ ایسا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں خواہ کوئی بیٹھے۔

۲۔ چونکہ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لہٰذا اسے اس شخص کے ساتھ مشابہت اختیار نہیں کرنی چاہیے جس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے۔

غضب اور لعنت کا اطلاق قرآن میں یہود پر ہوا ہے اور "وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ" کے الفاظ بھی انہی کے بارے میں آئے

اور سورۃ الفاتحہ میں بھی مغضوب علیہم سے مراد یہی ہیں۔

۴۵۲۳/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّ بِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَکَضَنِیْ بِرِجْلِہٖ وَ قَالَ یَا جُنْدُبُ اِنَّمَا ھِیَ ضِجْعَۃُ اَھْلِ النَّارِ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے حالانکہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا آپ نے پاؤں مبارک سے مجھے ٹھوکر مار کر فرمایا: اے جندب! یہ آگ والوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔

(ابن ماجہ)

۵۱ یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

۵۲ جیسے کہ اس سے پہلے حدیث یعیش بن طخفہ میں گذر چکا ہے۔

۵۳ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے۔

---

# بَابُ الْعُطَاسِ وَالتَّثَاؤُبِ

## (۳۱۲) چھینک اور جمائی کا بیان

عُطَاس، عَطَسَ عَطْسًا وَعُطَاسًا کا مصدر بمعنی چھینکنا ہے، تَثَاؤُبُ، تَثَاءَبَ کا مصدر ہے اور بطور اسم ثُوَبَا تا پر پیش، واؤ پر زبر اور آخر میں الف ممدودہ ہے، وہ سستی اور کاہلی جس کے عارض ہونے کی وجہ سے بے اختیار منہ کھل جاتا ہے فارسی میں اسے خمیازہ اور فاژہ کہتے ہیں، تثاوب میں ہمزہ ہے، واؤ نہیں امام کرمانی نے اس کی تصریح کی ہے کہ صحیح یہی ہے، بعض کے نزدیک واؤ ہے اور مغرب سے منقول ہے کہ الف اور واؤ کے بعد ہمزہ غلط ہے

## اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

## پہلی فصل

۴۵۲۴ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّیْطٰنُ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّیْطَانُ مِنْهُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند[1] اور جمائی کو ناپسند فرماتا ہے تو جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد[2] کرے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے کہ اس پر کہے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ لیکن جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تو جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک[3] ممکن ہو اسے روکے کیوں کہ جب تم جمائی لیتے ہو تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔

(بخاری)

اور مسلم میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی ہا (آواز نکالتا ہے) کہتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

[1] کیونکہ چھینک کا سبب دماغ کا تروتازہ ہونا اور قوائے ادراکیہ کی صفائی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی حضوری میں ممد ومعاون ہوتی ہے اور جمائی نفس کے بوجھل، حواس کے مکدر ہونے اور غفلت وستی اور سوء فہم کی وجہ سے ہے جو آدمی کے عبادت وطاعت الٰہی میں ذوق کے منافی ہے پس شیطان اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے اسے شیطانی فعل قرار دیا ہے، یہ بھی واضح ہو گیا کہ چھینک اور جمائی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور کراہت کا سبب ان کا ثمر یعنی طاعت میں ذوق اور بے ذوقی ہے۔

[2] جب وہ الحمد للہ کہے، اگر رب العالمین کا اضافہ کرے تو بہتر اور اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہے تو زیادہ بہتر ہے (کذا قال الطیبی)۔

چھینک پر حمد بجالانے کی حکمت یہ ہے کہ پیٹ کی جانب سے جب کوئی موذی گیس دماغ کی طرف بڑھتا ہے تو دماغ اسے روکتا اور منع کرتا ہے اور اسے قبول نہیں کرتا اس پر چھینک آتی ہے جو دماغ کے قوی اور صحت مند ہونے کی علامت ہے اور جب دماغ کمزور ہوتا ہے تو چھینک نہیں آتی گویا وہ موذی کو دور نہیں کر سکتا لہٰذا چھینک آنے پر حمد کی تلقین فرمائی۔

۵۳؎ یہ عبارت دال ہے کہ چھینک کا جواب دیتے ہوئے یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہنا ہر مسلمان پر واجب ہے کیونکہ ارشاد ہے۔ کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ لیکن علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے حنفی مذہب میں صحیح یہی ہے کہ یہ واجب بطور کنایہ ہے اگر کسی ایک نے جواب دے دیا تو باقی سے از خود ساقط ہو جائے گا۔ ایک روایت میں اس کے استحباب کا ذکر ہے صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ احادیث صحیحہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ یہ جواب ہر سننے والے پر فرض ہے ایک کا جواب کافی نہیں اور یہ اکابر علماء میں سے ایک جماعت کا قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس کا جواب سنت کفایہ ہے ہاں افضل یہی ہے کہ ہر کوئی جواب دے۔ امام مالک سے مختلف اقوال مروی ہیں بعض میں واجب اور بعض میں سنت ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ واجب سنت اس وقت ہے جب چھینکنے والا حمد کہے اور حاضر اس کو سنے اگر اس نے حمد نہ کی تو وہ جواب کا مستحق نہ ہوگا یا حمد کی مگر آہستہ کی کہ حاضرین نہ سن سکتے تو اب بھی جواب لازم نہیں۔

۵۴؎ اگر روکنا ممکن نہ رہے تو منہ پر پشتِ ہاتھ رکھ دے اور دانت کے ساتھ نیچے والے ہونٹ کو چبائے۔

۵۵؎ جمائی کے وقت جو آواز آتی ہے بعض نے اس کا ترجمہ آہ آہ کیا ہے۔

۴۵۲۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ وَ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہے اس کا بھائی؎ یا اس کا ساتھی یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے جب وہ یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے تو یہ کہے۔ یَهْدِیْکُمُ اللّٰہ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ۔ (بخاری)

سلے راوی کو شک ہے کہ اس کا بھائی فرمایا یا ساتھی، مراد دوسرا مسلمان ہے۔

سلے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کی توفیق دے اور تمہارے دلوں کو نیک فرمائے۔ الفاظ جمع لانے کی تین حکمتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اکثر طور پر جماعت حاضر ہوتی ہے۔

۲۔ مخاطب کا احترام و تعظیم۔

۳۔ یا اس سے حضور علیہ السلام کی تمام امت مراد ہے۔

۴۵۲۶ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخَرُ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمِدِ اللّٰهَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کا جواب دیا دوسرے کا نہیں دیا تو اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اس کو جواب دیا مجھے نہ دیا آپ نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد[1] کی اور تو نے نہیں کی۔

(بخاری[2] و مسلم)

سلے حمد کرنے والا جواب کا مستحق ہے اس میں ترک حمد پر وعید ہے۔

سلے تشمیت کا معنی چھینک کا جواب یَرْحَمُکَ اللّٰہ کے ساتھ دینا ہے۔ یہ شین اور سین دونوں کے ساتھ مستعمل ہے لیکن شین اعلیٰ اور زیادہ فصیح ہے۔ یہ شماتت سے مشتق ہے جس کا معنی دشمنوں اور حاسدوں کا کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر خوش ہونا ہے۔ اور تشمیت کا معنی اس بات کی دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی اس دشمنی سے محفوظ فرمائے جو وجہ شماتت بن سکتی ہو، گویا چھینک صحت اور شماتت اعداء سے خلاصی پانا ہے لہٰذا یہاں تفعیل کا صیغہ رفع اور ازالے کے لیے ہے (کذا قیل) بعض کے نزدیک یہ لفظ شوامت بمعنی چارپائے کے پاؤں سے مشتق ہے گویا اب یہ دعا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور عافیت پر ثابت قدمی نصیب رہے، اگر تسمیت ہو تو یہ سمت سے مشتق ہے جس کا معنی حالت اہل خیر اور ان کا طریقہ ہے، پس دعا یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھی حالت عطا فرمائے کیونکہ چھینک کا منظر نہایت عجیب ہوتا ہے، نہایہ میں ہے کہ تسمیت دعا کے معنی میں ہے کھانا کھانے والے سے متعلق حدیث میں ہے۔ سَمُّوا اللّٰهَ وَسَمِّتُوْا کھانا شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو اور اختتام پر صاحب طعام کے لیے

دعا کر یہاں تسمیت دعا کے لیے استعمال ہے (کذا فی مجمع البحار)

۴۵۲۷ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَّمْ یَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو جواب[۱] دو اور اگر حمد نہ کرے تو جواب نہ دو[۲]۔ (مسلم)

[۱] یعنی یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہو۔

[۲] اگر چھینکنے والا مجلس میں نہ ہو مثلاً دیوار کے پیچھے سے آواز سنائی دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ اس نے حمد کی ہو۔ منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے گوشے سے چھینک کی آواز سنی مگر حمد نہ سنی تو آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا یَرْحَمُکَ اِنْ کُنْتَ حَمِدْتَ اللّٰہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے۔ اگر وہ حمد نہ کہے تو چاہیے کہ حاضرین تمام حمد کریں تاکہ اسے یاد آئے اور تنبیہ ہو تاکہ وہ بھی حمد کرے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ کوئی بھی حمد نہ کرے تاکہ اس پر زجر و توبیخ ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہے اگر یاد دلانا سنت ہوتا تو اس پر سب سے پہلے حضور علیہ السلام عمل فرماتے (کذا فی سفر السعادۃ)

۴۵۲۸ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰی فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْکُوْمٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلتِّرْمِذِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ فِی الثَّالِثَةِ اِنَّهٗ مَزْکُوْمٌ.

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہتے ہوئے سنا جب آپ کے پاس ایک آدمی کو چھینک آئی پھر دوبارہ اسے چھینک آئی آپ نے فرمایا: اس کو زکام[۱] ہے۔ (مسلم[۲]) اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری بار فرمایا یہ زکام والا ہے۔

[۱] یہ مستحق جواب نہیں کیونکہ یہ مریض ہے۔ مریض اگرچہ دعا کا مستحق ہوتا ہے لیکن دوسری دعا کا جو دعا چھینک کے ساتھ مخصوص ہے اس کا نہیں۔

۵۲ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ چھینک کا جواب ایک ہی دفعہ ہو گا اگر وہ بارہ متصلاً آجائے تو جواب کا مستحق نہیں کیونکہ یہ زکام کی علامت ہے۔

۵۳ روایت ترمذی کے مطابق آپ نے دو دفعہ جواب عنایت فرمایا تیسری دفعہ جواب نہیں دیا۔ ابوداؤد اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ تین دفعہ جواب دینا چاہیے اس کے بعد اختیار ہے جواب دے یا نہ دے۔

۴۵۲۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِہٖ عَلٰی فَمِہٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔

(مسلم)

## اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

## دوسری فصل

۴۵۳۰ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْھَہٗ بِیَدِہٖ اَوْ ثَوْبِہٖ وَ غَضَّ بِھَا صَوْتَہٗ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینک فرماتے تو اپنا چہرہ اقدس ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ[۱] لیتے اور چھینک کی آواز کو پست[۲] فرماتے۔

(ترمذی، ابوداؤد) امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

۱ چونکہ چھینک کے وقت چہرہ کی حالت میں تبدیلی آتی ہے اس لیے اس پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ بعض اوقات ایسے موقع پر منہ یا ناک سے رطوبت خارج ہوتی ہے تو جسم دوسرے حصوں اور حاضرین کے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کے لیے آپ نے یہ تعلیم دی۔

۲ یہ بھی حسن ادب ہے کیونکہ بعض اوقات اچانک پیدا ہونے والی سخت آواز، حاضرین کی وحشت کا سبب

بن جاتی ہے، علماء نے بیان کیا ہے کہ چھینک کی آواز کو پست کرے مگر حمد باری تعالیٰ بلند آواز سے ادا کرے تاکہ حاضرین سن کر جواب دینے کا حق ادا کریں۔ (کذا فی مطالب المومنین)

۴۵۳۱ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَلْیَقُلِ الَّذِیْ یَرُدُّ عَلَیْہِ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ وَلْیَقُلْ ھُوَ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو کہے ہر حال میں تعریف اللہ کے لیے ہے جواب دینے والا یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہے اور یہ کہے اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دل کی حالت بہتر فرمائے۔
(ترمذی، دارمی)

لے چھینک کے جواب کو رد فرمایا جیسے سلام کے جواب کو رد سلام کہا جاتا ہے گویا چھینک کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا حاضرین کے لیے تحفہ ہے
لے۲ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کے بعد چھینکنے والا کہے۔

۴۵۳۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کَانَ الْیَھُوْدُ یَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْجُوْنَ اَنْ یَّقُوْلَ لَھُمْ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ فَیَقُوْلُ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینکا کرتے تو وہ یہ امید کرتے کہ آپ جواباً یَرْحَمُکُمُ اللّٰہ کہیں گے لیکن آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے دل کی اصلاح فرمائے۔
(ترمذی، ابوداؤد)

لے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
لے۲ بعض اوقات یہ عمل قصداً کرتے۔
لے۳ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچاننے کے باوجود عناد و حسد اور تکبر کی وجہ سے آپ کا انکار کرتے پھر امید رکھتے تھے کہ آپ ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا کریں گے اگرچہ دعا ان کے لیے فائدہ مند نہ تھی حضور علیہ السلام

انہیں ان کی اس حالت کی وجہ سے یرحمکم اللہ کے اہل تصور نہ فرماتے۔
۵۴ کافر کے لیے ہدایت اور اصلاح احوال کی دعا کی جا سکتی ہے جس طرح کہ روایات میں سلام کے جواب میں ھداکم اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے آیا ہے۔

۴۵۳۳ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ[1] قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ وَعَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ فَكَأَنَّ الرَّجُلَ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَقُلْ إِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمِّكَ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سالم بن عبید کے پاس تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا سالم نے کہا تجھ پر اور تیری ماں پر، اس آدمی نے گویا اس بات کو محسوس کیا، فرمایا: میں نے تجھے وہی بات کہی ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمائی، کیونکہ آپ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا تو آپ نے فرمایا: تجھ پر اور تیری والدہ پر، جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ رب العالمین کہے اور جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے اور یہ کہے۔ یغفر اللہ لی و لکم
(ترمذی، ابوداؤد)

[1] یساف، یاء پر زبر اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں، بعض نے یاء کی جگہ ہمزہ پڑھتے ہوئے اساف کہا ہے۔ ابوالحسن کوفی اشجعی تابعی ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ شیخ عجلی ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں ابن حبان

نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک سو ستتر ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

۵۲؎ یہ اصحاب صُفّہ میں سے ہیں۔

۵۳؎ وہ غمگین اور ناراض ہوا، وُجِدَ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، فی نفسہٖ کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دکھ کو دل میں چھپائے رکھا اور غصے کو پی لیا، اس کے اثر کو ظاہر نہیں کیا۔

۵۴؎ دیگر روایات میں یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ کے الفاظ آئے ہیں۔

۵۵؎ یعنی چھینک کے موقع پر معروف وظائف اور دعائیں ہیں لہٰذا اس مقام پر سلام مناسب نہیں، اس جگہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر وہ حمد کے علاوہ کلمات کہے تو جواب کا مستحق نہ ہوگا، جب اس شخص نے سلام کہا تو آپ نے اس کا جواب دیا اور وَعَلٰی اُمِّکَ کا بھی اضافہ فرمایا۔ اس جملے میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ یہ سلام کا موقع نہ تھا یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی تجھ پر سلام کہنے کے بجائے تیری والدہ پر کہہ دے دوسرا یہ کہ اسے نصیحت ہو اس طرح کہ یہ طریقہ ان لوگوں کا ہے جو ان پڑھ ہوں اور انہوں نے ماں کی گود میں عورتوں والے معاملات سیکھے مگر مردوں کے پاس بیٹھ کر تربیت حاصل نہ کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس کی حماقت پر تنبیہ ہے یا اس میں صفات مادر سرایت کر چکے تھے اس حوالے سے یہ جملہ کہا پس ضروری تھا کہ اس کے لیے ایسی دعا کی جائے جو ان آفات سے اسے محفوظ کرے، بعض علماء نے عَلَیْکَ وَعَلٰی اُمِّکَ کے بارے میں یہ کہا کہ یہ عبارت دراصل یوں ہے عَلَیْکَ اَلْوَیْلُ وَعَلٰی اُمِّکَ تجھ پر افسوس کہ تو نے ادب و طریقہ نہیں سیکھا اور افسوس تیری والدہ پر کہ اس نے تجھے آداب نہیں سکھائے اور نہ اچھی تربیت کی۔

۴۵۳۴ وَعَنْ عُبَیْدِ بْنِ رِفَاعَةَ[۱] عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْہُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھینک والے کو تین دفعہ جواب دو اگر اس سے زائد ہو تو اگر چاہو تو جواب دو اور اگر چاہو تو نہ دو۲؎۔ (ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کر کے کہا یہ حدیث غریب ہے)۔

۱؎ مہاجر صحابی ہیں۔ کاشف میں ہے کہ ان کو حضور علیہ السلام کی مبارک صحبت میسر آئی تھی۔

۲؎ جواب دینا جو واجب، سنت یا مستحب تھا وہ ادا ہو گیا وہ تین سے زائد پر نہیں ہاں مسلمان کے لیے دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۴۵۳۵ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ شَمِّتْ اَخَاکَ ثَلٰثًا فَاِنْ زَادَ فَھُوَ زُکَامٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)
۱۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے بھائی کو تین دفعہ جواب دو اگر اس سے زائد ہو تو یہ زکام ہے۔ (ابوداؤد)

وَقَالَ لَا اَعْلَمُہٗ اِلَّا اَنَّہٗ رَفَعَ الْحَدِیْثَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ابوداؤد نے روایت کر کے کہا کہ میں نہیں جانتا مگر یہ کہ یہ حدیث انہوں نے[۲] نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف[۳] مرفوع کی ہے۔ راوی کہتے ہیں جہاں تک مجھے معلوم ہے۔

۱ بعض نسخوں میں فما زاد ہے۔

۲ سنن ابوداؤد سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ سے راوی سعید مصری ہیں اور وہی قول مذکور کے قائل ہیں۔

۳ یہ حدیث مرفوع ہے نہ کہ موقوف اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طور پر روایت کیا ہے اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے تب بھی یہ حکم مرفوع میں تھی کیونکہ تعینِ عدد شارع علیہ السلام سے سماع کے بغیر ممکن نہیں۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۵۳۶ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰی جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَیْسَ ھٰکَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّقُوْلَ
۱۳

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک لی اور کہا اللہ کے لیے حمد اور حضور علیہ السلام پر سلام۔ ابن عمر نے فرمایا[۱]: میں بھی کہتا ہوں حمد اللہ کے لیے اور سلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مگر ہمیں آپ نے اس طرح تعلیم نہیں[۲] دی ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہر حال میں اللہ

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ | کا شکر ہے۔ |
| (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ | (ترمذی نے روایت کرکے کہا کہ یہ |
| هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) | حدیث غریب ہے)۔ |

۵۱ اس کو احسن طریقے کی تعلیم دی۔

۵۲ آپ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنا یقیناً محمود اور مقبول ہے لیکن اس موقع پر الحمد للہ کہنا سنت ہے۔

۵۳ اتباع لازم ہے، بہت سے اعمال فی حد ذاتہ محمود ہوتے ہیں مگر خصوصی مقام پر وہ سنت کے شمار میں نہیں آتے مثلاً نماز کے بعد مصافحہ وغیرہ اگرچہ تمام خصوصیات کی رعایت کرنا لازم نہیں ہوتا لیکن جو وظیفہ و عمل کسی موقع پر وارد ہوا اس پر عمل کرنا چاہیے۔

۵۴ بعض علماء نے چھینک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بھی مستحب لکھا ہے۔

---

# بَابُ الضِّحْكِ

## ۳۱۳۔ ہنسنے کا بیان

لفظ ضحک چار طرح پڑھا جا سکتا ہے ضاد کے نیچے زیر یا اس پر زبر، حا ساکن یا دونوں کے نیچے زیر یا پہلے حرف پر زبر اور دوسرے کے نیچے زیر۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

| | |
|---|---|
| ۴۵۳۷ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ | حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں |
| مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ | کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام |

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ۔ كَانَ يَتَبَسَّمُ۔

منہ کھول کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے تالوے کو دیکھتی بلکہ آپ مسکراتے تھے۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ) (بخاری شریف)

ف۱ مستجمع، اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی کام میں اپنی توانائی خرچ کر دے۔ صراح میں ہے کہ استجماع کا معنی ہے ہر جگہ سے سیلاب کا آنا اور چلتے ہوئے اپنے گھوڑوں کو جمع کرنا۔ یہاں کھلکھلا کر ہنسنا مراد ہے۔

ف۲ لہوات، لام پر زبر، لہاۃ، کی جمع ہے گوشت کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو حلق کے آخری حصہ کے اوپر ہوتا ہے۔

ف۳ یہ حدیث شمائل مبارکہ میں بھی آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۵۳۸ وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِيْ إِلَّا تَبَسَّمَ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کبھی منع نہیں فرمایا[۱] اور مجھے دیکھ کر آپ ہمیشہ مسکرا دیتے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (صحیحین)

ف۱ اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میرا جب جی چاہتا خدمت میں حاضر ہو جاتا آپ نے کبھی مجھے منع نہ فرمایا بشرطیکہ وہ مردوں کی مجلس ہو دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو بھی آپ سے طلب کیا آپ نے عطا کیا تیسرا یہ کہ مجھ سے کبھی ایسا عمل سرزد نہ ہوا کہ آپ اس سے منع فرماتے۔ پہلا معنی بہت واضح ہے۔

۴۵۳۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَأْخُذُوْنَ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اس جگہ تشریف فرما رہتے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ طلوع آفتاب کے بعد آپ اٹھتے، لوگ باتیں کرتے کرتے دور جاہلیت کی باتوں کا ذکر کر کے ہنستے لگتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فِي أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُونَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ)

مسکراتے تھے۔ (مسلم اور ترمذی میں ہے کہ لوگ شعر پڑھتے تھے)۔

ف۱ معلوم ہوا کہ دور جاہلیت کے معاملات پر گفتگو کرنا، اشعار پڑھنا اور ان پر ہنسنا جائز ہے آپ کا مسکرانا آپ کے کامل اخلاق کی بنا پر اور صحابہ کی تالیف قلب کے لیے تھا۔

## اَلْفَصْلُ الثَّانِي

## دوسری فصل

۴۷۵۰ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء[۱] کہتے ہیں میں نے کسی کو حضور علیہ السلام سے بڑھ کر تبسم[۲] فرمانے والا نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

ف۱ جزء جیم پر زبر، زا ساکن اور آخر میں ہمزہ، صحابی ہیں زبیدی کہلاتے ہیں زبید ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام تھا۔ مصر میں یہ آخری صحابی تھے جو چھیاسی ہجری کو فوت ہوئے۔

ف۲ ازروئے تبسم یا تبسم میں۔

۴۷۵۱ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُونَ قَالَ نَعَمْ وَالْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ أَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ أَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّونَ بَيْنَ الْأَغْرَاضِ وَ

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ کیا اصحاب[۱] رسول ہنستے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں حالانکہ ان کے دلوں میں پہاڑ سے بڑھ[۲] کر ایمان تھا۔ بلال بن سعد[۳] کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو دو نشانوں[۴] کے درمیان دوڑتے ہوئے دیکھا

يَضْحَكُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوا رُهْبَانًا۔ اور ایک دوسرے سے ہنسی کرتے تھے جب رات ہوتی تو عبادت گزار بن جاتے تھے۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) (شرح السنۃ)

ف۱ جس طرح دوست آپس میں ہنستے ہیں۔

ف۲ اس طرح نہیں ہنستے تھے جس طرح غافل لوگ ہنس کر دل کو مردہ بنا لیتے ہیں اور نور ایمان میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

ف۳ یہ تابعی ہیں، واعظ، قاری قرآن قبیلہ اشعر سے تعلق تھا اور دمشق کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے قاضی اور نہایت ثقہ ہیں۔ دن رات میں ایک ہزار نوافل پڑھتے۔ ملک شام میں ان کا مرتبہ اسی طرح ہے جس طرح بصرہ میں امام حسن بصری کا تھا۔ اپنے والد گرامی سعید بن تمیم، حضرت جابر اور حضرت معاویہ کے شاگرد ہیں امام اوزاعی، سعید بن زید، عثمان بن مسلم اور ان جیسے لوگ ان کے شاگرد ہیں ایک سو بیس ہجری میں ان کا وصال ہوا۔

ف۴ تیر پھینکنے کی جگہ۔

ف۵ ادائے حقوق کے ساتھ ساتھ دنیا اور اہل و عیال سے جدا ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے رھبان، راہب کی جمع ہے جس طرح راکب کی جمع رکبان ہے۔ رہب سار پر زبر یا پیش، ہا ساکن یا دونوں پر زبر باب سمع سے ہے، راہب، پارسا اور ڈرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

حدیث میں جو لا رہبانیۃ فی الاسلام آیا ہے اس سے مراد گوشت نہ کھانا، ٹاٹ کا لباس پہننا، خصی ہو جانا گردن میں زنجیر ڈالنا اور ایسی عبادات بجا لانا جن کا حکم نہیں اور اس حدیث میں رہبانیت سے مراد عبادت میں ریاضت و مشقت ہے۔

# بَابُ الْاَسَامِیْ

## ۳۱۴۔ ناموں کا بیان

اسامی۔ اسم کی جمع ہے۔ اس باب میں ناموں کے احکام کا بیان ہے کہ کون سا نام رکھنا چاہیے اور کون سا نہیں؛ کس نام کے ساتھ بلانا چاہیے اور کس کے ساتھ بلانا منع ہے۔ بہتر نام کونسا ہے اور برا نام کونسا ہے۔

### اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

۴۵۴۲ عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ ھٰذَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بازار[1] میں تھے کسی شخص نے کہا اے ابوالقاسم تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے، اس نے کہا کہ میں نے اس[2] کو بلایا ہے تو آپ نے فرمایا تم میرا نام رکھو مگر میری کنیت[3] نہ رکھو۔

(بخاری ومسلم)

[1] دوسری روایت کے مطابق آپ مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں تھے۔
[2] اس نے کسی ایسے شخص کو بلایا جس کی کنیت ابوالقاسم تھی۔

[3] اس شخص نے بطور برکت آپ کی کنیت رکھی ہوئی تھی۔

۵۳ وہ شخص وہاں موجود تھا اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
۵۴ آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔
۵۵ میری کنیت ابوالقاسم نہ رکھو۔

۲۵۴۳ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاِسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ فَاِنِّیْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَیْنَکُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو کیونکہ مجھے قاسم[۵۶] بنایا گیا ہے میں[۵۷] تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔
(بخاری و مسلم)

۵۶ میری کنیت ابوالقاسم رکھی گئی ہے۔

۵۷ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے مجھے عطا ہوتا ہے میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں جو کچھ وحی کی صورت میں علم و عمل مجھ پر نازل کیا جاتا ہے تم میں سے ہر ایک کے نصیب اور استحقاق کے مطابق تم تک پہنچا دیتا ہوں۔ تم میں سے کوئی جہاں بھی ہے میں اسے اس کے درجہ کے مطابق فضل و شرف سے نوازتا ہوں فرمانبرداروں کو ثواب اور آخرت میں بلندی درجات کی خوشخبری دیتا ہوں اور نافرمانوں کو عذاب و گرفت سے ڈراتا ہوں۔ اور میرے سوا یہ تمام باتیں کسی میں نہیں جب تم اس صفت میں میرے ساتھ شریک نہیں تو ایسی کنیت بھی تمہارے لیے جائز نہیں۔

۵۸ ان دو احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا جائز ہے۔ لیکن کنیت ابوالقاسم درست نہیں خواہ اس شخص کا نام محمد ہو کہ آپ کی کنیت اور نام جمع ہو جائے یا نام محمد نہیں صرف کنیت ابوالقاسم ہے۔
یہ قول امام شافعی سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ جو ابھی اس سے پہلے بیان ہوا۔
۲۔ آپ کا نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنا جائز نہیں چنانچہ کسی کو ابوالقاسم محمد نہیں کہا جاسکتا ہاں صرف ابوالقاسم کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث مذکور کا معنیٰ ان کے نزدیک یہی ہے کہ دونوں کا جمع کرنا منع ہے، محیط کے حوالے سے منقول ہے کہ یہ امام محمد کا قول ہے۔
۳ جمع کرنا بھی درست ہے، اس قول کی امام مالک کی طرف نسبت ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ احادیث منع

منسوخ ہیں۔

ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں منع تھا بعد میں جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے وصال کے بعد اگر رب مجھے بیٹا عطا ہو تو اس کا نام کیا رکھوں؟ کیا آپ کی کنیت اور نام رکھ سکتا ہوں! آپ نے اس کی اجازت دے دی

چنانچہ بعد میں محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے امیر المومنین نے ان کا نام ابوالقاسم محمد رکھا۔

ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ جس طرح کنیت رکھنا جائز نہیں اسی طرح نام بھی رکھنا جائز نہیں لیکن یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے۔

ان اقوال میں سے درست رائے یہ ہے کہ آپ کے نام پر نام رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے اور آپ کی کنیت ظاہری حیات کے بعد بھی منع ہے اور ظاہری حیات میں یہ ممانعت سخت تھی تو اب آپ کا نام اور کنیت دونوں کا جمع کرنا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو یہ ان کے ساتھ مخصوص ہے غیر کے لیے یہ جائز نہیں سیاق حدیث سے یہ از خود ظاہر ہو رہا ہے۔ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اس موضوع پر مکالمہ ہوا، حضرت طلحہ نے کہا اے علی آپ نے اپنے بیٹے کا نام اور کنیت حضور علیہ السلام کے نام اور کنیت پر رکھی ہے حالانکہ آقا علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا تھا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ وہ شخص گستاخ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر جرأت کرے اس کے بعد آپ نے قریشی صحابہ کی ایک جماعت کو بلایا اور انہوں نے گواہی دی کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کو اجازت دی تھی کہ یہ دونوں جمع کر سکتے ہیں لیکن دوسروں کے لیے یہ حرام ہے، ان اقوال پر دلائل اور احادیث کے درمیان تطبیق ان کی شرح میں بیان کر دی گئی ہے یہاں اتنی ہی بحث کافی ہے۔

۴۵۴۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)
۳

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں[1]۔

[1] یہ بندگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ آدمی کی صفت حقیقی یہ ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی

صفات کا مظہر بننے، خصوصاً صفت رحمانیت جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، ان دو اسماء کی تخصیص بطور تمثیل ہے کیونکہ اس سے مراد ہر وہ نام ہے جس میں عبد کی اضافت باری تعالیٰ کے کسی نام کی طرف کی گئی ہو یہاں صفت لطف اور قہر میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

بعض حواشی میں ہے کہ یہاں مراد انبیاء علیہم السلام کے اسماء کے علاوہ ہیں کیونکہ سامعین (امت) کی طرف اضافت ہے، کیونکہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے ناموں میں سے پسندیدہ ترین نام یہ ہیں۔

۴۵۴۵ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَّلَا رَبَاحًا وَّلَا نَجِيْحًا وَّلَا اَفْلَحَ فَاِنَّكَ تَقُوْلُ اَثَمَّ هُوَ فَلَا يَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے[۱] غلام کا نام یسار[۲] نہ رکھو اور نہ رباح[۳]، نہ نجیح[۴] اور نہ افلح[۵] کیونکہ تم پوچھو[۶] گے کہ فلاں یہاں ہے؟ وہ نہ ہوا تو دوسرا آدمی کہے گا کہ نہیں۔ (مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُ قَالَ لَا تُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَّلَا يَسَارًا وَّلَا اَفْلَحَ وَلَا نَافِعًا۔

دوسری[۷] روایت مسلم میں ہے کہ اپنے لڑکے کا نام رباح، یسار، افلح، اور نافع نہ رکھو۔

۱؂ یہ حکم آپ نے عام دیا یا معین شخص کو حکم دیا، یہ حکم عام ہے اور مقصود یہ ہے کہ بچوں کے یہ نام ہی نہ رکھو۔

۲؂ یسار، یسر سے مشتق ہے جس کا معنی آسانی، توفیق، مال داری اور فراخی ہے۔

۳؂ رباح۔ ربح سے ہے اور اس کا معنی نفع ہے۔

۴؂ نجیح نجح سے ہے اس کا معنی حاجت کا پورا ہونا اور کامیابی ہے۔

۵؂ افلح فلاح سے ہے جس کا معنی چھٹکارا اور کامیابی ہے۔

ان معانی کے اعتبار سے یہ نام رکھنے اگرچہ مستحق ہیں مگر دیگر وجوہ کی بنا پر مناسب نہیں۔

۶؂ یعنی اپنے اہل خانہ میں سے کسی سے کہ وہ (یسار) گھر میں ہے۔

ـــــــــــ ۵۷ جب یہ کہا کہ یسار نہیں تو معنیٰ ہوا گھر میں آسانی نہیں تو اگرچہ یہاں ذات مراد ہے مگر ان کے معانی سے نیک حالی محسوس نہیں ہوتی اس لیے ناپسند فرمایا۔

ـــــــــــ ۵۸ اس روایت میں نجیح کی جگہ نافع ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان ناموں میں حصر نہیں بلکہ ہر وہ نام جس میں اس طرح کا معنیٰ ہو اس کا یہی حکم ہے حدیث جابر میں اس کی تصریح آئی ہے۔

**۴۵۴۶** [۵] وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَرَادَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّنْھٰی اَنْ یُّسَمّٰی بِیَعْلٰی وَ بَرَکَۃَ وَ بِاَفْلَحَ وَ بِیَسَارٍ وَ بِنَافِعٍ وَّ بِنَحْوِ ذٰلِکَ ثُمَّ رَاَیْتُہٗ سَکَتَ بَعْدُ عَنْھَا ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ یَنْہَ عَنْ ذٰلِکَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ یعلیٰ، برکت افلح، یسار، نافع اور اس کی مثل نام رکھنے سے منع کر دیا جائے پھر میں نے دیکھا کہ آپ اس کے بعد خاموش[۱] ہو گئے آپ کا وصال ہو گیا اور اس سے منع نہ فرمایا۔

(مسلم[۲])

ـــــــــــ ۵۱ یہ نام رکھنے سے منع کرنے سے سکوت فرمایا۔

ـــــــــــ ۵۲ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بارے میں نہی وارد نہیں ہوئی، علامہ طیبی کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے ممانعت کی علامات کا مشاہدہ کیا، صراحۃً حکم سے آگاہ نہ ہو سکے حالانکہ نہی احادیث میں واقع ہے اور حسب ضابطہ مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

**۴۵۴۷** [۶] وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْبَحُ الْاَسْمَآءِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ یُّسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے دن بدترین نام کا وہ شخص ہو گا جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا ہو گا۔

(بخاری)

وَفِیْ رِوَایَۃِ مُسْلِمٍ قَالَ اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰہِ یَوْمَ

امام مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اور بدترین شخص وہ

الْقِيٰمَةِ وَ اَخْبَثُهٗ وَ اَجَلُّهٗ كَانَ يُسَمّٰى مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَا مَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ہوگا جس کا نام شہنشاہ رکھا گیا[۴] ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا[۵] کوئی بادشاہ نہیں۔

[۱] بعض روایات میں اخنع الاسماء کے الفاظ ہیں جس کا معنی ذلیل ترین اور بدترین نام کے ہیں۔
[۲] بعض نسخوں میں سمی ہے یعنی اس نے خود اس نے اپنا نام رکھا۔
[۳] اس نے دنیا میں اپنا یہ نام رکھا۔
[۴] وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور اس میں کسی کو شریک کا وہم بھی ہو سکتا۔

۴۵۴۸ وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَيْنَبَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرا نام برہ[۲] رکھا گیا تھا رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے منہ سے پاکیزہ[۳] نہ بنو اللہ تعالیٰ تم میں نیکی والے کو جانتا ہے فرمایا اس کا نام زینب رکھو[۴]۔ (مسلم)

[۱] یہ اپنی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آئی تھیں اور حضور علیہ السلام کے ہاں تربیت پائی تو یہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہیں۔
[۲] اس کا معنی نیک کام کرنے والی ہے۔
[۳] برہ نام رکھتے ہیں اپنی ذات کی طہارت کا بیان تھا۔
[۴] ایسا نام نہیں رکھنا چاہیے جو اپنی ستائش پر مشتمل ہو۔

۴۵۴۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اِسْمُهَا بَرَّةَ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ فَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُّقَالَ خَرَجَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ[۱] کا نام برہ تھا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جویریہ[۲] نام بدل دیا اور یہ کہنا ناپسند کرتے[۳] تھے کہ آپ برہ کے پاس سے

مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ۔ تشریف لائے ہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

ف۱ یہ حضور علیہ السلام کے ازواج مطہرات میں سے ہیں دراصل ان کا نام برہ تھا۔

ف۲ یہ جاریۃ کی تصغیر ہے۔

ف۳ کیونکہ برۃ کا معنی نیکوکار کے ہیں اور نیکوکار سے واپس لوٹنا نیک نہیں ہوتا۔

ف۴ اس حدیث میں یہ سبب بیان فرمایا اور مادہ زینب میں تزکیہ نفس بیان ہوا تھا چونکہ اسباب میں مزاحمت نہیں ہوتی دونوں ہی سبب بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ممکن ہے جس قوم سے زینب میں تزکیہ نفس بیان ہوا تھا چونکہ اسباب تھیں انہوں نے ان کا نام تزکیہ نفس کے پیش نظر رکھا ہو اور وہ معاملہ یہاں نہ ہو اور یہ بھی وجہ ہے کہ یہ محاورہ کہ آپ فلاں خاتون کے پاس ہیں یا فلاں کے پاس سے تشریف لائے ازواج مطہرات کے بارے میں مستعمل اور متعارف تھا اس لیے اسی کا تذکرہ فرمایا واللہ اعلم یہ مخفی نہ رہے کہ نجیح، افلح وغیرہ ناموں میں جو بدفالی تھی یہاں بھی اس کا احتمال ہے اور وہ تزکیہ اور کراہت جس کا یہاں اعتبار ہے وہاں بھی ممکن ہے۔

۴۵۵۰ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک بیٹی تھی جسے عاصیہ کہا جاتا تھا رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

ف۱ عرب اپنی اولاد کا نام عاصی، عاصیہ رکھتے تھے اس کا معنی سرکشی، تکبر، عیب اور نقص سے مبرا ہو کر غلبہ بزرداری اور برائی ہے، اسلام آنے کے بعد یہ نام ناپسند قرار دیے گئے۔

ف۲ بظاہر عاصی کا مقابل مطیع ہے جمیل نہیں مگر غرض برے نام کی تبدیلی تھا اور ضد و مقابل کے ساتھ تبدیلی شرط نہیں، یا جمیل چونکہ ان تمام معانی پر مشتمل ہے کیونکہ جمیل کے کام بھی جمیل ہی ہوں گے۔

۴۵۵۱ وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ بِالْمُنْذِرِ ابْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلَى فَخِذِهٖ فَقَالَ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب منذر بن ابی اسید پیدا ہوئے تو انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے انہیں اپنی ران مبارک پر بٹھا کر پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا

مَا اسْمُہٗ قَالَ فُلَانٌ قَالَ لَا لٰكِنِ اسْمُہٗ الْمُنْذِرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْہِ)

اس کا نام فلاں ہے آپ نے فرمایا نہیں اس کا نام منذر ہے۔ (بخاری و مسلم)

۵۱ سہل بن سعد مشہور صحابی ہیں اور ان کا مدینہ طیبہ کے صحابہ میں سے آخر میں وصال ہوا۔

۵۲ منذر، میم پر پیش، نون ساکن، ذال کے نیچے زیر یہ ثقہ تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے، صاحب جامع الاصول نے اپنی عادت کے مطابق انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے۔

۵۳ ابو اسید۔ ہمزہ پر پیش یا زبر، ان کا نام مالک بن اسعد ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

۵۴ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا، یا لانے والے نے، ظاہر یہی ہے کہ ان کے والد لانے والے تھے۔

۵۵ جو نام رکھا ہوا تھا، چونکہ راوی کو اطلاع نہ تھی اس لیے نام ذکر نہ کیا، شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے پہلے نام پر اطلاع نہ ہو سکی۔

۵۶ یعنی ہم اس نام سے راضی نہیں ہیں یا مطلب یہ ہے کہ یہ نام مناسب نہیں ہے۔

۵۷ منذر، انذار سے مشتق ہے جس کا معنی تبلیغ احکام یا ڈرانا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نام (منذر) بمعنی فقیہ رکھا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔

۴۵۵۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَآئِكُمْ اِمَآءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ وَفَتَايَ وَفَتَاتِيْ وَلَا يَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقُلِ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهٖ مَوْلَايَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی یہ نہ کہے میرا عبد، میری کنیز تم تمام اللہ تعالیٰ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں یہ کہو میرا غلام، میری لونڈی میرا جوان، میری جوان خادمہ اور غلام یہ نہ کہے میرا رب یہ کہے میرا سید اور ایک روایت میں ہے کہ میرا سید، میرا مولیٰ کہے اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے مالک کو مولیٰ نہ کہے کیونکہ تم سب کا مولیٰ

فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ ہے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

۵۱؎ عبودیت میں غایت درجہ کی پستی اور تذلل و خشوع پایا جاتا ہے تو اس کی مستحق وہی ذات ہے جو کبریائی و عزت کے آخری درجہ پر فائز ہو اور وہ اللہ کی ذات ہے (یعنی عبودیت اور بندگی اسی کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہیے ۱۲ ق ن)۔

۵۲؎ غلام لڑکا، جاریہ، لڑکی۔ فتا۔ نوجوان مرد فتات نوجوان عورت، غلام اور جاریہ کے اطلاق میں شفقت اور مہربانی کا پہلو ہے، فتا اور فتات کے الفاظ اس لیے لائے کہ غلام وغیرہ بوڑھے بھی ہو جائیں تو انہیں جوان ہی گردانا جاتا ہے ان کی بزرگی کو نگاہ میں نہیں رکھا جاتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ قوت و طاقت سے خدمت کی بجاآوری کی وجہ سے ایسا ہو الغرض اپنے مملوکہ غلاموں کے لیے یہ کلمات عبدی اور امی سے بہتر ہیں۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ "عَبْدٌ وَ اَمَۃٌ" کا اطلاق اس وقت منع ہے جب حقارت و ذلت کے لیے ہو ورنہ قرآن و حدیث میں عبد اور اَمَۃٌ کا اطلاق آیا ہے جس طرح مالکوں کو زبان سے ناشائستہ کلمات نکالنے سے منع کیا اسی طرح مملوکوں کو بھی یہی ہدایت عطا فرمائی۔

۵۳؎ اگرچہ رب کا معنی مربی اور تربیت کرنے والے کے ہیں لیکن مطلقاً (بغیر کسی اضافت کے) یہ اللہ کی صفت ہے اگر اس کا اطلاق کسی آدمی پر کیا جائے تو اس سے اشتراک کا وہم پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی بطریق تعظیم ہو تب منع ہے ورنہ اس کا اطلاق بھی موجود ہے۔

۵۴؎ کیونکہ مالک کو ملوک کی نسبت فضیلت و سیادت حاصل ہے۔

۵۵؎ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (وہ کتنا اچھا مولی ہے اور کتنا اچھا مددگار)

۴۵۵۳ / ۱۲ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرَمَ فَاِنَّ الْكَرَمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کہو کرم[۱] کیونکہ کرم مومن کا دل ہے۔

(مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ لَا تَقُوْلُوا لَا تَقُوْلُوا الْكَرَمَ وَلٰكِنْ قُوْلُوا

اور ایک دوسری روایت میں وائل بن حجر سے ہے فرمایا کرم نہ کہو، عنب[۲] اور

اَلْعِنَبَ وَالْحَبَلَۃَ۔ حَبَلَۃ کہو۔

سلہ کرم راساکن ہے۔ انگور یا انگور کا درخت۔

سلہ عنب سے مراد انگور کا درخت ہے، حبلہ، حا پہ زبر اور سکون دونوں طرح ہے انگور کے درخت کو کہا جاتا ہے بعض اوقات مجازاً انگور ہی کو کہہ دیا جاتا ہے یعنی انگور کو اور اس کے درخت کو کرم نہ کہو اس کے دوسرے ناموں کو استعمال میں لاؤ۔ اہل عرب انگور اور اس کے درخت کو کرم کہتے تھے کیونکہ وہ اس سے شراب حاصل کرتے جو ان کے خیال کے مطابق انہیں سخاوت و کرم پر ابھارتا تھا پس اس سے منع کر دیا گیا کہ وہ ام الخبائث ہے اس کے ساتھ کرم اور خیر کا کیا تعلق ؟ تاکہ محرمات کی مدح و تعریف اور نفوس میں ان کی رغبت پیدا نہ ہو اس لیے فرمایا کہ مومن کا دل کرم ہے کیونکہ وہ علم و تقویٰ کے انوار اور اسرار و معارف کا مرکز ہے اور لفظ کرم تمام خیرات و اخلاق کو شامل ہے کہا گیا ہے کہ جب آپ کسی کا وصف کرم کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے لیے خیرات کے تمام پہلو ثابت ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث کا مقصد محض انگور کے درخت پر لفظ کرم کے اطلاق سے منع کرنا نہیں بلکہ اس اسم کے اسی کے ساتھ خاص کر دینے سے منع کیا گیا ہے تو مقصد مومنوں کو اس بات کے لیے بیدار کرنا ہے کہ وہ دلوں کو مکارم اخلاق اور اچھی صفات کے ساتھ متصف کریں یہ نہ ہو کہ درخت اس نام سے متصف ہو جائیں اور انسان جو اس کرم کا زیادہ سزاوار تھا خالی رہ جائے گویا فرمایا تم کرم کو انگور کے ساتھ کیوں مخصوص کرتے ہو تمہیں خود صاحب کرم ہونا چاہیے یہ خلاصہ ہے اس گفتگو کا جو زمخشری نے کی کہ اس حدیث کا مقصود اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی بطریق احسن تاکید ہے کیونکہ مومن متقی اس بات کا اہل اور مستحق ہے کہ کرم سے مشتق صفت کریم سے متصف ہو کرم را پر زبر اور کرم را ساکن دونوں باب کرم یکرم سے ہیں اسے بطور وصف مبالغہ لایا جاتا ہے رجل عدل کی طرح رجل کرم، امراۃ کرم، رجال کرم نسوۃ کرم یہاں یہ کریم کے معنی میں ہے۔ علامہ طیبی نے امام محی السنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۴۵۵۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ وَلَا تَقُوْلُوْا یَاخَیْبَۃَ الدَّھْرِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْرُ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

۱۳

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: انگور کے درخت کا نام کرم نہ رکھو۔ اور یوں نہ کہو ہائے! زمانے کی محرومی کیونکہ اللہ ہی دہر ہے۔ (بخاری)

لے یہاں سے معلوم ہوا کہ انگور کو بھی کرم کہا جاتا ہے جس طرح اس کے درخت کو۔ اور سابقہ حدیث کی شرح میں اس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا تھا۔

لے زمانے کو بُرا نہ کہو اور اس کے بارے میں شکایت نہ کرو اور اس کو موثر اور احوال میں تبدیلی کرنے والا نہ کہو۔

لے اصلاً موثر اور تبدیلی احوال کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تم اس کی نسبت آسمان وغیرہ کی طرف کرتے ہو حالانکہ درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۴۵۵۵ ۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسُبُّ اَحَدُكُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی زمانے کو گالی نہ دے کیونکہ اللہ ہی دہر ہے لے۔
(مسلم)

لے اس حدیث کی تشریح کتاب کی ابتدا میں باب الایمان کی شرح میں گزر چکی ہے۔

۴۵۵۶ ۱۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا ہے ہاں یہ کہے کہ میرا نفس لے پریشان ہو گیا۔
(بخاری و مسلم)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يُؤْذِيْنِي ابْنُ اٰدَمَ فِيْ بَابِ الْاِيْمَانِ۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کہ مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے باب الایمان میں گزر چکی ہے۔

# اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۴۵۵۷ / ۱۶ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهِ سَمِعَهُمْ يُكَنُّونَهُ بِأَبِي الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكَنَّى أَبَا الْحَكَمِ قَالَ إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ بِحُكْمِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِي شُرَيْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُ اللهِ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

# دوسری فصل

حضرت شریح[۱] بن ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے سنا کہ لوگ انہیں ابوالحکم[۲] کہہ رہے ہیں، آپ نے انہیں بلایا اور فرمایا: حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور فیصلے بھی اسی کے ہیں تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے؟ عرض کیا کہ جب میری قوم میں اختلاف ہو جاتا ہے تو وہ میرے پاس آ جاتے ہیں اور میں ان کا فیصلہ کر دیتا ہوں تو دونوں فریق میرے فیصلے پر راضی ہو جاتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمہارے کتنے لڑکے ہیں؟ عرض کیا میرے (تین بیٹے) شریح، مسلم اور عبد اللہ ہیں فرمایا ان میں بڑا کون ہے؟ عرض کیا شریح فرمایا تم ابوشریح ہو۔

(ابوداؤد، نسائی)

۱ ان کی ولادت حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں ہوئی چونکہ اپنے بھائیوں میں بڑے تھے اس لیے حضور نے ان کے نام پر ان کے والد کی کنیت رکھی عمر رسیدہ، ثقہ، عبادت گزار اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، اپنے والد حضرت ہانی سے روایت کرتے ہیں۔

۲ حکم حاء اور کاف دونوں پر زبر ہے۔

۵۳ حکم اسی کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ غیر کی طرف۔

۵۴ تو یہ کنیت کیوں رکھی؟ کیونکہ حکم تو ایسے حاکم کا ہوتا ہے جسے رد نہ کیا جا سکے اور یہ صفت صرف اللہ رب العزت کی ہے، کوئی دوسرا اس لائق کہاں۔ (کذا قال الطیبی)

۵۵ یہ ہانی کی طرف سے کنیت رکھنے کا عذر ہے۔

۵۶ ہانی کا جواب آپ کے سوال کے مطابق بظاہر محسوس نہیں ہوتا کیونکہ آپ نے حصر فرمادیا تھا کہ حکم رانی باری تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے اس کے جواب میں یہ کہنا کہ قوم نے مجھے یہ مرتبہ دے رکھا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا، غالباً ان کا مقصود یہ ہے آپ نے جو فرمایا وہ ہی حق ہے میں اس لائق نہیں ہوں مگر میں کیا کروں میری قوم میرے لیے یہ لفظ استعمال کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی نرم اور احسن انداز میں سمجھایا کہ آپ کا یہ حال بہت خوب، مگر کنیت اچھی نہیں انہوں نے عرض کیا کہ میں کیا کنیت رکھوں تو آپ نے تجویز فرمادی ہے۔

(ابو شریح)

۵۷ تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔

۵۸ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے "مَا اَحْسَنَ ھٰذَا" میں ما نافیہ ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اس اچھے عمل کے باوجود کنیت درست نہیں لیکن پہلی توجیہ زیادہ واضح ہے۔

۴۵۵۸ / ۱۷ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مَسْرُوْقُ بْنُ الْاَجْدَعِ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْاَجْدَعُ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت مسروق[۱] بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی فرمایا: آپ کون ہیں؟ عرض کیا میں مسروق بن اجدع ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اجدع[۲] شیطان ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱ یہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔

۲ جدع۔ دونوں کانوں، ہاتھوں اور ہونٹ کا کاٹ دینا ہے اور قاموس میں اجدع کا معنی شیطان تحریر کیا ہے۔ مسروق کے والد بڑے تابعین میں سے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نام بدل کر عبد الرحمن رکھ دیا۔

۴۵۵۹ / ۱۸ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَآئِكُمْ وَاَسْمَآءِ اٰبَآئِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت تمہیں تمہارے اور تمہارے باپوں کے ناموں سے بلایا جائے گا تو اپنے اچھے[۱] نام رکھو۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

[۱] یہ تمام امت مسلمہ کے لیے ہے اس میں باپ از خود شامل ہوں گے، بعض روایات میں کہ روز قیامت ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی متعدد حکمتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ زنا سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے شرمندگی اور رسوائی نہ ہو دوسرا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہی نہیں اور تیسرا یہ کہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شرف نسب کے اظہار کی خاطر ایسا ہوگا۔ اگر یہ روایت ثابت ہے تو لفظ آبا کو تغلیب پر محمول کیا جائے گا۔ جس طرح لفظ ابوین ہے یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں صورتیں ہوں کبھی باپ اور کبھی ماں کے نام سے یا بعض کو باپ کے نام اور بعض کو ماں کے نام سے یا بعض مقامات پر ماں کے نام سے اور دیگر مقامات پر باپ کے نام سے بلایا جائے۔

۴۵۶۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّجْمَعَ اَحَدٌ بَيْنَ اِسْمِهٖ وَكُنْيَتِهٖ وَيُسَمّٰى مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
۱۹

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص آپ کے نام اور کنیت دونوں کو جمع کرے اور اسے محمد[۱] ابوالقاسم کہا جائے۔ (ترمذی)

[۱] یہاں اعراب میں دو احتمال ہیں، رفع اور نصب اگر لفظ یُسَمّٰی مجہول کا صیغہ ہو جس طرح کہ ترمذی، شرح السنۃ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں ہے تو "محمدٌ" پر پیش پڑھیں گے تو معنی ہوگا نام اور کنیت دونوں کو جمع کرکے نام نہ رکھا جائے اور اگر لفظ یُسَمِّیْ معروف ہو تو "محمد" پر زبر آئے گی اب معنی ہوگا کہ وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ اپنی کنیت ابوالقاسم نہ رکھے۔

۴۵۶۱ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمَّيْتُمْ بِاسْمِيْ فَلَا تَكْتَنُوْا
۲۰

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میرا نام رکھو تو

بِكُنْيَتِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ فِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰى بِإِسْمِيْ فَلَا يَكْتَنِ بِكُنْيَتِيْ وَ مَنْ تَكَنّٰى بِكُنْيَتِيْ فَلَا يَتَسَمَّ بِإِسْمِيْ۔

میری کنیت نہ رکھو۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے ابوداؤد میں ہے فرمایا جو شخص میرے نام پر نام رکھے وہ میری کنیت نہ رکھے جو میری کنیت رکھے وہ میرا نام نہ رکھے[1]۔

[1] ان احادیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ دونوں کا جمع کرنا منع ہے تنہا نام رکھنا یا کنیت اس میں کوئی حرج نہیں۔

4562/21 وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ وَلَدْتُ غُلَامًا فَسَمَّيْتُهٗ مُحَمَّدًا وَ كَنَّيْتُهٗ أَبَا الْقَاسِمِ فَذُكِرَ لِيْ أَنَّكَ تَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا الَّذِيْ أَحَلَّ إِسْمِيْ وَ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ أَوْ مَا الَّذِيْ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ وَ أَحَلَّ إِسْمِيْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَ قَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ غَرِيْبٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے[1] مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اسے[2] ناپسند فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ کونسی چیز ہے جس نے میرا نام جائز اور میری کنیت ناجائز یا[3] (فرمایا) وہ کونسی چیز ہے جس نے میری کنیت ناجائز اور میرا نام جائز کر دیا ہے۔ (ابوداؤد) امام محی السنۃ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] آپ کا نام اور کنیت جمع کر دی ہے۔
[2] نام اور کنیت کے جمع کرنے کو۔
[3] راوی کو شک ہے کہ آپ نے پہلے نام کا ذکر کیا یا کنیت کا، مقصود میں کوئی فرق نہیں لیکن محدثین الفاظ روایت میں بھی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ دلالت کر رہی ہے کہ نام اور کنیت کا جمع کرنا منع نہیں، اس سے یہ واضح ہو

جاتا ہے جمع کرنے سے نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ جمع کی ممانعت کے بارے میں وارد احادیث منسوخ ہیں۔

۴۵۶۳/۲۲ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ وُلِدَ لِي بَعْدَكَ وَلَدًا أُسَمِّيهِ بِاسْمِكَ وَأُكَنِّيهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت محمد بن حنفیہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ کے بعد میرے ہاں بیٹا پیدا ہو تو کیا اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ دوں فرمایا ہاں[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[۲] یہ حدیث نام اور کنیت دونوں کو جمع کرنے کے جواز پر دال ہے جو لوگ وصال کے بعد بھی اس سے منع کرتے ہیں ان کے نزدیک یہ حضرت علی کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ ترمذی میں حضرت علی سے مروی ہے کہ یہ فقط میرے لیے رخصت ہے، دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں سابقہ گفتگو میں آچکا ہے کہ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ احادیث بھی مختلف ہیں۔ ہر ایک نے الگ الگ توجیہ کی ہے صحیح رائے یہ ہے کہ آپ کا نام رکھنا جائز ہے اور کنیت منع ہے، اس طرح نام اور کنیت کا جمع کرنا آپ کی ظاہری حیات میں اور بعد از وصال منع ہے۔

۴۵۶۴/۲۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَنَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ أَجْتَنِيهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَفِي الْمَصَابِيحِ صَحَّحَهُ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری کنیت اس سبزی[۱] کے ساتھ رکھی جسے میں چنا کرتا تھا ترمذی نے روایت کر کے کہا کہ اس حدیث[۲] کو ہم اسی سند سے جانتے ہیں اور مصابیح میں اسے صحیح کہا ہے۔

[۱] اس سبزی کا نام حمزہ ہے بے نقطے حا اور نقطے والی زا کے ساتھ، یہ ایک سبزی ہے جس کے ذائقے میں تیزی اور ترشی ہے، فارسی میں اس سبزی کو تیزک کہتے ہیں، صراح میں ہے حمز زبان کا تیزی محسوس کرنا شروب گھاس حمزہ اس سبزی کو کہتے ہیں جس کا نام تیزک ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی نسبت سے

حضرت انس کی کنیت ابوحمزہ رکھ دی۔

ف۲ وہی سند جو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کی ہے یعنی حدیث غریب ہے اور اس کی ایک ہی سند ہے۔

ف۳ وحدت سند اور صحت حدیث میں کوئی منافات نہیں کیونکہ ممکن ہے سند حدیث واحد ہو اور وہی سند صحیح ہو جیسا کہ مقدمہ میں گذر چکا ہے۔

۴۵۶۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيْحَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بُرے نام کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ (ترمذی)

ف۱ اور اس کی جگہ اچھا نام رکھ دیتے خواہ آدمی کا نام ہوتا یا کسی جگہ کا۔

ف۲ احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں مروی ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ مولف نے کیا ہے۔

۴۵۶۶ وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَمِّهٖ اُسَامَةَ بْنِ اَخْدَرِيٍّ اَنَّ رَجُلًا يُقَالُ لَهٗ اَصْرَمُ كَانَ فِي النَّفَرِ الَّذِيْ اَتَوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ قَالَ اَصْرَمُ قَالَ بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت بشیر بن میمون اپنے چچا حضرت اسامہ بن اخدری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کو اصرم کہا جاتا تھا اور وہ اس جماعت میں تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا اصرم فرمایا بلکہ تیرا نام زرعہ ہے۔ ابو داؤد نے روایت کرکے کہا

وَقَالَ غَيَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَ الْعَاصِ وَعَزِيْزٍ وَعَتَلَةَ وَشَيْطٰنٍ وَالْحَكَمِ وَغُرَابٍ وَحُبَابٍ

کہ حضور علیہ السلام نے عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، حباب، شہاب جیسے نام تبدیل فرما دیئے اور کہا کہ

وَّ شِهَابٍ وَّ قَالَ تَرَكْتُ أَسَانِيْدَهَا لِلْاِخْتِصَارِ۔ میں نے ان کی سندیں اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہیں۔

۵۱ بشیر بار پر زبر شین کے نیچے زیر، تابعی ثقہ اور صدوق ہیں، ابن معین کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۵۲ اخدری، ہمزہ پر زبر، خا ساکن دال پر زبر ہے، یہ تمیمی۔ بصری ہیں اس حدیث کی سند اور صحت محل نظر ہے۔ ان ہی سے ایک حدیث مروی ہے (کذانی جامع الاصول) کاشف میں ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

۵۳ اصرم۔ ہمزہ پر زبر، صاد ساکن اور اس کے بعد را ہے۔

۵۴ نفر ایسی جماعت کو کہتے ہیں جس کی تعداد تین اور دس کے درمیان ہو۔

۵۵ زرعہ زا پر پیش، را ساکن۔

۵۶ اصرم صرم سے مشتق تھا اس کا معنی ہے درخت کاٹنا حضور علیہ السلام نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے زرعہ کے ساتھ بدل دیا زرعہ زراعت سے ہے جو خیر و برکت پر دال ہے۔

۵۷ عاص، عاصی کا مخفف ہے اس کی دلالت نافرمانی اور عدم اطاعت پر ہے حالانکہ مومن کا شعار اطاعت ہے۔

۵۸ عزیز یہ عزت اور غلبہ پر دال ہے جبکہ بندوں کا طریقہ خشوع و خضوع ہے۔

۵۹ عتلہ۔ لوہے کا وہ آلہ جس کا سر کلہاڑے کی طرح ہوتا ہے اس کے ساتھ دیوار کو گرایا جاتا ہے دراصل اس کا معنی کسی چیز کو سختی سے کھینچنے کے ہیں اس میں درشتی اور سختی کا پہلو ہے اور مومن کا وصف نرمی و آسانی ہے

۶۰ شیطان اس کی تبدیلی کی حکمت واضح ہے۔

۶۱ حکم یہ حکومت پر دال ہے حالانکہ حقیقۃً حکم اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔

۶۲ غراب وہ پرندہ (کوا) جو مردار اور گندگی پر گرتا ہے اور یہ دوری اور بعد میں بھی دال ہوتا ہے

۶۳ حباب، یہ شیطان کا نام ہے، اس کا معنی سانپ بھی ہے، صراح میں ہے کہ حباب حا پر پیش سانپ اور جن کو کہتے ہیں۔

۶۴ شہاب، اس شعلہ آگ کو کہا جاتا ہے جس سے شیاطین کو بھگایا جاتا ہے۔

۶۵ یا عدم اہتمام کی وجہ سے کہ وہ ایسی نہیں تھیں کہ ان پر احکام شرعیہ موقوف ہوں لیکن ان اسماء کا ذکر ضروری تھا حتی کہ آپ نے تبدیل فرما دیا۔

۴۷۶۷/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بِئْسَ مَطِیَّۃُ الرَّجُلِ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ قَالَ اِنَّ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ حُذَیْفَۃُ)

سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ سے کہا یا ابو عبد اللہ نے ابو مسعود کو کہا کہ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زعموا[۲] کے بارے میں کیا فرماتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ آدمی کی بری[۳] سواری ہے۔ (ابو داؤد نے روایت کرکے کہا کہ ابو عبد اللہ سے مراد حذیفہ[۴] ہیں۔

۵۱ راوی کو شک ہے (کہ سوال کس نے کیا) ابو مسعود انصاری مشہور ہیں ان کا تذکرہ متعدد مقامات پر ہوا ہے ابو عبد اللہ سے مراد حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ آخر حدیث میں ہے۔

۵۲ لفظ زَعَمُوْا مراد ہے، کہا جاتا ہے زعم فلاں کذا یعنی لوگوں کی طرف زعم کی نسبت کرنا کیسا ہے، نہایہ میں ہے کہ لفظ زعم، زا پر پیش اور زبر کے ساتھ اس کا معنی ظن ہے، صراح میں اسے باب نصر ینصر سے قرار دیا ہے اور کہا کہ لفظ زعم، قول کے عدم صحت کی دلیل ہے قاموس میں ہے زا پر پیش، زبر اور زیر تینوں پڑھ سکتے ہیں اس کا اطلاق حق و باطل اور صدق و کذب دونوں پر ہوتا ہے اکثر طور پر اس چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں شک ہو، ایک صحابی نے دوسرے سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام نے اس کے بارے میں کیا فرمایا۔

۵۳ لفظ زَعَمُوْا کو ابتداء کلام میں ذکر کرکے اپنی غرض کو حاصل نہیں کیا جا سکتا یہ اسی طرح ہے جس طرح بری سواری پر سوار کسی منزل کی طرف جائے چونکہ لفظ زعم محض گمان و ظن کے لیے آتا ہے تو جس کلام کی ابتداء میں اس کا ذکر آئے گا اس کا مدار ظن پر ہوگا نہ کہ جزم و یقین پر، گویا یہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ کلام ظنی طور پر ہے اس کی سند یا ثبوت کوئی نہیں اس لیے ضروری ہے کہ روایت و حکایت بیان کرتے وقت احتیاط و جزم سے کام لیا جائے بے اعتماد روایت کو ترک کر دیا جائے، اسی لیے زَعَمُوْا کو کذب کی سواری کہا گیا ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ زعم کی نسبت کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ فلاں نے زعم کیا ہے ہاں اگر جھوٹ کا یقین ہو اور مقصد یہ ہو کہ لوگ اس کے جھوٹ اور دروغ گوئی سے دھوکہ نہ کھائیں تو پھر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ جیسا کہ محدثین نے کیا ہے۔

۵۴ یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں اور حضور علیہ السلام کے رازوں کے امین ہیں۔

۴۵۶۸/۴۷ وَعَنْ حُذَیْفَۃَ عَنِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ فُلَانٌ وَّلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں نہ کہو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں[۱] چاہے بلکہ یوں کہا کرو اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر فلاں نے چاہا۔ (احمد، ابوداؤد)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ مُنْقَطِعًا قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ وَ قُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ایک منقطع روایت میں ہے فرمایا یوں نہ کہو کہ اللہ[۳] چاہے اور محمد چاہے بلکہ صرف یوں کہو کہ جو اللہ چاہے۔ (شرح السنۃ)۔

۱ ؎ کیونکہ یہ غیر کو اللہ کے مساوی بنانا ہے۔

۲ ؎ اگر کہنا ہے تو یہ طریقہ اختیار کرو۔ تاکہ دوسرے کا ارادہ اور مشیت اللہ تعالیٰ کے تابع ہو۔

۳ ؎ اس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تواضع اور غایت درجہ کی انکساری ہے کیونکہ کسی اور کے ذکر کرنے کی بالتبع اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میری مشیت کی بات نہ کرو بلکہ صرف اور صرف پروردگار کی مشیت کی طرف نسبت کرو۔

۴۵۶۹ (۲۸) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدًا فَاِنَّهٗ اِنْ يَّكُ سَيِّدًا فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

انہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا منافق[۱] کو سردار نہ کہو اگر وہ تمہاری نظر میں سید ہے تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر لیا[۲] (ابوداؤد)

۱ ؎ کافر، فاسق، فاجر بھی اس میں داخل ہیں۔ منافق کی تخصیص اس لیے فرمادی کہ اس کا کفر مخفی ہوتا ہے۔ تو اس کے حق میں مدح اور خوشامد کا احتمال ہو سکتا تھا لہٰذا اس سے منع کر دیا کہ منافق کو سردار نہیں کہنا چاہیے

۲ ؎ اس حدیث کو مختلف معانی پر محمول کیا گیا ایک یہ کہ منافق کے لیے سیادت اس کی اطاعت کا اعتراف ہے۔ اور یہ اللہ کے غضب کا موجب ہے دوسرا یہ کہ منافق کو سید نہ کہو کیونکہ اسے سید کہنے سے اللہ تعالیٰ ناراض

ہوتا ہے گویا اس کے سید ہونے سے مراد اسے سید کہنا ہے (کذا قال الطیبی)

لیکن اس معنی میں تکلف و خفا ہے بعض حواشی میں ہے کہ اگر وہ منافق دنیا میں صاحب مال و جاہ تھا تو پھر بھی تعظیم کا مستحق نہ تھا لہذا اس کی تعظیم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا اور اگر وہ دنیا میں صاحب جاہ و منصب نہ تھا تو اسے سید کہنا ہی غلط بیانی ہے۔

## اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

## تیسری فصل

۴۵۷/۲۹ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِيْ اَنَّ جَدَّهٗ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اِسْمِيْ حَزْنٌ قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبدالحمید بن جبیر[1] بن شیبہ[2] بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن مسیب کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے مجھے یہ روایت بیان کی کہ ان کے جد امجد حزن[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے! عرض کیا میرا نام حزن ہے فرمایا[4] بلکہ تم سہل[5] ہو، عرض کیا میرے باپ نے جو نام رکھا ہے اسے میں نہیں بدل سکتا۔ ابن مسیب کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ[6] ہمارے ہاں رنج و غم رہا[7] (بخاری)

[1] جبیر۔ جیم پر پیش۔ با پر زبر اور یا ساکن ہے۔

[2] شیبہ (شین پر زبر، یا ساکن) بن عثمان حجبی یہ اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن جریج اور ابن عیینہ نے روایت کی ہے۔

[3] حزن۔ حا پر زبر اور زا ساکن ہے اس کا معنی سخت زمین ہے۔

[4] آپ نے نام تبدیل کرنے کے ارادہ سے فرمایا۔

[5] تیرا نام سہل رکھتا ہوں۔ یہ حزن کی ضد ہے اور اس کا معنی آسانی و نرمی کے ہیں۔

[6] کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کا منتخب نام نہیں رکھا تھا۔

[7] یہ حزن بن وہب بن عائذ مخزومی و قریشی ہیں اور جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں سے تھے

مہاجرین ان کے صاحبزادے کا نام مسیب اور ان کے بیٹے کا نام سعید ہے، یہ بیعت رضوان میں شامل تھے، غالباً یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب انہوں نے حفاظت اسلام کی خاطر ہجرت کی چونکہ ابھی صدق ایمان اور تہذیب اخلاق سے مشرف نہ تھے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقررہ کردہ نام نہ رکھا۔

**۴۷۵۱** وَعَنْ اَبِیْ وَھْبٍ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسَمَّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِیَآءِ وَ اَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ اَصْدَقُھَا حَارِثٌ وَ ھَمَّامٌ وَّ اَقْبَحُھَا حَرْبٌ وَّ مُرَّۃٌ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور بہت [۱] سچے نام حارث وہمام اور بدتر نام [۲] حرب و مرہ ہیں۔ (ابوداؤد)

[۱] واقع کے مطابق ہیں کیونکہ حارث کا معنی کاسب ہے، قاموس میں ہے حرث، کسب، جمع مال اور کھیتی کو کہتے ہیں۔ اور ہمام، ہم بمعنی قصد وارادہ سے ہے اور اگر کوئی شخص ایسی صفت سے خالی نہیں ہوتا اگر معنی زراعت کو پیش نظر رکھا جائے تو حضور علیہ السلام کے اس ارشاد عالی کے پیش نظر بہ نیک حالی کی علامت ہے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس حوالے سے ہر شخص میں زراعت کا عمل موجود ہے۔ ابتداً آپ نے انبیا کے نام رکھنے کا حکم دیا چونکہ اس میں تزکیۂ نفس اور رفعت شان کا شائبہ تھا اس لیے آپ نے عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے نام (جو تواضع اور خضوع پر دال ہیں) رکھنے کی تلقین کی جب آپ نے محسوس فرمایا کہ حقوق عبودیت میں کوتاہی ممکن ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کذب نہ ہو تو اس لیے حارث وہشام کے بارے میں فرمایا کیونکہ بلاشبہ نفس الامر کے مطابق ہیں علامہ طیبی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

[۲] کیونکہ یہ لڑائی۔ قتل، جدال کڑوی طبیعت اور کراہت پر دال ہیں۔